البرھان

مذہبِ عیسائیت کا تحقیقی جائزہ

عبد الرحمٰن

Huqooq-un-Naas
Welfare Foundation
CENTER FOR NEW MUSLIMS

بسم اللہ الرحمن الرحیم

البرہان

مذہبِ عیسائیت کا تحقیقی جائزہ

عبد الرحمن

حقوق الناس ویلفیئر فاؤنڈیشن لاہور

نام کتاب	:	البرہان
تالیف	:	عبدالرحمٰن
اہتمام	:	عبدالوارث گل
ناشر	:	حقوق الناس ویلفیئر فاونڈیشن، لاہور
اشاعت	:	اوّل، جنوری 2019ء
تعداد	:	500

ملنے کا پتہ

حقوق الناس ویلفیئر فاونڈیشن، لاہور

+92-321-4115721

مقدمہ

آسمانی مذاہب کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی کہ انسان کی تاریخ، شروع دن سے ہی جہاں وجودِ انسانی کی مادی آرائش وافزائش پوری کرنے کے لئے کبھی نا ختم ہونے والے وسائل مہیا کردیئے گئے وہیں روحانی واخلاقی اصلاح اور مقصد تخلیق وضع کرنے کے لئے انبیاء علیہم السلام کا ایک طویل سلسلہ جاری کردیا گیا اوران پر نازل ہونے والی آسمانی کتابوں کا بنیادی ومرکزی نکتہ بھی اپنی پوری وضاحت کے ساتھ بیان کردیا گیا کہ ''خداوند تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے، وہی خالقِ کائنات ہے اور تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، تمام عبادات، رکوع وسجود، اطاعت اور ہر طرح کی حمد وتعریف اسی کے لئے ہے۔'' الہامی مذاہب کی یہ ہمیشہ مسلمہ تعلیمات رہی ہیں جس پر اسلام شاہد ہے۔ دن، مہینے، سال اور زمانے بدلنے کے ساتھ ساتھ نا صرف قوم، قبیلے، لوگ بدلے بلکہ انکی سوچ بدلی جس کا اثر ان کے مذاہب کے مسلمہ اصولوں پر پڑنے لگا اوراس طرح لوگ کئی طرح کے گروہوں اور فرقوں کا شکار ہوگئے اور نئے نئے مذاہب وجود میں آنا شروع ہوگئے۔ لہٰذا بگڑے عقائد کی اصلاح اور باطل نظریات کی بیخ کنی کے لئے اللہ سبحان وتعالیٰ ہر دور میں نبیوں کو بھیجتے رہے جب کہ قومِ موسیٰ کی سرکشی وبغاوت حد سے تجاوز کرگئی تو موسیٰ علیہ السلام کے رب نے سیدنا مسیح علیہ السلام کو اس قوم کی طرف بھیجا مسیح علیہ السلام کم وبیش اپنی عمر کے 33 برس ان میں گزارے اوران کی رشد وھدایت کا سامان کرتے رہے کچھ لوگ خدائے یکتا پر ایمان لائے مگر اکثریت نے نا صرف آپ کی نبوت ورسالت کا انکار کیا بلکہ آپ پر کفر کا فتویٰ لگا کر سزائے موت کا مطالبہ کرنے لگے بگڑے ہوئے یہود کے ظلم وبربریت سے بچانے کے لئے خالقِ ارض وسماں نے مسیح علیہ السلام کو زندہ ہی آسمانوں پر اٹھالیا اور آپکے جان نشین وسچے پیروکار آپ علیہ السلام کے مشن کی تبلیغ کرتے رہے بالآخر وہ بھی اپنے مالک حقیقی سے جا ملے اور پھر بعد میں آنے والے پیروانِ مسیح نے بھی نا صرف اپنی خواہش قلم کی جنبش سے الہامی کتب کو تحریف کا نشانہ بنایا بلکہ آسمانی تعلیمات کو یکسر بدل کے رکھ دیا۔ آج کا معصوم مسیحی، مسیح علیہ السلام کی اصل تعلیم اور تاریخ سے اس قدر لاعلم ہے کہ وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ مروجہ کتبِ مقدسہ ومسیحی عقیدہ رسولی، نیقیہ اور اثناسیس یا اتھناسیسی عقائد یعنی تثلیث، ابن اللہ، موروثی گناہ اور عقیدہ تصلیب وکفارہ مسیح علیہ السلام کے وضع کردہ ہیں جبکہ یہ بات ہرگز درست نہیں کیونکہ سابقہ الہامی کتب اور تاریخ اپنے سینے میں اس قدر حقائق اور براہین لئے مسیحیت پر نوحہ کناں ہے کہ جس سے صرف غیر ہی نہیں اپنے بھی پریشاں ہیں۔ مجھے ان حقائق کا ادراق اس وقت ہوا جب زمانہ عیسائیت میں حیاتِ مختصر کا احساس ہوا تو عارضی وفانی دنیا بے مزہ سی لگنے لگ گئی حیاتِ جاوداں کے شوق نے مطالعہ عیسائیت کی طرف راغب کردیا لاکھ کوشش کے باوجود آبائی مذہب کا فلسفہ حیات، عقائد وعبادات، تہوار اور رسومات کبھی بھی میری عقل وروح کی تسکین وراحتِ جاں کا ساماں نا کرسکیں کیونکہ ہمیشہ مسیح علیہ السلام اور پولس کی تعلیم میں ایک واضح تضاد تھا جسے میں ہمیشہ محسوس کرتا رہا یعنی عیسائیت کا تصورِ خدا جو اپنے ضعف کی وجہ سے اس قدر مایوس کن تھا کہ ناقابل بیاں ہے، تعظیم یسوع المسیح میں ایسا مبالغہ کہ جہاں خدا کی بھی ثانوی حیثیت معلوم ہوتی تھی۔ کلیساؤں نے انبیاء ورسول کی جو کردار کشی کی اسکی مثال نہیں ملتی اور یوں میرا آبائی مذہب میرے

لئے ایک افسانوی منظر پیش کرنے لگ گیا۔ باوجود تحریف و تبدل کے اگر آج بھی وہ مواعظ جو سیدنا مسیح علیہ السلام سے براہِ راست اناجیل میں نقل کیے گئے ہیں انکا موازنہ عہدنامہ قدیم سے کریں تو احساس ہوگا کہ یہ وہی فطری تعلیمات، عقائد و نظریات ہیں جسکا تسلسل انبیائے سابقہ سے چلا آرہا تھا جبکہ اس کے برعکس مروجہ عیسائیت میں پولس کے خودساختہ عقائد، اور نظریات کا موازنہ Red later words of Jesus یعنی مواعظِ مسیح علیہ السلام، عہدنامہ قدیم اور انبیاء سابقہ سے کریں تو شرق و غرب کا اختلاف نظر آتا ہے۔ اناجیل و تعلیماتِ مسیح، بائبل کا تصورِ الہام، عقائد، تحریف اور نظریاتِ پولس و دیگر عناوین قریب دو ہزار سال سے محققین و متکلمین کا موضوعِ بحث بنے ہوئے ہیں جس نے بہت ساری تقاریر و تحاریر کو جنم دیا۔

زیرِ نظر کتاب ''البرہان'' بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے مجھے اس بات پر فخر ہے کہ پیکرِ محبت و شفقت، نیک کردار و خوش گفتار، سرسبز و شاداب سوچ اور استاد صفت انسان محترم عبدالرحمٰن صاحب میرے دوست نما بزرگ ہیں آپ کی علم دوستی اور تقابلِ ادیان کے ذوق کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ معاشی مصروفیات کے باوجود بہائیت، مرزائیت و عیسائیت اور دیگر اہم موضوعات پر تصانیف کو وجود بخشا جو علمی حلقوں میں یقیناً ایک شاہکار ثابت ہوں گی اس کتاب کی تیاری میں آپ نے اعلیٰ درجہ کا تحقیقی انداز اختیار کرتے ہوئے عیسائیت کے اپنے مراجع، دیگر قدیم و جدید مختلف زبانوں اور امہات الکتب کے مطالعہ کے بعد اس کو مرتب کیا بہت عمدہ انداز میں اس کتاب میں مسیحیت کے تقریباً تمام چنیدہ مسائل کو زیرِ بحث لاکر نا صرف ان کی حقیقت کو واضح کرنے کی ایک خوبصورت سعی کی ہے بلکہ جنابِ مسیح علیہ السلام کی پیش کردہ تعلیمات کی روشنی میں مسیحیت کی اصلاح کی ممکنہ کوششوں کو بھی بروئے کار لایا گیا ہے۔ یقیناً آپ کی یہ تصنیف علمی حلقوں میں نا صرف توجہ کا مرکز بنے گی بلکہ متلاشیانِ حق کے لئے مشعلِ راہ بھی ثابت ہوگی ان شاء اللہ۔ باعث سعادت ہے کہ یہ کتاب حقوق الناس ویلفیئر فاؤنڈیشن کے تحت شائع کی جارہی ہے جو کہ نومسلمین کی تعلیم و تربیت، غیر مسلموں میں دعوت و تبلیغ، اور اسلام پر کیے جانے والے سوالات، اعتراضات اور اشکالات کا بااحسن و خوبی جوابات دینے کا فریضہ بھی سرانجام دے رہا ہے۔ دعا ہے کہ مصنف کی اخلاص نیت سے کی گئی اس کاوش کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ شرفِ قبولیت عطاء فرمائے۔ اس کتاب کی تیاری میں تمام معاونین بالخصوص عدیل خلیل اور بھائی سہیل شوکت جنہوں نے کتاب کے سرِورق و سیٹنگ کے کام کو بااحسن انجام دے کر کتاب کو چار چاند لگائے، میں خصوصی طور پر بھائی علی ملک صاحب کا بھی شکر گزار ہوں کہ جن کے مالی تعاون سے کتاب کی طباعت و اشاعت کا کام مکمل ہوسکا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ساتھ ادارہ کے جملہ معاونین و ایگزیکٹو باڈی کے تمام ممبران کو بھی جزائے عظیم و کثیر عطاء فرمائے جن کی پسِ پردہ کوششیں ہمیشہ شاملِ حال رہتی ہیں اور اس کتاب کو ہمارے غیر مسلم بہن بھائیوں کی رشد و ھدایت ذریعہ بنائے۔ آمین

عاجز

عبدالوارث

جنرل سیکرٹری ادارہ حقوق الناس

حرف آغاز

آگ لینے آئی اور گھر والی بن بیٹھی کے مصداق تاجروں کے روپ میں آنے والے انگریز عیسائی ہندوستان کے مالک بن بیٹھے اگر بات حکمرانی تک رہتی تو بھی کسی حد تک قابل برداشت ہوتی کیونکہ دن بدلتے رہتے ہیں مگر انہوں نے یہ ظاہر کیا کہ خدا نے انہیں برصغیر میسحیت پھیلانے کے لیے دیا ہے، لہٰذا انہوں نے پادری حضرات کو بلایا اور یہاں کے باشندوں کو جبراً تبلیغ شروع کی جب تبلیغ کے لیے نکلتے تو پولیس اور مجسٹریٹ ساتھ ہوتے عوام کو پادری کی بات سننے کے لیے پابند کیا جاتا ڈاکٹر مبارک علی جو کہ ایک سیکولر مورخ ہیں اپنی کتاب ''برطانوی راج'' میں لکھتے ہیں کہ انگریز افسر اپنے ماتحتوں کو حکم دیتے تھے کہ ہماری کوٹھی پر آکر پادری صاحب کا وعظ سنو اور ایسا بھی ہوتا تھا کہ پادریوں نے دوسرے مذاہب پر اعتراض شروع کر دیے اور ان کے مقدس لوگوں کے بارے میں تضحیک آمیز الفاظ لکھے جن سے لوگوں کو رنج ہوا ان کی پالیسی یہ تھی کہ عیسائیت کی سچائی ثابت کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہندومت اور اسلام کو مکمل طور پر رد کر دیا جائے پادری ایڈمنڈ نے سرکاری ملازمین کو 1855ء میں خطوط لکھے کہ سارے ہندوستان میں حکومت ایک ہے تو مذہب بھی ایک ہونا چاہیے۔ (برطانوی راج ص، 79۔ 80) پادری فانڈر کا یہ خیال تھا کہ یورپ کی ٹیکنالوجی میں ترقی اسلام معاشرے کو شکست دے پائے گی۔ (ایضاً ص81) مسیحی حضرات اندلس میں یہ تجربہ کر چکے تھے کہ عوام کو زبردستی مسیحی بنا دیا تو حکومت مضبوط ہوگئی، یہی تجربہ اسلامی ہندوستان میں دوہرانا چاہا مگر یہاں علمائے حق نے اسلامی ہند کو اندلس نہیں بننے دیا انہوں نے جان خطرے میں ڈال کر تقریری اور تحریری میدان میں نہایت قابل قدر کوششیں کیں۔ ان بزرگوں میں سید آل حسن موہانی، مولانا رحمت اللہ کیرانوی، مولانا عنایت رسول چڑیا کوٹی، مولانا سید ناصر الدین محمد ابوالمنصور، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا سید محمد علی مونگیری، ڈاکٹر وزیر خاں، مولانا شرف الحق صدیقی، مولانا عبدالحق حقانی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ اس دور میں تحریر و تقریر کی آزادی کا یہ عالم تھا کہ محمد حسین آزاد کے والد مولانا باقر علی کو اردو اخبار میں خبر چھاپنے کے جرم میں پھانسی دے دی گئی۔ خدا رحمت کنند ایں عاشقان پاک طینت را ان تمام بزرگوں نے دلیل سے مقابلہ کیا اور ان کے پیروکار آج بھی دلیل سے بات کرتے ہیں۔ زیر نظر کتاب کا نام ہی البرھان (دلیل) ہے ہمیں اپنے دین اور تہذیب پر یقین ہے اور جن کو

اپنے دین پر یقین ہوتا ہے وہ دلیل پیش کرتے ہیں، وہ خریدتے نہیں قائل کرتے ہیں۔ مسیحی علماء نے سچے دین، سچی کتاب اور سچے رسول کی جو نشانیاں بیان کیں، انہی کو معیار بنا کر مسیحیت اور اسلام کے بارے میں تحقیق پیش کی گئی ہے، انہی کے مسلمات سے دلیل پیش کی گئی۔ کتاب کا مسودہ محترم عبدالوارث گل، جنرل سیکرٹری ادارہ حقوق الناس لاہور کی نظر سے گذرا تو انہوں نے اس کی اشاعت کا فیصلہ کیا، اب یہ کتاب انہی کے ادارہ سے شائع ہو رہی ہے، جناب عبدالوارث گل کی تبلیغی مساعی کو دیکھ کر ان پر رشک آتا ہے، وہ اپنی ذات میں ادارہ ہیں، اس سے پہلے وہ کئی کتابیں اپنے ادارہ کی طرف سے شائع کر چکے ہیں، تحریر و تقریر ہر میدان میں بہت آگے ہیں، اللہ ان کی کوششیں قبول فرمائے اور اجر عظیم عطا فرمائے۔ ان کے رفیق کار اور ادارہ کے ریسرچ سکالر مولانا خاور رشید بٹ نے اس کتاب کی اشاعت میں بہت کوشش کی اللہ تعالیٰ ان کو اجر عظیم دے۔ ادارہ کی انتظامیہ اور ارکین کو اللہ تعالیٰ برکت دے جو دین اسلام کی اشاعت کا کام کر رہے ہیں میں ان سب حضرات کے لیے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو اجر عظیم عطا فرمائے۔

خاکسار

عبدالرحمن

❁❁❁❁

فہرست

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
1	اہل کتاب کی کتب مقدسہ کا مطالعہ کیوں ضروری ہے؟	17
2	مسیحی اصطلاحات	19
3	سچے دین کی نشانیاں۔ پادری فانڈر کے مطابق	21
4	فانڈر کی کتاب میزان الحق میں مذکور معیار پر بائبل اور عیسائیت کی تحقیق	27
5	پادری برکت اللہ کے مقرر کردہ معیار پر دین اسلام اور عیسائیت کے سچے ہونے کی تحقیق	32
6	سچے نبی کی نشانیاں۔ اسلام کے مطابق	38
7	بائبل کے مطابق سچے نبی کی نشانیاں	39
8	بائبل میں جھوٹے نبی کی نشانیاں	39
9	اسلام کے مطابق سچی کتاب کی نشانیاں	40
10	سچے نبی کی نشانیوں کا ثبوت کیسے فراہم کیا جائے گا؟	40
11	سچی کتاب کی نشانیاں بمطابق کیتھولک کلیسیا	40
12	بڑے عیسائی علماء کے مطابق سچے دین، سچے نبی اور سچی کتاب کی نشانیاں	41
13	ڈاکٹر پیٹرسن سمائتھ	41
14	ڈاکٹر مرقس ڈاڈز	45
15	ڈاکٹر کرسچین ٹرال	49
16	پادری فورمین	50

17	مسیحی عقائد	51
18	عیسائیت کی تعریف	51
19	عقائد کا خلاصہ	51
20	تفصیلی عقائد	52
21	مسیحی کلمہ	52
22	رسولوں کا عقیدہ	52
23	تبصرہ از مصنف	53
24	نقایہ کا عقیدہ	53
25	متن	54
26	اثناسیس کا عقیدہ یا اثناسی عقیدہ	54
27	متن	55
28	عقیدہ ساز کونسلیں	58
29	مسیحی عقائد بائبل سے ثابت نہیں ہیں	61
30	عیسائیت قبول کرنے والے سابقہ مسلمانوں کے استدلال کا جواب	66
31	بائبل میں غیر خدا پر لفظ اللہ، خدا، الٰہ، رب، روح اور کلمہ کا اطلاق	70
32	خدا، اللہ، اِلٰہ	70
33	رب: روح، روح اللہ	71
34	لفظِ روح منہ کا اطلاق قرآن مجید میں	72
35	لفظِ کلمہ اور کلمات کا اطلاق قرآن مجید میں	72
36	سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ	73
37	لفظِ کلمہ کا اطلاق بائبل میں	74
38	تثلیث	76

39	عیسائیت سے پہلے تثلیثی مذاہب	80
40	بدھ مت میں بدھ، دھرما اور سنگھا کی تثلیث تھی	80
41	تثلیث کو بطور عقیدہ کیسے تسلیم کیا گیا	82
42	نقایہ کی کونسل منعقدہ 325ء	82
43	قسطنطیہ کی کونسل منعقدہ 381ء	82
44	خلقیدونیہ کی کونسل منعقدہ 451ء	82
45	تثلیث کے حق میں مسیحی دلائل	86
46	جمع تعظیمی کی بحث	90
47	تثلیث کا ردّ	93
48	تثلیث کا عقلی ردّ	95
49	فلسفہ کی رو سے عقیدہ تثلیث کا ردّ	97
50	تثلیث اور دوسرے عیسائی عقائد پر فیصلہ کن تبصرہ	98
51	بت پرستوں کی تثلیث اور مشرکانہ رسوم عیسائی مذہب میں یعنی تاریخ تثلیث	99
52	یسوع کی موت کے واقعات کہاں سے اخذ کئے	100
53	نوید ختم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	102
54	جمع القرآن والا حادیث	146
55	دور نبوی میں تدوین قرآن	146
56	قرآن مجید کے بارے میں شیعہ علماء کا عقیدہ	157
57	غیر مسلم علماء کی رائے	163
58	کتابتِ حدیث و جمع روایات	166
59	صحابہ رضی اللہ عنہم کے عمل سے ثبوت	170
60	صحابہ رضی اللہ عنہم کا تمام احادیث لکھنا	171

61	خلفائے راشدین کا عمل	171
62	احادیث لکھنے سے منع کرنے کا حکم پہلے تھا پھر منسوخ ہو گیا	172
63	حضور ﷺ پر اعتراضات کا جواب	174
64	حضور ﷺ خدا کے سچے رسول۔عیسائی علماء کا اعتراف	211
65	بائبل اور انبیائے کرام علیہم السلام	213
66	بائبل کیا ہے؟	218
67	تحقیق بائبل۔بائبل کی کتابوں کے مصنفین،سن تالیف،استنادی حیثیت، کیتھولک بائبل اور قاموس الکتاب کی روشنی میں	223
68	نیا عہد نامہ: مصنفین،سنِ تالیف،استنادی حیثیت،کیتھولک بائبل اور قاموس الکتاب کی روشنی میں	232
69	فیصلہ کن بات	241
70	متروک کتابیں	244
71	بائبل کے گم ہونے کی زمانی ترتیب	255
72	موجودہ ترتیب بائبل پر عیسائی علماء کا تبصرہ	258
73	تحریف بائبل کے ثبوت	260
74	بائبل میں نسخ کا ثبوت	282
75	کتب بائبل کی تحقیق۔ماخذ۔یہوواہ وٹنس بائبل 1984ء ایڈیشن	285
76	بائبل کا الہام	293
77	الہام کیا ہے؟	297
78	عدم تحریف تورات وانجیل کے عیسائی دلائل کا جائزہ	303
79	مسیحی سوالات کے مسلم جوابات	314
80	بائبل کے قدیم نسخے	325

81	بائبل میں تصورِ خدا	392
82	صفات خدا	393
83	خدا تعالیٰ کی انسانوں جیسی تصویر کشی	394
84	عیسائی علماء کے نزدیک صفاتِ خدا	395
85	خدا تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم	395
86	عیسائی عقیدہ کے مطابق خدا لاتبدیل نہیں	397
87	بائبل میں نماز اور اس کے اوقات	398
88	یہودی نماز	403
89	بائبل کا قانونِ ہدایت وگمراہی	406
90	ہدایت وگمراہی کی خدا تعالیٰ کی طرف نسبت	406
91	تقدیر	407
92	خالق خیر وشر	407
93	قانون ہدایت	408
94	اجتماع ضدین۔تضادات بائبل	409
95	تنقید عالیہ۔ Higher Criticism	419
96	تنقید سافلہ۔ Lower Criticism	419
97	بحیرۂ مردار کے طومار اور اسینی جماعت (Dead Sea Scrolls)	424
98	اسینی جماعت (The Essenes)	424
99	غیر اخلاقی مضامین	428
100	قرآن مجید پر اعتراضات کے جوابات	429
101	اسلام کے بارے میں مسیحی سوالات۔ ازالۃ الشکوک	440
102	اعجاز قرآن	443

103	حدیثوں پر پادریوں کے اعتراضات	453
104	فانڈر کے میزان الحق۔ باب نمبر 3 فصل نمبر 4 (ص: 391 تا 419) میں دیئے گئے دلائل کا جواب	460
105	فانڈر کا اخلاق	476
106	مسیحی حضرات سے چند سوالات	478
107	پوپ صاحب لاجواب ہو گئے	489
108	پولوس یا پولس یا پال	492
109	مروجہ مسیحیت کا بانی پال ہے	496
110	پال کی کامیابی کے اسباب	501
111	پولسی مذہب کے مصادر	501
112	پال کے بارے میں یہودی محقق کی رائے	505
113	کفارہ	508
114	پرانے عہد نامہ میں نجات کا تصور	508
115	شیطان کا بکرا	509
116	نجات کے بارے میں یسوع کی تعلیم	511
117	عقیدہ کفارہ کا بانی پال ہے	512
118	کفارہ کس کو ادا کیا گیا	513
119	موروثی گناہ	518
120	نظریہ وحی والہام۔ مسلم نظریہ وحی۔ خارج سے وحی کا نزول	522
121	اہل کتاب کا نظریہ الہام	525
122	کاتھولک کلیسا کی بحثی تعلیم	528
123	پروٹسٹنٹ کلیسا کی بحثی تعلیم۔ کلیسائے روم کے چند ایک دعاوی	538
124	پروٹسٹنٹ مذہب کے اصول	556

125	سیدہ ہاجرہ اور سیدنا اسماعیل علیہما السلام	558
126	حضرت یسوع ابن مریم علیہما السلام	561
127	جناب یسوع علیہ السلام کی شخصیت	566
128	معصومیت کا جائزہ	570
129	یسوع کی درشت کلامی	570
130	نسب نامہ کی تحقیق از مطالعاتی اشاعتِ بائبل وقاموس الکتاب	571
131	کیا یسوع ہی مسیح ہیں؟	577
132	مسیحیت اور اسلام میں مقامِ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام	581
133	بائبل میں حضرت یسوع علیہ السلام کے بارے میں مبینہ پیش گوئیاں	582
134	صلیب	591
135	کیا یسوع علیہ السلام بن باپ پیدا ہوئے؟	597
136	شاگردانِ یسوع	600
137	عیسائیت میں مقام مریم علیہا السلام	605
138	یسوع علیہ السلام خدا نہیں	608
139	یسوع کی موت کے واقعات کہاں سے اخذ کئے	613
140	یہودی اور عیسائی مذہب میں عورت کا مقام اور حقوق	615
141	ملکی قانون اور مسیحی حضرات	618
142	شراب	619
143	مسیحیت میں عقیدہ تقدیر	622
144	مشنری طریقہ تبلیغ	627
145	معافی نامے۔(Indulgence)	629
146	تاریخ مسیحیت کے متنازعہ پوپ	631

147	مستشرقین	632
148	لقب ''عیسائی'' کا استعمال	635
149	عیسائی بزرگوں کی روایات کی حیثیت	636
150	نجات کہاں ہے؟	637
151	نہانا منع ہے	638
152	طلاق	639
153	کثیر الازدواجی	640
154	جنت کی مادی نعمتیں	641
155	رہبانیت	644
156	توہین رسالت کا قانون	646
157	مرتد کی سزا قتل ہے	648

ھدیہ بحضور

اَللّٰہُ

لَا اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم

وتب علينا انك انت التواب الرحيم

شکرِ نعمت ہائے تو ، چنداں کہ نعمت ہائے تو

عذرِ تقصیراتِ من ، چنداں کہ تقصیراتِ من

اہل کتاب کی کتب مقدسہ کا مطالعہ کیوں ضروری ہے؟

مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر اہل کتاب کی کتب مقدسہ کا مطالعہ ضروری ہے۔

1۔ حضور ﷺ کے متعلق پیش گوئیوں کا ثبوت پیش کرنے کے لیے اگرچہ پہلے سے پیش گوئی ہونا ہر نبی کے لیے ضروری نہیں اور نہ ہی شرائط نبوت کا حصہ ہے۔

2۔ یہ ثابت کرنے کے لیے کہ قرآن پہلی کتابوں کی پیش گوئیوں کا مصداق ہے۔

3۔ تحریف بائبل ثابت کرنے کے لیے۔

4۔ اگر دیگر مذاہب کی کتابوں سے واقفیت ضروری نہ ہوتو خدا تعالیٰ قرآن مجید میں مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ کے عقائد کی خبر کیوں دیتا؟ ان کتابوں کو پڑھنے کی ممانعت صرف اوائل اسلام میں تھی۔

5۔ غیر مذہب والوں کی ہدایت کے لیے پہلے تعلیم ہے۔ پھر اگر وہ نہ مانیں تو خدا کے ہاں جواب دہ ہوں گے۔ ان کی تعلیم اس وقت تو شروع ہو سکتی ہے جب ہم ان کی کتابیں پڑھ کر ان کا محرف ہونا اور قرآن کا سچا ہونا ثابت کریں۔

6۔ غیر مسلموں سے جنگ لڑنے سے پہلے ان تک اپنی کتاب کی تعلیم پہنچاؤ (الفرقان 52:25) ان کی کتابوں سے واقفیت حاصل کرو۔ ان کی زبان اور اصطلاحوں میں ان کو سمجھاؤ۔ زبان سے سمجھانا جہاد کرنے سے بہتر ہے۔ کیونکہ اِس کے لیے تو جنگی آلات کی بھی ضرورت نہیں۔ مارنے والے سے بچانے والا بہتر ہوتا ہے۔ جو لوگ مخالف کو جواب نہیں دے سکتے ان سے لڑنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ جواب دینے کے قابل ہونے کے لیے اسلام، قرآن اور غیر مذاہب کی کتابیں پڑھو۔ اگر جنگ کر کے سارے غیر مسلم قتل کر دیئے تو اسلام کن میں پھیلاؤ گے؟

7۔ اگر غیر مذاہب والوں سے بحث میں مسلمان عالم ان کی کتابوں سے واقف ہوئے بغیر حصہ لے گا تو معقول جواب نہ دے سکے گا اور کم علم مسلمان کفار کی دلیل کو لاجواب سمجھیں گے جس سے ان کے عقیدہ میں فتور آجائے گا۔

8۔ غیر مسلموں کے سوالوں کے جواب دینے کے لیے ان کی کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے۔ اگر ان کی کتابوں سے ان کو نہ سمجھائیں تو جب تک وہ مسلمان نہ ہوں، وہ مسلمانوں کی دلیل کو کیسے تسلیم کریں گے؟

9۔ جس مسلمان عالم کو غیر مسلموں کے دلائل کا باطل ہونا ثابت ہو مگر وہ ان دلائل کو آئندہ نسلوں کے لیے نہ لکھے تو وہ مجرم ہوگا۔ یہ کام ہم پر اس زمانہ میں نماز، روزہ سے بھی زیادہ فرض ہے۔ جو لوگ دنیا میں خدا اور رسول ﷺ کے نام کی حمایت سے کچھ غرض نہیں رکھتے وہ آخرت میں خدا کو کیا منہ دکھائیں گے۔ اور منکرین اسلام ضرور سمجھیں گے کہ اہل اسلام میں اب کوئی دین کی حمایت کرنے والا نہیں رہا۔ جو لوگ اسلام کی حمایت و مدد سے غافل ہیں انہیں خدا سے دعا مانگتے وقت شرم کرنا چاہیے۔

10۔ جو لوگ حضور ﷺ اور قرآن و اسلام پر اعتراض کر رہے ہیں انکی بات سن کر چپکا ہو رہنا کیسے جائز ہو سکتا ہے اور اس حالت میں پورا ایمان کہاں ثابت ہوا؟ اس لیے ہم کو چاہیے کہ ہم اسلام اور غیر اسلام مذاہب کا مطالعہ کر کے ان کے اعتراضات کا جواب دیں۔

11۔ جس طرح مسلمان ہونے والے اہل کتاب کے لیے دوگنا اجر ہے اسی طرح غیر مذاہب کی کتابیں پڑھ کر دفاع اسلام کرنے والوں کے لیے بھی دوگنے اجر کی امید ہے۔

12۔ جب غیر مسلم اسلام کو بے اصل ثابت کرنے پر تلے ہوں تو کسی کا نماز، روزہ یا مجلسیں اور وظیفہ خوانیاں کیا کام آسکتی ہیں؟

❀❀❀

مسیحی اصطلاحات

(1) (Administer) مذہبی رسوم بجالانا

(2) (Arch Bishop) اسقفِ اعظم یالاٹ پادری

یہ وہ پادری ہوتا ہے جو ایک یا زیادہ مقررہ حلقوں (Diocese) کی نگرانی کرتا ہے۔اس کے اختیارات نہایت وسیع ہوتے ہیں۔

(3) (Arch Deacon) خادم دین:

ابتدائی دور میں یہ مذہبی معاملات کے علاوہ دینی معاملات کی بھی دیکھ بھال کرتا تھا۔

(4) (Bishop) بشپ، اسقف

ایک ڈایوسس کی اعلیٰ ترین مذہبی شخصیت ہوتا ہے۔ یہ حواریوں کا خلیفہ تصور کیا جاتا ہے۔جبکہ پوپ کو سینٹ پطرس کا خلیفہ تصور کیا جاتا ہے۔بشپ تمام معاملات میں پوپ کے سامنے جواب دہ ہوتا ہے۔

(5) (Chapel) گرجا گھر

چھوٹا چرچ یا کمرہ جہاں عبادات اور ساکرامنٹ کے رسوم ادا کئے جاتے ہیں۔

(6)چپلین (Chaplain) وہ پادری جو چیپل میں مذہبی رسوم ادا کرتے ہے۔

(7) Chruch گرجا گھر یا ایک عقیدہ کے لوگ مثلاً کیتھولک چرچ سے مراد کیتھولک گرجا گھر یا کیتھولک عقیدہ کے لوگ

(8)Clergy۔ پادری اہل کلیسیا۔ یہ اصطلاح ان مردوں کے لیے استعمال ہوتی ہے جنہوں نے ٹان سر حاصل کیا ہو۔ یہ ایک رسم ہوتی ہے جس میں سر کے بالوں کا تھوڑا سا حصہ کاٹا جاتا ہے۔

(9) (Clerk) پادری یا پادریوں کے متعلق۔

(10) (Diocese) مقررہ حلقہ، بشپ کا حلقہ

یہ وہ علاقہ ہوتا ہے جو اسقف کے اختیارات میں آتا ہے۔ وہ اس علاقہ کے تمام اداروں، چرچ اور آبادی کا نگران اعلیٰ ہوتا ہے۔ یہ کئی پیرشوں (علاقوں) پر مشتمل ہوتا ہے۔

(11) (Father) باپ:

یہ کیتھولک پادریوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ (Holy Father) مقدس باپ کا خطاب صرف پوپ کے لیے مخصوص ہے۔

(12) (Brother) فادر سے چھوٹے درجہ کا کیتھولک پادری۔

(13) (Minister) منسٹر، پادری، مذہبی حلقوں کا سردار۔

(14) (Mission Stations) وہ علاقہ جو پریسٹ پادری کے زیر انتظام ہوتا ہے۔ اس پریسٹ کو پوپ کی کمیٹی برائے نشر واشاعت مقرر کرتی ہے۔

(15) (Parish) یہ ڈیواسس کا تقسیم شدہ حلقہ یا علاقہ ہوتا ہے، یہ علاقہ پادری کے دائرہ کارکردگی میں آتا ہے۔

(16) (Parish Priest) یہ پیرش کا پادری ہوتا ہے اور عام اختیارات کا حامل ہوتا ہے، وہ اپنے فرائض سے غیر حاضر نہیں ہوسکتا، وہ ماس (Mass) کی رسم، ساکرامنٹس ادا کرتا ہے، علاقہ کا دورہ کرتا ہے، جوانوں کی تربیت، بیماروں کی خبر گیری، مرنے والوں کی آخری رسوم ادا کرتا ہے۔

(17) (Paster) پادری

یہ پروٹسٹنٹ عقیدہ کے پادری کا نام ہے۔

(18) (Evanglist) مبشر، مناد، واعظ، عام مفہوم میں چھوٹا پادری۔

(19) (Saminary) وہ دارالعلوم اور تربیت گاہ جہاں عیسائی، مذہبی اور دینی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

(20) (Tonsure) ٹان سر

یہ ایک رسم ہے جس کے ذریعہ ایک عیسائی کلرجی میں شامل ہوتا ہے۔ اس رسم میں سر کے بالوں کا تھوڑا سا حصہ کاٹا جاتا ہے۔

(21) کلیسیا مجلس: متفرق قوموں سے بنی ہوئی جماعت۔

(22) ساکرامنٹ: بھید، بپتسمہ، عشائے ربانی۔

(23) فصح یا فسخ: چھوڑنا، نظر انداز کرنا، ہجرت۔

(24) برّہ: بھیڑ، بکری، بھیڑ کا بچہ۔

(25) کانونٹ: عیسائی راہباؤں کی خانقاہ۔

سچے دین کی نشانیاں

پادری فانڈر کی کتاب میزان الحق (ص:22 تا ص:34، ایڈیشن 1962ء) میں مذکور معیار پر قرآن مجید اور اسلام کی تحقیق

1۔ واجب اور لازم ہے کہ سچا الہام ازلی نیک بختی کے حصول کے متعلق انسانی روح کی آرزوؤں کو پورا کرے۔ یہ آرزوئیں تین طرح کی ہیں۔ (میزان الحق:22)

(i) عرفان حق کی خواہش

اس میں خدا کی ذات وصفات، مرضی واحکام اور مقصدِ تخلیق شامل ہیں۔ (ص:22)

قرآن مجید میں خدا تعالیٰ کی ذات وصفات کا جامع تعارف موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کے 99 نام مذکور ہیں۔ قرآن مجید کی ابتداء ہی اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے ہے جن کا مفہوم یہ ہے کہ وہ انتہائی مہربان اور ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔ قرآن مجید تمام اچھے کاموں کے کرنے اور تمام برے کاموں سے روکنے کو خدا کی مرضی قرار دیتا ہے مثلاً سورہ نحل (90:16) پورے قرآن مجید میں خاص طور پر مدنی سورتوں میں خدا کی مرضی واحکام مذکور ہیں۔ پھر یہ کہ قرآن مجید واضح طور پر انسانوں کا مقصد تخلیق خدا کی عبادت کو قرار دیتا ہے۔ (ذاریات:56:51)

(ii) معافی کی آرزو

حقیقی الہام گناہ کی معافی ومغفرت کا طریقہ سکھاتا ہے۔ (23)

قرآن مجید میں خدا تعالیٰ سچے دل سے معافی طلب کرنے والوں کو مکمل اطمینان دلاتے ہوئے یہ فرماتا ہے ''اے پیغمبر ﷺ میری طرف سے لوگوں کو کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہونا۔ خدا تو سب گناہوں کو بخشش دیتا ہے اور وہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔ (زمر 53:39) قرآن مجید میں خدا تعالیٰ کا اسم پاک غفور اور غفار 104 مرتبہ آیا ہے جو کہ اسلام وقرآن میں مغفرت کی وسعت کو بالکل واضح کر دیتا ہے۔

(iii) پاکیزگی کی خواہش

انسان کا دل گناہ کی محبت سے خالی اور پاک وصاف ہو جائے تاکہ وہ خالق کی مانند ہو جائے۔ (ص:23)

قرآن مجید گناہ گار انسانوں کو خدا کا محبوب تک بنادینے کا طریقہ بتاتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا ''اے پیغمبر لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، خدا بھی تم سے محبت کرے گا اور تمھارے گناہ معاف کر دے گا اور خدا بخشنے والا مہربان ہے (آل عمران 31:3) اور فرمایا'' کہہ دو یہ اللہ کا رنگ اختیار کرو، اور اللہ کے رنگ سے کس کا رنگ اچھا ہے (بقرہ 138:2) خدا کے رنگ سے مراد دین اسلام کی پیروی اور خدا تعالیٰ کی فرماں برداری ہے جس کے نتیجہ میں انسان خدا تعالیٰ کے اخلاق اپنے آپ میں پیدا کر لیتا ہے اور مخلوق خدا کے لیے سراپا رحمت بن جاتا ہے۔

2۔ ضمیر اس کے حق ہونے کی گواہی دے۔ (25)

ہر فرد کا ضمیر جھوٹ، فریب کرنا، چوری، خون ریزی کو برے کام قرار دیتا ہے۔ (27)

اور نیکی، سچ، اخلاص، رحم، شفقت، پاکیزگی، انصاف کو اچھے کام قرار دیتا ہے۔ (28)

ہم جب قرآن مجید کو پڑھتے ہیں تو اس میں:

(i) جھوٹ بولنے والوں پر لعنت کی گئی ہے مثلاً (آل عمران 61:3، نور 7:24) اور احادیث میں بھی جھوٹ کو اکبر الکبائر کہا گیا ہے۔

(ii) فریب دینے والوں کی مذمت کی گئی ہے مثلاً (بقرہ 9:2، نساء 142:4)

(iii) زنا کرنا تو درکنار، اس کے قریب جانے سے بھی منع فرمایا گیا یعنی جو راستے اس طرف لے جاتے ہیں مثلاً موسیقی، بے پردگی وغیرہ، ان پر چلنے سے بھی منع کیا گیا ہے، دیکھو (بنی اسرائیل 32:17 اور فرقان 68:25، نور 2:24) زنا کرنے والوں کے لیے کوڑوں اور سنگسار کرنے کی سزا مقرر ہے۔

(iv) چوری سے منع کیا گیا اور چور کا ہاتھ کاٹنے کی سزا مقرر کی گئی دیکھو (ممتحنہ 12:60، مائدہ 38:5)

(v) خون ریزی سے منع کیا گیا اور خون ریزی وفساد کرنے والوں کے لیے سزا مقرر کی گئی دیکھو (انعام 152:6، مائدہ 32:5-33) مسلمان ممالک میں قصاص کا قانون کسی تعارف کا محتاج نہیں۔

پادری فانڈر کی مذکورہ باتوں کے علاوہ بھی بہت سے ناپسندیدہ کام قرآن مجید نے منع فرمائے مثلاً انعام 152:6-153، اور ساتھ ہی فرمایا کہ یہی سیدھا راستہ ہے، اس کے علاوہ اور راستے پر نہ

چلنا (انعام 154:6) تمام برائیوں سے نہی عن المنکر کے تحت منع کیا گیا مثلاً

(آل عمران 3:104-114، اعراف 165:7، توبہ 9:67-71)

(vi) نیکی کی تمام اقسام کے لیے جامع لفظ ''معروف'' کے تحت 38 مرتبہ تاکید کی گئی مثلاً 14 دفعہ البقرہ میں اور آل عمران، النساء، اعراف، التوبہ، الحج، لقمان، محمد، الممتحنہ، اطلاق، احزاب، وغیرہ میں۔ اس کے علاوہ البتہ (نیکی) کا ذکر 8 دفعہ فرمایا مثلاً (مائدہ 2:5، مجادلہ 9:58)

(vii) سچ بولنے والوں کے ساتھ رہنے کا حکم فرمایا (توبہ 119:9)

سچ بولنا مومنین کی صفات میں شمار فرمایا (آل عمران 17:3)

روز قیامت صرف سچ کا فائدہ ہوگا (مائدہ 119:5)

(viii) اخلاص قبولیت اعمال کی لازمی شرط ہے جس کا حکم (مومن 14:40) میں دیا گیا۔ یہی حکم (زمر 2:39) میں ہے۔ ان کے علاوہ 14 مرتبہ اخلاص کی تاکید و تحسین کی گئی مثلاً اعراف، یونس، العنکبوت، لقمان، البیّنہ، یوسف، الحجر، صافات، ص وغیرہ میں۔

(ix) رحم کرنے کا سب سے پہلا مقام والدین کو بتایا اور فرمایا کہ ان سے عاجزی اور رحم سے پیش آؤ (بنی اسرائیل 24:17) حضور ﷺ کی بعثت کا مقصد بھی رحمۃ للعالمین ہے (انبیاء 107:21) قرآن بھی رحمت ہے (نمل 77:27) میاں بیوی کو ایک دوسرے کے لیے رحمت کہا (روم 21:30) خدا کی رحمت ہر شے پر حاوی ہے (اعراف 156:7، مومن 7:40) ان کے علاوہ رحمت کا لفظ 141 دفعہ استعمال ہوا ہے۔

حدیث ہے کہ ''جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔''

(x) شفقت اور رحم ایک ہی بات ہے۔ پورے قرآن مجید میں ظلم سے منع کیا گیا ہے، یہ بھی دراصل رحم و شفقت کا حکم ہے۔

(xi) پاکیزگی ظاہر و باطن دونوں کو شامل ہے، برے کاموں سے منع کر کے اور اخلاص کی تاکید کر کے ظاہر و باطن کی پاکیزگی کا حکم دیا گیا ہے۔ احکام دین کی حکمت بھی پاکیزگی اور تطہیر بتائی گئی (احزاب 33:33، مائدہ 6:5) اور مائدہ میں اسی کو تمام نعمتوں کا سبب فرمایا۔ ظاہری پاکیزگی کا حکم (مدثر 4:74) میں ہے۔

(xii) انصاف کرنے کو پرہیزگاری حاصل کرنے کا ذریعہ بتایا (مائدہ 8:5) چاہے رشتہ دار کے خلاف جائے، انصاف کا حکم دیا (انعام 153:6) ایک سے زیادہ بیویوں میں انصاف کا حکم دیا (نساء 3:4) ان صفات کے قرآن میں مذکور ہونے کا اعتراف فانڈر کو بھی ہے۔ (میزان الحق: 342-364)

3۔ خدا کے پاک وعادل ہونے کی گواہی دے (ص:28) یعنی خدا کو مندرجہ ذیل صفات کا حامل بتائے۔

(i) نیکوں کا دوست (ص28) قرآن مجید میں 41 دفعہ فرمایا کہ خدا تعالیٰ نیکوں کا دوست اور ان سے محبت رکھتا ہے اور بروں سے محبت نہیں رکھتا مثلاً (بقرہ:190:2)

(ii) نیکوں کو نیکی کی جزا دینے والا (ص:28) قرآن مجید میں 48 دفعہ فرمایا کہ نیکوں کو پورا پورا اجر ملے گا مثلاً (آل عمران 185:3) جو نیکی لے کر آئے گا اس کو بہتر بدلہ ملے گا (نمل:89:27)

(iii) بدکاروں کو سزا دینے والا (ص:28) فاسقوں (بدکاروں) سے خدا راضی نہیں ہے (توبہ 96:9) ان کو خدا نہیں بخشے گا (منافقون 6:63) روز قیامت کافروں پر سخت مشکل ہوگا (فرقان 26:25) اس دن مجرم زنجیروں میں جکڑے ہوں گے (ابراہیم 49:14) اس دن مجرموں کے لیے کوئی خوشی کی بات نہ ہوگی (فرقان 22:25) مجرموں کے ساتھ ہم ایسا ہی کرتے ہیں (مرسلات 18:77) اس دن ظالموں کو ان کی معذرت کچھ فائدہ نہ دے گی اور ان کے لیے لعنت اور برا ٹھکانہ ہے (مومن 52:40) جس نے برے کام کیے اور گناہوں کا عادی ہو جائے تو ایسے لوگ دوزخ میں جائیں گے اور وہاں ہمیشہ رہیں گے۔ (بقرہ 81:2) جو برائی لے کر آئے گا دوزخ میں جائے گا (نمل 90:27)

4۔ خدا کے ایک ہونے کی گواہی دے (ص:29) (30-225)

عقیدہ توحید مسلمانوں میں پہلا اور بنیادی عقیدہ ہے۔ پورا قرآن مجید اس کے ذکر سے بھرا پڑا ہے مثلاً (بقرہ 163:2) تمام دنیا اس بات کو جانتی ہے کہ توحید مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔ خود فانڈر نے بھی قرآن مجید کے ذکر میں اس بات کا اعتراف کیا ہے۔ (ص:342) لہٰذا اس کی متعلقہ آیاتِ قرآنی کا ذکر تحصیل حاصل ہے۔ خدا تعالیٰ تغیر وتبدل سے پاک ہے۔ اس کا ایک نام البرّ یعنی احسان کرنے والا ہے۔ وہ نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے۔ اس نے کائنات کو عبث پیدا نہیں کیا (مومنون 115:23، انبیاء:16:21، دخان:38:44) نہ یہ کھیل تماشا ہے۔ مقصد تخلیق عبادتِ خداوندی ہے۔ (ذاریات 56:51)

5۔ بغیر اختلافِ معنوں راہ نجات کی ہدایت کرے (ص:30) اس کی تفصیل میں اس نے لکھا ممکن ہے کہ:

(i) الہام تھوڑا تھوڑا کر کے بتدریج تکمیل تک پہنچے (ص:30) قرآن مجید 23 سال میں تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا جیسا کہ بنی اسرائیل 106:17 اور دھر 23:76 میں فرمایا۔

(ii) روحانیت کی تعلیم کے مختلف درجے ہوں (ص:30) قرآن مجید کی تعلیم سب کے لیے ایک جیسی ہے مگر اپنے اپنے اعمال کی بنا پر لوگوں کے تین درجے ہیں۔ کچھ اپنے آپ پر ظلم کرنے والے (گناہ گار) کچھ

میانہ رو (نیکیاں غالب) اور کچھ بہت اعلیٰ درجے کے نیکیوں میں آگے نکل جانے والے جیسا کہ فاطر 32:35 میں فرمایا۔

(iii) مختلف حالات کے مطابق ظاہری رسوم میں وقتاً فوقتاً تبدیلی ہوتی ہے (ص30) قرآنی احکام میں بھی حالات کے مطابق خدا تعالیٰ نے تبدیلی فرمائی مثلاً قبلہ، شراب کی ممانعت، زنا کی سزا وغیرہ

(iv) تمام انبیاء ایک ہی بات کی تعلیم دیں۔ (ص:32-31) قرآن مجید کے مطابق تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے توحید، رسالت، اور آخرت کے عقائد ہی بیان فرمائے اور ان کی دعوت انہی کی طرف تھی مثلاً نحل 36:1، اعراف 59:7 میں حضرت نوح علیہ السلام، 65:7 میں حضرت ہود علیہ السلام، 73:7 میں صالح علیہ السلام، 85:7 میں حضرت شعیب علیہ السلام، بقرہ 133:2 میں حضرت یعقوب، ابراہیم، اسماعیل، اسحاق علیہم السلام، اعراف 104:7 میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فیصلہ کن آیت شوریٰ 13:42 میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت نوح، ابراہیم، موسیٰ و عیسیٰ سب انبیاء کو ایک ہی بات کی تعلیم کا ذکر فرمایا۔

(v) سچا الہام تضاد و تناقض سے پاک ہوتا ہے (ص:32) قرآن مجید میں کوئی تناقض نہیں اور اسی بات کو نساء 82:4 میں بیان فرمایا کہ اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو تم اس میں بہت سے اختلاف پاتے۔ مخالفین جن آیات کو تناقض کے خیال سے پیش کرتے ہیں تو ان کا زبان سے غیر واقف ہونا، اسلوب قرآنی، سیاق و سباق اور دوسرے مقامات پر ان کی وضاحت سے لاعلم ہونا ثابت ہوتا ہے اور عام طور پر محض دشمنی کی بنا پر ایسا کرتے ہیں۔ قرآن مجید کی تمام تعلیم ایک دوسرے کے موافق ہے، تضاد کہیں بھی نہیں۔

(6) خدا کا پورا مکاشفہ (ص:30) اس شرط کو پورا کرنے کے لیے فانڈر کے خیال میں:

(i) ظاہری مظہر ذاتِ الٰہی ضروری ہے جس کو بنی آدم ایسے شخصی طور پر جان سکیں جیسے اپنے دوستوں کو جانتے ہیں۔ وہ لوگوں کو جزاء و سزا کی امید سے نہ سزا کے خوف سے بلکہ سچی اور حقیقی محبت کی وجہ خدا کی عبادت کی طرف لے جاتے (ص:33)

(ii) جو الہام ان شرائط کو پورا کرے وہی سچا الہام خدا کی طرف سے ہے۔ (ص:33)

(iii) اس میں انسانی عقل سے ماوراء راز ضرور ہوں گے کیونکہ خالق کا علم، اسکی دانائی، انسان کی عقل و دانش سے بے حد اعلیٰ و بالا ہیں اور ان کی عقل ذاتِ پاک باری تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتی (ص:34-33)

(iv) اگر کوئی کتاب الہام خدا ہونے کا دعوی کرے اور یہ بیان کرے کہ خدا میں صفاتِ رذیلہ ہیں تو ہم فوراً

کہہ دیں گے کہ یہ کتاب الہامِ خدا نہیں ہے۔

ان باتوں کا نمبر وار جواب حسبِ ذیل ہے۔

(i) ظاہری مظہر ذاتِ الٰہی ناممکن ہے کیونکہ قرآن کی تعلیم کے مطابق اس کو آنکھیں دیکھ نہیں سکتیں (انعام 104:6) اس جیسی کوئی چیز نہیں (شوریٰ 11:42) یہی تعلیم بائبل کی ہے مثلاً حضرت سلیمان علیہ السلام فرماتے ہیں "اے خداوند اسرائیل کے خدا تیری مانند نہ تو اوپر آسمان میں نہ نیچے زمین پر کوئی خدا ہے (سلاطین 23:8) اور یہ کہ خدا کو کسی نے بھی نہیں دیکھا (یوحنا 18:1) عیسائی عالم رینان لکھتا ہے "یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ یسوع نے کبھی اپنے آپ کو خدا کا مظہر سمجھا جانے کا خواب بھی دیکھا تھا۔ (ارنسٹ رینان۔ حیاتِ مسیح، ص:181 بحوالہ، عیسائیت، ساجد میر، ص:136) لہٰذا یہ کہنا کہ بنی آدم خدا کو دوستوں کی طرح جان سکیں محض بے بنیاد اور خلافِ کتابِ الٰہی ہے۔ آگے لکھا کہ "جو لوگوں کی جزاء وسزا کی امید سے نہ سزا کے خوف سے خدا کی عبادت کی طرف لے جاتے" تو یہ شرط نمبر 3 کی خلاف ورزی اور تضاد ہے۔ جب فانڈر کہہ چکا کہ خدا پاک وعادل تب ہی ٹھہرے گا جب نیکوں کو جزا اور بروں کو سزا دے تو پھر اب اپنا بیان بدل کر اس کے خلاف بات کر رہا ہے۔ خدا کی حقیقی اور سچی محبت اپنی جگہ مگر جزاء وسزا کا قانون خدا کے پاک وعادل ہونے کے ثبوت کے لیے عقلی مطالبہ ہے۔ خدا تعالیٰ سے حقیقی اور سچی محبت جزاء وسزا سے بے فکر لوگ نہیں بلکہ سچے مومن کرتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید نے بقرہ 165:2 میں فرمایا۔ اسمائے حسنیٰ سے خدا تعالیٰ کا جامع مکاشفہ یا عرفان حاصل ہوتا ہے۔

(ii) فانڈر کی پیش کردہ شرائط صرف قرآن مجید پورا کرتا ہے۔ بائبل اس معیار پر پوری نہیں اترتی جیسا کہ انہی شرائط کے مطابق بائبل کو پرکھنے سے پتہ چلتا ہے۔ لہٰذا صرف قرآن مجید ہی سچا الہام اور خدا کی طرف سے ہے۔

(iii) انسانی عقل سے ماوراء وہ تمام باتیں ہیں جن کا تعلق موت کے بعد کی زندگی سے ہے۔ ان میں خدا، فرشتے، احوالِ برزخ، قیامت اور جنت ودوزخ وغیرہ ہیں۔ ان کا بیان قرآن مجید نے متشابہات کے ضمن میں کیا ہے (آل عمران 7:3) ان پر ایمان لانا لازم مگر ان کی حقیقت اس آیت کے صرف خدا تعالیٰ کے علم میں ہے۔ ایک بات یاد رکھنے کی ہے کہ قرآن میں عقل کو حیران کر دینے والی باتیں تو ہیں مثلاً جنت کے انعام، دوزخ کا عذاب مگر ناممکنات کا ذکر نہیں ہے لہٰذا قرآن میں محاراتِ عقلی (عقل کو حیران کردینے والی چیزیں) تو موجود ہیں مگر محالاتِ عقلی (ناممکنات) موجود نہیں۔

(iv) قرآن مجید میں خدا تعالیٰ سے کوئی بری صفت منسوب نہیں بلکہ فرمایا کہ خدا تعالیٰ کے تمام نام اچھے ہیں (اعراف 180:7) اپنے پڑھنے والوں کے علم کی خاطر یہ بھی لکھتے ہیں کہ تمام علم کا سرچشمہ درحقیقت اسمائے الٰہی ہیں۔ انہی سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ہمارے رب کی صفات کیا ہیں اور پھر انہی سے معلوم ہوتا ہے کہ ان صفات کی روشنی میں ہمارے عقائد کیا ہونے چاہییں اور وہ عقائد ہی ہمارے اوپر ہمارے رب اور اس کے بندوں سے متعلق کیا حقوق و فرائض عائد کرتے ہیں۔ یہی مفہوم ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کا جس میں اسمائے حسنیٰ کا احصاء کرنے والے کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ (مستدرک حاکم، ج:1، ص:17)

فانڈر کی کتاب میزان الحق میں مذکور معیار پر بائبل اور عیسائیت کی تحقیق

1۔ نیک بختی کے حصول کے متعلق آرزوؤں کی تکمیل یعنی

(i) عرفان حق کی خواہش۔ موجودہ عیسائیت میں پوری نہیں ہوسکتی کیونکہ اس میں خدا کی صفات کا جامع تعارف موجود نہیں۔ میزان الحق، ص:166 تا 167 فانڈر نے 15 صفات الٰہی لکھی ہیں جبکہ اسلام نے 127 کا اثبات کیا جن میں کوئی بھی صفت خدا کی شان کے خلاف نہیں جبکہ بائبل کے مطابق خدا آرام کرتا ہے (خروج 11:20) پچھتاتا ہے، غمگین ہوتا ہے (پیدائش 5:6، یرمیاہ 8:18-10) وغیرہ۔

لہٰذا عرفان حق ناقص ہے۔ خدا کی مرضی و احکام شریعت کو کہتے ہیں، وہ پال نے منسوخ کردی لہٰذا یہ شرط بھی عیسائیت پوری نہیں کرتی مقصد تخلیق کا بھی بائبل سے پتہ نہیں چلتا۔ صرف اتنا لکھا ہے کہ جب ہر شے بنا تا گیا تو خدا نے کہا اچھا ہے (پیدائش باب:1) مگر قرآن نے مقصد تخلیق خدا کی عبادت بتایا ہے۔ (ذاریات 56:51)

(ii) معافی کی آرزو

فانڈر نے 190 تا 219 حضرت مسیح کی صلیب کو دنیا کے گناہوں کا کفارہ بیان کر کے اس پر ایمان لانا طریقہ نجات بیان کیا (ص:219) حالانکہ کفارہ کے متعلق آیات الحاقی ہیں یعنی لوقا 19:22، تا 20 (ملاحظہ ہو RSV، ص:82 کا حاشیہ J اور گڈ نیوز بائبل کا، ص:111 کا حاشیہ Y) لہٰذا کفارہ بے بنیاد ہے۔ مزید یہ کہ ایمان کے ساتھ عمل صالح لازمی ہے (یعقوب 20:2 تا 26) یہی تعلیم سیدنا مسیح علیہ السلام کی ہے کہ احکام عشرہ پر عمل کرو (متی 16:19 تا 22) اور یہی تعلیم عہد عتیق میں بیان کی گئی جیسے کہ احکام عشرہ جن کا حوالہ

سیدنا مسیح علیہ السلام نے دیا، اور یہی کچھ فانڈر نے سچے مسیحی کی زندگی اور اس کا چال چلن کے تحت صفحہ 239 تا 252 پر لکھا تو پھر کفارہ ماننے کا کیا فائدہ ہوا؟

(iii) پاکیزگی کی خواہش

یہاں صرف ایک اقتباس دینا مناسب ہوگا جس سے فانڈر کے سوال کا جواب مل جائے گا۔ ''پروٹسٹنٹوں کے مسائل خصوصاً تقدیر اور آزادانہ مرضی یا خود مختاری کے بارے میں اور ان کا یہ یقین کرنا کہ صرف ایمان ہی نجات پانے کے لیے ضروری ہے اور نیک کام نجات پانے کے لیے ضروری نہیں ہیں۔ یہ سب پاکیزگی کے لیے مضر ہیں، کیونکہ کون شخص ایسی بیہودگیوں کو جان کر برائی سے دور رہے گا؟ مثلاً لوتھر کے پیروکاروں میں سے کون گناہ سے باز رہ سکتا ہے جب خود لوتھر ہی یہ کہتا ہے (جتنا زیادہ ہم گناہ کرتے ہیں، اتنا ہی زیادہ ہم خدا کا فضل حاصل کرتے ہیں) (کیتھولک کلیسیا کی بحثی تعلیم کا دوسرا حصہ صفحہ 36 شائع شدہ 1912ء) اس سے ثابت ہوا کہ عقیدہ کفارہ گناہ کرنیکا لائسنس ہے۔

2۔ ضمیر اس کے حق ہونے کی گواہی دے۔

(i) جھوٹ بولنا خود یسوع سے انجیل میں ثابت ہے۔ انہوں نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ میں ابھی اس عید میں نہیں جاتا کیونکہ ابھی تک میرا وقت پورا نہیں ہوا مگر تھوڑی دیر بعد پوشیدہ طور پر عید منانے چلے گئے (یوحنا 8:7 تا 10) تو جن کے پیشوا کا یہ حال ہو تو پیروکار جھوٹ سے کیسے بچ سکتے ہیں؟ چنانچہ دنیا میں جھوٹ کو سب سے زیادہ میڈیا کے ذریعہ عیسائی ہی پھیلاتے ہیں۔

(ii) فریب دینے کا الزام خود خدا پر ان لوگوں نے لگایا۔ لکھا ہے ''خداوند نے فرمایا کون اخی اب کو بہکائے گا'' تب ایک روح نکل کر خداوند کے سامنے کھڑی ہوئی اور کہا میں اسے بہکاؤں گی۔ خداوند نے اس سے پوچھا کس طرح؟ اس نے کہا میں جا کر اس کے سب نبیوں کے منہ میں جھوٹ بولنے والی بن جاؤں گی۔ اس نے کہا تو اسے بہکا دے گی اور غالب بھی ہو جائے گی، روانہ ہو جا اور ایسا ہی کر۔''

(1۔سلاطین 20:22 تا 22)

حضرت یعقوب علیہ السلام پر فریب سے برکت حاصل کرنے کا الزام ہے (پیدائش باب نمبر 27)

یروشلم کے لوگوں سے دغا کیا۔ (یرمیاہ 10:4)

(iii) زنا کرنیوالے خاندان (2۔سموئیل 2:11 تا 5، پیدائش 15:38 تا 29، یشوع 1:2) میں خدا کے بذات خود اس

دنیا میں آنے کا عقیدہ عیسائی لوگ رکھتے ہیں (مطالعاتی اشاعت صفحہ 2434) جیسا کہ متی 1:1 میں لکھا ہے۔ لہٰذا زنا کو یہ لوگ برائی کیسے قرار دے سکتے ہیں؟

(iv) چوری کرنے کا الزام یسوع پر لگایا جیسا کہ متی (1:21 تا 7) میں درج ہے۔

(v) خون ریزی کا اعلان خود یسوع نے کیا (متی 34:10)

یہ الگ بات کہ ساتھی میسر نہ ہونے کی وجہ سے یہ کام نہ کر سکے۔ بائبل کے احکام جنگ صریح خون ریزی کا حکم دیتے ہیں استثنا 16:20-17، 2:7 تا 5، 1:3 تا 7، 2:2-30، 35-11:34، 12، گنتی 1:31 تا 18، یشوع 6:21-25، 23:8 تا 28۔ اسی طرح بچھڑے کی پوجا کرنے والے تین ہزار مرد ایک ہی دن میں قتل کیے گئے۔ (خروج 28:32)

(vi) نیکی کی جڑ عقیدہ کفارہ نے کاٹ دی جیسا کہ اوپر 1 (iii) کے تحت گزرا۔

(vii) سچ کی جڑ عقیدہ کفارہ نے کاٹ دی نیز یسوع پر جھوٹ بولنے کا الزام ہے دیکھو 2 (i)

(viii) اخلاص کی جڑ عقیدہ کفارہ نے کاٹ دی۔

(ix) رحم کی درخواست کرنے والی کنعانی عورت کو یسوع نے نظر انداز کیا، جب شاگردوں نے سفارش کی تب بھی نہ مانے، اس عورت نے سجدہ کر کے مدد کی درخواست کی تو جواب دیا کہ لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو ڈال دینا اچھا نہیں (متی 21:15 تا 26، مرقس 27:7) دشمنوں کو اپنے سامنے قتل کرنے کی خواہش کا حکم دیا مگر شاگرد نہ مانے (لوقا 27:19)

(x) شفقت کا اندازہ ایک تو اوپر والے واقعہ سے ہوتا ہے دوسرا یہ فرمایا ''یہ نہ سمجھو میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں۔ صلح کرانے نہیں تلوار چلانے آیا ہوں۔ کیونکہ میں اس لیے آیا ہوں کہ آدمی کو اس کے باپ سے اور بیٹی کو اسکی ماں سے اور بہو کو اس کی ساس سے جدا کر دوں۔ اور آدمی کے دشمن اس کے گھر کے لوگ ہی ہوں گے۔ (متی 34:10 تا 36)

(xi) پاکیزگی کی خواہش کا انجام اوپر 1 (iii) کے تحت لکھا ہے۔

(xii) انصاف کا معیار بائبل میں یہ ہے کہ باپ دادا کے گناہوں کی سزا خدا کی طرف سے ان کے بیٹوں اور پوتوں کو تیسری اور چوتھی پشت تک دی جاتی ہے (خروج 7:34) اور لوگوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے لیے بے گناہ یسوع علیہ السلام کو سولی پر چڑھا دیا (عیسائی عقیدہ) سونے کا بچھڑا بنا کر پوجا کرانے والے (خروج 1:32 تا 6) کو ہی خدا کا چنا ہوا مقدس قرار دیا (گنتی 8:17) جبکہ اور پوجا کرنے والوں کو قتل

کر دیا گیا۔(خروج 28:32)

3۔ خدا کے پاک و عادل ہونے کی گواہی دے

(i) نیکوں کا دوست : کفارہ کے عقیدہ کی وجہ سے نیکی فضول ہو کر رہ گئی ہے۔ یہ عقیدہ نیکوں سے دوستی نہیں ہے۔

(ii) نیکوں کو نیکیوں کی جزا دینے والا: اگر کفارہ ہی واحد راہ نجات تھی تو پھر یسعیاہ علیہ السلام جیسے انبیاء علیہم السلام کو آرے سے کیوں چیرا گیا(قاموس الکتاب ص1122) صادقوں کا خون کیوں بہایا گیا(نوحہ 13:4)

(iii) بدکاروں کو سزا دینے والا: بائبل کے مطابق نعوذ باللہ حضرت ہارون علیہ السلام نے سونے کا بچھڑا بنا کر لوگوں سے اس کی پوجا کرائی(خروج 32:1 تا6)اور پھر انہی کو بطور مقدس چن لیا(گنتی 17:8) جبکہ باقی لوگ قتل کیے گئے(خروج 28:32) دھوکہ سے برکت حاصل کرنے والے کو برکت دے دی۔

(پیدائش، باب:27)

4۔ خدا کے ایک ہونے کی گوہی دے۔

خدا کے ایک ہونے کا ذکر بے شک بائبل میں ہے لیکن تثلیث کے عقیدہ نے اس کو مکمل طور پر ختم کر دیا۔لہٰذا نیا عہد نامہ اگر تثلیث کی تعلیم دیتا ہے تو یہ خدا کی طرف سے نہیں کیونکہ فانڈر کا معیار یہ ہے کہ کلام خدا صرف وہ ہوگا جو خدا کے ایک ہونے کی گواہی دے۔

5۔ بغیر اختلاف معنوی راہ نجات کی ہدایت کرے۔ پرانا عہد نامہ ایمان اور نیک اعمال کو راہ نجات قرار دیتا ہے۔نئے عہد نامہ میں یعقوب بھی اپنے خط میں اس پر زور دیتا ہے۔ مگر پال نے شریعت کو منسوخ کر کے(رومیوں 14:6)(گلتیوں 13:3) نیک اعمال کو بیکار قرار دے دیا اور کفارہ کو راہ نجات بتایا۔یہ واضح تضاد اور اختلاف معنوی ہے جو قرآن میں نہیں۔

(i) الہام تھوڑے تھوڑے کر کے بتدریج تکمیل تک پہنچے۔

(ii) روحانیت کی تعلیم کے مختلف مدارج ہوں۔ روحانیت کی تعلیم اور اس کے مدارج کفارہ کے عقیدہ کی وجہ سے فضول ٹھہرے کیونکہ صلیب پر جان دینے پر ایمان کو ہی مدارِ نجات ٹھہرایا گیا۔جب اعمال کے بغیر صرف ایمان ہی سے سارے نجات یافتہ ہیں تو روحانی مدارج کہاں باقی رہ گئے؟

(iii) مختلف حالات کے مطابق ظاہری رسوم میں وقتاً فوقتاً تبدیلی۔ عیسائیوں نے رسوم میں تبدیلی تو کی مگر ایمان کی بنیاد توحید اور نیک اعمال کو ختم کر دیا۔لہٰذا یہ جوہری تبدیلی ہے محض رسوم کی تبدیلی نہیں ہے۔

(iv) تمام انبیاء علیہم السلام ایک ہی بات کی تعلیم دیں۔سب انبیاء علیہم السلام نے توحید اور نیک اعمال کی تعلیم دی جیسا کہ پرانے عہد نامہ اور خود یسوع علیہ السلام کے اقوال سے ثابت ہے مگر موجودہ عیسائی تثلیث اور کفارہ پر ایمان کی تعلیم دیتے ہیں جو کہ کھلا تضاد ہے۔چونکہ ان کی تعلیم تمام انبیاء علیہم السلام کے برعکس ہے لہٰذا یہ خدا کا الہام نہیں ہوسکتی۔

(v) سچا الہام تناقص سے پاک ہوتا ہے۔اس کا جواب اوپر نمبر 5 کے تحت گزر چکا۔

خدا کا پورا مکاشفہ صرف قرآن میں ہے، بائبل میں مذکور 15 صفات الٰہی خدا کا ادھورا مکاشفہ ہے۔ قرآن میں مذکور 127 صفاتِ الٰہی خدا تعالیٰ کا جامع مکاشفہ ہے جیسا کہ نمبر 1 کے تحت اوپر گزرا۔

(i) مظہر ذات الٰہی اگر یسوع علیہ السلام تھے تو پھر صلیب پر ایلی ایلی کس کو کہہ رہے تھے (متی 46:27) کیا وہ اس وقت خود کو کہہ رہے تھے کہ مَیں مَیں تُو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا جیسا کہ عیسائی طامس ایلن نے کہا۔

(بحوالہ عیسائیت،ص:140 از ساجد میر)

(ii) جو الہام ان شرائط کو پورا کرے وہی سچا الہام ہے چونکہ فانڈر کی شرائط بائبل پوری نہیں کرتی لہٰذا اس کو اب سچا الہام نہیں کہہ سکتے۔

(iii) اس میں انسانی عقل سے ماوراء راز ضرور ہوں گے۔عقل سے ماورا ہونا اور بات ہے،خلافِ عقل ہونا اور بات ہے۔تثلیث اور کفارہ وغیرہ خلاف عقل عقائد ہیں۔اور بدیہیات مثلاً ریاضی کے خلاف ہیں۔خدا کے واحد و عادل ہونے کے خلاف ہیں۔

(iv) خدا کی صفات میں کوئی بھی صفتِ رذیلہ نہ ہو۔بائبل کے مطابق خدا میں خلافِ شان صفات پائی جاتی ہیں جیسا کہ نمبر 1 (i) کے تحت اوپر گزرا۔

❀❀❀

پادری برکت اللہ کے مقرر کردہ معیار پر دین اسلام اور عیسائیت کے سچے ہونے کی تحقیق

اس پادری نے اپنی کتاب ''مسیحیت کی عالمگیری'' (''عیسائیت ایک جامع مذہب'' کے نام سے پھر شائع ہوئی ہے) میں جامع مذہب کیلئے مندرجہ ذیل اصول مقرر کیے ہیں۔

1۔ جامع مذہب کے اصول اعلیٰ ترین پایہ کے ہوں۔ اس عنوان کے تحت تصور خدا کا اعلیٰ ہونا، ذات الٰہی کی نسبت اعلیٰ تعلیم (ص:8-9-10) معبود کا صفاتِ رذیلہ سے پاک ہونا۔ (ص:8)
انسانوں میں درجہ بندی، زنا کاری، غلامی، لوٹ مار کا سبق نہ دیتا ہو۔ حقوق العباد کا انحصار خدا کے تصور پر موقوف ہے۔ اخلاق کو سدھارنے کی تعلیم دے مثلاً نیوگ کی تعلیم نہ ہو، اخلاقی نصب العین بلند ہو۔

2۔ جامع مذہب کے اصول عالم گیر ہوں۔ ہر ملک، قوم، زمانہ، نسل کے لوگوں پر حاوی ہوسکیں مثلاً ذات پات کا مذہب (ص: 10) غلامی، عورتوں سے بدسلوکی، مظلوموں سے بدسلوکی (ص: 11) عالمگیر نہیں ہوسکتا۔ وہ اصول ماضی میں رہنما رہ چکے ہوں اور موجودہ دور اور مستقبل پر قابل اطلاق ہوں۔ (ص: 12)
محض قدامت کے دعوت سے جامع نہیں کہلاسکتا (ص:20)
جامع ہونے کا محض دعوی ہی نہ ہو بلکہ دلائل بھی ہوں۔ (ص:14)

3۔ جامع مذہب کے اصول جامع ہوں۔ تمام صداقتوں کا مجموعہ ہو مثلاً یہودی خدا کی عظمت، برتری اور توحید، ہندو حاضر ناظر ہونا مانتے ہیں۔ (ص:17)

4۔ جامع مذہب کے اصول کامل ہوں۔ مذاہب باطلہ کے باطل عناصر سے پاک ہو (ص:17)
اوہام پرستی سے پاک ہو، اخلاقیات غیر مکمل نہ ہوں۔ (ص:18)

5۔ جامع مذہب کے اصول اقوام کی نشو ونما میں ممد و معاون ہوں۔ ہر ایک قوم کی نشو ونما میں ایسے طور سے مدد

کرے کہ اس قوم کی خصوصیات زائل نہ ہوں بلکہ ہر قوم اس جامع مذہب کے ذریعہ ترقی کر کے اپنے خاص طریقہ معاشرت، تمدن وغیرہ کا یوں اظہار کر سکے کہ نوع انسانی ترقی اور تقویت حاصل کرے۔ (ص:20)

ایک ہی طرز رہائش و معاشرت اور آداب تمدن کے سانچے میں نہ ڈالے۔ (ص:20)

6۔ جامع مذہب کا بانی ایک کامل نمونہ ہونا چاہیے۔ مثلاً شراب خوری سے پرہیز کرے (ص:21)

نیک اصولوں کا نمونہ لوگوں کے سامنے رکھے (ص:22)

تمام لوگ اس کو کامل نمونہ تسلیم کریں (ص:22)

7۔ جامع مذہب گناہ پر غالب آنے کی توفیق دے، گناہ گاروں کو نہ اصول، نہ کامل نمونہ گناہ سے باز رکھ سکتا ہے۔ (ص:23)

جامع مذہب گناہ گار کو ایسے محرکات مہیا کرے جو اس کی مردہ قوت ارادی کو از سر نو مضبوط کریں تا کہ وہ کامل نمونہ کی طرف نظر کر کے گناہ و بدی کا مقابلہ کر سکے۔

جواب: مندرجہ بالا تمام نکات کا ترتیب وار جواب درج ذیل ہے۔

1۔ اسلام کا تصور خدا سب مذاہب سے اعلیٰ ترین ہے جس میں ہر پہلو سے متعلق اسمائے حسنیٰ دلیل ہیں۔ خود فانڈر نے بھی میزان الحق، ص:342 پر اس کا اعتراف کیا ہے۔ پورا قرآن خدا تعالیٰ کی اعلیٰ صفات کے ذکر سے پُر ہے۔ 35 اسمائے حسن و جمال، 28 عظمت و جلال، 15 صفاتِ توحید و وجود، 14 علم کے اثبات، 15 شان قدرت، اور 15 کا تعلق صفاتِ تنزیہہ سے ہے (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو اشاریہ تفہیم القرآن، ص:163 تا 168 اور ص:1241 تا ص:1463) ان صفحات پر خدا تعالیٰ کی 127 صفحات کا جامع تعارف موجود ہے۔ صفاتِ تنزیہیہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اس میں کوئی بری صفت نہیں۔ لہٰذا وہ اکیلا ہی خدا کہلانے کے لائق ہے۔ اسم رب العالمین نے اس کا عالم گیر ہونا فرما دیا۔ جبکہ بائبل کا خدا بعض واقعات پر تعجب کا اظہار کر کے اپنے علم سابق کی نفی کرتا ہے مثلاً پچھتایا (پیدائش 5:6) پچھتائے گا۔ (یرمیاہ 8:180 تا 10، 3:26، یوایل 13:2، یوناہ 2:4) (ملاحظہ ہو قاموس الکتاب، ص:251) ان ہی حوالوں سے ثابت ہوتا ہے اس کے علم میں کمی بیشی ہوتی ہے لہٰذا نہ تو تبدیل ہے نہ تغیر و تبدل سے پاک ہے۔ بائبل کا خدا باپ دادا کے گناہوں کی سزا انکی اولاد کو تیسری اور چوتھی پشت تک دیتا ہے لہٰذا بے انصاف ہے (خروج 4:34) جبکہ اللہ تعالیٰ کسی پر دھاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔ (نساء 49:4، 77، بنی اسرائیل 71:17)

(ii) انسانوں میں درجہ بندی کی نفی کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ تمام انسان ایک آدمی کی اولاد ہیں۔ (نساء 1:4، اعراف 189:7) جبکہ بائبل کا خدا صرف بنی اسرائیل کا قومی خدا معلوم ہوتا ہے کہ صرف انہی سے عہد باندھا (پیدائش 2:17، 21:17، احبار 42:26) اس لیے اس تصور کو اسرائیل کا قومی دیوتا کہا گیا جسے صرف اسرائیل کی ہی حفاظت مقصود تھی۔ (بائبل کا الہام، ص:8)

(iii) زنا کاری کو حرام قرار دے کر اس کے قریب جانے سے بھی منع کرتا ہے (بنی اسرائیل 32:17، فرقان 68:25، نور 24-2-3) جبکہ بائبل کا خدا زنا کرنے والے کی نسل میں سے انسانی شکل میں جنم لیتا ہے۔ (2۔سیموئیل 2:11 تا 5۔ متی 1:1)

(iv) غلامی کو اسلام نے ہی بتدریج ختم کیا اور گناہوں کا کفارہ غلام آزاد کرنا رکھا (نساء 92:4، مائدہ 89:5، مجادلہ 2:56، بلد: 13:90، بقرہ 177:2، توبہ 60:9) زکوٰۃ کے مصارف میں سے ایک غلام آزاد کرانا رکھا۔ حضور ﷺ نے ان سے برابری کے سلوک کی ہدایت کی۔ اس طرح اسلام غلامی کی حوصلہ شکنی کرتا ہے۔ جبکہ بائبل غلامی کو ہمیشہ کے لیے برقرار رکھتی ہے مثلاً "اور تیرے جو غلام اور تیری جو لونڈیاں ہوں وہ ان قوموں میں سے ہوں جو تمھارے چوگرد رہتی ہیں۔ ان ہی میں سے تم غلام اور لونڈیاں خریدا کرنا۔ ماسوا انکے ان پردیسیوں کے لڑکے بالوں میں سے بھی جو تم میں بودوباش کرتے ہیں اور ان کے گھرانوں میں سے جو تمہارے ملک میں پیدا ہوئے اور تمہارے ساتھ ہیں تم خریدا کرنا اور وہ تمہاری ہی ملکیت ہوں گے۔ اور تم ان کو میراث کے طور پر اپنی اولاد کے نام کر دینا کہ وہ ان کی موروثی ملکیت ہوں۔ ان میں سے تم ہمیشہ اپنے غلام لیا کرنا۔" (احبار 44:25 تا 46) اس طرح اپنے ہی ملک کے شہریوں کو غلام بنانے کی اجازت دی اور ہمیشہ کا لفظ کہہ کر غلامی کو ہمیشہ کے لیے برقرار رکھا۔ ان کو آزاد کرنے کی ترغیب نہ دی۔

(v) اسلام لوٹ مار کا سبق نہیں دیتا بلکہ چور اور ڈاکو کو سزا کا حکم دیتا ہے۔ چور کے لیے ہاتھ کاٹنے (مائدہ 38:5) اور ڈاکو کے لیے سزائے موت کا حکم ہے (مائدہ 33:5) اگر پادری صاحب کا اشارہ جہاد اور مال غنیمت کی طرف ہے تو جواب یہ ہے کہ اسلامی جہاد صرف دنیا سے شر ختم کرنے کے لیے ہوتا ہے اور اس کے اصول و ضوابط قرآن و حدیث و فقہ میں مقرر ہیں۔ مگر بائبل کے احکام جنگ بے لگام اور کنواری لڑکیوں سمیت تمام مال و اسباب کو مالِ غنیمت قرار دیتے ہیں اور یہ کہ کسی بھی سانس لینے والی چیز کو ختم کر دینے کا حکم ہے۔ ملاحظہ ہو (استثنا: 16:20-17) 2:7 تا 5، 1:3 تا 7، 2:2، 30-35، 12-11:34، گنتی 1:31

تا18، یشوع6:21-25، 8:23 تا 28)

(vi) چونکہ خدا کا اعلیٰ ترین تصور صرف قرآن پیش کرتا ہے لہٰذا دوسرے انسانوں کے ساتھ نیک سلوک کا حکم دیتا ہے۔ تفصیل کے لیے قرآن مجید کا مطالعہ شرط ہے اور یہ صاف صاف بیان کرتا ہے کہ جو ذرہ بھر نیکی لے کر آئے گا اس کو جزا اور جو ذرہ بھر برائی لے کر آئے گا اس کو سزا ملے گی (زلزال 7:99) اس طرح تمام انسانوں کو خبردار کر دیا۔ مگر بائبل انسانوں میں فرق کرتی ہے اور اس کے حکم کے مطابق بنی اسرائیل کو غلام بنانا منع ہے مگر دوسرے لوگوں کو چاہیے وہ اپنے ہی ملک میں پیدا ہوئے ہوں غلام بنانے کی اجازت ہے۔ (احبار 25:44 تا 46) اس طرح بنی اسرائیل سے سود لینا منع مگر دوسروں سے سود لینے کی اجازت ہے (استثنا 20:23) اگر آقا غلام کو مارے اور وہ مر جائے تو آقا کو سزا دی جائے (جس کا یقین نہیں کہ سزا دی جائے گی) لیکن اگر غلام تشدد کے بعد دو دن زندہ رہ کر مر جائے تو آقا کو کوئی سزا نہ دی جائے کیونکہ وہ غلام اس کا مال ہے۔ (خروج 21:20-21)

(vii) اگلا معیار یہ ہے کہ اخلاق کو سدھارنے والی تعلیم دے۔ قرآن اخلاق کو سدھارنے والی تعلیم میں بھی کامل ہے۔ مثلاً علم کی ترغیب (زمر 9:39) (طٰہٰ 114:20) خالص توبہ کا حکم (تحریم 8:66) انصاف کا حکم (نساء 58:4) ہر شخص کو نیکی کی تعلیم (زلزال 7:99) صبر کی تعلیم (ہود 11 : 49) (بقرہ 2:45,155) (رعد 22:13) شکر کا حکم (سبا 13:34) توکل (آل عمران 159:3) اخلاص (بقرہ 207:2) اعراف 29:7، کہف 28:18) سچ بولنا (توبہ 119:9) (احزاب 35:33) ایفائے عہد (المائدہ 1:5) (فتح 10:48) جھوٹ کی ممانعت (بقرہ 10:2) کسی پر تہمت کی ممانعت (نساء 112:4) نور 23:24 تا 25) قول بے عمل سے منع کیا (بقرہ 44:2) ریاکاری سے منع کیا (نساء 38:4) خوشامد سے منع کیا (آل عمران 188:3) غلط سفارش سے منع کیا (نساء 85:4) رشوت کی ممانعت (آل عمران 77:3) عاجزی کا حکم (لقمان 18:31) (الحج 34:22) شیریں زبانی (حم السجدہ 34:41) تکبر کی ممانعت (زمر 72:39) غصہ کی ممانعت (37:42) (آل عمران 134:3) معاف کرنا (نور 22:24) (المائدہ 13:5) برائی کا بدلہ بھلائی (رعد 22:13) تفرقہ کی ممانعت (آل عمران 103:3) لالچ کی مذمت (نساء 32:4) (الحشر 9:59) بخل کی مذمت (الھمزہ 104:1 تا 3، آل عمران 180:3) (اللیل 92:8 تا 11) فضول خرچ کی مذمت (بنی اسرائیل 26:17) حسد کی مذمت (الفلق 5:113) بغض کی مذمت (آل عمران 118:3) قسم پوری کرنیکا حکم (نحل 91:16، 94) احسان کا حکم (بقرہ 195:20) نیکی کا حکم (المائدہ 2:5) (مومنون 61:23) ایثار (آل عمران 91:3) والدین سے نیک

سلوک (بنی اسرائیل 17: 23 تا 24) اولاد پر شفقت (الفرقان 25: 74) عہد پورا کرنے کا حکم (بنی اسرائیل 34:17) رشتہ دار، یتیم، مسکین، ہمسایہ، مسافر، سائل سے نیک سلوک کا حکم (بقرہ 177:2، 215) لوگوں میں صلح کرانا (حجرات 9:49، 10) صلہ رحمی کا حکم (رعد 20:13، 21) آپس میں دوستی کا حکم (التوبہ 71:9) آداب مجلس (مجادلہ 11:58) سرگوشی منع (نساء 114:4) چغلی، جاسوسی، بدگمانی کی مذمت (الحجرات 12:49) صرف اللہ سے ڈرنا (بقرہ 150:2) بزدلی کی مذمت (توبہ 56:9) حوصلہ افزائی (محمد 35:47) مصیبت میں غم نہ کرنا، (آل عمران 3: 152) اللہ سے ہر وقت امید رکھنا (یوسف 12: 87) اولوالعزمی (آل عمران 158:30) ثابت قدمی (بقرہ 250:2) قوت حاصل کرو (انفال 60:8) خودستائی کی مذمت (نجم 32:53 ،نساء 49:4) قول بے عمل کی مذمت (بقرہ 44:2) نیکی کی کوشش کا حکم (نجم 39:53، 40، بقرہ 148:2) وقت ضائع کرنیکی مذمت (لقمان 6:31، انبیاء 2:21، 3) ظلم کا بدلہ لینے کی اجازت (شوریٰ 39:42) مشورہ کرنے کا حکم (شوریٰ 38:42) رازداری کا حکم (تحریم 3:66) افواہ کی تحقیق کا حکم (حجرات 6:49) عورتوں سے نیک سلوک کا حکم (نساء 19:4) دوسرے کے گھر جانے کے آداب (نور 27:24، 28) پردہ کا حکم (نور 31:24) شرم وحیا کا حکم (نور 30:24) فال لینے کی مذمت (مائدہ 90:5) خودروزی کمانے کا حکم (بنی اسرائیل 12:17) سرمایہ داری کی مذمت (آل عمران 14:3) تجارت کی اجازت (بقرہ 275:2) خدا کی راہ میں کوشش کی قدر (عنکبوت 69:29) گالی کی مذمت (انعام 109:6) برے نام رکھنے کی مذمت (حجرات 11:49) خیرات کا حکم (بقرہ 261:2) حرام کھانے کی مذمت (نساء 29:4) بے حیائی سے منع کیا۔ (شوریٰ 37:42)

یہ سمندر سے ایک قطرہ ہیں، پوری تفصیل کے لیے قرآن پاک کا مطالعہ شرط ہے۔

(viii) اخلاقی نصب العین بلند ہو۔ اسلام نے خدا کی رضا حاصل کرنا انسان کا نصب العین مقرر کیا جو کہ اعلیٰ ترین ہے۔ (بقرہ 207:2، 265، نساء 114:4، ممتحنہ 1:60)

2۔ مندرجہ بالا اصول عالمگیر ہیں، ہر قوم، ملک، زمانہ، نسل کے لوگوں پر حاوی اور پسندیدہ ہیں۔ ماضی و حال میں ان پر عمل ہوا اور مستقبل میں ان پر عمل سے نفع ہی نفع ہے، نقصان نہیں، یہی دلائل اسلام کے جامع دین ہونے کا ثبوت ہیں جبکہ تثلیث و کفارہ والوہیت مسیح علیہ السلام تمام انبیاء کی پیش کردہ توحید کے خلاف ہے۔

3۔ جیسا کہ نمبر 1 پر اوپر گزرا، اسلام و قرآن تمام صداقتوں کا مجموعہ اور خدا تعالیٰ کا بہترین تعارف پیش کرتے ہیں۔ مذہب عیسائیت تمام صداقتوں کے خلاف ہے مثلاً ریاضی بدیہیات میں سے ہے اور

تثلیث اس کے خلاف ہے۔ کفارہ خلافِ عدل اور الوہیت مسیح علیہ السلام تمام انبیاء کی پیش کردہ توحید کے خلاف ہے۔

4۔ اسلام وقرآن شرک، توہم پرستی، نامکمل اخلاقیات سے بالکل پاک ہے اور ان کی مذمت کرتا ہے۔ عیسائیت سے بڑا شرک کوئی نہیں جیسا کہ لیکی (Lecky) نے تاریخ اخلاق یورپ میں لکھا اور برکت اللہ نے ص 51 پر نقل کیا کہ دیگر مشرکانہ مذاہب اور عیسائیت کی تعلیم میں کوئی فرق نہیں۔

5۔ مندرجہ بالا اصول اپنانے والی قوم 1000 سال تک دنیا پر حکمران رہی اور اصولی باتوں کے علاوہ لوگوں کے قومی تشخص کو بھی برقرار رکھا۔ عیسائیت کو حکمرانی بت پرستوں کے زیرسایہ سرپرستی ملی اور جہاں گئی ان کے رنگ میں ڈھل گئی جیسے اتوار، کرسمس، کرسمس ٹری، وغیرہ رسوم وتہوار۔

6۔ مندرجہ بالا کامل اصول لے کر اٹھنے والی شخصیت بھی ذاتی طور پر کامل نمونہ ہیں جیسا کہ احزاب 21:33 میں فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین ودنیا کے ہر شعبہ کے لیے ذاتی اور اعلیٰ ترین نمونہ پیش کیا اور کوئی اخلاقی برائی پوری زندگی نہ پائی گئی چنانچہ مخالفین کو چیلنج دیا کہ کوئی کمی ہے تو بتاؤ (یونس 16:10)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے صرف 50 دنوں کا ریکارڈ موجود ہے (برٹانیکا، ج: 13 ،ص: 16-17) (1958) اور یہ کہ آپ علیہ السلام کی کوئی حقیقی سوانح عمری کبھی لکھی نہیں جا سکتی (ساجد میر، ص: 38-39 بحوالہ (W.R Inge:Christian Ethics & Modren (Problems(P-43))

آپ علیہ السلام کی 12 سے 30 برس کی عمر کا حال کسی مصدقہ ذریعہ سے نہیں ملتا۔ لوقا نے بھی ایک فقرے میں بھگتا دیا۔ (لوقا 52:2)

7۔ قرآن گناہ گاروں کو خداتعالیٰ کی طرف سے توبہ کے بعد معافی کی ضمانت دیتا ہے (زمر 53:39) اس طرح وہ محرک فراہم کرتا ہے جو گناہ گار کو نیک بننے کی ترغیب دے۔ کفارہ کا عقیدہ رکھنے والا گناہ سے بچ ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ یہ گناہ کرنے کا لائسنس ہے کہ حضرت یسوع علیہ السلام پر ایمان رکھو کہ وہ تمہارے گناہوں کا کفارہ ادا کر گئے ہیں اور شریعت کی منسوخی کے بعد خودساختہ پاکوں کے لیے سب کچھ پاک ہے (طیطس 15:1) ذکر دوسرے مقام پر ہے۔

❀❀❀

سچے نبی کی نشانیاں

اسلام کے مطابق سچے نبی کی نشانیاں یہ ہیں:

1۔ پاک تعلیم جس میں ہر نیک کام کا حکم ہو اور ہر برے کام سے منع کیا گیا ہو۔ اس تعلیم میں شیطان کو خوش کرنے والی کوئی بات نہ ہو۔

2۔ اس ہستی کا اپنا کردار بے داغ ہو، سخی ہو، قول و فعل ایک ہو، دیانتدار ہو اور رسول امین ہو۔

3۔ بے غرض اور بے لوث ہو، خدا کے علاوہ کسی سے کسی قسم کا اجر نہ چاہے۔

4۔ اس شخصیت کی تعلیم پر عمل کرنیوالے برے کاموں کو چھوڑ کر بہترین کردار والے بن جائیں۔ وہ تعلیم انسانوں کی زندگی بدل دیتی ہو۔ جس ڈاکٹر کے نسخہ کو برت کر بیشمار مریض شفایاب ہو چکے ہوں، اسکی قابلیت میں کیا شک رہ جاتا ہے؟ یعنی درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔

5۔ معجزات اور اٹل پیش گوئیاں ہوں۔ معجزات میں دلائل معنویہ (قرآن، سیرت، پاکیزہ کردار و اخلاق، سخاوت، زہد، حلم، رہن سہن، لوگوں سے برتاؤ) اور دلائل حسّیہ (چاند کے دو ٹکڑے کرنا، پانی کا پیالہ لشکر کے لیے کافی ہو جانا وغیرہ) شامل ہیں (البدایہ والنہایہ، ج:6، ص:52 تا 55 ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ)

6۔ سچے نبی کے دعویٰ میں تدریج نہیں ہوتی وہ پہلے ہی دن اپنے نبی ہونیکا اعلان کرتا ہے۔

7۔ سچے نبی حکومت، طاقتور لوگوں اور نظام کی مخالفت کرتے ہیں۔ وہ نہ خوشامدی ہوتے ہیں اور نہ ہی حکومت کا خود کاشتہ پودا ہوتے ہیں۔

8۔ اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبر تبلیغِ وحی میں کسی سے نہیں ڈرتے۔

9۔ عقل کامل، حفظِ کامل، عصمتِ کاملہ مستمرہ، صداقت و امانت، زہد، اعلیٰ حسب و نسب، مرد ہونا، اخلاقِ کاملہ، وجیہ صورت، یہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے اوصاف تھے اور انہی کو شرائط نبوت کہتے ہیں۔

(ملاحظ ہو المعتمد از حافظ تور بشتی رحمۃ اللہ علیہ ماخوذ از رسالہ شرائطِ نبوت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ)

بائبل کے مطابق سچے نبی کی نشانیاں

1۔ وہ خدا سے جو سنتا ہے وہی لوگوں سے کہتا ہے (یوحنا 26:8) یعنی وما ینطق عن الھوٰی۔

2۔ سچا نبی خداوند کی مجلس میں کھڑا ہوتا ہے (یرمیاہ 18:23) اور خدا اس سے کلام کرتا ہے (آیت نمبر 22:21)

3۔ سچے نبی کی پیشین گوئی پوری ہوتی ہے (استثناء 5:13، 22:18، سلاطین نمبر 1، 28:22)

4۔ رسول ہونے کی علامتیں کمال صبر کے ساتھ نشانوں اور عجیب کاموں اور معجزوں کے وسیلہ سے تمھارے درمیان ظاہر ہوئیں۔ (2۔ کرنتھیوں 12:12)

5۔ نبی تبلیغ میں دیانتدار ہوتے ہیں۔ ''اور جس کے پاس میرا کلام ہے وہ میرے کلام کو دیانتداری سے سنائے'' (یرمیاہ 28:23)

6۔ خدا کا کلام ہمیشہ گناہ کے خلاف ہوتا ہے (حزقی ایل 6:14 تا 8) یہ بات قابل ذکر ہے کہ بائبل کے مطابق نبی اپنے عہدہ سے استعفیٰ بھی دے سکتا ہے اور استعفیٰ دے کر بھی وہ نبی رہتا ہے جیسا کہ سیدنا موسیٰ کے بارے میں خروج 4: 13 میں لکھا ہے۔

7۔ سچے ہونے کی نشانی معجزہ ہے۔ (کیتھولک کلیسیا کی بحثی تعلیم پہلا حصہ، ص: 58)
معجزے پاکیزگی کا ثبوت اور شہادت ہیں۔ (ایضاً دوسرا حصہ، ص: 39)

بائبل میں جھوٹے نبی کی نشانیاں

1۔ جھوٹا نبی غیر معبودوں کی پوجا کرنے کو کہتا ہے۔ (استثناء 2:13)

2۔ وہ خود بھی بدکاری کی زندگی بسر کرتا ہے۔ (یرمیاہ 14:23)

اور دوسروں کو بدکاری سے روکنے کی بجائے حوصلہ افزائی کرتا ہے ''وہ مجھے حقیر جاننے والوں سے کہتے رہتے ہیں خداوند نے فرمایا ہے کہ تمھارے لیے سلامتی ہوگی اور ہر ایک جو اپنے دل کی سختی پر چلتا ہے کہتے ہیں کہ تجھ پر کوئی بلا نہ آئے گی۔ (یرمیاہ 17:23)

3۔ جھوٹے نبی کی تعلیم چوری کی ہوتی ہے۔ اس کا اختیار جعلی اور خدمت خود ساختہ ہوتی ہے۔
(یرمیاہ 30:23 تا 32)

4۔ جھوٹے نبی کا پیغام اس کے جھوٹے ہونے کی نشانی ہوتا ہے، وہ بے بنیاد امید پرستی اور بے بنیاد سلامتی

کا پیغام دے کرور غلاتا ہے۔(حزقی ایل:13:10)

5۔ جھوٹے نبی کے پیغام سے راست باز رنجیدہ ہوتے ہیں اور شریروں کو شہہ ملتی ہے(حزقی ایل:13:22)

اسلام کے مطابق سچی کتاب کی نشانیاں

امام احمد تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح" میں سچی آسمانی کتاب کی یہ نشانیاں بیان کی ہیں۔

1۔ جس شخصیت سے منسوب ہو اس کا نبی ہونا ضروری ہے۔

2۔ متعلقہ کتاب یا عبارت کا سچے نبی سے انتساب ثابت ہونا ضروری ہے یعنی اس کی سند متصل ہو۔

3۔ اصل زبان کے مطابق ترجمہ کا درست ہونا ضروری ہے۔

4۔ پھر نبی کی صحیح مراد معلوم ہونا ضروری ہے یعنی کلام مجاز تو نہیں؟

5۔ متن محفوظ ہو۔

سچے نبی کی نشانیوں کا ثبوت کیسے فراہم کیا جائے گا؟

(1) سند متصل سے (2) تواتر سے، یہ یاد رہے کہ تواتر کا ابتداء (پہلے دن) سے ہی تواتر ہونا ضروری ہے۔ کسی مشہور گپ کو تواتر نہیں کہتے۔

سچی کتاب کی نشانیاں بمطابق کیتھولک کلیسیا

1۔ یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ کتاب جو ہاتھ میں ہے اصل کتاب مقدس ہے یا نہیں؟

2۔ یہ کہ آدمی کے پاس سالم کتاب ہے کہ نہیں؟

3۔ کتاب کا الہامی اور خدا کے ارشاد سے ہونا ضروری ہے۔

4۔ کسی نے کتاب مقدس میں غلطیاں درج نہ کی ہوں۔

5۔ آدمی اسے سمجھ سکتا ہو۔

6۔ سب چیزیں جو نجات کے لیے ضروری ہیں اس میں ہوں۔

(مراۃ الصدق مولفہ پادری بیدیلی۔ترجمہ طامس انگلش حسب الارشاد پادری مریا انجلو کا تھولک مشنری مطبوعہ گوالیار 1851ء ص: 169-182 بحوالہ نوید جاوید، ص:144)

بڑے عیسائی علماء کے مطابق

سچے دین، سچے نبی اور سچی کتاب کی نشانیاں

ڈاکٹر پیٹرسن سمائتھ (ڈی ڈی۔Doctor of Divinity)

ان صاحب نے ایک کتاب بنام How God Inspired The Bible لکھی۔اس کا ترجمہ پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی انارکلی لاہور نے 1905ء میں شائع کیا جس کا نام ''بائبل کا الہام'' ہے۔ڈاکٹر صاحب نے سچی کتاب اور سچے الہام کی مندرجہ ذیل نشانیاں بیان کی ہیں۔

1۔ تواتر بڑی اور اصل دلیل ہے(ص:18، 25، 26) کلام خود لوگوں کو قبولیت پر مجبور کرتا تھا(ص:22) کلام کا سند و اختیار اندرونی طور پر اس میں موجود ہوتا ہے۔(20)

رسولوں کی سند سے الہامی مانتے ہیں۔(21)

2۔ اندرونی گواہی ضروری ہے کہ وہ درحقیقت خدا ہی کی طرف سے ہے۔ظاہری معجزہ بجائے خود کسی پیغام الٰہی کی تصدیق نہیں کرسکتا(24) وہ دنیا پرستی کی بجائے روح سے تعلق رکھتی ہو اور لوگوں کو خدا، فرض اور راست بازز ندگی کی برابر تعلیم دیتی رہی ہو(29)

3۔ دنیا کی اعلیٰ اقوام سے قبول کریں(ص:26 کا حاشیہ)

4۔ گناہ سے روکے، پاکیزگی و تقدس کی ترغیب دے(ص:31,32)

5۔ خدا کی حمد کے گیت اس میں ہوں(ص:31,32)

6۔ انبیاء کا خلوص، عقل مند ہونا، اور جان کے خطرہ کے باوجود تبلیغ کرنا(ص:34) نبیوں کا پیغام خدا کا کلام تھا۔اس سے بڑھ کر اور کوئی سند اس کے ثبوت میں پیش نہیں ہوسکتی(22) نبی کا غلطی سے پاک ہونا ضروری نہیں۔(140)

7۔ ماننے والوں کو شرافت اور صداقت کی زندگی کی طرف مائل کرے(44)

8۔ ایسی تعلیم ہو جو پہلی تعلیم کی تصدیق کرتی ہو (ص:38-39)

9۔ کلیمنٹ ساکن اسکندریہ (190ء) آگسٹائن (400ء) یوسی بی اس (325ء) کالون کے شاگرد، مسٹر ہاج، ان سب کے مطابق کلامِ خدا کا سہودہ خطاء سے پاک ہونا ضروری ہے

(ملاحظہ ہو، ص:82-83،91،135-136)

10۔ کلامِ خدا انسانی ضمیر کے خلاف معنی نہیں رکھتا (ص 155-156) یہ کلام خدا پرکھنے کا سب سے اعلیٰ پیمانہ ہے (156)

11۔ ہر زمانہ میں ایک جیسی خدائی تعلیم ضروری نہیں۔ (ص:57،167-168)

12۔ تعلیم میں تدریج ضروری ہے۔ (160-163-168)

13۔ کلام خود کلام خدا ہونے کا دعویٰ کرے (70)

14۔ کلام خدا کا مقصد تاریخ، جغرافیہ اور فلکیات کے علوم سکھانا نہیں (ص:142) بلکہ چال چلن کا رہنما ہو اور ہماری تہذیب اخلاق کی عمارت کی تعمیر میں ممد ہو......لوگوں کو بتائے کہ خدا کی مرضی کیا ہے اور انسان اور خدا کے درمیان کیا رشتہ ہے (ص:143)

15۔ مدعا بیان کرنے کے لیے کفایت ضروری ہے، کاملیت ضروری نہیں (ص:144)

16۔ علماء کا اعتماد اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ کلامِ خدا ہے (ص:51-189)

17۔ اس کا مطالعہ تعصب کے بغیر ہونا ضروری ہے (ص:52) سچے کلام کو سمجھنے میں غلطی کرنے والے بھی نجات پائیں گے (ص:49) کلام سے زیادہ فائدہ اٹھانے کے لیے زیادہ غور وفکر، زیادہ احتیاط اور دور اندیشی، زیادہ ادب ولحاظ، زیادہ دعا اور زیادہ مطالعہ کی ضرورت ہوگی۔ کلام پڑھنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس کے ایک حصہ کا دوسرے سے موازنہ کرو۔ ایک حصہ کی تعلیم دوسرے سے ادنیٰ ہوسکتی ہے۔ بعض آیات پر عقیدہ قائم کرنا نہیں چاہیے۔ (ص:214-215)

18۔ سچی پیش گوئی ملہم کے سچے ہونے کا ثبوت ہے اور کلام کے کلام خدا ہونے کا ثبوت ہے (ص:35-36)

19۔ الہام جاری ہے۔ (ص:108-117)

مندرجہ بالا خصوصیات کے علاوہ اگر کسی کلام میں مندرجہ ذیل نقائص پائے جائیں تو بھی، بقول ڈاکٹر پیٹرسن سمائتھ، وہ کلام خدا ہے اور صاحب کلام خدا ملہم ہے۔

1۔ صرف ونحو کی پابندی ضروری نہیں۔ (ص:125)

2۔ ملہم کا پورے طور پر تعلیم یافتہ اور اس کے طبعی جذبات کا پاک ہونا ضروری نہیں۔ (ص:127)
3۔ ملہم کا کامل ہونا ضروری نہیں (ص:128)
4۔ ملہم ناکامل انسانی ذہن اور ناکامل انسانی زبان کا حامل ہوسکتا ہے (ص:131) اس کے لکھے ہوئے کلام میں انسانی جہل و بے علمی کے نشان پائے جاسکتے ہیں (ص:132)
5۔ کلام خدا کی مختلف قرائتیں ہوسکتی ہیں (ص:70)
6۔ مصنف نامعلوم ہو تب بھی کلام خدا ہے (19-20-70-193 تا195) اور کوئی اس سے بھی بڑی بات کیوں نہ ہو، تب بھی کلام خدا ہے (70) مصنف کی بابت جھگڑے ہوں یعنی مصنف مختلف فیہ ہو تب بھی کلام خدا ہے۔(137)
7۔ کلامِ خدا کا محفوظ ہونا ضروری نہیں۔(70)
8۔ مصنف کا سہو وخطاء سے پاک ہونا ضروری نہیں۔(75-94-139-147-149)
9۔ کلامِ خدا کا سہو وخطاء سے پاک ہونا کوئی بڑی وقعت اور اہمیت کے قابل امر نہیں ہے۔(151)
10۔ صدیوں تک کلامِ خدا کی حدود کا تعین نہ ہو تب بھی یہ کوئی بڑی اہم بات نہیں۔ ماننے والوں میں کلام کے بعض حصوں کی قبولیت کے بارے میں صدیوں تک اختلاف رہے اور ان کو اس بارے میں وثوق حاصل نہ ہو تب بھی خیر ہے۔(81)
11۔ اختلافات کی کثرت ہو تب بھی کلام خدا ہے(83)
اس صفحہ پر اوریجن کا قول لکھا ہے کہ ”اناجیل میں اتنے اختلافات ہیں کہ ان سے آدمی کا سر گھومنے لگتا ہے۔“
12۔ عبارت کا بے نقص ہونا ضروری نہیں۔(67-115-136)
13۔ اس میں انسانی عنصر (غیر نبی انسانوں کی عبارتیں) ہو تب بھی خیر ہے۔(118-129-130-131-215)
14۔ کلامِ خدا میں دشمنوں کو بد دعائیں بھی ہوسکتی ہیں(120-121)
15۔ مصنف کا یہ یقین کرنا کافی ہے کہ اس کو الہام ہوتا ہے(112)
16۔ لفظی الہام ضروری نہیں(54-114-115-116)
لفظی روایت ضروری نہیں۔ صرف روایت بالمعنیٰ کافی ہے۔(81)
17۔ کلام کی زبان دہقانی، خلافِ محاورہ، دلائل ناکافی اور کمزور ہوں تب بھی الہام ہے(84)

زبان اور تحریر کا ہر قسم کے عیب سے پاک ہونا، نقص و غلطی سے مبرّا ہونا ضروری نہیں اور نہ خدا نے اس قسم کی کوئی بات بتائی ہے۔ (ص:54،ص:67)

18۔ متشابہات سے پاک ہونا ضروری نہیں۔ (136)

19۔ کلام خدا کا غلطی سے پاک ہونا ضروری نہیں۔ (139-191)

20۔ اس کا تناقض سے پاک ہونا بھی ضروری نہیں۔ (139-191)

21۔ کلام میں کمی بیشی سے بھی کلامِ خدا کی صحت پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ (204 تا 207)

22۔ اگر اس میں اخلاقی مشکلات (خدا کا محض قومی دیوتا ہونا، غلامی کی تعلیم، کثرتِ ازدواج، طلاق کی اجازت، دغاباز کو برکت دینا، دشمنوں پر عذاب اور غضب نازل کرنا وغیرہ) پائی جاتیں تب بھی وہ کلامِ خدا ہے۔ (154-155)

23۔ اسکی تعلیم رد کر سکتے ہیں۔ (150-155-156)

24۔ ہر زمانہ میں ایک جیسی تعلیم ضروری نہیں۔ (ص:157)

25۔ اگر کلام میں موجود عقائد کی نسبت مشکلات ہوں تو بھی وہ کلامِ خدا ہے۔ (192)

اس سے مراد یہ ہے کہ وہ عقائد عقل سے بالاتر ہوں یا تورات کی طرح یہ بھی طے نہ ہو رہا ہو کہ اس کا اصل مصنف کون ہے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام یا حضرت یوشع علیہ السلام یا کوئی اور۔

26۔ کسی قسم کی ناکاملیت یا ان گڑھ پن یا ادنیٰ اخلاقی تعلیم کے باوجود وہ کلام خدا ہے۔ (157)

27۔ نہ تو مغلظات (گالیاں) نہ عبارت کے ظاہری نقص، نہ مختلف قرائتیں، نہ مصنفوں کے متعلق ابتدائی زمانہ کے جھگڑے، نہ اور کوئی اس قسم کی بات، خواہ وہ ان سے بھی بڑی ہو، پاک نوشتوں کے اختیار کو زائل کر سکتی ہے۔ (70)

28۔ اگر الہام کی کیفیت سمجھ میں نہ آسکے تب بھی خیریت ہے (99) کیونکہ الہام کی تعریف و حد بندی ٹیڑھی کھیر ہے لہٰذا اگر تم مجھ سے نہ پوچھو تو میں جانتا ہوں۔ (ص:99)

29۔ مختلف نوشتے (کتابیں) جو تاریخ، نظم، ڈراما، خط، نبوت، (پیش گوئیاں) تمثیل (مثالیں) کی صورت میں مختلف الطبائع مصنفوں کے متعلق زمانوں میں مختلف مقاصد سے اور شاید الٰہی تنویر و کشف والہام کے مختلف مدارج سے لکھے گئے اور ایک جلد میں باندھ دیئے گئے، جن میں کوئی یگانگت نہیں تو بھی وہ زندہ کلام ہے۔ (یعنی کلام خدا ہے) جو ہمارے استعمال کے لیے دیا گیا۔ (ص:56)

30۔ اگر کتاب الہام کی تعریف نہ بتائے مگر اس کی دعویدار ہو، تب بھی کلام خدا ہے۔ (61)

31۔ مذہب کے بنیادی اصول اس امر پر بھی منحصر نہیں ہیں کہ کسی وحی والہام میں بھی اعتقاد رکھا جائے (63)
تشریح کرتے ہوئے لکھا کہ چاروں انجیل نویس ایک معمولی دیانت دار، راست گو اور عام عقل کے آدمی تھے۔(63)

32۔ کسی کتاب پر ایک ہزار (1000) سال بعد اعراب لگائے جائیں تو بھی وہ کلام خدا ہی رہے گا۔(66)

33۔ پاک نوشتوں (کلام خدا پر مبنی کتابوں) میں سونا چاندی اور قیمتی پتھروں کے ساتھ لکڑی، گھاس اور بھوسہ بھی ہو تو بھی خیریت ہے۔(89)

34۔ ملہم میں انسانی عنصر، انسانی جذبات، بے صبری، مایوسی، خوف، کمزوری، تھکان، بھوک، دکھ ہوتے ہیں۔ وہ رفتہ رفتہ نشو ونما حاصل کرتا ہے۔ اس کا بچپن سے ہمہ دان ہونا ضروری نہیں۔(131-132)

35۔ موسوی شریعت ناکامل شریعت تھی۔(174)

یہ ساری باتیں لکھنے کے بعد ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ ''بائبل کے سند و اختیار میں کچھ کمی واقع نہیں ہوئی (ص214) انکی اس بات پر ایک حسب حال حکایت یاد آئی جو سید غوث علی شاہ قلندر پانی پتی کے ملفوظات پر مشتمل تذکرہ غوثیہ (مولفہ سید گل حسن صاحب) کے صفحہ 331-332 پر لکھی ہوئی ہے۔ اس میں ایک درویش کا دعویٰ درج ہے کہ اس نے شراب پی کر ایک عورت سے زنا کیا پھر کتے کے گوشت کا بنا پلاؤ کھایا اور کہا کہ اس سے ہماری فقیری میں کچھ فرق نہیں پڑا۔

ڈاکٹر مرقس ڈاڈز نے ایک کتاب بنام The Bible- Its Origin and Nature لکھی۔ وہ سکاٹ لینڈ کا نامور پروفیسر تھا۔ اس نے امریکہ میں طلباء کو لیکچر دیئے جن کا مجموعہ مذکورہ نام سے شائع ہوا۔ ان کا اردو ترجمہ مسیحی رسالہ تجلّی میں 1911ء میں ہندوستان میں شائع ہوا اور اسی کو تحقیق بائبل کے نام سے پنجاب ریلجس بک سوسائٹی نے انارکلی لاہور سے 1911ء میں شائع کیا۔ سچے دین، سچے نبی اور سچی کتاب کے معیار کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کے خیالات کے چیدہ چیدہ نکات یہ ہیں۔

سچا نبی

1۔ نبی کے دل اور روح پر ایسا اثر ہوتا تھا کہ وہ خدا کے مطلب کو جان لیتا تھا۔(65)

(یعنی دل پر وحی کا القا ہوتا تھا)۔ وہ لوگ جو خدا کے ہمدرد اور ہم خیال ہیں وہ اس کی مرضی کو سمجھ لیتے ہیں۔ وہ اس کی عدالتوں اور مطلبوں کو پہچان لیتے ہیں اور اس کے مکاشفے (وحی) کے آلے بن جاتے ہیں (67)

یہ کس طرح معلوم ہوسکتا ہے کہ فلاں بات خدا کی طرف سے ہے اور فلاں اس کی طرف سے نہیں......ان سوالات کا جواب بجز اس کے اور کچھ نہیں دیا جاسکتا کہ ہر نبی یا رسول کے نزدیک ان مکاشفات (وحی) کی اصلیت کی کسوٹی اور کوئی شے نہیں ہے سوائے اس کے کہ وہ پورا یقین رکھتا ہے کہ مجھے خدا کی رفاقت حاصل ہے......جس شخص نے حق تعالیٰ کی روح (وحی) کو محسوس کیا ہے وہ اس کی نسبت نہ مغالطہ کھاسکتا ہے نہ اس پر شک لاسکتا ہے اور نہ اس کا انکار کرسکتا ہے۔ وہ تمام دنیا کی طرف مخاطب ہو کر یوں کہا کرتا ہے ''اے دنیا تو اگر انکار کرتی ہے تو کر۔ تُو ایک طرف کھڑی ہو، اور میں اکیلا دوسری طرف کھڑا ہوں......اگر کلیسا یا دینی اداروں کی جماعت یہ محسوس کرے کہ اس کا پیغام واقعی خدا کی طرف سے اور راستی پر مبنی ہے تو اسے قبول کرے۔ ورنہ اس سے پہلو تہی کرے۔(67-68)

2۔ وحی ان پر ہوتی ہے جو اسکو سمجھنے کی لیاقت رکھتے ہیں اور اسے ہمیشہ قائم کرنے کے لیے لکھا جانا ضروری ہے(69)

3۔ جو دعویٰ نبوت کرے اور قوم اس کو مان لے تو وہ سچا ہے(132) وہ بے نظیر واقعات (معجزات) کی تصدیق کرے تو معجزات بھی تسلیم کیے جائیں گے۔(132)

4۔ جس کا خدا سے کامل غیر منقطع تعلق ہوگا وہ معجزے بھی دکھا سکتا ہے(141) معجزات دلیل ہیں(144) معجزات خدا کے اعلیٰ تر قانون کے تحت ہوتے ہیں جس سے ہم ناواقف ہیں اور یہ کہ معجزہ الٰہی ارادہ کا ایک بلاواسطہ فعل اور عمل ہے۔(138)

سوائے اجتماع ضدین کے کوئی شے ناممکن نہیں(147)

جو تجربہ (معجزہ) ماضی میں ہو چکا ہے اس کے آئندہ ہونے کی امید بھی کی جاتی ہے(148)

سب قوموں میں معجزات کا ذکر پایا جاتا ہے(150)

معجزات ثابت کرنے کا طریقہ پاک کردار لوگوں کی تصدیق کرنا ہے(148-149)

جس سے معجزات ظاہر ہوئے اس کی سیرت دیکھی جائے گی کہ اس کے مطابق ہیں یا نہیں، یہ سب سے بڑا ثبوت ہے۔(152)

نبی کی شخصیت معجزات کو قابل اعتبار ٹھہراتی ہے۔(155)

مسیح علیہ السلام خدا کے رسول تھے(142)

ان کے معجزات خدا کے حکم اور طاقت سے تھے۔(139-143)

مگر جن میں ایمان کی کمی تھی وہاں مسیح علیہ السلام قدرت کے کام (معجزات) نہیں کرسکے(140)

5۔ ان واقعات کی تحقیق ضروری ہے جن کی وجہ سے کسی شخصیت کی تعظیم ہونے لگی۔ قابل اعتبار واقعات سے ملتے جلتے واقعات بھی درست تصور ہوں گے۔(131)

6۔ جس کے کلام میں اپنی کمزوریوں، غلطیوں، اور ان پر زجر و توبیخ ہوئی اس کا صاف صاف اقرار کرے اور بیان کرے تو یہ اس بات کی صحت کا سب سے بڑا ثبوت ہے(128) اور صاحب کلام کے سچا ہونے کا ثبوت ہے۔

7۔ وحی جاری ہے۔(ص:8)

وحی کا انکار گویا مذہب کے امکان کا انکار کرنا ہے یا مذہب کو دھوکہ سمجھنا ہے۔(ص:49)

سچا دین

1۔ خدا کی صفات اس کے انتظام پروردگاری (ربوبیت) سے ظاہر ہوتی ہیں۔(60)

آدمی اپنی اخلاقی ذات اور نیکی پسند کرنے والی صفات سے جان لیتا ہے کہ خدا، میرا خالق، ان سب خوبیوں کا سرچشمہ ہے۔(61)

جو کچھ خدا مجھ سے طلب کرتا ہے اسی سے جان لیتا ہوں کہ وہ خود کیا ہے اور کیسا ہے۔(61)

نیکی میں ترقی سے تصور خدا صاف ہوتا جاتا ہے۔(61)

2۔ ہر مذہب کی تہہ میں خدا کا کچھ نہ کچھ ظہور یا علم موجود ہوتا ہے...... پس خدا کے وہ تمام تصورات جو مختلف اقوام میں پائے جاتے ہیں گویا اس بات کی گواہی ہیں کہ خدا کسی نہ کسی صورت میں اپنے تئیں ان اقوام پر ظاہر کرتا رہا ہے۔(46)

سچی کتاب

1۔ غیر تسلیم شدہ، مشکوک، غیر الہامی، نامعلوم مصنفین کی کتابیں بھی پاک نوشتوں کے مجموعہ میں شامل ہو سکتی ہیں۔(21-22-25-30-31-35-38)

2۔ کسی کتاب کے مرتبین کو ملہم کو ثابت کرنا مشکل اور لغوبات ہو تب بھی وہ کلام خدا ہے۔(39)

3۔ علماء کا گروہ کسی کتاب کے بارے میں کلام خدا ہونے کا فیصلہ دے دے تو وہ کلامِ خدا ہوگا۔(22)

4۔ بے لکھی حدیثیں تواتر کی وجہ سے قبول ہیں۔(22-23)

5۔ کسی کتاب کا عوام میں رواج ہو اور علماء بعد میں اس کو کلامِ خدا کہہ دیں تو درست ہے۔(23)

6۔ قبول عام بھی کسی کتاب کو کلامِ خدا کلام خدا کا درجہ دینے کا اصول ہے۔(جیروم:23-24)

7۔ صرف رسولوں (شاگردانِ مسیح یا صحابہ مسیح) کی لکھی ہوئی کتابیں مستند ہیں۔(24)

8۔ ضمیر جس کے کلام خدا ہونے کی گواہی دے وہ کلام خدا ہے۔(29)

9۔ صرف ایک عالم بھی کلام خدا ہونے کے طور پر مشہور کتابوں کو چیک کر کے ردّ یا قبول کر سکتا ہے جیسے لوتھر نے کیا۔(33)

10۔ اگر کوئی کتاب اپنے موضوع پر لکھی گئی باقی کتابوں سے بالکل مختلف ہو، جیسے انجیل، یوحنا، تو وہ بھی کلامِ خدا ہے۔اگرچہ اس کے کلامِ خدا نہ ہونے کے اعتراض کا جواب لوتھر کے پاس بھی نہ تھا۔(35)

11۔ جس میں غیر اخلاقی تعلیم پائی جائے وہ بھی کلام مقدس ہے۔(71-72)

12۔ خدا کے علم میں جو نقص پائے جاتے ہیں، بائبل، جو کہ ایک سچی اور معتبر تاریخ ہے، بلا کم و کاست پیش کرتی ہے۔(73)

مگر اس کے باوجود کلامِ مقدس ہے۔

13۔ کتاب الٰہی کا موضوع سائنس، مابعد الطبیعت کے راز، قوموں کا علم، یا آئندہ جہان کا علم نہیں ہوتا۔(47-104)

14۔ کتاب مقدس اور الہام دونوں ایک ہی بات نہیں ہیں۔(47)

کتاب الٰہی، علم الٰہی کی ٹیکسٹ بک نہیں ہوتی اور نہ وہ اس غرض کو اچھی طرح پورا کر سکتی ہے۔(47)

15۔ کلام خدا کا مقصد وہ باتیں سکھانا ہے جو انسان کو خدا کی نسبت اور ان فرائض کی نسبت ماننی چاہیں جو خدا اس سے طلب کرتا ہے۔(47)

سچی کتاب وہ ہے جو اس مقصد سے مطابقت رکھے۔(39)

16۔ وحی لوگوں کی حالت کے مطابق بتدریج ہونا لازمی ہے۔(69-70)

17۔ جس الہام کی ضرورت ہوتی ہے اس کی حفاظت خدا کرتا ہے اور جس کی ضرورت نہیں ہوتی اس کی حفاظت نہیں ہوتی۔(93)

18۔ اگر صاحبِ وحی نہ کہے تو اس کا کلام لکھا جانا ضروری نہیں(9) لمبی مدت گزرنے کے بعد لکھا جائے تب بھی کلامِ خدا ہے۔(120)

19۔ کسی مرکزی، خیال کی یکسانیت کی وجہ سے مختلف کتابیں ایک کتاب کہلا سکتی ہیں۔(17-19)

20۔ لفظ بہ لفظ ماننا اگر ممکن نہ ہو تب بھی کلام خدا ہے۔(115-133)

21۔ اختلافات کی موجودگی کے باوجود کلام خدا ہے۔(104)

ناقابل حل اختلافات کے باوجود کلام خدا ہے۔(98-104-105)

تفصیلی اختلافات ہونے سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔(127)

اور نہ ان سے کلام کے لاغلط (بے نقص) ہونے میں کوئی حرج واقع ہوتا ہے۔(104-105)

22۔ مقدس نوشتوں کے مصنف کا غلطی سے پاک (لاغلط) ہونا ضروری نہیں۔(100)

الہام اور شے ہے اور لاغلط ہونا اور شے ہے۔(101)

مراد یہ ہے کہ الہام میں غلطی ممکن ہے۔

23۔ صرف ونحو کی غلطی کا کوئی مضائقہ نہیں۔(105)

24۔ اگر علماء کی جماعت مختلف کتابوں کو مشکوک کتابوں سمیت بلا تحقیق قبول کرلے تب بھی خیر ہے، جیسے کلیسیائے روم نے بلا تحقیق بائبل کو اپاکرفہ سمیت قبول کرلیا۔(25)

تذکرہ غوثیہ والی حکایت کو ایک دفعہ پھر پڑھ لیں!

ڈاکٹر کرسچین ٹرال

یہ جرمن نژاد کیتھولک پادری ہیں، انہوں نے سر سید احمد خاں کے رسالہ تفسیر بائبل پر اپنی ڈاکٹریٹ کی۔ یہ ویٹی کن کمیشن برائے مسلم تعلقات، پوپ کی نسل برائے بین المذاہب مکالمہ اور سوسائٹی آف جیسز کے رکن ہیں۔ گذشتہ 25 سال سے بین الاقوامی سطح پر عیسائیت کی تبلیغ کررہے ہیں۔ انکی کتاب ''مسلم سوالات، مسیحی جوابات''، کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہے۔ اردو زبان کے پہلے ایڈیشن 2012ء میں وہ سچے نبی کی نشانی یہ بتاتے ہیں۔

1۔ نئے عہد نامہ اور پرانے عہد نامہ میں پیش گوئی کے عطیہ خداوندی کو اہم ترین عنصر کا درجہ حاصل ہے۔ شمٹ اور گیر ہارڈ نے بھی لکھا ہے کہ نبی آنے والے واقعات وحالات سے ہی اپنے عمل کا آغاز کرتے ہیں۔ وہ مستقبل کی بات کرتے ہیں۔(ص:108، اردو)

پادری فورمین

پادری فورمین نے اپنی کتاب تیغ وسپر عیسوی ص 4 پر سچے نبی کی یہ نشانیاں بیان کی ہیں۔ اسکی یہ

کتاب 1874ء میں شائع ہوئی تھی۔

1۔ معجزات

2۔ سچی پیش گوئی

3۔ نیک چلنی

4۔ عمدہ تعلیم

یہ وہی شخص ہے جو مسلمان بن کر پہلے لاہور میں ایک مسجد کا موذن بنا، پھر امام بنا اور اپنے اخلاق سے لوگوں کو متاثر کیا۔ بعد میں ایک دن اچانک اپنے عیسائی ہونے کا اعلان کر دیا۔ انگریزی حکومت نے اس کی خدمات سے خوش ہو کر اس کو نائٹ ہڈ کا خطاب دیا اور اس کے نام پر F.C کالج لاہور بنایا گیا۔

❀❀❀

مسیحی عقائد

عیسائیت کی تعریف

عیسائیت وہ مذہب ہے جس کی بنیاد پہلی صدی میں مسیح ناصری نے رکھی اور جس کا محور ان کی زندگی، مقصد حیات اور پیغام ہے۔

(The Amreican People's Encyclopedia,vol-5, P-435, Chicago, 1960)

اس کی تشریح میں مذکورہ انسائیکلوپیڈیا کے مقالہ نگار لکھتے ہیں ''اپنی مختلف شکلوں کے باوجود عیسائیت کی پہچان اس کے متعدد عقیدے ہیں جنہیں عیسائیوں کے ہاں عالم گیر قبول عام حاصل ہے یعنی خدا کو خالق ماننا، انجیل کو خدا کا کلام ماننا، یسوع علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور نوع انسانی کی طرف خدا کا آخری مجسم پیغام ماننا، یسوع کو خدا کے علاوہ مکمل انسان ماننا، ان کی قربانی پر مبنی موت اور معجزانہ طور پر جی اٹھنے پر یقین رکھنا اور یہ تسلیم کرنا کہ وہ اپنی قربانی اور رفع آسمانی کی بدولت ان تمام لوگوں کو معافی، نجات اور ابدی زندگی دلوانے پر قادر ہیں جو ان کے وسیلہ سے خدا کی طرف آئیں۔ (ایضاً)

عقائد کا خلاصہ

1۔ نظریہ تثلیث (Trinity) یعنی خدا کو خالق ماننے کے ساتھ ساتھ یسوع اور روح القدس کو خدا ماننا۔

2۔ نظریہ تجسم (Incarnation) یعنی یہ عقیدہ کہ خدا نے یسوع کا روپ دھار کر انسانی اور ارضی زندگی بسر کی۔

3۔ نظریہ ابنیت (Sonship) یعنی یسوع کو خدا اور خدا کا مظہر ماننے کے علاوہ خدا کا بیٹا ماننا۔

4۔ نظریہ کفارہ (Atonement) یعنی یہ عقیدہ کہ یسوع کے صلیب پر مرنے اور پھر جی اٹھنے سے انسان کی نجات کی صورت پیدا ہوئی اور انسان کا ازلی گناہ معاف ہوا۔

5۔ نظریہ آمد ثانی (Second Coming) یعنی یسوع کی دوبارہ آمد پر یقین۔

6۔ نظریہ کتاب، یعنی مروجہ اناجیل کو خدا کا کلام ماننا۔

نظریہ تجسیم کیوں اپنایا

الوہیت کے لیے ضروری ہے کہ انسان رشد و ہدایت کے لیے وہ تجرید و تنزیہہ کی بلندیوں سے نیچے اترے اور انسانی قالب اور بشری سانچے کی حد بندیوں کو قبول کرے کیونکہ اس کے بغیر محدود کا تعلق غیر محدود سے سمجھ میں آنے والا نہیں۔

تفصیلی عقائد

تین تفصیلی عقیدے ہیں (1) رسولی عقیدہ (2) نیقاوی عقیدہ (3) اثناسی عقیدہ

ان تین عقائد کے بارے میں ہارنیک اپنی کتاب تاریخ عقیدہ میں لکھتا ہے "رسولی عقیدہ کو رسولوں نے جنم نہیں دیا۔ نیقاوی عقیدہ نہ نیقیہ میں وجود میں آیا اور نہ قسطنطنیہ میں اور اثناسی عقیدہ اثناسیس کی تخلیق نہیں ہے۔

(Adolf Harnack: History of Dogana vol-4, P-136)

مسیحی کلمہ

عیسائی عالم مختار عمیم شیلوہ اپنی کتاب تفہیم الکتاب حصہ اوّل میں لکھتے ہیں کہ مختصر طور پر مسیحی کلمہ یہ ہے "یسوع مسیح خدا کا بیٹا ہے۔" اور تفصیلی اعتبار سے رسولوں کا عقیدہ ہمارا شخصی اور عالم گیر اقرار الایمان ہے۔ (ص:13)

ان تینوں عقیدوں کا متن اور اس پر قاموس الکتاب کے مولف کا تبصرہ مندرجہ ذیل ہے۔

1۔ رسولوں کا عقیدہ

قاموس الکتاب کے مولف لکھتے ہیں "چونکہ اس میں رسولوں کی تعلیم کا نچوڑ یا خلاصہ پایا جاتا ہے اس لیے اس کو رسولی عقیدہ کہتے ہیں۔ اس کے چند جملے تو نئے عہد نامہ سے براہ راست اخذ کیے گئے ہیں مثلاً

(1۔ کرنتھیوں 3:12، متی 16:16)

موجود مکمل شکل میں یہ 710ء سے پہلے نہیں ملتا نہ ہی یہ 390ء سے پہلے اس نام سے کہلاتا تھا۔ 400ء کے بعد یہ روایت چلی (یا خود بنا لی گئی۔ از مصنف) کہ روح القدس کی ہدایت سے بارہ

رسولوں نے اس کا ایک ایک فقرہ باری باری کہا۔صرف مغربی کلیسیاؤں میں ہی اس کو ایمان کا معیار قرار دیا گیا اور وہیں سے یہ پاکستانی کلیسیا میں مروج ہوا......ذیل میں اس عقیدے کا متن ملاحظہ ہو۔یہ چرچ آف پاکستان کی دعائے عام کی کتاب سے لیا گیا ہے۔چند صدیوں میں اس عقیدہ میں کچھ اضافے کیے گئے اور اس نے آہستہ آہستہ موجودہ صورت اختیار کر لی۔

''میں ایمان رکھتا ہوں خدا قادر مطلق باپ پر جو آسمان اور زمین کا خالق ہے۔اور یسوع مسیح پر جو اس کا اکلوتا بیٹا اور ہمارا خداوند ہے۔وہ روح القدس کی قدرت سے پیٹ میں پڑا، کنواری مریم سے پیدا ہوا، پنطس پیلاطس کے عہد میں دکھ اٹھایا، مصلوب ہوا اور مر گیا اور دفن ہوا، عالم ارواح میں اتر گیا، تیسرے روز مردوں میں سے جی اٹھا، آسمان پر چڑھ گیا اور خدا قادر مطلق کے داہنے ہاتھ بیٹھا ہے۔وہاں سے وہ زندوں اور مردوں کی عدالت کے لیے آنے والا ہے۔میں ایمان رکھتا ہوں روح القدس پر، پاک کیتھولک کلیسا پر، مقدسوں کی شراکت، گناہوں کی معافی، بدن کی قیامت اور ابدی زندگی پر، آمین۔

(قاموس الکتاب، ص:653-654)

تبصرہ از مصنف

عیسائیوں کا یہ عقیدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے 710ء سال بعد اپنایا گیا اور اس کا نام رکھا گیا۔ چار سو سال بعد ایک روایت بنائی گئی کہ رسولوں نے اس کا ایک ایک فقرہ کہا تھا۔ولی لوگوں کو بھی خدا کے شریک مانا گیا ہے (مقدسوں کی شراکت پر) اور یہ کہ یسوع روح القدس کی قدرت سے پیدا ہوئے لہٰذا دونوں برابر کے مرتبہ کے نہیں ہو سکتے۔عیسائی عقیدہ خدا کی طرف سے نہیں بلکہ اس میں صدیوں اضافے ہوتے رہے جن کے بعد اس نے آہستہ آہستہ موجودہ صورت اختیار کر لی۔

2۔نقایہ کا عقیدہ

یہ عقیدہ 325ء میں بنایا گیا جبکہ نقایا میں مشرقی اور مغربی کلیسیا کے 318 بشپ اکٹھے ہوتے تھے۔پھر قسطنطنیہ کی مجلس 381ء اور خلقیدون کی مجلس 451ء میں اس میں اضافے کیے گئے۔مغربی کلیسا کی مجلس عامہ نے 589ء میں تالیدو میں روح القدس کے بارے میں یہ اقرار کیا کہ وہ باپ کے علاوہ بیٹے سے بھی صادر ہوتا ہے۔اس اضافہ کو مشرقی کلیسا نے قبول نہیں کیا۔اس کا متن مندرجہ ذیل ہے جیسے چرچ آف پاکستان کی دعائے عام کی کتاب سے لیا گیا ہے۔یہ عقیدہ بپتسمہ، پاک شراکت (عشائے ربانی) اور کلیسا کی

ضیافتوں کے موقع پر عام طور پر پڑھا جاتا ہے۔

متن

میں ایمان رکھتا ہوں ایک خدا قادر مطلق پر جو آسمان و زمین اور سب دیکھی اوران دیکھی چیزوں کا خالق ہے اور ایک خداوند یسوع مسیح پر جو خدا کا اکلوتا بیٹا ہے، کل عالموں سے پیشتر اپنے باپ سے مولود، خدا سے خدا، نور سے نور، حقیقی خدا سے، حقیقی خدا، مصنوع نہیں بلکہ مولود، اسکا اور باپ کا ایک ہی جوہر ہے۔ اس کے وسیلے سے کل چیزیں بنیں۔ وہ ہم آدمیوں کے لیے اور ہماری نجات کے واسطے آسمان پر سے اتر آیا اور روح القدس کی قدرت سے کنواری مریم سے مجسم ہوا اور انسان بنا۔ اور پنطس پیلاطس کے عہد میں ہمارے لیے مصلوب بھی ہوا۔ اس نے دکھ اٹھایا اور دفن ہوا اور تیسرے دن پاک نوشتوں کے بموجب جی اٹھا۔ اور آسمان پر چڑھ گیا اور باپ کے داہنے بیٹھا ہے۔ وہ جلال کے ساتھ زندوں اور مردوں کی عدالت کے لیے پھر آئے گا۔ اس کی سلطنت پھر ختم نہ ہوگی۔ اور میں ایمان رکھتا ہوں روح القدس پر جو خداوند ہے اور زندگی بخشنے والا ہے۔ وہ باپ اور بیٹے سے صادر ہے۔ اس کی باپ اور بیٹے کے ساتھ پرستش ہوتی ہے۔ وہ نبیوں کی زبانی بولا۔ میں ایک پاک کیتھولک رسولی کلیسا پر ایمان رکھتا ہوں۔ میں ایک بپتسمہ کا جو گناہوں کی معافی کے لیے ہے اقرار کرتا ہوں اور مردوں کی قیامت اور آئندہ جہان کی حیات کا انتظار کرتا ہوں۔ (قاموس الکتاب، ص:654)

3۔ اثناسیس کا عقیدہ یا اثناسی عقیدہ

یہ عقیدہ جنوبی فرانس میں وجود میں آیا۔ اس کے مصنف کا کوئی علم نہیں۔ اس کی مکمل صورت 875ء سے پہلے نہیں ملتی۔ یونانی اور روسی کلیسائیں اسے عبادت میں استعمال کرتی ہیں مگر اس کو ایمان کے معیار کا درجہ نہیں دیتیں اور باقی کلیسائیں اس کو محض عقیدہ کی حیثیت سے مانتی ہیں۔ اس کا مصنف اثناسیس نہیں ہوسکتا کیونکہ اس کا اصل متن لاطینی میں ہے اور یہ اثناسیس کی یونانی کتب میں نہیں پایا جاتا۔ اس کے علاوہ چوتھی صدی کے کسی بھی مصنف نے اس عقیدہ کا ذکر نہیں کیا۔ اپنی طوالت کے باعث یہ عقیدہ عبادتوں میں بہت کم استعمال ہوتا ہے۔ عقیدہ کا متن چرچ آف پاکستان کی دعائے عام کی کتاب سے لیا گیا ہے۔ اس عقیدے میں کیتھولک سے مراد رومن کیتھولک نہیں بلکہ تمام عالم گیر کلیسا ہے۔ (قاموس الکتاب، ص:652)

متن

(1) جو کوئی نجات چاہے اسے سب باتوں سے زیادہ ضروری ہے کہ کیتھولک ایمان پر قائم رہے۔
(2) اس ایمان کو اگر کوئی بے کم و کاست اور خالص نہ رکھے تو وہ بے شک ابدی ہلاکت میں پڑے گا۔
(3) اور کیتھولک ایمان یہ ہے کہ ہم واحد خدا کی پرستش تثلیث میں اور ثالوث کی پرستش توحید میں کریں۔
(4) نہ اقانیم کو مخلوط کریں نہ جوہر کو تقسیم۔
(5) کیونکہ اقنومیت باپ کی اور ہے اور بیٹے کی اور روح القدس کی اور۔
(6) لیکن باپ بیٹے اور روح القدس کی الوہیت ایک ہی ہے، جلال برابر، عظمت یکساں ازلی۔
(7) جیسا باپ ہے ویسا ہی بیٹا اور ویسا ہی روح القدس ہے۔
(8) باپ غیر مخلوق، بیٹا غیر مخلوق اور روح القدس غیر مخلوق۔
(9) باپ غیر محدود، بیٹا غیر محدود، روح القدس غیر محدود۔
(10) باپ ازلی، بیٹا ازلی، روح القدس ازلی۔
(11) تاہم تین ازلی نہیں بلکہ ایک ہی ازلی۔
(12) اسی طرح نہ تین غیر محدود ہیں نہ تین غیر مخلوق بلکہ ایک ہی غیر مخلوق اور ایک ہی غیر محدود۔
(13) اسی طرح باپ قادر مطلق، بیٹا قادر مطلق، روح القدس قادر مطلق ہے۔
(14) تو بھی تین قادر مطلق نہیں بلکہ ایک ہی قادر مطلق ہے۔
(15) ویسا ہی باپ خدا، بیٹا خدا، روح القدس خدا ہے۔
(16) تاہم تین خدا نہیں بلکہ ایک ہی خدا ہے۔
(17) اسی طرح باپ خداوند، بیٹا خداوند، روح القدس خداوند ہے۔
(18) پھر بھی تین خداوند نہیں بلکہ ایک ہی خداوند ہے۔
(19) کیونکہ جس طرح مسیحی اصول کے سبب ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ ہر اقنوم جداگانہ خدا اور خداوند ہے۔
(20) اسی طرح کیتھولک دین کے بموجب یہ کہنا منع ہے کہ تین خدا یا تین خداوند ہیں۔
(21) باپ نہ کسی سے مصنوع ہے نہ مخلوق نہ مولود۔
(22) بیٹا صرف باپ ہی سے ہے نہ مصنوع ہے نہ مخلوق بلکہ مولود۔

(23) روح القدس باپ اور بیٹے سے ہے نہ مصنوع نہ مخلوق نہ مولود بلکہ صادر ہے۔

(24) پس تین باپ نہیں بلکہ ایک ہی باپ ہے، تین بیٹے نہیں بلکہ ایک ہی بیٹا یا تین روح القدس نہیں بلکہ ایک ہی روح القدس ہے۔

(25) اور اس ثالوث میں کوئی ایک دوسرے سے پہلے یا پیچھے نہیں، نہ کوئی ایک دوسرے سے بڑا یا چھوٹا ہے۔

(26) بلکہ تینوں اقانیم یکساں ازلی اور باہم برابر ہیں۔

(27) الغرض ہر امر میں جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے، واحد کی پرستش تثلیث میں اور ثالوث کی پرستش توحید میں کرنی واجب ہے۔

(28) پس جو کوئی نجات چاہے، ثالوث کو یونہی مانے۔

(29) علاوہ اس کے ابدی نجات کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہمارے خداوند یسوع مسیح کے تجسم پر بھی صحیح ایمان رکھے۔

(30) کیونکہ یہ صحیح ایمان ہے کہ ہم اعتقاد رکھیں اور اقرار بھی کریں کہ ہمارا خداوند یسوع مسیح جو خدا کا بیٹا ہے۔ خدا بھی ہے اور انسان بھی۔

(31) وہ خدا ہے باپ کے جوہر سے سب عالموں سے پیشتر مولود اور انسان ہے جو اپنی ماں کے جوہر سے اس عالم میں پیدا ہوا۔

(32) وہ کامل خدا اور کامل انسان ہے۔ نفس ناطقہ اور انسانی جسم سے موجود۔

(33) الوہیت کی راہ سے باپ کے برابر، انسانیت کی راہ سے باپ سے کمتر۔

(34) وہ اگرچہ خدا اور انسان ہے تاہم دو نہیں بلکہ ایک ہی مسیح ہے۔

(35) ایک ہی ہے اس طور پر نہیں کہ الوہیت کو جسمانیت سے بدل ڈالا، بلکہ اس طور پر کہ انسانیت کو الوہیت میں لے لیا۔

(36) وہ مطلقاً ایک ہے، جوہروں کے اختلاط سے نہیں بلکہ اقنوم کی یکتائی سے۔

(37) کیونکہ جس طرح نفس ناطقہ اور جسم مل کر ایک انسان ہوتا ہے اسی طرح خدا اور انسان مل کر ایک مسیح ہے۔

(38) اس نے ہماری نجات کے واسطے دکھ اٹھایا، عالم ارواح میں اتر گیا، مردوں میں سے جی اٹھا۔

(39) آسمان پر چڑھ گیا اور خدا قادر مطلق کے داہنے بیٹھا ہے، وہاں سے وہ زندوں اور مردوں کی

عدالت کرنے کے لیے آنے والا ہے۔

(40) اس کی آمد پر سب آدمی اپنے اپنے بدن کے ساتھ جی اٹھیں گے، اور اپنے اپنے اعمال کا حساب دیں گے۔

(41) تب جنہوں نے نیکی کی ہے، وہ ابدی زندگی میں اور جنہوں نے بدی کی ہے وہ ابدی آگ میں داخل ہوں گے۔

(42) کیتھولک ایمان یہی ہے، اس پر اگر کوئی سچے دل سے اعتقاد نہ رکھے تو وہ نجات کو حاصل نہ کر سکے گا۔ جلال باپ اور بیٹے اور روح القدس کا ہو جیسا ابتدا میں تھا اس وقت ہے اور ابد تک رہے گا۔ آمین (قاموس الکتاب، ص: 652 تا 653)

قارئین! کیا اس عبارت سے بڑھ کر متناقض عبارت آپ کی نظر سے کبھی گزری ہے؟ کیا اس طرح کا اجتماع ضدین آپ نے کبھی دیکھا؟ اس عقیدہ میں 3 برابر ایک اور ایک برابر 3 دکھائے گئے ہیں۔ ریاضی بدیہیات میں سے ہے۔ کیا ریاضی کی اس طرح مٹی پلید ہوتے ہوئے کبھی دیکھی ہے؟ عقل کے پرخچے اڑا دینے کا اس سے کامل نمونہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔

جنوں کا نام خرد رکھ دیا، خرد کا نام جنوں
جو چاہے آپ کا حُسنِ کرشمہ ساز کرے

❀❀❀

عقیدہ ساز کونسلیں

قرآن مجید میں اہل کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا: ”پس ہلاکی ہے ان لوگوں کیلئے جو اپنے ہاتھوں سے شریعت تصنیف کرتے ہیں، پھر دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے۔“ (البقرہ 79:2)

پوری دنیا کے مذاہب میں عقائد بانی مذہب کی طرف سے دیئے گئے ہیں، چاہے وہ مذہب آسمانی ہو یا غیر آسمانی مگر یہ عیسائیت کا کمال ہے کہ اس کے عقائد وقتاً فوقتاً بادشاہوں کے زیر اثر پادریوں نے بنائے اور ان کو خدائی حکم کہہ کر لوگوں کو مجبور کیا کہ ان کو مانیں اور اس کیلئے جبر سے بھی کام لیا گیا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ عیسائیت مصنفہ پروفیسر ساجد میر صاحب (ص 102 تا 130)

خود بادشاہ کے مزاج کا دارومدار اس بات پر تھا کہ وہ اپنی بیوی کے زیر اثر ہے یا بہن کے۔

(ایضاً ص 115 بحوالہ چاڈوک)

کونسل سے مراد مجلس تشریعی ہے، جس میں شریعت میں ردوبدل کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ (اعمال کا باب 15)

ان کونسلوں کا مختصر حال لکھا جاتا ہے۔

نمبر شمار	جگہ	سبب انعقاد	حاضرین کی تعداد	قراردادیں	ملاحظات
1	نیقیہ 325ء	یسوع علیہ السلام کی شخصیت کے بارے میں اختلاف کا حل تلاش کرنا	318 بشپ	یسوع کو خدا مان لیا گیا	کونسل نے اقلیت کا فیصلہ مانا جو بادشاہ کی مرضی کے مطابق تھا
2	قسطنطنیہ کی پہلی کونسل 381ء	روح القدس کے مقام کا یقین کرنا	150 بشپ	روح القدس کو خدا مانا گیا	تثلیث کو عقیدہ بنالیا گیا

3	افسس کی پہلی کونسل 431ء	تثلیث میں وحدت کی تلاش	200 بشپ	کنواری مریم علیہا السلام کو خدا کی ماں مانا گیا۔ یسوع کی دو طبیعتیں مانی گئیں ایک لاہوتی یعنی خدا کی اور دوسری انسانی طبیعت	تمام ایجنڈا زیر بحث نہ آسکا
4	افسس کی دوسری کونسل 449ء	مسیح کی دونوں طبیعتوں کے عقیدہ پر غور، تناسخ روح کے عقیدہ کا رد جو کچھ بشپ رکھتے تھے	سکندریہ کے بطریق نے بلائی		اس کونسل کے فیصلوں کو رد کرنے کیلئے خلقیدونیہ کی کونسل بلائی گئی اور اس کونسل کو چوروں کی کونسل قرار دیا گیا
5	خلقیدونیہ کی کونسل 451ء	یسوع علیہ السلام کی ذات میں خدائی اور انسانی طبعتوں کی حقیقت کا تعین کرنا	250 بشپ	یسوع علیہ السلام کی ذات میں خدائی اور انسانی طبیعتوں کی حقیقت کا تعین کہ ان میں دونوں متحد ہوگئی ہیں۔	ملکہ کی زیر نگرانی ہوئی اور پادری صاحبان نے ایک دوسرے کے ساتھ گالم گلوچ اور ہاتھا پائی کی۔
6	قسطنطنیہ کی دوسری کونسل 553ء		140 بشپ	یسوع کی ایک طبیعت کا انکار کیا گیا۔	الوہیت مسیح کا عقیدہ تناسخ روح کے عقیدہ کی وجہ سے متاثر ہوا تھا جس کے تحفظ کیلئے یہ کونسل ہوئی۔

7	قسطنطنیہ کی تیسری کونسل 680ء	یسوع علیہ السلام کی دو طبیعتوں اور ایک مشیت کے عقیدہ کا ردّ	289 بشپ	یہ عقیدہ منظور کیا کہ ان کی دو طبیعتیں اور دو مشیتیں ہیں۔	
8	نیقیہ کی دوسری کونسل 787ء	مقدسین کی تصویروں کے بارے میں فیصلہ کرنا	377 بشپ	یسوع علیہ السلام، مریم علیہا السلام اور دوسرے مقدسین کی تصویروں کی تقدیس و تعظیم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔	
9	قسطنطنیہ کی چوتھی کونسل 869ء	روح القدس کے باپ اور بیٹے سے نکلنے کی تحقیق	تعداد نامعلوم	یہ فیصلہ ہوا کہ روح القدس باپ اور بیٹے دونوں سے نکلا ہے اور کلیسیائے روم ہر دینی معاملہ میں مستند ہے۔ پوری دنیا پوپ کے ماتحت ہوگی۔	
10	قسطنطنیہ کی پانچویں کونسل 879ء	قسطنطنیہ کی چوتھی کونسل کے فیصلوں کو ردّ کیا جانا	بطریق فوسیوس نے بلائی	اس کو مشرقی یونانی کونسل بھی کہا جاتا ہے اور یہ فیصلہ ہوا کہ روح القدس کا ظہور صرف باپ سے ہوا ہے۔	

اس کے بعد مشرقی اور مغربی کلیسا الگ ہو گئے جس کو نفاق عظیم کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد کچھ اور کونسلیں بھی ہوئیں مگر ان کی حیثیت عالمی کونسلوں کی نہیں ہے۔ وہ یہ ہیں 1- کونسل روما 1123ء۔ 2- کونسل روما 1139ء۔ 3- کونسل روما 1179ء۔ 4- کونسل روما 1215ء اس میں یہ طے پایا کہ کلیسیائے روم کے ہاتھ میں نجات ہے۔ 5- 1542ء تا 1563ء کے آخر تک طویل کونسل پروٹسٹنٹ فرقہ کی تردید کیلئے منعقد ہوئی۔ 6- کونسل روما 1869ء اس میں پوپ کے معصوم ہونے کا عقیدہ طے پایا۔

مسیحی عقائد بائبل سے ثابت نہیں ہیں

1۔ یسوع کا قبر سے جی اٹھنا، دوبارہ نظر آنا، آسمان پر اٹھایا جانا اور خدا کے دائیں ہاتھ بیٹھ جانا، یہ سب مرقس 9:16 تا 20 میں مذکور ہیں مگر یہ آیات الحاقی ہیں۔ ملاحظہ ہو RSV ص:52 کا حاشیہ K اور گڈ نیوز بائبل کا ص 72 حاشیہ z۔ یہ یاد رہے کہ متی اور یوحنا نے رفع آسمانی کا ذکر نہیں کیا۔

2۔ عشائے ربانی جسے شکرانہ اور پاک اتحاد بھی کہا جاتا ہے، کی اصل اور بنیاد جن آیات پر ہے وہ بھی الحاقی ہیں۔ وہ یہ ہیں "پھر اس نے روٹی لی اور شکر کر کے توڑی اور یہ کہہ کر ان کو دی کہ یہ میرا بدن ہے جو تمھارے واسطے دیا جاتا ہے۔ میری یادگاری کے لیے یہی کیا کرو۔ اور اس طرح کھانے کے بعد پیالہ یہ کہہ کر دیا کہ یہ پیالہ میرے اس خون میں نیا عہد ہے جو تمھارے لیے بہایا جاتا ہے۔ (لوقا 19:22 تا 20) ملاحظہ ہو RSV ص:82 کا حاشیہ J اور گڈ نیوز بائبل ص 111 کا حاشیہ Y عشائے ربانی کے بیان میں مے کا ذکر نہیں آتا بلکہ صرف انگور کا شیرہ اور پیالہ کا جیسا کہ متی 29:26 مرقس 25:14، لوقا 18:22 میں ہے۔ کیونکہ جیسے روٹی بے خمیر تھی اسی طرح انگور کا شیرہ بھی بے خمیر تھا (قاموس الکتاب، ص:984) لہٰذا عشائے ربانی میں شراب کا استعمال غلط ٹھہرا۔

3۔ لوقا باب 24 کی آیت 6 کے الفاظ "وہ یہاں نہیں بلکہ جی اٹھا ہے" کے الفاظ RSV میں نہیں (ص 85 ملاحظہ ہو) پوری آیت نمبر 12 RSV, میں نہیں (ص:85) پوری آیت نمبر 40 RSV میں نہیں (ص:86)۔ آیت نمبر 12 میں پطرس کے خالی کفن دیکھنے اور آیت 40 میں یسوع کے شاگردوں میں دوبارہ آ کر کھڑے ہونے کا ذکر ہے۔

آیت نمبر 51 میں آسمان پر اٹھائے جانے کا ذکر ہے، یہ آیت بھی RSV میں نہیں (ص:86) RSV میں لکھا ہے کہ قدیم نسخوں میں یہ فقرہ نہیں ہے اور ایسا ہی گڈ نیوز بائبل میں لکھا ہے

(دیکھو ص:117، گڈ نیوز انگلش بائبل)

4۔ بائبل کے مطابق یسوع کا رفع آسمانی اور مرنے کے بعد زندہ ہونا ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ بطور کلیہ بیان

ہوا ہے کہ ”جو قبر میں اترتا ہے وہ پھر کبھی اوپر نہیں آتا“ (ایوب 9:7) اور مرنے والوں کے متعلق لکھا ہے کہ ”جب تک آسمان نہ ٹل جائے وہ بیدار نہ ہوں گے اور نہ وہ اپنی نیند سے جگائے جائیں گے“ (ایوب 12:14) اور یہ کہ ”اگر آدمی مر جائے تو کیا وہ پھر جیئے گا؟ (ایوب 14:14)

5۔ آپ کو صلیب نہیں دی گئی کیونکہ آپ نے موت سے بچنے کی دعا کی تھی (مرقس 35:14) اور آپ کی سنی گئی (عبرانیوں 7:5)۔ صلیب جب شمعون کرینی نے اٹھالی (متی 32:27، مرقس 21:15، لوقا 26:23) تو پھر یسوع کے کندھے پر آنے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ یوحنا لکھتا ہے کہ آپ اپنی صلیب خود اٹھا کر کھوپڑی کی جگہ تک آئے (یوحنا 17:19) رومی سپاہی آپ کو پہچانتے نہ تھے سامنے کھڑے ہو کر بھی پہچان نہ سکے (یوحنا 18:3 تا 8) آپ صورت تبدیل کر لیتے تھے (لوقا 29:9۔ مرقس 2:9) یہود کو سبت اور عید فسح شروع ہونے میں تھوڑا وقت رہ جانے کی وجہ سے بہت جلدی تھی۔ ساتھ جانے والا مجمع عوام کی بھیڑ تھی۔ جیل کے پھاٹک پر پولیس نے ملزم کو جیل کے سنتریوں کے حوالہ کر دیا اور انہوں نے اس شخص کو جس نے صلیب اٹھائی ہوئی تھی۔ مجرم سمجھ کر قابو کر لیا۔ یسوع اس ساری صورت حال میں دشمنوں سے بچ گئے۔ لہٰذا گورپیا کوئی ہور! (مزید تفصیل قادیانیت، ص: 359 تا 364)

6۔ تثلیث کا لفظ اناجیل یا پوری بائبل میں کہیں نہیں آیا جبکہ اس کو بنیادی اور پہلا عقیدہ قرار دیا جاتا ہے۔ یہ لفظ 2 سو سال بعد پہلی بار طرطولین نے استعمال کیا (قاموس الکتاب ص 233) تثلیث کے متعلق بتایا جانے والا فقرہ بھی الحاقی ہے (یعنی یوحنا کا عام خط نمبر 1، 5:7-8) کیتھولک بائبل ص 303 پر اس کو زیر غور رکھا گیا ہے۔ تینوں کے نام سے بپتسمہ دینے والی آیت بھی الحاقی ہے یعنی متی 19:28 (ملاحظہ ہو)

1. A.S. Peak: Commontany on the Bible, London 1919,P 723.

2. Hastinigs Dictonany of the Bible, P-1015.

3. Encyclopeadia Britanica 14th Ed,vol,13, P-23.

(بحوالہ ساجد میر، ص: 168 کا حاشیہ نمبر 182) اگر یسوع خود خدا تھے تو ایلی ایلی کہتے وقت کیا خود کو پکار رہے تھے؟ (متی 46:27) یوحنا سے بپتسمہ لیتے وقت بیک وقت الگ الگ تین وجود ثابت ہوتے ہیں (متی 16:3، لوقا 21:3-22) تو پھر یہ تینوں ایک کیسے؟ ریاضی بدیہات میں شامل ہے لہٰذا 3=1 اور 1=3 باطل ہے۔ خود یسوع فرماتے ہیں کہ باپ مجھ سے بڑا ہے (یوحنا 28:14) قیامت والے دن

صرف ایک خدا ہوگا (زکریا 9:14) تو تثلیث سے آپ کو کیا فائدہ ملا؟ یسوع نے اپنی زندگی میں تینوں ناموں سے بپتسمہ کیوں نہیں دیا؟

7۔ چونکہ نیک اعمال لازم ہیں اور بغیر اعمال کے ایمان مردہ ہے تو کفارہ کا عقیدہ بے کار ٹھہرا۔ اور یہ کہ ایمان بغیر اعمال کے بیکار ہے۔ انسان صرف ایمان سے ہی نہیں بلکہ اعمال سے بھی راست باز ٹھہرتا ہے (یعقوب کا عام خط 14:2 تا 26) یسوع فدیہ نہیں ہو سکتے کیونکہ لکھا ہے کہ شریر صادق کا فدیہ ہوگا (امثال 18:21) آپ کو فدیہ کہنا آپ کی توہین ہے جیسے پولوس نے آپ کو (معاذ اللہ) لعنتی لکھا (گلتیوں 13:3) موروثی گناہ، اگر آپ کے بقول کوئی تھا، تو اس کے نقصانات اب تک کفارہ ماننے والوں میں بھی جاری ہیں مثلاً عورت کو دردزہ اب بھی ہوتا ہے، مرد کی محکوم ہے، مرد پسینے کی روٹی کھاتا ہے وغیرہ (پیدائش 14:3 تا 20) پھر کفارہ ماننے کا کیا فائدہ ہوا؟ یہ عقیدہ خدا تعالیٰ پر بھی الزام کی حیثیت رکھتا ہے کہ اس نے لمبی مدت تک شریعت اور نیک اعمال کا تجربہ کیا مگر ناکام ہو کر کفارہ دیا۔

8۔ مسیح ناصری کہلائے گا (متی 23:2) یہ پیش گوئی کس نبی کی ہے اور کس کتاب میں ہے؟ کیونکہ موجودہ عہد عتیق میں تو یہ موجود نہیں۔

9۔ موجودہ اناجیل سے یسوع کی بن باپ پیدائش کا ثبوت نہیں ملتا۔ کیونکہ کیتھولک ترجمہ کے مطابق حضرت مریم کا جناب یوسف سے بیاہ ہو چکا تھا (لوقا 27:1) جبکہ پروٹسٹنٹ ترجمہ کے مطابق رخصتی معلوم ہوتی۔ لکھا ہے "تاکہ اپنی منگیتر مریم کے ساتھ جو حاملہ تھی نام لکھوائے (لوقا 5:2) اگر مسلمان عیسائی لوگوں والی عادت رکھتے تو اس فقرہ پر بڑی حاشیہ آرائی کرتے مگر ہم صرف اور اصولی بات کریں گے۔ متی اور لوقا نے بن باپ پیدائش پر بہت زور دیا مگر مرقس اور یوحنا نے اشارہ تک نہ کیا۔ بن باپ پیدائش کے بارے میں سوائے یوسف کے کسی کو کچھ معلوم نہ ہوا لہٰذا کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اگر اس کو قوم کے لیے نشان ٹھہرانا مقصود تھا تو یہ مقصد بھی پورا نہ ہوا۔ خود یسوع نے پوری زندگی اس کا ذکر نہ کیا نہ اس کو بطور دلیل پیش کیا۔ قوم کو معلوم ہی نہیں تھا کہ آپ کنواری کے بیٹے ہیں۔ وہ تو آپ کے بہن بھائیوں کا حوالہ دے کر آپ کی دانائی پر حیران ہوتے (متی 13:55-56) لہٰذا آپ اکلوتے نہ ٹھہرے، اسی لیے تو لوقا نے آپ کو پہلوٹھا لکھا ہے (لوقا 7:2) جملہ معترضہ کے طور پر سن رکھئے کہ اکلوتے صرف رسول کریم ﷺ تھے جن کے کوئی بہن بھائی نہ تھے۔ یسوع کے تو کئی بہن بھائی تھے۔ چونکہ یسوع کی پیدائش بن باپ نہ تھی لہٰذا متی اور لوقا نے آپ کا شجرہ نسب یوسف سے چلایا (متی 16:1، لوقا 23:3) اسی

لیے تو خود مریم نے آپ کو کہا" دیکھ تیرا باپ اور میں کڑھتے ہوئے تجھے ڈھونڈتے تھے (لوقا 48:2) اور یوحنا نے یوسف کا بیٹا یسوع ناصری لکھا (یوحنا 45:1) جب مریم کے شوہر یوسف موجود تھے تو بن باپ پیدائش ثابت نہیں ہوسکتی، اسی لیے یسوع نے یہ بات کبھی نہ کہی اور اگر یسوع بن باپ پیدا ہوئے تھے تو داؤد علیہ السلام کے تخت کے وارث نہیں بن سکتے جس کے لیے شجرہ نسب لکھنے کا تکلف کیا (لوقا 1:31-32)

10۔ قبر میں تین دن رہنا بھی ثابت نہیں ہوتا، اردو ترجموں میں تین دن رات لکھا ہے جو کہ تحریف ہے۔ جبکہ RSV اور KJV میں تین دن اور تین رات لکھا ہے۔ (متی 40:12)

جمعہ کی شام سے اتوار کی صبح تک ایک دن اور دو رات بنتے ہیں۔ لہٰذا یہ پیش گوئی بھی پوری نہ ہوئی اور یہ عقیدہ بھی بے بنیاد نکلا۔

11۔ یسوع کو خدا کا بیٹا کہنا صریح تحریف ہے کیونکہ جس لفظ کا ترجمہ باپ کہا گیا ہے وہ عربی لفظ رب بمعنی مالک و پروردگار کے مترادف ہے اور اس کے معنوں میں خالق و باری بھی شامل ہیں۔

(J.P Boyd: Dictionany of the Bible P-37, Pallen and whynne: The New Catholic Dictionany New York, P-912.

(بحوالہ ساجد میر، ص: 160-159)

اسی طرح جن الفاظ کا ترجمہ خدا کا بیٹا کہا گیا ہے، ان یونانی الفاظ کا مطلب لڑکا اور خادم ہے اور عربی لفظ غلام یا فتیٰ کے ہم معنی ہیں۔ اسی لیے اردو ترجمہ میں لفظ خادم لکھا گیا ہے (اعمال 13:3) اور انگریزی RSV میں (His Servent) لکھا ہے۔ (اعمال 13:3)

(Thomas Green: A Greek-English lexicon, London P-134.

اسی لیے یسوع کی مکمل خدائی کا لوگ 325ء تک انکار کرتے رہے حتیٰ کہ نقایہ کی کونسل نے اس کو حکومت کے جبر کے ذریعہ سرکاری عقیدہ بنادیا۔ خود پال تک نے یسوع کو خدا کے ماتحت ہی رکھا تھا۔ اس نے لکھا" مرد کا سر مسیح اور عورت کا سر مرد اور مسیح کا سر خدا ہے۔" (1۔کرنتھیوں 3:11) اس نے خدا اور خداوند (God and Lord) میں بھی فرق رکھا تھا اور لکھا" ہمارے نزدیک تو ایک ہی خدا ہے یعنی باپ جس کی طرف سے سب چیزیں ہیں اور ہم اسی کے لیے ہیں اور ایک ہی خداوند ہے یعنی یسوع مسیح (1۔کرنتھیوں 6:8) اس کے علاوہ یوحنا 18:20 سے خدا کا رب ہونا ہی ثابت ہوتا نہ کہ باپ۔

12۔ شریعت کی منسوخی بھی بے بنیاد عقیدہ ہے۔ کیونکہ یسوع فرماتے ہیں" جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا (متی 18:5) پال کا مرتبہ یسوع سے بہرحال

کم ہے۔کم مرتبہ والا اعلیٰ اتھارٹی کا حکم منسوخ نہیں کرسکتا جیسا کہ اس نے لکھا ”شریعت کی لعنت سے چھڑایا۔(گلتیوں 13:3 اور 3:24-25)

13۔کرسمس بھی بے بنیاد ہے۔قاموس الکتاب میں لفظ بڑادن کے تحت لکھا ہے، مسیح کی صحیح تاریخ پیدائش کا کسی کو علم نہیں۔25 دسمبر کو دراصل جشن زحل ہوتا تھا۔(ص147-148) آگے لکھتے ہیں کہ مسیح کی پیدائش کی تاریخ یا سال کا صحیح علم کسی کو نہیں (ص:547) یسوع کی پیدائش کی جگہ فرضی ہے (ص:166)

14۔کرسمس ٹری غیر عیسائی رسم تھی جس کو اپنالیا گیا (قاموس الکتاب،ص:147)

15۔ویٹ کن میں رسولوں کے فرضی مزاروں کے نام پر گرجے تعمیر ہیں (قاموس الکتاب،ص:455)

16۔یسوع کو صلیب دیئے جانے کا مقام اختلافی ہے (قاموس الکتاب،ص:803)

17۔ کلیسیائی نظام بنانے کے متعلق نیا عہد نامہ تفصیلی قوانین پیش نہیں کرتا (قاموس الکتاب،ص:807) یعنی یہ سارا نظام اور عہدے خود ساختہ ہیں۔

18۔ دنیا میں دو بڑے مسیحی فرقے ہیں۔ایک کو عرفِ عام میں کیتھولک کہا جاتا ہے جس کو پروٹسٹنٹ رومن کیتھولک کہتے ہیں۔اور پروٹسٹنٹ خود کو کیتھولک کہتے ہیں جس کے معنی عالم گیر ہیں۔پادری صاحب لکھتے ہیں کہ یہ یونانی لفظ (کیتھولک) نئے عہد نامہ میں استعمال نہیں ہوا (قاموس الکتاب،ص:824) لہٰذا فرقوں کے نام بھی بے بنیاد ہیں۔

19۔مسیحی یا کرسچین نام کلام میں نہیں آیا نہ یسوع نے رکھا بلکہ ایک بدکار شہر انطاکیہ کے عیاش، اوہام پرست، جادوگری کے دلدادہ اور بت پرستوں نے تمسخرانہ انداز میں طنزاً ان کو یہ نام دیا (قاموس الکتاب، ص:95) شاگرد پہلے انطاکیہ ہی میں مسیحی کہلائے۔(اعمال 26:11)

20۔ خود بائبل بھی بے بنیاد ہے۔

21۔مسیح کو کلمۃ اللہ کہنا مسلمانوں کی کتابوں سے دلیل لے کر کہتے ہیں۔ورنہ اناجیل میں یسوع نے کبھی خود کو کلمۃ اللہ نہیں کہا اگر یوحنا کی پہلی تین آیات سے دلیل پکڑی گئی ہے تو کیا خدا خدا کے ساتھ ہے؟ کیونکہ کلمہ کو خدا کہتے ہیں اگر کلمہ خدا ہے اور کلمہ خدا کے ساتھ تھا تو پھر خدا خدا کے ساتھ تھا کتنی مہمل بات ہے۔

❁❁❁

عیسائیت قبول کرنے والے سابقہ مسلمانوں کے استدلال کا جواب

جو لوگ انگریزی دور میں سب سے پہلے مرتد ہوئے ان میں سے ایک نام پادری عماد الدین کا ہے۔ وہ پانی پت کا تیلی تھا۔ اس نے 19 اپریل 1866ء کو پادری کلارک سے بپتسمہ لیا۔ اس نے اسلام چھوڑنے اور عیسائیت قبول کرنے کا بہانہ بنایا کہ سورہ مریم 19 کی آیت نمبر 71-72 ہمیشہ میرے دل میں کانٹا سا بن کر چبھا کرتی تھی۔ جس کا ترجمہ اس نے یہ کیا۔ ہر بشر ضرور ایک دفعہ دوزخ میں جائے گا۔ خدا کے اوپر فرض ہے کہ سب کو ایک دفعہ تو دوزخ میں ضرور لے جائے۔ (واقعات عمادیہ، ص:16 مصنفہ پادری عماد الدین)

یہی آیت پادری سلطان محمد خان پال افغان نے اپنے رسالہ میں لکھی ہے کہ میں اس کی وجہ سے مرتد ہو گیا۔ (میں کیوں مسیحی ہو گیا ص:14)

اس آیت کے علاوہ اس شخص نے چند احادیث لکھیں اور چند اور بہانے بنائے، ان سب کا جواب حاضر ہے اور سب سے پہلے اس آیت سے اس استدلال کا جواب ملاحظہ فرمائیں کہ اسلام میں نجات نہیں ہے۔

اگر اس آیت سے سارے انسان مراد لیے جائیں تب بھی ورود کا معنیٰ دخول نہیں ہے، یعنی دوزخ میں داخل ہونا مراد نہیں، بلکہ اس کے اوپر (پل صراط) سے گزرنا مراد ہوگا۔ جس طرح سورہ یوسف 19:12 میں ہے کہ قافلے والوں کا ایک آدمی کنویں پر وارد ہوا یعنی وہاں پہنچا نہ کہ کنویں میں داخل ہو گیا۔

مگر یاد رہے کہ اس آیت کا تعلق صرف ان مجرموں سے ہے جن کا ذکر آیت نمبر 66 سے چلا آ رہا ہے۔ پہلے بات غائب کے صیغہ میں کہی گئی اور ان آیات میں یہ بات ان کو مخاطب کر کے ارشاد ہوئی۔ ان دونوں اسلوبوں کے الگ الگ فائدے ہیں۔ جس طرح غائب کا انداز عدم التفات (نظر انداز کرنے) پر دال ہوتا ہے۔ اسی طرح خطاب کا اسلوب شدت عتاب پر دال ہوتا ہے، صرف ان مجرموں سے کہا گیا کہ اب تم میں سے ہر ایک کو بلا استثنا جہنم میں اترنا ہے۔ ساتھ ہی حضور ﷺ کو اطمینان دلایا گیا ہے، یہ امر بالکل

قطعی اور فیصل شدہ ہے۔ اس کو تمہارے رب نے اپنے اوپر لازم ٹھہرالیا ہے۔ ایک دن اپنے دشمنوں کا انجام تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لوگے۔ (تدبر قرآن، جلد 4، ص: 678)

ان آیات کے مخاطب نیک لوگ نہیں ہیں، جن کو خدا نے ضمانت دے دی ہے کہ وہ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے اور اس کی آواز بھی نہیں سنیں گے۔ (انبیاء 21:101 تا 103)

سیدنا ابن عباسؓ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ یہ آیت کفار کے بارے میں ہے۔ (تفسیر قرطبی، اردو جلد 6، ص 132، مسئلہ 2)

اب ذرا انجیل کی خوش خبری بھی ملاحظہ کریں۔ جس میں لکھا ہے: ہر شخص آگ سے نمکین کیا جائے گا۔ (مرقس 9:49)

دوسرے کو احمق کہنے والا بھی دوزخ میں جائے گا۔ (متی 5:22)

حتیٰ کہ خود یسوع بھی دوزخ میں تشریف لے گئے۔ (1-پطرس 3:18 تا 20)

قرآن مجید تو یہ نہیں فرماتا کہ ہر شخص دوزخ میں جائے گا۔ البتہ انجیل ضرور یہ خوش خبری دیتی ہے۔

فرمایئے! بارش سے بچنے کیلئے آپ لوگ پرنالے کے نیچے کیوں جا کھڑے ہوئے؟

سلطان پال نے یہ بھی لکھا کہ اسلام میں نجات عملوں پر ہے اور عیسویت میں نجات مسیح کے کفارہ پر لہٰذا میں عیسائی ہو گیا۔ (ص: 13)

حالانکہ خود یسوع بھی یہی فرماتے ہیں کہ اگر تو زندگی میں داخل ہونا چاہتا ہے تو حکموں پر عمل کر۔ (متی 19:18)

پھر آپ علیہ السلام نے تورات کے احکام عشرہ ذکر فرمائے۔ یعقوب اپنے خط میں لکھتے ہیں کہ جس نے ساری شریعت پر عمل کیا اور ایک ہی بات میں خطا کی وہ سب باتوں میں قصوروار ٹھہرا۔ (2:10)

پھر انہوں نے تورات کے احکام نقل کئے اور پھر وہ پادری عمادالدین اور سلطان پال جیسوں کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں: اے نکمے آدمی کیا تو نے یہ نہیں جانا کہ ایمان بغیر اعمال کے بے کار ہے۔ (2:20)

پھر انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مثال دی کہ وہ بھی اعمال کے سبب راست باز ٹھہرے اور سلطان پال جیسے استادوں کو خبردار کرتے ہیں کہ استاد نہ بنو، کیونکہ ہم جو استاد ہیں زیادہ سزا پائیں گے۔ (3:1 تا 2)

جناب یعقوب کے بقول جس نے شریعت کا ایک حکم بھی توڑا، وہ شریعت کے تمام احکام توڑنے کا مجرم ٹھہرایا جائے گا۔ یعنی پوری زندگی مکمل نیک رہنا لازم ہو گیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ عیسائیت میں نجات

نہیں، بلکہ بہانہ ہاتھ آنے کی دیر ہے اور دوزخ لازم! اس کے مقابلہ میں قرآن مجید تسلی دیتا ہے: اے میرے بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہونا۔ خدا سب گناہوں کو بخش دیتا ہے اور وہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔ (زمر 53:39)

اس کے علاوہ بھی بہت سی آیات ہیں جن میں بخشش کی خوش خبری ہے۔

اسی طرح جن روایات میں دوزخ پر وارد ہونے کا ذکر ہے۔ ان میں بھی داخل ہونا مراد نہیں، بلکہ دوزخ کے اوپر سے پل صراط پر سے گزر جانا مراد ہے۔ دوزخ میں صرف مجرم داخل ہوں گے اور مجرموں کے دوزخ میں داخل ہونے میں اناجیل کو بھی اسلام سے اختلاف نہیں ہے۔ (ملاحظہ ہو مرقس 43:9 تا 49)

جناب یوحنا اپنے پہلے خط میں لکھتے ہیں کہ جو مسیح کو جان گیا ہے، مگر ان کے حکموں پر عمل نہیں کرتا، وہ جھوٹا ہے۔ (1-یوحنا 2:3-4)

آگے لکھتے ہیں: ''اور خدا کی محبت یہ ہے کہ ہم اس کے حکموں پر عمل کریں۔'' (1-یوحنا 3:5)

سلطان پال اور عمادالدین صاحب! آپ نے تیلی بھی کیا اور روکھا بھی کھایا۔

اگر کوئی پال کے خطوط کے حوالے سے کہے کہ آدمی بغیر شریعت کے اعمال کے، صرف ایمان سے راست باز ٹھہرتا ہے۔ (رومیوں 28:3) تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایک شخص جو یسوع کے بعد ہوا، جس کے ملہم ہونے کا کوئی ثبوت نہیں اور جس نے تمام انبیاء علیہم السلام کے برعکس شریعت کو بے کار اور باطل ٹھہرایا۔ اس کے کہنے پر عمل کر کے آپ بہت بڑا رسک لے رہے ہیں۔ کیونکہ وہ تو کسی بات پر ٹکتا ہی نہیں۔ اس فقرہ کے فوراً بعد وہ لکھتا ہے: ''پس کیا ہم شریعت کو ایمان سے باطل کرتے ہیں؟ ہرگز نہیں، بلکہ شریعت کو قائم رکھتے ہیں۔'' (رومیوں 31:3)

عیسائی حضرات کے لیے فیصلہ کن بات یسوع کا یہ فرمان ہے: نجات یہودیوں میں ہے۔ (یوحنا 22:4)

لہٰذا اگر نجات مطلوب ہے تو تمام عیسائیوں کو فوراً یہودی ہو جانا چاہیے۔ کیونکہ انہی کی نجات کا وعدہ یسوع نے کیا ہے۔

وما ادری ما یفعل بی ولا بکم (احقاف 9:46)

یہ آیت دنیا میں جاری اس وقت کفر و اسلام کی کشمکش کے بارے میں ہے اس میں فرمایا تھا کہ جنگوں کا نتیجہ کیا نکلے گا یہ میں نہیں جانتا اس آیت کا تعلق جہاد کے نتائج کے بارے میں تھا۔

(امام باقر و امام جعفر، تفسیر البرہان، ترجمہ مقبول، ص 602، حاشیہ 1، کشاف، جلد 4، ص 298، عن حسنؒ تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن، ص 640،

کہ یہ دنیا کے بارے میں ہے آخرت کے بارے میں نہیں، ابن کثیر عن حسن بصریؒ، جواہر القرآن، جلد 3، ص 1132، نمبر 9 کے تحت قرطبی کے حوالے سے لکھا ہے، تفسیر حقانی جلد 6، ص 344)

اگلے جہاں کے بارے میں ابن عباسؓ کا قول ضعیف ہے۔(جواہر القرآن، جلد 3، ص 1132، نمبر 9)

اس کی تشریح کے لیے سورہ یونس 46:10، سورہ رعد 40:13، مومن 77:40، پڑھو۔ حدیث میں حضرت عثمان بن مظعون کے بارے میں فرمایا: ما ادری مایفعل بہ یعنی اس کے ساتھ کیا ہوگا مجھے نہیں معلوم۔ (اشرف الحواشی، ص 600، حاشیہ 5، بحوالہ قرطبی و بخاری)

❁❁❁

بائبل میں غیر خدا پر
لفظ اللہ، خدا، الٰہ، رب، روح اور کلمہ کا اطلاق

خدا، اللہ، الٰہ

بعض شاگردانِ یسوع کے کلام میں لفظ خدا کا اطلاق جناب یسوع علیہ السلام کے حق میں آیا ہے اس سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے کیونکہ بائبل میں لفظ الٰہ، خدا، اللہ، رب وغیرہ کا اطلاق فرشتہ، مرشد، استاد، نیک آدمی، آقا بلکہ عوام پر بھی ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مترجم ایک جگہ لفظ خدا یا اس کا ہم مثل لفظ لکھتا ہے اور دوسرا مترجم اس جگہ فرشتہ یا اسکے مانند کوئی اور لفظ تحریر کرتا ہے۔ محبت پر بھی لفظ خدا کا اطلاق ہوا ہے۔ شیطان تک کو خدا لکھا گیا ہے۔ لہٰذا جہاں بھی آپ کے لیے یہ الفاظ آئیں تو ان سے مراد مرشد، مخدوم اور استاد ہوگا۔ چند حوالے پیش خدمت ہیں۔

1۔ سیدنا آدم وحوا علیہما السلام کے بارے میں لکھا ہے کہ ''تم اللہ کی مانند ہو جاؤ گے (پیدائش 5:3) یہ جیولنک ترجمہ بائبل میں ہے۔

2۔ فرشتوں کے لیے : بَنُو اللہ استعمال ہوا (عربی بائبل، پیدائش 2:6) اردو ترجمہ 'خدا کے بیٹوں' کا کیا گیا ہے۔ خروج 24:4 میں راستہ میں ہے ''منزل پر خداوند سے ملا۔'' فرشتہ کے لیے خدا، رب اور اللہ استعمال ہوا (قضاۃ 22،21:13) عربی واردو ترجمہ۔

3۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے لیے: وَ اَنتَ تَكُونُ لَهُ كَاَنَّكَ اللهُ یوحی الیه (خروج 16:4) اردو ترجمہ یہ ہے ''اور تو اس کے لیے گویا خدا ہوگا (کتاب مقدس) پھر فرعون کے لیے گویا خدا ٹھہرایا (خروج 1:7) عربی میں اِلٰہ لِفِرعون لکھا ہے۔

4۔ حاکموں، بزرگوں کے لیے: اللہ فی مجلسِہِ الا لٰھِیّ فی وسطِ الآ لِھَۃِ یقضی خدا کی جماعت میں خدا موجود ہے۔ وہ الٰہوں کے درمیان عدالت کرتا ہے (زبور 1:82) عربی واردو ترجمہ۔

5۔ عام انسانوں کے لیے: میں نے کہا تھا تم الٰہ ہو اور تم سب حق تعالیٰ کے فرزند ہو (زبور 6:82)

6۔ محبت کے لیے: خدا محبت ہے اور جو محبت میں قائم رہتا ہے وہ خدا میں قائم رہتا ہے (1۔یوحنا 16:4)

عربی میں اللہ محبۃ لکھا ہے۔

7۔ شیطان کے لیے: یعنی ان بے ایمانوں کے واسطے جنکی عقلوں کو اس جہان کے خدا نے اندھا کر دیا ہے (2۔کرنتھیوں 4:4)

عربی میں اِلٰہ ھذا لعالم لکھا اور حاشیہ میں لکھا ہے یہ واحد نص ہے جس میں شیطان کو اس جہان کا خدا کہا گیا۔ (عربی ترجمہ، بائبل، ص:274)

اس آیت میں 'مسیح جو خدا کی صورت ہے' الفاظ بھی آئے ہیں ان سے بھی غلط فہمی میں نہیں پڑنا چاہیے کیونکہ سیدنا آدم اور ان کی اولاد کے حق میں بھی ٹھیک یہی الفاظ بولے گئے ہیں یعنی ''خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔'' خدا کی صورت پر اس کو پیدا کیا۔'' (پیدائش 27:1، 1:5، 6:9)

شیطان کو اس جہان کا خدا کہا گیا۔ عربی میں علیٰ صورت ا اللہ لکھا ہے۔ (عربی ترجمہ بائبل، ص:274)

8۔ پیٹ کے لیے: ان کا خدا پیٹ ہے۔ (فلپیوں 19:3)

رب: روح، روح اللہ

رب = استاد کے معنوں میں استعمال ہوا۔ ''انہوں نے کہا اے ربی، یعنی اے استاد تو کہاں رہتا ہے۔'' (یوحنا 38:1)

بضلی ایل روح اللہ سے معمور تھا جو کہ لوہار تر کھان تھا (خروج 1:31 تا 3، 31:35) عربی میں ہے وملا تُهُ مِنْ رُوحی ا نا اللہ یعنی اپنی روح سے میں (اللہ) نے اسے پر کر دیا ہے۔

سیدنا یوسف علیہ السلام میں بھی خدا کی روح تھی (پیدائش 38:41) ہر نبی میں خدا کی روح ہوتی ہے۔ فرمان موسیٰ (گنتی 29:11) فرمایا ''کاش خداوند کے لوگ نبی ہوتے اور خداوند اپنی روح ان سب میں ڈالتا۔'' یہاں روح سے مراد وحی الٰہی ہے۔

خدا تعالیٰ نے فرمایا ''اور اس کے بعد میں ہر فرد پر اپنی روح نازل کروں گا اور تمھارے بیٹے بیٹیاں نبوت کریں گے، تمھارے بوڑھے خواب اور جوان رویا دیکھیں گے بلکہ ان ایام میں غلاموں اور لونڈیوں پر اپنی روح نازل کروں گا۔ (یوایل 28:2-29)

خدا کی روح بلعام بن باعور پر بھی نازل ہوئی (گنتی 2:24) غتنی ایل پر خدا کی روح اتری (قضاۃ 10:3) جدعون پر خداوند کی روح نازل ہوئی (قضاۃ 34:6) سیدنا داؤد علیہ السلام کو روح کی ہدایت حاصل تھی (متی 43:22) ٹھیک اسی طرح، ان ہی معنوں میں، دوسروں کی طرح سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان یوں درج ہے
"خداوند کا روح مجھ پر ہے۔ (لوقا 18:4)
پال کہتا ہے: میں سمجھتا ہوں کہ خدا کا روح مجھ میں بھی ہے۔ (1۔کرنتھیوں 40:7) اگر یسوع پر خداوند کا روح ہو تو وہ بیٹا بن جاتا ہے تو پال کو کیوں خدا کا بیٹا نہیں بنایا؟

لفظِ روح منہ کا اطلاق قرآن مجید میں (النساء 171:4)

سیدنا آدم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ جب میں ان میں اپنی روح پھونک دوں گا تو تم سجدے میں گر جانا (سورہ حجر 29:5، سورہ ص 72:38) دوسری جگہ فرمایا کہ ہر انسان میں اپنی طرف سے روح پھونکی (السجدہ 7:32 تا 9) ان تینوں جگہ نفسِ ناطقہ یعنی جان مراد ہے۔ سورۂ مریم 17:19 میں روحنا سے مراد سیدنا جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ سورۂ انبیاء 91:21 میں من روحنا سے اور نساء 171:4 میں روحٌ منہ سے مراد انسانی نفس ناطقہ یعنی جان ہے جیسے سیدنا آدم علیہ السلام اور تمام انسانوں کے بارے میں ایسے ہی الفاظ آئے۔ ان الفاظ میں روح کی اضافت خدا تعالیٰ کی طرف محض عزت اور تشریف و تکریم کا اظہار ہے جیسے بیت اللہ اور ناقہ اللہ میں ہے۔ یہی اضافتِ تشریفی بائبل کا بھی محاورہ ہے جیسے "خدا کا گھر" کے الفاظ بائبل میں بیسوں دفعہ آئے ہیں اور خداوند کا صندوق (سیموئیل نمبر 2، 3:6) خدا کا پہاڑ (پیدائش 14:22) وغیرہ۔ روح سے مراد انسانی جان ہونا بائبل میں واضح طور پر آیا ہے مثلاً "میں اپنی روح تم میں ڈالوں گا اور تم زندہ ہو جاؤ گے۔" (حزقی ایل 14:37) اگر خدا کی روح ڈالنے سے کوئی خدا بن جاتا ہے تو پھر ان سب کو بھی خدا ماننا پڑے گا جن کا ذکر اس آیت میں ہے۔ دوسری جگہ فرمایا: "وَسَخر لکم مافی السموات ومافی الارض جمیعاً منه" (جاثیہ 13:45) اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آسمان اور زمین خدا تعالیٰ میں سے ہیں یا وہ بھی خدا ہیں بلکہ صرف اتنا مراد ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے حکم سے ان کو تمھارے کام میں لگایا۔

لفظِ کلمہ اور کلمات کا اطلاق قرآن مجید میں

کلمہ کا لفظ جو خدا کی طرف مضاف ہو جیسے کلمته الله، کلمه ربك، کلمتنا پورے قرآن مجید میں جہاں بھی آیا تو کلام خدا، حکم خدا کے معنی میں ہے اور کہیں بھی اس سے ذاتِ خدا یا اقنوم مراد نہیں مثلاً

توبہ 40:9 میں کلمتہ اللہ ھی العلیا یعنی اللہ کی بات ہمیشہ بلند ہے۔انعام 115:6 میں ہے وتمت کلمة ربك صدقاً وّ عدلاً یعنی تیرے رب کی باتیں سچائی اور انصاف میں پوری ہیں۔اسی طرح کلمتہ اللہ ربک کے الفاظ اعراف 137:7 ، یونس 33:10، 96 ،مومن 6:40 میں اسی معنی میں آئے ہیں۔سورہ صافات 171:37 میں کلمتنا سے مراد ہمارا حکم ہے۔کلمات اللہ کے الفاظ انعام،6: 34 یونس 64:10،لقمان 27:31 میں آئے۔کلمات ربی کے الفاظ کہف 109:18 میں آئے۔کلمات ربھا کے الفاظ تحریم 12:66 میں آئے۔کلماتہ میں ضمیر خدا تعالیٰ کی طرف راجع ہے ۔ یہ لفظ سورہ انعام 115:6، اعراف 158:7 ،انفال 7:8 ، یونس 82:10 ، کہف 27:18 میں آیا۔ان سب جگہوں پر یہ الفاظ خدا کی باتیں اور خدا کے احکام کے معنی میں مستعمل ہیں۔حاصلِ کلام یہ ہے کہ کلمہ یا کلمات کا لفظ جو اللہ تعالیٰ کی طرف مضاف ہو پورے قرآن کریم میں کہیں بھی ذاتِ خدا یا اقنوم خدا کے معنی میں نہیں بلکہ حق یہ ہے کہ تمام لغتِ عرب میں کہیں اس معنی میں استعمال نہیں ہوا۔لہٰذا ان الفاظ سے یہ معنی لینا بالکل غلط ہے۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کلمتہ اللہ (ال عمران 45:3،النساء 171:4)

آپ علیہ السلام پر کلمتہ اللہ کا اطلاق اس لیے کیا گیا کہ آپ علیہ السلام عام عادتِ الٰہی کے برعکس بن باپ محض خدا تعالیٰ کے حکم یعنی کلمہ کن سے پیدا ہوئے تو ان کے لیے ایک زائد خصوصیت نکلی ورنہ ساری مخلوق اسی کلمہ کے واسطہ سے پیدا ہوئی ہے۔آپ علیہ السلام کو کلمتہ اللہ کہنا ایسا ہی ہے جیسے عربی زبان میں سبب کا اطلاق مسبب پر ہوتا ہے اور یہ بہت عام ہے۔مشہور عربی شاعر متنبّی کا ایک مصرعہ ہے لَہٗ ایادٍ عَلَیَّ سابغہ (اس کے مجھ پر بہت احسانات ہیں) یہاں ید کا اصل معنی ہاتھ مگر مراد احسان و نعمت ہے کیونکہ ہاتھ نعمتوں کے بخشنے کا عام طور پر سبب بنتا ہے۔اسکی آسان مثال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ میں ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں (الحدیث) ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا نہ تھے بلکہ دعا کا جواب تھے۔ٹھیک اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا سبب کلمہ کن بنا اس لیے عربی اسلوب کے مطابق آپ علیہ السلام کو کلمتہ اللہ کہا گیا ہے۔اردو زبان میں بھی یہ اسلوب استعمال ہوتا ہے جب کہتے ہیں کہ فلاں کے سر پر فلاں کا ہاتھ ہے تو مراد اسکی حمایت حاصل ہونا ہے نہ کہ سچ مچ سر پر ہاتھ رکھنا۔یہ بھی یاد رکھیں کہ مفہوم پر منطوق غالب ہوتا ہے۔جب اللہ تعالیٰ نے کھول کر بیان فرما دیا کہ جنھوں نے یہ کہا کہ اللہ تین میں کا ایک ہے تو انہوں نے یقیناً کفر کیا (مائدہ 73:5) اور یہ کہ ''انہوں نے یقیناً کفر کیا جنہوں نے یہ کہا کہ عیسیٰ ابن مریم ہی اللہ ہے (مائدہ 72:5) کلمتہ اللہ سے آپ علیہ السلام

کا خدا ہونا مراد نہیں لیا جاسکتا کیونکہ جس کا کلام ہے اسی نے کھول کر بتادیا کہ آپ علیہ السلام خدا نہیں ہیں۔

لفظِ کلمہ کا اطلاق بائبل میں

کلمۃ اللہ اور کلمۃ الرب کے الفاظ بائبل میں بکثرت کلام خدا اور حکم خدا کے معنی آئے ہیں۔

زبور 6:33 کا عربی ترجمہ یوں ہے" بکلمۃ صنعت السماوات و بنسمۃ من فمہ کل افلاکھا" اردو ترجمہ یہ ہے" خداوند کے کلام سے آسمان بنے ہیں اور ان کے سارے لشکر اس کے منہ کے دم سے۔"

ہوسیع 2,1:1 کا عربی ترجمہ یوں ہے" ھذا کلمۃ الرب الٰھی کلم بھا ھو شع بن بیری " خداوند کا کلام ہوسیع بن بیری پر نازل ہوا۔" لوقا 2:3 میں ہے" کانت کلمۃ اللہ انی یوحنا بن زکریا فی البریہ" "اس وقت خداوند کا کلام بیابان میں زکریا کے بیٹے یوحنا پر نازل ہوا" اعمال 31:4 میں ہے "فافذو ایعلنون بکلمۃ اللہ بجراۃ" "اور خدا کا کلام دلیری سے سناتے رہے۔" اعمال 2:6 میں ہے: لایلق نبا ان نھمل کلام اللہ لنھتم باجور المعشتہ.....و کان کلام اللہ یتنشر "مناسب نہیں کہ ہم خدا کا کلام چھوڑ کر کھانے پینے کا انتظام کریں......اور خدا کا کلام پھیلتا رہا۔" اعمال 24:12 میں ہے: و کان کلام اللہ ینتشرو ثمر "مگر خدا کا کلام ترقی کرتا اور پھیلتا چلا گیا۔اعمال 46,44,7,5:13 میں ہے: فلمّا و صلا الیٰ سلامین بشرا بکلام اللہ فی مجامع الیھود.....وطلب الھیما ان یسمع کلام اللہ.....یسمعو کلام الرب......ان بنشرکم انتم اوّلاً بکلمۃ اللہ "اور سلمیس پہنچ کر یہودیوں کے عبادت خانوں میں خدا کا کلام سنانے لگے......اس نے برنباس اور ساؤل کو بلا کر خدا کا کلام سننا چاہا......خدا کا کلام سننے کو اکٹھا ہوا......ضروری تھا کہ خدا کا کلام پہلے تمھیں سنایا جائے۔" یوحنا کے پہلے خط 14:2 میں ہے" کتبت الیکم ایھا الشبان لانکم اقویا و لان کلمۃ اللہ ثابتۃ فیکم "اے جوانو! میں نے تمھیں اس لیے لکھا کہ تم مضبوط ہو اور خدا کا کلام تم میں قائم رہتا ہے۔"

ان تمام مقامات میں انگریزی ترجمہ Word of God لکھا ہے۔

قاموس الکتاب کے مولف لکھتے ہیں کہ لفظ کلمہ کے لیے سب سے اہم لفظ دابار استعمال ہوا ہے جو کہ تقریباً 400 مرتبہ آیا اور خدا کے کلام کے سلسلہ میں استعمال ہوا (قاموس الکتاب، ص:796) کیا ہر جگہ یہ اقنوم کے معنوں میں ہے یا محض حکمِ خدا اور کلام خدا کے معنوں میں؟

کن فیکون کی تشریح پادری صاحب سے سن لیں۔ وہ لکھتے ہیں "بائبل کے بیان کے مطابق جب

خدا کا کلام پہلی مرتبہ اس کے منہ سے نکلا تو کائنات کی تخلیق ہوئی ...... اور خدا نے کہا اور ہو گیا...... کائنات خدا کا کلام ہے (اگرچہ یہ نہ بولتی اور نہ آواز نکالتی ہے) کیونکہ خدا کے کہنے سے یہ وجود میں آئی۔" (قاموس الکتاب، ص:798) چونکہ کائنات خدا کا کلام ہے لہٰذا عیسائی حضرات کو چاہیے کہ اس کو بھی ایک اقنوم مان لیں اور خدا کا درجہ دے دیں۔ آگے چل کر پادری صاحب پال کے خط (1۔کرنتھیوں 36:14) کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ کلام کسی کی طرف سے آتا ہے اور کسی کے پاس جاتا ہے (قاموس الکتاب، ص:799) اس عبارت کے ساتھ ساتھ یہ عبارت بھی ملاحظ ہو"اور دیکھو اس کے لیے آسمان کھل گیا اور اس نے خدا کی روح کو کبوتر کی مانند اترتے اور اپنے اوپر آتے دیکھا۔ اور دیکھو آسمان سے یہ آواز آئی کہ یہ میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں۔ (متی 16:3-17) یہ بات طے ہے کہ کلام کسی کی طرف سے آتا ہے اور کسی کے پاس جاتا ہے لہٰذا سیدنا مسیح علیہ السلام، آسمان سے جس کی آواز آئی، اور خدا کا روح تین وجود ثابت ہوئے ورنہ خود پر کلام بھیجنے کا کیا مطلب؟ متی کی عبارت تب ہی بامعنی سمجھی جائے گی اگر یہ مانیں کہ تین الگ الگ وجود تھے جن میں سے ایک کا کلام دوسرے کی طرف جا رہا تھا اور تیسرا وجود کبوتر کی شکل میں نظر آ رہا تھا۔

❀❀❀

تثلیث

اس میں تین خدا مانے جاتے ہیں۔

(1) باپ یعنی خدا تعالیٰ جو الوہیت کا سرچشمہ ہے۔

(2) بیٹا یعنی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام جو خدا کی مجسم صفت علم و کلام ہیں

(3) روح القدس یعنی غیر مرئی روح پاک جو خدا کی صفت حیات ہے۔

ان کے عقیدہ کے مطابق یہ تینوں ہر لحاظ سے ایک دوسرے کا کفو ہیں اور برابر کی عبادت کے مستحق ہیں۔(Catholic Dictionary P-973) جب کہ پرانے عہد نامہ میں خدا کا فرمان اس طرح درج ہے کہ ''میں خدا ہوں اور مجھ سا کوئی نہیں اور یہ کہ میرے بعد بھی کوئی خدا نہ ہوگا۔ (یسعیاہ 9:46، 43-10-11) اور خود مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں ''باپ مجھ سے بڑا ہے، باپ سب سے بڑا ہے'' (یوحنا 28:14,30:10) اور یہی فیصلہ کرمیوم کی کونسل منعقدہ 357ء میں ہوا کہ صرف باپ ہی خدا ہے اور ہر پہلو سے بیٹے سے بڑا ہے اور پوپ لائبیریس نے اس فتوی پر دستخط کیے۔ (کیتھولک دعاوی کا، ص:37-93)

یہ عیسائی ایمان کا مرکزی عقیدہ ہے اور اسکی حیثیت ان کے ہاں وہی ہے جو مسلمانوں کے ہاں لا الہ الا اللہ کی ہے۔ اس کے بارے میں عیسائی عالم لکھتے ہیں ''تثلیث فی التوحید'' مسیحی ایمان کا مرکزی عقیدہ۔ یہاں یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ مسیحی عقیدہ تثلیث نہیں بلکہ تثلیث فی التوحید ہے۔ لفظِ توحید کتاب مقدس میں موجود نہیں (ان الفاظ کو یاد رکھیے گا۔ مؤلف) اصطلاح تثلیث فی التوحید پہلی مرتبہ دوسری صدی عیسوی کے آخری عشرہ میں بزرگ طرطلیان (Turtulian) نے استعمال کی، اور یہ مسئلہ مسیحی علمِ الٰہی (Theology) میں اس شکل میں چوتھی صدی عیسوی میں بیان کیا گیا۔ تاہم یہ مسیحی مذہب کا بنیادی، امتیازی اور جامع مسئلہ ہے (قاموس الکتاب، مولفہ ایف ایس خیر اللہ، ص:233)...... بائبل مقدس میں ذاتِ باری تعالیٰ کو واحد یا ایک بیان کیا گیا ہے...... لیکن خدا کا واحد یا ایک ہونا تعداد کے لحاظ سے نہیں۔ اسکی یہ وحدت اس کی ذات میں ان معنوں میں ہے کہ وہ اپنی ذات میں بے نظیر، بے مثل اور لاشریک ہے (ایضاً) پادری صاحب آگے چل کر

تثلیث فی التوحید کی تعریف یوں لکھتے ہیں ''خدا واحد ہے۔اس کی ذات میں تین اقانیم کی کثرت ہے جو بمنزلہ صفات ہیں، جو جوہر، قدرت، ازلیت میں برابر اور ذات وصفات میں متحد مگر فعل میں متمائز (ممتاز) ہیں۔(ایضاً ص:234) چونکہ صفات کسی موصوف میں پائی جاتی ہیں لہٰذا ان صفات کا موصوف ان سے پہلے ہونا ضروری ہے جو کہ ایک ہے۔وہی واجب الوجود ہے جس کو اللہ تعالیٰ کہتے ہیں۔لہٰذا تثلیث کی بجائے توحید ہی ثابت ہوتی ہے۔عیسائی حضرات یہ بھی بتائیں کہ اقنوم ابن کی جسمانی ظہور سے پہلے کیا کیفیت تھی؟ جبکہ عیسائیت کے اماموں میں سے ایک جسٹن کہتا ہے'' Other, I mean, in number, not in will'' ان الفاظ سے اس کی مراد ارادہ کے لحاظ سے نہیں بلکہ تعداد کے لحاظ سے دوسرا خدا ہے۔

(Henry Chadwick: The Early Church, P-86)(بحوالہ ساجد میر،ص:95)

ایک خدا اور تین اقنوم کا قاعدہ، چوتھی صدی کے اختتام سے قبل تک عیسائی زندگی اور اس کے اقرار ایمان میں مضبوطی سے قائم شدہ اور پورے طور سے شامل نہیں تھا) بحوالہ ساجد میر،ص 51

(The New Catholic Encyclopeadia 1967, Vol,14,P-299)

اناجیل، رسولوں کے اعمال اور پولس کے خطوط سب کے سب تثلیث سے ناآشنا ہیں۔

(بحوالہ ساجد میر،ص170 Hurburt Muller, Uses Of The Past, P-169,foot note)

طرطولین کے دور میں جس نے پہلے یہ عقیدہ پیش کیا تو لوگوں کا ردِعمل یہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں نظریہ کلام کو عام ایماندار عیسائی ہمدردی کی نظر سے نہیں دیکھتے تھے۔طرطولین نے اپنے زمانہ (213ء تا 218ء) کے بارے میں یہ اہم بات لکھی ہے کہ عیسائیت پر ایمان رکھنے والوں کی اکثریت ''ایک میں تین'' کے نظریہ پر چونک پڑتی ہے۔کیونکہ ان کا قاعدہ ایمان انہیں خداؤں کی کثرت سے اکیلے سچے خدا کی طرف بلاتا ہے۔(بحوالہ ساجد میر ص:99)

(W. Walker: A History Of The Chirstain Church, P-71)

اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں اصلاح کلیسا کی تحریک کے زیر اثر عقلیت اور تجدد کی تحریکیں شروع ہوئیں۔اسی طرح ایک تحریکِ موحدین شروع ہوئی جس میں شامل علماء وعوام نے تثلیث کی بجائے توحید کا پرچار کیا اور سیدنا مسیح علیہ السلام کو انسان سمجھا۔(بحوالہ ساجد میر،ص:128 تا ص:130)

(J.L. Hurburt: The Story Of The Christain Church PP-86-87)

توحید عیسائیت کے اولین داعی میخائل سرویطس (م1553ء) نے تثلیث کی غلطیاں (The

(Errors of the Trinity کے نام سے کتاب لکھ کر عقیدہ تثلیث کا تار و پود بکھیر دیا۔اس نے مسیح علیہ السلام کو واضح طور پر خدا کی بجائے نبی قرار دیا(D.B Parke: The Epic of Unitarianism, PP-5-6)

(بحوالہ ساجد میر،ص:128)

کیتھولک اور پروٹسٹنٹ رہنماؤں نے مل کر اس کا یہ جواب دیا کہ اس کی کتاب کا ایک نسخہ اس کی ٹانگ سے باندھ کر اسے جلتی ہوئی آگ کے اوپر اونچا کر کے ایک ٹکٹکی سے اس طرح باندھ دیا کہ وہ گھنٹوں جلنے کی اذیت برداشت کرنے کے بعد مر جائے۔

(E.M. Wilbur: A History of Unitarianism, P-78) میں شامل مائیکل سرویطس پر مضمون بحوالہ ساجد میر،ص:129)

انہی موحدین میں سے ایک آدم نیوسر نے مخالف پادریوں کے مظالم سے بچنے کے لیے سلطان سلیم ثانی سے مذہبی وسیاسی پناہ حاصل کی۔

(A Reland: Treatises Concerning The Mohametons,PP-215f بحوالہ ساجد میر،ص:129)

سولہویں صدی کے آخر میں فرانس ڈیوڈ نے بائبل کے صاف اور سیدھے دلائل سے توحید کا پرچار کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دعا مانگنے اور ان سے مدد مانگنے کی تردید کرتے ہوئے قرآنی حوالے بھی دیئے (بحوالہ ساجد میر،ص129)اور(A. Reland Op-cit P-190)

(A. Wallae: Anti-Trinitarion Biographies, PP-44-45-79) سولہویں صدی کے عیسائی جو موحدین میں دیگر نمایاں نام میریا سوزینی اور اس کے بھتیجے پاؤلو سوزینی کا ہے۔ان کے بہت سے حامی اور پیروکار آگ میں جلائے گئے اور دوسری اذیتوں کا شکار ہوئے (بحوالہ مذکورہ) سترہویں صدی میں جان بڈل (م1662ء) نے روح القدس کی خدائی کی تردید میں اپنی مشہور کتاب بارہ دلائل (Twelve Arguments) لکھی (بحوالہ ساجد میر،ص:130)اور

(D.B Park: The Epire of Uniterianaisn PP-31-32) انیسویں صدی میں کیننگ نے تثلیث اور عقیدہ کفارہ کی بھی مخالفت کی۔اس نے امریکہ میں توحیدی کلیسا (Unitarian churches) قائم کئے جو اب تک قائم ہیں۔اس کا اعلان تھا کہ ''بائبل کو درست طریقہ سے سمجھا جائے اور سمجھایا جائے تو وہ موحدین ہی کی تائید کرے گی۔(A: wallace op. cit)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تثلیث میں 325ء میں منعقدہ نقایہ کونسل میں شامل کیا گیا (برٹانیکا (1962ء،ج:5

ص:677)اور روح القدس کو ترقی قسطنطیہ کی کونسل منعقدہ 381ء میں جا کر ملی۔

(بحوالہ ساجد میر،ص:163)New Catholic Encylopedia vol-14, P-299)

تثلیث مقدس کا عقیدہ عہد قدیم میں نہیں سکھایا گیا اور عہد نامہ جدید میں اسکی اولین شہادت پولس کے خطوط میں ملتی ہے۔(ایضاج:14،ص:306)

عیسائی نظریہ کہ خدا تین اقانیم (شخصیتیں) اور ایک اصل رکھتا ہے، منطق یا بائبل کے دلائل سے ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ وہ بس اسے ایک ضروری مفروضہ قرار دیتے ہیں

(بحوالہ ساجد میر،ص:169)Hastings Dictionary of Bible P-1015)

طبقہ اوّل کے عیسائیوں کے بارے میں برٹانیکا میں لکھا ہے ''تثلیث کا عقیدہ انہیں توحید خداوندی سے متضاد معلوم ہوتا تھا جس پر کتب مقدسہ میں زور دیا گیا تھا۔ اس لئے انہوں نے انکار کیا اور یسوع مسیح کو مجسم خدا کے طور پر نہیں بلکہ خدا کی اعلیٰ ترین مخلوق کے طور پر قبول کیا۔

(Encylopedia Britanica vol-3,P-634)

مشہور عیسائی فاضل اخلاقیات و تاریخ لیکی نے یہ فیصلہ دیا کہ ''عیسائیت نے ایسی شکل اختیار کر لی جو قدیم مذاہب کی طرح بالکل مشرکانہ و بت پرستانہ تھی۔

(W.E.H. Lecky: History of the European Morals, vol-2,P-97)

عیسائیت نے اپنی ماں یہودیت سے توحید ورثہ میں لی اور یہ نظریاتی طور پر توحید پر مبنی رہی مگر عملی طور پر شرک میں مبتلا ہو گئی۔(Heckle: Riddle Of The Universe, P-232)

انہوں نے مذہبی تثلیث کو تین اقانیم میں تقسیم کر دیا جن میں سے ہر ایک خدا اور آقا ہے۔ نتیجۃً پاگل پن ساری دینیات میں سرایت کر گیا اور اس کے ذریعہ چرچ میں بھی۔ یہ پاگل پن ہی تو ہے کہ دماغوں کو اضطراب میں دھکیل دیا گیا اور وہ نہیں جانتے کہ خدا ایک ہے یا تین۔ لبوں پر توحید ہے اور دماغوں میں تثلیث ہے۔(Sweden Borg: Pheses Of The True Christianity P-5)

عقیدہ نقایہ ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ اقانیم تین ہیں مگر خدا تین نہیں ہیں اور ہمیں یہ اندازہ لگانے کے لیے چھوڑ دیتا ہے کہ کون سا خدائی اقنوم (فرد) ہے یا خدا ہے یا یہ کہ وہ خدا ہے مگر ایک خدائی فرد :Newman (Pheses Of Faith, P-37) جنہوں نے یہ اصرار کیا کہ ان کا خدا انسان تھا اور جو آدمی مصلوب ہوا وہ

ان کا خدا تھا۔ اس طرح انہوں نے اس الزام کو اپنے سر لے لیا کہ وہ بت پرست اور کافر ہیں۔

(Denison: Emotions as the Basis of Civilization, P-286)

غیر جانبدار نقادوں کی یہی رائے ہے کہ تثلیث کے بپتسمہ کے فارمولا کا مسیح علیہ السلام کوئی تعلق نہیں۔

(Encyclopedia Biblica C. 4689)

تثلیث کا مسیحی اصول یہ ظاہر کرتا ہے کہ عیسائیوں کا خدا تین مختلف افراد کا مجموعہ ہے، باپ خدا، یسوع خدا اور روح القدس...... اس معمہ کو حل کرنے کے لیے عیسائیوں نے 1900ء سال تک سر کھپایا مگر ناکام رہے۔ (Heckel: Riddle of the Universe,P-227)

شرک کی ایک قسم کیتھولک مشرکین میں پائی جاتی ہے جس میں بے شمار ولی ہیں، جن میں سے بہت کی شہرت مشکوک ہے، انکی پوجا کی جاتی ہے کہ وہ بھی نچلے درجہ کے دیوتا ہیں اور ان کے وسیلہ سے اعلیٰ ترین دیوتا سے دعائیں مانگی جاتی ہیں (ایضاً ص:236)

عیسائیت سے پہلے تثلیثی مذاہب

یونانیوں کے علاوہ جب دوسری غیر اقوام کے لوگ کثرت سے عیسائی ہونا شروع ہوئے تو انکی مذہبی روایات بھی عیسائیت میں شامل ہوتی گئیں۔ ان میں سے بہت سے تین خداؤں کے ماننے والے تھے۔ ہندو اور بدھ مت کے اثرات بھی اس دور میں پائے جاتے تھے اور ان مذاہب میں بھی تثلیث کا عقیدہ موجود تھا۔ مثلاً ہندو مت میں برہما، وشنو اور شو کی تثلیث

(Heckel: Ridelle of the Universe, PP-226,233)

(The Chamber's Encyclopedia, Vol 10, P-295)

بدھ مت میں بدھ، دھرما اور سنگھا کی تثلیث تھی

(Marcus Dods DD: Mohammad, Buddha and Chirst, P-183) بحوالہ ساجد میر، ص 162-

اشوری بعل دیوتا، شمس وقمر کی تثلیث کے قائل تھے۔

(Will Durant: The Story of Civilization, V-3, P-575,) بحوالہ ساجد میر، ص 1962

مصری تثلیث جو آئی بس، اوسی رس، اور ان کے بیٹے ہورس پر مشتمل تھی اور اہل روم میں بڑی مقبول تھی۔

(ایضاً ج:3، ص 588) اور (C.F Potter: The Faiths Men Live By, P-116)

ساجد میر، ص:162

ہندو تثلیث کے بارے میں ہندو عالم لکھتے ہیں "ہندو مندر ایسے دیوتاؤں سے بھرا پڑا ہے جو آسمان یا فضا میں رہتے ہیں، انکی تعداد 33 بتائی گئی ہے مگر جن کی زیادہ حمد و ثناء کی گئی وہ اگنی، اندرا اور سورما ہیں...... بعد میں شیوا اور وشنو نے بالاتر پوزیشن حاصل کر لی اور برہما کے ساتھ مل کر عظیم تثلیث بنالی۔

(Tara Chand: Influence Of islam on Indian Culture, P-5)

❁❁❁

تثلیث کو بطور عقیدہ کیسے تسلیم کیا گیا

عیسائیت دنیا کا وہ انوکھا مذہب ہے جس کے عقائد اس کے بانی نے نہیں بلکہ صدیوں بعد علماء نے بادشاہِ وقت کی مرضی کے مطابق تیار کیے اور لوگوں کو ان پر ایمان لانے کا حکم دیا۔ان کے پیروکاران سے بھی بڑھ کر نکلے اور انہیوں نے خود ساختہ عقائد کو اپنا ایمان بنالیا۔ان کے علماء کے اجتماع کو کونسل کہتے ہیں اور کونسل کا فیصلہ ان کے نزدیک اجماع امت ہے۔لیکن کے اجماع کی اس لیے کوئی حیثیت نہیں کہ وہ اپنے عقائد بار بار بدلتے رہتے رہے۔ان کی بہت سی کونسلیں ہوئیں مگر چار زیادہ اہم اور مشہور ہیں جن کا تثلیث سے تعلق ہے۔

1۔نقایہ کی کونسل منعقدہ 325ء (آج کل اس گاؤں کو اسنک ISNIK کہتے ہیں)

اس میں ابن اللہ کا عقیدہ بادشاہ وقت کی پسند کو مدنظر رکھتے ہوئے تیار کیا گیا اور بطور ایمان اختیار کیا گیا۔مخالفین کی سرزنش کی گئی۔

2۔قسطنطینیہ کی کونسل منعقدہ 381ء

یہ وہاں پر پہلی کونسل تھی اس میں روح القدس کو بھی بذریعہ قرارداد مانا گیا۔مخالفین پر لعنت کی گئی۔

3۔ افسس کی کونسل منعقدہ 431ء تثلیث کے ناقابل حل ہونے پر جو شور مچا ہوا تھا، اس کا حل بذریعہ قرارداد خدا مسیح علیہ السلام کی دو طبیعتیں مان کر کیا گیا۔ایک لاہوتی، دوسری بشری یا ناسوتی۔مخالفین پر لعنت کر کے مصر جلاوطن کر دیا گیا۔

4۔خلقیدونیہ کی کونسل منعقدہ 451ء

مسیحی فرقوں کے اختلاف افسس کی کونسل کے بعد بھی جاری رہے تو اس کونسل کو بلا کر اس میں مسیح کی دو طبیعتیں، ایک اقنوم، اور ایک ذات کا عقیدہ بذریعہ قرارداد وضع کیا گیا۔مخالفین پر لعنت کر کے انہیں

فلسطین جلاوطن کیا گیا۔

ان کونسلوں کے علاوہ عیسائیوں کی 16 کونسلیں اور ہوئیں جنکی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کتاب مسیحیت۔ علمی اور تاریخی حقائق کی روشنی میں

(تالیف متولی، یوسف چلپی، ترجمہ مولوی شمس تبریز خاں، ص:114 تا ص:140)

ان میں یہ رواج پرانا چلا آرہا ہے۔ شاگردوں کی کونسل نے حضرت مسیح کے 22 سال بعد مشورہ کر کے ختنہ کی رسم ختم کر دی (اعمال باب 15 آیت نمبر 1 تا 21)

سب سے پہلے نقایہ کی کونسل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ بنایا گیا۔ اسکی مختصر تفصیل یہ ہے کہ بادشاہ روم قسطنطین نے اپنے بیٹے کرسپس کو قتل کرا کے اس کے قتل کا الزام اپنی سوتیلی ماں پر لگایا اور اسے بھی قتل کرا دیا۔ بعدازں نادم ہو کر توبہ کرنا چاہی تو معلوم ہوا کہ رومی مذہب میں توبہ کا دروازہ بند ہے۔ لہٰذا وہ عیسائیت کی طرف مائل ہو گیا۔ (J.B Firth: Constantine The Great) اس کے ساتھ ساتھ اس کی سیاسی ضرورت بھی تھی کہ عیسائی لوگوں کے اتحاد سے پوری سلطنت کے اتحاد میں مدد ملے گی

(John Foster, First Advance(Church History1) ص 41 بحوالہ ساجد میر، ص 103-104) اس نے عیسائی علماء کی ایک کونسل منعقد کرانے کا فیصلہ کیا تا کہ اختلاف کو مٹایا جا سکے کیونکہ عیسائی علماء تمام مقدمہ بازوں کی طرح آپس میں دست و گریبان تھے۔

(W.H. Frend: The Donastic Church، P-153، بحوالہ ساجد میر، ص:104)

پہلے یہ کونسل انقرہ میں ہونا تھی مگر بادشاہ نے اسے دارالحکومت کے قریب نقایہ میں منعقد کرنے کا حکم دیا" تا کہ وہ ذاتی طور پر ساری کاروائی پر کنٹرول رکھ سکے" (بحوالہ ساجد میر، ص:105 (Op.Cit, P-139

(Henry Chadwick, بادشاہ بحث میں باقاعدہ حصہ لیتا تھا۔

(H. Leitzman, From Constantine To Julian P-118)

کونسل کا اہم ترین مبحث آریوس اور اس کے حامیوں کے نظریات تھے کہ خدا کا بیٹا ازلی نہیں بلکہ باپ کا پیدا کیا ہوا ہے۔ (Oxford Dictionay. Of The Church P-80)

دوسری طرف ان کے مخالفین مسیح کی ازلیت پر زور دیتے تھے۔ (ص:86، H.Leitzman op-cit)

زوردار بحثیں جاری رہیں مگر آخرکار بادشاہ کے زیر ہدایت کونسل نے یہ فیصلہ کیا کہ بیٹا اور باپ ایک ہی جوہر

(مادے) سے ہیں اور یسوع علیہ السلام مکمل طور پر انسان بھی ہیں اور مکمل طور پر خدا بھی Jhon Foster, The First Advance,P-140) بحوالہ ساجد میر ص 106) پروفیسر میز لیٹز مین اپنی کتاب میں لکھتے ہیں "یہ بات خاصی حیران کن ہے کہ بادشاہ نے عقیدہ میں ایک ایسی اصطلاح شامل کرنے پر بڑا زور دیا تھا جو فریقین میں سے کسی نے پیش نہیں کی تھی یعنی اتحاد جوہر کی اصطلاح (کہ باپ اور بیٹا کا مادہ ایک ہی ہے) .H leotzman p.eis PP-118-119 گویا یہ فیصلہ جو آئندہ عقائد کی بنیاد بنا اور جس کی بنیاد پر لاکھوں افراد مرتد قرار دے کر جلائے گئے، قتل کیے گئے اور تباہ و برباد کیے گئے، وہ حضرت عیسیٰ کے کلام یا انجیل یہاں تک کہ تحریف شدہ انجیل پر بھی مبنی نہیں تھا۔ چنانچہ منصف مزاج مسیحی محققین نے صاف لکھا ہے کہ "اس (عقیدہ) کے کلیدی الفاظ...... (ایک ہی جوہر کا حامل)...... کتاب مقدس میں کہیں بھی موجود نہیں ہیں۔"

(H. Muller: Uses of the Past, P-167) بحوالہ ساجد میر ص 106-107)

ایمان کے بارے میں باہمی اختلاف بادشاہ کے نظریات کے مطابق طے کر لیا گیا (ایضاً ص 121 بحوالہ ساجد میر ص 108) ان علماء کے پاس اور کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ اور انہوں نے یہ سب کچھ اس بعید پر کیا کہ اس طرح کلیسیا میں امن اور اتحاد قائم ہو گیا تو اس کے حصول کے لیے اختیار کیے جانے والے مشکوک طریقہ کار کو (خود بخود) جواز مل جائے گا (Henry Chadwick, op-cit P-120) بعد کے عیسائی عالم مار سیلس کا کہنا یہ تھا کہ عیسائی عقائد والہیات کی بنیاد افلاطون اور اوریجن کے نظریات پر نہیں بلکہ بائبل کے متن پر ہونی چاہیے۔ وہ باپ بیٹا اور روح اللہ اس کو تین الگ الگ ہستیاں ماننے کی بجائے خدائے واحد کی فعالیت کی تین حالتیں مانتا تھا چنانچہ اسے ملحد قرار دے دیا گیا۔ (P-135,137-138 ایضاً بحوالہ ساجد میر ص:109)

قسطنطنیہ کی عالمی کونسل منعقدہ 381ء میں روح القدس باپ سے نکلا ہوا اور تیسرا خدا ہونے کا عقیدہ تصنیف کیا گیا۔ اس کونسل کے دوران بھی اس وقت کے بادشاہ کا رویہ اولین اہمیت رکھتا تھا۔

اور بادشاہ کی کلیسائی پالیسی مرغ بادنما کی طرح رخ بدلتی رہتی تھی اور اس کا تعین اس بات سے ہوتا تھا کہ وہ بیوی کے زیر اثر ہے یا بہن کے☆ (H. Chadwick op.cit P-196)

ان عالمی کونسلوں کے مختلف فیصلوں پر جو بادشاہ کی خواہشات اور شاہ پسند، بے ضمیر اور لالچی پادریوں کی ملی بھگت سے ہوتے رہے، سب سے خوبصورت تبصرہ اس دور کے دونیتی (Donastist) عیسائی فرقہ کے بعض

☆ کیونکہ اس کی بہن آریوس کی مرید تھی جب کہ اس کی والدہ پال کے نظریات کی حامی تھی۔

علماء کا ہے کہ ’’کیتھولک کلیسیا کے علمائے سُوء دنیاوی بادشاہوں کے ساتھ مل گئے تھے۔شاہی مراعات کی بنا پر انہوں نے مسیح علیہ السلام کو ٹھکرا دیا تھا۔(W.H. Frend, The Donastist Church, P-326)(بحوالہ ساجد میر،ص:119)

اوپر کے بیان سے واضح ہے کہ موجودہ مسیحی عقائد بادشاہوں اور پادریوں کے فیصلوں کا نتیجہ ہیں۔ اگر وہ ان کے الٹ عقائد کو رواج دینے کا فیصلہ کر لیتے تو عام عیسائی وہی عقائد اختیار کر لیتے تو عام عیسائی وہی عقائد اختیار کر لیتے۔ ان لوگوں نے بنیادی عقائد کو موم کی ناک بنا دیا جنہیں وہ جس طرح چاہتے تبدیل کر سکتے تھے۔اسی مفہوم کو جرمن عالم ہارنیک نے اس طرح بیان کیا کہ ’’عیسائی عقائد جزوی طور پر انا جیل پر مبنی ہیں اور دراصل وہ یونانی روح اور تاریخی عوامل کا نتیجہ ہیں۔‘‘

(Adolf Harnack: History of Dogma, vol-1, PP-16-17 بحوالہ ساجد میر،ص:119-120)

❀❀❀

تثلیث کے حق میں مسیحی دلائل

ان کے دلائل دوطرح سے ہیں۔

(1) نقلی (2) عقلی

(1) نقلی دلائل

کیتھولک ترجمہ کے آخر میں تثلیث کے بارے میں اشارے درج ہیں۔ کیونکہ یہ عیسائیوں کا متفق مسئلہ ہے کہ تثلیث کا لفظ پوری بائبل میں کہیں نہیں آیا لہٰذا اشاروں پر گزارہ ہے اور تنکے کا سہارا ہے۔ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ حضرات کے مطابق مندرجہ ذیل عبارتوں میں تثلیث کے اشارے ملتے ہیں۔ دونوں فرقوں کی مزعومہ عبارتیں بالمقابل لکھ کران کا جائزہ لیتے ہیں۔

تثلیث کے اشارے (بحوالہ قاموس الکتاب، ص233)

کیتھولک / پروٹسٹنٹ	تبصرہ
تکوین یا پیدائش 26:1	3:1 آیت نمبر 3 میں صرف خدا تعالیٰ کا ذکر ہے اور روح سے مراد وجود باری ہے۔آیت نمبر 26 میں انسان کو خدا کی صورت پر بنانیکا اعلان ہے۔لفظ ہم سے تثلیث نکالنے کی کوشش کی ہے۔جس کا جواب آگے آتا ہے۔
تکوین یا پیدائش 22:3	اس آیت کے لفظ ہم سے دلیل لی
تکوین یا پیدائش 7:11	اس میں بھی لفظ ہم سے دلیل لی
تکوین یا پیدائش 1:18 تا 3	سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو ملنے والے تین فرشتوں کو تین خدا فرض کر کے تثلیث کا ثبوت فراہم کرنے کی کوشش کی گئی۔

خروج 6:3، 15، 16	ان فقروں میں صرف یہ ذکر ہے سیدنا ابراہیم علیہ السلام ،سیدنا اسحاق علیہ السلام اور سیدنا یعقوب علیہ السلام کا خدا ایک ہی تھا۔ یہ تو توحید کا ثبوت ہے نہ کہ تثلیث کا!
خروج 5:4	ایضاً
مزامیر یا زبور 6:33	اس آیت میں آسمان اور سمندر اور خدا کی لشکر کی تشکیل کا ذکر ہے کہ یہ سب ایک خدا نے تخلیق کیے۔
اِشعیاہ یا یسعیاہ 3:6 16:34 16:48 1:61	آیت نمبر 3:6 میں خدا تعالیٰ کو تین دفعہ پکارنے کا ذکر ہے کہ وہی قدوس رب الافواج ہے (نہ کہ تین خدا) آیت 16:48 میں خدا اور اسکی روح کا ذکر ہے اور روح سے مراد ارادہ بھی ہے۔ لہٰذا خداوند اورس کی روح نے بھیجا ہے معنی یہ ہے کہ ارادہ الٰہی نے مجھے بھیجا ہے (قاموس،ص 447) آیت 6:34 اسکی روح نے ان کو جمع کیا ہے کا معنی ہے کہ ارادۂ الٰہی یا حکم الٰہی نے ان کو جمع کیا ہے۔ خدا کی روح مجھ پر ہے کا معنی یہ ہے کہ خدا کی راہنمائی مجھے میسر ہے جیسا کہ سیدنا یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرعون نے کہا ''کیا ہم کو ایسا آدمی جیسا یہ ہے جس میں خدا کی روح ہے مل سکتا ہے؟'' (پیدائش 38:41)
تثلیث کا الہام	
متی 16:3،11:3	آیت نمبر 11:3 میں سیدنا یحیٰی علیہ السلام کا قول ہے جس میں روح القدس کا ذکر آیا ،تثلیث کا ذکر نہیں ۔ البتہ 16:3 میں روح، آواز اور یسوع کا ذکر ہے۔ اس کا جواب ابھی آتا ہے۔
متی 19:28	اس میں ہے کہ مسیح علیہ السلام نے حکم دیا کہ سب قوموں کو باپ، بیٹے اور روح کے نام سے بپتسمہ دو۔
قرنتیوں یا 2۔کرنتھیوں 13:13 14:13	یہ پال کا کلام ہے، خدا کے کسی نبی یا خود خدا کا کلام نہیں ہے لہٰذا حجت نہیں بن سکتا۔ اگر پال کا مرتبہ مسیح علیہ السلام سے کم ہے تو اس کا کلام اتھارٹی نہیں اور اگر اس کر مرتبہ مسیح علیہ السلام سے زیادہ ہے تو پھر اس کو خدا بنالو!

1۔ یوحنا کالاطینی ترجمہ 7:5 1۔کرنتھیوں 2:10-16	یوحنا کالاطینی ترجمہ کیتھولک بائبل والے نے بھی نہیں لکھا۔ 1۔کرنتھیوں 2:10 میں روح سے مراد وحی خدا ہے جسکے وسیلہ سے جنت کی نعمتوں کا علم ہوا اور آیت نمبر 16 خدا تعالیٰ کی عقل کے لامحدود ہونے کا ذکر ہے جس کا تثلیث سے کوئی تعلق نہیں۔
متی 20:10	بولنے والے تم نہیں تمہارے باپ کا روح ہے جو تم میں بولتا ہے۔ یہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے مبلغین کو بھیجتے وقت فرمایا اور باپ کا روح سے مراد ارادہ الٰہی ہے جیسا کہ قاموس، ص 447 پر ہے۔
متی 5:17	بادل سے آواز آنے کا ذکر ہے۔ یہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے رضامندی کا خدائی اظہار تھا۔ تثلیث کا ثبوت نہیں ہے۔
لوقا 18:4 مرقس 1:10-11	لوقا 18:4 میں سیدنا مسیح علیہ السلام نے وحی خدا کی رہنمائی حاصل ہونے کا ذکر فرمایا جس سے کسی کو انکار نہیں۔ مرقس 1:10-11 میں متی 16:3 والی عبارت ہے جس کا جواب ابھی آتا ہے۔
یوحنا 35:3 1۔ تھسلنیکیوں 1:3-5	یوحنا 35:3 میں خدا تعالیٰ کی حضرت مسیح علیہ السلام سے محبت کا ذکر ہے تثلیث کا نہیں۔ تھسلنیکیوں کے نام خط میں عبارت پال کا کلام ہے، خدا کا کلام نہیں لہٰذا وہ دلیل نہیں بن سکتا۔
یوحنا 16:14، 26	آیت 16:14 میں صرف مددگار کا ذکر ہے، تثلیث کا نہیں۔ اور 26 نمبر آیت میں یعنی روح القدس'' لکھا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ بعد میں اضافہ ہے بہرحال اس آیت سے نہ تثلیث نہ روح القدس کی خدائی ثابت ہوتی ہے۔
یوحنا 26:15 یہوداہ 20، 21 (اس کا ایک ہی باب ہے)	یوحنا 26:15 میں صرف مددگار کا ذکر ہے، تثلیث کا نہیں۔ اور یہوداہ میں روح القدس کے دعا مانگنے کا ذکر ہے۔ چونکہ یہ کلام غیر خدا کا ہے لہٰذا محبت نہیں۔

یوحنا 3:16	اس میں سیدنا مسیح علیہ السلام نے خدا تعالیٰ اور خود پر ایمان نہ لانے والوں کا گلہ کیا ہے۔ اور اپنے اوپر ایمان لانے والوں کو آنے والے مصائب میں صبر کی تلقین فرما رہے۔ کسی تثلیث کا ذکر نہیں ہے۔
مکاشفہ 8:4 16,3:22	آیت 8:4 میں ماضی، حال، مستقبل میں صرف ایک خدا ہونے کا ذکر ہے جو کہ توحید کا ثبوت ہے نہ کہ تثلیث کا آیت 3:22 میں خدا اور برّہ کا ذکر ہے آیت:16 میں یسوع نے اپنے آپ کا حضرت داؤد کی نسل سے ہونے کا ذکر کیا ہے، تثلیث کا نہیں۔
اعمال 38,33,32,2 55:7	آیت 2:33-33 میں باپ سے اور 7 القدس حاصل کرنے کا ذکر ہے جس سے مراد وحی الٰہی کی رہنمائی ہے۔ آیت 38، 55:7 میں روح القدس سے مراد اطمینان قلب ہے۔
افیسوں 13,12,5:1	آیت نمبر 5 میں صرف یسوع علیہ السلام کا ذکر ہے، نمبر 12 میں صرف مسیح کا لفظ ہے، نمبر 13 میں پاک موعودہ روح کی مہر کا ذکر ہے جس سے مراد وحی الٰہی کی سند ہے۔
افیسوں 2:18-20	ایک ہی روح میں باپ کے پاس رسائی کا معنی وحی الٰہی پر عمل کر کے مقبول خدا بننا ہے۔
افیسوں 17,16,14:3	روح سے مراد وحی الٰہی ہے۔
افیسوں 4:4-6 18:5-20	ان تینوں آیات میں پال نے بالکل واضح الفاظ میں ایک ہی خدا ہونے کا اعلان کیا ہے لہٰذا تثلیث کے ثبوت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، آیات 18:5 تا 20 میں پال نے شراب پینے سے منع کیا اور کلام خدا یا وحی الٰہی سے معمور ہونیکی ترغیب دی۔

مندرجہ بالا تفصیل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کیھتولک اور پرٹسٹنٹ، دونوں گروہوں کو آج تک تثلیث کا متفقہ ثبوت نہ مل سکا۔ دونوں نے الگ الگ آیات سے ثبوت کشید کرنے کی ناکام کوشش کی۔ صرف دو جگہ ان کا اتفاق ہوا ایک متی 19:28، دوسرا یوحنا 26:14 پھر یہ کہ پیدائش 26:1,22:3,7:11 میں لفظ ہم سے

سہارا لینے کی کوشش کی اور بہانہ بنایا کہ خدا خود اپنی تعظیم نہیں کرتا (قاموس الکتاب،ص 133) متی 16:3 اور مرقس 10:1-11 میں موجود عبارت قابل غور ہے جس کا جواب حاضر ہے۔ متی 19:28 کا جواب بھی حاضر ہے۔ ساتھ ہی ایک چھوٹا سا سوال کہ اگر تثلیث کے دلائل اتنے ہی زیادہ اور واضح تھے تو اس عقیدہ کو منوانے میں صدیاں کیوں لگیں؟

جمع تعظیمی کی بحث

قاموس الکتاب کے مولف لکھتے ہیں "اگر خدا تعالیٰ کے لیے صیغہ واحد استعمال ہوا ہے لیکن بعض اوقات صیغہ جمع بھی آتا ہے مثلاً پھر خدا نے کہا ہم انسان کو اپنی صورت پر بنائیں (پیدائش 1:26،3:22،11:7) یہ صیغہ جمع تعظیمی نہیں کیونکہ خدا خود اپنی تعظیم نہیں کرتا بلکہ مخلوق اور وہ بھی لفظ "تو" سے ......استثنا 6:4 میں سن اے اسرائیل! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔...... یہ اہل یہود کا کلمہ ہے جو "شمع" کہلاتا ہے۔ عبرانی میں اس کلمہ میں خدا کے لیے لفظ الوہیم آیا ہے۔ یہ لفظ صیغہ جمع میں ہے۔ اس کا واحد الوہ ہے۔ یہودی اپنے عقیدے اور تمام بول چال میں خدا کے لیے لفظ الوہیم ہی استعمال کرتے ہیں۔"

(قاموس الکتاب،ص:233)

جناب پادری صاحب بتائیں کہ جن کی کتاب تھی یعنی یہودی، ان کو تو ہزاروں سال میں یہ بات سمجھ نہ آئی کہ لفظ الوہیم میں تثلیث چھپی بیٹھی ہے اور پادری صاحب کے بزرگوں کو بھی 325 سال یہ بھید کو سمجھنے میں لگ گئے کہ لفظ ہم میں وحدت فی الکثرت موجود ہے، تو دنیا کیسے آپ کی یہ دیل تسلیم کرلے گی؟ اور یہ کہ یہودیوں کا کلمہ شمع، جس کا ایک فقرہ اوپر لکھا ہے، اس میں فرمایا گیا کہ خدا تعالیٰ "ایک ہی" خداوند ہے۔ کیا اس کا ترجمہ پادری صاحب کے مطابق یہ ہوگا کہ سن اے اسرائیل ہمارے **خداوند** ایک ہی خدا ہے؟ کیا اس سے بڑا تناقض بیان دنیا میں کوئی اور ہوسکتا ہے اور یہ کہ یہودیوں کو 1250 سال قبل مسیح سے لیکر آج تک اس فقرہ کا ترجمہ ہی سمجھ میں نہ آیا؟ حالانکہ بقول پادری یہودی اپنے عقیدے اور عام بول چال میں خدا کے لیے لفظ الوہیم (جمع) بھی استعمال کرتے ہیں اور نہ کسی یہودی نے آج تک اس صیغہ جمع سے جمع عددی اور تعددِ ذاتِ خداوندی مراد لیا۔ اس لیے تو عیسائی علماء خود اعتراف کرتے ہیں کہ "تثلیث مقدس کا نظریہ عہدنامہ قدیم میں نہیں سکھایا گیا۔ (کیتھولک انسائیکلوپیڈیا، ج:14،ص:306)

خدا تعالیٰ کے لیے جمع تعظیمی کا استعمال بالکل درست ہے کیونکہ وہ بادشاہوں کا بادشاہ ہوگا اور بادشاہ

اپنے لیے جمع تعظیمی کے صیغے بھی استعمال کرتے ہیں۔

متی 19:28

اس میں ہے "پس تم جا کر سب قوموں کو شاگرد بناؤ اور ان کو باپ اور بیٹے اور روح القدس کے نام سے بپتسمہ دو" پہلی بات تو یہ ہے کہ تینوں کا صرف ذکر ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ مساوی اور خدا ہیں۔ دوسری بات یہ کہ ان آیات کے لکھنے یا پڑھنے والوں نے تثلیث کا وہ عقیدہ رکھا، نہ اخذ کیا، نہ سمجھا اور نہ بیان کیا جو بعد میں کلیسا نے اختیار کیا اور اسے مسیحی ایمان کا مرکزی عقیدہ قرار دیا۔ تیسری بات یہ کہ یہی حکم یسوع علیہ السلام نے اپنی زمینی زندگی میں کیوں نہیں دیا؟ بقول عیسائیاں صلیب پر مرنے اور دفن ہو کر دوبارہ زندہ ہونے کے بعد یہ بات کیوں کہی؟ کیا اپنی زمینی زندگی میں بھی انہوں نے کسی ایک کو بھی روح القدس کے نام سے بپتسمہ دیا؟ یا ان تینوں کے نام سے؟ اگر نہیں دیا تو یہ تینوں کب یہ مرتبہ حاصل کر گئے کہ اب ان تینوں کے نام کا بپتسمہ دیا جائے؟

چوتھی بات یہ کہ یہ آیت ہے ہی الحاقی اور جعلی!

(1) A.S. Peake: Commentary on the Bible, P-723.

(2) Hasting: Dictionary of the Bible, P-1015, Encylopedia Britanica v-13, P-23)

بحوالہ ساجد میر، ص:168

ان عیسائی علماء نے لکھا "یہ بات بالکل واضح اور تمام آزاد (وغیر جانبدار) نقادوں کے نزدیک جانی پہچانی (حقیقت) ہے کہ تثلیث کے بپتسمہ والے فارمولا کی سند یسوع علیہ السلام تک نہیں پہنچتی۔"

متی 16:3-17 اور مرقس 10:1

متی میں لکھا ہے "اور یسوع بپتسمہ لے کر فی الفور پانی کے پاس سے اوپر گیا اور دیکھو اس کے لیے آسمان کھل گیا اور اس نے خدا کے روح کو کبوتر کی مانند اترتے اور اپنے اوپر آتے دیکھا اور دیکھو آسمان سے یہ آواز آئی کہ یہ میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں۔ (متی 16:3-17)

مرقس میں ہے "اور جب وہ پانی سے نکل کر اوپر آیا تو فی الفور اس نے آسمان کو پھٹتے اور روح کو کبوتر کی مانند اپنے اوپر آتے دیکھا۔ اور آسمان سے آواز آئی کہ تو میرا پیارا بیٹا ہے، تجھ سے میں خوش ہوں۔"

(مرقس 10:1-11)

اگر یہ دونوں آیات درست مانیں تو عیسائیت کی بنیاد تثلیث ختم ہو جاتی ہے۔ وہ ایسے کہ عیسائی بیک

وقت الگ الگ تین خدا نہیں مانتے بلکہ وحدت فی الکثرت اور کثرت فی الوحدت ہے۔ مگر ان آیات میں بیک وقت تین وجود الگ الگ ثابت ہو رہے ہیں۔ ایک یسوع جو بپتسمہ لے کر پانی سے باہر آئے، دوسرے روح جو آسمان سے نازل ہو رہا تھا اور تیسرا وہ جس کی آواز آسمان سے آئی۔ ہماری رائے میں ان آیات میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر نزول وحی اور بیٹے سے مراد بندہ ہے۔ خدا نے بذریعہ وحی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی رضامندی عطا کی۔ اگر عیسائی حضرات تثلیث ہی پر زور دیں تو عرض ہے کہ یہ آیات تو نئے عہد نامہ میں صدیوں سے موجود تھیں مگر نقایہ کی مجلس سے پہلے کیا سارے لوگ بیوقوف تھے جن کو ان کی سمجھ ہی نہ آئی؟

باپ اور بیٹے کے الفاظ کا صحیح ترجمہ

یوں تو بائبل میں بیٹے کے الفاظ بہت سے لوگوں کے لیے آتے ہیں مگر یہاں لغوی معنوں کی بحث ہے خدا تعالیٰ کے لیے بائبل کے جس لفظ کا ترجمہ باپ (فادر) کیا گیا وہ عربی لفظ رب کے مترادف ہے جس کے معنی مالک و پروردگار ہیں اور اس کے معنوں میں خالق و باری بھی شامل ہیں۔

(J.P Boyd: Dictionary of the Bible,P-37 بحوالہ ساجد میر، ص160)

اسی طرح جن الفاظ کا ترجمہ خدا کا بیٹا کیا گیا ان میں دو یونانی الفاظ شامل ہیں جن کا ترجمہ لڑکا (Boy) اور خادم (Servant) ہے۔ اور وہ عربی لفظ غلام یا جوان (فتیٰ) کے ہم معنی ہیں۔ (Thoms Green: A Greek-English Lexicon, P-134) چونکہ خادم کو لڑکا یا بیٹا بھی کہہ دیتے ہیں اس لیے بعض تراجم میں ان الفاظ کو خادم (Servant) لکھا گیا اور بعض میں بیٹا (Son) مثال کے طور پر اعمال 13:3 میں پروٹسٹنٹ اور کیتھولک اردو بائبل میں خادم یسوع لکھا ہے، انگریزی ترجم RSV ص:114 پر اور گڈ نیوز بائبل، ص:153 پر Servant Jesus کے الفاظ ہیں۔ RSV میں لفظ Servant پر حاشیہ C کے تحت لکھا ہے "Child" یعنی اس لفظ کا معنی ابن تو بالکل نہیں البتہ خادم اور لڑکا ہو سکتا ہے۔ مگر KJV ص:531 پر اسی لفظ کا ترجمہ Son Jesus لکھا ہے۔ اگر بائبل کا ترجمہ ہی یہ لوگ صحیح کر لیتے اور رب اور بندے کے الفاظ لکھتے تو شرکِ عظیم سے بچ جاتے جبکہ الفاظ میں گنجائش بھی تھی۔

تثلیث کے حق میں عقلی دلائل

مشہور عیسائی متکلم آگسٹائن (م 430ء) اور اس کے خوشہ چینوں نے تثلیث کو ثابت کرنے کے لیے جو عقلی دلائل پیش کیئے ہیں وہ بھی مذکورہ نقلی دلائل کی طرح انتہائی بودے اور کمزور ہیں۔ اس نے تثلیث کو

مثالوں سے واضح کرنے کی کوشش کی مگر یا تو وہ ایک کل کے تین اجزاء کی مثالیں دیتا ہے یا ایک ہی وجود کی تین مختلف حیثیتوں کی۔

ایک کل کے تین اجزاء کی مثالیں:

(1) انسان: گوشت، خون، ہڈی　　(2) فنکار: فطرت، مہارت، مشق

(3) سورج: سورج، روشنی، گرمی　　(4) درخت: جڑ، شاخیں، پھل

ایک ہی وجود کی تین مختلف حیثیتیں اور اس کی مثال:

(1) دماغ: جیسے دماغ اپنے وجود کا علم رکھنے کے لحاظ سے عالم بھی ہے، معلوم بھی اور آلہ علم بھی

(2) شخص: اس کا وجود، اس کے وجود کا علم اور علم سے اسکی محبت۔

یہ مثالیں اس لیے کام نہیں دیتیں کہ عیسائی عقیدہ کے مطابق اقانیم ثلاثہ نہ تو ایک وحدت کے اجزاء ہیں، نہ ایک وجود کی مختلف حیثیتیں اور نہ ایک وجود کی مختلف صفات بلکہ تینوں الگ، مستقل اور حقیقی وجود رکھتے ہیں۔ اسی لیے تو آگسٹائن اور دوسرے عیسائی مفکرین نے کہا کہ جو باپ ہے وہ بیٹا نہیں، جو بیٹا ہے وہ باپ نہیں اور روح القدس نہ باپ نہ بیٹا (برٹانیکا جلد نمبر 13 ص:22-23 بحوالہ ساجد میر ص:168-169) اور جسٹن حضرت عیسیٰ کو ایک اور خدا قرار دیتے ہیں۔ اس کے بارے میں ایک مصنف لکھتا ہے "ان الفاظ سے اس کی مراد ارادہ کے لحاظ سے نہیں بلکہ تعداد کے لحاظ سے دوسرا خدا ہے

(Henry Chadwick, The Early Church, P-86۔ بحوالہ ساجد میر ص:94-95)

اپنی مشکلات پر قابو پانے کے لیے عیسائی عالم ہتھیار ڈالتے ہوئے کہتا ہے "عیسائی عقیدہ کہ خدا تین اقانیم (شخصیتیں) اور ایک اصل رکھتا ہے، منطق یا بائبل کے دلائل سے ثابت نہیں کیا جا سکتا

(برٹانیکا، ج:13، ص:22-23)

تثلیث کا ردّ

سب سے پہلے واضح ہو کہ

1۔ عقیدہ تثلیث پر کوئی عقلی دلیل نہیں جیسا کہ برٹانیکا جلد نمبر (ج:13، ص:22-23) کے حوالہ سے اوپر گزرا۔ پادری فانڈر نے بھی میزان الحق میں یہی لکھا ہے کہ "یہ سچ ہے کہ اس تعلیم میں ایک سربستہ راز ہے۔　(میزان الحق، ص:223۔ ایڈیشن:1962ء)

2۔ عیسائی لوگ تینوں اقانیم میں امتیازِ حقیقی مانتے ہیں اور تثلیث وتوحید کو ذاتِ خدا میں حقیقی جانتے ہیں جیسا کہ آگسٹائن کے حوالہ سے اوپر گزرا (برٹانیکا جلد نمبر 13، ص:22-23) فانڈر لکھتا ہے کہ تینوں کا امتیاز حقیقی ہے جو دوسروں میں منتقل نہیں ہوسکتا (میزان الحق، ص:222) وہ لوگ 1=3 اور 3=1 کا عقیدہ رکھتے ہیں مگر 1=4 اور 4=1 کو ناممکن سمجھتے ہیں۔

3۔ تین کبھی ایک نہیں ہوسکتے کیونکہ مختلف اعداد ایک دوسرے کی ضد ہیں لہٰذا کسی ایک چیز پر ایک زمانہ میں ایک ہی پہلو سے مختلف اعداد کا صادق آنا ناممکن ہے۔ مثلاً یہ نہیں کہہ سکتے کہ فلاں موجود چیز ایک بھی ہے اور دو بھی ہے یا ایک بھی ہے اور تین بھی ہے۔ اگر ایسا کہیں تو اجتماع ضدین لازم آتا ہے جو کہ ناممکن ہے۔ لوتھر بھی یہی کہتا ہے کہ ریاضی بدیہات میں سے ہے اور اس کے خلاف درست نہیں (تحقیق بائبل، ص:27) ڈاکٹر ڈاڈز) مثلاً کوئی بیک وقت گھوڑا اور انسان نہیں ہوسکتا۔

4۔ محالِ عقلی ناممکن الوجود ہے۔ مثلاً اجتماع نقیضین یعنی حقیقی متناقض چیزوں کا ایک جگہ جمع ہونا مثلاً کوئی بیک وقت انسان بھی ہو اور گھوڑا بھی۔ ارتفاع نقیضین حقیقی یا کسی عدد کا بیک وقت طاق اور جفت ہونا، کسی شے کا اپنی ذات پر مقدم ہونا، وحدت اور کثرت کا حقیقی اجتماع، نور وظلمت، سیاہی وسفیدی، ٹھنڈک اور گرمی، سکون وحرکت وغیرہ کا ایک مادہ شخصی میں ایک زمانہ میں ایک ہی پہلو سے جمع ہونا ہر عقل مند کے نزدیک واضح طور پر ناممکن ہے۔

5۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے خدا ہونے کی حقیقت عیسائی حضرات کو معلوم نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا کا جسم میں ظاہر ہونا ایک بھید ہے جو سمجھ میں آنے والا نہیں۔ یسوع کی شخصیت میں الٰہی زور اور انسانی کمزوری دونوں باہم وابستہ ہیں۔ ہم اس راز کو حل نہیں کرسکتے۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کتاب مسیحی علمِ الٰہی کی تعلیم، رسولوں کے نقشِ قدم پر، قاموس الکتاب وغیرہ۔ ان کے علماء اس بات کا بھی اعتراف کرتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے خدا ہونے کی کیفیت انجیل میں بھی بیان نہیں ہوئی۔

6۔ پہلے انبیائے کرام علیہم السلام نے تثلیث کی دعوت نہیں دی۔ اگر اس مسئلہ پر نجات کا دارومدار تھا تو اس کا ذکر پرانے انبیائے کرام علیہم السلام سے متواتر ہونا چاہیے تھا۔ اسی لیے یہود کو ڈیڑھ ہزار سال تک خبر نہ ہوئی کہ تثلیث فی التوحید ذاتِ خدا میں ہے اور نہ وہ اب جانتے ہیں اور اسے محال وکفر کہتے ہیں (قاموس الکتاب، ص:233)

سے معروسہ نہیں صلا

7۔ عقیدہ تثلیث حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم نہیں۔ انہوں نے پوری زندگی کبھی واضح طور پر نہ کہا کہ میں خدا

ہوں اور تین میں سے ایک ہوں۔ اگر تثلیث نام کی کوئی چیز تھی تو آپ علیہ السلام واضح طور پر بیان کرتے۔ اور عیسائیوں کو یہ نہ کہنا پڑتا کہ یہ لفظ بائبل میں کہیں نہیں آیا اور سب سے پہلے طرطولین نے دوسری صدی میں استعمال کیا۔ (قاموس الکتاب، ص:233)

8۔ تثلیث عیسائیوں کا اختلافی عقیدہ ہے۔ ان کا اختلاف اتنا بڑھا کہ 325ء میں نقایہ کی کونسل اور 381ء میں قسطنطنیہ کی کونسل بلانا پڑی، تب جا کر تثلیث مکمل ہوئی۔ بعد میں بھی انکے کئی فرقے اس کا انکار کرتے رہے مثلاً یونی ٹیرین وغیرہ۔

9۔ یہ ایک گستاخانہ عقیدہ ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ جس طرح مسیح علیہ السلام ہمارے لیے مرا اور دفن ہوا اسی طرح یہ عقیدہ بھی ہے کہ وہ جہنم میں گیا (1۔ پطرس 19:3) مزید تفصیل کے لیے احسن الاحادیث، ص:95-95 مصنفہ مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ ملاحظہ ہو۔

10۔ جو مفہوم ذہن میں آئے عقلی طور پر تین اقسام میں منحصر ہے۔ ایک واجب الوجود بالذات، دو ممتنع الوجود بالذات، سوم ممکن الوجود، واجب الوجود وہ ہے جسکا وجود لازمی ہو جیسے اللہ تعالیٰ۔ ممتنع الوجود بالذات وہ ہے جسکا وجود ناممکن ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا شریک۔ اور ممکن الوجود وہ ہے جس کا وجود اور عدم دونوں ممکن ہوں جیسے تمام مخلوقات ہے۔ خارجی دلائل و مسائل سے قطع نظر، عقل سلیم ہی تقاضا کرتی ہے کہ خدائے تعالیٰ ہمیشہ سے ہو اور ہمیشہ رہے، اس کا کوئی شریک نہ ہو، باقی مخلوق کبھی وجود میں آتی ہے اور کبھی پردہ عدم میں چلی جاتی ہے۔

تثلیث کا عقلی ردّ

اگر تثلیث کے تینوں اقانیم واجب الوجود ہیں تو پھر تین الگ الگ خدا ہوئے، توحید ختم ہوگئی، مگر عیسائی کہتے ہیں کہ ہم مشرک نہیں توحید کو مانتے ہیں، مثلاً فانڈر نے لکھا کہ ہم نے کبھی تین خدا نہیں مانے بلکہ ایک خدا پر ایمان رکھتے ہیں نہ کہ تین خداؤں پر (میزان الحق، ص:220) اگر تینوں میں سے ایک واجب الوجود ہے اور باقی نہیں تو پھر تینوں مساوی نہ ٹھہرے۔ اگر تثلیث تین خداؤں سے مل کر بنی ہے تو مرکب ہوئی۔ اور مرکب اپنے اجزاء کا محتاج ہوتا ہے اور محتاج خدا ہونے کے لائق نہیں۔ دوسرے یہ کہ مرکب حادث اور فانی ہوتا ہے لہٰذا قدیم نہ ہوگا۔ اگر خدا تین اقانیم سے مرکب ہو اور بیٹے کا اقنوم اس مرکب سے الگ ہو کر دنیا میں زندگی گزارے تو باقی دونوں افراد بے کار ہو جائیں گے۔ اس سے ذاتِ خدا کا ناقص،

معزول اور معطل ہونا لازم آتا ہے۔

اگر تینوں اقانیم کو صفات مانا جائے جیسا کہ قاموس الکتاب، ص: 234 پر لکھا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ صفات کسی موصوف میں پائی جاتی ہیں اور موصوف صفات سے پہلے موجود ہوتا ہے۔ چونکہ یہ تینوں خدائے واحد کی صفات ہیں لہٰذا تثلیث کی بجائے توحید ہی ثابت ہوتی ہے۔

عیسائی حضرات یہ بھی بتائیں کہ اقنوم ابن کے وجود کی جسمانی ظہور سے پہلے کیا کیفیت تھی؟ اگر بطور صفتِ خدا موجود تھے تو خدا تعالیٰ کی باقی صفات کو معبود کیوں نہیں بنایا؟ اگر فرشتہ کی شکل میں تھے تو محدود جسم والا خدا کیسے بن سکتا ہے؟

اگر بیٹا باپ سے صادر ہوا، جیسا کہ ان کا عقیدہ ہے اور روح القدس باپ بیٹے دونوں سے صادر ہوا۔ تو پھر تینوں میں سے دو ازلی نہیں ہوں گے اور نہ تینوں کا جلال برابر ہوگا، کیونکہ دونوں کی علت باپ ہے چاہے صدور بطور ولادت ہو یا بطور ایجاد ہو۔

اسی طرح ان کے عقیدہ کے مطابق، بیٹا باپ کی مثل نہیں کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام کا قول ہے کہ میں باپ کے سبب سے زندہ ہوں (یوحنا 57:6) قیامت کے وقت سے لاعلمی کا اظہار کیا (مرقس 32:13) دائیں بائیں بٹھانے یعنی بخشنے بخشانے کا کام باپ کا ہے (متی 23:20) اگر عدالت کا کام بیٹے کے سپرد ہے جیسا کہ (یوحنا 22:5) میں لکھا ہے تو پھر ایک کا مصروف کار رہنا اور دوسرے کا معطل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ جب بیٹا صلیب پر جان دے کر تین دن رات قبر میں دفن رہا تو اس وقت کیا سارا جہاں خدا سے محروم رہا؟ پھر جب وہ زندہ ہو کر آسمان پر باپ کے دائیں ہاتھ بیٹھ گئے (مرقس 19:16) تو کیا کوئی اپنے ہی دائیں ہاتھ بیٹھ سکتا ہے؟ جب وہ ایلی ایلی پکار رہے تھے تو کیا خود اپنے آپ کو پکار رہے تھے کہ میں میں تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا (متی 46:27) اگر خدا کی صفت علم وکلام اور حیات اقنوم بن سکتی ہیں تو باقی صفات مثلاً ازلیت، ابدیت، سمع، پھر کیوں اقانیم نہیں بن سکتیں؟ عیسائیوں کو چاہیے تھا کہ وہ خدا تعالیٰ کی ہر صفتِ کمال کے مقابلہ میں ایک اقنوم قرار دیتے۔ عیسائی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے تثلیث نکالتے ہیں جبکہ کوئی مسلمان آج تک یہ مطلب نہ سمجھا۔ رحمٰن ورحیم خدا تعالیٰ کی صفات ہیں جیسے اور صفات ہیں یہ اقانیم نہیں۔ تثلیث کھلا شرک ہے۔ جس کی سزا تورات میں یوں مکمل ہے ''اگر تیرے درمیان کوئی نبی یا خواب دیکھنے والا ظاہر ہو اور تجھ کو کسی نشان یا عجیب بات کی خبر دے...... اور وہ تجھ سے کہے کہ آ ہم اور معبودوں کی جن سے تو واقف نہیں پیروی کر کے انکی پوجا کریں۔ تو تُو ہرگز اس نبی یا خواب دیکھنے والے کی بات کو نہ سننا...... وہ نبی یا خواب

دیکھنے والا قتل کیا جائے...... یوں تُو اپنے بیچ میں سے ایسی بدی کو دور کر دینا (استثنا 13:1 تا 5) چونکہ تثلیث میں ایسے معبودوں کی پوجا کی دعوت ہے جن میں سے دو کو بطور معبود ہم نہیں جانتے نہ یہودی جانتے ہیں، لہٰذا یہ کھلا شرک اور ارتداد ہے۔ جناب مسیح علیہ السلام نے عروج آسمانی تک کہیں صاف لفظوں میں نہیں فرمایا کہ میں خدا ہوں یا روح القدس خدا ہے بلکہ انہوں نے توحید کی دعوت دی اور خود کو نیک کہلوانے سے بھی انکار کیا (مرقس 18:10، لوقا 19:18) تو جو اپنے حق میں نیک GOD کا لفظ سننا بھی گوارہ نہیں فرماتے وہ خود کو GOD کہلوانا کیسے پسند فرمائیں گے؟ بائبل میں لفظ خدا اور کلمہ الٰہ کا اطلاق غیر اللہ پر بہت جگہ ہے جس کا بیان الگ باب میں ہے۔

تثلیث کا عقیدہ عقل کے واضح طور پر خلاف ہے کہ پادری رانگین لاچار ہو کر لکھ گیا ''اگر کوئی کہے کہ ہم اس بات کو یعنی توحید اور تثلیث کو سمجھ نہیں سکتے تو میں بھی اقرار کرتا ہوں کہ میری سمجھ میں بھی نہیں آتا۔''

(دافع البہتان بحوالہ احسن الاحادیث، ص:97)

فلسفہ کی رو سے عقیدہ تثلیث کا ردّ

اللہ تعالیٰ حدود و قیود سے پاک ہے اور بائبل سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰ کا ارشاد ہے ''تم نے اس دن جب خداوند نے آگ میں سے ہو کر حورب میں تم سے کلام کیا کسی طرح کی کوئی صورت نہیں دیکھی۔ (استثنا 15:4)

دوسرے یہ کہ خدا تعالیٰ کا شریک ناممکن ہے، تورات میں بھی خدا تعالیٰ کا فرمان ہے کہ کوئی خدا میرا شریک نہیں (استثنا 39:32, RSV-P-186) گڈ نیوز بائبل میں اس آیت کے تحت یوں لکھا ہے I and I Alone, Am God,No Other God in real (ص:204) کنگ جیمز ورژن میں یوں ہے۔ There is no God with me (ص:115)

جیولنگ ترجمہ میں ہے ''میرے سوا کوئی اور خدا نہیں (ص:279) فارسی ترجمہ یوں ہے ''غیر از من خدائی دیگرے وجود ندارد (ص:240) اس آیت میں فرمایا کہ میں ہی مار ڈالتا اور میں ہی جلاتا ہوں میں ہی زخمی کرتا اور میں ہی چنگا کرتا ہوں اور کوئی نہیں جو میرے ہاتھ سے چھڑائے۔'' اسی طرح یسعیاہ میں فرمایا کہ توحید کا عقیدہ پرانے دور سے چلا آ رہا ہے ''پہلی باتوں کو جو قدیم سے ہیں یاد کرو کہ میں خدا ہوں اور کوئی دوسرا نہیں۔ میں خدا ہوں اور مجھ سا کوئی نہیں (یسعیاہ 9:46) اسی میں دوسری جگہ فرمایا ''میں ہی اول اور میں

ہی آخر ہوں اور میرے سوا کوئی خدا نہیں۔ (یسعیاہ:6:44)

تیسری بات یہ کہ جملہ موجودات اسکی محتاج ہیں جیسا کہ خود فرمایا" تا کہ مشرق سے مغرب تک لوگ جان لیں کہ میرے سوا کوئی نہیں۔ میں ہی خداوند ہوں میرے سوا کوئی دوسرا نہیں۔ میں ہی روشنی کا موجد اور تاریکی کا خالق ہوں۔ میں سلامتی اور بلا کو پیدا کرنے والا ہوں۔ میں ہی خداوند یہ سب کچھ کرنے والا ہوں (یسعیاہ:6:45-7)تخلیق کائنات کا بیان پیدائش 1:1 تا 31 میں ہے۔وہاں بھی صرف ایک خدا کا خالق ہونا ثابت ہے۔

لہٰذا یسوع کے وسیلہ سے کائنات کے پیدا ہونے کا عقیدہ قطعاً بے بنیاد ہے۔اگر خدا یسوع کی صفات کا حامل ہوتا ہے تو ہندوؤں کے دیوتا اور مجوسیوں کے نفوس کو کبیہ وعقولِ عشرہ کیوں خدا نہیں ہو سکتے؟ جناب یسوع کا بن باپ ہونا، مردہ زندہ کرنا، بیماروں کو شفا دینا، تھوڑے کھانے کا بہت سے آدمیوں کے لیے کافی ہو جانا، پانی پر چلنا، کلمہ ہونا، روح ہونا اگر خدا ہونے کی دلیل ہے تو پھر بہت سے انبیاء خدا ہیں۔اس کی وضاحت الگ باب میں ہے۔

تثلیث اور دوسرے عیسائی عقائد پر فیصلہ کن تبصرہ

عیسائی عالم آرتھر اپنی تفسیر بائبل میں لکھتا ہے" اگر آپ خود کو پہلی صدی کے فلسطین میں تصور کریں اور بارہ میں سے کسی حواری سے تثلیث کے متعلق پوچھیں تو وہ ہکا بکا رہ جائے گا۔اگر آپ کنواری کے بطن سے پیدائش کے متعلق پوچھیں گے تو شاید جواب ملے گا" کونسی والی؟" عہد نامہ جدید کے کلیسیا کے پاک عقائد کی جانب رجعت کا دعوٰی کرنے والے سینکڑوں چھوٹے بنیاد پرست عیسائی فرقے عموماً بھول جاتے ہیں کہ عیسائی الٰہیات کے بنیادی اصول کافی بعد میں بنے۔کچھ صورتوں میں تو خود عہد نامہ جدید میں تحریف بھی کی گئی ہے مثلاً متی کی انجیل (19:28) میں "انھیں باپ، بیٹے اور روح القدس کے نام پر بپتسمہ دو۔"

(خفیہ مذہبی تحریکیں، مصنفہ ڈیوڈ وی بیریٹ، ترجمہ یاسر جواد، ص:150-206)

(Arthur S-Peake, A Commentary on The Bible P-723)

بت پرستوں کی تثلیث اور مشرکانہ رسوم عیسائی مذہب میں یعنی تاریخ تثلیث

تثلیث پہلے مشرکین سے چلی آ رہی ہے، جس کی مثالیں مندرجہ ذیل ہیں۔

یونان:۔ ارسطو کے بقول علت اولیٰ + عقل اوّل + روح اعظم کی تثلیث جس نے دنیا کو بنایا ہے۔

مصر:۔ اس کے ہر مندر میں ترموتی ہوتی تھی، جس کے تین دیوتاؤں میں سے ایک خاوند + بیوی + بیٹا ہوتا تھا۔ (تاریخ مذہب 1909ء ص:82، شائع کردہ پنجاب ریلجس بک سوسائٹی لاہور)

اسیریا اور بابل:۔ خاوند + بیوی + بیٹا جن کے نام نا + ای آ + ملیح تھے۔

(مشرق کی نابود شدہ تہذیب ص:12 شائع کردہ ایضاً)

ترموتی (تثلیث) میں بیٹا اپنے باپ کا جانشین سمجھا جاتا تھا اور اپنی ہی ماں سے شادی کرتا تھا اور اپنے ہی جانشین کی حیثیت سے پھر پیدا ہوتا تھا، مگر ہمیشہ زندہ رہتا تھا۔ اس کی ماں بھی فوت نہ ہوتی تھی۔

(تاریخ مذہب، ص:82 ایضاً)

ان قدیم افسانوں پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب دیوتا اپالو وغیرہ 25 دسمبر یا اس کے قریب کسی تاریخ کو کنواری عورتوں سے پیدا ہوئے تھے اور ان سب نے اپنے خون سے ہی دنیا والوں پر اپنا فضل نازل کیا۔ بن سلی پوشاک سورج دیوتا کا لباس تھا۔ ہرکلیس دیوتا کا تاج کانٹوں کا تھا۔ سرکہ یا کسی چیز کا شراب میں ملا کر پینا بھی دیوتاؤں کے قصوں سے ماخوذ ہے۔ جو کہ صلیبی افسانہ میں شامل کر دیئے گئے۔

ڈریپر کی کتاب معرکہ مذہب وسائنس (ترجمہ مولانا ظفر علی خاں رحمۃ اللہ علیہ) میں لکھا ہے کہ 429ء قبل مسیح میں افلاطون کی والدہ کی منگنی اریس سے ہوئی مگر ملاپ سے پہلے ہی وہ اپالو (سورج دیوتا) سے حاملہ ہوگئی۔ یہی وجہ ہے کہ افلاطون کے شاگرد اس کو خدا کا بیٹا تسلیم کرتے ہیں۔ اسی طرح یونان کے بکاس دیوتا کی ماں سمیلی پیٹر دیوتا سے حاملہ ہوئی۔ شہر رومہ کے بانی روموس کی ماں بھی کنواری ہی تھی اور رومیوں کو خدا کا بیٹا کہا جاتا ہے۔

فیثا غورث 575 قبل مسیح بھی بن باپ کے تھا اور یونان میں خدا کا بیٹا کہلاتا تھا۔

غرض یہ کہ یہ تثلیث، ابن اللہ، کفارہ وغیرہ سب کچھ مسیح علیہ السلام سے پہلے یونان ومصر کے فلاسفروں اور ریفارمروں کی طرف منسوب ہو چکا تھا، جن کی نقل پولوس نے مسیح پر چسپاں کر دی۔ اگرچہ یہ تحقیقات آج سے 200 سال پہلے ہوئی ہیں، مگر خدا تعالیٰ نے اپنے خلیل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر 1400 سال پہلے یہ نازل فرمادیا کہ "یہ سابقہ کفار کی بات نقل کر رہے ہیں۔ اللہ ان کو ہلاک کرے، یہ کہاں سے الٹے پھیرے جاتے ہیں۔ (توبہ 30:9)

یسوع کی موت کے واقعات کہاں سے اخذ کئے

اناجیل میں پیدائش مسیح کے ساتھ ساتھ صلیب یا وفات مسیح علیہ السلام کے واقعات بھی پولوس اور عیسائیوں نے بابل (موجودہ عراق) کے بت پرستوں کے عقائد سے اخذ کئے۔ یہ یاد رہے کہ پولوس عرب میں لمبی مدت تک رہا۔ (گلتیوں، 17:1)

یہ سب واقعات بعل دیوتا کی موت سے اخذ کئے گئے۔

عیسائی رسالہ کوسٹ نے 1923ء میں ان واقعات کا تقابل پیش کیا تھا، جو کہ مندرجہ ذیل ہے:۔

بحوالہ

(Review of Piligions ستمبر 1923ء مندرجہ اسلام اور عیسائیت، ص:55 تا 57)

	بعل دیوتا	مسیح علیہ السلام
1-	بعل کو قید کیا گیا۔	آپ علیہ السلام کو بھی قید کیا گیا۔ (متی 2/27)
2-	بعل پر House on The Mount کی عدالت میں مقدمہ چلایا گیا۔	مسیح علیہ السلام پر House of High Priest کی عدالت میں مقدمہ چلایا گیا۔ (متی 57:26 تا 68)
3-	بعل پر تھوکا گیا اور اسے زخمی کیا گیا۔	مسیح علیہ السلام پر بھی تھوکا گیا۔ اس پر لعنت کی گئی۔ (متی 30:27)
4-	بعل کے ساتھ ایک مجرم کو بھی لے جایا گیا اور اسے سزائے موت دی گئی اور ایک مجرم کو چھوڑ دیا گیا۔	مسیح علیہ السلام کے ساتھ دو مجرموں کو لے جایا گیا اور ایک مجرم برابا کو چھوڑ دیا گیا۔ (متی 26:27)

-5	بعل کو پہاڑ پر لے جانے کے بعد شہر میں طوفان مچ گیا اور قتل و غارت ہونے لگی۔	یسوع کے مرنے کے بعد معبد کا پردہ پھٹ گیا، زمین لرزی، چٹانیں لڑھکیں، قبریں کھل گئیں، مردے شہر میں پھیل گئے۔ (متی 27:50-51۔ مرقس 15:38)
-6	بعل کے کپڑے اتارے گئے	مسیح علیہ السلام کے کپڑے اتارے گئے اور تقسیم کئے گئے۔ (متی 27:35۔ یوحنا 19:23)
-7	بعل کے دل پر برچھا مارا گیا۔ ایک عورت نے خون کو صاف کیا۔	مسیح علیہ السلام کے پہلو میں برچھا مارا گیا۔ (یوحنا 19:34)
-8	بعل ایک پہاڑ کے اندر چلا گیا جہاں سورج اور روشنی نہیں جاتی۔	مسیح علیہ السلام ایک چٹانی قبر میں مردوں کے عالم میں چلا گیا۔ (متی 27:60)
-9	بعل کی قبر پر محافظ پہرہ دیتے ہیں۔	مسیح علیہ السلام کی قبر پر محافظ پہرہ دیتے ہیں۔ (متی 27:66)
-10	ایک دیوی بعل کی قبر کے ساتھ آ کر بیٹھتی اور نگہبانی کرتی ہے۔	مریم نام کی دو عورتیں مسیح علیہ السلام کی قبر کے سامنے بیٹھ جاتی ہیں۔ (متی 27:61۔ مرقس 15:46)
-11	ایک عورت روتی ہوئی بہت سے لوگوں کے ساتھ بعل کو ڈھونڈتی ہوئی اے میرے بھائی اے میرے بھائی کی آوازیں دیتی ہے۔ بعل پھر زندہ ہو جاتا ہے اور پہاڑ سے باہر آتا ہے۔	مریم مگدلینی قبر کے باہر کھڑی روتی ہے۔ یسوع زندہ ہو کر قبر سے باہر آ جاتا ہے۔ (یوحنا 20:11 تا 14)
-12	بعل کے جی اٹھنے کی تقریب بابل کے بت پرست موسم بہار میں مناتے تھے۔	مسیح علیہ السلام کے جی اٹھنے کی تقریب بھی موسم بہار میں منائی جاتی ہے۔ (قاموس الکتاب، ص 108)

قسطنطین مشرک نے عیسائی مذہب اختیار کر کے بت پرستی کے رسوم داخل کئے۔ یہودی شریعت میں ہفتہ عبادت کا دن تھا۔ سورج دیوتا کی پوجا اتوار کو ہوتی تھی۔ لہٰذا اس نے اتوار مقرر کر دیا۔ گرجوں کا رخ مشرق کی طرف رکھا کیونکہ سورج مشرق سے نکلتا ہے۔ قربان گاہ کا رخ بھی مشرق کی طرف ہوتا ہے۔

نوید ختم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارہ میں بائبل کی پیش گوئیاں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''میری رحمت ہر چیز کو عام ہے۔ سو میں اس کو ان لوگوں کے لیے لکھ رکھوں گا جو تقویٰ اختیار کریں گے اور زکواۃ دیتے رہیں گے اور جو ہماری آیات پر ایمان لائیں گے، جو پیروی کریں گے، اس نبی امّی رسول کی جسے وہ اپنے ہاں تورات وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ (اعراف 157,156:7)

1۔ قوموں کی طرف رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اس مفہوم کی پیش گوئی تورات کے حوالہ سے بخاری روایت 4838 تفسیر سورۂ فتح میں موجود ہے۔

یسعیاہ 1:42 تا 4 میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارہ میں پیشگوئی یوں درج ہے ''دیکھو میرا خادم جس کو میں سنبھالتا ہوں۔ میرا برگزیدہ جس سے میرا دل خوش ہے۔ میں نے اپنی روح اس پر ڈالی۔ وہ قوموں میں عدالت جاری کرے گا۔ وہ نہ چلائے گا اور نہ شور کریگا اور نہ بازاروں میں اسکی آواز سنائی دے گی۔ وہ مسلے سرکنڈے کو نہ توڑے گا اور ٹمٹماتی بتی کو نہ بجھائے گا۔ وہ راستی سے عدالت کرے گا۔ وہ ماندہ نہ ہوگا اور ہمت نہ ہارے گا جب تک عدالت کو زمین پر قائم نہ کرلے۔ جزیرے اس کی شریعت کا انتظار کریں گے۔''

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام یہودیوں یعنی بنی اسرائیل کے رسول تھے جیسا کہ آپ علیہ السلام نے خود فرمایا ''میں اس اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا'' (متی 24:15) یہ بات صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صادق آتی ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''اے انسانو! میں تم سب کی طرف رسول ہوں'' (اعراف 157:7) جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبلیغ شروع کی تو سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کا آسرا نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد صرف خدا تعالیٰ نے کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برگزیدہ (مصطفیٰ) تھے۔ جس سے میرا دل خوش ہے کا ثبوت سورہ فتح کی آیات بابت رضائے تامہ (ہمیشہ کے لیے رضامندی) ہیں (فتح 1:48 تا 3) اور دین اسلام سے خدا تعالیٰ خوش ہے جیسا کہ فرمایا: رضیت لکم الا سلام دینا (مائدہ 2:5) روح القدس قرآن

لے کر آئے (نحل 102:16) خدا تعالیٰ کی تائید ہر وقت حاصل رہی جیسا کہ فرمایا "تم تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہو" (طور 48:52) آپ ﷺ کے اخلاق کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا "اور تمھارے اخلاق بڑے عالی ہیں (قلم 4:68) آپ ﷺ آہستہ آواز سے کلام فرماتے، نہ چلاتے، نہ شور کرتے اور نہ بازاروں میں آپ ﷺ کی آواز سنائی دیتی۔ آپ ﷺ کمزوروں کو دبانے کی بجائے ان پر شفقت فرماتے۔ آپ ﷺ نے مدینہ میں حکومت قائم ہونے کے بعد جو عدالت فرمائی، وہ انصاف کی عدالت تھی جس کا انصاف دیکھ کر کئی غیر مسلم ایمان لے آئے۔ آپ ﷺ نے ابتدا میں بے سروسامان ہونے کے باوجود ہمت نہ ہاری اور خدا کا دین تمام عرب میں قائم کر دیا اور آپ ﷺ کے بعد، آپ ﷺ کے ماننے والوں نے پوری دنیا میں دین پھیلا دیا۔ آج بھی دنیا کے جزیروں تک مسلمان پھیلے ہوئے ہیں اور آپ ﷺ کی شریعت وہاں تک پہنچی۔ یہ ساری پیش گوئی صرف حضور ﷺ پر صادق آئی کیونکہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو قوموں میں عدالت کرنے کا موقع نہ ملا۔ پہلی آیت میں لفظ خادم ہے جس کے مصداق حضرت یسوع نہیں ہو سکتے کیونکہ عیسائی ان کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں۔

2۔ عہدِ خدا

سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے خدا تعالیٰ نے فرمایا "اور میں اپنے اور تیرے درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان انکی سب پشتوں کے لیے اپنا عہد جو ابدی عہد ہو گا باندھوں گا تا کہ میں تیرا اور تیرے بعد تیری نسل کا خدا رہوں...... پھر خدا نے ابرہام سے کہا کہ تو میرے عہد کو ماننا اور تیرے بعد تیری نسل پشت در پشت اسے مانے۔ اور میرا عہد جو میرے اور تیرے درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان ہے اور جسے تم مانو گے سو یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک فرزند نرینہ کا ختنہ کیا جائے...... یہ اس عہد کا نشان ہو گا جو میرے اور تمھارے درمیان ہے...... (پیدائش 7:16 تا 11) اور اسماعیل کے حق میں بھی میں نے تیری دعا سنی۔ دیکھ میں اسے برکت دوں گا اور اسے برومند اور اسے بہت بڑھاؤں گا اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اسے بڑی قوم بناؤں گا" (پیدائش 20:17) یہ یاد رہے کہ سیدنا اسحاق علیہ السلام کے لیے بھی برکت کی پیش گوئی کی تھی (پیدائش 16:17) خدا اس لڑکے کے ساتھ تھا (پیدائش 20:21) (یعنی سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ) حضرت حاجرہ علیہا السلام کو فرشتہ نے جو خوشخبری سنائی اس کے مطابق "تیرے بیٹا ہو گا۔ اس کا نام اسماعیل رکھنا اس لیے کہ خداوند نے تیرا دکھ سن لیا۔ وہ گورخر کی طرح آزاد مرد ہو گا۔ اس کا ہاتھ سب کے خلاف اور سب کے ہاتھ اس کے خلاف ہوں گے اور وہ اپنے سب بھائیوں کے آگے بسا رہے گا (پیدائش 11:16 تا 12) خدا تعالیٰ نے ساری بشارتیں اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش کے بعد سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو دیں (پیدائش 1:17 تا 21) ان عبارتوں

سے ثابت ہوا کہ جیسے سیدنا اسحٰق علیہ السلام کو برکت ملی ویسے ہی برکت کا وعدہ اسماعیل علیہ السلام سے تھا (پیدائش 16:17 اور 20:17) کیونکہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی نسل کی سب پشتوں سے ابدی عہد باندھا گیا تھا۔ اس برکت اور عہد میں کثیر اولاد، بادشاہت اور نبوت شامل تھی۔ آلِ اسماعیل علیہ السلام میں سے صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی اور رسول بن کر آئے۔ لہٰذا خدا کے ابدی عہد کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اس عہد کا حصہ ہے۔ بنی اسحاق یا دوسرے لفظوں میں بنی اسرائیل میں سے کثیر تعداد میں انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے جن میں سے آخری سیدنا عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ مگر آلِ اسماعیل علیہ السلام میں سے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکیلے ہی اس اعلیٰ ترین منصب پر فائز ہوئے۔ آلِ اسماعیل علیہ السلام کے اس ابدی عہد کا ایک اور ثبوت ختنہ ہے جو اس ابدی عہد کا نشان ہے اور ہمیشہ ان میں باقی رہا اور باقی ہے۔

3۔ مثیلِ موسیٰ

سیدنا موسیٰ سے خدا تعالیٰ نے فرمایا ”میں ان کے لیے انہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا۔ اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لیکر کہے گا نہ سنے گا تو میں ان کا حساب ان سے لوں گا۔“ (استثنا: 18:18 تا 19) اعمال کی کتاب میں اس پیش گوئی کا آخری فقرہ یوں ہے ”اور یوں ہوگا کہ جو شخص اس نبی کی نہ سنے گا وہ امت میں سے نیست و نابود کر دیا جائے گا“ (اعمال: 23:3)

استثنا (10:34) میں لکھا ہے کہ ”بنی اسرائیل میں موسیٰ کی مانند کوئی نبی نہیں اُٹھا۔“ جب کہ یہاں موسیٰ علیہ السلام کی مانند نبی برپا ہونے کی پیش گوئی ہے۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ پیش گوئی حضورؐ ہی کے بارے میں ہے۔

تورات کے محاورہ کے مطابق جہاں نبی کے بھائیوں کا لفظ آیا ہے تو عام طور پر اس سے صلبی و بطنی مراد نہیں ہوتے بلکہ غیر مراد ہوتے ہیں جب کہ پیدائش میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے متعلق آیا ہے کہ ”وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بسا رہے گا“ (پیدائش: 12:16) پیدائش 18:25 بھی بنی اسماعیل کو بنی اسرائیل کے بھائی قرار دیتی ہے۔ گنتی میں ہے ”اور موسیٰ نے قادس سے ادوم کے بادشاہ کے پاس ایلچی روانہ کئے اور کہلا بھیجا کہ تیرا بھائی اسرائیل یہ عرض کرتا ہے کہ تو ہماری سب مصیبتوں سے جو ہم پر آئیں واقف ہے (گنتی 14:20) اس آیت میں مذکورہ ادومی یعقوب کے بھائی عیسو کی نسل سے تھے (تفسیر الکتاب ولیم میکڈونلڈ ص: 271 زیر آیت ہذا) استثنا میں ہے ”اور تو ان لوگوں کو تاکید کر دے کہ تم کو بنی عیسو تمہارے بھائی جو

شعیر میں رہتے ہیں ان کی سرحد کے پاس سے ہو کر جانا ہے'' (استثنا 4:2) اس آیت میں بھی بنوعیسو کو بنی اسرائیل کے بھائی کہا گیا۔ لہٰذا جہاں یہ لفظ آئے تو اس سے مذکورہ آیات والا معنی مراد لینا چاہیے اور برادران بنی اسرائیل سے مراد اسرائیل کے علاوہ بنی اسماعیل، بنی عیسو اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دیگر بیٹوں کی اولاد مراد لینی چاہیے الا یہ کہ اس محاورہ سے عدول کرنے پر کوئی قطعی دلیل قائم ہو جائے۔ اب دیکھیے ان الفاظ ''ان ہی کے بھائیوں میں سے'' کا اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ وہ نبی اسرائیل کے علاوہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کسی بیٹے کی اولاد میں سے ہو گا۔ دوسری بات یہ کہ حضرت موسیٰ سے افضل یا ان کی مانند کوئی اور نبی بنی اسرائیل میں سے نہیں ہوا۔ جس کا اشارہ استثنا 10:34 میں بھی ہے کہ موسیٰ کی مانند کوئی نبی بنی اسرائیل میں نہیں اٹھا۔ بنوعیسو میں سے کوئی نبی آنے کا امکان ہی نہیں کیونکہ پیدائش باب نمبر 27 میں مذکور قصہ کے مطابق عیسو کو برکت نہ ملی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دیگر اولاد جو قطورہ کے بطن سے تھی، ان سے اللہ تعالیٰ نے اس طرح کا کوئی وعدہ نہیں فرمایا نہ ان میں سے کسی نے نبوت کا وعدہ کیا اور نہ کوئی اور حضرت موسیٰ کی مانند کوئی نئی شریعت لایا۔ چونکہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو بھی سیدنا اسحٰق علیہ السلام کی مانند برکت ملی تھی (پیدائش 17:16 اور 20:17) لہٰذا ان کے متعلق یہ وعدہ خداوندی پوری طرح ثابت ہے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی پیش گوئی کے سچ ہونے کے لیے ضروری ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کوئی نبی مبعوث ہو۔ پیش گوئی کی آیات سے آگے آیت: 20-22 میں کہا گیا کہ کسی نبی کی کہی ہوئی بات پوری نہ ہو تو اس قتل کیا جائے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ سچا نبی ہونے کی صورت میں اس کی کہی ہوئی باتیں پوری ہوں گی اور کوئی اسے قتل نہ کر سکے گا۔ جب یہ باتیں معلوم ہو گئیں تو دیکھیے کہ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کوئی شخص ایسا نہیں گزرا جو ان صفات سے متصف ہو۔ لامحالہ اس پیشگوئی کا مصداق صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اولاد اسماعیل ہونے کے ناطے بنی اسرائیل کے بھائی ہیں۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اس پیشگوئی کے مصداق اس لیے نہیں ٹھہر سکتے کہ وہ بن باپ پیدا ہوئے اور دوسرے یہ کہ ان کے ماننے والے ان کو نبی نہیں، ابن خدا کہتے ہیں۔ اور نہ ہی وہ کوئی نئی شریعت لائے۔ پطرس حواری کی گواہی سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ پیش گوئی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق ہے، سیدنا عیسیٰ سے نہیں، کیونکہ پطرس کے بقول سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی پیش گوئی پوری ہونے تک یسوع علیہ السلام آسمان میں رہیں گے (اعمال 19:3 تا 23) رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے اوصاف کا تقابلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی موسیٰ علیہ السلام کی مانند تھے اور ہر طرح سے دونوں میں مشابہت تھی ورنہ بنی اسرائیل میں تو موسیٰ علیہ السلام کی مانند کوئی نبی نہیں ہوا۔ (استثنا 10:34)

سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشترکہ اوصاف اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی عدم مشابہت

نمبر	تقابلی پہلو	سیدنا موسیٰ علیہ السلام	سیدنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	سیدنا عیسیٰ علیہ السلام
1	پیدائش	ماں باپ سے	ماں باپ سے	ماں سے
2	عائلی زندگی	شادی / بچے	شادی / بچے	غیر شادی شدہ
3	شخصی حیثیت	پیغمبر / سربراہ قوم	پیغمبر / سربراہ قوم	پیغمبر: قوم نے سربراہ نہ مانا
4	وفات	عمومی	عمومی	غیر عمومی
5	جائے ہجرت	مدیان یا مدین	مدینہ	کوئی نہیں
6	دشمنوں سے سامنا	دشمن نے پیچھا کیا	دشمنوں سے جنگ	کوئی نہیں
7	سامنا کا نتیجہ	بچ نکلے	فتح	کوئی نہیں
8	وحی کا لکھا جانا	دوران حیات	دوران حیات	ایک نسل بعد
9	وحی کی نوعیت	تشریعی / روحانی	تشریعی / روحانی	روحانی
10	قوم کا جواب	پہلے مسترد پھر قبولیت	پہلے مسترد پھر قبولیت	مسترد
11	جہاد	جہاد کیا (خروج 8:17، گنتی 23:21 تا 25)	جہاد کیا	کوئی نہیں
12	مقدمات کا فیصلہ	جج تھے۔ (خروج 13:18)	جج تھے	----
13	خدا تعالیٰ سے ہم کلام ہونا	خدا سے ہم کلام ہوئے (خروج 20:19)	معراج میں خدا تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے	صاحب وحی تھے

14	معجزات عظیم	سمندر کو دو ٹکڑے کیا (خروج 14:16 تا 21)	چاند کو دو ٹکڑے کیا	صاحب معجزات تھے
15		چٹان سے چشمے نکالے (خروج باب 17	انگلیوں سے پانی جاری ہوا	-
16	نشانِ نبوت	ید بیضا خروج 6:4	مہرِ نبوت	-
17	پرورش کا ماحول	فرعون خروج 10:2	مکہ کے بت پرست	-
18	جانشینوں کی حیثیت	جانشین حکمران بنے، مثلاً یشوع علیہ السلام وغیرہ	جانشین حکمران بنے، مثلاً خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم وغیرہ	-
19	بعثت کے وقت عمر	40 سال کے بعد نبوت ملی	40 سال کے بعد نبوت ملی	-
20	مدفن	اسی دنیا میں مدفون ہوئے	اسی دنیا میں مدفون ہوئے	-
21	نبوت اور یروشلم	یروشلم سے باہر نبوت کرتے رہے	یروشلم سے باہر نبوت کرتے رہے	-
22	حسنِ ظاہری	نہایت حسین تھے (خروج 2:2)	نہایت حسین تھے	-
23	سن ہجری	سن ہجری جاری ہوا گنتی 38:33	سن ہجری جاری ہوا	-
24	گلہ بانی	گلہ بانی کی خروج 1:3	گلہ بانی کی	-
25	بت شکنی	بت توڑا خروج 20:32	کعبہ میں موجود بتوں کو توڑا	-
26	تعلیم	توحید	توحید	توحید مگر ماننے والے تثلیث بتاتے ہیں۔

27	بشر ہونا	بشر تھے	بشر تھے	بشر تھے مگر ماننے والے ابن خدا اور خدا کہتے ہیں۔
28	عبادت خانہ	خدا پرستی کے لیے عبادت گاہ بنائی	مدینہ میں مسجد نبوی اور قبا بنائی	-
29	عیدین	عیدیں مقرر کیں	عیدیں مقرر کیں	-
30	وقت کا شمار	قمری مہینے	قمری مہینے	-
31	صاحب شریعت ہونا	صاحب شریعت تھے	صاحب شریعت تھے	شریعت موسوی پر عامل تھے۔
32	الہامی کتاب کا نام	تورات کا نام بھی فرقان ہے	قرآن مجید کا نام بھی فرقان ہے	-
33	رفقاء کی فتوحات	حضرت یشوع علیہ السلام نے ملک کنعان فتح کیا	خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں فتوحات ہوئیں۔	-

اس بات کو قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا گیا کہ ''بے شک ہم نے تمھارے پاس ایک ایسا رسول بھیجا ہے جو تم پر گواہی دے گا جیسا ہم نے فرعون کے پاس رسول بھیجا تھا (مزمل 15:73) اور یہ کہ آپ اپنی خواہش نفس سے کچھ نہیں بولتے سوائے اس سے کہ جو وحی کی جائے'' (النجم 3:53-4)

مئیور نے لکھا ''اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے کہ یہودیوں کے ایک گروہ نے نہ صرف اشارۃً نبی علیہ السلام کے سامنے اقرار کیا بلکہ تصدیق کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ نبی ہیں جن کو خدا نے ان کے بھائیوں (بنی اسماعیل) میں سے مبعوث فرمایا'' کچھ یہودیوں نے دیکھو اور انتظار کرو کو ترجیح دی جبکہ کچھ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچے ہونے کی غیر مشکوک تصدیق کی۔'' (Muir,Life of Muhammad, P-98,99)

4۔ غیر قوموں کے رسول

خدا تعالیٰ نے فرمایا: ''انہوں نے اس چیز کے باعث جو خدا نہیں (یعنی بت، دیوتا وغیرہ) مجھے غیرت اور اپنی باطل باتوں سے مجھے غصہ دلایا سو میں بھی ان کے ذریعہ سے جو کوئی امت نہیں انکو غیرت اور ایک نادان

قوم کے ذریعہ سے ان کو غصہ دلاؤں گا۔" (استثنا:21:321)

عرب قوم شرائع آسمانی اور ذات و صفات خداوندی سے ناواقف تھی اور جہالت و ضلالت کی گہرائیوں میں گری ہوئی تھی، بتوں کو پوجتی تھی۔ انکو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے ذریعہ راہ راست اور ہدایت عطا فرمائی۔ پہلا احسان قرآن مجید میں ذکر فرمایا "وہی تو ہے جس نے ان پڑھوں میں انہی میں سے رسول بنا کر بھیجا جو ان کے سامنے ان کی آیتیں پڑھتے اور ان کو پاک کرتے ہیں اور خدا کی کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں اور اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔ (جمعہ:2:62)

ایک عیسائی مفسر لکھتا ہے کہ بنی اسرائیل کو ایک طرف کرنے کے بعد خدا نے غیر قوموں پر اپنا فضل ظاہر کیا تاکہ اسرائیل کو غیرت دلائے۔ (تفسیر الکتاب، ولیم میکڈونلڈ ،ص:335، زیر آیت استثنا21:32) چونکہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں آخری نبی تھے اور یہود آپ کے قتل کے درپے ہوئے تو نبوت کا انعام ان پر ختم کر دیا گیا اور ان کو ایک طرف کر کے ایک نادان قوم یعنی عربوں کو یہ انعام عطا کر دیا۔ مسیحی علماء غیر قوم سے مراد یونان کی قوم لیتے ہیں مگر یہ غلطی ہے کیونکہ یونانی قوم حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بہت پہلے سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور تک علوم و فنون میں بہت مہارت رکھتی تھی۔ پال بھی ان کی مہارت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ یونانی حکمت تلاش کرتے ہیں۔ (1۔ کرنتھیوں 22:1)

ایسی قوم کو نادان اور جاہل کیسے کہا جا سکتا ہے؟ اگر کوئی پال کے قول سے دلیل پیش کرے جو رومیوں 19:10 میں ہے (جو یونانیوں کو عیسائی بنانے پر اعتراض کا جواب ہے) تو اس کی غرض یہود کے غرور کو توڑنا ہے اور اس بات تنبیہ کرنا ہے کہ تم یونانیوں کے عیسائیت قبول کرنے پر اعتراض کر رہے ہو، ابھی تو اللہ تعالیٰ ایک نادان قوم پر فضل کر کے تمہیں غیرت دلائے گا۔ اگر بالفرض یہ تسلیم کر لیا جائے کہ پال یہاں نادان قوم سے مراد یونانی قوم لیتا ہے تو اس کا یہ قول خود اس کی اپنی تصریح کے خلاف ہے جس میں وہ کہتا ہے کہ یونانی حکمت تلاش کرتے ہیں۔

5۔ قوموں کا ممدوح، عظیم الشان بادشاہ

زبور میں لکھا ہے "میرے دل میں ایک نفیس مضمون جوش مار رہا ہے۔ میں وہی مضمون سنا دوں گا جو میں نے بادشاہ کے حق میں قلمبند کیے ہیں۔ میری زبان ماہر کاتب کا قلم ہے۔ تُو بنی آدم میں سب سے حسین ہے۔ تیرے ہونٹوں میں لطافت بھری ہے۔ اس لیے خدا نے تجھے ہمیشہ کے لیے مبارک کیا ہے۔ اے

زبردست! تو اپنی تلوار کو جو تیری حشمت وشوکت ہے اپنی کمر سے حمائل کر اور سچائی اور حلم اور صداقت کی خاطر اپنی شان وشوکت میں اقبال مندی سے سوار ہو اور تیرا دہنا ہاتھ تجھے مہیب کام دکھائے گا۔ تیرے تیر تیز ہیں۔ وہ بادشاہوں کے دلوں میں لگے ہیں۔ امتیں تیرے سامنے زیر ہوتی ہیں۔ اے خدا تیرا تخت ابدالآباد ہے۔ تیری سلطنت کا عصا راستی کا عصا ہے۔ تو نے صداقت سے محبت رکھی اور بدکاری سے نفرت اسی لیے خدا تیرے خدا نے شادمانی کے تیل سے تجھ کو تیرے ہم سروں سے زیادہ مسح کیا ہے۔ تیرے ہر لباس سے مر اور عود اور تج کی خوشبو آتی ہے۔ ہاتھی دانت کے محلوں میں سے تاردسازوں نے تجھے خوش کیا ہے۔ تیری معزز خواتین میں شاہزادیاں ہیں۔ ملکہ تیرے داہنے ہاتھ اوفیر کے سونے سے آراستہ کھڑی ہے۔ اے بیٹی سن۔ غور کر اور کان لگا۔ اپنی قوم اور اپنے باپ کے گھر کو بھول جا اور بادشاہ تیرے حسن کا محتاج ہوگا۔ کیونکہ وہ تیرا خداوند ہے تو اسے سجدہ کر اور صور کی بیٹی ہدیہ لے کر حاضر ہوگی۔ قوم کے دولت مند تیری رضاجوئی کریں گے۔ بادشاہ کی بیٹی محل میں سرتاپا حسن افروز ہے۔ اس کا لباس زربفت کا ہے۔ وہ بیل بوٹے دار لباس میں بادشاہ کے حضور پہنچائی جائے گی۔ اس کی کنواری سہیلیاں جو اس کے پیچھے پیچھے چلتی ہیں تیرے سامنے حاضر کی جائیں گی۔ وہ انکو خوشی اور خرمی سے لے آئیں گے۔ وہ بادشاہ کے محل میں داخل ہوں گی۔ تیرے بیٹے تیرے باپ دادا کے جانشین ہوں گے۔ جنکو تو تمام روئے زمین سردار مقرر کرے گا۔ میں تیرے نام کو نسل درنسل قائم رکھوں گا۔ اس لیے امتیں ابدالآباد تیری شکرگزاری کریں گی۔

(زبور باب نمبر 45 پورا)

عیسائی حضرات اس پیشگوئی کا مصداق حضرت یسوع علیہ السلام کو قرار دیتے ہیں مگر وہ اس کا مصداق اس لیے نہیں بن سکتے کہ اس میں مذکور اوصاف سب کے سب ان میں نہیں پائے جاتے۔ کیونکہ آں جناب صاحبِ قوت وجلال، تیر وتلوار، کمان والے نہ تھے۔ نہ ہی آپ سے کوئی ہیبت ناک کارنامے ظاہر ہوئے۔ اس دنیا میں ان کے قیام کے دوران چند لوگوں کے سوا کوئی مطیع وفرماں بردار نہ ہوا بلکہ نہایت کمزور، غمزدہ اور مسکنت کی حالت میں رہے۔ آپ نے شادی بھی نہیں کی۔ سلاطین کی بیٹیوں کا ان کے حرم میں داخل ہونے اور ان کے بیٹوں کے بادشاہ ہونے کا کوئی تصور ہی نہیں ہوسکتا۔ کسی دولت مند یا بادشاہ نے ان کو کوئی تحفہ نہیں بھیجا بلکہ اس کے برعکس انکی مخالفت پر کمربستہ ہوگئے حتیٰ کہ اناجیل کے مطابق انکو کوڑے مارے، منہ پر تھوکا وغیرہ توہین کی۔ آپ کی ذاتِ گرامی کا مذاق اڑایا اور بالآخران کو سولی پر چڑھا دیا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو (متی 26:67-68، 27:27تا31، مرقس 15:15 تا 20، لوقا 23:35 تا 39)

اس زبور میں جس نبی علیہ السلام کی آمد کی خبر دی گئی ہے اس کے اوصاف بتمام وکمال حضور ﷺ میں پائے جاتے ہیں۔ آپ ﷺ سب سے زیادہ حسین تھے، شیریں گفتار تھے، نام پاک محمد ﷺ ہی بتارہا ہے کہ آپ ﷺ کو خدا نے ہمیشہ کے لیے مبارک کیا ہے۔ اس لفظ کا معنی ہے "جس کی لگاتار تعریف کی گئی"۔ آپ ﷺ صاحبِ تلوار تھے اور کفار سے جنگیں لڑیں بھی اور جیتیں بھی، آپ ﷺ کے دشمن زیر ہوئے، امتیں آپ ﷺ کے ماننے والوں کے سامنے زیر ہوئیں۔ آپ ﷺ نے سلطنت انصاف سے کی۔ آپ ﷺ صداقت سے محبت اور بدکاری سے نفرت کرتے تھے۔ آپ ﷺ کو دوسرے انبیاء کی نسبت اپنے مشن میں زیادہ کامیابی ہوئی اور ہم سروں (انبیاء علیہم السلام) سے آپ کا مرتبہ زیادہ ہے۔ آپ ﷺ خوشبو کو پسند کرتے تھے، تاردار سازوں سے مراد بقول مسیحی مفسر میکڈونلڈ کے دنیا کی خوشی کی خبر ہے کہ انسان کے کراہنے اور آہیں بھرنے کے دن ختم ہوچکے اور سنہری دور کا آغاز ہوا (تفسیر میکڈونلڈ ص:198 زیر آیت زبور 45:7-8) حضور ﷺ چونکہ رحمۃ العالمین بن کر آئے اور آپ ﷺ نے انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نجات دی لہٰذا یہ بات صرف حضور ﷺ پر صادق آتی ہے۔ آپ ﷺ کی ازواج مطہرات عرب سرداروں کی بیٹیاں تھیں جو کہ اپنے اپنے علاقہ میں سلاطین کی طرح تھے۔ اپنی قوم اور باپ کے گھر کو بھول جانے کے مشورہ سے مراد اپنی تبدیلی سے پہلے کی زندگی کے تعلقات سے ناتا توڑ کر کلی طور پر بادشاہ کا اطاعت گزار ہوجانا ہے (تفسیر میکڈونلڈ ص 199 زیر آیت زبور 45:10,11) بقول مسیحی مفسر یہاں لوقا 14:26 میں اپنے باپ، ماں، بیوی اور بچوں اور بھائیوں اور بہنوں بلکہ اپنی جان سے بھی دشمنی کرنے کے حکم کی طرف اشارہ ہے (ایضاً) مراد یہ کہ بادشاہ سے محبت تمام محبتوں پر حاوی ہونا ضروری ہے۔ یہی قرآن مجید کا حکم ہے کہ یہ لوگ تب تک مومن نہیں ہوسکتے جب تک مکمل خود سپردگی نہ کریں (نساء:4/65) اور حضور ﷺ کا فرمان بھی ان تمام رشتوں سے زیادہ حضور ﷺ سے محبت کرنے کا ہے۔ صور کی بیٹی کے ہدیہ لیکر حاضر ہونے سے مسیحی مفسر نے مراد یہ لی کہ دنیا کے امیر ترین لوگ بہترین تحائف لے کر آئیں گے (ایضاً) حضور ﷺ کی خدمت میں نجاشی رضی اللہ عنہ نے تحائف بھیجے، نجران والے مطیع ہو کر ہر سال تحائف خدمت میں پیش کرتے اور آپ ﷺ کے ماننے والوں کے آگے دنیا کی تمام سپر پاور زسرنگوں ہوئیں۔ قوم کے دولت مند تمام کے تمام مطیع ہوئے اور آپ ﷺ کی رضاجوئی کی۔ بادشاہ کی بیٹی سے مراد مسلمان قوم ہے جو لوگ پہلے گناہوں میں مبتلا تھے انہوں نے آپ ﷺ پر ایمان لاکر پرہیزگاری کے سونے سے کڑھا ہوا لباس پہن لیا۔ حضور ﷺ کے ماننے والے آپ ﷺ کے جانشین ہوئے اور تمام روئے زمین پر حکومت کی۔

آپ ﷺ کا نام پاک نسل درنسل قائم رہا اور ہمیشہ رہے گا۔ آپ کی شریعت کی خوبیوں کی وجہ سے امتیں آپ پر ایمان لائیں اور شکر گزار بھی ہیں۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو وہ بلند مرتبہ فرمایا کہ جہاں خدا کا نام لیا جاتا ہے وہیں حضور ﷺ کا نام لیا جاتا ہے چاہے کلمہ ہو، اذان ہو، یا نماز ہو۔ آپ کے نام کی تعظیم نسل درنسل ہو رہی ہے اور ہوتی رہے گی۔ (ان شاء اللہ)

حضور ﷺ کی فصاحت، حسن و جمال، شجاعت، صاحب شمشیر وجلال ہونا، لوگوں کا فوج درفوج داخلِ اسلام ہونا، آپ ﷺ کے ذکر کا بلند ہونا، تمام کتب احادیث میں تفصیل سے مذکور ہے۔

6۔ صداقت کا شہزادہ

زبور میں سارا باب نمبر 72 حضور ﷺ کے بارے میں پیش گوئی ہے۔ اس میں لکھا ہے ''اے خدا! بادشاہ کو اپنے احکام اور شاہزادہ کو اپنی صداقت عطا فرما۔ وہ صداقت سے تیرے لوگوں کی اور انصاف سے تیرے غریبوں کی عدالت کرے گا۔ ان لوگوں کے لیے پہاڑوں سے سلامتی کے اور پہاڑیوں سے صداقت کے پھل پیدا ہوں گے۔ وہ ان لوگوں کے غریبوں کی عدالت کرے گا۔ وہ محتاجوں کی اولاد کو بچائے گا اور ظالم کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا۔ جب تک سورج اور چاند قائم ہیں۔ لوگ نسل درنسل تجھ سے ڈرتے رہیں گے۔ وہ کٹی ہوئی گھاس پر مینہ کی مانند اور زمین کو سیراب کرنے والی بارش کی طرح نازل ہوگا۔ اس کے ایام میں صادق برومند ہوں گے اور جب تک چاند قائم ہے خوب امن رہے گا۔ اس کی سلطنت سمندر سے سمندر تک اور دریائے فرات سے زمین کی انتہا تک ہوگی۔ بیابان کے رہنے والے اس کے آگے جھکیں گے اور اس کے دشمن خاک چاٹیں گے۔ ترسیس کے اور جزیروں کے بادشاہ نذریں گزاریں گے۔ سبا اور سیبا کے بادشاہ ہدیے لائیں گے بلکہ سب بادشاہ سرنگوں ہوں گے۔ کل قومیں اس کی مطیع ہوں گی۔ کیونکہ وہ محتاج کو جب وہ فریاد کرے اور غریبوں کو جس کا کوئی مددگار نہیں، چھڑائے گا۔ وہ غریب اور محتاج پر ترس کھائے گا۔ اور محتاجوں کی جان کو بچائے گا۔ وہ فدیہ دیکر ان کی جان کو ظلم اور جبر سے چھڑائے گا اور ان کا خون اسکی نظر میں بیش قیمت ہوگا۔ وہ جیتے رہیں گے اور سبا کا سونا اس کو دیا جائے گا۔ لوگ برابر اس کے حق میں دعا کریں گے۔ وہ دن بھر اسے دعائیں دیں گے۔ زمین اور پہاڑں کی چوٹیوں پر اناج کی افراط ہوگی۔ ان کا پھل لبنان کے درختوں کی طرح پھولے گا اور شہر والے زمین کی گھاس کی مانند ہرے بھرے ہوں گے۔ اس کا نام ہمیشہ قائم و دائم رہے گا۔ جب تک سورج ہے اس کا نام رہے گا۔ (زبور باب نمبر 72)

ان آیات میں جو صفات بیان کیے گئے ہیں وہ مکمل طور پر صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پائے جاتے ہیں۔ جناب یسوع علیہ السلام کو انکا مصداق بننے کا موقع نہ مل سکا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصاف سے غریبوں کی عدالت کی، صداقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھی جس کا اعلانیہ اعتراف دشمنوں نے بھی کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محتاجوں کے حامی تھے، ظالموں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا نسل در نسل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماننے والے خدا سے ڈرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں صادق برومند ہوئے، سمندر سے سمندر تک سلطنت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماننے والوں کی ہوئی، دشمنوں نے خاک چاٹی، سبا (یمن) کا علاقہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں مطیع ہوا اور وہاں سے مال غنیمت لیکر سیدنا علی علیہ السلام حجتہ الوداع میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مکہ میں ملے۔ سب بادشاہ اور کل قومیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماننے والوں کے سامنے سرنگوں ہوئیں۔ سبا کا سونا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا۔ بیابان کے رہنے والے عرب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے جھکے، پہاڑوں کے رہنے والے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کے مطیع ہوئے، کروڑوں لوگ پانچ وقت کی نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں، اس دنیا میں قیامت تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام باقی رہے گا۔ لاکھوں لوگ اذان میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام روزانہ پانچ دفعہ بلند کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں دیہات وشہر کے رہنے والے خوشحال ہوئے اور امن میں آ گئے۔

7۔ خدا پر توکل کرنے والے

”صادق کی یادگار ہمیشہ رہے گی۔ وہ بری خبر سے نہ ڈرے گا۔ خداوند پر توکل کرنے سے اس کا دل قائم ہے۔ وہ ڈرنے کا نہیں۔ یہاں تک کہ وہ اپنے مخالفوں کو دیکھ لے گا۔ اس نے بانٹا اور محتاجوں کو دیا۔ اسکی صداقت ہمیشہ قائم رہے گی، اس کا سینگ عزت کے ساتھ بلند کیا جائے گا۔ شریر یہ دیکھے گا اور کڑھے گا۔ وہ دانت پیسے گا اور گھلے گا۔ شریروں کی مراد نابود ہوگی۔“ (زبور: 112:6 تا 9)

اس خبر کا مصداق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں یہ اوصافِ حسنہ بدرجہ کمال پائے جاتے ہیں۔ جناب یسوع علیہ السلام کی زندگی انتہائی مسکنت اور غربت میں گزری اور اپنے رفع آسمانی تک وہ اپنے دشمن یہود سے ہراساں رہے اور ان کی دشمنوں کی مراد نابود نہیں ہوئی بلکہ وہ کامیاب ہوئے۔ جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن ناکام ہوئے اور دانت پیستے رہ گئے اور آج تک دانت پیس رہے ہیں، کر کچھ نہیں سکتے۔

ارض مقدس کے وارث

"کیونکہ خداوند صیّون کو بچائے گا اور یہوداہ کے شہروں کو بنائے گا اور وہ وہاں بسیں گے اور اس کے وارث ہوں گے۔ اس کے بندوں کی نسل بھی اسکی مالک ہوگی اور اس کے نام سے محبت کرنے والے اس میں بسیں گے۔ (زبور 69:35-36)

حضور ﷺ کے ماننے والے ارض مقدس فلسطین کے وارث ٹھہرے اور صدیوں تک وہاں حکمران رہے۔ مذکورہ تمام اوصاف حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے ماننے والوں پر صادق آتے ہیں۔

8۔ بابل کو ویران کرنے والے

زبور 137:8، یسعیاہ باب 13:1، 3 تا 7، 19 تا 22، یسعیاہ 14:22 تا 24، باب 21:6 تا 9، 11، 13، باب 47، یرمیاہ 50:18، 29، 30، 39، 40، باب 51:37، مکاشفہ 18:1 - 2، 20 تا 23، باب 19:1 تا 3 میں بابل کی تباہی و ویرانی کی خبر دی گئی ہے۔ مکاشفہ یوحنا میں 79ء کے قریب یہ پیش گوئی درج کی گئی۔ یعنی اس وقت تک بابل ویران نہ ہوا تھا بلکہ ایرانیوں کے زیر حکومت بڑا شہر تھا۔ زبور 137:8-9 میں بابل سے یہ سلوک کرنے والے مبارک ٹھہرائے گئے ہیں۔ یہ شہر مسلمانوں نے 16 ہجری میں خلافت فاروقی میں فتح کیا اور بابل اب تک ویران ہے۔

بادشاہوں کا بادشاہ

یوحنا کے مکاشفہ میں ہے "پھر میں نے آسمان کو کھلا ہوا دیکھا اور کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سفید گھوڑا ہے اور اس پر ایک سوار ہے جو سچا اور برحق کہلاتا ہے اور وہ راستی کے ساتھ انصاف اور لڑائی کرتا ہے۔ اور اسکی آنکھیں آگ کے شعلے ہیں اور اس کے سر پر بہت سے تاج ہیں اور اس کا ایک نام لکھا ہوا ہے جسے اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور وہ خون کی چھڑکی ہوئی پوشاک پہنے ہوئے ہے اور اس کا نام کلام خدا کہلاتا ہے اور آسمان کی فوجیں سفید گھوڑوں پر سوار اور سفید مہین کتانی کپڑے پہنے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے ہیں۔ اور قوموں کو مارنے کے لیے اس کے منہ سے ایک تیز تلوار نکلتی ہے اور وہ لوہے کے عصا سے ان پر حکومت کرے گا اور قادر مطلق خدا کے سخت غضب کی مے کے حوض میں انگور روندے گا۔ اور اسکی پوشاک اور ران پر یہ نام لکھا ہوا ہے بادشاہوں کا بادشاہ اور خداوندوں کا خداوند۔ (مکاشفہ 19:11 تا 16)

یہ پیش گوئی صرف حضور ﷺ پر صادق آتی ہے کیونکہ ایک تو آپ ﷺ حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد تشریف لائے اور پیش گوئی بھی حضرت مسیح علیہ السلام کے 80 سال بعد کی گئی۔ جہاد حضرت مسیح علیہ السلام نے نہیں کیا بلکہ حضور ﷺ نے کیا۔ آپ ﷺ کے سر پر بہت سے تاج ہیں یعنی ایسے امتیازات ہیں جو صرف آپ ﷺ کے ہیں۔ ان میں (1) ختم نبوت (2) نسخ ادیان (3) رضائے تامہ (4) تکمیل دین (5) عموم بعثت شامل ہیں۔ ان میں کوئی آپ ﷺ کا شریک نہیں۔ فرشتے آپ ﷺ کے لشکر کی مدد کے لیے آئے جن کا ذکر آل عمران 3:124-125 میں ہے۔ لوہے کے عصا سے حکومت کرنے کا مطلب مضبوط حکومت ہے کیونکہ عصا حکومت اور طاقت کی علامت ہے۔ تمام مسلمان بادشاہ آپ ﷺ کے حضور بادشاہ نہیں بلکہ غلام ہونے کو فخر و شرف سمجھتے ہیں۔ جناب یسوع علیہ السلام کو زمینی زندگی میں یہ موقعہ نہ مل سکا لہٰذا یہ پیش گوئی ان کے بارہ میں نہیں ہوسکتی۔

9۔ خداوند کا نیا گیت

حضرت یسعیاہ علیہ السلام فرماتے ہیں "دیکھو پرانی باتیں پوری ہوئیں اور میں نئی باتیں بتاتا ہوں۔ اس سے پیش تر کہ واقع ہوں میں تم سے بیان کرتا ہوں۔ اے سمندر پر گذرنے والو اور اس میں بسنے والو! اے جزیرو اور ان کے باشندو خداوند کے لیے نیا گیت گاؤ۔ زمین پر سرتاسر اسی کی ستائش کرو۔ بیابان اور اس کی بستیاں۔ قیدار کے آباد گاؤں اپنی آواز بلند کریں سلع کے بسنے والے گیت گائیں۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں۔ وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں۔ اور جزیروں میں اس کی ثنا خوانی کریں۔ خداوند بہادر کی مانند نکلے گا۔ وہ جنگی مرد کی مانند اپنی غیرت دکھائے گا۔ وہ نعرہ مارے گا۔ ہاں وہ للکارے گا۔ وہ اپنے دشمنوں پر غالب آئے گا...... جو کھودی ہوئی مورتوں پر بھروسا کرتے اور ڈھالے ہوئے بتوں سے کہتے ہیں تم ہمارے معبود ہو۔ وہ پیچھے ہٹیں گے اور بہت شرمندہ ہوں گے۔ (یسعیاہ 42:9 تا 17) خداوند کے نئے گیت سے مراد نئی شریعت ہے جو شریعت محمدی ہے کیونکہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بعد یہی مکمل شریعت نازل ہوئی۔ بیابان سے مراد صحرائے عرب ہے۔ قیدار حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بیٹے کا اور حضور ﷺ کے آباؤ اجداد میں سے ایک نام ہے۔ سلع پہاڑ مدینہ میں ہے۔ بہادروں کی مانند جہاد حضور ﷺ اور آپ کے ماننے والوں نے کیا۔ دشمنوں پر آپ غالب آئے اور بت پرست شکست کھا کر فتح مکہ کے دن بہت شرمندہ ہوئے۔ بیابان، آباد گاؤں، سمندروں اور جزیروں کو مخاطب کرنے سے حضور ﷺ کی آفاقی نبوت اور عمومہ بعثتِ کی طرف

اشارہ ہے۔ حضور ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی جہاد میں کامیابی کو اللہ نے اپنا فضل قرار دیا لہٰذا خداوند بہادر کی مانند نکلے گا کی یہی مطلب ہے۔ سورہ انفال 17:8 میں خدا تعالیٰ نے حضور ﷺ کو اپنا فضل قرار دیا۔

10۔ خدا کا خادم

دیکھ میرا خادم اقبال مند ہوگا۔ وہ اعلیٰ و برتر اور نہایت بلند ہوگا...... اُسی طرح وہ بہت سی قوموں کو پاک کریگا اور بادشاہ اس کے سامنے خاموش ہوں گے کیونکہ جو کچھ ان سے کہا نہ گیا تھا وہ دیکھیں گے اور جو کچھ انہوں نے سنا نہ تھا وہ سمجھیں گے۔ (یسعیاہ 13:52 تا 15)

اس پیش گوئی میں خادم سے مراد حضور ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ کا دینی و دنیاوی طور پر اقبال مند ہونا سب کو مسلم ہے۔ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے نہایت بلند مرتبہ عطا فرمایا۔ آپ ﷺ کے دین نے قوموں کو پاک کیا اور فتوحاتِ اسلامی کے نتیجہ میں بادشاہ اسلام کے سامنے خاموش ہو گئے۔ آپ کا دین ایسا جامع ہے کہ ایسی دینی تعلیم پہلے کبھی لوگوں نے نہ سنی۔ یہ پیش گوئی حضرت یسوع پر اس لیے صادق نہیں آتی کہ پہلی تین صدیوں میں بادشاہ ان کے سامنے خاموش نہیں ہوئے بلکہ اناجیل اربعہ کے مطابق خود یسوع اور بعد میں ان کے حواریوں سے انتہائی برا سلوک کیا۔ علاوہ ازیں اس باب کی پہلی آیت کے مطابق مسیحی حضرات، نامختون ہونے کی بنا پر، اس پیش گوئی میں شامل نہیں ہو سکتے۔

11۔ بانجھ پر کرم

اے بانجھ تو جو بے اولاد تھی نغمہ سرائی کر! تو جس نے ولادت کا درد برداشت نہیں کیا خوشی سے گا اور زور سے چلا کیونکہ خداوند فرماتا ہے کہ بے کس چھوڑی ہوئی کی اولاد شوہر والی کی اولاد سے زیادہ ہے۔ اپنی خیمہ گاہ کو وسیع کر دے۔ ہاں اپنے مسکنوں کے پردے پھیلا، دیر نہ کر۔ اپنی ڈوریاں لمبی اور میخیں مضبوط کر۔ اس لیے کہ تو دہنی اور بائیں طرف بڑھے گی اور تیری نسل قوموں کی وارث ہوگی اور ویران شہروں کو بسائے گی۔ خوف نہ کر کیونکہ پھر تو پشیمان نہ ہوگی۔ تو نہ گھبرا کیونکہ تو پھر رسوا نہ ہوگی اور اپنی جوانی کا ننگ بھول جائے گی اور اپنی بیوگی کی عار کو پھر یاد نہ کرے گی۔ کیونکہ تیرا خالق تیرا شوہر ہے۔ اس کا نام رب الافواج ہے اور تیرا فدیہ دینے والا اسرائیل کا قدوس ہے، وہ تمام روئے زمین کا خدا کہلائے گا۔ کیونکہ تیرا خدا فرماتا ہے کہ خداوند نے تجھ کو متروکہ اور دل آزردہ بیوی کی طرح ہاں جوانی کی مطلوقہ بیوی کی مانند پھر بلایا ہے۔ میں نے ایک دم کے لیے تجھے چھوڑ دیا لیکن رحمت کی فراوانی سے تجھے لے لوں گا۔ خداوند تیرا نجات

دینے والا فرماتا ہے کہ قہر کی شدت میں میں نے ایک دم کے لیے تجھ سے منہ چھپایا پر اب میں ابدی شفقت سے تجھ پر رحمت کردوں گا۔ کیوں کہ میرے لیے یہ یہ طوفان نوح کا سا معاملہ ہے کہ جس طرح میں نے قسم کھائی تھی کہ پھر زمین پر نوح کا سا طوفان کبھی نہ آئے گا اسی طرح اب میں نے قسم کھائی ہے کہ میں تجھ سے پھر کبھی آرزدہ نہ ہوں گا اور تجھ کو نہ گھڑکوں گا۔ خداوند تجھ پر رحم کرنے والا یوں فرماتا ہے کہ پہاڑ تو جاتے رہیں اور ٹیلے ٹل جائیں لیکن میری شفقت کبھی تجھ پر سے نہ جاتی رہے گی اور میرا صلح نامہ نہ ٹلے گا۔ اے مصیبت زدہ اور طوفان کی ماری اور تسلی سے محروم! دیکھ میں تیرے پتھروں کو سیاہ ریختہ میں لگاؤں گا اور تیری بنیاد نیلم سے ڈالوں گا۔ میں تیرے کنگروں کو لعلوں اور تیرے پھاٹکوں کو شب چراغ اور تیری ساری فصیل بیش قیمت پتھروں سے بناؤں گا۔ اور تیرے سب فرزند خداوند سے تعلیم پائیں گے اور تیرے فرزندوں کی سلامتی کامل ہوگی۔ تو راستبازی سے پائیدار ہو جائے گی۔ تو ظلم سے دور رہے گی کیونکہ تو بے خوف ہوگی اور دہشت سے دور رہے گی کیونکہ وہ تیرے قریب نہ آئے گی۔ ممکن ہے وہ کبھی اکٹھے ہوں پر میرے حکم سے نہیں۔ جو تیرے خلاف جمع ہوں گے وہ تیرے ہی سبب سے کریں گے ......کوئی ہتھیار جو تیرے خلاف بنایا جائے گا کام نہ آئے گا اور جو زبان تجھ پر چلے گی تو اسے مجرم ٹھہرائے گی۔ خداوند فرماتا ہے یہ میرے بندوں کی میراث ہے اور انکی راست بازی مجھ سے ہے۔ (یسعیاہ 54:1 تا 17)

پہلی آیت میں بانجھ سے مراد کعبہ شریف ہے کیونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دور کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا نہ کتاب نازل ہوئی۔ بانجھ کا دوسرا اشارہ بنجر علاقہ کی طرف ہے جس کو قرآن مجید نے وادی غیر ذی زرع کہا (ابراہیم 37:14) بیکس چھوڑی ہوئی (متروکہ، دل آرزدہ، مطلوقہ بیوی) سے مراد سیدہ حاجرہ علیہا السلام ہیں۔ شوہر والی سے مراد سیدہ سارہ علیہا السلام ہیں۔ خانہ کعبہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد بتوں سے پاک کیا گیا۔ دین اسلام خداوند کی تعلیم ہے اور بذریعہ وحی تعلیم فرمایا گیا۔ مکہ جائے امن ہونے کی وجہ سے ظلم اور خوف اور دہشت سے دور ہے۔ کعبہ کے خلاف ابرہہ نے فوج اکٹھی کی مگر تباہ ہوا۔ خدا تعالیٰ نے رضیت لکم الاسلام دیناً اور اتممت علیکم نعمتی فرما کر ہمیشہ کے لیے رضا کا اظہار فرما دیا۔ آج تک کوئی ہتھیار کعبہ کے خلاف کام نہ آسکا اور خدا کے بندوں کو یہ علاقہ میراث میں ملا جن کا وعدہ انبیاء 21:105 اور نور 24:55 میں فرمایا گیا تھا۔ پہاڑ ٹیلے ٹل گئے مگر کعبہ شریف باقی رہا اور قیامت تک باقی رہے گا۔ چونکہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے بعد اس علاقہ عرب میں کوئی نبی تشریف نہ لائے لہٰذا یہ ساری پیش گوئی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی کے ذریعہ پوری ہوئی۔

12۔ امیوں پر کرم

جو میرے طالب نہ تھے میں انکی طرف متوجہ ہوا۔ جنہوں نے مجھے ڈھونڈا نہ تھا مجھے پالیا۔ میں نے ایک قوم سے جو میرے نام سے نہیں کہلاتی تھی فرمایا دیکھ میں حاضر ہوں (یسعیاہ 1:65)

خدا تعالیٰ نے قوم عرب جو کہ امی اور جاہلیت میں ڈوبے ہوئے تھے، پر کرم فرمایا اور ان میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا جس کا اعلان قرآن مجید کی سورہ جمعہ 2:62 میں فرمایا۔ یہ پیش گوئی بنی اسرائیل کے بارے میں اس لیے نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ خدا کے نام (ایل) سے قوم کہلاتی تھی۔

13۔ ابدی سلطنت

نبو کدنضر (بخت نصر) نے اپنی سلطنت کے دوسرے سال میں خواب دیکھا۔ جس کی تعبیر حضرت دانیال نبی علیہ السلام نے بتائی۔ آپ علیہ السلام اس خواب کی تعبیر میں فرماتے ہیں "ان بادشاہوں کے ایام میں آسمان کا خدا ایک سلطنت برپا کرے گا جو تا ابدنیست ہوگی اور اسکی حکومت کسی دوسری قوم کے حوالہ نہ کی جائے گی بلکہ وہ ان تمام مملکتوں کے ٹکڑے ٹکڑے اور نیست کرے گی اور وہ تا ابد قائم رہے گی (دانی ایل باب نمبر 1:2 اور 44)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بادشاہوں کے زمانوں میں مبعوث ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماننے والوں نے دو تہائی دنیا پر یا تو حکومت کی یا خراج وصول کیا۔ آج تک مسلمانوں کی سلطنت قائم ہے اور انشاء اللہ قیامت تک قائم رہے گی۔

14۔ آسمان کی بادشاہی

آسمان کی بادشاہی اس گھر کے مالک کی مانند ہے جو سویرے نکلا تا کہ اپنے تاکستان (انگوروں کا باغ) میں مزدور لگائے۔ اور اس نے مزدوروں سے ایک دینار روز ٹھہرا کر انہیں اپنے تاکستان بھیج دیا۔ پھر پہر دن چڑھے کے قریب نکل کر اس نے اوروں کو بازار میں بیکار کھڑے دیکھا۔ اور ان سے کہا تم بھی تاکستان چلے جاؤ۔ جو واجب ہے تم کو دوں گا۔ پس وہ چلے گئے۔ پھر اس نے دو پہر اور تیسرے پہر کے قریب نکل کر وہی کیا۔ اور کوئی ایک گھنٹہ دن رہے پھر نکل کر اوروں کو کھڑے پایا اور ان سے کہا تم کیوں یہاں تمام دن بیکار کھڑے رہے۔ انہوں نے کہا اس لیے کہ کسی نے ہم کو مزدوری پر نہیں لگایا۔ اس نے ان سے کہا تم بھی تاکستان چلے جاؤ۔ جب شام ہوئی تو تاکستان کے مالک نے اپنے کارندے سے کہا کہ مزدوروں کو بلا اور

پچھلوں سے لیکر پہلوں تک انکی مزدوری دے دے۔ جب وہ آئے جو گھنٹہ بھر دن رہے لگائے گئے تھے تو ان کو ایک ایک دینار ملا۔ جب پہلے مزدور آئے تو انہوں نے یہ سمجھا کہ ہم کو زیادہ ملے گا اور ان کو بھی ایک ایک دینار ہی ملا۔ جب ملا تو گھر کے مالک سے یہ شکایت کرنے لگے کہ ان پچھلوں نے ایک گھنٹہ ہی کام کیا ہے اور تو نے ان کو ہمارے برابر کر دیا جنہوں نے دن بھر کا بوجھ اٹھایا اور سخت دھوپ سہی۔ اس نے جواب دیکر ان میں سے ایک سے کہا میاں میں تیرے ساتھ بے انصافی نہیں کرسکتا۔ کیا تیرا مجھ سے ایک دینار نہیں ٹھہرا تھا؟ جو تیرا ہے اٹھالے اور چلا جا۔ میری مرضی یہ ہے کہ جتنا تجھے دیتا ہوں اس پچھلے کو بھی اتنا ہی دوں۔ کیا مجھے روا نہیں کہ اپنے مال سے جو چاہوں سو کروں؟ یا تو اس لیے کہ میں نیک ہوں بری نظر سے دیکھتا ہے؟ اسی طرح آخر اول ہو جائیں گے اور اول آخر (متی 20:1 تا 16)

اس تمثیل سے میں گھر کے مالک سے مراد اللہ تعالیٰ ہے اور مزدوروں سے مراد امتیں ہیں۔ تاکستان سے مراد شریعت ہے۔ پہلے مزدوروں سے مراد پہلی امتیں ہیں۔ دوسرے مزدوروں سے مراد یہود اور تیسرے مراد انصاریٰ ہیں اور چوتھے سے مراد اہل اسلام ہیں۔ شام سے روزِ جزا مراد ہے۔ دینار دینے سے مراد ثواب عطا کرنا ہے۔

15۔ تاکستان کا مالک

ایک اور تمثیل سنو۔ ایک گھر کا مالک تھا جس نے تاکستان لگایا اور اسکی چاروں طرف احاطہ گھیرا اور اس میں حوض کھودا اور برج بنایا اور اسے باغبانوں کو ٹھیکے پر دے کر پردیس چلا گیا۔ اور جب پھل کا موسم قریب آیا تو اس نے اپنے نوکروں کو باغبان کے پاس اپنا پھل لینے بھیجا۔ اور باغبانوں نے اس کے نوکروں کو پکڑ کر کسی کو پیٹا اور کسی کو قتل کیا اور کسی کو سنگسار کیا۔ پھر اس نے اور نوکروں کو بھیجا جو پہلوں سے زیادہ تھے اور انہوں نے ان کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا۔ آخر اس نے اپنے بیٹے کو یہ کہہ کر ان کے پاس بھیجا کہ وہ میرے بیٹے کا تو لحاظ کریں گے۔ جب باغبانوں نے بیٹے کو دیکھا تو آپس میں کہا کہ یہی وارث ہے۔ آؤ اسے قتل کر کے اس کی میراث پر قبضہ کرلیں۔ اور اسے پکڑ کر تاکستان سے باہر نکالا اور قتل کر دیا پس جب تاکستان کا مالک آئے گا تو ان باغبانوں کے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ انہوں نے اس سے کہا ان بدکاروں کو بری طرح ہلاک کرے گا اور باغ کا ٹھیکہ دوسرے باغبانوں کو دے گا جو موسم پر اس کو پھل دیں۔ یسوع علیہ السلام نے ان سے کہا کیا تم نے کتاب مقدس میں نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو معماروں نے رد

کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا۔ یہ خداوند کی طرف سے ہوا اور ہماری نظر میں عجیب ہے۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہی تم سے لے لی جائیگی اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے دے دی جائے گی۔ اور جو اس پتھر پر پڑے گا ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیگا لیکن جس پر وہ گرے گا اسے پیس ڈالے گا۔

(متی 21:33تا44)

ان آیات میں تاکستان کے مالک سے مراد اللہ تعالیٰ ہے۔ باغ سے مراد شریعت ہے۔ چاروں طرف سے احاطہ گھیرنے اور برج بنانے سے مراد اوامر و نواہی کی تفصیل ہے۔ باغبانوں سے مراد بنی اسرائیل کی سرکش قوم ہے جنہوں نے خدا کے پیغمبروں کو قتل کیا، مثلاً حضرت زکریا علیہ السلام بن یہویدع (2۔ تواریخ 22:24) انبیاء کرام علیہم السلام کی ایذا رسانیوں کے بارہ میں (2۔تواریخ 36:15-16) میں مذکور ہے۔ اس کے علاوہ اعمال 7:51 تا 53 میں بھی ان کے جرائم گنائے گئے ہیں۔ نوکروں سے مراد انبیاء کرام علیہم السلام ہیں جو خدا کی طرف سے آتے رہے۔ بیٹے سے مراد خدا کے برگزیدہ رسول سیدنا عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں جن کو عیسائی ابن اللہ مانتے ہیں۔ پھر دوسرے باغبان جن کو باغ شریعت سونپا گیا، ان سے مراد حضرت خاتم النبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروکار مراد ہیں۔ جس پتھر کو معماروں (بنی اسرائیل) نے رد کیا، سے مراد حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی اولاد میں جن میں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ کونے کا پتھر یعنی امام الانبیاء بن گئے۔ چونکہ کونے پر آ کر دونوں طرف سے دیوار ختم ہو جاتی ہے لہٰذا اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاتم النبین ہونا بھی مفہوم ہوتا ہے۔ اس پتھر پر گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہونے اور کسی پر گر کر پیس ڈالنے سے مراد جہاد کرنا ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میں قصر نبوت کی آخری اینٹ ہوں اور مجھ پر نبی اور رسولوں کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔ جب بنی اسرائیل نے اپنے آخری رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جان لینے کا ارادہ کر لیا تو خدا تعالیٰ نے نبوت و رسالت ان میں ختم کر کے دوسری قوم کو عطا فرما دی۔

16۔ مددگار۔ روح حق۔ فارقلیط۔ سچائی کی راہ دکھانے والے

اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمھیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمھارے ساتھ رہے (یوحنا 16:14) اسی باب کی آیت نمبر 26 میں ہے ''لیکن مددگار یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمھیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمھیں یاد دلائے گا۔''

عربی بائبل میں لفظ مُعَزِیا اور اس کے حاشیہ البارقلیط کا معنی شفیع، وکیل، تسلی دینے والا، برگزیدہ ہے۔

فارقلیط سے مراد روح القدس اس لیے نہیں ہوسکتا کیونکہ عیسائی عقیدہ کے مطابق باپ بیٹا اور روح القدس تینوں ذاتِ الٰہی اور متحد ہیں لہٰذا حضرت عیسیٰ کا ان کو دوسرا مددگار کہنا اور بھیجنا بے معنی ہوکر رہ جائے گا۔ ذات الٰہی اگر تین اقانیم سے متحد ہے تو ایک اقنوم کو دنیا میں کیسے بھیجا جاسکتا ہے؟ وکیل اور شفیع ہونا منصب نبوت کے متعلق ہے تو جو خود خدا ہے وہ وکیل اور شفیع کیسے ہوسکتا ہے؟ جب بقول عیسائیوں روح القدس عید پینٹی کوسٹ کے دن نازل ہوا، تب اس کے اثر سے وہ غیر زبانیں بولنے لگ گئے (اعمال 4:2) اور مریض کو شفادی (اعمال 7,6:3) وغیرہ تو اگر اب بھی روح القدس ان کے ساتھ ہے تو خارق عادت کرامات کیوں ظاہر نہیں ہوتیں؟ وہ مددگار آ کر دنیا کو گناہ اور راست بازی اور عدالت کے بارے میں قصوروار ٹھہرائے گا (یوحنا16:8) (اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنے منکرین پر ظاہر ہو۔) مجھے تم سے اور بھی باتیں کہنا ہیں مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ روح حق آئے گا تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا (یوحنا16:13) اگر روح القدس مراد ہوتو عید والے دن نازل ہوکر اس نے کون سے بہت احکام ظاہر کیے؟ یہ بھی لکھا ہے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا (یوحنا16:13) روح القدس جو عیسائی عقیدہ کے مطابق خود خدا ہے، وہ دوسرے سے سن کر کیسے کہے گا؟ چونکہ یہ پیش گوئی روح القدس کے بارے میں نہ تھی اسی لیے حضرت عیسیٰ نے تاکید کے ساتھ فرمایا "اگر تم مجھ سے محبت کرتے ہوتو میرے حکموں پر عمل کرو گے (یوحنا14:16) تاکہ اس کے بعد جو حکم دے رہے ہیں اس کا انتہائی اہم اور واجب العمل ہونا سمجھ لیں۔ اس کے علاوہ آپ علیہ السلام نے یوحنا14:29 میں پھر تاکید فرمائی۔ کیا روح القدس کو اپنا آپ منوانے کے لیے عیسائیوں کی رضامندی کی ضرورت تھی یا ہے؟ جس کے لیے اتنی تاکید کی جاتی۔ الغرض انتہائی تاکیدی کلام کے بعد فارقلیط کے آنے کا وعدہ فرمایا۔ اگر کوئی اعتراض کرے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات ان لوگوں سے تو نہ ہونا تھی تو پھر اتنی تاکید کیوں فرمائی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے ذریعہ اپنی امت کو تاکید کی کہ جب بھی فارقلیط آئے تو اس پر ایمان لانا۔ رہی بات اتنا عرصہ پہلے پیش گوئی کرنے کی تو یہ عرض ہے کہ مسیح علیہ السلام کے بارے میں بھی تو عیسائی ہزاروں سال پرانی عبارتوں کو بطور پیش گوئی پیش کرتے ہیں تو اس کا کیا جواب ہے؟ بلکہ وہ تو یہاں تک کرتے ہیں کہ جو عبارت دنیا کی کتابوں میں موجود نہ تھی اس کو بھی یسوع کی پیش گوئی بنا کر لکھ دیا کہ وہ ناصری کہلائے گا (متی 23:2) فارقلیط کے معنی میں موجود اوصاف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بدرجہ اتم صادق آتے ہیں۔ کیونکہ رسول ہونے کی حیثیت سے آپ وکیل، شفیع، تسلی دینے والے برگزیدہ،

روح حق، سچائی کی راہ دکھانے والے، خدا سے سن کر کہنے والے، غلط عقائد رکھنے والوں کو قصوروار ٹھہرانے والے ہیں۔

17۔ دنیا کا سردار یا سید العرب والعجم

اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں

(یوحنا 14:30، فقرہ نمبر 25 تا 31 پورا ایک مضمون ہے جس میں مددگار کو روح القدس اور دنیا کا سردار کہا گیا۔)

عیسائی حضرات دنیا کے سردار سے مراد شیطان لیتے ہیں (قاموس الکتاب، ص 585 کا آخری پیرا اور میزان الحق، ص 312 تیسرا حصہ باب نمبر 2 از پادری فانڈر) لہٰذا نئے عہد نامہ میں جہاں جہاں دنیا کے سردار کے لفظ آئے ہیں، ان کا اور اصل صورت حال کا جائزہ لیتے ہیں۔ ریفرنس بائبل میں یوحنا 16:11 کے ساتھ دنیا کے سردار کو مجرم ٹھہرانے والے فقرے کے ساتھ یہ حوالے دیئے گئے ہیں۔

1۔ کلسیوں 2:15= ''اس نے حکومتوں اور اختیاروں کو اپنے اوپر سے اتار کر ان کا برملا تماشہ بنایا اور صلیب کے سبب سے ان پر فتح یابی کا شادیانہ بجایا۔'' یہاں دنیا کے سردار سے مراد خود یسوع علیہ السلام ہیں۔

2۔ عبرانیوں 2:14= اس میں ابلیس کا ذکر ہے مگر اسے دنیا کا سردار نہیں لکھا گیا۔

یوحنا 12:31 کے ساتھ یہ حوالے ہیں:

3۔ یوحنا 14:30= ''دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں'' یہاں بھی ابلیس کا ذکر نہیں ہے۔

4۔ 2۔ کرنتھی 4:4= جہان کے خدا نے اندھا کر دیا تاکہ مسیح جو خدا کی صورت ہے......'' اس فقرہ میں جہان کے خدا سے مراد عیسائی لوگ شیطان لیتے ہیں۔ مگر اس میں دنیا کا سردار کے الفاظ نہیں ہیں۔

5۔ افسیوں 2:3،9،11،12= ان فقروں کا حوالہ فانڈر نے بھی دیا ہے۔ ان سب فقروں میں نہ شیطان کا ذکر ہے نہ سردار کا لفظ ہے۔

6۔ افسیوں 6:12= ''دنیا کی تاریکی کے حاکموں اور شرارت کی ان روحانی فوجوں سے جو آسمانی مقاموں میں ہیں۔'' اس میں شیطان کا لفظ ہے نہ سردار کا بلکہ تاریکی کے حاکموں کا ذکر ہے۔ اس سے مراد وہ ظالم حکومتیں ہو سکتی ہیں جنہوں نے عیسائیوں پر ظلم کیے۔

7۔ لوقا 10:18= اس فقرہ میں بھی شیطان کو دنیا کا سردار نہیں کہا گیا۔

8۔ یوحنا 3:8= اس فقرہ میں ابلیس کا ذکر ہے مگر اسے دنیا کا سردار نہیں کہا گیا۔

ان سب حوالوں سے ریفرنس بائبل پر لگائے گئے حوالوں کی بے وقعتی ،جعل سازی اور فریب دہی ثابت ہوتی ہے کیونکہ قطعاً غیر مطلق عبارتوں کے بارے میں ریفرنس لگا دیے تاکہ پڑھنے والا چوری نہ پکڑ سکے۔☆

دنیا کے سردار کے الفاظ تین جگہ آئے ہیں۔

1۔ یوحنا 12:31= اب دنیا کا سردار نکال دیا جائے گا۔اس سے مراد یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام آسمان پر لے جائے جائیں گے۔

2۔ یوحنا 14:30= کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔اس سے مراد سرورِ عالم ﷺ کی آمد ہے۔اس پر تفصیلی بحث آگے آ رہی ہے۔

3۔ یوحنا 16:11= دنیا کا سردار مجرم ٹھہرایا گیا ہے یعنی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر جھوٹا مقدمہ بنا کر ان کو سزا دلوانے کی سازش کی گئی ہے۔اسی فقرے کو کیتھولک ترجمہ میں یوں لکھا ہے "عدالت کے بارے میں اس لیے کہ اس دنیا کے سردار پر فتوی لگایا گیا ہے (ص 130 نیا عہد نامہ)" ان سب نے فتوی لگایا کہ وہ قتل کے لائق ہے (مرقس 14:64) فتوی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر لگایا گیا تھا۔

قابلِ غور!

کرنتھیوں کے نام دوسرے خط کے باب 4 آیت میں لکھا ہے "یعنی ان بے ایمانوں کے واسطے جنکی عقلوں کو اس جہان کے خدا نے اندھا کر دیا ہے تاکہ مسیح جو خدا کی صورت ہے اس کے جلال کی خوشخبری کی روشنی ان پر نہ پڑے۔" عیسائی حضرات جہان کے خدا سے یہاں مراد شیطان لیتے ہیں جیسا کہ فانڈر نے میزان الحق ص:312 پر اس کا حوالہ دیا ہے۔ہمارا سوال یہ ہے کہ اگر جہان کے خدا سے مراد آپ شیطان لیتے ہیں تو اسی فقرہ میں لکھا ہے کہ "مسیح جو خدا کی صورت ہے" وہ کیا ہے؟ ایک ہی فقرہ میں دو دفعہ خدا کا لفظ آیا ہے تو معنی بھی دونوں جگہ ایک ہی ہوں گے۔تو بتائیں کہ مسیح کس کی صورت ٹھہرے؟

اس فقرہ میں جہان کے خدا سے مراد خدا تعالیٰ ہی ہے اور لوگوں کو اندھا کرنے سے مراد ان کی لگاتار شرارتوں اور مخالفتِ حق کی بنا پر راہ ہدایت بند کر دینا ہے جیسا کہ فرمایا "میں فرعون کے دل کو سخت کر دوں گا۔(مثلاً خروج 4:21)

☆ یہی حال کیتھولک ترجمہ کا ہے اس میں مرقس 1:2 کے حاشیہ میں ملاکی 3:1 کا حوالہ دیا ہے جبکہ متن میں اشعیا کا حوالہ ہے

دنیا کا سردار کون؟

دنیا کے سردار سے مراد نئے عہد نامہ میں یا تو یسوع علیہ السلام ہیں جو اپنے وقت میں بحیثیت رسول دنیا کے سردار تھے اور بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کی پیش گوئی فرما گئے کہ مجھ میں ان جیسی خصوصیات نہیں جن میں دنیاوی غلبہ بھی شامل ہے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصوصی امتیازات مندرجہ ذیل ہیں جن میں کوئی بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شریک نہیں۔

(i) نسخ ادیان (ii) تکمیل دین (iii) ختمِ نبوت (iv) رضائے تامہ (v) عمومِ بعثت ۔ انہی کے پیش نظر یسوع علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔

ڈاکٹر سٹرونگ نے یونانی ڈکشنری کے نمبر 757 اور 758 کے تحت یونانی زبان کے وہ الفاظ لکھے ہیں جن کا ترجمہ دنیا کا سردار کیا گیا ہے۔ وہ الفاظ ہیں (i) آرکو (ii) آرخون (Archo, Archon) اس کے تحت اس نے لکھا کہ آرکو کو انگریزی میں To be the first in political rank or power کہتے ہیں اور آرخون کا ترجمہ The first in rank or power اور Chife ruler، مجسٹریٹ، پرنس، ruler ہے۔ لہٰذا یہاں کسی صورت بھی شیطان مراد نہیں ہو سکتا۔ بلکہ کوئی ایسی شخصیت مراد ہے جو سیاسی طور پر بھی اعلیٰ حکمران ہو۔ لہٰذا یہ پیش گوئی صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صادق آتی ہے کیونکہ دنیاوی بادشاہوں کے متعلق حضرت مسیح علیہ السلام نے پیش گوئی نہیں کی بلکہ ایسی شخصیات کے متعلق جو دین و دنیا کی جامع اور سردار ہو۔ اسی نے دین کی مزید تعلیم دینا تھی جس کی برداشت مسیح علیہ السلام کے شاگرد نہ کر سکتے تھے۔ ڈاکٹر سٹرونگ کے بتائے ہوئے معنوں کی تائید زبور سے بھی ہوتی ہے جس میں حضرت داؤد علیہ السلام خدا تعالیٰ کے حضور عرض کرتے ہیں "تو نے مجھے قوموں کا سردار بنایا ہے (زبور 43:18) نیز یہ کہ شیطان نہیں بلکہ "خدا ساری زمین کا بادشاہ ہے۔ (زبور 7:47)☆

18۔ غالب آنے والا

جو غالب آئے اور جو میرے کاموں کے موافق آخر تک عمل کرے میں اسے قوموں پر اختیار دوں گا۔ اور وہ

عیسائیوں سے سوال:

☆ ۱۔ بائبل میں کہاں لکھا ہے کہ شیطان دنیا کا سردار ہے؟ ۲۔ دنیا کا سردار نکال دیا جائے گا۔ اس سے مراد کون ہے؟ کیونکہ شیطان تو اب بھی دنیا میں موجود ہے۔ ۳۔ شیطان تو دنیا کا سردار ہو نہیں سکتا تو پھر دنیا کا سردار کون ہے؟

لوہے کے عصا سے ان پر حکومت کرے گا جس طرح کمہار کے برتن چکنا چور ہو جاتے ہیں۔ (مکاشفہ 2:26-27)

یہ تو ظاہر ہے کہ غالب و کامیاب شخصیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور ہے۔ یوحنا کا مکاشفہ بقول عیسائی حضرات 79ء میں لکھا گیا یعنی حضرت عیسیٰ کے 79 سال بعد۔ اس کے بعد سوائے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحب السیف پیغمبر اور کوئی نہیں گزرا جس نے مختلف اقوام پر غلبہ پایا ہو۔ یہ پیش گوئی صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صادق آتی ہے۔

19۔ شیلوہ (عبرانی شیلوخ)

اور یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو یہ کہہ کر بلوایا کہ تم سب جمع ہو جاؤ تا کہ میں تم کو بتاؤں کہ آخری دنوں میں تم پر کیا کیا گزرے گا...... یہوداہ سے سلطنت نہیں چھوٹے گی اور نہ اسکی نسل سے حکومت کا عصا موقوف ہوگا جب تک شیلوہ نہ آئے اور قومیں اس کی مطیع ہوں گی۔ (پیدائش 10:49)

ولیم میکڈونلڈ نے اپنی تفسیر کی پہلی جلد ص 106 پر لکھا ہے کہ شیلوہ سے مراد مسیح علیہ السلام ہے۔ ساتھ ہی لکھا ہے کہ لفظ شیلوہ کا مطلب مبہم سا ہے اور شرح کے لیے حزقی ایل 27:21 کا حوالہ لکھا ہے۔ حزقی ایل کے الفاظ میں "وہ آئے گا جس کا حق ہے اور میں اسے دوں گا۔" قاموس الکتاب میں لکھا ہے کہ اس لفظ کی وجہ سے پیدائش 10:49 کی تشریح کچھ مشکل پیش کرتی ہے...... بعض سلیمان علیہ السلام کے نام کے مطلب کی وجہ سے اسے سلیمان بادشاہ سے بھی جوڑتے ہیں (1۔ تواریخ 9:22) (اس آیت میں لفظ سلیمان کے معنی بتائے گئے ہیں) بعض علماء شیلوہ کو شیلوہ شہر سمجھتے ہیں اور یسوع 1:18 کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ جب تمام بنی اسرائیل سیلا میں جمع ہوئے اور یہوداہ کے قبیلے نے بڑی خوش اخلاقی سے اپنی برتری سے دست بردار ہونا قبول کیا۔ کچھ اور علما شیلوہ کو دو لفظوں کا مرکب تصور کرتے ہیں جس کے معنی "وہ جس کا ہے" بتاتے ہیں۔ اس ترجمہ کو حزقی ایل 27:21 سے تقویت ملتی ہے۔ (قاموس الکتاب، ص 586)

عیسائی حضرات یسوع علیہ السلام کو شیلوہ کا مصداق قرار دیتے ہیں مگر یہ بات دلائل کی روشنی میں ہرگز ثابت نہیں ہوتی کیونکہ لوقا نے لکھا "اور دیکھ تو حاملہ ہوگی اور تیرے بیٹا ہوگا۔ اس کا نام یسوع رکھنا، وہ بزرگ ہوگا اور خدا تعالیٰ کا بیٹا کہلائے گا اور خداوند خدا اس کے باپ داؤد کا تخت اسے دے گا۔ اور وہ یعقوب کے گھرانے پر ابد تک بادشاہی کرے گا اور اسکی بادشاہی کا آخر نہ ہوگا (لوقا 31:1 تا 33) جبکہ بشارتِ یعقوبی اس بات کا اظہار ہے کہ شیلوہ کے تشریف لانے کے بعد یہوداہ کی نسل سے سلطنت جاتی رہے گی۔

اگر یسوع علیہ السلام کو شیلوہ مانا جائے تو لوقا کی پیش گوئی غلط ثابت ہوتی ہے کیونکہ اس کے مطابق تو یہوداہ کی نسل سے حکومت جاتی نہیں بلکہ ان کے پاس ہی رہتی ہے۔لہٰذا یسوع تو اس کے مصداق نہیں ہو سکتے بلکہ اس کا مصداق ایسی متبرک و مقدس شخصیت ہوگی جو یعقوب کے گھرانے سے نہ ہو، جو غیر یہوداہ اور غیر اسرائیلی ہو۔ چونکہ یسوع علیہ السلام کے بعد سوائے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور کوئی نبی نہیں ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہوداہ کی نسل سے بھی نہیں، لہٰذا شیلوہ کے مصداق صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔لفظ شیلوہ کے حزقی ایل میں مذکور معنی کے پیش نظر یوں کہیے کہ ''حق بہ حق دار رسید''۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد یہودیوں کی رہی سہی حکومت اور اثر کا خاتم ہو گیا۔خاص طور پر فتح خیبر کے بعد یہوداہ کی نسل سے حکومت کا عصا موقوف ہو گیا۔قومیں جناب یسوع علیہ السلام کی نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مطیع ہوئیں۔

20۔سلامتی کا شہزادہ

لفظ شیلوہ کا ایک معنی سلامتی کا شہزادہ بھی ہے۔اس کے مصداق بھی یسوع علیہ السلام نہیں ہو سکتے کیونکہ انہوں نے فرمایا ''یہ نہ سمجھو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں، صلح کرانے نہیں بلکہ تلوار چلانے آیا ہوں۔ کیونکہ میں اس لیے آیا ہوں کہ آدمی کو اس کے باپ سے اور بیٹی کو اسکی ماں سے اور بہو کو اس کی ساس سے جدا کر دوں۔اور آدمی کے دشمن اس کے گھر ہی کے لوگ ہوں گے (متی 34:10 تا36) کیا تم گمان کرتے ہو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں؟ میں تم سے کہتا ہوں کہ نہیں بلکہ جدائی کرانے (لوقا12 :51)اس نے ان سے کہا مگر اب جس کے پاس بٹوا ہو وہ اسے لے اور اسی طرح جھولی بھی اور جس کے پاس نہ ہو وہ اپنی پوشاک بیچ کر تلوار خریدے۔(لوقا22 :36)

اب اس تعلیم کے مقابلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کارنامہ ملاحظہ کریں۔

(i) گبن لکھتا ہے کہ ''زمانہ جاہلیت سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور تک 1700 جنگیں صرف مدینہ میں ہو چکیں تھیں۔اور کسی دشمنی کے متعلق نثر یا شعر پڑھنے پر جذبات گرم ہو جاتے تھے اور جنونی متحارب قبیلوں میں وہی جذبہ جنگ عود کر آتا۔ہر آدمی خود ہی منصف اور خود ہی سزا دینے والا تھا۔

(GREV-5،P-323)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مواخات (بھائی چارہ) کے ذریعہ ایسی فضا قائم کر دی جس کا جنگ اور امن دونوں میں احترام کیا جاتا تھا اور متحارب فریق بھائی بھائی اور ایک دوسرے کے وفادار بن گئے۔(ایضاً ص:357)

(ii) حضور ﷺ کی دانائی سے پرانے دشمن یک جان ہو گئے (برٹانیکا جلد نمبر 15 ص 657:)

(iii) ڈینی سن لکھتا ہے "حضور ﷺ معجزانہ تبدیلیاں لائے۔ آپ ﷺ نے ایک ایسا دین پیش کیا جس میں پرانے فرقوں کے خدوخال نہیں تھے نہ مذہبی رہنماؤں کی سرداری تھی، نہ رسوم تھے۔ جو کہ ان دیکھے خدا سے روحانی تعلق کی بنا پر بنا تھا، یہ مذہب کسی خاص گروہ کو سر بلندی عطا کرنے کیلیے نہیں بنایا گیا بلکہ ایک عالمی بھائی چارہ بناتا ہے، جو کہ تمام انسانوں کی ہر نسل پر مشتمل ہے۔ ان تمام لوگوں کو جو اس بات کو قبول کریں کہ اللہ ان کا رب ہے اور رسول ﷺ کے فرماں بردار ہونے کا وعدہ کریں

(Emotions As The Basis of Civilization, P-274)

(iv) ماضی کو بھلا کر عرب میں نئی شروعات کی گئیں۔ ایک نیا ملک عرب اور نئی عرب قوم وجود میں آئی تاکہ وہ دنیا کی تاریخ میں جگہ حاصل کریں اور توحید کی شمع کو بلند کریں کہ ایک سچے خدا کی عبادت کرو (ایجوکیشنل بک کمپنی لندن-Book of Knowledge, v-4,P-2282)

(v) ایسا ہی میور نے "لائف آف محمد ﷺ" ص 161-162 پر لکھا ہے۔

(vi) عربوں کے خونی رشتے، قبائلی حمیت، ایک ہی وار سے عقیدہ کے نئے بندھن میں باندھ دی گئی۔ ایک طرح سے سب مسلمان بھائی بھائی کا کام عرب سے شروع کر دیا گیا (حتی تاریخ عرب ص 120-121) اپنی مختصر زندگی میں آپ ﷺ نے اس قوم کو متحد کیا جو کبھی متحد نہ ہوئی تھی اور اس ملک کو متحد کیا جو آج تک صرف ایک جغرافیائی نام تھا۔ ایک ایسے مذہب کی بنیاد رکھی جس نے عیسائیت اور یہودیت کو پیچھے چھوڑ دیا اور اب بھی نسل انسانی کا بڑا حصہ اسے مانتا ہے۔ ایک ایسی سلطنت کی بنیاد رکھی جو کہ آنے والے دنوں میں مہذب دنیا کے خوبصورت ترین صوبوں تک وسیع ہونے والی تھی۔

(حتی-ایضاً ص 121-122)

مقامی پادری صاحبان کے حوالے بھی ملاحظہ ہوں۔

(i) پادری غلام مسیح ایڈیٹر "نور افشاں" لاہور لکھتے ہیں "اور ان کے سوا شراب خوری، جوا بازی اور دیگر برائیاں وسط عرب کو برباد کر رہی تھیں جن کا ذکر پیشتر ہو چکا ہے۔ زمانہ زیر عرب میں اہل نظر کی گذشتہ شان مفقود ہی نہ تھی بلکہ اس زمانہ میں خارجی اور اندرونی آفتیں وسط عرب کی آبادی کا خون چوس رہی تھیں جن سے خلاصی اور رہائی پانا انسانی عقل وفکر اور قوت وطاقت کی حدود سے باہر ہو چکا تھا۔ اہل عرب کا اپنے بندھن سے آزاد ہونا اور اپنی آزادی وحریت کو پھر حاصل کرنا واقعی قدرت کے معجزانہ کام

پر منحصر تھا۔ جس کا کوئی حق پسند انسان ہرگز انکار نہیں کرسکتا ہے۔ چونکہ خدا نے یہ عظیم الشان کام حضرت محمد ﷺ مکی و مدنی کی معرفت کیا تھا۔ اس وجہ سے ہمارے زمانہ کی 24 کروڑ آبادی عرب اور اس کے فرزند اعظم کی عزت وحرمت کر رہی ہے۔ (کوائف العرب، ص: 182، بحوالہ بشیر احمد حسینی ص: 34-35)

(ii) پادری برکت اللہ لکھتے ہیں "حضرت محمد ﷺ صاحب دنیا کی نادر ہستیوں میں سے ہیں۔ جس طرح ہندوستان کو مہاتمہ بدھ کے وجود پر، ایران زرتشت اور چین کو کنفیوشس کے وجود پر اور بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ کے وجود پر بجا فخر ہے اسی طرح سرزمین عرب کو حضرت محمد ﷺ کے وجود پر فخر ہے۔ آپ ﷺ کی ذات سے جو فیوض اہل عرب کو پہنچے وہ تاریخ کے ورقوں پر آب زر سے لکھے ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ نے عرب کے مختلف قبیلوں کو جو ایک دوسرے سے برسر پیکار رہتے تھے، ایک جماعت میں منظّم کر دیا۔ اور دشت عرب میں شرک اور کفر کا خاتمہ کر دیا۔ اور اب دور حاضرہ میں مختلف ممالک میں پھیل گیا ہے۔ اس مذہب کے پیرووں کی تعداد کروڑوں پر مشتمل ہے۔ پس ہر شخص کا فرض ہے کہ اس نامور ہستی کے سوانح حیات سے واقف ہو (محمد عربی ﷺ ص 9 بحوالہ بشیر احمد حسینی ص 35)

عیسائی علماء کے ان بیانات کے پیش نظر ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ حضور ﷺ ہی سلامتی کے شہزادے ہیں۔ لہٰذا آپ ﷺ ہی شیلوہ کے مصداق ہیں۔ جنابِ یسوع علیہ السلام اس کے مصداق اس لیے بھی نہیں ہوسکتے کہ شیلوہ حکومت کرے گا مگر ان کو حکومت کا موقع نہ ملا۔ وہ خود فرماتے ہیں "میری بادشاہی اس دنیا کی نہیں۔ (یوحنا 36:18)

21۔ کوہ فاران سے جلوہ گر ہونے والا

خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر آشکارا ہوا۔ وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا۔ اس کے داہنے ہاتھ پر ان کے لیے آتشی شریعت تھی۔ وہ بے شک قوموں سے محبت رکھتا ہے۔ اس کے سب مقدس لوگ تیرے ہاتھ میں ہیں اور وہ تیرے قدموں میں بیٹھے۔ ایک ایک تیری باتوں سے مستفیض ہوگا۔ (استثنا: 33:2-3)

سیدنا موسیٰ علیہ السلام اس پیش گوئی میں دونوں بڑے عیسائی فرقوں نے تحریف کی ہے۔ پروٹسٹنٹ ترجمہ اوپر لکھا گیا ہے۔ اس میں دس ہزار کی جگہ لاکھوں لکھ دیا گیا اور کیتھولک ترجمہ میں اسم عدد کا ترجمہ اسمِ عدد سے کرنیکی بجائے جگہ کا نام مریبہ قادیش لکھ دیا گیا۔ پہلے کیتھولک تحریف کا ثبوت دے کر پھر پروٹسٹنٹ تحریف پر

مفصل گفتگو کرتے ہیں۔ کیتھولک حضرات نے مریبہ قادلیش لکھا ہے۔ پوچھو تو کہتے ہیں کہ مریبہ کا معنی ہزاروں اور قادلیش کا معنی قدسی ہے۔ جبکہ قاموس الکتاب میں لکھا ہے کہ یہ الفاظ بائبل میں دو جگہ آئے ہیں۔

(1) مریبہ:۔ سینا کے شمال مغرب میں ایک مقام جہاں موسیٰ نے خداوند کے حکم سے چٹان کو مارا تھا اور لوگوں کی پیاس بجھانے کے لیے پانی ابل پڑا (خروج 1:17 تا 7) موسیٰ نے اس جگہ کا نام مسّہ یعنی آزمانا اور مریبہ رکھا کیونکہ بنی اسرائیل نے وہاں جھگڑا کر کے خداوند کو آزمایا۔

(2) قادِش:۔ برنیع کے نزدیک ایک جگہ (کیتھولک قادلیش) (گنتی 1:20 تا 13) (قاموس الکتاب ص 903) تیسری جگہ لکھا ہے۔ ''کیونکہ تم دونوں نے بنی اسرائیل کے درمیان صین (ص ی ن) کے بیابان میں مریبہ قادلیش کے پانی پر میرے خلاف قصور کیا (تثنیہ شرع 51:32 کیتھولک ترجمہ) ان حوالوں سے یہ بات ثابت ہوئی کہ مریبہ قادلیش جگہ کے نام ہیں، اسم عدد نہیں ہیں۔

پروٹسٹنٹ حضرات نے اسم عدد کا ترجمہ اسم عدد سے کیا ہے۔ انہوں نے 1930ء تک اس آیت کا ترجمہ ''وہ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا'' (استثنا 2:33) لکھا۔ جب مسلم علماء نے اس آیت کو حضور ﷺ کی بابت پیش گوئی کے طور پر پیش کیا تو انہوں نے اس کا ترجمہ بدل کر ''اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا'' کر دیا اور یہ کہنے لگے کہ پہلا ترجمہ غلط تھا۔ جب کہ استثنا (30:32) میں وہی عبرانی کا لفظ ہے Rebawa جس کا ترجمہ وہاں دس ہزار اب بھی برقرار رکھا گیا ہے کیونکہ وہاں کوئی پریشانی نہیں تھی۔ ان کے اس عمل نے قرآن مجید کی پیش گوئی کو سچا کر دیا کہ ''یہ لوگ کلماتِ کتاب کو اپنے مقامات سے بدل دیتے ہیں...... اور تو ہمیشہ ان کی ایک نہ ایک خیانت کی خبر پاتا رہے گا (المائدہ 13:5) انہوں نے بہانہ یہ بنایا کہ جس عبرانی لفظ کا ترجمہ پہلے دس ہزار اور پھر لاکھوں کیا گیا وہ رِوّ وتھ ہے جو کہ جمع ہے اور اس کا واحد رِواوا ہے جن کا معنی دس ہزار ہے۔ اس جگہ عبرانی لفظ دراصل کون سا ہے؟ اس کے لیے ہم کسی مسلمان عالم کا نہیں بہت بڑے عیسائی عالم ڈاکٹر جیمز سٹرونگ کا حوالہ دیتے ہیں۔ وہ ڈریو تھیولاجیکل سمیزری میں پروفیسر تھے۔ انہوں نے 35 سال کی محنت کے بعد کنگ جیمز ورژن (KJV) کا **معجم المفهرس** (انڈکس) تیار کیا۔ جو کہ پہلی دفعہ 1890ء میں شائع ہوا۔ اس کے آخر میں عبرانی اور یونانی زبان کی ڈکشنری بھی شامل ہے۔ ہر لفظ کے ساتھ متعلقہ یونانی یا عبرانی ڈکشنری کا نمبر ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے استثنا کی زیر بحث آیت پر عبرانی ڈکشنری کا نمبر 7233 لگایا ہے (Conodance، ص: 1407) لفظ TEN کے اس نمبر کے تحت عبرانی ڈکشنری میں لکھا ہے کہ یہاں اصل عبرانی لفظ "rebabah" ہے جس کا تلفظ "reb-aw-baw"

ہے اور جس کا معنی دس ہزار ہے۔اس کے علاوہ معانی بھی لکھتے ہیں۔ (ص:129 عبرانی ڈکشنری)

ڈاکٹر صاحب کا بیان برصغیر میں جاری 150 سالہ بحث میں فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے کیونکہ انہوں نے برصغیر سے بہت دور امریکہ میں بیٹھ کر یہ معجم تیار کی۔ یہی لفظ یعنی راواوا استثنا 30:32، زبور 7:91 اور غزل الغزلات 10:5 میں بھی آیا ہے اور سوائے زیر بحث پیش گوئی کے، ہر جگہ اس کا ترجمہ دس ہزار ہی کیا گیا ہے، زیر بحث آیت یعنی استثنا 2:33 کا انگریزی ترجمہ ملاحظہ کریں۔

یہ دنیا بھر کی 99 بائبل سوسائٹیوں کے نمائندہ حضرات کا متفقہ ترجمہ ہے جس میں پاکستان بائبل سوسائٹی بھی شامل ہے۔

1. Ten Thousand Angels were with Him (Good News Bible)

2. He came with ten thousands of saints

(King James Version -KJV)

3. He came from Ten Thousands of Holy ones

(Revised Standard Version-RSV)

گڈ نیوز بائبل حاشیہ d کے تحت مذکورہ آیت کے بارے میں لکھا ہے کہ عبرانی متن واضح نہیں (Hebrew Unclear - ص:205) بائبل کے 99 علماء کو دس ہزار سمجھ میں آیا لہٰذا اس اجماعی ترجمہ کے مقابلہ میں کسی ایک آدمی کی کوئی وقعت نہیں رہتی۔ اگر کسی کو اعتراض ہے تو ان علماء پر کرے۔

یہ آیت حضور ﷺ کے فتح مکہ کے موقع پر حرم میں داخلہ کو تو شامل ہے ہی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توصیف بھی ہے کہ ان کو سیدنا موسیٰ علیہ السلام قدسی کہہ رہے ہیں۔ یہاں قدسی سے مراد فرشتے نہیں ہیں۔ جیسا کہ آر۔ ڈمیلو نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہاں Saints سے مراد بنی اسرائیل کے پاک لوگ ہیں۔ لہٰذا یہاں قدسی سے مراد فرشتے نہیں انسان ہیں۔ جب حضور ﷺ نے مکہ فتح فرمایا تو دس ہزار مسلمان آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے۔ (پادری فانڈر۔ میزان الحق، حصہ سوم باب نمبر 7، ص:457)

آتشی شریعت سے مراد قرآن مجید کی تعلیم ہے جو جہاد و قصاص اور حدود و تعزیرات کے احکام کو بھی شامل ہے۔ وہ بیشک قوموں سے محبت رکھتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی دلیل تو حضور ﷺ کا رحمۃ للعالمین ہونا ہے۔ اس فقرے میں تحریف کر کے کیتھولک ترجمہ بالکل الٹ کر دیا گیا ہے جس میں لکھا ہے۔

"اس کے قہر نے اقوام کو تباہ کر دیا"۔

قرآن مجید کو آتشی شریعت اس لیے کہا گیا ہے کہ اسکی روحانی قوت وتاثیر سے صدیوں کے کافر مومن اور مشرک موحد بن گئے۔ کفر وشرک مٹ گیا اور توحید کا بول بالا ہوا۔ اس لیے بھی کہ اس میں جہاد وقصاص اور حدود وتعزیرات ہیں جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں ایسے احکامات کا نام ونشان بھی نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انسانوں کے قیامت تک نبی ورسول ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں۔ تمام انسانوں سے محبت رکھتے ہیں کہ یہ دوزخ سے بچ جائیں۔ اس دور کے مقدسین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں بیٹھے اور ایک ایک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مستفیض ہوا۔

فاران

عیسائی حضرات کا کہنا یہ ہے کہ اس بشارت میں مذکور فاران کنعان کے جنوب میں بیابان کا نام ہے جس کا ذکر پیدائش 6:14، گنتی 12:10، گنتی 16:12، گنتی 3:13، استثنا 1:1، 1- سلاطین 18:11 میں ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہی فاران ہے جہاں پیدائش 21:21 کے مطابق حضرت اسماعیل علیہ السلام کی رہائش تھی۔ جبکہ ڈاکٹر جیمز سٹرونگ اپنی معجم (Concordance) میں لکھتے ہیں کہ Paran-A desert of Arabia (P-112. S.No 6290) یعنی فاران عرب کا ایک صحرا ہے (ص 112 عبرانی ڈکشنری نمبر شمار 6290)۔ پیدائش 21:21 میں سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی رہائش کے بارے میں لکھا ہے کہ "اور وہ فاران کے بیابان میں رہتا تھا اور اسکی ماں نے اس کے لیے ملک مصر سے بیوی لی" ان کے وہاں جانے کا قصہ پیدائش 21:8 تا 21 میں بیان ہوا ہے، جس میں آب زم زم کے معجزانہ طور پر ظاہر ہونے کا بھی ذکر ہے۔ آپ علیہ السلام وہاں اپنی والدہ ماجدہ سیدہ حاجرہ علیہا السلام کے ساتھ رہتے تھے۔ پال اس کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے "ہاجرہ عرب کا کوہ سینا ہے (گلتیوں 25:4) پال اور ڈاکٹر سٹرونگ کے مطابق فاران عرب میں ہے اور وہیں سیدہ ہاجرہ علیہا السلام اور اسماعیل علیہ السلام کی رہائش تھی۔ جس فاران کا ذکر عیسائی حضرات کرتے ہیں وہاں اولاد اسماعیل کی رہائش کا ثبوت نہیں ملتا البتہ ان کی تحریروں میں عرب میں آل اسماعیل علیہ السلام کی رہائش کا ثبوت ملتا ہے۔ مولانا بشیر احمد حسینی نے اپنی کتاب اسلام اور عیسائیت میں یہ حوالے نقل کیے ہیں مثلاً پادری جے علی بخش کی تفسیر زبور ص 489، پادری پال کی کتاب عربستان میں مسیحت ص 32-33، ڈاکٹر بلیکی ڈی ڈی کی کتاب تواریخ بائبل ص 76 اور ص 83، پادری جے علی بخش کی تفسیر قرآن حصہ اول ص 249، پادری غلام مسیح کی کتاب کوائف العرب ص 26، زبور 5:120، (مذکورہ کتاب کا ص 76 تا ص 80)

22۔مُحَمَّدِ یم

میرا محبوب سرخ وسفید ہے۔ وہ دس ہزار میں ممتاز ہے۔اس کا سر خالص سونا ہے۔اسکی زلفیں پیچ در پیچ اور کوے سے بھی کالی ہیں۔اس کی آنکھیں ان کبوتروں کی مانند ہیں جو دودھ میں نہا کر لب دریا تمکنت سے بیٹھے ہوں۔اس کے رخسار پھولوں کے چمن اور بلسان کی ابھری ہوئی کیاریاں ہیں۔اس کے ہونٹ سوسن ہیں جن سے رقیق مُر ٹپکتا ہے۔اس کے ہاتھ زبرجد سے مرصع سونے کے حلقے ہیں۔اس کا پیٹ ہاتھی دانت کا کام ہے جس پر نیلم کے پھول بنے ہوں۔اسکی ٹانگیں کندن کے پایوں پر سنگ مرمر کے ستون ہیں۔وہ دیکھنے میں لبنان اور خوبی میں رشکِ سرو ہے۔اس کا منہ ازبس شیریں ہے۔ہاں وہ سراپا عشق انگیز ہے۔"(غزل الغزلات 10:5 تا 16)

پادری فانڈر لکھتا ہے "بعض مسلمان غزل الغزلات سلیمان علیہ السلام کے پانچویں باب کی سولہویں آیت اس بنا پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب کرتے ہیں کہ عبرانی لفظ مُحَمَّدِیم یعنی راحت ہا جو کہ لفظ محمد کی طرح حمد سے مُشتق ہے، اس میں پایا جاتا ہے۔ (میزان الحق حصہ سوم باب 2 ص 295)

کیتھولک ترجمہ میں غزل الغزلات کو نشید الاناشید لکھا گیا ہے۔اس کتاب کے شروع میں تعارف میں لکھا ہے "نشید الاناشید یا غنائے سلیمانی (سلیمان کی غزلوں) کا الہامی مصنف صوفیانہ طور پر دلہا اور دلہن کی عشقیہ گفتگو کی تمثیل سے خدائے بزرگ و برتر اور امت اسرائیل کے روحانی عقد کی بحالی کا بیان کرتا ہے۔کتاب کا مرکزی موضوع خدا اور چُنی ہوئی قوم کا الٰہی پیار اور عہد سے وفاداری ہے اور اسی میں کنایۃً کلیسا اور المسیح میں عمدہ وحدت و وصال کی کیفیت ظاہر ہوتی ہے۔بعض روحانی مصنفین ان باتوں کے علاوہ اس کتاب میں کامل مومنین اور خصوصاً خاتونِ مبارک مقدسہ مریم کنواری کے ساتھ خدا کی مہربانی کے ناقابل بیان عہد وفاداری کے ناقابل بیان عہد وفاداری کا ذکر دیکھتے ہیں۔" (کیتھولک بائبل ص:773)

ثابت ہوا کہ غنائے سلیمانی بشارت ہے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ غزل الغزلات کا سن تصنیف تقریباً 1020ء قبل مسیح ہے۔

(یہوواہ وٹنس بائبل ص:1546)

ان آیات کی شرح میں میتھو ہنری کی تفسیر الکتاب جلد نمبر 2 ص 535-536 پر لکھا ہے کہ یہ بشارت مسیح کے حق میں ہے۔ان آیات کی جو شرح میتھو ہنری نے کی ہے۔اس کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے۔

آیت نمبر 39 میں کیے گئے سوال کے جواب میں زوجہ اپنے محبوب کے بارے میں بیان کرتی ہے۔
وہ ان کو یقین دلاتی ہے کہ میرے محبوب کے کمالات لاجواب اور بے مثال ہیں۔اس کی ہر چیز حسین اور دل پذیر ہے۔

میرا محبوب سرخ وسفید ہے (آیت 10) یہ اس کی بے داغ زندگی اور جلال کی طرف اشارہ ہے۔اس میں وہ حسن ہے جو کسی دوسرے میں نہیں ۔ وہ دس ہزار میں ممتاز ہے۔وہ اس کی فضیلتوں کی خاص تفصیل بیان کرتی ہے۔ وہ اسکی قوت یا دل پذیر قناعت کو نہیں چھپاتی...... مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری اور کام کے لحاظ سے اہل ہے اور اس میں ہر وہ خصوصیت موجود ہے جو سفارش کرتی ہے کہ ہم اس کی عزت وقدر کریں۔اس کا سر خالص سونا ہے (آیت 11) یہ سب مطلق العنان اختیار اور حکومت کو ظاہر کرتا ہے۔اسکی زلفیں پیچ در پیچ اور کوے سے بھی کالی ہیں۔زلفوں کا کالا ہونا ہی ان کی خوبصورتی ہے۔زلفیں ظاہر کرتی ہیں کہ وہ ہمیشہ جوان ہے اور اس میں کچھ نہیں جو بوڑھا ہو۔اس کی آنکھیں ان کبوتروں کی مانند ہیں...... (آیت 12) صاف اور روشن، حیادار اور مہربان۔اس کے رخسار پھولوں کے چمن...... (آیت 13) یہ مسیح کے روح پرانوکھے اظہار کا اشارہ جو بحال کرنے والے اور تازگی بخش ہوتے ہیں اور اعلیٰ ترین پھولوں اور عطروں سے زیادہ خوشبودار ہوتے ہیں (مراد حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم ہے) اس کے ہونٹ...... (آیت 13) یہ اس کے منہ سے نکلنے والی پرفضل باتیں ہیں ان سب کے لیے جو پاک اور مقدس کئے گئے۔اس کے ہاتھ زبرجد...... (آیت 14) اس کے سارے کام سونے ،سنگِ سلیمان اور نیلم کی طرح بیش قیمت اور گراں قدر ہیں اور سب خوبصورت ہیں۔اس کا پیٹ ہاتھی دانت کا کام ہے...... یہ اپنی زوجہ کے لیے اس کی الفت اور محبت کو ظاہر کرتا ہے۔اسکی ٹانگیں...... (آیت 15) اس سے اس کی ثابت قدمی اور استقامت ظاہر ہوتی ہے۔اس کے کندھوں پر سلطنت کا جتنا بوجھ ہے، وہ اسے برداشت کرنے کے قابل ہے۔لبنان، خوشنما پہاڑ، دلفریب اور خوش منظر مقام ہے (مراد یہ کہ پہاڑ کی طرح ثابت قدم اور خوبصورت ہے۔ناقل) اس کا منہ ازبس شیریں ہے ...... (آیت 16) اس کے منہ کی باتیں ایماندار کے لیے حلاوت اور مٹھاس ہیں۔وہ سراپا عشق انگیز ہے......
یہاں زوجہ کی اس میں دل چسپی کے بارے میں امید کی مکمل یقین دہانی موجود ہے۔یہ ہے میرا محبوب، یہ ہے میرا پیارا (سیاق وسباق سے ظاہر ہوتا ہے کہ زوجہ سے مراد امت ہے) یہ تمام خصوصیات صرف حضور علیہ السلام پر صادق آتی ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رنگت سرخ وسفید تھی، زندگی بے داغ تھی جس کی طرف قرآن مجید نے فقد لبثت فیکم عمراً (یونس 16:10) اشارہ کر کے چیلنج دیا۔فتح مکہ کے موقع پر 10 ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

آپ ﷺ کے ساتھ تھے اور حضور ﷺ ان میں ممتاز تھے۔ آپ ﷺ نے جو کارنامہ سرانجام دیا وہ تاریخ انسانی میں بے مثال ہے۔ آپ ﷺ نے ثابت کیا کہ آپ ﷺ اپنی اپنی ذمہ داری اور کام کے لیے ہر لحاظ سے اہل تھے۔ بقول مائیکل ہارٹ حضور ﷺ وہ تاریخی ہستی ہیں جو دینی و دنیاوی دونوں محاذوں پر برابر طور پر کامیاب رہی۔ (سوعظیم آدمی، اردو ص25) آپ ﷺ کی یہ خصوصیات سفارش کرتی ہیں کہ ہم آپ ﷺ کی عزت وقدر کریں۔ یہی حکم قرآن مجید میں یوں دیا گیا "تم لوگ خدا پر اور اس کے پیغمبر پر ایمان لاؤ اور اسکی مدد کرو اور اس کو بزرگ سمجھو (فتح 9:48) حضور ﷺ اس لحاظ سے مطلق العنان ہیں کہ دین میں آخری حکم آپ ﷺ کا ہے۔ جو آپ ﷺ فرما دیں، اس کے بعد چون و چرا کی مجال نہیں۔ آپ ﷺ کو ظاہری حکومت بھی حاصل ہوئی جبکہ حضرت مسیح علیہ السلام کو اپنی زندگی میں اس کا موقع نہ مل سکا۔ آپ کی زلفیں نہایت خوبصورت اور کالی تھیں۔ ہنری میتھو کی تفسیر کے مطابق اس کی شرح یہ ہے کہ وہ ہمیشہ جوان ہے اور اس میں کچھ نہیں جو بوڑھا ہو"۔ اس سے دین بھی مراد ہو سکتا۔ چونکہ حضور ﷺ کا دین تمام انسانوں کے لیے اور قیامت تک کے لیے ہے۔ لہٰذا وہ کبھی کالعدم نہ ہوگا اور نہ اس میں ناقابل عمل ہونے کی بنا پر تبدیلی کی ضرورت پڑے گی لہٰذا دین ہمیشہ جوان اور بڑھاپے سے محفوظ ہے۔ حضور ﷺ کی آنکھیں خوبصورت، صاف، روشن اور حیادار تھیں۔ حضور ﷺ کا پیغام زندگی بخش اور پھولوں سے زیادہ خوشبودار خوشگوار ہے۔ آپ ﷺ کے منہ سے صرف حق بات ہی نکلی جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا "اور نہ خواہش نفس سے منہ سے بات نکالتے ہیں۔ یہ قرآن تو حکم خدا ہے جو انکی طرف بھیجا جاتا ہے۔ (نجم 53:3-4) حضور ﷺ کے سارے کام سب سے قیمتی چیزوں سے بھی گراں قدر اور خوبصورت ہیں۔ حضور ﷺ اپنی امت پر انتہائی شفیق ہیں (توبہ 128:9) حضور ﷺ نے کار نبوت میں بے ثابت مثال قدمی اور استقامت کا مظاہرہ فرمایا اور سلطنت کا بوجھ برداشت کیا۔ جبکہ حضرت یسوع علیہ السلام کو سلطنت چلانے کا موقع نہ ملا اور بوقت صلیب خلافِ استقامت کلمات بھی منہ سے نکلے ملاحظہ ہو (متی 39:26 اور متی 46:27) حضور ﷺ میں پہاڑ جیسی ثابت قدمی اور کردار کی خوبصورتی لوگوں نے اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کی۔ امت نے بھی حضور ﷺ کے تمام احکام کو سر آنکھوں پر رکھا، انکے وعدوں کے بارے میں پر امید رہے اور دنیاوی زندگی سے متعلق ان کے وعدے خدا کی مدد سے پورے ہوئے۔ اب بھی حضور ﷺ اور امت کے عشق کو پنجابی کے ان مصرعوں میں بیان کیا جا سکتا ہے:

نئیں جمنا ہور کوئی تیرے جیہا، کسے پیار نئیں کرنا میرے جیہا۔

تیرے جیسا کوئی پیدا نہ ہوگا اور میرے جیسا پیار کوئی بھی اپنے محبوب سے نہیں کرے گا یعنی محبوب اور محبّ دونوں بے مثال ہیں۔

اس پیش گوئی پر عیسائی اعتراضات اور ان کا جواب

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس پیش گوئی کا مصداق ہونے پر پادری لوگ اعتراض کرتے ہیں۔ جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔ فانڈر نے اعتراض کیا ہے کہ محمدیم کا معنی راحت (بہت سے سکھ) ہے۔ (میزان الحق حصہ سوم باب 2 ص 295)
اس کا یہ اعتراض محض غلط بیانی ہے کیونکہ بائبل کے کسی ترجمہ میں محمدیم کا ترجمہ راحت ہا نہیں کیا گیا بلکہ عشق انگیز کیا گیا۔

2۔ یہ صیغہ واحد نہیں جمع کا ہے لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد نہیں ہو سکتے (ایضا) یہ اسی طرح تعظیم کا صیغہ ہے جس طرح پیدائش 1:1 میں الوھیم کا ترجمہ خدا کیا گیا ہے۔ حالانکہ الوھیم جمع کا صیغہ ہے مگر ترجمہ صیغہ واحد یعنی خدا کیا گیا، ملاحظہ ہو ڈاکٹر سٹرونگ کی عبرانی ڈکشنری کا نمبر 430 لفظ الوھیم، لہٰذا محمدیم کا صحیح ترجمہ ''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں'' ہوگا جیسا کہ قاضی سلیمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ نے رحمۃ العالمین میں لکھا ہے۔
چونکہ ساری عبارت شخصِ واحد کے بارے میں ہے لہٰذا ساری عبارت میں ترجمہ بھی صیغہ واحد میں کیا گیا ہے۔

3۔ پادری فانڈر نے ص: 295 پر 12 حوالے لکھ کر کہا کہ یہ لفظ محمدیم ان جگہوں پر آیا ہے اور صیغہ جمع میں آیا ہے۔ حالانکہ عشق انگیز کے الفاظ صرف 2 جگہ آئے ہیں ایک غزل الغزلات 16:5 اور دوسرے حزقی ایل 8:16 (کلید الکتاب، ص: 1044) اگر باقی دس جگہ پر لفظ محمدیم آتا تو وہاں بھی یہی ترجمہ ہونا چاہیے تھا مگر وہاں نہیں ہے۔ لہٰذا فانڈر نے جان بوجھ کر دھوکہ دیا۔

23۔ مشرق سے مبعوث ہونے والا راست باز

کس نے مشرق سے اس کو برپا کیا جس کو وہ صداقت سے اپنے قدموں میں بلاتا ہے؟ وہ قوموں کو اس کے حوالہ کرتا اور بادشاہوں پر مسلط کرتا ہے اور ان کو خاک کی مانند اس کی تلوار کے اور اُڑتی ہوئی بھوسی کی مانند اس کی کمان کے حوالہ کرتا ہے۔ وہ ان کا پیچھا کرتا اور اس راہ سے جس پر پیشتر قدم نہ رکھا تھا۔ سلامت گزرتا ہے۔ یہ کس نے کیا اور ابتدائی پشتوں کو طلب کر کے انجام دیا؟ میں خداوند نے جو اول و آخر

ہوں۔ وہ میں ہی ہوں۔ (یسعیاہ 2:41 تا 4)

پروٹسٹنٹ حضرات نے لفظ صادق کو ترجمہ سے اڑا دیا۔ جبکہ کیتھولک ترجمہ میں ہے "کس نے صادق کو مشرق سے برپا کیا" (یسعیاہ 2:41) پروٹسٹنٹ حضرات کے انگریزی ترجمہ KJV ص: 357 پر اس فقرہ میں لفظ Righteous (راست باز) اب بھی موجود ہے۔ چونکہ حضور ﷺ کو مشرکین مکہ بھی صادق اور امین کہتے تھے لہٰذا لفظ صادق کو پروٹسٹنٹ حضرات نے اردو ترجمہ سے ختم کر دیا تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ مشرق سے مراد عرب ہے جیسا کہ پادری سلطان پال نے اپنی کتاب عربستان میں مسیحیت کے ص 33-34 پر لکھا ہے (بحوالہ بشیر احمد حسینی ص 215) صادق اور عرب کے الفاظ سے یہ واضح ہو گیا کہ اس پیش گوئی کے مصداق صرف حضور ﷺ ہی ہیں۔ حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے عرب پر غالب کیا اور آپ ﷺ کے ماننے والوں کو اپنے زمانہ کی سپر پاورز (ایران و روم) پر غالب کیا۔ اس کے علاوہ کئی ملکوں کو فتح کیا۔ آج بھی 57 ممالک پر آپ ﷺ کے نام لیوا حکومت کر رہے ہیں۔ جہاد کرنیکا موقع حضور ﷺ کو ملا۔ عیسیٰ علیہ السلام کو جہاد اور بادشاہی پر مسلط ہونے کا موقعہ پہلی زمینی زندگی میں نہ مل سکا۔

24۔ ابدی خوش خبری کا وارث

پھر میں نے ایک اور فرشتہ کو آسمان کے بیچ میں اڑتے ہوئے دیکھا جس کے پاس زمین کے رہنے والوں کی ہر قوم اور قبیلہ اور اہل زبان اور امت کے سنانے کے لیے ابدی خوشخبری تھی۔ اس نے بڑی آواز سے کہا کہ خدا سے ڈرو اور اسکی تمجید کرو کیونکہ اسکی عدالت کا وقت آ پہنچا ہے اور اسی کی عبادت کرو جس نے آسمان اور زمین اور سمندر اور پانی کے چشمے پیدا کیے (مکاشفہ 6:14-7)

زمین کے رہنے والوں کی ہر قوم کے لیے ابدی خوش خبری قرآن مجید ہے۔ اس میں صرف خدا تعالیٰ کی عبادت کی دعوت ہے۔ ورنہ اناجیل اربعہ تو یسوع علیہ السلام کی عبادت کی دعوت دیتی ہیں یا تین خداؤں کی عبادت کی۔ قرآن مجید نے ہی بتایا کہ اقتربت الساعۃ (قیامت کی گھڑی قریب آ پہنچی) (سورہ قمر 1:54)

اور یہ کہ لوگوں کا یوم حساب قریب آ پہنچا اور وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں (انبیاء 1:21) قرآن ہی میں کائنات کا خالق صرف اللہ کے ہونے کا بیان ہے۔ قرآن مجید ہی کا دعویٰ ہے کہ اب تمام انسانوں، ہر قوم و قبیلہ و اہل زبان و امت کے لیے صرف وہی کتاب ہدایت ہے اور صاحب قرآن تمام انسانوں کی طرف رسول ہیں (اعراف 158:7) صرف انہی کا دعویٰ ہے کہ لا نبی بعدی "میرے بعد کوئی نبی نہیں" لہٰذا قرآن ہی ابدی خوشخبری اور حضور ﷺ یہ اس ابدی خوشخبری کے وارث ہیں۔

25۔قیدار کی بھیڑیں اور شوکت کا گھر

اٹھ منور ہو کر تیرا نور آ گیا......قیدار کی سب بھیڑیں تیرے پاس جمع ہوں گی۔نبایوت کے مینڈھے تیری خدمت میں حاضر ہوں گے۔وہ میرے مذبح پر مقبول ہوں گے اور میں شوکت کے گھر کو جلال بخشوں گا۔یہ کون ہیں جو بادل کی طرح اڑے چلے آتے ہیں اور جیسے کبوتر اپنی کابک کی طرف (یسعیاہ 1:60 تا 8)

قیدار اور نبایوت حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بیٹوں کے نام ہیں (پیدائش 12:25 تا 16) انہی کے ناموں سے انکی بستیاں اور چھاؤنیاں نامزد ہوئیں (ایضاً آیت نمبر 16) شوکت کے گھر سے مراد بیت الحرام (کعبہ) ہے۔ بیت الحرام کا معنی عزت والا گھر ہے۔بادل کی طرح اڈ کر آنے والے سفید احرام کی دو چادروں میں ملبوس لاکھوں حاجی ہیں۔جیسے کبوتر اپنی کابک کی طرف سے مراد قرآن مجید کی آیت ہے جس میں فرمایا گیا کہ کعبہ مثابتہ للناس ہے (بقرہ 125:2) مثابہ جمع ہونیکی جگہ اور بار بار لوٹ کر آنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔کعبہ شریف کی قدامت کے متعلق عیسائی عالم لکھتے ہیں ''شہر مکہ میں ایک جگہ ایسی ہے جہاں نامعلوم وقتوں سے ایک عبادت گاہ موجود ہے جس کو کعبہ کہتے ہیں (Thatcher and schwill, General History of Europe. P-166) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام عرب پر غالب آئے اور آل اسماعیل علیہ السلام کے قبائل مسلمان ہو کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔حجتہ الوداع کے موقع پر اور ہر حج کے موقع پر قربانیاں ذبح کی جاتی ہیں۔ سارا سال سفید چادروں میں ملبوس حجاج کرام وزائرین کروڑوں کی تعداد میں کعبہ کا رخ کرتے ہیں۔لہٰذا یہ پیش گوئی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارہ میں یہ ہے کیونکہ آلِ اسماعیل نے بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام کے حضور حاضر ہو کر کبھی قربانیاں ذبح نہیں کیں اور نہ ہی بیت المقدس کے زائرین کی وہ کیفیت ہے جو ان آیات میں بیان ہوئی۔اٹھ منور ہو کہ تیرا نور آ گیا کا مخاطب کعبہ شریف ہے۔

26۔خدا برہ۔ایک لاکھ چوالیس ہزار کا سردار

یہ پیش گوئی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم پر صادق آتی ہے کیونکہ سیدنا عیسیٰ پر اپنے دور میں 144000 آدمی ایمان نہ لائے تھے۔اس پیش گوئی کا ذکر مکاشفہ 1:14 تا 5 میں ہے جس کی تفصیل اور ثبوت مندرجہ ذیل ہے:

مکاشفہ باب 14	شرح باب ہذا
1۔ پھر میں نے نگاہ کی تو کیا دیکھتا ہوں کہ برّہ صیہون کے پہاڑ پر کھڑا تھا اور اس کے ساتھ ایک لاکھ چالیس ہزار	1۔ برّہ سے اصلاحات مکاشفہ میں وہ گراں مایہ وجود مراد ہے جو بعد از رب سب سے برتر ہو۔ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہیں۔ صیہون سے مراد مقدس پہاڑ ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار سے تعداد صحابہ رضی اللہ عنہم مراد ہے جو حجتہ الوداع میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے جیسا کہ احادیث میں مذکور ہے۔
2۔ جن کے ماتھے پر ان کا اور ان کے باپ کا نام لکھا ہوا ہے	2۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں قرآن مجید میں ہے ''کثرت سجود کی وجہ سے ان کی پیشانیوں پر داغ پڑے ہوئے ہیں (فتح 29:48)
3۔ اور مجھے آسمان پر سے ایک ایسی آواز سنائی دی جو زور کے پانی اور بڑی گرج کی سی تھی اور جو آواز میں نے سنی وہ ایسی تھی جیسے بربط نواز بربط بجاتے ہوں۔	3۔ اس میں تمام آوازہ تسبیح و تحمید کا ذکر ہے کیونکہ بنی اسرائیل بربط و باجہ کے ساتھ اپنی دعائیں پڑھا کرتے تھے جیسا کہ زبور سے بھی ظاہر ہے۔ یہاں مراد صحابہ رضی اللہ عنہم کے لبیک پکارنے کی کیفیت ہے۔ جب ڈیڑھ لاکھ کے قریب افراد لبیک پکاریں گے تو ایسا ہی محسوس ہوگا
4۔ وہ تخت کے سامنے اور چاروں جانداروں اور بزرگوں کے آگے گویا ایک نیا گیت گا رہے تھے	4۔ نیا گیت سے مراد عربی زبان اور لبیک کی آوازیں ہیں جو کہ اہل زبان کے لیے نئی بات تھی

5۔ اور ان ایک لاکھ چوالیس ہزار کے سوا جو دنیا میں سے خرید لیے گئے تھے کوئی اس گیت کو نہ سیکھ سکا	5۔ حضور ﷺ کی زبان مبارک سے خطبہ حجتہ الوداع صرف وہی صحابہ رضی اللہ عنہم سن سکے جو اس وقت ساتھ تھے۔ان صحابہ رضی اللہ عنہم کی جانیں اللہ نے جنت کے بدلے میں خرید لیں تھیں (توبہ 111:9)
6۔ یہ وہ ہیں جو عورتوں کے ساتھ آلودہ نہیں ہوئے بلکہ کنوارے ہیں۔	6۔ قرآن مجید میں مومنوں کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا ''وہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں (مومنون 57:23)
7۔ یہ وہ ہیں جو برّہ کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں	7۔ وہ نبی امّی کی پیروی کرتے ہیں (اعراف 157:7)
8۔ یہ خدا اور برّہ کے لیے پہلے پھل ہونے کے واسطے آدمیوں میں سے خرید لیے گئے ہیں	8۔ جو لوگ سب سے پہلے ایمان لائے مہاجرین میں سے بھی اور انصار میں سے بھی (توبہ 100:9) اور حدیث میں فرمایا اَخْتَارَهُمُ اللهُ لِرَسُوْلِهٖ جن کو اللہ نے اپنے رسول ﷺ کے لیے چن لیا۔
9۔ اور ان کے منہ سے کبھی جھوٹ نہ نکلا تھا۔وہ بے عیب ہیں۔	9۔ خدا نے ان کے دل تقوی کے لیے آزما لیے ہیں (حجرات 3:49)

27۔کونے کے سرے کا پتھر (حاکم۔خدا کا منظورِ نظر)

تاکستان کے مالک کے تحت اس پیش گوئی کا ایک حصہ گزر چکا جو کہ متی 23:21 تا 41 میں ہے۔ آیت نمبر 41 میں حضرت یسوع علیہ السلام فرماتے ہیں ''انہوں نے اس سے کہا ان بدکاروں کو بری طرح ہلاک کرے گا اور باغ کا ٹھیکہ دوسرے باغبانوں کو دے گا جو موسم پر اس کو پھل دیں۔'' اس کے بعد ''یسوع نے ان سے کہا کیا تم نے کتاب مقدس میں کبھی نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا۔ یہ خداوند کی طرف سے ہوا اور ہماری نظر میں عجیب ہے۔اس لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا

کی بادشاہی تم سے لے لی جائے گی اور اس قوم کو جو پھل لائے دیدی جائے گی اور جو اس پتھر پر گرے گا ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا لیکن وہ جس پر گرے گا اسے پیس ڈالے گا۔ اور جب سردار کاہنوں اور فریسیوں نے اس کی تمثیلیں سنیں تو سمجھ گئے کہ ہمارے حق میں کہتا ہے۔ اور وہ اسے پکڑنے کی کوشش میں تھے لیکن ان لوگوں سے ڈرتے تھے کیونکہ وہ اسے نبی جانتے تھے (متی 42:21 تا 46) جناب یسوع علیہ السلام کے مخاطب بنی اسرائیل کے افراد تھے اور سردار کاہنوں وغیرہ نے بھی یہی سمجھا۔ معمار سے مراد یہودی ہیں (میزان الحق حصہ سوم باب 2 ص 308) حضرت یسوع علیہ السلام نے کونے کے سرے کے پتھر والا تمثیل میں زبور 118:22-23 کے فقروں کا حوالہ دیا ہے۔ پادری فانڈر نے ص 308 پر اعمال 11:4 کا حوالہ دے کر لکھا کہ کونے کے سرے کا پتھر سے مراد خود یسوع علیہ السلام ہیں۔ اگر اس پیش گوئی سے مراد حضرت یسوع علیہ السلام کو لیا جائے تو اس کا آخری فقرہ کہ ''اور ہماری نظر میں عجیب ہے'' فٹ نہیں آتا کیونکہ بنی اسرائیل میں سے کسی کو بلند مرتبہ ملنا یہودیوں کے نزدیک عجیب نہ تھا اور جناب یسوع علیہ السلام بنی اسرائیل کے فرد تھے (متی پہلا باب، یوحنا 9:4) جس پتھر کو معماروں یعنی یہودیوں نے رد کیا تھا وہ سیدہ حاجرہ علیہا السلام کی اولاد یعنی آلِ اسماعیل تھے۔ یہ پیش گوئی صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صادق آتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دنیاوی غلبہ بھی حاصل ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جس نے مقابلہ کیا شکست کھائی اور جس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماننے والوں نے حملہ کیا شکست دی۔ لہٰذا جناب یسوع علیہ السلام وہ پتھر نہیں بن سکتے، جس نے، جس پر گرا، اسے پیس کر رکھ دیا۔ کیونکہ آپ علیہ السلام تو جان بچانے کے لیے چھپے پھرتے تھے (یوحنا 36:12) بلکہ بقول عیسائی حضرات، یہودیوں نے ان کو صلیب دے کر قتل کر دیا۔ وہ کیسے اس پتھر کا مصداق بن سکتے ہیں۔ عجیب یہ کہ جس قبیلہ یعنی آل اسماعیل کو بنی اسرائیل حقیر جانتے تھے، آخری رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان میں آنے والا تھا۔ وہ ہی دوسرے باغبان ٹھہرے جو موسم پر پھل لا کر دینے والے بنے (متی 41:21) خدا کی بادشاہی بنی اسرائیل سے لے کر بنی اسماعیل کو دے دی گئی۔ یہی پیش گوئی بنی اسرائیل سے تعلق رکھنے والے شاگردان یسوع کی نظر میں عجیب تھی۔ حضرت یسوع علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو واضح الفاظ میں بتا دیا تھا کہ خدا کی بادشاہی تم سے لے لی جائے گی اور اس قوم کو جو پھل لائے گی دے دی جائے گی۔ میتھو ہنری اپنی تفسیر میں زبور 118:22-23 کی شرح میں لکھتے ہیں ''وہ بنیاد میں کونے کا پتھر ہے جس میں یہودی اور غیر قوم دونوں مل جاتے ہوں تاکہ ایک مقدس تیار ہو جائے۔ وہ کونے کی چوٹی کا پتھر ہے جس میں عمارت مکمل ہوتی ہے اور ضروری ہے کہ سب باتوں میں اول درجہ ہو کیونکہ وہ ہمارے ایمان کا بانی اور کامل کرنے والا ہو۔'' (جلد نمبر 2 ص 285 زیر آیات مذکورہ) حضرت

عیسیٰ علیہ السلام نے تو کبھی نہیں کہا کہ میں آخری ہوں بلکہ وہ ایک آنے والے کی بشارت دے گئے جو وہ باتیں بتائے گا جن کی برداشت اس دور کے لوگ نہیں رکھتے تھے۔ البتہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سینکڑوں احادیث میں خود کو آخری نبی فرمایا۔ جیسا کہ بخاری کتاب المناقب باب خاتم النبیین حدیث نمبر 3534، 3535 میں مذکور ہے۔ ان دونوں احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود کو قصرِ نبوت کی آخری اینٹ بتایا۔

28۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اور یوحنا کی گواہی یہ ہے کہ جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لاوی یہ پوچھنے کو اس کے پاس بھیجے کہ تو کون ہے؟...... تو اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں۔ انہوں نے اس سے پوچھا کہ پھر کون ہے؟ کیا تو ایلیاہ ہے؟ اس نے کہا میں نہیں ہوں۔ کیا تو وہ نبی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ پس انہوں نے اس سے کہا پھر تو کون ہے؟...... انہوں نے اس سے سوال کیا کہ اگر تو نہ مسیح ہے نہ ایلیاہ نہ وہ نبی تو پھر بپتسمہ کیوں دیتا ہے؟ (یوحنا 1:19 تا 25)

اس عبارت میں تین الگ الگ شخصیات کا ذکر ہے (1) مسیح (2) ایلیاہ (3) وہ نبی۔ سیدنا یحییٰ علیہ السلام (یوحنا) نے ان تینوں میں سے کوئی ہونے سے انکار فرمایا۔ مسلمان اور عیسائی دونوں متفق ہیں کہ سیدنا عیسیٰ مسیح تھے۔ ایلیاء کے آنے کے بارے میں ملاکی میں لکھا ہے کہ قیامت سے پہلے آئیں گے (ملاکی 4:5-6) مسلمانوں کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ سیدنا الیاس علیہ السلام (ایلیا) دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے۔ اب رہ گئے تیسری شخصیت یعنی وہ نبی، ان سے مراد کون ہے؟ میتھو ہنری اپنی تفسیر الکتاب میں وہ نبی کی تشریح میں لکھتے ہیں "یوحنا نے اپنے بارے میں وہ نبی ہونے سے بھی انکار کیا۔ اوّل۔ اس لیے کہ یوحنا "وہ نبی" نہیں تھا جس کے بارے میں موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا کہ خداوند تیرا خدا تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔ دوم۔ وہ ایسا نبی نہیں تھا جس کی وہ (یہودی) خواہش اور توقع کرتے تھے جو عوامی اور سرکاری معاملات میں مداخلت کرے گا اور رومی جوئے سے رہائی دلائے گا۔"

(جلد سوم ص:671)

ولیم میکڈونلڈ نے اس عبارت کی تفسیر میں لکھا "یہودیوں نے کاہن اور لاوی معلومات حاصل کرنے کو بھیجے۔ کاہن ہیکل میں اہم خدمات سرانجام دیتے تھے جبکہ لاوی ہیکل میں عام خادمانہ کام کرتے تھے۔ انہوں نے یوحنا سے پوچھا تو کون ہے؟ کیا تو مسیح موعود ہے جس کا یہودی قوم مدتوں سے انتظار کر رہی ہے؟

دوسرے لوگ شاید اس موقع سے فائدہ اٹھاتے کہ مسیح موعود ہونے کا دعوی کر کے شہرت حاصل کر لیں لیکن یوحنا وفادار گواہ تھا۔ اس کی گواہی یہ تھی کہ میں تو مسیح نہیں ہوں یعنی مسیح موعود نہیں ہوں۔ یہودیوں کو امید تھی کہ مسیح کے آنے سے پہلے ایلیاہ اس دنیا میں واپس آئے گا (ملاکی 5:4) چنانچہ انکی دلیل یہ تھی کہ اگر مسیح موعود نہیں تو شاید ایلیاہ ہے۔ مگر یوحنا نے انہیں یقین دلایا کہ میں ایلیاہ بھی نہیں۔ استثنا 15:18 میں موسیٰ علیہ السلام نے کہا ہے کہ خداوند تیرا خدا تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا تم اس کی سننا۔ یہودیوں کو یہ پیشن گوئی یاد تھی۔ وہ سوچنے لگے کہ شاید یوحنا وہ نبی ہے جس کا ذکر موسیٰ علیہ السلام نے کیا تھا۔ اگر یہودیوں کا یہ وفد بغیر حتمی جواب کے یروشلم لوٹتا تو بہت پریشان تھا۔ چنانچہ انہوں نے یوحنا سے کہا کہ اپنے بارے میں واضح طور پر سے بتا۔ اس نے کہا میں جیسا کہ یسعیاہ نبی علیہ السلام نے کہا ہے بیابان میں ایک پکارنے والے کی آواز ہوں۔ (ج:2،ص:248 تفسیر یوحنا)

یہ بات واضح ہے کہ ان دونوں مفسروں نے ''وہ نبی'' کا حلّ نہیں کیا کہ وہ شخصیت کون ہے؟ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسیح ٹھہرے، ایلیاہ علیہ السلام عیسائی عقیدہ کے مطابق قیامت کے قریب آئیں گے، لہٰذا وہ نبی کی پیشگوئی صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صادق آتی ہے۔ آخری نبی کا آنا اتنا معروف تھا کہ کاہن اور لاویوں نے بغیر تمہید کے وہ نبی کے بارے میں پوچھا۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت موسیٰ کی مانند بنی اسرائیل میں کوئی نبی برپا نہیں ہوا۔ حضرت مسیح علیہ السلام اس کے مصداق اس لیے نہیں ٹھہر سکتے کہ ایک تو وہ مسیح علیہ السلام ہیں اور دوسرے ان کے ماننے والے ان کو مرتبہ نبوت سے بلند مرتبہ خدائی کا حاصل سمجھتے ہیں۔ لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہ نبی نہیں ہو سکتے۔ اس کے ساتھ ساتھ مثیل موسیٰ کی پیش گوئی عیسائی مفسرین کی تحریر سے مزید واضح ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صادق آ گئی۔ سیدنا یحییٰ سے پوچھنے والے تو عالم تھے، یوحنا کی انجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبی کے بارے میں پیش گوئی اتنی واضح اور عام تھی کہ عام لوگ بھی اس کا علم رکھتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دیکھ کر عام لوگوں نے کہا ''جو نبی دنیا میں آنے والا تھا فی الحقیقت یہی ہے (یوحنا 14:6) عام لوگوں کی بھیڑ میں سے بعض نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت ایمان کو سن کر کہا ''بے شک یہی وہ نبی ہے۔ (یوحنا 40:7)

اسی کے پیش نظر قرآن نے فرمایا کہ اہل کتاب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور قرآن کو اسی طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ (بقرہ 146:2، انعام 20:6)

29۔ دانیال علیہ السلام نبی کی پیش گوئی

میں نے رات کو رویا میں دیکھا اور کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص آدم زاد کی مانند آسمان کے بادلوں کے ساتھ آیا اور قدیم الایام تک پہنچا۔ وہ اسے اس کے حضور لائے۔ اور سلطنت اور حشمت اور ملکیت اسے دی گئی تا کہ سب لوگ اور امتیں اور اہل لغت اس کی خدمت گزاری کریں۔ اسکی سلطنت ابدی سلطنت ہے جو جاتی نہ رہے گی اور اسکی مملکت لازوال ہوگی...... اور تمام آسمان کے نیچے سب ملکوں کی سلطنت اور مملکت اور سلطنت کی حشمت حق تعالیٰ کے مقدس لوگوں کو بخشی جائے گی۔ اسکی سلطنت ابدی سلطنت ہے اور تمام مملکتیں اسکی خدمت گزار اور فرماں بردار ہوں گی۔ (دانی ایل 27,14,13:7)

عیسائی مفسر اس پیش گوئی کو حسب معمول حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں قرار دیتے ہیں جبکہ اس میں مذکور علامات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہی صادق آتی ہے۔ اس میں مذکور شخصیت کو آدم زاد کہا گیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشر ہیں جبکہ حضرت مسیح علیہ السلام کے ماننے والے انہیں ابن اللہ کہتے ہیں۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفر معراج کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے۔ جس کے فوراً بعد ہجرت کا حکم ہوا اور مدینہ کی سلطنت قائم ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین تمام دنیا میں پہنچا اور تقریباً 1,000 سال تک مسلمان ساری دنیا سے خراج وصول کرتے رہے اور ان علاقوں پر حکومت کرتے رہے۔ آج بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام لیوا 57 ملکوں پر حاکم ہیں۔ اس پیش گوئی میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو مقدس لوگ کہا گیا ہے۔ انہی کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے استثنا 2:33 میں قدسی کہا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کو سلطنت نہ ملی اور انکے ماننے والے تین سو سال تک مغلوب رہے۔ خود مسیح علیہ السلام کا اقرار انا جیل میں مذکور ہے کہ میری بادشاہی اس دنیا کی نہیں۔ (یوحنا 36:18)

جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے ایران و روم کی کنجیاں دے دی گئیں اور پھر وہ علاقے مسلمانوں نے فتح بھی کیے۔ یہ دونوں اس دور کی سپر پاورز تھیں۔

30۔ خدا کی بادشاہت نزدیک آ گئی

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں (1) خدا کی بادشاہی تم سے لے لی جائے گی اور اس قوم کو جو پھل لائے دے دی جائے گی (متی 43:21) (2) خدا کی بادشاہی نزدیک آ گئی ہے۔ توبہ کرو اور خوش خبری پر ایمان لاؤ (مرقس 15:1) ان سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کی بادشاہت اور آسمانی حکومت حضرت عیسیٰ کی اپنی حکومت نہیں بلکہ وہ آسمانی حکومت کے مبشر ہیں ۔ وہ بنی اسرائیل کو اصلاح کی دعوت دینے کے ساتھ ساتھ

حضور ﷺ کی بشارت سنانے آئے تھے، جس کا بیان قرآن مجید میں سورہ صف (6:61) میں ہے کہ
''ایک پیغمبر جو میرے بعد آئیں گے جن کا نام احمد ہوگا ان کی بشارت سناتا ہوں۔''

31۔ حبقوق نبی علیہ السلام کی پیش گوئی

''خدا تیمان سے آیا اور قدوس کوہ فاران سے......سِلاہ......اس کا جلال آسمان پر چھا گیا اور زمین اس کی حمد سے معمور ہوگئی۔ اس کی جگمگاہٹ نور کی مانند تھی۔ اس کے ہاتھ سے کرنیں نکلتی تھیں اور اس میں اس کی قدرت نہاں تھی۔ وبا اس کے آگے آگے چلتی تھی اور آتشی تیر اس کے قدموں سے نکلتے تھے۔ وہ کھڑا ہوا اور زمین تھرا گئی۔ اس نے نگاہ کی اور قومیں پراگندہ ہوگئیں۔ ازلی پہاڑ پارہ پارہ ہوگئے۔ قدیم ٹیلے جھک گئے۔ اس کی راہیں ازلی ہیں۔ (حبقوق 3:3 تا 6)

فاران کی بحث پہلے گزر چکی جس میں ڈاکٹر سٹرونگ کی عبرانی ڈکشنری کے نمبر 6290 کے حوالہ سے لکھا گیا کہ فاران عرب کا ایک صحرا ہے۔ سلاہ سے مراد وقفہ ہے۔ (ڈاکٹر سٹرونگ، عبرانی لغت کا 5542)

قدوس سے مراد حضور ﷺ ہیں جو فاران سے جلوہ گر ہوئے۔ آپ کے دین کے غالب آنے کے سبب خدا کا جلال آسمان پر چھا گیا اور زمین اس کی حمد سے معمور ہوگئی، جو پہلے بت پرستی سے معمور تھی۔ خدا تعالیٰ نے حضور ﷺ کو جو معجزات عطا فرمائے ان کا حوالہ دیتے ہوئے حبقوق نبی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس میں اس کی قدرت نہاں تھی۔ جہاد نبوی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آتشی تیر اس کے قدموں سے نکلتے ہیں۔ حضور ﷺ مبعوث ہوئے تو زمین پر انقلاب برپا کر دیا۔ آپ کی نگاہ سے پہلے عرب، پھر آپ کے ماننے والوں کے ذریعہ قومیں پراگندہ ہوگئیں اور اسلام کے ماتحت آگئیں۔ صدیوں کی جمی جمائی حکومتیں شکست کھا گئی اور حضور ﷺ کے دین کے قدموں میں جھک گئیں۔ اس کی راہیں ازلی ہیں سے مراد یہ ہے کہ آپ کا دین کبھی منسوخ نہیں ہوگا اور تا قیامت اب آپ ہی کی نبوت باقی رہے گی۔ حضور ﷺ کے علاوہ بھی انبیاء میں سے صاحبِ حکومت ہوئے مثلاً سیدنا داؤد وسلیمان علیہ السلام مگر فاران سے جلوہ گر ہونے والا ایک ہی ہے۔ لہٰذا ہر لحاظ سے یہ پیش گوئی صرف حضور ﷺ پر صادق آتی ہے۔

32۔ عمانوایل:

حضرت یسوع کا صفاتی نام عمانوایل ذکر کیا گیا ہے۔ (متی 23:1) مگر یسوع عمانوایل نہیں ہو سکتے کیونکہ انہوں نے بوقت صلیب خود اعلان کر دیا تھا کہ خدا نے انہیں چھوڑ دیا ہے۔ (متی 46:27) جبکہ

عمانوایل کا ترجمہ خدا ہمارے ساتھ ہے۔(متی 23:1) یہ پیش گوئی حضور علیہ السلام میں پوری ہوئی جب غار ثور میں حضور نے ابوبکر سے فرمایا کہ خدا ہمارے ساتھ ہے۔(التوبہ 40:9) اس بات کا اعادہ حضرت ابوبکر نے جنگ بدر میں کیا پھر قرآن کی تصدیق کہ جنگ بدر و احد میں فرشتوں کے ذریعے خدا نے مدد فرمائی ۔(ال عمران 124:3۔125)(انفال 9:8) ایک اور مقام پر قرآن مجید میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ جبریل اور فرشتے حضور کے ساتھ ہیں۔(تحریم 4:66)

❀❀❀

جمع القرآن والاحادیث

''حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ نے عہد نبوی میں قرآن مجید جمع کیا اور اپنے ہاتھ سے لکھا اور ان کا لکھا ہوا نسخہ مصر میں اب تک موجود ہے۔ (ابن حجر۔تہذیب التھذیب:243/7)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ابن یونس رحمۃ اللہ علیہ نے اس نسخہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا''

(ذہبی تذکرہ الحفاظ:42/1)

قرآن مجید اور احادیث کب اور کیسے جمع ہوئیں؟ جمع قرآن کے بارے میں عام طور پر کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ کام کیا۔ مگر مشہور عالم حضرت مولانا ابوالقاسم محمد خاں سیف بنارسی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآنی آیات اور احادیث کے مطابق اپنی کتاب جمع القرآن والآحادیث میں یہ ثابت کیا ہے کہ جامع قرآن خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور یہ کام حکم خدا کے تحت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک زندگی میں ہی انجام پایا۔ان کے علاوہ دوسرے علماء مثلاً مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اردو زبان میں اس موضوع پر کتابیں لکھی ہیں۔ان سب حضرات کی تحقیق کا نچوڑ پیش خدمت ہے۔تحقیق بائبل کے مقابلہ میں یہ جائزہ قرآن مجید کی حقانیت کو روشن تر کر دے گا۔

دور نبوی میں تدوین قرآن

اندرونی شہادتیں جن میں قرآن مجید کا کتاب کی شکل میں مدوّن ہونا اور اس کا حفظ ہونا بیان ہوا ہے۔

1۔ یہ کتاب وہ ہے جس میں ذرا شک نہیں (بقرہ 2:2) یہ مدنی سورہ ہے۔

2۔ یہ ذکر (قرآن مجید) ہم ہی نے اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں (حجر 9:15)۔متن و معانی کی حفاظت کا وعدہ فرمایا گیا۔یہ مکی سورہ ہے۔

3۔ بے شک ہمارے ذمہ ہے اس کو جمع کرنا اور اس کو سنانا۔تو جب ہم سنا چکیں تو اس سنانے میں پیروی کرو۔بے شک ہمارے ہی ذمہ ہے اس کی وضاحت کرنا (قیامتہ 7:75 تا 19) متن و معانی کی حفاظت کا وعدہ فرمایا گیا نیز جمع کرنے کا وعدہ فرمایا گیا۔یہ مکی سورہ ہے۔

4۔ اور کتاب لکھی ہوئی۔جھلّی کے کھلے اوراق میں (طور 2:52-3) رقِ منشور سے مراد قرآن مجید ہے

(تفسیر فتح البیان) یہ مکی سورہ ہے۔

5۔ بلکہ یہ تو کھلی ہوئی آیات ہیں ان لوگوں کے سینوں میں جن کو علم عطا ہوا ہے (عنکبوت 49:29) قرآن کے نزول کے دور میں کتابت کے ساتھ ساتھ زبانی یاد کرنے کا بیان ہے۔ یہ مکی سورہ ہے۔

6۔ سب اہل کتاب یکساں نہیں ہیں۔ ان میں ایک گروہ عہد پر قائم ہے۔ یہ رات کے وقتوں میں اللہ کی آیات کی تلاوت اور سجدہ کرتے ہیں (آل عمران 113:3) یہ ان اہل کتاب کا بیان ہے جو مسلمان ہوئے اور بوقتِ تہجد تلاوت قرآن نماز میں کیا کرتے تھے۔ یہ مدنی سورت ہے۔

7۔ بے شک یہ ایک باعزت قرآن ہے۔ ایک محفوظ کتاب ہے اس کو صرف پاک لوگ ہی ہاتھ لگاتے ہیں (واقعہ 77:56 تا 79) یہ مکی سورہ ہے۔

8۔ تو جتنا آسانی سے ہو سکے اتنا قرآن پڑھ لیا کرو (مزمل 20:73) سورہ مزملمکی سورہ ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید مکی دور سے یعنی ابتدا ہی سے مدوّن ہونا شروع ہو چکا تھا۔

9۔ ہرگز نہیں! یہ تو یاد دہانی ہے۔ تو جو چاہے اس سے یاددہانی حاصل کرے۔ لائق تعظیم، بلند اور پاکیزہ صحیفوں میں۔ معزز، باوفا کاتبوں کے ہاتھ میں (عبس 11:80 تا 16) یہ مکی سورہ ہے۔

10۔ اور قرآن کو تو ہم نے اس لیے تھوڑا تھوڑا نازل کیا ہے کہ تم اس کو لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر سناؤ اور ہم نے اس کو نہایت اہتمام سے اتارا ہے (بنی اسرائیل 106:17) لفظ قرآن وحی الٰہی کے کتابی شکل میں مدون ہونے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ کیونکہ بار بار پڑھی جانے والی کو قرآن کہتے ہیں۔ یہمکی سورہ ہے۔

11۔ اور ان کافروں نے کہا کہ اس کے اوپر پورا قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہیں اتار دیا گیا۔ ہم نے ایسا ہی کیا تا کہ اس کے ذریعہ سے ہم تمہارے دل کو مضبوط کریں اور ہم نے اس کو تدریج واہتمام کے ساتھ اتارا ہے (فرقان 32:25) یہ مکی سورہ ہے۔

12۔ اور بے شک یہ ایک بلند پایہ کتاب ہے۔ اس میں باطل نہ اس کے آگے سے داخل ہوسکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے (فصلت / حٰم السجدہ 41:41-42) لفظ کتاب سے تدوین کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ بوقت وحی حفاظتی حصار کا ذکر سورہ جن 72:27-28 میں ہے۔

13۔ بلکہ یہ قرآن مجید ہے۔ یہ لوح محفوظ کے اندر ہے (بروج 21:857) یہ مکی سورہ ہے۔

14۔ اور کہتے ہیں کہ یہ اگلوں کے افسانے ہیں جو اس نے لکھوائے ہیں تو وہ اس کو صبح اور شام لکھ کر تعلیم کیے جاتے ہیں (فرقان 5:25) یہ مکی سورہ ہے۔

15۔ یعنی اللہ کی طرف سے ایک رسول پاکیزہ اوراق پڑھتا ہوا (البینہ:2:98)

16۔ قرآن مجید رسول خدا ﷺ کے دور میں سورتوں کی شکل میں مدون تھا جیسا کہ خود قرآن میں ہی سورتوں کا ذکر بقرہ 23:2 ،توبہ 64:9 تا 86 ،124 ،128 ،یونس 38:10 ،نور 1:24 ،محمد 20:48 ، اور ھود 13:11 میں موجود ہے۔

17۔ اور اس حکم کے بارے میں جو تمھیں کتاب میں ان عورتوں کے یتیم بچوں کے بارے میں دیا جارہا ہے (نساء 127:4) لفظ کتاب سے مدون مسودہ کی طرف رہنمائی ہے۔

18۔ اور تمہارے لیے جو چوپائے حرام ٹھہرائے گئے ہیں سوائے ان کے جو تمھیں پڑھ کر سنا دیئے گئے ہیں (الحج 30:22) یعنی کسی لکھی ہوئی چیز سے پڑھ کر سنا دیے گئے ہیں۔

19۔ اور ہم نے ان کے لیے کلام کے تسلسل کو قائم رکھا تا کہ وہ یاددہانی حاصل کریں (قصص:51:28) یہ فرما کر قرآن مجید کے حسن ترتیب کی طرف رہنمائی کی۔

20۔ اس دور میں لوگ کتابیں لکھتے تھے جن کی طرف بقرہ 79:2 میں اشارہ ہے۔ قرآن مجید میں بار بار صحیفہ، صحف، قلم، زبر، الواح، مداد (روشنائی)، اسفار، کتب کے الفاظ آئے ہیں جن کا تعلق لکھنے پڑھنے سے ہے۔ دوسرے یہ کہ 14 سو سال میں نہ تو مسلمان ایک لمحہ کیلئے قرآن سے جدا ہوا نہ قرآن ان سے جدا ہوا۔

ترتیب آیات

1۔ جب کوئی آیت نازل ہوتی تو حضور ﷺ کاتب کو بلا کر فرماتے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں لکھو۔ (مسند احمد 75/2 حدیث عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان، کنز العمال 48/2 ،مستدرک حکم 63/3 ۔عون المعبود شرح ابوداؤد 1/ 287، کتاب الصلوٰۃ باب من جهر بها) اور یہ ترتیب خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے القا ہوتی تھی جیسا کہ سورہ نجم 53:3-4 سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ اپنی پسند سے بات نہیں کرتے۔

2۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آیت نمبر 281 نازل ہوئی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ اس کو سورہ البقرہ کی آیت نمبر 280 کے بعد لکھوایئے۔ (تفسیر خازن 19/1)

3۔ جب بسم اللہ اترتی تو آپ ﷺ کو سورت پوری ہونے کا علم ہوتا

(ابوداؤد حدیث نمبر 788، عون المعبود 288/1، مشکاۃ حدیث نمبر 2218)

4۔ حضور ﷺ خود لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے (عنکبوت 48:29) کئی کاتبان وحی تھے (عقد الفرید 6/3 ،

التراتیب الاداریہ 118/1) منظلہ ابن الربیع تمام کاتبوں کے خلیفہ اور نائب تھے۔ حضور ﷺ خود پڑھوا کر سنتے اگر کوئی حرف یا نقطہ رہ جاتا تو درست کرا دیتے (مجمع الزوائد 60/1) پھر لوگوں میں اس کی اشاعت کرتے۔
کاتبان وحی کہتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کے پاس بیٹھ کر رقاع (چمڑے کا ٹکڑا) پر لکھا کرتے (مستدرک 603/2) رقاع۔ رقعہ کی جمع ہے جس کو انگریزی میں PARCHMENT یعنی چمڑے کا ٹکڑا کہتے ہیں۔

سورتوں کی ترتیب

آخری رمضان میں جبرائیل علیہ السلام نے دو بار دور کرایا جبکہ ہر سال ایک بار دور کرتے تھے۔

(بخاری حدیث نمبر 4998، کتاب فضائل القرآن باب کان جبرائیل علیہ السلام یعرض القرآن علی النبی ﷺ، زرقانی شرح مواہب الدنیہ 8:250-263)

سورتوں کے نام

سورتوں کے نام خود حضور ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔ ملاحظہ ہو بخاری کتاب فضائل القرآن، ابو دائود کتاب الصلاۃ باب مایقول الرجل فی رکوعہ وسجودہ، ترمذی ابواب الجمعہ باب ماجاء فی صلاۃ الکسوف، بخاری کتاب التفسیر باب فضل المعوذتین، بخاری کتاب الصلاۃ، کتاب الاذان باب جمع السورتین فی رکعتہ۔

بیرونی شہادتیں

1۔ ہر سال آپ ﷺ کو قرآن ایک بار سنایا جاتا تا اور وفات کے سال دو بار سنایا گیا۔

(بخاری حدیث نمبر 4998 کتاب فضائل القرآن باب کان جبرائیل علیہ السلام یعرض القرآن علی النبی)

2۔ حضور ﷺ کو وفد بنی ثقیف سے ملاقات کرنے میں تاخیر ہوئی تو ان کو بتایا کہ میری کچھ منزل قرآن مجید کی پڑھنے سے رہ گئی تو مجھے اچھا نہ لگا کہ اسے ناتمام چھوڑ کر آؤں۔

(ابوداؤد حدیث نمبر 1393 کتاب شھر رمضان ابواب قراۃ القرآن وتحزیبہ و ترتیلہ) ابن ماجہ حدیث نمبر 1345 ابواب اقامۃ الصلوۃ باب فی کم یستحب یختم القرآن)

3۔ حضرت اوس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے حضور ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ آپ قرآن کی منزلیں کیسے پڑھا کرتے ہیں۔ تو انہوں نے بتایا کہ ہم سات حصوں میں تقسیم کر کے قرآن پڑھا کرتے ہیں
1۔ فاتحہ تا مائدہ 2۔ مائدہ سے یونس تک 3۔ یونس سے بنی اسرائیل تک 4۔ بنی اسرائیل سے شعراء

تک 5۔ شعراء سے صافات تک 6۔ صافات سے قاف تک 7۔ قاف سے آخر قرآن تک (شرح مشکل الآثار جلد نمبر 3 ص 400 تا ص 403 از امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ) حضرت اوس رضی اللہ عنہ خود صحابی اور بنو ثقیف کے وفد میں شامل تھے جو طائف سے رمضان 9ھ میں غزوہ تبوک کے بعد آیا تھا اور چند دن رہ کر چلا گیا تھا۔

4۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی تلاوت قرآن کا حکم تھا (عنکبوت 45:29) مولانا بحر العلوم شرح مسلم الثبوت میں لکھتے ہیں کہ جس ترتیب سے آج قرآن مجید پڑھا جاتا تھا وہ ہی ہے جس ترتیب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تلاوت فرمایا کرتے تھے (شرح مسلم الثبوت، ج:2، ص:10)

5۔ امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے مسند احمد کے حوالہ سے عبیدہ سلمانی کی روایت لکھی ہے جس میں مروی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جس ایک قراہ پر تمام لوگوں کو اکٹھا کیا وہ اس قرآن کے مطابق ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آخری بار پیش کیا گیا۔ (فتح الباری 44/9)

6۔ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ (فضائل القرآن مع تفسیر ابن کثیر 449/7)

7۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ثابت اس آخری دورہ قرآن میں خود حاضر تھے

(مرقاۃ باب الاعتکاف حدیث نمبر 2099، مرعاۃ حدیث نمبر 2243)

8۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے آخری دورِ نبوت میں اپنا لکھا ہوا قرآن آنحضرت پر پیش کیا اور سنایا۔ وہ ہمارے موجودہ قرآن کے مطابق تھا۔ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے بھی ایک نسخہ لکھا تھا۔

(ابن قتیبہ، المعارف 113، ابن حجر فتح الباری 16/9 باب جمع القرآن)

9۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کہتے ہیں کہ میں نے عہد نبوی میں سارا قرآن جمع کیا تھا اور ہر رات سارا پڑھ ڈالتا تھا۔ یہ خبر جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ماہ میں ختم کرنے کا حکم فرمایا

(مسند احمد حدیث نمبر 6516-6873 جلد نمبر 16/2، فتح الباری 52/9، نسائی کتاب الصیام باب صوم یوم وافطار یوم حدیث نمبر 2392)

10۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عمرو بن عاص فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے اس سے زیادہ طاقت ہے فرمایا 20 دن میں ختم کرو۔ میں نے عرض کیا مجھے اس سے زیادہ طاقت ہے تو فرمایا اچھا 15 دنوں میں ختم کرو، پھر عرض کیا مجھے اس سے زیادہ استطاعت ہے، ارشاد ہوا کہ 10 دن میں سہی، عرض کیا میں اس سے زیادہ طاقت رکھتا ہوں، حکم ہوا 7 راتوں میں ختم کرو، اس سے کم میں ختم نہ کرنا

(ابوداؤد کتاب شہر رمضان ابواب قراۃ القرآن حدیث نمبر 1388، عون المعبود 526/1 مسند احمد 165/2)

اس روایت سے قرآن مجید کی ایک خاص ترتیب ثابت ہوئی۔ ماہانہ ختم کے لحاظ سے 30 پارے، اور

ہفتہ وار ختم کے لحاظ سے 7 منزلیں، وہ بھی زبان نبوی سے۔

11۔ فرمایا آنکھوں کی عبادت کا حصہ آنکھوں کو دو اور وہ قرآن کو دیکھ کے پڑھنا اور اس میں غور و فکر کرنا ہے۔ (بیہقی، شعب الایمان 2/408-409 حدیث نمبر 2029، امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، الجامع الصغیر 1/46)

12۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مسعود سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت رکھنا چاہتا ہے وہ قرآن کو پڑھا کرے۔

(سیوطی، الجامع الصغیر 2/173، متقی ہندی رحمۃ اللہ علیہ، کنز العمال 1/386)

13۔ اوس رضی اللہ عنہ، جو وفد بنی ثقیف میں آئے تھے، سے بھی قرآن کو دیکھ کر پڑھنے کا ثواب مروی ہے۔

(بیہقی رحمۃ اللہ علیہ، شعب الایمان 2/407-408 حدیث نمبر 2026، خطیب تبریزی، مشکاۃ حدیث نمبر 2167، سیوطی الجامع الصغیر 2/86، علاء الدین علی متقی ہندی، منتخب کنز العمال 1/357-362)

14۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن اوس سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس طرح فرض نماز کو نفل نماز پر فضیلت ہے اسی طرح قرآن دیکھ کر پڑھنے کو زبانی پڑھنے پر فضیلت ہے

(سیوطی الجامع الصغیر 2/82، تفسیر ابن کثیر 7/489)

15۔ عبادہ رضی اللہ عنہ بن صامت سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میری امت کی افضل عبادت قرآن دیکھ کر پڑھنا ہے۔ (سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، الجامع الصغیر 1/50، کنز العمال 1/357)

16۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی قرآن دیکھ کر پڑھنے کی روایت موجود ہے۔

(کنز العمال برحاشیہ مسند احمد 1/362)

17۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے بھی قرآن دیکھ کر پڑھنے کی روایت مروی ہے۔

(کنز العمال برحاشیہ مسند احمد 1/363)

18۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی لوگوں کو قرآن دیکھ کر پڑھنے کا کہا کرتے تھے۔

(ایضاً 1/370 فضائل قرآن مع تفسیر ابن کثیر 7/490)

19۔ حضرت خثیمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے مکان پر گیا تو وہ قرآن کھولے ہوئے تلاوت کر رہے تھے۔ (فضائل القرآن مع تفسیر ابن کثیر 7/490)

20۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نسخہ قرآن دیکھ کر پڑھنے کی روایت ہے۔ (منتخب کنز العمال 1/394)

21۔ نسخہ قرآن اپنے وارثوں کے لیے چھوڑ جانے کو صدقہ جاریہ فرمایا گیا ہے۔ (مشکوۃ حدیث نمبر 254)

22۔ صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ہمارے درمیان لکھے ہوئے قرآن مجید موجود تھے جن سے ہم نے سیکھا اپنی عورتوں، اپنے بچوں اور خادموں کو سکھایا۔ (مسند احمد حدیث نمبر 22290، جلد نمبر 266/5)

23۔ ایک صحابی اپنے بچے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لیکر آئے اور کہا کہ میرا یہ بچہ دن میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بھی ذاکر خدا ہے (ابن کثیر، فضائل القرآن مع تفسیر ابن کثیر 490/7)

24۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا تم کو یہ لکھے ہوئے قرآن کے نسخے جو تمہارے گھروں میں لٹکے ہوئے ہیں حفظ کرنے سے غفلت میں نہ ڈال دیں (منتخب کنز العمال 362/1)

25۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن مجید کو چھونے کے لیے طہارت کا ضروری ہونا بیان فرمایا (السنن الکبریٰ بیہقی حدیث نمبر 409-410، سنن دار قطنی، السنن 122/1) اس سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں لکھے ہوئے قرآن مجید موجود تھے۔

26۔ یمن والوں کو حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن حزم صحابی کے ذریعہ جو احکام لکھوا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھیجے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ قرآن کو سوائے پاک آدمی کے کوئی نہ چھوئے۔

(مشکاۃ حدیث نمبر 465، امام ابن حجر، بلوغ المرام ص 14)

27۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن مجید کا نسخہ دشمن کے علاقہ میں لے جانے سے منع فرمایا۔ (بخاری حدیث نمبر 2990 کتاب الجہاد باب کراہتہ السفر بالمصاحف الیٰ ارض العدو)

28۔ قرآن لے کر دشمن کے علاقہ میں سفر کرنے سے منع فرمایا۔

(فتح الباری 133/6-134 بحوالہ مسند احمد، مسلم حدیث نمبر 4839)

29۔ دشمن کے علاقہ میں نسخہ قرآن لے کر جانے سے اس لیے منع فرمایا کہ کہیں دشمن اسے چھین کر اسکی توہین نہ کرے۔ (مسلم حدیث نمبر 4840)

30۔ قرآن حفظ ہونے کا ثبوت بخاری کی روایت سے ملتا ہے جس میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے دشمن کے علاقوں میں سفر کیا اس حال میں کہ وہ قرآن جانتے تھے (یعنی ان کے سینوں میں محفوظ کیا تھا) باب نمبر 129 بخاری حدیث نمبر 2990 سے پہلے یہ عبارت ہے۔

(باب کراھتیہ السفر بالمصاحف الیٰ ارض العدو، کتاب الجہاد)

31۔ علامہ طبری رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر مجمع البیان میں لکھتے ہیں کہ قرآن مجید آج جس ترتیب پر موجود ہے یہ عہد نبوی میں جمع ہو چکا تھا...... اور اس ترتیب سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت دفعہ مکمل قرآن مجید سنایا

تھا۔ (مجمع البیان 43/1 مقدمہ)

32۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن کی ترتیب وہی ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی۔ (فضائل القرآن مع تفسیر ابن کثیر 465/7، مقدمہ ابن کثیر، تالیف القرآن)

33۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ قرآن آج جس ترتیب سے مصاحف میں موجود ہے یہ عہد نبوی کا ہی ترتیب دیا ہوا ہے۔ (البیان فی آداب حملۃ القرآن، ص: 150)

34۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن مجید کو لکڑی کی تختیوں کی جلد بنوا کر مکمل مجلد مرتب چھوڑ کر گئے

(بخاری حدیث نمبر 5019، کتاب فضائل القرآن باب لم یترک النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الا ما بین الدفتین)

35۔ امام بن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ قرآن مجید چمڑے کے ٹکڑوں پر لکھا ہوا تھا اور لکڑی کی دو تختیاں اس کے دونوں طرف تھیں (فتح الباری 373/10)

36۔ صحیح مسلم میں ام یعقوب رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے قرآن مجید پڑھا تھا جو دو تختیوں کے درمیان تھا۔ (مسلم حدیث نمبر 5573 کتاب اللباس باب تحریم فعل الواصلہ)

37۔ اس مرتب و مجلد نسخہ کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ ان کے ہوتے تم گمراہ نہ ہوگے، قرآن مجید اور میری سنت

(سیوطی، الجامع الصغیر 130/1، حاکم، مستدرک عن ابی ہریرہ 93/1)

38۔ بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عہد نبوی میں چار انصاریوں نے قرآن جمع کیا تھا، حضرت ابی رضی اللہ عنہ و معاذ رضی اللہ عنہ و زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور ابوزید رضی اللہ عنہ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ ابوزید رضی اللہ عنہ کون تھے؟ جواب دیا میرے چچا تھے اور انہی کا نسخہ ہم کو وراثت میں ملا (بخاری حدیث نمبر 3810 کتاب مناقب انصار، مناقب زید رضی اللہ عنہ بن ثابت) حضرت انس نے یہ بات قتادہ رحمۃ اللہ علیہ تابعی کے سوال کے جواب میں کہی جس کا ذکر بخاری کی حدیث نمبر 5004 کتاب فضائل القرآن باب القرا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھی ہے۔

39۔ انہی حضرت ابوزید سعد بن عبید بن نعمان انصاری رضی اللہ عنہ کے حالات میں اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ انصار رضی اللہ عنہم میں سے یہ پہلے جامع قرآن ہیں۔ (ابن اثیر، اسد الغابہ 286/2)

40۔ جب عہد عثمانی میں لوگوں نے قرآن مجید کو سونے اور چاندی سے مزین کیا تو حضرت ابی رضی اللہ عنہ سخت ناراض ہوئے اور جب حضرت ابن مسعود کے سامنے ایسا قرآن مجید پیش کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا کہ قرآن مجید کی عمدہ زینت اسکی تلاوت ہے۔ (متقی ھندی، منتخب کنز العمال برحاشیہ مسند احمد 1/400-401)

41۔ ابوالاحوص رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے گھر میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کے پاس تھے اور وہ لوگ لکھے ہوئے قرآن مجید دیکھ رہے تھے۔

(مسلم حدیث نمبر 6330 کتاب فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم باب فضائل عبداللہ بن مسعود وامہ)

42۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس لوگ جمع ہوتے تو قرآن کھول کر بیٹھ جاتے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان کو تاکیداً کہتے کہ قرآن کو ہمیشہ دیکھ کر پڑھا کرو۔ (مقدمہ مع تفسیر ابن کثیر 7/489)

43۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ یہ بھی فرماتے تھے کہ قرآن لکھنے والے قبیلہ مضر سے یعنی قریشی ہوں۔

(متقی ھندی، منتخب کنز العمال 1/402)

44۔ عہد نبوی میں مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے قرآن جمع کرنے والوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور سالم رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ (امام ابن عبدالبر، الاستیعاب 2/472)

45۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عہد نبوی میں قرآن جمع کیا تھا۔

(طاش کبری زادہ، مفتاح السعادۃ 1/350، ابن حجر مکی، الصواعق المحرقہ ص 112، سیوطی تاریخ الخلفاء ص 105)

46۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی قرآن جمع کیا تھا۔ (فتح الباری 9/13)

47۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے قرآن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سن کر لکھا ہے۔

(بخاری حدیث نمبر 3179 کتاب الجزیہ والموادعہ باب اثم من عاھد ثم غدر)

48۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قرآن جمع کیا اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دکھایا۔

(الصواعق المحرقہ، ص: 74۔ سیوطی، تاریخ الخلفاء ص 117)

49۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ قرآن مجید چھوٹے حروف اور چھوٹی چیز پر لکھنا ناپسند کرتے تھے۔

(متقی ھندی، منتخب کنز العمال 1/400) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی ایسا ہی منقول ہے (ایضاً)

50۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ، ابو درداء رضی اللہ عنہ بھی عہد نبوی میں قرآن جمع کرنے والوں میں شامل ہیں۔

(ابن حجر، فتح الباری 9/53، باب القراء من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، بخاری، تاریخ صغیر ص 23-24، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ 2/355-358)

51۔ عہد نبوی میں قرآن جمع کرنے والوں میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔
(ابن حجر، تہذیب التہذیب 112/5)

52۔ عہد نبوی میں قرآن جمع کرنے والوں میں بالاتفاق ایک ابوداؤد بھی ہیں۔
(طاش کبریٰ زادہ، مفتاح السعادۃ 254/1)

53۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے کہا کہ میرے بیٹے نے بھی ایک قرآن لکھ کر جمع کیا ہے تو آپ نے اس کو مغفرت کی دعا دی۔ (امام احمد، کتاب الزہد ص:29)

54۔ حضرت ناجیہ طفاوی رضی اللہ عنہ کے متعلق طبرانی میں لکھا ہے کہ **کان ناجیہ یکتب المصاحف یعنی** ناجیہ رضی اللہ عنہ قرآن مجید لکھا کرتے تھے۔ (ابن حجر الاصابہ 542/3، ابن عبدالبر، الاستیعاب 573/3 بحوالہ طبرانی)

55۔ حضرت لبید بن ربیعہ عامری رضی اللہ عنہ عرب کے مشہور شاعر تھے جن کا قصیدہ سبعہ معلقات میں شامل ہے انہوں نے جب اسلام قبول کیا تو شعر گوئی چھوڑ دی تھی اور قرآن ہی لکھا کرتے تھے۔
(ابوزید قرشی، جمہرۃ اشعار العرب، ص:90)

56۔ حضرت عقبہ بن عامر جہنی نے عہد نبوی میں قرآن مجید جمع کیا اور اپنے ہاتھ سے لکھا اور ان کا لکھا ہوا نسخہ مصر میں اب تک موجود ہے (ابن حجر، تہذیب التہذیب 243/7) امام ذہبی نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ ابن یونس نے اس نسخہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا (امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ تذکرہ الحفاظ 42/1)

57۔ عبداللہ بن نافع کہتے ہیں کہ مجھے ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حکم دیا کہ میں ان کے لیے ایک قرآن مجید لکھوں (متقی ہندی رحمۃ اللہ علیہ، کنز العمال 237/1)

58۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام ابی یونس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حکم دیا کہ ان کے لیے ایک قرآن مجید لکھوں
(مسلم حدیث نمبر 1427 کتاب المساجد باب الدلیل لمن قال الصلوۃ الوسطی ھی العصر)

59۔ ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اپنے غلام کو اپنا نسخہ قرآن نقل کرنے کو دیا۔
(متقی ہندی کنز العمال 236/1)

60۔ ہشام بن عروہ کہتے ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نسخہ قرآن کی تلاوت کی ہے (ایضاً 237/1)

61۔ ایک عراقی ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا تا کہ ان کے نسخہ کی نقل لکھے
(بخاری حدیث نمبر 4993 کتاب فضائل القرآن باب تالیف القرآن)

62۔ ملک شام سے ایک قافلہ مدینہ آیا تاکہ اپنے لیے قرآن لکھیں۔ (کنزالعمال 401/1)

63۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ثابت سے نسخہ قرآن لکھوایا (فتح الباری 16/9) وہ نسخہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات تک ان کے پاس رہا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا۔ پھر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس رہا۔ (بخاری حدیث نمبر 4986 کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن۔ بخاری حدیث نمبر 7191 کتاب الاحکام باب یستحب للکاتب ان یکون امین عاقلا)

64۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زید رضی اللہ عنہ بن ثابت سے اپنے لیے ایک نسخہ لکھوایا تھا

(فتح الباری 11/9۔ ابن قتیبہ۔ المعارف 113/1) کنزالعمال 281/1)

65۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب قرآن پڑھتے تو نسخہ کھول کر پڑھتے۔ (مقدمہ ابن کثیر مع تفسیر 489/7)

66۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کے پاس لکھا ہوا نسخہ لکھا دیکھا اور آپ جب اسے دیکھتے تھے تو خوش ہوتے تھے۔ (کنزالعمال 398/1)

67۔ حنظلہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں طاؤس کے ہمراہ بازار آ گیا تو لوگ قرآن مجید کی خرید و فروخت کر رہے تھے۔ اس پر طاؤس نے اناللہ پڑھا۔ (ابن سعد، طبقات الکبریٰ 540/5)

68۔ طاؤس کے استاد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے قرآن مجید کی فروخت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ کوئی حرج نہیں۔ (کنزالعمال 402/1) ان سے جب کتابت قرآن کی اجرت کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کوئی حرج نہیں۔ (مشکاۃ حدیث نمبر 2772)

69۔ امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جب عمر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو اس وقت مصر و عراق و شام و یمن اور دوسرے علاقوں میں قرآن مجید کے ایک لاکھ نسخے موجود تھے۔ (الفصل فی الملل والنحل: 80/2)

70۔ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ شرح بخاری میں لکھتے ہیں کہ عہد نبوی میں جن لوگوں نے قرآن جمع کیا تھا ان کا شمار نہیں کیا جا سکتا (بدرالدین عینی، عمدۃ القاری 27/20) علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری، مجمع بن جاریہ، قیس بن ابی صعصعہ رضی اللہ عنہ، قیس بن سکن، ام ورقہ رضی اللہ عنہا بنتِ نوفل اور انکی بیٹی، عبداللہ رضی اللہ عنہ بن حارث کے نام قرآن لکھنے والوں میں بحوالہ کتب لکھے ہیں۔ خطیب بغدادی، ثابت رضی اللہ عنہ بن بشر بن ابی زید کا نام بھی لکھا ہے۔ (خطیب بغدادی، تاریخ بغدادی 77/9)

71۔ امام ابن حجر لکھتے ہیں کہ روایات بالا میں جمع کرنے سے مراد لکھنا ہے۔ اس سے حفظ کرنے کی نفی نہیں ہوتی۔ وہ حضرات لکھتے بھی تھے اور زبانی بھی یاد رکھتے تھے۔ (فتح الباری: 51/9)

جمع عثمانی کی حقیقت

حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ لوگوں میں مشہور ہوگیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جامع القرآن ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے (سیوطی، الاتقان، جلد نمبر 1، ص: 180-181 نوع نمبر 18) بلکہ اصل بات وہ جو بخاری میں لکھی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے زید رضی اللہ عنہ بن ثابت اور چند کاتبوں کو بلوا کر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو پیغام بھیجا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ والا نسخہ بھیج دو تا کہ اسکی متعدد نقلیں کروائی جائیں۔ جب نقول ہو چکیں تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو مختلف علاقوں میں بھجوایا۔ (بخاری حدیث نمبر 4987، کتاب فضائل باب جمع القرآن، فتح الباری 11/9، بخاری اردو، جلد 6، ص 499)

اعراب قرآن

قرآن پر اعراب لگانے کا حکم بھی حدیث سے ملتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اعربوا القرآن (قرآن کو درست اور واضح کرو) (بیہقی، شعب الایمان حدیث نمبر 2092 جلد نمبر 2 ص 541، ابویعلیٰ مسند 6/90-91 حدیث نمبر 6560، مشکاۃ حدیث نمبر 2165، سیوطی، الجامع الصغیر 46/1، کنز العمال 386/1، خطیب بغداد، تاریخ بغداد 8/77-78، سیوطی، بغیہ الوعاۃ 412/2، مقدمہ تفسیر ابن کثیر مع تفسیر 492/7)

یہ حکم اپنے عمومؔ کی بنا پر جس طرح معانی کی وضاحت، درست طریقہ سے تلاوت کو شامل ہے اس طرح لکھتے وقت حرکاتِ حروف کے نشان (اعراب) لگانے کو بھی شامل ہے (مقدمہ تفسیر مجمع البیان طبرسی جلد نمبر 1 ص: 40) لہٰذا جن لوگوں نے آیات قرآنیہ پر اعراب لگائے اسی حکم کے تحت لگائے۔

قرآن مجید کے بارے میں شیعہ علماء کا عقیدہ

شیعہ عالم حجۃ الاسلام والمسلمین آقائے علی میلانی نے اپنی کتاب شیعہ اور تحریفِ قرآن میں شیعہ مذہب کے بڑے علماء کا عقیدہ جمع کر دیا ہے۔ جس میں سے چند حوالے پیش خدمت ہیں۔ جناب علی میلانی لکھتے ہیں کہ کسی مذہب وملت کے نظریات سے آگاہی کے لیے اسی مذہب وملت کے بزرگ علماء کے کلمات اور معتبر کتب پر انحصار کیا جاتا ہے۔ شیعہ علماء نے واضح تصریح فرمائی ہے کہ قرآن میں کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہوئی اور موجودہ قرآن بغیر کسی کمی وبیشی کے وہی ہے جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔

شیعوں کا یہ عقیدہ آج کی ایجاد نہیں بلکہ ایک ہزار سال پہلے سے لیکر آج تک شیعہ بزرگ علماء اور مشہور شیعہ مؤلفین نے اسکی وضاحت فرمادی ہے ہم چند ایک کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں (ص:11-12)

1۔ شیخ صدوق (م381ھ) فرماتے ہیں کہ قرآن کے بارے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ موجودہ قرآن جو دو گتوں کی ایک جلد کے اندر عام لوگوں کی دسترس میں ہے۔ یہی وہ قرآن ہے جو پیغمبر اسلام ﷺ پر نازل ہوا تھا۔ اس میں ذرا برابر زیادتی نہیں ہوئی......اور جو شخص قرآن میں زیادتی کر کے نسبت ہماری طرف دیتا ہے وہ جھوٹا ہے (اعتقادات شیخ صدوق)

2۔ سید مرتضیٰ علم الھدیٰ (م436ھ) کہتے ہیں کہ موجودہ قران کے صحیح المتن ہونے کے بارے میں ہمارا یقین ایسے ہی ہے جیسے کوفہ و بصریٰ یا دیگر شہروں کی موجودگی کا تعین......علمائے اسلام نے اس کی انتہائی حفاظت فرمائی ......صحت نقل کے بارے میں ہمارا یقین ایسے ہی جیسے اس کے کلام خدا ہونے کا یقین......قرآن جس صورت میں اب ہے ایسی صورت پر رسول اکرم ﷺ کے زمانہ میں جمع و تالیف ہو چکا تھا......اس زمانہ میں بھی درس قرآن ہوتا تھا اور اسے حفظ کیا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت قرآن کو حفظ کرنے پر معین کی گئی تھی اور وہ قران کو حفظ کرنے کے بعد رسول خدا ﷺ کے سامنے تلاوت کرتے اور خاص کر صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے جن میں سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابی بن کعب بھی تھے، پیغمبر اسلام ﷺ کے سامنے کئی مرتبہ قرآن کو ختم کیا۔

(مقدمہ تفسیر مجمع البیان جلد نمبر1 ص43 بحوالہ کتاب الموضح عن وجہ اعجاز القرآن مولفہ سید مرتضیٰ)

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ عسقلانی امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ سید مرتضیٰ اس شخص کو کافر سمجھتے تھے جو قرآن میں کسی قسم کی تبدیلی، کمی وبیشی کے وقوع کے وقوع کا قائل ہوا اور یہی نظریہ سید مرتضیٰ کے ساتھیوں مثلاً ابوالقاسم رازی اور ابو یعلی طوسی جیسوں کا تھا (لسان المیزان 224/4)

3۔ شیخ الطائفہ طوسی (م460ھ) اپنی تفسیر البیان کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ قرآن میں زیادتی کے عدم وقوع پر اجماع قائم ہے اور مذہب مسلمین یہ ہے کہ قرآن میں کمی بھی واقع نہیں ہوئی اور ہمارے مذہب میں بھی صحیح نظریہ یہی ہے اور جو کچھ سید مرتضیٰ علم الھدیٰ نے فرمایا ہے، روایات کا ظہور بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔ کمی وبیشی بیان کرنے والی روایات خبر واحد ہیں جو نہ موجب علم میں اور نہ ہی قابل عمل......کیونکہ قرآن کے صحیح ہونے کا علم اور یقین ہے اور امت نے نہ ہی قرآن پر کوئی اعتراض کیا ہے اور نہ ہی اس کا انکار کیا ہے۔ (البیان فی تفسیر القرآن جلد نمبر1، ص:3)

4۔ شیخ طبرسی رحمۃ اللہ علیہ (م548ھ) کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں زیادتی کے باطل ہونے پر اجماع ہے اور کمی ہونے کی روایات اگر چہ ایک گروہ نے روایت کی ہیں جن کا تعلق شیعہ اور حشویہ سے تھا مگر ہمارے اصحاب کا مذہب اس کے خلاف ہے جیسا کہ سید مرتضیٰ نے اہل طرابلس کے سوالات کے جواب میں لکھا۔

(مقدمہ مجمع البیان 43,42/1)

5۔ علامہ حِلّی (م726ھ) کی کتاب نہایت الاصول سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تحریف قرآن کے قائل نہ تھے۔

6۔ شیخ زین العابدین البیاضی عاملی (م877ھ۔سورہ حجر 9/15) کی آیت انا لہ لحافظون کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ہم تحریف وتبدل اور کمی وزیادتی کے اعتبار سے قرآن کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

(مباحث فی علوم القرآن مولفہ علامہ اردوبادی)

7۔ شیخ علی کرکی عاملی محقق ثانی (م940ھ) نے قرآن میں کمی نہ ہونے پر ایک مستقل رسالہ تحریر کیا جس کا ذکر سید محسن اعرجی بغدادی نے اپنی کتاب شرح وافیہ فی علم الاصول میں کیا ہے۔ محقق ثانی قرآن میں کمی واقع ہونے والی روایات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب کوئی ایسی روایت آجائے جو دلیل قطعی، سنتِ متواترہ یا اجماع کے خلاف ہو اور اسکی تاویل بھی نہ ہو سکے تو اس روایت کو دور پھینک دینا واجب ہے

(مباحث فی علوم القرآن مولفہ علامہ اردوبادی)

8۔ شیخ فتح اللہ کاشانی (م988ھ) نے آیت انا لہ الحفظون کی شرح میں قرآن کے محفوظ ہونے کو واضح طور پر بیان کیا۔ (تفسیر منہج الصادقین مولفہ کاشانی۔مقدمہ الکتاب ص:15)

9۔ سید نوراللہ شوستری (م1019ھ) نے اپنی کتاب احقاق الحق میں امامت کے موضوع پر بحث کرتے ہوئے اسی مطلب کو بیان کیا۔

10۔ شیخ بہاؤالدین عاملی (م1030ھ) لکھتے ہیں کہ صحیح نظریہ ہے کہ قرآن کریم تحریف سے محفوظ ہے۔وہ تحریف چاہے کمی کے بارے میں ہو یا زیادتی کے بارے میں اور اللہ تعالیٰ کا قول انا لہ لحافظون بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔اور لوگوں میں جو یہ باتیں مشہور ہیں کہ بلغ ما انزل الیک...... جیسی آیات میں حضرت علی علیہ السلام کا اسم گرامی موجود تھا اور اس کو حذف کردیا گیا ہے، تو ایسی باتیں علماء کے نزدیک غیر معتبر ہیں۔(الآءالرحمن ،ص:26)

11۔ علامہ تونی (م1081ھ) اپنی کتاب الوافیہ فی الاصول میں لکھتے ہیں کہ قرآن جیسا نازل ہوا تھا ویسا ہی اب تک موجود ہے اور ویسا ہی لکھا جاتا ہے۔اس میں کوئی تبدیلی وتغیر واقع نہیں ہوا۔خداوندِ حکیم وخبیر نے

اس کی حفاظت فرمائی اور خود فرمایا: انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون

12۔ شیخ فیض کاشانی (م 1019ھ) لکھتے ہیں کہ ہر وہ روایت جو آئمہ علیہم السلام سے منقول ہو تو اس کو تفسیر پر محمول سمجھا جائے، اس لیے کہ اگر تحریف نے الفاظ قرآن میں راہ پیدا کر لی تو پھر قرآن کی کسی چیز پر بھی اعتماد باقی نہ رہے گا۔ کیونکہ اس سے ہر آیت میں تحریف کا احتمال پیدا ہوگا اور قرآن کی محبت ختم ہو جائے گی......اخبار متعارضہ کو قرآن پر پیش کروان تمام کا فائدہ ختم ہو کر رہ جائے گا۔ (الوافی 2/283-284)

13۔ صاحب تفسیر اصفٰی آیت وانا لہ لحافظون کے تحت لکھتے ہیں کہ قرآن تحریف، تبدیلی، زیادتی اور کمی سے محفوظ ہے۔ (الاصفٰی فی تفسیر القرآن، ص:348)

14۔ شیخ حُر عاملی (م1104ھ) لکھتے ہیں کہ جو شخص روایات اور تاریخ کے ابواب میں غور کرے گا تو یقیناً وہ جان لے گا کہ قرآن تواتر کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہے اور ہزاروں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حافظ اور قاری قرآن تھے۔ نیز یہ قرآن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ہی جمع ہو چکا تھا۔ (الفصول المہمہ فی تالیف الامتہ، ص:166)

15۔ علامہ باقر مجلسی (م1111ھ) تحریف قرآن پر دلالت کرنے والی آیات لکھنے کے ذکر کرتے ہیں کہ یہ سب اخبار آحاد شمار ہوتی ہیں اور جب یہ کلام خدا (قرآن) کے مخالف ہوں تو ان کی صحت کا کوئی یقین نہیں ہوتا لہٰذا ہم نے ان اخبار میں توقف کیا ہے اور موجودہ قرآن میں جو کچھ ہے اس سے انحراف نہیں کیا کیونکہ ہمیں اس پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (بحار الانوار جلد نمبر 92، ص:75)

16۔ سید علی بن معصوم المدنی شیرازی (م1118ھ) اور سید ابو القاسم جعفر الموسوی الخوانساری (م1157ھ) کی رائے انکی کتابوں ریاض السالکین فی شرح صحیفہ سید العابدین اور منہاج المعارف میں یہی ہے۔

18۔ شیخ جعفر کاشف الغطاء (م1228ھ) لکھتے ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ دین کے مالک خدا کی حفاظت کے سبب قرآن ہر قسم کے نقصان اور کمی سے محفوظ ہے اور اس مطلب پر آیات قرآنیہ واضح طور پر دلالت کرتی ہیں اور عام زمانوں میں اس مطلب پر علماء کرام کا اجماع رہا ہے۔ اور اگر کوئی نادر نظریہ قرآن کی کمی کے بارے میں ہے تو وہ معتبر نہیں ہے۔ نیز بداہتہً معلوم ہے کہ وہ روایات جو تحریف قرآن کے بارے میں ان کے ظواہر اور ظاہری معنوں پر عمل نہیں کیا جائے گا (کشف الغطاء فی الفقہ)

19۔ سید محمد طباطبائی (م1242ھ) کہتے ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن کے اجزاء اور اصل پر تواتر قائم ہے اور وہاں تک اس قرآن کے محل، وضع اور ترتیب کا تعلق ہے تو محققین اہل سنت کے نزدیک اس پر بھی تواتر قائم ہے کیونکہ عادت اس قسم کی تفصیلات میں تواتر کا تقاضا کرتی ہے...... یہ ایک عظیم معجزہ اور دین

مبین وصراط مستقیم کا ماخذ ہے......البتہ وہ آیات جو اخبار آحاد کے توسط سے نقل ہوتی ہیں اور متواتر نہیں یقیناً وہ جزوِ قرآن نہیں ہے (مفاتیح الاصول)

20۔ شیخ ابراہیم کلباسی اصبہانی (م1262ھ) لکھتے ہیں کہ قرآن میں کمی واقع ہونے والا نظریہ ان نظریات میں سے ایک ہے جن پر کوئی دلیل دلالت نہیں کرتی (اشارات الاصول)

21۔ سید محمد شہشہانی (م1289ھ) نے اپنی کتاب عروۃ الوثقیٰ میں قرآن کے متعلق بحث کرتے ہوئے لکھا کہ قرآن مجید میں تحریف واقع نہیں ہوئی اور جمہور مجتہدین اسی کے قائل ہیں۔

(الخوئی، البیان فی تفسیر القرآن، ص:200)

22۔ سید حسن کوہ کمری (م1299ھ) نے واضح طور پر کہا کہ قرآن میں تحریف واقع نہیں ہوئی۔

(بشریٰ الوصول الیٰ اسرار علم الاصول)

23۔ شیخ موسیٰ تبریزی (م1307ھ) نے اپنی کتاب شرح الرسائل فی علم الاصول میں یہی نظریہ اپنایا کہ قرآن میں تحرِیف نہیں ہوئی۔

24۔ سید محمد حسین شہرستانی الحائری (م1315ھ) نے اپنی کتاب رسالۃ فی حفظ الکتاب الشرف عن شبۃ القول بالتحریف میں بہت سے دلائل سے ثابت کیا کہ قرآن میں تحریف واقع نہیں ہوئی۔

(المعارف الجلیلہ 21/1)

25۔ شیخ محمد حسین آشتیانی (م1319ھ) لکھتے ہیں کہ مجتہدین اصولین بلکہ اکثر محدثین کے ہاں مشہور ہے کہ قرآن میں تغیر وتبدیلی واقع نہیں ہوئی بلکہ بہت سے علماء نے اس پر اجماع کا دعوٰی کیا ہے۔

(بحر الفوائد فی حاشیہ الفرائد فی الاصول)

26۔ شیخ محمد حسن بن عبداللہ مامقانی (م1323ھ) نے اپنی کتاب بشرٰی الوصول الی اسرار علم الاصول میں اسی نظریہ سے اتفاق کیا ہے۔

27۔ سید محمد باقر المعروف حجّت طباطبائی (م1331ھ) نے علم کلام میں اپنے مشہور منظومہ بنام مصباح الظلام فی علم الکلام میں اس بات کی تصریح کی ہے کہ قرآن میں تحریف نہیں ہوئی۔

28۔ شیخ محمد جواد بلاغی (م1352ھ) لکھتے ہیں کہ وہ شاذ روایات جو تحریف قرآن یا اس کے ضائع ہونے پر دلالت کرتی ہیں، انکی کوئی قدر و قیمت نہیں اور وہ بات کہو جس کا علم تقاضا کرتا ہے کہ ان روایات کے مضمون مخدوش اور راوی ضعیف ہیں اور وہ اجماع مسلمین کے بھی مخالف ہیں اور ان روایات کے مضمون اور قرآن

کے مضمون میں کوئی مشابہت ہی نہیں ہے (آلاء الرحمٰن فی تفسیر القرآن، ص:18)

29۔ آیت اللہ ابوالقاسم الموسوی الخوئی (م 1993ھ) نے اپنی تفسیر البیان کے مقدمہ میں ص:197 تا ص 253 پر تحریف کے ہر شبہ کا رد کیا ہے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ وعثمان رضی اللہ عنہ سمیت تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس الزام سے بری قرار دیا ہے (ص:214) اور تمام بحث کا نتیجہ ان الفاظ میں بیان کیا کہ ان گذشتہ مباحث سے قارئین محترم کے سامنے واضح ہو گیا کہ تحریف قرآن کی باتیں خرافات اور بیہودہ خیالات ہیں۔

(ص:253 اردو)

30۔ شیخ محمد حسین کاشف الغطاء لکھتے ہیں کہ لوگوں کے ہاں اس وقت موجود قرآن بالکل وہی ہے جس کو خداوندِ قدوس نے بطور معجزہ نازل کیا تھا اس میں تحریف واقع ہوئی اور نہ کمی وزیادتی۔ اس نظریے پر تمام علماء کا اجماع ہے...... نیز وہ روایات جو تحریف پر دلالت کرتی ہیں وہ تمام ضعیف اور شاذ اور خبر واحد ہیں جو نہ علم کا فائدہ دیتی ہیں نہ ہی عمل کا لہٰذا ان روایات کی معتبر طریقوں پر تاویل کی جائے ورنہ انہیں دیوار پر مار دیا جائے۔ (اصل الشیعہ واصولہا ص:101-102)

31۔ سید شرف الدین لکھتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اسی قرآن کریم اور ذکر حکیم کی تمام آیات وکلمات، حروف وسکنات وحرکات کے بارے میں آئمہ اہل بیت علیہ السلام کے زمانہ سے لیکر آج تک تواتر قائم ہے اس میں صرف جھگڑالو اور متکبر شخص ہی شک کرتا ہے۔ نیز تمام آئمہ اہل بیت علیہ السلام اس قرآن کو اپنے جد بزرگوار پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں، اس میں بھی کسی قسم کا کوئی شک نہیں...... اور صرف امامیہ کی نماز ہی اس کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کیونکہ امامیہ اپنی پانچوں نمازوں میں پہلی اور دوسری رکعت میں فاتحہ کے بعد ایک مکمل سورہ پڑھنے کو لازم واجب قرار دیتے ہیں...... پس اگر قرآن کی تمام سورتیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں موجودہ کیفیت وکمیت پر نہ ہوتیں تو شیعوں کے نزدیک یہ نظریہ نہ ہی رواج پاتا اور نہ ہی ان کے لیے ممکن ہوتا کہ وہ اس پر کوئی دلیل قائم کرتے...... تحریف پر دلالت کرنے والی روایات دیوار پر ماردی جائیں گی۔ (اجوبہ مسائل جار اللہ ص 28-37 الفصول المہمہ)

32۔ مشہور محدث مولیٰ محسن کاشانی نے اپنی دونوں کتابوں میں عدم تحریف پر علماء کے اجماع کے قول کو اختیار کیا ہے۔ (الوافی 274/5، علم الیقین ص 130 بحوالہ الخوئی، البیان ص:200)

33۔ سید محمد ہادی میلانی نے کہا کہ میرے نزدیک قطعی بات یہ ہے کہ قرآن مجید میں کسی قسم کی تحریف واقع نہیں ہوئی نہ اس میں زیادتی ہوئی ہے اور نہ ہی کمی اور نہ ہی اس کے الفاظ میں کوئی تغیر یا تبدیلی واقع ہوئی

ہے۔(پرسش نمبر 110)

34۔ سید محمد حسین طباطبائی نے آیت انا لہ لحافظون کے تحت مسئلہ عدم تحریف پر چند ایک فصلوں (ابواب) میں بحث کی ہے۔(المیزان فی تفسیر القرآن جلد نمبر 12)

35۔ ان بزرگان کے علاوہ سید رضی مولف نہج البلاغہ، شیخ ابن ادریس صاحب السرائر فی الفقہ، آقائے فاضل الجواد صاحب شرح الزبدۃ فی الاصول، شیخ ابی الحسن صاحب الدعوۃ الاسلامیہ، شیخ محمد نہاوندی صاحب تفسیر، سید محسن الامین العاملی صاحب الشیعۃ والمنار، سید رشتی النجفی صاحب کشف الاشتباہ، آقا بزرگ تہرانی صاحب رسالہ نفی التحریف عن القرآن الشریف نے بھی عدم تحریف کے عقیدہ کا اظہار کیا ہے۔

ان بزرگوں نے اپنے دلائل کی بنیاد احادیثِ آئمہ کے علاوہ قرآن مجید کی سورۃ الحجر 15/9 حٰم السجدہ / فصلت 41/40-41 اور قیامہ 75/16 تا 19 پر رکھی ہے۔

غیر مسلم علماء کی رائے

قرآن مجید حضور ﷺ کے دور میں لکھا اور جمع ہو چکا تھا اور آج تک وہی متن بغیر کسی کمی بیشی کے موجود ہے۔

اس پر غیر مسلم علماء کی رائے پیش خدمت ہے۔

1۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور کا متن آج تک تبدیل نہیں ہوا۔

(Palmer, The Quran, Introduction P-LIX)

2۔ قرآن کا متن تمام کتابوں میں سب سے خالص ہے۔

(Wherry Commentry on The Quran, Vol-1, P-349)

3۔ قرآن کا متن وہی ہے جو محمد (ﷺ) نے دیا۔(Arnold Islamic Faith, P-9)

4۔ مسلمانوں کے تمام گروہوں کے پاس ایک جیسا متنِ قرآن ہے۔

(HURGRONJE, Muhammadanism, P-18)

5۔ قرآن کی عظیم خوبی یہ ہے کہ اس کے اصل ہونے میں کوئی شبہ نہیں......اس کے الفاظ کو ہم اس پورے اعتماد کے ساتھ تلاوت کر سکتے ہیں کہ یہ تبدیل نہیں ہوئے اگرچہ تیرہ سو سال گزر گئے۔

(Lane pool, Lane's Laxicon, introd. P-c)

6۔ دنیا میں شاید کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جو قرآن کی طرح 12 سو سال تک اتنی خالص رہی ہو۔

(Muir, Life of Muhammad (SAW), Introd, PP-xxii,xxiii)

7۔ قرآن میں اصل الفاظ بلا شک وشبہ اور بغیر کسی کمی بیشی کے موجود ہیں۔

(Bosworth Smith, Muhammad and Muhammadanism,P-22)

8۔ قرآن آج ہمارے پاس عملاً بغیر کسی تبدیلی کے اسی طرح موجود ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے دیا۔

(Torrey, Jewish Foundation of Islam, P-2)

9۔ قرآن پورے کا پورا وہی ہے جیسا کہ محمد (ﷺ) نے دیا، جیسا کہ چند سامی علماء نے بیان کیا ہے کہ پورے قرآن میں اختلاف قرآءت اتنا نہیں جتنا کہ عبرانی یا بائبل کی ایک کتاب پیدائش میں ہے۔

(HITTI, History of the Arabs, P-123)

10۔ اس کی صحت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی اور نہ ہی کوئی مترجم یا کوئی جوشیلا یا بدنیت آدمی آج تک اس میں کوئی ردوبدل کر سکا۔ لہٰذا یہ حقیقت بڑے افسوس کے ساتھ جاننا پڑے گی کہ بائبل کے متعلق یہ دعوٰی نہیں کیا جا سکتا۔

(Foster F.Arburthnot, The Coustruction of The Bible and the Koran, London, 1885)

11۔ قرآن پیغمبر (ﷺ) کی زندگی میں ہی اور انہی کی زیر ہدایت ونگرانی ضبط تحریر میں آ گیا تھا اور ان کے صحابہ (رضی اللہ عنہم) نے اسے حفظ کر لیا تھا اور آج تک یہ معمول جاری ہے...... اسکی عبارت کا غیر محرف ہونا ثابت شدہ حقیقت ہے۔

(Hammerton's New Universal Encyclopedia, Vol-6, P-4888)

12۔ قرآن نازل ہونے کے وقت سے لے کر آج تک اسی حالت میں قائم ہے

(لیوس مُور۔ مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا ص 138-139 مترجم: یاسر جواد، سعدیہ جواد)

13۔ جو قرآن آپ (ﷺ) پر نازل ہوا وہ ہو بہو اور لفظ بہ لفظ اسی طرح آج بھی موجود ہے

(قرآن ناطق ص 195 مصنف: سرجیت سنگھ لامبا)

14۔ اہم بات یہ ہے کہ صرف قرآن ہی 1400 سال سے بغیر کسی تغیر وتبدل کے اپنے اصل متن کے ساتھ موجود ہے نہ تو یہودی مذہب اور نہ ہی عیسائیت میں کوئی ایسی چیز ہے جس کا قرآن سے موازنہ کیا جا سکے۔

(R.V.C. Bodley, The Messenger, 1946)

15۔ حفظ کے متوازی متن کی تحریری صورت نے حفظ کی حفاظت کی اور اس میں تبدیلی نہیں ہونے دی اور تحریر کے متوازی حفظ نے تحریر کی حفاظت کی اور اس میں تبدیلی نہیں ہونے دی۔

(Andrew Rippen(Ed), Approaches of The History For Interpretation of The Quran, 1988, Clarendon Press Oxford, P-44)

16۔ بیس سال سے زیادہ عرصہ تک پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے نہایت توجہ سے اس صورت میں جیسی کہ ہم اسے دیکھ رہے ہیں، سورتوں کے اعتبار سے اس کو ترتیب دلایا۔ قرآن وہ چیز تھی جس کو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حیات طیبہ میں تحریری شکل میں لایا گیا اور نمازوں میں پڑھنے کے لیے اس کو حفظ کیا گیا۔

(مورس بوکائیے، بائبل، قرآن اور سائنس اردو ص 312)

17۔ جو متن ہم تک پہنچا ہے بعینہ اسی صورت میں ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بذاتِ خود مرتب و منظور فرمایا۔ آج جو کتاب ہمارے ہاتھ میں ہے، یہ دراصل مصحفِ محمدی ہے۔

(John Burton, The Colletion of Quran, P-239,240)

18۔ گذشتہ صدی میں جرمنی کی میونخ یونیورسٹی نے قرآن مجید کے 24000 سے زائد مکمل اور نامکمل قدیم نسخے ساری دنیا سے جمع کیے جو کہ قدیم ترین نسخہ سے لے کر ہر صدی میں پائے جانے والے نسخوں پر مشتمل تھے۔ ان نسخوں پر تقریباً 50 سال کی گہری تحقیق کے بعد محققین نے متفقہ طور پر یہ نتیجہ نکالا کہ کتابت کی معمولی غلطیوں کے علاوہ ان تمام نسخوں میں کوئی ادنیٰ سا بھی اختلاف نہیں ہے

(ڈاکٹر حمید اللہ۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ ص:179)

19۔ یہ ایک قوی حقیقت ہے کہ قرآن میں کسی قسم کی کوئی تحریف ثابت نہیں کی جا سکی اور یہ حقیقت بھی بہت قوی ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بیان کردہ الفاظ کو اصل حالت میں مکمل احتیاط کے ساتھ اب تک محفوظ رکھا گیا ہے۔ (H.A.R.Gibbe, Muhammadanism, P-50)

20۔ اپنے نزول سے لے کر آج تک صدیوں کا عرصہ گزرنے کے بعد بھی قرآن محفوظ ہے اور آئندہ بھی محفوظ رہے گا۔ (اطالوی مستشرقہ وگلیری An Interpretation of Islam, P-41)

یہ وہ مقدس کتاب ہے جو کبھی انسانی دست بُرد کا شکار نہیں ہوئی، نہ اپنوں کے ہاتھوں نہ دشمنوں کے ہاتھوں، نہ علماء کے ہاتھوں نہ جہلا کے ہاتھوں، یہ بالکل ویسی ہے جیسی خدا کی طرف سے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر

نازل کی گئی۔ (ایضاً ص:87)

21۔ آج قرآن کا عربی متن اس الٰہی صحیفہ کی نقل مطابق اصل ہے جو پیغمبر ﷺ نے لفظ لفظ لکھوایا تھا۔

(Philip K. Hitti , Islam: A way of life, P-26)

22۔ یورپ کے محققین کی وہ تمام کوششیں قطعاً ناکام رہیں جو قرآن میں بعد کے اضافہ جات کو ثابت کرنے کے لیے کی گئیں۔

(Noldeke, Quoted in Encyclopedia Britanica Ed.11, word Quran)

23۔ مسیحی عقیدہ سے قریب ترین مشابہت یہ ہے کہ جس طرح مسیحی عقیدہ رکھتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام خدا کا کلام تھے جو مجسم ہوا، اسی طرح مسلمان عقیدہ رکھتے ہیں کہ قرآن خدا کا کلام ہے جو تحریری صورت میں ہے

(Boswarth Smith in Muhammad and Muhammadanism Quoted by Ibn-e-warraq In His Book "What The Quran Realy Says")

کتابتِ حدیث وجمع روایات

حضور ﷺ نے خود احادیث کے لکھنے کا حکم دیا تھا جیسا کہ ابن عمر کی روایت میں ہے۔

(مستدرک حاکم 106/1، ابن عبدالبر، جامع بیان العلم وفضلہ 88/1، مناوی، کنوز الحقائق 34/2، ابن جوزی رسالہ ناسخ منسوخ ص:13، سیوطی، الجامع الصغیر، 88/2)

احادیث کے لکھنے کا حکم اور کام خود حضور ﷺ کے دور میں ہوا جس کا ثبوت مندرجہ ذیل ہے۔

1۔ ایک یمنی صحابی ابوشاہ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے آپ کا خطبہ لکھ کر دینے کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے فرمایا ابوشاہ کو لکھ دو۔ (بخاری حدیث نمبر 2434 کتاب للقطہ باب کیف تعرف لقطۃ اہل مکہ اور حدیث نمبر 6880 کتاب الدیات باب الدیت باب من قتل لہ قتیل فھو بخیر النظرین)، (مسلم حدیث نمبر 3305، کتاب الحج باب تحریم مکہ وتحریم صیدھا......)

2۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مختلف مسائل فقہ پر مشتمل ایک رسالہ لکھوایا تھا۔

(بخاری حدیث نمبر 6755 کتاب الفرائض باب اثم من تبرا من موالیہ، بخاری حدیث نمبر 3179 کتاب الجزیہ والموادعہ باب اثم من عاہد ثم غدر)

3۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کا خطاب سنا تو اپنے بیٹے سے کہا اسے لکھ لے تو اس نے لکھ لیا۔

(مسلم حدیث نمبر 149 کتاب الایمان باب الدلیل علی ان من مات علی التوحید دخل الجنۃ قطعا)

4۔ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے احادیث لکھنے کی اجازت طلب کی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لکھ لو کوئی حرج نہیں۔ (ہیثمی، مجمع الزوائد 156/1، متقی ہندی، کنز العمال (منتخب 58/4) یہ حکم جمع کے صیغہ میں دیا گیا جو سب صحابہ رضی اللہ عنہم کو شامل ہے۔

5۔ ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث یاد نہیں رہتیں تو فرمایا اپنے ہاتھ سے لکھ لیا کر (ترمذی حدیث نمبر 2666 ابواب العلم، باب ماجاء فی الرخصۃ فیہ)، مناوی، کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق 28/1، سیوطی الجامع الصغیر 39، عجلونی، کشف الخفاء: 118/1-119)

6۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو تمام احادیث لکھنے کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا کہ میری زبان سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔ (مسند احمد، مسند عبداللہ بن عمرو بن عاص حدیث نمبر 6510، 7018، 7020، ابوداؤد حدیث نمبر 3646 کتاب العلم باب کتابتِ العلم، دارمی حدیث نمبر 50،1/1، 251/1، مستدرک حاکم 106/1)

7۔ حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عدّاء رضی اللہ عنہ بن خالد کو غلام فروخت کیا تو تحریر لکھوا دی جس کی عبارت محدثین نے بیان کی ہے۔ (بخاری کتاب البیوع باب اذا بین البیان ولم یکتما ونصحا حدیث نمبر 2078 کے بعد، ابن عبدالبر، الاستیعاب حاشیہ الاصابہ 162/3) حضرت عدّاء رضی اللہ عنہ زمانہ تابعین میں وہ تحریر لوگوں کو دکھاتے اور پڑھ پڑھ کے سناتے تھے (ترمذی حدیث نمبر 1216 ابواب البیوع باب ماجاء فی کتابۃ الشروط، الاستیعاب 162/3) اور یہ تحریر محدثین کے پاس محفوظ رہی۔ (الاستیعاب ایضاً)

8۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ثمامہ بن اثال کو لکھا کہ مکہ والوں کو غلہ بھیجنا بند نہ کرے۔
(فتح الباری 88/8، ابن ہشام، السیرۃ النبویہ 288/4، امام سرخسی، المبسوط، ابواب السیر)

9۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کی مردم شماری اور جنگ میں جانے والوں کے نام لکھنے کا حکم دیا۔
(بخاری حدیث نمبر 3061-3060 کتاب الجہاد، باب کتابۃ الامام الناس، بیہقی، السنن 363/6، حدیث نمبر 13069)

10۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلح حدیبیہ کی شرائط لکھوا کر سہیل بن عمرو کو دی تھیں (بخاری حدیث نمبر 3184 کتاب الجزیہ والموادعہ باب المصالحۃ علیٰ ثلاثۃ ایام او وقتِ معلوم، مسلم حدیث نمبر 4629 کتاب الجہاد باب صلح الحدیبیہ)۔ اس معاہدہ کی ایک نقل قریش کو دی اور ایک اپنے پاس رکھ لی (ابن سعد، طبقات الکبریٰ، مغازی 71/1)

11۔ یہود کو صلح نامہ لکھ کر دیا (ابن ہشام۔ السیرۃ النبویہ 147/2)

12۔ اس کے علاوہ بھی یہود کو ایک صحیفہ امن لکھوا کر دیا گیا
(ابوداؤد حدیث نمبر 3000 کتاب الخراج باب کیف کان اخراج الیہود من المدینہ)

13۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو غلامی سے آزاد کرانے کے لیے ان کے یہودی مالک کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تحریر دی (خطیب بغدادی، تاریخ بغداد 170/1)

14۔ یہود خیبر کو لکھا کہ مقتول کی دیت ادا کردو ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ (بخاری حدیث نمبر 7192 مسلم حدیث نمبر 4349، نسائی حدیث نمبر 4710-4711، ابوداؤد حدیث نمبر 4521) ابن ماجہ حدیث نمبر 2677)

15۔ بادشاہوں کو خطوط لکھے جن میں قیصر و کسریٰ، نجاشی اور تمام جباروں کو خطوط شامل تھے۔

(مسلم حدیث نمبر 4609 تا 4611 کتاب الجہاد، باب کتب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الی ملوک الکفار یدعوھم الی الاسلام، ابن ھشام، السیرۃ النبویہ 255/4، یحییٰ کتاب الخراج ص 142، خطیب بغدادی، تاریخ بغداد 132/1)

16۔ ہندوستان کے راجہ سری بانک کے پاس حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ و حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ وغیرہ دس صحابہ رضی اللہ عنہم کی معرفت دعوت اسلام کی تحریر بھیجی۔ اس راجہ نے دعوت قبول کی، اسلام لایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تحریر کو چوما۔ (امام ذھبی، میزان الاعتدال 178/1)

17۔ منذر والی عمان کو تحریر بھیجی۔ واقدی کہتے ہیں کہ وہ تحریر میں نے خود دیکھی ہے۔

(ابن القیم، زاد المعاد 61/3)

18۔ وصال سے ایک ماہ پہلے قبیلہ جہینہ کو ہدایت لکھ کر بھجوائیں (ابن حبان حدیث نمبر 1277 ابن ماجہ حدیث نمبر 3613، ترمذی حدیث نمبر 1739، ابوداؤد حدیث نمبر 4128، مسند احمد حدیث نمبر 17780، نسائی حدیث نمبر 4249)

19۔ ملکِ یمن کے شہر جرش والوں کو مسائل لکھ کر بھجوائے

(مسلم حدیث نمبر 5162، کتاب الاشربہ باب کراھۃ انتباذ التمر والزبیب مخلوطین)

20۔ اہل ہجر کو بھی مسئلہ لکھوا کر بھجوایا (نسائی حدیث نمبر 5559 کتاب الاشربہ باب خلیط البُسر والتمر)

21۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا لڑکا فوت ہوا تو تعزیت کا خط بھجوایا

(مستدرک حاکم حدیث نمبر 5193، 273/3، خطیب بغدادی، تاریخ بغداد 89/2 بحوالہ طبرانی و ابن مردویہ)

22۔ مسلم بن حارث تمیمی کو کچھ وصیتیں لکھوا کر مہر لگوا کے عطا فرمائیں۔

(ابوداؤد حدیث نمبر 5080 کتاب الادب باب مایقول اذا صبح)

23۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے پاس یمن میں احکام جزیہ، زکوٰۃ و عشر لکھ کر بھجوائے۔

(یحییٰ، کتاب الخراج ص: 79-139، 173، ترمذی، حدیث نمبر 638، دارقطنی 96/1) یہ تحریر حضرت موسیٰ بن طلحہ رحمہ اللہ تابعی کے پاس محفوظ تھی (دارقطنی، السنن 201/1، مشکاۃ ص: 189)

24۔ یمن والوں کو شہد پر زکوۃ کے احکام لکھ کر بھجوائے۔

(فتح الباری 51/6، امام زیلعی، نصب الرایہ 390/2، مصنف عبدالرزاق 63/4)

25۔ آپ ﷺ نے ہر قبیلہ کو دیت کے احکام لکھ کر بھجوائے۔

(مسلم حدیث نمبر 3790 کتاب العتق باب تحریم تولی العتیق غیر موالیہ)

26۔ مجاعہ صحابی رضی اللہ عنہ کو اس کے بھائی کا خون بہا سو اونٹ آپ ﷺ نے لکھ کر دیا تھا۔

(کتاب الخراج باب فی بیان مواضع قسم الخمس ابوداؤد حدیث نمبر 2990)

27۔ ضحاک بن سفیان کو اشیم الضبابی کی دیت کے احکام لکھ کر بھجوائے

(مشکوۃ حدیث نمبر 3063، ترمذی حدیث نمبر 1415، 2110، دارقطنی، السنن 676/4، ابوداؤد حدیث نمبر 3927)

28۔ عمیر ذی مرّان اور عک ذی مرّان کو امان نامے لکھوا دیئے تھے۔

(ابوداؤد حدیث نمبر 3027 کتاب الخراج باب ماجاء فی حکم ارض الیمن)

29۔ خیبر کے علاقہ کی مختلف مدّوں میں تقسیم تحریری طور پر لکھوائی۔ (یحیی کتاب الخراج ص 36)

30۔ علاقہ بحرین کی زمینیں صحابہ رضی اللہ عنہم کو عطا کیں اور ان کو اس بارے میں تحریریں لکھوا دیں

(بخاری حدیث نمبر 2377 کتاب الاستقراض والدیون باب القطائع)

31۔ حریث نجدی کو ارض دھنا لکھ کر دی۔ (ابوداؤد حدیث نمبر 3070، کتاب الخراج باب فی اقطاع الارضین)

32۔ بلال بن حارث المزنی کو مدینہ کے قریب ساحلی مقام قبل کی پست و بلند زمین اور جبل قدس کے دامن کی زمین لکھ دی تھی۔ (ابوداؤد حدیث نمبر 3062 - 3063 کتاب الخراج باب فی اقطاع الارضین، حاکم، المستدرک 517/3، حدیث نمبر 6199)

33۔ آخری دور میں آپ ﷺ کے پاس آنے والے صحابی حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ جب اپنے وطن حضر موت واپس جانے لگے تو تین نوشتے مختلف مسائل (نماز، زکوۃ، خرید و فروخت، نکاح، شغار، تیمیوں کے حقوق، نشہ آور اشیاء کی ممانعت) کے لکھوا کر مرحمت فرمائے (طبرانی، المعجم الصغیر، ص 242)

34۔ حضور ﷺ نے اپنی حدیثیں لکھنے والوں کو مغفرت کی بشارت دی۔

(ابن الجوزی، العلل المتناہیہ 117/1، متقی ہندی، منتخب کنز العمال 57/4)

35۔ حضور ﷺ نے حدیثوں کو سندوں کے ساتھ لکھنے کا حکم دیا (سیوطی، بغیہ الوعاۃ 422/2)

36۔ حدیث کی سب سے پہلی کتاب کا نام کتاب الصدقہ تھا جس میں زکوۃ کے مسائل مذکور تھے اور یہ

آپ ﷺ کے آخری دور میں بحکم حضور ﷺ مرتب ہوئی۔(ابوداؤد حدیث نمبر 1567 کتاب الزکاۃ باب فی زکاۃ السائمۃ، بیہقی، السنن الکبریٰ حدیث نمبر 7252، مستدرک حاکم حدیث نمبر 1443 جلد نمبر 1، ص 392-393)

اس کتاب کو مرتب کرانے کے بعد حضور ﷺ کا وصال ہوگیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے احکام کا نفاذ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پوتے سالم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کتاب امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کو پڑھنے کے لیے دی جنھوں نے اسے حفظ کرلیا۔ اس کی نقل عمر رضی اللہ عنہ بن عبدالعزیز نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے دو بیٹوں سے کرائی تھی۔ ملاحظہ ہو ابوداؤد حدیث نمبر 1568 تا 1570۔ اس کی تفصیل بخاری حدیث نمبر 1454 کتاب الزکاۃ باب زکاۃ الغنم میں بھی ہے۔ اس کتاب پر حضور ﷺ کی مہر مبارک بھی تھی۔

(ابوداؤد حدیث نمبر 1567۔ بیہقی، السنن 87/4 مستدرک حدیث نمبر 1441۔ دارقطنی السنن 122/1، 113/2)

37۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے آخری دور میں احادیث کی ایک ضخیم کتاب، جس میں تلاوت قرآن مجید، نماز، زکاۃ، طلاق، عتاق، قصاص، دیت، فرائض وسنن اور کبیرہ گناہوں کی تفصیل تحریر کرائی، عمرو بن حزم صحابی رضی اللہ عنہ کی معرفت یمن والوں کے پاس بھجوائی تھی۔ (نسائی حدیث نمبر 4857 کتاب القسامتہ باب حدیث عمرو بن حزم فی العقول، ابوداؤد المراسیل ص 28، دارقطنی السنن 117/2-130، 209/3-210، دارمی السنن 188/2، موطا امام مالک کتاب العقول باب ذکر العقول ص 574 اردو، مسند شافعی ص 347-348، کتاب الام شافعی 66/6، بیہقی، السنن الکبریٰ حدیث نمبر 7255 جلد نمبر 4 ص 894، مستدرک حاکم 395/1، متقی ہندی، کنزالعمال 186/3، شوکانی، نیل الاوطار، ص 258، فتح الباری 182/12 کے علاوہ اور کئی کتابوں میں اس کا ذکر ہے)

امام ابن قیم اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ بلاشک یہ کتاب آنحضرت ﷺ کی ہی لکھوائی ہوئی ہے۔ یہ ایک بڑی کتاب ہے۔ اس میں بہت سے مسائل شرعیہ لکھے ہوئے تھے۔ (ابن قیم، زادالمعاد 30/1)

صحابہ رضی اللہ عنہم کے عمل سے ثبوت

صحابہ ایک دوسرے کو احادیث لکھ کر دیتے یا بھجواتے تھے جس کا ذکر بخاری حدیث نمبر 6473، ابوداؤد نمبر 2075، مسند احمد نمبر 16856، ابوداؤد نمبر 3647، مسند احمد نمبر 21579، مسلم نمبر 3701، مسلم نمبر 4490، بخاری 2818، ابوداؤد نمبر 3648، مسلم نمبر 4711، نمبر 3316، نمبر 4684، بخاری نمبر 2514، مستدرک حاکم نمبر 6452، مسلم نمبر 149، بخاری نمبر 1982، مستدرک نمبر 361، سنن دارمی نمبر 509 میں ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا تمام احادیث لکھنا

1۔ عبداللہ بن عمرو بن عاص کو تمام احادیث لکھنے کا حکم پہلے گزر چکا۔ اب ان کا عمل ملاحظہ ہو۔ وہ ساری احادیث لکھا کرتے تھے جس کا ذکر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کیا۔ (بخاری حدیث نمبر 113 کتاب العلم باب کتابۃ العلم، ترمذی حدیث نمبر 3841 ابواب المناقب، باب مناقب ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ، دارمی، السنن 125/1 حدیث نمبر 500) وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھ کر لکھا کرتے تھے (دارمی، السنن 25/1) ان کے صحیفہ کا نام الصادقہ تھا جس کے بارے میں وہ خود فرماتے ہیں کہ یہ حدیث کی کتاب میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سن کر لکھی ہے۔ اس لیے میری تمنا ہے کہ میں ابھی کچھ دن اور زندہ رہوں کہ اس سے فائدہ اٹھاؤں۔ وہ اس کتاب کو مختلف لوگوں کو دکھایا کرتے تھے (دارمی، السنن 127/1 حدیث نمبر 513) انہوں نے اپنا صحیفہ ابو راشد الحُبر انی کو دکھایا اور کہا کہ یہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لکھوایا ہے (ترمذی حدیث نمبر 3529 ابواب الدعوات باب دعاء علمہ ابا بکر......) یہ کتاب ان کے پوتے عمرو بن شعیب کے پاس موجود تھی۔ (ترمذی حدیث نمبر 322، 641)

2۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس بہت سی کتابوں میں احادیث لکھی ہوئی تھیں۔ حسن بن عمرو کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ہم کو احادیث نبویہ کی بہت سی کتابیں دکھائیں جو ان کے پاس تھیں۔

(ابن حجر، فتح الباری 184/1، ابن عبدالبر، جامع بیان العلم وفضلہ 87/1)

بشر بن نہیک کہتے ہیں کہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان کی کتابیں لے کر احادیث نقل کیا کرتا تھا۔

(دارمی، السنن، حدیث: 511، جلد 1، ص: 127، طحاوی، شرح معانی الآ ثار، 320/4، ابن عبدالبر جامع بیان العم وفضلہ، 87/1،)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ 5374 احادیث کے حافظ تھے۔ (نووی، مقدمہ شرح مسلم 8/1)

3۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی احادیث کو کتاب میں لکھ رکھا تھا جسے ان کے بیٹے حضرت عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ لوگوں کو دکھایا کرتے تھے جس کا ذکر معن رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے۔

(ابن عبدالبر، جامع بیان العلم وفضلہ 86/1)

خلفائے راشدین کا عمل

1۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ایک کتاب میں 500 احادیث لکھ رکھی تھیں جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا (امام ذھبی، تذکرۃ الحفاظ 51/1، متقی ہندی، منتخب کنز العمال 58/4) مولانا ابو القاسم سیف بنارسی لکھتے ہیں کہ اس کتاب کو جلانے والا واقعہ صحیح نہیں (ص: 54)

2۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ دوسروں کے پاس حدیث لکھ کر بھیجتے تھے۔ انہوں نے عتبہ بن فرقد کو آذربائی جان میں حدیث لکھ کر بھیجی (مسلم حدیث نمبر 5411 کتاب للباس باب تحریم لبُسِ الحریر) انہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے کہا تھا کہ علمِ حدیث کو تحریر میں لاؤ (دارمی، السنن حدیث نمبر 514، 127/1، حاکم، مستدرک 106/1 حدیث نمبر 360، ابن عبدالبر، جامع بیان العلم وفضلہ 86/1)۔ یہی حکم ان کے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے (دارمی، السنن 127/1) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود احادیث کو لکھنا شروع کر دیا تھا۔ (ابن عبدالبر، جامع بیان العلم وفضلہ 77/1)

3۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک صحیفہ احادیث لکھنا پہلے مذکور ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے احکام قضاء کی احادیث جمع کی تھیں (مسلم، مقدمہ 10/1 باب فی الضعفاء والکذابین و من یرغب عن حدیثھم)۔ انہوں نے لکھنے والوں کو حکم دیا تھا کہ احادیث کو سندوں کے ساتھ لکھو۔ (متقی ہندی، منتخب کنز العمال 57/4)

تابعین کا حدیث لکھنا

تابعین صحابہ رضی اللہ عنہم سے سن کر خود بھی احادیث جمع کرتے اور دوسرے تابعین یا تمام لوگوں کو لکھ کر بھیجتے۔ اس بات کا ذکر مسلم حدیث نمبر 4519، 3722، طحاوی کی شرح معانی الآثار 319/4، ابن حجر کی تہذیب التہذیب 275/1، 173/4، 188/4، حاجی خلیفہ کی کشف الظنون 1747/2، طبری کی تاریخ امم والملوک ص 1285، ابن عبدالبر کی جامع بیان العلم وفضلہ 90/1، سیوطی کی مفتاح الجنتہ، ص: 10، ذہبی کی تذکرۃ الحفاظ 110/1، دارمی کی السنن حدیث نمبر 512، 127/1، 128/1 حدیث نمبر 520، حدیث نمبر 511، تہذیب التہذیب 59/11، 276/1، خزرجی کی خلاصہ تذہیب التہذیب الکمال، ص: 441، مسند احمد 312/2-318، منتخب کنز العمال 61/4، فتح الباری 195/1 باب کیف یقبض العلم، فتح الباری 185/1، کشف الظنون 37/2 میں موجود ہے۔

احادیث لکھنے سے منع کرنے کا حکم پہلے تھا پھر منسوخ ہو گیا

مسلم کی روایت کہ میری حدیث نہ لکھو، جس نے لکھی ہو وہ مٹا دے (مسلم حدیث نمبر 7510 کتاب الزھد، باب التثبت فی الحدیث) سو واضح ہو کہ یہ حکمِ منع صرف زمانہ نزول قرآن تک مختص تھا۔ اس لیے کہ اس وقت قرآن نازل ہو رہا تھا اور حدیثوں کے اس میں مل جانے کا ڈر تھا۔ جب قرآن کتابی صورت میں جمع ہو چکا تو ممانعت اٹھا دی گئی اور خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احادیث لکھنے کا حکم دیا جیسا کہ پہلے گزر چکا۔ امام ابن حجر لکھتے ہیں کہ پہلے منع فرمایا تھا پھر اجازت سے پہلا حکم منسوخ فرما دیا (فتح الباری 211/1) امام نووی رحمۃ اللہ علیہ

لکھتے ہیں کہ منع کی حدیث منسوخ ہے (شرح مسلم 415/2)۔ابن جوزی لکھتے ہیں کہ پہلے منع فرمایا پھر اجازت دے دی (الناسخ والمنسوخ،ص:13) ابن قتیبہ لکھتے ہیں کہ پہلے منع فرمایا تھا پھر لکھنے اور محفوظ کرنے کی اجازت دیدی۔(تاویل مختلف الحدیث ص286-287)۔امام بخاری لکھتے ہیں کہ احادیث لکھنے سے منع کرنے کی روایت مرفوع نہیں بلکہ موقوف ہے۔یہ حضور ﷺ کا فرمان نہیں بلکہ صحابی کا قول ہے جو کہ اجازت کتابت کی حدیث سے غیر متعلق ہوگیا۔امام ابن حجر نے اس کے بارے میں لکھا کہ صحیح یہ ہے کہ روایت مسلم مذکور کا راوی ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ پر موقوف ہونا ہی درست قول ہے (فتح الباری 185/1)۔حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے آیت قرض سے احادیث لکھنے پر استدلال فرمایا ہے (طحاوی،شرح معانی الآثار 319/4) علامہ ابوالملیح رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن مجید کی آیت ذکر کرکے (کہ تیرا رب بھولتا نہیں۔طٰہٰ 52/20) لکھا کہ خدا تعالیٰ نے اس شان کے باوجود لوح محفوظ میں سب کچھ لکھ رکھا ہے تو ہم انسان تو مرکب ہی بھول چوک سے ہیں تو ہم احادیث کیوں نہ لکھ لیا کریں۔(دارمی،السنن 126/1،ابن عبدالبر،جامع بیان العلم وفضلہ 87/1)

کیونکہ

یلوح الخطّ فی القرطاس دھراً ۔ وکاتبہ رمیم فی التراب

تحریر کاغذ پر عرصہ تک چمکتی رہتی ہے جبکہ اسے لکھنے والا مرکر مٹی میں مل جاتا ہے۔

اسی مفہوم کو ابراہیم ذوقؔ نے یوں بیان کیا

رہتا قلم سے نام قیامت تلک ہے ذوقؔ
اولاد سے تو ہے یہی دو پشت چار پشت

❀❀❀

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اعتراضات کا جواب

تمہیں ان لوگوں کی طرف سے جن کو تم سے پہلے کتاب ملی اور ان لوگوں کی طرف سے جنہوں نے شرک کیا، بہت سی تکلیف دہ باتیں سننا پڑیں گی۔ (ال عمران 186:3)

حضور علیہ السلام پر غیر مسلموں خصوصاً عیسائی حضرات کی طرف سے کئی اعتراضات کیے گئے اور اب تک جاری ہیں۔ ان کے جواب علمائے اسلام لگاتار دیتے چلے آ رہے ہیں مگر معترضین وہی اعتراضات دہراتے رہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تمام اعتراضات کا کافی جواب یہ ہے کہ معترض پہلے سچے نبی کا کوئی معیار مقرر کرے پھر اس پر پہلے انبیاء علیہ السلام کو پرکھے۔ تب مسلمانوں سے مطالبہ کرے۔ اگر اس معیار پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے بڑھ کر پورے نہ اتریں تو بات ہے۔ اسی طرح دین اسلام اور قرآن پر اعتراض کرنے والوں کا جواب یہ ہے کہ وہ پہلے سچے دین اور سچی کتاب کا معیار مقرر کریں۔ پھر اپنے دین اور اپنی کتاب کو اس پر پرکھیں۔ اس کے بعد دین اسلام اور قرآن مجید کو پرکھیں۔ ان شاء اللہ سچا دین اور سچی کتاب صرف مسلمانوں کے ثابت ہوں گے۔ اگر کسی بات کو پرکھنے کا کوئی معیار مقرر نہ کیا جائے تو اعتراض کبھی بھی نہیں رک سکتے۔

اب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کیے گئے اعتراضات کا جواب پیش خدمت ہے۔

1۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر پہلی آسمانی کتب میں نہیں ہے۔

بالکل غلط اعتراض ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں یہود و نصاریٰ کی مسلمہ کتب سے 31 پیش گوئیاں اسی کتاب میں درج ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ کسی نبی کے بارے میں کسی پہلے نبی کی پیش گوئیاں ہونا ضروری نہیں۔ اگر اثبات نبوت کے لیے بشارت کا ہونا شرط تو سب سے پہلے نبی کا نبی ہونا کیسے ثابت ہوگا؟ اس طرح کی پیش گوئی نہ ہونے سے ان کی عظمت شان ذرا بھی کم نہیں ہوتی کیونکہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام و سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کسی نبی کی پیش گوئی موجود نہیں۔ اس کے باوجود دونوں جلیل القدر پیغمبر ہیں۔ ان دونوں انبیاء کی نبوت و رسالت یہود و نصاریٰ کو بھی مسلّم ہے۔ بشارت کا مفصل اور بالکل واضح

ہونا بھی ضروری نہیں۔ پیش گوئی کس پر صادق آتی ہے یہ صرف علماء ہی سمجھ سکتے ہیں اسی لیے تو یہود ونصاریٰ کے علماء پر عتاب خداوندی ہوا ہے کہ وہ باتوں کو چھپاتے ہیں۔ پیش گوئی تعریض واشارہ کے طور پر ہوتی ہے۔ اگر نصاریٰ کے بقول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کتبِ سابقہ کی بے شمار پیش گوئیاں تھیں تو بنی اسرائیل ان کو پہچان کیوں نہ سکے اور ان میں اختلاف کیوں ہوا جس کا ذکر (یوحنا 43,40,12:7) میں ہے۔ آیت نمبر 43 میں لکھا ہے "پس لوگوں میں اس کے سبب سے اختلاف ہوا"

2۔ جھوٹے نبیوں سے خبردار رہو

نصاریٰ کا ایک بہانہ یہ ہے کہ ہم کو تعلیم دی گئی ہے "جھوٹے نبیوں سے خبردار رہو جو تمہارے پاس بھیڑوں کے بھیس میں آتے ہیں مگر باطن میں پھاڑنے والے بھیڑیئے ہیں۔ ان کے پھلوں سے تم ان کو پہچان لوگے۔" (متی 15:7)

اس عبارت میں صرف اتنی بات ہے کہ جھوٹے نبیوں سے خبردار رہو۔ یہ تو نہیں فرمایا کہ میرے بعد جو بھی نبی آئے وہ جھوٹا ہوگا لہٰذا اس سے خبردار رہو۔ جناب یسوع علیہ السلام کا منشاء یہ ہے کہ میرے بعد نبی آئیں گے۔ ان میں سے بعض سچے ہوں گے اور بعض جھوٹے ہوں گے۔ لہٰذا اس فقرہ سے یہ استدلال کرنا کہ مسیح علیہ السلام کے بعد کوئی نبی نہیں بالکل غلط ہے۔ سچے نبی کی تعلیم کا پھل پرکھ لو کہ کیا تعلیم دی اور اس کا نتیجہ کیا نکلا اگر اس تعلیم کے نتیجہ میں ہزاروں سال کے بگڑے ہوئے اولیاء کے سردار بن گئے یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم تو ایسے پاک وجود کو نبی مانتے ہیں تمہیں کیا اشکال ہے؟ اس سے بہترین پھل کس نے پیش کیا؟

3۔ تعدادِ ازواج

عیسائی حضرات تو یہ اعتراض کر ہی نہیں سکتے۔ کیونکہ ان کے عقیدہ کے مطابق شریعت منسوخ ہو چکی ہے۔ جب شریعت موجود ہی نہیں تو پھر کسی کو کیسے پابند کر سکتے ہیں کہ وہ ایک سے زیادہ شادی نہ کرے؟ جہاں تک یہودیوں کا تعلق ہے تو ان کے ہاں لامحدود تعداد میں بیویاں رکھنے کی اجازت ہے (Everyman's Talmud by Cohen P-166) ان کے ہاں ایک اور اتھارٹی نے 4 بیویاں بیک وقت رکھنے کی اجازت دی ہے (ایضاً) ایک سے زیادہ شادیاں کرنا جلیل القدر انبیاء کرام علیہم السلام سے ثابت ہے مثلاً (1) سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی تین بیویاں تھیں سارہ علیہا السلام، ہاجرہ علیہا السلام، قطورہ علیہا السلام (پیدائش 1:25,3:16,29:11)

(2) سیدنا یعقوب علیہ السلام کی 4 بیویاں تھیں لیاہ، راخیل، بلہاہ اور زلفہ (پیدائش 16:29 تا 30)

(3) سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی دو بیویاں صفورا اور کوشی (حبشی) عورت تھیں (خروج 21:2، گنتی 1:12)

جناب جدعون، جن کی فضیلت قضاۃ باب 6 اور 7 میں مذکور ہے، نے بہت سی شادیاں کیں جن سے 70 بیٹے پیدا ہوئے (قضاۃ 30:8)

لونڈی ان کے علاوہ تھی (ایضاً آیت نمبر 31)

(4) حضرت داؤد علیہ السلام کی بیویوں میں یہ شامل ہیں

(i) ساؤل کی بیٹی میکل (1۔سیموئیل 27:13)

(ii) ابی جیل (1۔سیموئیل 42:25)

(iii) اخی نوعم (1۔سیموئیل 43:25)

(iv) معکہ (2۔سیموئیل 3:3)

(v) حجیت (ایضاً آیت نمبر 4)

(vi) ابی طال (ایضاً آیت نمبر 4)

(vii) عجلاہ (ایضاً آیت نمبر 5)

(viii) اور حبرون سے چلے آنے کے بعد داؤد نے یروشلم سے اور حرمیں رکھ لیں اور بیویاں کیں اور داؤد کے ہاں اور بیٹے اور بیٹیاں پیدا ہوئیں۔(2۔سموئیل 13:5)

(ix) اوریاہ حتی کی بیوی بت سبع۔ (ایضاً باب نمبر 11 پورا)

(x) شونمیت ابی شاگ انتہائی بڑھاپے میں۔(1۔سلاطین 1:1 تا 4)

(5) حضرت سلیمان علیہ السلام: 700 شہزادیاں ان کی بیویاں اور 300 لونڈیاں تھیں (1۔سلاطین 3:11) عیسائی کہتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام نبی نہ تھے بلکہ بادشاہ تھے مگر یہ غلط ہے۔حضرت داؤد علیہ السلام انکی کتاب کے مطابق بھی نبی تھے اور نبی ہو کر انہوں نے پیش گوئی کی تھی جس کا ذکر اعمال میں ہے (اعمال 29:2 تا 31)

اسی طرح سیدنا سلیمان علیہ السلام کے نبی ہونے کا بھی نصاریٰ انکار کرتے ہیں اور ان کو بھی صرف بادشاہ کہتے ہیں مگر ان کے بارے میں یہ درج ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام سے فرمایا "وہی میرے نام کا ایک گھر بنائے گا اور میں اسکی سلطنت ہمیشہ کے لیے قائم کروں گا اور میں اس کا باپ ہوں گا اور وہ میرا بیٹا ہوگا...... میری رحمت اس سے جدا نہ ہوگی (2۔سیموئیل 15,13:7)(1۔تواریخ 12:17، 9:22 تا 12)

"اس نے مجھ سے کہا کہ تیرا بیٹا سلیمان میرے گھر اور میری بارگاہوں کو بنائے گا کیونکہ میں نے اسے چن لیا ہے کہ وہ میرا بیٹا ہو اور میں اس کا باپ ہوں گا" (1۔تواریخ 6:28)

حضرت سلیمان علیہ السلام کی لکھی ہوئیں کتابیں بائبل کا متفقہ حصہ ہیں جن میں تین ہزار امثال (امثال کی

کتاب) ایک ہزار پانچ گیت لکھے۔ان کا سب سے عظیم گیت غزل الغزلات ہے۔انہوں نے واعظ کی کتاب بھی لکھی اور دو زبور بھی تحریر کیے یعنی زبور نمبر 72 اور 127) (قاموس الکتاب ص 532)

ہمارا سوال یہ ہے کہ اگر حضرت سلیمان نبی نہیں تھے،صرف بادشاہ تھے بلکہ نعوذ باللہ مرتد ہو گئے تھے۔ (1۔سلاطین 1:11 تا 13)

تو ان کی کتابیں آج تک کتاب مقدس کا حصہ کیوں ہیں جن کے بارے میں عیسائی دعویٰ یہ ہے کہ ہر صحیفہ خدا کے الہام سے ہے۔ (2۔تیمتھیس 16:3)

جس کو خدا چن لے ، اپنا بیٹا قرار دے ،اس کو اپنا گھر بنانے کے لیے مقرر کرے ،اسے ہمیشہ کی سلطنت دے اور اس کی کتابیں کلام مقدس قرار پائیں کیا اس کی نبوت میں کوئی شک رہ جاتا ہے؟

یہودی عالم ہائم مکابی اپنی کتاب Revolution In Judea کے ص: 79 پر لکھتا ہے کہ حضرت سلیمان بادشاہ نبی تھے۔

مندرجہ بالا سطور کے بعد اب حضور ﷺ کی شادیوں کی وضاحت کی ضرورت تو باقی نہیں رہتی مگر اتمام حجت کے لیے وضاحت کر دیتے ہیں۔حضور ﷺ کی شادیاں محض تمام شادیاں نہ تھیں بلکہ حکم خدا کے تحت ہوئیں ،مثلاً حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش سے شادی کے بارے میں قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے تم سے اس کا نکاح کر دیا۔ (احزاب 37:33)

حضور ﷺ کی گھر کے اندر زندگی کا ایک ایک پہلو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ذریعہ محفوظ رکھنے کا انتظام ہوا۔انکی حیثیت مدرسہ کی تھی اور مسلمان عورتیں ان سے مل کر دین کی تعلیم حاصل کرتی تھیں۔
حضور ﷺ کی گھر کے اندر زندگی کا ایک ایک ازواج مطہرات رضی اللہ عنہا کے ذریعہ محفوظ رکھنے کا انتظام ہوا۔انکی حیثیت مدرسہ کی تھی اور مسلمان عورتیں ان سے مل کر دین کی تعلیم حاصل کرتی تھیں۔آیت نمبر 34 سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو اس مشن پر خود اللہ تعالیٰ نے مامور فرمایا تھا۔سیاسی مصالح پر نظر کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بنت حیئی سے نکاح کے بعد یہود کسی جنگ میں مسلمانوں کے خلاف شامل نہیں ہوئے۔حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد انکے والد حارث بن ضرار سمیت بنو مصطلق قبیلہ مسلمان ہو گیا۔حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سردار نجد کی بیوی کی بہن تھیں۔ان سے نکاح کے بعد نجد میں اشاعتِ اسلام کا آغاز ہوا اور خالد رضی اللہ عنہ بن ولید اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے۔خالد رضی اللہ عنہ بن ولید حضرت میمونہ کے بھانجے تھے اور عمرو بن عاص خالد کے دوست تھے۔حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بنو امیہ

سے تھیں، ام سلمہ رضی اللہ عنہا بنو مخزوم سے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بنو تمیم سے، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بنی عدی سے، حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنو اسد سے تھیں۔ ایک تو ان نکاحوں سے ان قبیلوں کی حمایت ملی اور دوسرے قبائلی عصبیت کے خاتمہ میں مدد ملی۔ یہ تمام بڑے خاندان اقتدار واثرات کے حامل تھے، وہ سب اسلام کی اشاعت میں مددگار ثابت ہوئے۔ مصالح ملت کے علاوہ امت کو بتانا تھا کہ عورتوں کے ساتھ کیسے رہنا چاہیے اور یہ کہ جس کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں اس ان سب کے ساتھ عدل کیسے کرنا چاہیے، اگرچہ دل کا میلان کسی ایک کی طرف زیادہ ہو۔

جس بات پر نصاریٰ کو بڑا ناز ہے وہ یہ کہ حضرت یسوع علیہ السلام نے شادی نہیں کی۔ یہ الگ بات کہ اب یورپ میں ایسی کتابیں اور فلمیں بن رہی ہیں جن میں ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ آپ علیہ السلام کی شادی بھی ہوئی تھی اور بچے بھی تھے۔ یہ کام مسلمان نہیں یورپ کے عیسائی کر رہے ہیں۔ بہرحال مسلمانوں کے نزدیک ان کے شادی نہ کرنے کی صرف یہ وجہ ہے کہ حالات ایسے رہے کہ شادی کا موقعہ نہ مل سکا۔ ورنہ نصاریٰ کی طرح یسوع علیہ السلام کے مخالف بھی یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کا شادی نہ کرنا زہد کی بنا پر نہ تھا۔ بلکہ اناجیل میں دی گئی ان کی مصروفیات کی تفصیل ان کو قابل اعتراض پوزیشن میں لے آتی ہے مثلاً یہودی انہیں کھاؤ، شرابی، محصول لینے والوں اور گناہ گاروں کا یار کہتے تھے۔ (لوقا 34:7)

بدچلن عورت نے سر کے بالوں سے ان کے پاؤں پونچھے، چومے اور ان پر عطر ڈالا (لوقا 36:7 تا 39)

مریم مگدلینی، دیوان خوزہ کی بیوی، سوسنّاہ بہتیری اور عورتیں بھی تھیں جو اپنے مال سے انکی خدمت کرتی تھیں۔ (لوقا 2:8 تا 3)

لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شادیوں پر اعتراض کرنے والے نصاریٰ سے صرف یہ کہنا ہے کہ چھاج بولے تو بولے، چھلنی بھی بولے جس میں سو چھید؟ اگر پاک لوگ شراب پی سکتے ہیں تو خدا کے نذیر کے پیدا ہونے سے پہلے ہی اسکی ماں کو ہر قسم کے نشہ آور شراب اور ناپاک چیزوں سے خدا نے منع کیوں کر دیا تھا۔ (قضاۃ 2:13 تا 5)

بلکہ انگور سے پیدا ہونے والی ہر چیز سے منع کیا گیا۔ (قضاۃ 13:13-14)

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے ہی خدا تعالیٰ نے تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ ہرگز مے نہ کوئی اور شراب پئیں گے اور اپنی ماں کے بطن ہی سے روح القدس سے بھر جائیں گے۔ (لوقا 15:1)

اس سے ثابت ہوا کہ جو روح القدس سے بھرا ہو وہ شراب سے پرہیز کرتا ہے یہ نہیں کہ مٹکوں کے مٹکے سے شراب بناتا ہے۔ روح القدس سے بھرا ہوا روزے رکھتا ہے، یہ نہیں کہ روزہ رکھے ہی نہیں۔ ان دونوں باتوں کے لیے ملاحظ ہو (یوحنا 1:2 تا 11 اور مرقس 18:2 تا 20)

4۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے شادی

اعتراض یہ ہے کہ کم سن سے شادی کی مگر اعتراض کرنے سے پہلے بائبل کا جائزہ لینا بھول گئے جس میں لکھا ہے "اور داؤد بادشاہ بڈھا اور کہن سال ہوا اور وہ اسے کپڑے اڑھاتے تھے پر وہ گرم نہ ہوتا تھا سو اس کے خادموں نے اس سے کہا کہ ہمارے مالک بادشاہ کے لیے ایک جوان کنواری ڈھونڈی جائے جو بادشاہ کے حضور کھڑی رہے اور اسکی خبر گیری کیا کرے اور تیرے پہلو میں لیٹ رہا کرے تاکہ ہمارے مالک بادشاہ کو گرمی پہنچے۔ چنانچہ انہوں نے اسرائیل کی ساری مملکت میں ایک خوبصورت لڑکی تلاش کرتے کرتے شونمیت ابی شاگ کو پایا اور اسے بادشاہ کے پاس لائے۔ اور وہ لڑکی بہت شکیل تھی۔ سو وہ بادشاہ کی خبر گیری اور اس کی خدمت کرنے لگی لیکن بادشاہ اس سے واقف نہ ہوا۔ (1۔ سلاطین 1:1 تا 4)

لڑکی کا نام ابی شاگ تھا جو شونیم شہر کی باسی ہونے کی وجہ سے شُونمیت کہلاتی تھی۔

(قاموس الکتاب، ص: 580)

اب ذرا عیسائی حضرات کی نظر میں سیدنا داؤد علیہ السلام کا مرتبہ ملاحظہ فرمائیں۔ ایک تو یہ کہ وہ نبی تھے۔ (اعمال 2:29 تا 31)

دوسرے یہ کہ ان کا مرتبہ اتنا بلند تھا کہ ابن خدا بھی ان کے تخت پر بیٹھے گا (لوقا 1:32)

اگر اتنے بلند مرتبہ، بادشاہ نبی کو عمر کے اس حصہ میں جب وہ عورت سے واقف ہونے کے قابل بھی نہ رہے، پورا ملک چھان مار کر ایک لڑکی پیش کی گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح پر کیا اعتراض باقی رہ جاتا ہے۔ اگر کوئی بہانہ بنائے کہ وہ تو خادمہ تھی تو یہ جواب یہ ہے کہ اس کی ڈیوٹی میں یہ بھی شامل تھا "تیرے پہلو میں لیٹ رہے" دوسری بات یہ کہ خدمت گزاری کے لیے مرد ہی کافی نہ تھے؟ ایسا تو نہیں کہ تیری زلف میں پہنچی تو حسن کہلائی۔ اگر خود کرو تو ٹھیک ہے اگر دوسرا کرے تو برا ہے۔ تالمود کے مطابق 12 سال کی لڑکی بالغ اور شادی کے قابل ہو جاتی ہے۔ (Everyman's Talmud By: COHEN, P-162)☆

☆ (الف) حضرت اسحاق کی شادی جب ربقہ سے ہوئی تو آپ کی عمر چالیس سال اور ربقہ کی 3 سال تھی۔ کچھ یہودی علماء کے مطابق ان کی عمر 14 سال تھی (جیوش انسائیکلوپیڈیا، جلد 10، ص 38) مگر پکا حوالہ 3 سال کی عمر کا ہے۔ (ب) کیتھولک انسائیکلوپیڈیا کے مطابق جب حضرت مریم کی شادی یوسف سے ہوئی تو حضرت مریم کی عمر 12 سال اور یوسف کی 90 سال تھی اور یہ جس کتاب کے مطابق ہے وہ خود حضرت عیسیٰ نے املا کروائی تھی۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے شادی کا اصل قصہ یہ ہے کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تنہا رہ گئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون صحابی کی بیوی خولہ رضی اللہ عنہا بنت حکیم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نکاح کرلیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کس سے؟ انہوں نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا بنت زمعہ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام لیا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بہتر ہے تم ہی رشتہ کی بات کرو۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پہلے جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کے بیٹے سے منسوب ہوچکی تھیں۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جبیر سے پوچھا کہ میں نے تمھارے بیٹے سے عائشہ رضی اللہ عنہا کی منگنی کی تھی،اب تم کیا کہتے ہو؟اسکی بیوی نے کہا اگر یہ لڑکی ہمارے گھر آگئی تو ہمارا بچہ بددین ہوجائیگا،یہ کہہ کر منگنی توڑدی۔اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ رضی اللہ عنہا کا رشتہ ہوگیا جب نکاح ہوا تو عمر 6 برس تھی اور جب رخصتی ہوئی تو 9 برس کی تھیں۔آپ کا مہر 500 درہم تھا اور یہ ہجرت سے 3 سال پہلے کا واقعہ ہے۔آپ کی رخصتی 1ھ شوال میں ہوئی ☆ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح اور رخصتی سے جاہلیت کی یہ رسمیں ٹوٹیں۔

(1) منہ بولے بھائی کو حقیقی بھائی سمجھا جاتا تھا۔

(2) شوال کو منحوس مہینہ سمجھا جاتا تھا مگر نکاح اور رخصتی دونوں شوال میں انجام پائی۔

(3) دلہن کے آگے آگ جلانا موقوف ہوا۔

(4) دولہا دلہن کی پہلی ملاقات محمل میں ضروری تھی۔یہ رسمیں ختم کی گئیں۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سیرت عائشہ رضی اللہ عنہا تالیف سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ ص 19 تا 27)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا چونکہ عرب کی رہنے والی تھیں لہٰذا سرد ملکوں کے بچوں کی نسبت بہتر جسمانی صحت تھی۔

یہ بھی سن لیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی کمسنی کی بنا پر آپ کی رخصتی پر اعتراض کرنے والوں کے اپنے ملکوں یعنی یورپ اور امریکہ میں ہائی سکول کی سطح پر پڑھنے والی لڑکیوں کے حالات اخبارات میں ملاحظہ فرمالیں تاکہ معلوم ہو کہ وہ میٹرک کے دوران ہی کاری گر بن کر نکلتی ہیں۔

آپ گوگل پر List of youngest Birth Mothers لکھیں تو آپ کو کم عمر ترین ماؤں

☆ حضرت عائشہ کی رخصتی کا حضور نے نہیں بلکہ حضرت ابوبکر نے کہا تھا اس شادی پر لڑکی کے ماں، باپ، بہن، بھائیوں، عزیز رشتہ داروں، معاشرہ، مخالفین، عام مسلمانوں میں سے کسی نے اعتراض نہیں کیا، نہ خود لڑکی نے اعتراض کیا۔بالغ ہونے کے بعد لڑکی کو نکاح ختم کرنے کا اختیار ہوتا ہے تب بھی حضرت عائشہ نے اس نکاح پر کوئی اعتراض نہیں کیا لہٰذا اب کسی کو ماما بننے کی ضرورت نہیں اس وقت یہ عام رواج تھا کہ لوگ اپنی لڑکی کی شادی میچور آدمی سے کرتے تھے اور یہی رواج یہودی لوگوں میں بھی تھا جیسا کہ اوپر گزرا۔

کے حالات مل جائیں گے جن میں لکھا ہے کہ 5 تا 10 سال کی عمر کی 109 لڑکیوں نے بچوں کو جنم دیا۔ان کی مکمل شناخت بمہ تاریخ، نام، عمر، باپ کا نام، ملک اور ولادت کی تفصیل اس مضمون میں درج ہے۔ان کا تعلق انڈیا سمیت مختلف ممالک سے ہے۔مضمون نگار نے 175 کتابوں اور رسائل کے حوالہ سے لکھا ہے کہ 5 سال 7 ماہ کی عمر کی ایک، 6 سال کی عمر کی 2، 8 سال عمر کی 9، 9 سال کی عمر کی 27 اور 10 سال کی عمر کی 70 لڑکیوں نے بچوں کو جنم دیا۔اور ان لڑکیوں کے ساتھ زیادتی کرنے والوں میں حقیقی اور سوتیلے باپ، بھائی بھی شامل ہیں۔ جنگ اخبار (بریکنگ نیوز ویب سائٹ) مورخہ 17 اپریل 2014ء بروز جمعرات اور ایکسپریس اخبار لاہور مورخہ 17/4/2014 میں ایک خبر چھپی تھی جس میں برطانوی اخبار دی میل، دی سن، ٹیلی گراف، دی مرر کے مطابق برطانیہ میں 12 سال کی ایک لڑکی نے 7 پونڈ وزنی بچی کو جنم دے کر برطانیہ کی سب سے کم سن ماں کا اعزاز حاصل کرلیا ہے۔ والد کی عمر 13 سال جبکہ ماں کی عمر 12 سال ہے۔لڑکی ساتویں اور لڑکا نویں جماعت کا طالب علم ہے۔ برطانوی اخبار دی مرر کے مطابق دنیا کی کم عمر ترین ماں کا اعزاز Peru کے شہر ٹکرا پو کی لینا میڈینا کا ہے جس نے 1939ء میں صرف پانچ سال سات ماہ کی عمر میں بیٹے گیرارڈو کو جنم دیا۔

نیز یہ کہ یورپ کے مستشرقین اور عیسائی محققین کی شرمناک جہالتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ کہتے ہیں چونکہ حضور ﷺ کی بیویوں میں سے صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کنواری تھیں لہٰذا اسی بنا پر ان کے والد کا خطاب ابوبکر قرار پایا۔اصل صورت حال یہ ہے کہ عربی میں کنوارے کو بکر نہیں بِکر کہتے ہیں یعنی ب کے نیچے زیر ہے۔جبکہ بَکَرَ کا معنی آگے بڑھنا ہے۔ (المنجد اردو، ص:97)

لہٰذا ابوبکر کا معنی ہوا آگے بڑھنے والے کا باپ۔حضرت عبداللہ بن ابی قحافہ عثمان جن کو عام طور پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کنیت سے یاد کیا جاتا ہے، کی کنیت میں یہ مفہوم پایا جاتا ہے کہ ہر نیکی میں آگے بڑھنے والوں سے بھی آگے بڑھنے والا۔اور حقیقت بھی یہی ہے کہ آپ سابقون الاولون کے بھی سردار ہیں۔

(5) نکاح زینب پر اعتراض

عیسائی اعتراض یہ ہے کہ نعوذ باللہ حضور ﷺ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو دیکھ کر عاشق ہو گئے تھے اور حضرت زید رضی اللہ عنہ پر دباؤ ڈال کر طلاق دلوائی، پھر شادی کرلی اور یہ کہ منہ بولا بیٹا بھی حقیقی بیٹے کے برابر ہوتا ہے لہٰذا احبار 12:20 کے مطابق قتل کی سزا کے مستحق تھے اور متی 9:19 کے مطابق مطلقہ عورت سے

نکاح کرنا زنا کرنے کے برابر ہے۔ اگر منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹے کے برابر ہوتا ہے تو سارے عیسائی لے پالک بیٹے ہیں۔ (رومیوں 15:8)

اور وہ اس کلیہ کے مطابق اپنی بہنوں سے نکاح کرتے ہیں۔ مزید یہ کہ سارے راست باز خدا کے فرزند ہیں۔ (یوحنا 7:3 تا 10)

یوسف بھی راست باز تھا۔ (متی 19:1)

اس کی بیوی سے تمہارے بقول خدا نے اپنا بیٹا بنالیا بلکہ سب سے بڑھ کر کسی نے بہن کو زوجہ بنایا، اس سے عشق کیا جو شراب سے بھی زیادہ لذیذ ہے۔ یہ سب قصہ غزل الغزلات 9:4، 10 اور 1:5 میں پڑھیں، اردو ترجمہ میں تحریف کرتے ہوئے بہن کا لفظ تینوں جگہ چھوڑ دیا جبکہ اردو ترجمہ 1870ء اور انگریزی ترجمہ KJV میں اب بھی موجود ہے۔

سب سے پہلے تو عاشق ہونے کا الزامی جواب حاضر ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں بائبل میں لکھا ہے کہ آپ لابن کے بھانجے تھے۔ ان سے ملنے گئے تو ان کی بیٹی راخل پر فدا ہو گئے اور خود اپنے ماموں کو راخل کی خاطر سات برس خدمت کرنے کی پیش کش کی جو اس نے قبول کر لی۔ مگر اس نے اپنی چھوٹی بیٹی لیاہ کو دھوکے سے ان سے بیاہ دیا۔ اعتراض کرنے پر لابن نے کہا کہ سات برس اور خدمت کرو تو راخل سے بھی شادی کر دوں گا۔ لہٰذا 14 برس کی خدمت کے بعد راخل سے شادی ہو سکی۔ (پیدائش 15:29 تا 30)

یہ بھی لکھا ہے کہ شادی سے پہلے ہی یعقوب علیہ السلام نے راخل کو چوما (پیدائش 11:29)

عشق کا یہ عالم تھا کہ راخل کی محبت کے سبب سات سال چند دنوں کے برابر معلوم ہوئے (پیدائش 20:29)

لہٰذا یہودیوں اور عیسائیوں کا اعتراض بنتا ہی نہیں کہ کیونکہ انکے فخر یعنی اسرائیل (حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب) کا یہ حال خود انکی کتاب میں لکھا ہے۔ عشق اس کو کہتے ہیں!

ہم مسلمانوں کا حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں عقیدہ ہے کہ وہ ان خرافات سے پاک ہیں اور یہ قصہ من جملہ تحریفات ہے۔ جہاں تک دباؤ ڈال کر دوسرے کی بیوی حاصل کا الزام ہے تو اس کا الزامی جواب بھی سن لیجئے۔ ان لوگوں نے حضرت داؤد علیہ السلام پر یہ الزام لگایا کہ انہوں نے اوریاہ حتّی (فوجی افسر جو محاذ جنگ پر تھا) کی بیوی کو نہاتے دیکھا۔ وہ نہایت خوبصورت تھی۔ پھر بہانے سے بلا کر نعوذ باللہ اس سے زنا کیا۔ وہ حاملہ ہو گئی۔ اس نے حضرت داؤد علیہ السلام کو اس کی اطلاع کی۔ آپ علیہ السلام نے اوریاہ کو محاذ جنگ

سے بلا کر دباؤ ڈال کر اس کو گھر بھیجنا چاہا مگر وہ نہ مانا۔ پھر اس کو شراب پلا کر متوالا کیا۔ مگر وہ پھر بھی گھر نہ گیا۔ تب دوسرے فوجی افسر کو خط لکھا کہ اوریاہ کو ایسی جگہ رکھنا جہاں وہ مارا جائے، بعد میں اسکی بیوی کو بلا کر محل میں رکھ لیا یہاں نکاح کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔ (2۔ سیموئیل 27:11)

پھر اس عورت کے ایک لڑکا ہوا۔ پھر خدا ان پر ناراض ہوا۔ وہ لڑکا ساتویں دن مر گیا، پھر بعد میں اسی عورت سے حضرت سلیمان علیہ السلام پیدا ہوئے۔ یہ سارا قصہ 2۔ سیموئیل 2:11 تا 25:12 لکھا ہوا ہے۔ عیسائیوں میں سے اگر کوئی کہے کہ داؤد علیہ السلام تو بادشاہ تھے، نبی نہ تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اعمال 29:2 تا 31 کے مطابق وہ نبی تھے اور انہوں نے مسیح کے آنے کی پیش گوئی کی تھی یہ ہوتے ہیں دوسرے کی بیوی حاصل کرنے کے ''قابل اعتراض طریقے! ہم مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام ان تمام خرافات سے پاک تھے اور یہ ان پر محض الزام ہے جو کہ تحریفِ بائبل کا نتیجہ ہے۔

احبار 12:20 والی سزا کے حضور ﷺ اس لیے مستحق نہیں کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے حقیقی بیٹے نہ تھے۔ متی 9:19 کے مطابق جو چھوڑی ہوئی عورت سے شادی کرتا ہے وہ زنا کرتا ہے تو یہ ناقابل عمل اور قطعاً غلط تعلیم ہے، جس عورت کو اس کا خاوند خواہ مخواہ طلاق دے دے تو اس کا کیا قصور ہے کہ وہ دوبارہ شادی کرے تو زانیہ شمار کی جائے، اس تعلیم کو خود عیسائیوں نے بھی تسلیم نہیں کیا اور صدیوں سے طلاق شدہ عورتوں سے شادی کر رہے ہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ پہلی شریعت مسلمانوں پر لاگو نہیں ہوتی۔ اور عیسائی حضرات کے عقیدہ کے مطابق تو شریعت منسوخ ہو چکی ہے تو شریعت کی سزائیں کیسے سنا رہے ہیں؟ وہ شریعتِ اسلامی کے پابند نہیں۔ اب ذرا نکاح زینب رضی اللہ عنہا کی اصل صورتِ حال ملاحظہ کریں۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کا تعلق قبیلہ بنی کلب سے تھا۔ بچپن میں ڈاکوؤں نے پکڑ کر غلام بنا لیا۔ حکیم رضی اللہ عنہ بن حزام نے ان کو خرید کر اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بنتِ خویلد کو دے دیا۔ جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضور ﷺ سے ہوا تو انہوں نے یہ غلام آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس طرح ان کو حضور ﷺ کی غلامی کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضور ﷺ کا حسن سلوک یہ تھا کہ جب بعد میں ان کے باپ اور چچا لینے آئے تو انہوں نے حضور ﷺ کو بدلے میں رقم کی پیشکش کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا رقم کی ضرورت نہیں، اگر یہ جانا چاہتا تو لے جائیں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے آزادی کا اختیار پا کر بھی حضور ﷺ کی غلامی کو ترجیح دی۔ خواجہ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے شاید اس واقعہ کو سامنے رکھ کر ہی اپنا یہ لاجواب شعر کہا تھا۔

بولائے تو کہ گر بندہ خویشم خوانی

از سرِ خواجگئی کون و مکان برخیزم

ترجمہ: آپ کی محبت کی قسم اگر آپ مجھے اپنا غلام کہہ دیں تو میں دونوں جہاں کی سرداری سے دست بردار ہو جاؤں۔

اس کے بعد حضور ﷺ نے ان کو آزاد کر دیا۔ لوگ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو زید ابن محمد ﷺ کہنے لگے۔ ان میں انتظامی وفوجی صلاحیتیں دیکھ کر حضور ﷺ نے کئی مواقع پر ان کو فوج کا کمانڈر اور اپنی غیر حاضری میں مدینہ پر امیر مقرر فرمایا۔ ان سب احسانوں کے ساتھ یہ احسان بھی کیا کہ اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب رضی اللہ عنہا بن جحش کا نکاح کر دیا۔ ان کا تعلق بنی اسد سے تھا۔ انکی والدہ امیمہ بنت عبدالمطلب تھیں۔ ان کا نباہ نہ ہو سکا اور ناچاکی رہنے لگی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے ان کو طلاق دینے کا ارادہ کر لیا مگر حضور ﷺ نے بار بار ان کو طلاق دینے سے روکا جیسا کہ سورہ احزاب 37:33 سے ثابت ہے۔ واتق اللہ سے پہلے واذ تقول کے الفاظ سے یہی بات نکلتی ہے کہ حضور ﷺ نے طلاق دینے سے بار بار روکا۔ اسی آیت میں لفظ وطر (ضرورت / مجبوری) آیا ہے یعنی جب کسی طرح نباہ نہ ہو سکا تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے مجبوری میں طلاق دے دی۔ عدت گزرنے کے بعد متبنٰی کی غلط رسم جاہلیت ختم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے خود حکم دیا کہ حضور ﷺ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش سے نکاح کریں جس پر منافقین نے شور مچا دیا کہ بہو سے شادی کر لی۔ یہ نکاح خود خدا تعالیٰ کے حکم سے ہوا جب کہ احزاب 37:33 کے لفظ زوّجنٰکھا (ہم نے اس کو تم سے بیاہ دیا) سے ظاہر ہے۔ اس قصہ کی ذیل میں بعض غیر محتاط مفسرین نے بے سروپا افسانے داخل کر دیے ہیں جن کا ردّ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہ کہہ کر کیا کہ ایسی تمام روایات بے اصل ہیں اس لیے میں (ابن کثیر)

نے ان کو نظر انداز کیا ہے اور ان کو نقل نہیں کیا (ابن کثیر اردو جلد نمبر 4 ص 237 زیر آیت نمبر 37)

حضرت زینب کا نکاح ان کے بھائی ابو احمد عبداللہ بن جحش نے پڑھایا۔ ان کا مہر 400 درہم تھا

(سیرت ابن ہشام جلد نمبر 2 ص 420 باب 150 زیر عنوان رسول اللہ ﷺ کا وصال)

چونکہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی حقیقی پھوپھی کی بیٹی تھیں۔ ان کو حضور ﷺ نے کئی بار پہلے بھی دیکھا ہوا تھا۔ خود آپ ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے ان کا نکاح کروایا تو عاشق ہونے کا الزام محض

بے بنیاد ہے کیونکہ آپ ﷺ نے ان کو پہلی بار نہیں دیکھا تھا۔اگر کوئی غلط بات ہوتی تو سب سے پہلے زید رضی اللہ عنہ ہی اسلام چھوڑ دیتے۔

6۔کیفیتِ وحی پر اعتراض

ان کا اعتراض یہ ہے کہ آپ ﷺ پر وحی نازل نہ ہوتی تھی بلکہ نعوذ باللہ مرگی کا دورہ پڑتا تھا۔کہنے والوں کی زبان کون پکڑ سکتا ہے؟ اناجیل میں لکھا ہے کہ یسوع کے رشتہ دار انہیں دیوانہ جانتے تھے اور لوگ بھی یہی کہتے تھے۔(مرقس 21:3 کیتھولک ترجمہ اور یوحنا 20:10)

لہٰذا دیکھتے ہیں کہ جن کو عیسائی لوگ نبی مانتے ہیں ان پر وحی کس طرح نازل ہوتی تھی اور اس کی کیفیت کیا تھی ۔پادری ایف ایس خیر اللہ لکھتے ہیں ''جس طرح یرمیاہ علیہ السلام کے منہ میں خداوند کا کلام دیا گیا۔'' (یرمیاہ 9:1)

اسی طرح حزقی ایل نبی علیہ السلام نے خداوند کا کلام سنا اور اسے اس طومار کو جس پر خداوند کا کلام لکھا ہوا تھا کھانا پڑا۔(حزقی ایل 9:2-3:3) خدا کا جلال دیکھتے ہی اوندھے منہ گر پڑے۔(حزقی ایل 28:1)

یرمیاہ کے اندر خداوند کا کلام جلتی آگ کی مانند تھا۔(یرمیاہ 20:7 تا 9)

جو اس کی ہڈیوں میں پوشیدہ تھی جسے وہ ضبط نہ کر سکتا تھا۔اس کا یہ مطلب ہے کہ نبی کا خدا کے کلام کا تجربہ محض ایک سماعی (سننے کا) عمل نہیں بلکہ ایک انقلابی امر ہے۔خداوند کی ذات نبی کی شخصیت پر پورے طور پر حاوی ہو جاتی ہے۔ (قاموس الکتاب ص:798 زیر لفظ کلام)

''خدا کا کلام قدرت والا ہے ۔جب خدا نے یرمیاہ کے منہ میں اپنا کلام ڈالا تو اسے قوموں اور سلطنتوں کو اکھاڑنے،ڈھانے،ہلاک کرنے،گرانے اور تعمیر کرنیکی طاقت دی۔ (یرمیاہ 9:1-10)

خدا کا کلام آگ کی مانند ہے اور ہتھوڑے کی مانند جو چٹان کو چکنا چور کرتا ہے (یرمیاہ 29:23) خداوند کا کلام نبیوں کے وسیلے سے قوموں کو کاٹ ڈالتا اور قتل کرتا ہے۔(ہوسیع 5:6،ایضاً ص 798)

چونکہ حضور ﷺ نے تمام عرب فتح فرمایا،جنگیں کیں اور قوموں کو کاٹ ڈالا لہٰذا عیسائی میعار کے مطابق آپ ﷺ پر خدا کا کلام ضرور نازل ہوا تھا،تبھی تو ایسا ہوا۔

''حزقی ایل نبی کی کلام کے نزول کے وقت جو حالت ہوتی تھی اس کے بارے میں موجودہ زمانے میں بڑی دلچسپی ظاہر کی جاتی ہے۔بعض نے اس حالت کو سکتہ سے تعبیر کیا ہے لیکن کلام اس نظریہ کی تائید نہیں

کرتا۔(حزقی ایل:27:24,5-5:4,27,26,15,14:13)

اس کے برعکس ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نبی کا سکوت اور اس کا زمین پر بیٹھنا لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرنے اور اس کے پیغام پر عمل پیرا ہونے کے لیے تھا۔(قاموس الکتاب ص 323 زیر لفظ حزقی ایل)

حضرت حزقی ایل علیہ السلام کیفیتِ نزولِ وحی کو یوں بیان فرماتے ہیں ''اور روح نے مجھے اٹھالیا اور میں نے اپنے پیچھے ایک بڑی کڑک کی آواز سنی جو کہتی تھی کہ خداوند کا جلال اس کے مسکن سے مبارک ہو۔اور جانداروں کے پروں کے ایک دوسرے سے لگنے کی آواز اور ان کے مقابل پہیوں کی آواز اور ایک بڑے دھڑاکے کی آواز سنائی دی اور روح مجھے اٹھا کر لے گئی۔سو میں تلخ دل اور غضب ناک ہو کر روانہ ہوا اور خداوند کا ہاتھ مجھ پر غالب تھا۔(حزقی ایل 14:3-15)

آگے فرماتے ہیں ''تب روح مجھ میں داخل ہوئی اور اس نے مجھے میرے پاؤں پر کھڑا کیا اور مجھ سے ہم کلام ہو کر فرمایا کہ اپنے گھر جا اور دروازہ بند کر کے اندر بیٹھ رہ،اور اے آدم زاد دیکھ وہ تجھ پر بندھن ڈالیں گے اور ان سے تجھے باندھیں گے اور تو ان کے درمیان باہر نہ آجائے گا اور میں تیری زبان تیرے تالو سے چپکا دوں گا کہ تو گونگا ہو جائے اور ان کے لیے نصیحت گو نہ ہو کیونکہ وہ باغی خاندان ہیں لیکن جب میں تجھ سے ہم کلام ہوں گا تو تیرا منہ کھولوں گا تب تو ان سے کہے گا کہ خداوند یوں فرماتا ہے جو سنتا ہے سنے اور جو نہیں سنتا نہ سنے کیونکہ وہ باغی خاندان ہیں۔(حزقی ایل 24:3 تا 27)

''اس دن تیرا منہ اس کے سامنے جو بچ نکلا ہے کھل جائے گا اور تو بولے گا اور پھر گونگا نہ رہے گا۔سو تو ان کے لیے ایک نشان ہو گا اور وہ جانیں گے کہ خداوند میں ہوں۔(حزقی ایل 27:24)

حضرت یرمیاہ علیہ السلام نزول وحی کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''میری سب ہڈیاں تھرتھراتی ہیں۔خداوند اور اس کے احکام کے سبب سے میں متوالا سا ہوں اور اس شخص کی مانند جو مے سے مغلوب ہو۔(یرمیاہ 9:23)

''خداوند فرماتا ہے کیا میرا کلام آگ کی مانند نہیں ہے؟ خداوند فرماتا ہے اور ہتھوڑے کی مانند جو چٹان کو چکنا چور کر ڈالتا ہے۔(یرمیاہ 29:23)

ڈاکٹر پیٹرسن سمائتھ لکھتے ہیں ''ٹرٹولین (200ء) کا یہ خیال تھا کہ الٰہی الہام الہامی شخصوں کو ایک قسم کے وجد یا غشی کی حالت میں دیا جاتا تھا(بائبل کا الہام ص:82)وہ لکھتے ہیں ''اور حقیقت میں بھی ایسا ہی تھا کہ آدمی ایک آواز سنتے تھے اور انہیں اس امر کا فیصلہ کرنا ہوتا تھا کہ وہ آواز کس طرف سے آئی ہے......اس

آواز کا کوئی نہ کوئی مصنف تو ضرور ٹھہرانا چاہیے اور جس قدر زیادہ وہ اس کو سنتے تھے اسی قدر ان کے شبہ کم ہوتے جاتے تھے کہ وہ ضرور خدا ہی کی آواز ہے۔ جب ایک دفعہ یہ بات تسلیم کر لی گئی تو نبی کے ہر ایک قول کو جو یہ پیغام لے کر آیا تھا۔ لوگ خوامخواہ قیمتی سمجھنے لگ جاتے تھے اور بڑی عزت و توقیر کی نظر سے دیکھتے اور محفوظ رکھتے تھے۔ (ایضاً ص: 23)

''اگر ہم کو یہ بتایا جائے کہ اس قسم کی تحریرات بھی ایسی ہی الہامی ہیں جیسے ایک محو ومجذوب نبی کی رویا یا وہ خیالات جو اس کی روح میں بلا واسطہ خدا کی طرف سے القا ہوئے۔ تو اس میں کونسی بات ہے جس سے ہمیں مضطرب و پریشان خاطر ہونا چاہیے۔ (ایضاً ص 206-207)

''مشہور یہودی عالم فیلو جوڈیس یونانی خیالات کی پابندی میں الہام کو محض ایک حالت وجد سمجھتا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ نبی اپنی طرف سے کوئی لفظ نہیں بولتا بلکہ محض خدا کے آلہ کے طور پر ہے جس میں خدا الہام کرتا یا پھونکتا ہے۔ اور اس کے ذریعے سے خود کلام کرتا ہے ساتھ ہی یہ بھی لکھتا ہے کہ الہام کے مختلف درجے ہوتے ہیں اور ہر ایک کو یکساں درجہ حاصل نہیں ہوتا...... ابتدائی صدیوں کے یہودی اس سے بھی زیادہ سخت اعتقاد رکھتے تھے۔ ان کی نظر میں ہر ایک لفظ، ہر ایک حرف، ہر ایک حرف کی صورت خدا کی طرف سے مقرر ہوئی تھی۔ اور اس میں کسی قسم کی غلطی کی آمیزش ناممکن تھی۔ (ایضاً ص: 78)

ڈاکٹر مرقس ڈاڈز اپنی کتاب تحقیق بائبل میں لکھتے ہیں ''نبی کے دل اور روح پر ایسا اثر ہوتا تھا کہ وہ خدا کے مطلب کو جان لیتا تھا۔ (ص: 65)

''آدمی روح القدس کی تحریک کے سبب خدا کی طرف سے بولتے تھے'' (ص: 82)

''انتھا گورس نبیوں کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جب وہ وجد کی حالت میں ہوتے تھے اور انکی عقل کی طاقتیں کافور ہو جاتی تھیں اس وقت وہ وہی باتیں کہا کرتے تھے جو ان سے کہلوائی جاتی تھیں۔ روح انہیں آلہ کے طور پر استعمال کرتی تھی۔ ہاں اسی طرح جس طرح کہ بنسری بجانے والا بنسری کا استعمال کرتا ہے ۔فیلو بھی جو بڑا عالم اور فاضل آدمی تھا باوجود اپنے علم و فضل کے یہ جانتا تھا کہ الہام ایک قسم کا وجد ہے اور ملہم اشخاص بمنزلہ آواز کے ہوتے ہیں کیونکہ جن باتوں کو وہ اپنے منہ سے نکالتے ہیں ان پر انہوں نے اپنی سوچ اور فکر کو صرف نہیں کیا ہوتا۔ وہ فقط خدا کے کلام کو اپنے لبوں سے ادا کر دیا کرتے ہیں۔ (ص: 88)

لفظی الہام کا خیال اس پر مبنی ہے کہ خدا ملہم شخص کے دل میں ایک خاص تعلیم ڈال دیتا ہے جس کا اس کے عقلی اور جسمانی قویٰ ولوازمات سے کچھ علاقہ نہیں ہوتا۔ (91)

مندرجہ بالا حوالوں سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ نزولِ وحی ایک خاص تجربہ ہے جس کو صرف نبی جانتا ہے۔ اسی لیے جب کفار نے حضور ﷺ سے روح (وحی) کے بارے میں سوال تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا" اور وہ تم سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں، کہہ دو کہ روح میرے رب کے حکم میں سے ہے۔ اور تمھیں تو بس تھوڑا سا ہی علم عطا ہوا ہے اور اگر ہم چاہیں تو اس وحی کو سلب کر لیں جو ہم نے تم پر کی ہے

(بنی اسرائیل 17:85-86)

یہ انسانی روح کی نہیں بلکہ وحی الٰہی کی بات ہے جس کا ذکر آیت نمبر 85 سے نمبر 86 تک ہوا ہے۔ سورہ شوریٰ 42:52 میں تو بالکل واضح ہے کہ روح سے مراد وحی ہے۔ فرمایا"**وکذلک اوحینا الیک روحا من امرنا**"۔ حضور ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو چہرہ مبارک پر پسینہ آ جاتا اور جسم مبارک کا وزن بڑھ جاتا جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ انبیاء کرام کو حالتِ وحی میں دیکھ کر ہی عیسائی اور یہودی علماء نے اس وجد، غشی، جذب، سکتہ وغیرہ سے تعبیر کیا ہے لہٰذا حضور ﷺ پر کوئی اعتراض باقی نہیں رہتا۔ باقی انبیاء علیہم السلام کی طرح حضور ﷺ پر بھی وحی غیر معمولی کیفیت میں ہوتی تھی۔ اسی کیفیت کو پادری ایف ایس خیر اللہ نے انقلابی امر لکھا ہے (قاموس، ص:798) خود حزقی ایل نبی اس تجربہ کو بڑی کڑک دار آواز، دھڑا کے کی آواز، جانداروں کے پروں کی آواز بتاتے ہیں اور یہ کہ حکمِ خدا سے وہ گونگے ہو گئے تھے۔ حضرت یرمیاہ علیہ السلام اسے نشہ آور بتاتے ہیں اور وحی کی آگ کی مانند کہتے ہیں۔ چونکہ یہ تجربہ سوائے انبیاء علیہم السلام کے کسی اور کو نہیں ہوا، لہٰذا علماء نے اس کیفیت کو مختلف نام دے دیئے۔ حضور ﷺ سے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ آپ ﷺ پر وحی کس طرح آتی ہے تو فرمایا کہ کبھی گھنٹی کی آواز آتی ہے، کبھی فرشتہ مرد کی صورت بن کر میرے پاس آتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حالتِ وحی میں سخت سردی کے دنوں میں بھی پیشانی مبارک سے پسینہ پھوٹ نکلتا۔ (بخاری حدیث نمبر 2)

7۔ غارِ حرا میں جانے پر اعتراض

کفار کا اعتراض ہے کہ غارِ حرا میں جا کر نعوذ باللہ چلہ کاٹا تو کچھ روحانی طاقت حاصل کر لی جس کو بعد میں وحی و نبوت کا نام دے دیا۔

الزامی جواب تو یہ ہے کہ اناجیل کے مطابق یسوع چالیس دن تک بیابان میں رہے اور شیطان سے آزمائے گئے۔ (مرقس 1:13 اور لوقا 4:1 تا 2)

اگر کوئی کہے کہ انہوں نے چلہ کاٹا اور واپس آ کر خود کو نبی مشہور کر دیا تو اس کا کیا جواب ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ حضور ﷺ نے وحی شروع ہونے کے بعد غار حراء میں تشریف لے جانا شروع فرمایا۔ بخاری میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ سب سے پہلے حضور ﷺ پر وحی سچے خواب کی شکل میں شروع ہوئی۔ آپ ﷺ جو خواب دیکھتے وہ بیداری میں صبح کی روشنی کی طرح سچا نکلتا۔ پھر آپ ﷺ کو تنہائی بھلی لگنے لگی اور آپ ﷺ غارِ حرا میں اکیلے رہا کرتے۔ وہاں گنتی کی کئی راتیں عبادت کرتے۔ وہیں آپ ﷺ کے پاس جبرائیل علیہ السلام قرآن مجید کی سورہ علق کی آیات لے کر تشریف لائے۔ (بخاری شریف حدیث نمبر 3)

8۔ ورقہ بن نوفل کے پاس جانا

کفار کا اعتراض ہے کہ حضور ﷺ ورقہ رضی اللہ عنہ بن نوفل کے پاس تصدیق کے لیے گئے تھے۔ ایسا نہیں ہے۔ وہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا زاد بھائی تھے۔ عبرانی زبان جانتے تھے اور بت پرستی چھوڑ کر عیسائی ہو چکے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ ابھی ایک نبی باقی ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے یہ سن رکھا تھا۔ جب حضور ﷺ نے گھر آ کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اپنے نبی ہونے کے بارے میں بتایا تو وہ آپ ﷺ کو ورقہ رضی اللہ عنہ بن نوفل کے پاس لے کر چلی گئیں تاکہ وہ بھی دولت ایمان سے حصہ لے لیں۔ ورقہ رضی اللہ عنہ نے بات سننے کے بعد آپ ﷺ کی تصدیق کی اور ایمان لائے۔ ان کے بارے میں حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ کوئی ورقہ کو برا نہ کہے، میں نے اس کیلئے ایک یا دو جنتیں دیکھی ہیں۔ (سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ جلد نمبر 1، القسم الثانی ص:761 حدیث نمبر 405، بحوالہ البزار جلد نمبر 3، ص:281، حدیث نمبر 2750، اور مستدرک حاکم، جلد نمبر 2، ص:609) ورقہ رضی اللہ عنہ بن نوفل سے ملاقات کا ذکر بخاری میں حدیث نمبر 3 میں ہے جس میں انہوں نے حضور ﷺ کی مدد کرنے کا اعلان کیا۔

9۔ بحیرہ راہب اور دوسرے عیسائی آپ ﷺ کے استاد تھے۔

فانڈر نے میزان الحق ص 344 تا ص 346 اس اعتراض کو لکھا ہے۔ اس کا جواب یہ کہ بحیرہ راہب سے ملاقات کی روایات کی سند متصل نہیں۔ ترمذی ابواب المناقب باب ماجآء فی بدء نبوۃ النبی ﷺ میں حدیث نمبر 3620 میں راہب سے ملاقات کا ذکر ہے مگر اس کی سند کے متعلق امام ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں اسے موضوع (من گھڑت) سمجھتا ہوں۔ انہوں نے اس روایت کی سند اور متن پر اعتراضات کیے ہیں

اور اسے منکر سے متصف کیا ہے۔ ان کو پوری روایت میں شک ہے

(ملاحظہ ہو ذہبی کی تلخیص المستدرک جلد نمبر 2 ص 615-616 اور ذہبی رحمۃ اللہ کی السیرۃ النبویہ ص 28)

اسکے متن پر بات کرتے ہوئے ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ شدید منکر ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ڈھائی سال چھوٹے تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس وقت پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ جن کے بارے میں روایت میں لکھا ہے کہ ان دونوں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو واپس بھجوایا گیا تھا۔ اس روایت کے باقی طرق یا تو مرسل ہیں۔ (تاریخ طبری 278/2)

یا بغیر سند کے لکھی ہے۔ (سیرت ابن ہشام 180/1)

عبدالرحمٰن بن غزوان کی روایات منکر ہیں۔ (ذہبی۔ میزان الاعتدال: 581/2)

اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استاد عیسائی تھے جیسا کہ فانڈر اور دوسرے عیسائی کہتے ہیں تو پھر ان کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم ضرور مان لینی چاہیے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا چاہیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے سچے رسول ہیں اور تثلیث وصلیب وغیرہ عیسائی عقائد قطعاً غلط ہیں۔ کیونکہ بقول عیسائیاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عیسائی علماء سے یہی سیکھا۔ ان کو اپنے بڑوں کا کہا ضرور ماننا چاہیے۔ اگر مخالفین کے الزامات کو ثبوت مان لیا جائے تو پھر یسوع علیہ السلام کے بارے میں یہودی دو ہزار برس سے یہ الزام مسلسل لگا رہے ہیں کہ وہ جادوگر تھے۔ حتیٰ کہ یسوع علیہ السلام کے ماننے والے عیسائیوں کے سب سے بڑے علماء میں سے اوریجن (Origen) نے بھی یہی لکھا کہ انہوں نے جادو سیکھا تھا اور اسی کے بل بوتے پر خدا کا لقب حاصل کیا۔

(The Nativity-History and Legend By Geza vermes, P-126)

اگر کوئی ہٹ دھرم یہ کہے کہ حضور نے یہ باتیں اہل کتاب سے سن کر نقل کیں تو یہ بالبداہت غلط ہے جو شخص سنی سنائی بات نقل کرتا ہے وہ مشہور روایت کے مطابق نقل کرتا ہے نہ کہ اس سے بالکل مختلف اور وہ بھی ایسی صحت وتنقید کے ساتھ کہ جو منصف بھی اس کو سنے پکار اٹھے کہ واقعہ کی اصل نوعیت یہ ہے جو قرآن نے بیان کی ہے نہ کہ وہ جو تورات کے راویوں نے پیش کی ہے۔

10۔ معجزہ شقِ قمر پر اعتراض

عیسائی اعتراض یہ ہے کہ اگر چاند دو ٹکڑے ہوا ہوتا تو عیسائیوں اور ہندوؤں کی کتابوں میں ضرور

لکھا جاتا۔اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ مندرجہ ذیل معجزات بائبل میں لکھے ہوئے ہیں۔

(i) طوفان نوح جس کا ذکر پیدائش باب 7-8 میں ہے۔وہ 300 دن تک رہا۔پانی 150 تک چڑھتا رہا اور 150 دن اترتا رہا۔

(ii) سورج اور چاند کا ٹھہر جانا۔ (یشوع باب نمبر 10)

(iii) سایہ کا دس درجہ پیچھے چلا جانا۔ (2۔سلاطین 8:20 تا 11)

(iv) مجوسیوں کے آگے تارے کا چلنا (متی 9:2)

(v) آسمان کے دروازے کھل جانا۔روح القدس کا کبوتر کی مانند اترنا۔(متی 16:3)

(vi) صلیب کے واقعہ کے وقت تمام دنیا میں اندھیرا چھا جانا اور سورج کی روشنی ختم ہوجانا۔(لوقا 45-44:23) یہ چھ بڑے بڑے واقعات نئے اور پرانے عہدنامہ میں لکھے ہوئے ہیں اور عیسائی ان کو مانتے ہیں۔ان کا وقوع بھی تمام دنیا نے دیکھا ہوگا۔بتایئے مخالفوں کی کس کتاب میں لکھے ہوئے ہیں۔

ان سے کس کا حال ہندوؤں، چینیوں اور مجوسیوں کی کس تاریخ میں درج ہے؟ ہندو تو طوفان نوح علیہ السلام کے سرے سے منکر ہیں۔یوزیفس نے بھی ان واقعات کو اپنی تاریخ میں نہیں لکھا حالانکہ ان واقعات کی مدت بھی معجزہ شق القمر کی مدت سے زائد ہے۔اگر مخالف کی کتابوں میں کسی واقعہ کے نہ لکھے جانے سے کسی واقعہ کی تکذیب لازم آتی ہے تو پادری ان کا بھی انکار کریں۔یہ بھی بتائیں کہ دن کے وقت چاند کہاں سے آ گیا جس کو حکم دیا کہ تو وادی ایالون میں ٹھہرا رہ۔(یشوع 13,12:10) ایسے ہی لوگوں کو حضرت مسیح علیہ السلام کا مشورہ ہے کہ اپنے بھائی کی آنکھ کے تنکے سے پہلے اپنی آنکھ کا شہتیر نکال (متی 5:7)

یہ بھی بتائیں کہ اگر یورپی سائنس دانوں کی تحقیق کے مطابق زمین سورج کے گرد گھومتی ہے تو پھر زمین کو حکم دینا چاہیے تھا کہ وہ رکے،سورج کو کیوں حکم دیا؟

معجزہ شق القمر قرآن کی نص اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ثبوت کے لیے دو چیزیں درکار ہوتی ہیں۔

(i) کسی بات کا فی نفسہ ممکن ہونا

(ii) خبر دینے والے کا سچا ہونا۔چونکہ چاند کو دو ٹکڑے کرنا اور پھر جوڑ دینا خداتعالیٰ کی قدرت میں ممکن ہے اور دنیا کے سب سے سچے انسان نے اس کی خبر دی ہے لہٰذا یہ ثابت ہے،مزید برآں وہاں موجود لوگوں کی گواہی بھی موجود ہے۔

11۔ سفرِ معراج پر اعتراض

عیسائی کہتے ہیں کہ آسمانوں پر جانا اور واپس آنا ناممکن ہے اور کوئی بھی آسمان پر جا کر واپس نہیں آیا۔ جب تعصب اندھا کر دے تو اپنی کتابیں بھی نظر نہیں آتیں۔ ان کا گرو پال کہتا ہے کہ میں تیسرے آسمان پر فردوس میں گیا اور واپس آیا۔ (2۔ کرنتھیوں 2:12 تا 5)

روح القدس کا آسمان سے اترنا سب عیسائی مانتے ہیں (متی 16:3، مرقس 10:1، لوقا 22,21:3)

عیسائی یہ بھی بتائیں کہ کیا روح القدس آج تک یہیں زمین پر ہی تشریف فرما ہیں یا واپس تشریف لے گئے؟ یسوع علیہ السلام کا آسمان پر جانا مرقس 19:16، لوقا 51:24 میں لکھا ہے۔ ان کے دوبارہ نزول کے سب عیسائی قائل ہیں۔

ایلیاء علیہ السلام کا آسمان پر جانا (2۔ سلاطین باب نمبر 2 میں لکھا ہے اور پھر زمین پر آنا ملاکی 5:4 میں لکھا ہے۔ حضرت ادریس علیہ السلام (حنوک) کا آسمان پر جانا پیدائش 24:5 میں لکھا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معراج پر تشریف لے جانا قرآن کی نص اور احادیثِ متواترہ سے ثابت ہے جنکی سند متصل ہے اور بائبل کی سند سے بدرجہا بہتر ہے۔

12۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر گناہ گار ہونے کا الزام

سب سے پہلے گناہ کی تعریف دیکھیں کہ گناہ کس کو کہتے ہیں۔ گناہ جان بوجھ کر خلافِ شرع کرنے کو کہتے ہیں۔ جان بوجھ کر کی قید اس لیے ضروری ہے کہ جس فعل میں انسان کے ارادہ نیت کو دخل نہیں حقیقت میں وہ اس کا ذمہ دار نہیں ہوتا۔ لہٰذا بھول چوک اور خطاء اجتہادی گناہ کی حد سے باہر ہیں۔ خلافِ شرح کی قید اس لیے ضروری ہے کہ واجب التعمیل کی مخالفت ہی نافرمانی کہلاتی ہے۔ چونکہ شریعت کی تعلیم خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس کا حکم واجب التعمیل ہے لہٰذا گناہ وہی ہوگا جس میں مخالفتِ شرح ہوگی۔ اس طرح ترکِ اولیٰ اور تقدیم وتاخیر گناہ کی حد سے نکل گئے کیونکہ افضل اور اس سے نچلے درجہ کے کام اور وہ کام جن میں تقدیم وتاخیر ہوئی، سب شرعی کام ہیں اور ان میں شریعت کی مخالفت نہیں پائی جاتی۔ انبیاء کرام علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں۔ عصمت کا معنی کلام عرب میں روکنا اور بچانا ہے۔ اصطلاح میں عصمت کی تعریف یہ ہے کہ وہ ایک دماغی قوت ہے جو گناہ گاری سے روکتی ہے اور گناہوں کے ضرر اور نیکیوں کے علم پر موقوف ہے اور انبیاء کے حق میں اس بات پر جو ان سے سہواً سرزد ہو جائے انکی یاددہانی کے لیے پے در پے وحی کے آنے اور ٹوک

دیے جانے اور ترکِ اولیٰ پر عقاب سے اور پختہ ہو جاتی ہے۔ (طوالع برحاشیہ شرح مواقف ،ص:564)

چونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت اس لیے ہوتی ہے کہ لوگوں کو نیکی و بدی کی پہچان کروائیں لہٰذا ان میں عصمت بدرجہ کمال ہوتی ہے کیونکہ اس کا مدار گناہ کے ضرر اور نیکی کی خوبی کے جاننے پر ہے اور انبیاء اسی تعلیم کے سب سے بڑھ کر معلم ہوتے ہیں کہ لوگوں کو ان امور پر واقف کریں۔ اگر نبی سے بھی صدور گناہ تسلیم کر لیا جائے تو نبی وغیر نبی میں کیا فرق رہا۔ انبیاء کرام علیہم السلام کو خلافِ اولیٰ پر ٹوک دیا جاتا ہے اور یہ سلوکِ الٰہی خود عصمت میں داخل ہے۔ انبیاء انتخاب الٰہی ہوتے ہیں لہٰذا ضروری ہے وہ اپنی لائی ہوئی شریعت کے پورے عامل ہوں اور خدا تعالیٰ کی ناراضگی سے پورے طور پر پرہیز کرنے والے ہوں۔ ان کی زندگی اعلان نبوت سے پہلے بھی انتہائی پاکیزہ ہوتی ہے اور مخالفین ان میں کوئی عیب تلاش نہ کر سکے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ قرآن نے کفار مکہ کو چیلنج دیا کہ ''میں اس سے پہلے تم میں ایک عمر رہا ہوں تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے۔ (یونس 16:10)

اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کردار میں ذرا سے بھی کمی ہوتی تو مخالفین ضرور نشاندہی کرتے۔ اس سے ثابت ہوا کہ قبل نبوت بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی نہایت پاکیزہ گزری اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی 40 سالہ زندگی بے عیب تھی۔ ہرقل کے سامنے اس وقت کے کفار مکہ کے سردار ابوسفیان نے اس بات کی تصدیق کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ (بخاری کتاب بدء الوحی باب کیف کان بدء الوحی حدیث نمبر 6)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام زندگی کے حالات قابل اعتماد ذرائع اور کتابوں سے ہم تک پہنچے ہیں جن سے تصدیق ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام زندگی بے عیب تھی۔ قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کے حق میں جہاں جہاں لفظ ذنب آیا ہے وہاں اس سے مراد خلافِ اولیٰ ہے، جس پر ٹوک دیا گیا اور عصمت انبیاء مزید مستحکم ہوگئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں سورہ فتح 2:48 میں اگلے پچھلے ذنب کا جو ذکر آیا ہے تو اس سے مراد کفار و منافقین کی طرف سے لگائے گئے اگلے پچھلے الزام مراد ہیں، جن کو خدا تعالیٰ نے دھو دیا۔

(رحمۃ العالمین جلد نمبر 3 ص 628 باب نمبر 1 خصوصیت نمبر 12 از قاضی سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاک زندگی کو مومنوں کے لیے اسوہ حسنہ قرار دیا گیا۔ (احزاب 21:33)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاک کردار کی گواہی عیسائی علماء یوں دیتے ہیں ''دعویٰ نبوت سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایماندار، دیانت دار، مقامی تعلقات میں بے عیب اور اپنے ہم وطنوں میں قابل عزت سمجھے جاتے تھے۔ (Palmer, The Quran, Introd, P-xix)

دوسرا لکھتا ہے"آپ ﷺ سادہ، دیانت دار، پاک صاف زندگی کے حامل تھے اور آپ ﷺ کو الامین کا لقب دیا گیا تھا"(Lane's Lexicon, Introd, P-xxxix)

تیسرا لکھتا ہے"پاک کردار" کسی کے معاملات میں دخل نہ دینے والی جوانی نے اردگرد کے لوگوں کی پسندیدگی حاصل کرلی اور خوش ہوکر آپ کو الامین کا لقب دیا گیا۔

(Muir, Lif of Muhammad, P-20)

اب ایک چھوٹا سا سوال کہ یسوع نے اپنے نیک ہونے کا جو انکار کیا ہے تو کیا اس سے ان کا گناہ گار ہونا ثابت نہیں ہوتا جبکہ اقرار بھی وہ خود کر رہے ہیں۔ (ملاحظہ ہو لوقا 19:18)

خود کو خدا تعالیٰ کے سامنے عاجز ظاہر کرنا مقربین کا طریق کار ہے۔ جیسے سیدنا داوٗد علیہ السلام اپنی خطاؤں ،بدی اور گناہ کی معافی مانگتے ہیں۔ (زبور 1:51 تا 4)

اور خود کو مجسم بدی قرار دیتے ہیں بلکہ گناہ کے ساتھ اپنے حمل کا اقرار کرتے ہیں (زبور 5:51)

پھر اپنے ہونٹ کھولنے کی درخواست کرتے ہیں (زبور 15:51)

یہ بھی کہتے ہیں کہ اے میرے خدا، اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ اور یہ کہ وہ دن رات دعائیں مانگتے ہیں مگر خدا قبول ہی نہیں کرتا۔ (زبور 22:1-2)

خدا نے آسمان سے بنی آدم پر نگاہ کی تو دیکھا کہ ایک بھی نیکوکار نہیں، سب ناپاک ہو گئے۔

(زبور 53:2-3)

یسعیاہ فرماتے ہیں کہ ہم نے خطا کی۔ خداوند کا انکار کیا اور اپنے خدا کی پیروی سے برگشتہ ہوئے۔ ہم نے ظلم اور سرکشی کی باتیں کیں اور دل میں باطل تصور کرکے دروغ گوئی کی (یسعیاہ 13:59)

پھر فرماتے کہ ہم سب تو سب کے سب ایسے ہیں جیسے ناپاک چیز اور ہماری تمام راست بازی ناپاک لباس کی مانند ہے اور ہم سب پتے کی طرح کملا جاتے ہیں اور ہماری بدکرداری آندھی کی مانند ہم کو اڑا لے جاتی ہے۔ (یسعیاہ 6:64)

جب مسیح علیہ السلام دعا مانگ رہے تھے تو شاگردوں نے حضرت مسیح علیہ السلام سے دعا سکھانے کی درخواست کی تو آپ نے یہ بھی سکھایا کہ کہا کرو"ہمارے گناہ معاف کر" (لوقا 4:11)

ظاہر ہے خود مسیح علیہ السلام بھی یہ دعا مانگتے ہوں گے۔ انہوں نے اپنے نیک ہونے سے بھی انکار فرمایا

(مرقس 18:10، لوقا 19:18)

انبیائے کرام علیہم السلام کے ایسے کلمات اظہار عبودیت پر محمول ہوتے ہیں یا انکی کوئی تاویل کی جاتی ہے۔ مسیح علیہ السلام کے حواریوں میں سے پطرس اپنے خط میں لکھتے ہیں'' اس واسطے کہ غیر قوموں کی مرضی کے موافق کام کرنے اور شہوت پرستی، بری خواہشوں، مے خواری، ناچ رنگ، نشہ بازی اور مکروہ بت پرستی میں جس قدر ہم نے پہلے وقت گزارا وہی بہت ہے۔ (1۔پطرس 3:4)

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منہ سے کبھی ایسے الفاظ نکلے؟ اگر ان تمام گناہوں کا اقراری مجرم یسوع کا رسول بن سکتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کیا اعتراض ہے؟ اگر بالفرض محال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گناہ گار بھی ہوتے تب بھی یہود ونصاریٰ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا لازم ہے کیونکہ جن کو وہ انبیاء علیہ السلام تسلیم کرتے ہیں انکے ذمے ایسے ایسے گناہ لگائے گئے جن کو دہرانا بھی مشکل ہے۔

13۔ معجزات نہ دکھانے کا اعتراض

عیسائی لوگ قرآن مجید کی مختلف آیات مثلاً انعام 58:6 بنی اسرائیل 93:17، عنکبوت 50:29 کا حوالہ دے کر کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معجزات نہیں دکھائے۔ یادرہے کہ معجزہ خدا تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جو نبی علیہ السلام کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ جب مناسب سمجھے معجزہ دکھا دیتا ہے۔ کفار کے منہ مانگے معجزات دکھانے کا خدا تعالیٰ پابند نہیں۔ جیسا کہ یسوع نے شیطان کی فرمائشوں کے جواب میں معجزات دکھانے سے انکار کیا۔ (متی 1:4 تا 8)

یہودی علماء نے معجزہ مانگا تو بھی یسوع نے ان کو برے اور زنا کار قرار دے کر ان کا مطالبہ ردّ کر دیا۔ (متی 38:12، مرقس 11:8)

یسوع نے فرمایا کہ اس زمانہ کے لوگوں کو کوئی نشان نہ دیا جائے گا یعنی اپنے پورے دور کے لیے معجزات دکھانے سے انکار فرما دیا۔ اس کے علاوہ جب بقول عیسائیاں، وہ صلیب پر لٹکا دیے گئے تو راہ چلنے والوں نے یسوع علیہ السلام کو کہا اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو صلیب پر سے اتر آ۔ سردار کاہن دوسرے یہودی علماء کے ساتھ مل کر کہتا تھا کہ اب آپ صلیب پر سے اتر آئیں تو ہم ایمان لائیں۔ (متی 38:27 تا 44)

مگر یسوع علیہ السلام نے ایسا کوئی معجزہ نہ دکھایا۔ اسی طرح ہیرودیس بھی یسوع علیہ السلام کا معجزہ دیکھنے کا امید وار تھا مگر انہوں نے اسے کوئی جواب نہ دیا (لوقا 8:23-9)

پولوس بھی کرامت دکھانے سے یہ کہہ کر انکار کرتا ہے'' یہودی نشان چاہتے ہیں اور یونانی حکمت

تلاش کرتے ہیں مگر ہم مسیح مصلوب کی منادی کرتے ہیں۔ (کرنتھیوں کے نام پہلا خط 1:22-23)

اب عیسائیوں کی طرح اگر کوئی یسوع علیہ السلام پر اعتراض کرے کہ منکرین پر اتمام حجت کے لیے ان کو چاہیے تھا کہ ایک آدھ معجزہ دکھا دیتے تو ان کا منہ بند ہو جاتا، تو عیسائی حضرات اس کا کیا جواب دیں گے۔ ان حوالوں سے صاف معلوم ہوا کہ یسوع علیہ السلام اظہار معجزہ کی قدرت نہ رکھتے تھے اور یہ کہ اناجیل کے مصنفین نے ان کے جو معجزات لکھے ہیں وہ محض گپ ہیں تو اس کا عیسائی کیا جواب دیں گے؟ اور جو لکھے ہیں وہ صرف اپنے مریدوں کے سامنے دکھانے کا ذکر ہے حالانکہ یہودیوں اور ہیرودیس کے سامنے معجزہ دکھانا زیادہ مناسب تھا، تو اس کا کیا جواب ہے؟

ثابت ہوا کہ معجزہ خدا کا فعل ہے۔ ایسا ہی عقیدہ انبیاء کرام سے بائبل میں بھی منقول ہے۔ سیدنا یعقوب علیہ السلام کی ایک بیوی راخل بے اولاد تھی۔ ان کی بہن کے اولاد ہوئی تو ان کو رشک آیا اور سیدنا یعقوب علیہ السلام سے کہا کہ مجھے بھی اولاد دے ورنہ میں مر جاؤں گی۔ تب یعقوب علیہ السلام کا قہر راخل پر بھڑ کا اور انہوں نے کہا کہ میں خدا کی جگہ ہوں جس نے تجھ کو اولاد سے محروم رکھا ہے؟ (پیدائش 30:1 تا 2)

سیدنا یحییٰ علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے کہ سب ان کو نبی جانتے تھے (متی 21:26)

اور یہ بھی لکھا ہے یوحنا نے کوئی معجزہ نہیں دکھایا۔ (یوحنا 10:41)

خود یسوع علیہ السلام نے شیطان کو جواب دیا "یہ بھی لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کی آزمائش نہ کر (متی 4:7)

اس تمہید کے بعد معلوم ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بے شمار معجزات دکھائے جو کہ سند متصل اور تواتر امت کے ساتھ نقل ہوئے ہیں۔ صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات کا مکمل ثبوت میسر ہے۔ باقی انبیاء علیہم السلام کے معجزات کی تصدیق اگر قرآن نے کی تو ثابت ہیں ورنہ ان کی کتابوں کی سند ہی متصل نہیں کہ ان کے معجزات کا ثبوت مل سکے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات قرآن وحدیث میں موجود ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشہور معجزات میں چاند کا دو ٹکڑے ہونا، سفرِ معراج، بدر کے دن کنکریوں کی مٹھی پھینکنا، جنگِ خندق کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کے نتیجہ میں کفار کے لشکر کا تتر بتر ہو جانا۔ انگشتِ مبارک سے پانی جاری ہونا جس سے پورے لشکر نے پانی پیا، ذخیرہ کیا، جانوروں کو پلایا، کھانے کا زیادہ ہو جانا، مریضوں کا شفایاب ہونا، کھجور کی شاخ کا تلوار بن جانا وغیرہ شامل ہیں۔ علماء اسلام نے اس موضوع پر الگ کتابیں لکھی ہیں مگر تعارف کے لیے ملاحظہ ہو سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ وسلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ جلد نمبر 3 اور رحمۃ للعالمین مصنفہ قاضی سلیمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ جلد نمبر 3۔

ان معجزات کے علاوہ غیب کی خبریں دینا اور سچی پیش گوئیاں بھی حضور ﷺ کے معجزات میں شامل ہیں۔ان سب کی تفصیل مذکورہ اور دوسری کتابوں سے بخوبی معلوم ہوسکتی ہے۔

14۔ جہاد کرنے کا اعتراض

اسلام کا جہاد کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ سب سے پہلے کفار کو دعوتِ اسلام دی جائے گی، اگر قبول کرلیں تو ان کو باقی مسلمانوں کی طرح تمام حقوق حاصل ہوں گے۔اگر وہ مسلمان ہونا قبول نہ کریں تو ان کو کہا جائے گا کہ ماتحت ہوکر رہیں اور جزیہ ادا کریں جس کے بدلہ میں ان کے جان و مال، عزت کی حفاظت اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہوگی اور ان ذمیوں کو جنگی ڈیوٹی سے مستثنیٰ قرار دیا جائے گا۔اگر یہ بھی قبول نہ کریں تو پھر ان سے پہلے معاہدے، اگر کوئی ہوں تو ختم کردینے کا اعلان کیا جائے گا، پھر اعلان جنگ ہوگا۔جنگ میں عورتیں، بچے، بوڑھے قتل کرنا منع ہے۔جنگ کے اصول قرآن و حدیث اور فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں۔اسلامی جہاد کے مقابلہ تورات قانون جنگ کا مقصد صرف ملک گیری ہے۔

(گنتی 33:53-54) اور استثنا 2:30 تا 35)

یہ جنگ سے پہلے دین کی دعوت بھی نہیں دیتے۔بلکہ ایک جگہ پر لکھا ہے کہ خداوند صاحبِ جنگ ہے۔(خروج 15:3)

جبکہ اسلامی جہاد کا مقصد دنیا میں امن قائم کرنا ہے اور بندوں کو بندوں کی غلامی سے چھڑوانا ہے۔تورات کے مطابق جنگ میں بے لگام خونریزی ہے۔اگر صلح منظور کر کے کوئی علاقہ لیا جائے گا تو وہاں کے تمام باشندے بنی اسرائیل کے خدمت گزار (غلام) ہوں گے (استثنا: 20:10 تا 11)

اگر وہ لوگ جنگ کریں تو حکم ہے کہ وہاں کے سب مرد قتل، عورتیں، بچے، مویشی اور سب مال لشکر کی ملکیت ہوگا (استثنا: 20:12 تا 14)

بلکہ ان شہروں میں جہاں بنی اسرائیل کا قبضہ ہو، کسی سانس لینے والی چیز کو زندہ نہ چھوڑنے کا حکم ہے یعنی مویشی وغیرہ بھی قتل کردو۔(استثنا 20:15 تا 16)

بلکہ تمام مفتوحہ قوموں کو بالکل نیست کردینے کا حکم ہے۔(استثنا 20:17)

البتہ درختوں پر مہربانی فرمائی کہ ان کو نہ کاٹنا تا کہ ان کا پھل کھانے کے کام آئے (استثنا: 20:19)

یہ بھی حکم دیا کہ مفتوحہ علاقوں کی عبادت گاہیں ڈھا دینا (استثنا 7:5-6) (خروج 34:11 تا 13)

مفتوحہ قوم کی شادی شدہ عورتیں قتل کرنے اور کنواری لڑکیاں لونڈی بنانے کا حکم دیا۔(گنتی 31:17-18)

ان احکامات پر عمل کرتے ہوئے یریحو کی مفتوحہ قوم کے سب مرد، عورت، بڈھے اور جوان، بیل، بھیڑ، گدھے سب کو قتل کر دیا گیا البتہ چاندی، سونا، پیتل، لوہا خداوند کے گھر کے خزانہ میں داخل کیا

(یشوع 21:6 تا 24)

اور ان اعمال کے ذمہ دار کے متعلق لکھا کہ خداوند یشوع کے ساتھ تھا (یشوع 27:6)

ایک جنگ میں مرد و عورت ملا کر 12,000 لوگ قتل کیے گئے۔ (یشوع 25:8)

یہ یاد رہے کہ دور رسالت تمام جنگوں میں دشمنوں کے مقتولین کی تعداد تقریباً 1000 لوگ ہیں۔ جہاں تک عیسائیت کا تعلق ہے تو یہ دراصل یہودیت کے پیروکاروں کا ترمیم شدہ مذہب ہے۔ خود یسوع علیہ السلام نے تورات کے احکام کو ناقابل تنسیخ قرار دیا۔ (متی 17:5، لوقا 17:16)

اپنے پیروں کاروں کو علماء یہود کے فتاویٰ پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ (متی 1:23-4)

لہٰذا تورات کے احکام جنگ سے عیسائی لاتعلقی کا اظہار نہیں کر سکتے۔ خود یسوع علیہ السلام کو جنگ لڑنے کا موقع نہ مل سکا اگرچہ انہوں نے اپنا مشن صلح کرانا نہیں بلکہ تلوار چلانا بیان فرمایا (متی 34:10)

اور وہ وقت بھی آیا کہ شاگردوں کو پوشاک بیچ کر تلوار خریدنے کا کہا (لوقا 36:22)

انہوں نے کبھی کبھی اپنے دشمنوں کو قتل کرنے کی خواہش کا بھی اظہار کیا جیسا کہ ایک موقع پر فرمایا "میرے ان دشمنوں کو جنہوں نے نہ چاہا کہ میں ان پر بادشاہی کروں یہاں لا کر میرے سامنے قتل کرو۔ (لوقا 27:19)

ان کے نام لیواؤں نے بت پرست قسطنطین کے عیسائی مذہب اختیار کرنے کے بعد عیسائیوں نے دوسرے مذہب کے ماننے والوں پر ظلم شروع کیے۔ ہر قسم کی غیر مسیحی عبادتیں خواہ خفیہ ہوں یا علانیہ، بغاوت قرار دے دیں اور ان پر سزائے موت کا اعلان کیا۔ ان کی عبادت گاہیں مسمار، جائیدادیں ضبط اور عبادت کے سامان مٹا دینے کا حکم رومن سینٹ نے دیا۔ شام میں مسیحی پیشوا مارسیلیس نے جوپیٹر کے مندر کو تباہ کر دیا۔ اسکندریہ میں مصر کے آرچ بشپ تھیوفیلس نے سیراپیس کے مندر کو جو یونانی فنِ تعمیر کا بے نظیر نمونہ تھا مسمار کر دیا۔ اس کے کتب خانہ، جس میں لاکھوں کتابیں تھیں، آگ لگا دی، یہی کتب خانہ ہے جس کے جلانے کا الزام عیسائی مورخوں نے مسلمانوں پر لگا دیا۔ یہ تمام تفصیلات گبن نے تاریخ عروج و زوال سلطنت روم کے باب 28 میں لکھی ہیں۔ خود عیسائیوں میں جو لڑائیاں ہوئیں اور احتساب عدالتوں میں جو ظلم کیا، ان کے متاثرین کی تعداد بھی لاکھوں میں ہے (ملاحظہ ہو برٹانیکا زیر لفظ Inquisition)

ایک گال پر تھپڑ کھا کر دوسرا گال آگے کرنے کا خیالی فلسفہ بگھارنے والوں نے صلیبی جنگوں، جنگِ عظیم اوّل و دوم میں کروڑوں لوگوں کو قتل اور زخمی کیا۔ آج بھی عراق و افغانستان میں جھوٹ بول کر خود ساختہ کہانی کے بہانے کروڑ سے زائد لوگوں کو قتل اور زخمی کر چکے ہیں۔ ان لوگوں کے مظالم کے سامنے تو اسلامی جہاد رحمت ہے۔ دور نبوی اور بعد میں لوگوں کو زبردستی مسلمان نہیں بنایا گیا۔ یہ شرف صرف عیسائیوں کو حاصل ہے کہ انہوں نے اپنی حکومتوں میں لوگوں کو زبردستی عیسائی بنایا جس کے حوالہ جات آپ پڑھ چکے۔ ہندوستان پر انگریزی قبضہ کے بعد بھی ہندوستانیوں کو زبردستی عیسائی بنانے کی کوشش کی گئی۔ پادریوں کا وعظ سننے کے کے لیے فوجی افسر اپنے ماتحتوں کو حکم دیتے۔ پادری ایڈمنڈ نے 1855ء میں لوگوں کو خطوط لکھے کہ اب تم عیسائی ہو جاؤ۔ دوسرے مذاہب کے پیشواؤں کو برا بھلا کہنے کا رواج ہندوستان میں پادریوں نے شروع کیا۔ اور وہی مذہبی تشدد کے اولین ذمہ دار ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظ ہو سیکولر مورخ ڈاکٹر مبارک علی کی کتاب برطانوی راج، ص: 77 تا 84 جس میں انہوں نے انگریز مصنفین کے حوالہ سے ساری تفصیل لکھی ہے۔ اگر جہاد کرنا اتنا ہی برا ہے تو یسوع علیہ السلام دوبارہ آ کر دنیا کی ساری قوموں کے ساتھ وہ کریں گے جس سے وہ چھاتی پیٹیں گی اور ہر ایک کو سزا ملے گی (متی 24:30، 27:16)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اعتراض' ۔نے والے اپنی کتاب ہی پڑھ لیں تو پتہ چلے کہ جہاد انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔ پولوس اپنے خط میں لکھتا ہے ''اب اور کیا کہوں؟ اتنی فرصت کہاں کہ جدعون اور برق اور سمسون اور افتاہ اور داؤد اور سموئیل اور نبیوں کا احوال بیان کروں؟ انہوں نے ایمان ہی کے سبب سے سلطنتوں کو مغلوب کیا۔ راست بازی کے کام کے لیے...... لڑائی میں بہادر بنے۔ غیروں کی فوجوں کو بھگا دیا

(عبرانیوں 11:32 تا 34)

خود یسوع علیہ السلام بھی اپنی دوسری آمد کے بعد دجال کو قتل کریں گے۔ چنانچہ پولوس لکھتا ہے ''اس وقت وہ بے دین ظاہر ہو گا جسے خداوند یسوع اپنے منہ کی پھونک سے ہلاک اور اپنی آمد کی تجلی سے نیست کرے گا'' (تھسلنیکیوں کے نام دوسرا خط 2:8)

حضرت داؤد علیہ السلام نے ارامیوں کے 700 رتھوں کے آدمی اور 40 ہزار سوار قتل کر ڈالے۔

(2۔ سموئیل 10:18)

اور وہ نبی بھی تھے۔ (اعمال 2:30-31)

جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساری جنگوں میں 450 کے قریب لوگ قتل ہوئے۔

15۔ دعائے مغفرت پر اعتراض

عیسائی حضرات قرآن پاک کی بعض آیات اور کتب احادیث میں منقول مسنون دعاؤں کا بہانہ بنا کر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) حضور ﷺ تو خود گناہ گار ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔ لہٰذا آپ ﷺ کو شافع محشر اور تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل کیسے کہا جا سکتا ہے؟

معلوم ہونا چاہیے کہ رب العزت مالک و پروردگار ہے اور تمام مخلوق اس کے بندے، مملوک اور مربوب ہیں لہٰذا خدا کے حوالہ سے کلام الٰہی میں سطوت و استعلا ہو یا حضرات انبیاء کی طرف سے عاجزی و انکساری ہو تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ خدا کی شان کے لائق ہے کہ وہ اپنے علو شان اور عالی مرتبت کو ظاہر فرمائے اور بندہ جس قدر عاجزی کرے تو یہ اس کی بندگی کے شایان شان ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کے اظہار بندگی کو ہر جگہ اپنے حقیقی معنی پر محمول کرنا محض خطا اور گمراہی ہے۔ بائبل میں انبیاء کرام علیہم السلام کی دعائیں کثرت کے ساتھ آتی ہیں۔ چند نمونے ملاحظہ ہوں:

(i) سیدنا داؤد علیہ السلام بارگاہِ الٰہی میں عرض کرتے ہیں "اے میرے خدا، اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟ تو میری مدد اور میرے نالہ و فریاد سے کیوں دور رہتا ہے؟ اے میرے خدا میں دن کو پکارتا ہوں پر تو جواب نہیں دیتا اور رات کو بھی اور خاموش نہیں ہوتا لیکن تو قدوس ہے (زبور 22:1 تا 3)

(ii) خود یسوع علیہ السلام نے بھی آخری وقت یہی دعا کی ہے کہ "اے میرے خدا، اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟ (متی 27:46)

(iii) سیدنا داؤد علیہ السلام عرض کرتے ہیں "تیرے قہر کے سبب سے میرے جسم میں صحت نہیں۔ اور میرے گناہ کے باعث میری ہڈیوں کو آرام نہیں کیونکہ میری بدی میرے سر سے گزر گئی۔ اور وہ بڑے بوجھ کی مانند میرے لیے نہایت بھاری ہے۔ میری مخالفت کے سبب سے میرے زخموں سے بدبو آتی ہے، وہ سڑ گئے ہیں (زبور 38:3 تا 5)

(iv) ایک اور دعا میں سیدنا داؤد علیہ السلام فرماتے ہیں "اے خدا اپنی شفقت کے مطابق مجھ پر رحم کر اپنی رحمت کی کثرت کے مطابق میری خطائیں مٹا دے۔ میری بدی کو مجھ سے دھو ڈال اور میرے گناہ سے مجھ کو پاک کر۔ کیونکہ میں اپنی خطاؤں کو جانتا ہوں اور میرا گناہ ہمیشہ میرے سامنے ہے۔ (زبور 51:1 تا 3)

دیکھ میں نے بدی میں صورت پکڑی اور میں گناہ کی حالت میں ماں کے پیٹ میں پڑا (ایضاً آیت نمبر 5)

(v) آپ علیہ السلام ایک اور زبور میں فرماتے ہیں ''خدانے آسمان پر سے بنی آدم پر نگاہ کی تا کہ دیکھے کہ کوئی دانش مند ہے۔کوئی خدا کا طالب ہے یا نہیں۔وہ سب کے سب پھر گئے ہیں۔وہ باہم نجس ہو گئے ہیں۔کوئی نیکوکار نہیں۔ایک بھی نہیں۔(زبور 53:2-3)

(vi) سیدنا یسعیاہ علیہ السلام ایک جگہ فرماتے ہیں ''اس لیے انصاف ہم سے دور ہے اور صداقت ہمارے نزدیک نہیں آتی......ہم دوپہر کو یوں ٹھوکر کھاتے ہیں گویا رات ہوگئی۔ہم تندرستوں کے درمیان گویا مردہ ہیں......اور نجات کے منتظر ہیں پر وہ ہم سے دور ہے۔کیونکہ ہماری خطائیں ہمارے ساتھ ہیں اور ہم اپنی بدکرداری کو جانتے ہیں۔کہ ہم نے خطا کی۔خداوند کا انکار کیا اور اپنے خدا کی پیروی سے برگشتہ ہو گئے۔ہم نے ظلم اور سرکشی کی باتیں کیں اور دل میں باطل تصور کر کے دروغ گوئی کی۔''

(یسعیاہ 59:9 تا 13)

(vii) حضرت یعسیاہ علیہ السلام دوسری جگہ فرماتے ہیں ''اور ہم سب کے سب ایسے ہیں جیسے ناپاک چیز اور ہماری راستبازی ناپاک لباس کی مانند ہے اور ہم سب پتے کی مانند کملا جاتے ہیں اور ہماری بدکرداری آندھی کی مانند ہم کو اڑا لے جاتی ہے......اور ہماری بدکرداری کے سبب سے تو ہم سے روپوش ہوا اور ہم کو پگھلا ڈالا۔ (یسعیاہ 64:6 تا 7)

(viii) خود یسوع علیہ السلام نے یوحنا علیہ السلام سے بتسمہ لیا جو کہ گناہوں کی معافی کے لیے توبہ کے بپتسمہ کی منادی کرتے تھے۔یسوع علیہ السلام نے گلیل سے ناصرہ آ کر یردن میں یوحنا سے بپتسمہ لیا۔

(متی 3:13، مرقس 1:9،لوقا 3:21)

متی نے حسب عادت مبالغہ کرتے ہوئے یہ فقرہ یوحنا علیہ السلام کی طرف منسوب کیا کہ میں تو خود تجھ سے بپتسمہ لینے کا محتاج ہوں مگر یہ فقرہ دوسرے انجیل نویسوں نے نہیں لکھا۔اگر یسوع علیہ السلام بے گناہ تھے تو اتنا فاصلہ طے کر کے یوحنا سے گناہوں کی معافی کا بپتسمہ لینے کی کیا ضرورت تھی؟

(ix) یسوع علیہ السلام خدا سے دعا کرتے تھے (لوقا 11:1)

شاگردوں کو سکھایا کہ کہا کرو ''ہمارے گناہ معاف کر'' (لوقا 11:4)

کوہِ زیتون پر جا کر دعا کرنے کا دستور تھا اور وہاں گھٹنے ٹیک کر دعا کی۔اتنی دل سوزی سے دعا فرمائی کہ ان کا پسینہ گویا خون کی بڑی بڑی بوندیں ہو کر زمین پر ٹپکتا تھا۔(لوقا 22:44)

یسوع شاگردوں کو گناہ کی معافی کی دعا سکھاتے تھے تو یہی دعا خود بھی کرتے تھے۔اگر وہ معصوم تھے

تو کن گناہوں کی معافی کی دعا کرتے تھے؟ انہوں نے 40 دن رات روزے رکھے (متی 2:4)

مرقس نے لکھا "اور صبح ہی دن نکلنے سے بہت پہلے وہ اٹھ کر نکلا اور ایک ویران جگہ میں گیا اور وہاں دعا کی۔ (مرقس 35:1)

لوقا میں ہے "مگر وہ جنگلوں میں الگ جا کر دعا کیا کرتا تھا (لوقا 16:5)

دوسری جگہ لوقا نے لکھا "اور ان دنوں میں ایسا ہوا کہ وہ پہاڑ پر دعا کرنے کو نکلا اور خدا سے دعا کرنے میں ساری رات گزاری (لوقا 12:6)

نئے عہد نامہ میں یسوع علیہ السلام کے دعا کرنے کا ذکر متی 23:14 ایک ہی رات میں سجدہ میں، گر کر دعا کرنے کا ذکر متی 39:26، دوبارہ دعا کرنے کا ذکر متی 42:26 تیسری بار دعا کرنے کا ذکر متی 44:26 میں ہے۔ دعا کرنا آپ علیہ السلام کا معمول تھا جیسا کہ مرقس 46:6، 29:9، 32:14، میں درج ہے نہایت حیرانی اور بے قراری کے ساتھ زمین پر گر کر دعا کرنا کہ آزمائش کی گھڑی مجھ پر سے ٹل جائے۔

(مرقس 33:14 تا 36)

بار بار دعا کی مرقس 39:14، لوقا 29:9 میں لکھا ہے۔

فرمایئے! اگر وہ معصوم، ابن خدا اور خدا کے ساتھ متحد تھے تو کس خدا سے دعا کرتے تھے اور کونسی دعا کرتے تھے؟ بقول عیسائی حضرات، خدا تو وہ پہلے ہی تھے۔ اب اور کیا بننا باقی رہ گیا تھا؟ ان سب حوالوں سے صرف یہی ثابت ہوتا ہے کہ یسوع علیہ السلام خدا تعالیٰ کے بندے اور رسول تھے، خدا کے حضور اپنی عاجزی ظاہر کرنے اور تعلیم امت کے لیے دعا مانگتے تھے کہ خدا سے اس طرح دعا کیا کرو۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے بہت سے کام ایسے ہوتے ہیں کہ ان سے محض امت کی تعلیم و تربیت مقصود ہوتی ہے تاکہ ان کو دیکھ کر انکی پیروی کی جائے اور وہ اپنی ذات کے لیے ان کاموں کے محتاج نہیں ہوتے۔ دوسری بات یہ کہ گناہ کر کے معافی مانگنا عام لوگوں کا کام ہے۔ پاک لوگوں کا طریقہ، جن کے سردار انبیاء علیہم السلام ہیں، سب حکم بجالا کر بھی معافی مانگنا ہے جیسا کہ یسوع علیہ السلام فرماتے ہیں "اسی طرح تم بھی جب ان سب باتوں کی جن کا تمہیں حکم ہوا تعمیل کر چکو تو کہو کہ ہم نکمے نوکر ہیں، جو ہم پر کرنا فرض تھا وہی کیا ہے۔

(لوقا 10:17)

پاک لوگوں کے کاموں کو اپنے اوپر قیاس نہیں کرنا چاہیے۔

16۔ یہ اعتراض کہ حضور ﷺ کو اپنی نبوت پر شک تھا:

عیسائی لوگ قرآن مجید کی آیت ''پس تو شک کرنے والوں میں سے مت ہونا'' (البقرہ 147:2 اور انعام 115:6) کا حوالہ دے کر اعتراض کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کو اپنے نبی ہونے پر شک تھا۔

حضور ﷺ کو اپنی رسالت پر ایک لمحہ کے لیے بھی کبھی شک نہیں ہوا۔ آپ ﷺ ہی کا کیا ذکر، آپ ﷺ کے ساتھی اور کل مسلمان بھی آپ ﷺ کی صداقت اور نبوت پر اعلیٰ درجہ کا یقین تھا اور رکھتے ہیں۔ ہاں اپنے منصب پر شک کرنے کا خیال ان کے بارے میں ہوسکتا ہے۔ جنہوں نے بقول عیسائیاں، بالکل آخری وقت ''بڑی آواز سے چلا کر کہا ایلی ایلی لما شبقتنی ؟ یعنی اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟ (متی 46:27)

اور جدعون کہ اس نے خدا کو بار بار آزمایا اور اسے یقین ہی نہ آرہا تھا کہ خدا کی روح اس پر نازل ہوتی ہے۔ (قضاۃ 34:6 تا 40)

حضور ﷺ کو اپنی رسالت پر ایک لمحہ کے لیے بھی کبھی شک نہیں ہوا جس کا ثبوت مندرجہ ذیل ہے۔

1۔ کہہ دو! یہ میری راہ ہے۔ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں پوری بصیرت کے ساتھ، میں بھی اور وہ لوگ بھی جنہوں نے میری پیروی کی ہے (یوسف 108:12)

2۔ کہہ دو! میں اپنے رب کی جانب سے ایک روشن دلیل پر ہوں اور تم نے اسے جھٹلا دیا ہے۔ (انعام 57:6)

3۔ کہہ دو! میرے رب نے میری رہنمائی سیدھے راستے کی طرف فرما دی ہے، دین قیم، ابراہیم کی ملت کی طرف۔ (انعام 161:6)

4۔ کہہ دو! اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں (اعراف 158:7)

معترض کی پیش کردہ آیت میں حضور ﷺ مخاطب نہیں بلکہ قاری قرآن مخاطب ہے یعنی ہر وہ شخص جو قرآن پڑھے۔ اس میں امتی اور غیر امتی سب لوگ شامل ہیں۔ بظاہر خطاب حضور ﷺ سے مگر مخاطب دوسرے لوگ ہیں جیسے کہ وہ آیت جس میں فرمایا ''اور تیرے رب کا فیصلہ یہ ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر وہ تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں، ان میں سے ایک یا دونوں، تو نہ ان کو اف کہو اور نہ ان کو جھڑکو اور ان سے شریفانہ بات کہو۔ (بنی اسرائیل 22:17)

کیونکہ ساری دنیا کو معلوم ہے کہ حضور ﷺ کے والد محترم حضور ﷺ کی پیدائش سے پہلے اور والدہ محترمہ آپ ﷺ کے بچپن میں وفات پا گئے۔ مگر حضور ﷺ کے ذریعہ سے امت کو والدین سے نیک سلوک کی تعلیم دی گئی۔ لہٰذا آیتِ زیرِ بحث کا ترجمہ یہ ہوگا ''(اے مخاطب) پس تو شک کرنے والوں میں سے مت ہونا'' چونکہ حضور ﷺ کو مندرجہ بالا دلائل کی بنا پر اپنی رسالت پر پورا یقین تھا لہٰذا اس آیت کا مخاطب کوئی متردد اور شک کرنے والا آدمی ہے نہ کہ حضور ﷺ۔

بظاہر خطاب نبی ﷺ سے اور مخاطب امت یا کوئی اور، اس طرز خطاب کی مثالیں قرآن مجید کی طرح بائبل میں بھی پائی جاتی ہیں۔

1۔ افسوس وہ دن بڑا ہے۔ اسکی مثال نہیں۔ وہ یعقوب کی مصیبت کا وقت ہے پر وہ اس سے رہائی پائے گا۔ اس لیے اے میرے خادم یعقوب ہراساں نہ ہو۔ اور یعقوب واپس آئے گا۔ (یرمیاہ 7:30 تا 10)

ان فقروں میں بظاہر خطاب سیدنا یعقوب علیہ السلام سے ہے جن کا زمانہ تقریباً 1800 سال قبل مسیح تھا مگر مراد بنی اسرائیل یعنی ان کی اولاد ہے۔ اور یہ فقرے حضرت یرمیاہ علیہ السلام پر نازل ہوئے جن کا زمانہ نبوت 626 تا 587 قبل مسیح ہے یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام سے 1200 سال بعد وحی نازل ہوتی مگر بظاہر مخاطب حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں۔ ان انبیاء کرام علیہم السلام کے دور کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو قاموس الکتاب۔ (ص:1106 اور ص:1147)

2۔ اے میرے خادم یعقوب ہراساں نہ ہو خداوند فرماتا ہے کیونکہ میں تیرے ساتھ ہوں (یرمیاہ 28:46)

3۔ خداوند کا یہوداہ کے ساتھ جھگڑا ہے اور یعقوب کی روش کے مطابق اس کو سزا دے گا اور اس کے اعمال کے مطابق اس کو جزا دے گا (ہوسیع 2:12)

سیدنا یعقوب علیہ السلام 1800 سال قبل مسیح جبکہ سیدنا ہوسیع علیہ السلام کا دور 745 قبل مسیح ہے

(یہوواہ وٹنس بائبل ص 1546)

تقریباً 1050 سال بعد خطاب بظاہر سیدنا یعقوب علیہ السلام کے بارے میں مگر مراد بنی اسرائیل ہیں۔

4۔ حضرت میکاہ علیہ السلام فرماتے ہیں ''لیکن میں خداوند کی روح کے باعث قوت وعدالت اور دلیری سے معمور ہوں تاکہ یعقوب کو اس کا گناہ اور اسرائیل کو اس کی خطا جتاؤں۔'' (میکاہ 8:3)

حضرت میکاہ علیہ السلام کا دور 716 قبل مسیح ہے مگر خطاب بظاہر 1100 سال پہلے گزرے سیدنا یعقوب علیہ السلام کے بارے میں ہے۔ دراصل یہاں مراد بنی اسرائیل ہیں۔

5۔ کیونکہ خداوند یعقوب کی رونق کو اسرائیل کی رونق کی مانند پھر بحال کرے گا۔" (ناحوم 2:2)

6۔ اے خرازین تجھ پر افسوس اے بیت صیدا تجھ پر افسوس، کیونکہ جو معجزے تم میں ظاہر ہوئے اگر صور اور صیدا میں ہوتے تو وہ ٹاٹ اوڑھ اور خاک میں بیٹھ کر کب کے توبہ کر لیتے۔" (متی 21:11)

خطاب بظاہر شہر سے مگر مراد شہر والے ہیں۔

7۔ اے یروشلم! اے یروشلم! تو جو نبیوں کو قتل کرتا اور جو تیرے پاس بھیجے گئے ان کو سنگسار کرتا ہے (متی 37:23)

خطاب بظاہر شہر سے مگر مراد شہر والے ہیں۔

ان تمام عبارتوں میں نام لیکر خطاب کسی اور کو اور مخاطب کوئی اور ہے جبکہ معترض کی پیش کردہ آیت میں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام بھی نہیں۔

17۔ مرگی کے مریض یا جنوں / شیاطین کے زیر اثر ہونے کا الزام

خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں فرمایا "تم اپنے رب کے فضل سے دیوانے نہیں ہو" (القلم 2:68)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کفار یہود و نصاریٰ کے اس الزام کا ردّ عیسائی علماء سے سنیے۔ یہ بھی یاد رہے کہ ایسا ہی الزامِ دیوانگی یسوع علیہ السلام پر ان کے رشتہ دار اور دوسرے لوگ لگا چکے ہیں۔ (مرقس 21:3، یوحنا 20:10)

(i)۔ فورڈ ڈینیل لکھتا ہے کہ اس الزام کا مقصد مذاق اڑانا تھا نہ کہ ہدایت کرنا

(Daniel N, Islam and west P-28)

(ii)۔ کیا کبھی مرگی جیسی نڈھال کر دینے والا مرض نے کسی کو نبی اور قانون دہندہ بنایا؟ کیا مریض کو اس مرض نے بلند مرتبہ اور طاقتور حکمران بنایا؟ یہ مرض تو آدمی کو آخرکار مفلوج کر دیتا ہے۔

(K.W.Morgan, Islam Interpreted by Muslims, P-56)

(iii)۔ منٹگمری واٹ لکھتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری عمر تک ذہنی اور جسمانی طور پر تندرست رہے۔

(Free Will and Destinatation in Early Islam, P-18)

(iv)۔ گلیوم لکھتا ہے "ایک عظیم شخصیت کے خلاف مرگی کے نظریہ پر بنیاد رکھنا، جس کی ظاہری طور پر کوئی بنیاد نہیں، یہ تاریخی تنقید کے معاملہ میں گناہ ہے (A Guillaume, Islam, P-23)

(v)۔ حضورﷺ کی ناقابل یقین کامیابیوں نے آج تک لوگوں کو حیران کر رکھا ہے جن کی وجہ سے منکرین بھی تعریف کرنے پر مجبور ہیں۔ فنلے لکھتا ہے" آپ ﷺ کی بطور قانونی دھندہ کامیابی ......نسلوں تک آپ ﷺ کا دین باقی رہنا اور ہر سماجی نظام میں موجود ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ ﷺ ایک غیر معمولی شخصیت تھے اور آپ ﷺ لیکرگس اور سکندر کی خوبیوں کا مجموعہ تھے۔

(Finlay, Greece under The Romans, P-446)

(vi)۔سیوری (Savary) ایک روشن خیال مغربی تھا جو کہ آپ ﷺ کو نبی کہنے سے انکاری تھا مگر وہ بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ آپ ﷺ دنیا کے عظیم ترین افراد میں سے تھے، وہ یہ ماننے پر مجبور ہو گیا کہ آپ ﷺ کی سیاسی، فوجی اور لوگوں پر حکومت کرنے کی صلاحیت غیر معمولی تھی اور آپ ﷺ ان غیر معمولی ہستیوں میں سے ایک تھے جو کہ تاریخ میں کبھی کبھار ظاہر ہوتی ہیں۔ جو اپنا ماحول دوبارہ بناتی ہیں اور لوگوں کو اپنی فاتح جماعت سے دل و جان سے وابستہ کر لیتی ہیں۔

(Andrae,Muhammad(SAW) PP-244-245)

18۔ دوسروں، خاص طور پر یہودی، عیسائی لوگوں کی مدد سے قرآن لکھا۔

(النحل 103:16)

کفار کے اس الزام کا رد کرتے ہوئے عیسائی عالم آر بیل (R.Bell) لکھتا ہے کہ جو بھی حضور ﷺ کو عیسائیت، یہودیت یا بائبل کو قریب سے جانتا ہے اسے معلوم ہو گا کہ اس الزام کا کوئی ثبوت نہیں (کہ اسلام عیسائیت یا یہودیت کا چربہ ہے)۔ سورہ اخلاص ہی عیسائیت کے مرکزی عقیدوں کی جڑ کاٹ دیتی ہے۔ (R.Bell, Introduction to the Quran,P-70)

یہ بھی کہا گیا کہ حضور ﷺ نے ابوطالب کے ساتھ شام کا سفر کیا۔ دوران سفر بحیرہ نامی راہب سے ملاقات ہوئی جس کا اصل نام سرجئس (Sergius) تھا۔ اس نے آپ ﷺ میں آثار نبوت دیکھ کر جناب ابوطالب کو مشورہ دیا کہ حضور ﷺ کو یہودیوں سے بچا کر رکھیں۔ تو آپ ﷺ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ واپس بھجوا دیا گیا۔ یہ قصہ بالکل جھوٹا ہے۔ کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس وقت 10 سال کے تھے جب کا قصہ بیان کیا جاتا ہے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ سند کے لحاظ سے بھی یہ قصہ بے بنیاد ہے اور جس جس کتاب میں یہ آیا ہے اس کی سند صحیح نہیں ہے۔ (موسوعۃ الآحادیث

والآثار الضعیفہ والموضوعہ، جلد 14، ص 377، روایت 9855-9995)

ترمذی میں یہ روایت آئی ہے۔ (3620) امام ترمذی نے اس کو حسن غریب کہا، امام ذہبی نے اس کو من گھڑت اور باطل کہا (تلخیص المستدرک جلد نمبر 2، ص: 615-616)

انہوں نے اس روایت کی سند اور متن پر اعتراض کرتے ہوئے اسے منکر سے متصف کیا۔

(ذہبی سیرۃ النبویہ، ص: 28)

اس روایت کے ایک راوی عبدالرحمٰن بن غزوان قراد کے بارے میں انہوں نے لکھا کہ اس کی بعض روایات منکر ہیں۔ پھر کہا میں اس کی روایت کا انکار کرتا ہوں جو اس نے یونس بن اسحاق سے ابوطالب کے ساتھ سفرِ شام کے بارے میں بیان کی جب کہ آپ ﷺ کی عمر 13 سال تھی۔

(ذہبی میزان الاعتدال، ص: 581)

ابن غزوان قراد ہی کی سند سے ابن ابی شیبہ نے المصنف (286/14) میں ابن ابی الدنیا نے ہواتف الجان ص 194 پر، امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے مستدرک (615/2) میں طبری نے تاریخ (277/2-278) میں، بیہقی نے دلائل النبوۃ (24/2) خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں (252/10) اس روایت کو بیان کیا ہے۔ ابن سعد نے طبقات کبریٰ (120/1-153) میں ایسے طریق سے لکھا ہے جو معضل ہیں۔ اصطلاح میں معضل وہ روایت ہے جس کے دو یا زیادہ راوی مسلسل حذف اور ساقط ہوں۔

(تفسیر مصطلح الحدیث۔ ڈاکٹر محمود الطحان، ص: 72)

لہٰذا بحیرہ نامی کسی عیسائی راہب سے نہ آپ ﷺ کی ملاقات ہوئی نہ آپ ﷺ نے اس سے کچھ سیکھا۔ بحیرہ کے علاوہ عیسائی مصنفین باڈے اور بگ نے دو عیسائی بشپوں، قس بن ساعدہ اور اسد بن کعب کا نام لیا ہے کہ وہ عکاظ وغیرہ میلوں میں اونٹ پر بیٹھ کر خطاب کرتے تھے اور حضور ﷺ نے (نعوذ باللہ) ان سے سن کر اپنا دین بنالیا ہے کہ انہوں نے سکھایا مگر وہ دونوں قسم کھا کر انکار کرتے تھے۔ (قرطبی جلد نمبر 5 ص 94)

میئنر اور گارڈنر نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ کا استاد لکھا ہے۔ مگر وہ ظالم یہ بھول گیا کہ قرآن مکہ میں نازل ہونا شروع ہوا اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ مدینہ میں ملے تھے۔ اور یہ کہ ان کی زبان عربی نہیں فارسی تھی۔ یہ بھی یاد رہے کہ بائبل اور قرآن کے تصورِ خدا میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ حضور ﷺ نے یہودی اور عیسائی عقائد کی نفی کی۔ مشرکوں نے آپ ﷺ سے جنگیں لڑیں۔ اگر

آپ ﷺ نے کسی سے سن کر یہ قرآن بنایا ہوتا تو وہ کبھی خاموش نہ رہتے اور متعلقہ آدمی سامنے لا کر کھڑا کر دیتے۔ یہود حضور ﷺ کی اتنی زیادہ مخالفت کر رہے تھے۔ اگر وہ آپ ﷺ کے استاد ہوتے تو اتنی زیادہ مخالفت کیوں کرتے اور قرآن میں ان پر لعنت کیوں ہوتی۔ اگر حضور ﷺ سچے نہ ہوتے تو آپ ﷺ کے ساتھی اپنی جان و مال آپ ﷺ پر قربان نہ کرتے اور آپ ﷺ کے ساتھیوں نے آپ ﷺ سے آخری سانس تک وفاداری کی اور کوئی بھی مرتد نہ ہوا۔

مسٹر کرسچین ٹرال ایک مشہور کیتھولک مسیحی عالم ہیں۔ وہ پاپائی کونسل برائے بین المذاہب مکالمہ کی مجلسِ مشاورت کے اہم رکن اور ویٹی کن کمیشن برائے مسلم تعلقات کے لیے بھی مشاورت کی خدمات انجام دیتے ہیں۔ وہ 20 سال ہندوستان میں رہے اور اسلام کا مطالعہ بڑے قریب سے کیا۔ انہوں نے ایک کتاب بنام ''مسلم سوالات، مسیحی جوابات'' لکھی جس کا ترجمہ آٹھ زبانوں میں ہو چکا ہے۔ انہوں نے اس کتاب میں عیسائی عقائد کا دفاع کیا ہے مگر چند جگہ حقیقت بھی ان کے قلم سے نکل گئی۔ وہ لکھتے ہیں ''زمانہ حال کے بعض دینی علماء تو اس سے بھی آگے کی بات کرتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ دوسری مسلم کرسچین کانفرنس منعقدہ تیونس 1979ء کے دوران پروفیسر کلاوڈ ڈی جیفرے (Claude Geffre) جو کیتھولک انسٹی ٹیوٹ آف پیرس میں پڑھاتے تھے، انہوں نے اظہارِ عام کیا کہ وہ سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کے نبی پر جو وحی اترتی تھی وہ خدا کا کلام ہی ہوتا تھا...... بہرکیف 1977ء سے قائم شدہ اسلام و مسیحیت تحقیقاتی گروپ کے اراکین دینی علماء نے تسلیم کیا کہ قرآن میں کلام خدا کے الفاظ کی موجودگی ثابت ہے۔ (ص109)

آگے لکھتے ہیں ''برطانوی بشپ عزت مآب کینتھ کریگ (Kenneth Cragg) جو کہ مذہب اسلام کے ممتاز صاحب علم دانش بھی ہیں۔ اپنی کتاب ''محمد اینڈ دی کرسچین'' میں مسیحیوں کو کھلے عام یہ دعوت دیتے ہیں کہ وہ محمد ﷺ کو تسلیم کریں کہ خدا کے سچے پیغمبر تھے...... دوسری ویٹی کن کونسل میں اس امر کا جامع اور حتمی اقرار تو نہیں کیا گیا لیکن پھر بھی پیغمبر اسلام کا نام لیے بغیر کھلے دل اور کھلے ذہنوں سے اسلام کے سلسلہ میں ایک مثبت عملی تغیر کے پیدا کیے جانے کی کلیسیا کی طرف سے حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔ یہ اعلان ہوا کہ کلیسا مسلمانوں کی توقیر کا حامی ہے۔ اور بنیادی اختلافات سے قطع نظر اسلامی عقائد و رسومات کو بھی قابل احترام نگاہوں سے دیکھا جائے، مسلمانوں کو راسخ العقیدہ (مومن) توحید پرست، خدائے واحد کی عبادت کرنے والے تسلیم کرتے ہوئے کیتھولک کلیسا نے مسیحیوں کو چیلنج دیا کہ وہ مسلمانوں کی ان اقدار کا احترام کریں۔ چنانچہ ویٹی کن کونسل نے موثر و نمایاں طور پر ماضی کی ان نزاعی چپقلشوں اور بدگمانیوں کو جو

مسلمانوں کے نبی ﷺ کے بارے میں پائی جاتی تھیں، سب کو تیاگ دیا کیوں کہ ان کے نبی حضرت محمد ﷺ نے مسلم امہ کو تشکیل دیا، متحد کیا، خوبصورت طرز زندگی اپنانے کے لائق بنایا، حسن سلیقہ عطا کیا، ان میں کردار کی بلندی پیدا کی تھی۔ (ص:110)

"قرطبہ (اسپین) میں دوسری مسلم مسیحی کانفرنس جو ماہ مارچ 1977ء کو انعقاد پذیر ہوئی، اس کانفرنس کے خطبہ استقبالیہ میں جناب کارڈینل ترنکون (Cardinal Tarancon) نے جو اس وقت آرچ بشپ آف میڈرڈ اور کانفرنس آف ہسپانوی بشپس کے چیئر مین بھی تھے، انہوں نے تمام مسیحیوں کو اس طرف مائل کیا کہ وہ محمد عربی ﷺ کا نبوت کے مقام پر فائض ہونا تسلیم کرلیں۔ خاص طور پر اس لیے کہ خدائے واحد پر ان کا ایمان بہت مضبوط ہے۔ شرک کے خلاف ان کی جدوجہد اور راست بازی، صداقت، پارسائی کو حرز جان بنالینا۔ شروع شروع میں، آٹھویں صدی عیسوی کے زمانے کی بات ہے کہ بغداد میں خلیفہ المہدی سے مکالمہ کے دوران نسطوری آباء ٹموتھی نے بھی کہا تھا کہ محمد ﷺ نبیوں اور رسولوں کی راہ کے راہی تھے...... چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ قرآن شریف کو خدا کا کلام ماننے کے لیے مسیحیوں کے سامنے کوئی رکاوٹ نہیں اور وہ راستہ بھی صاف ہے، جس پر چلتے چلتے قرآن شریف کو خدا کا کلام دیکھتے سمجھتے ہوئے محمدی مشن میں بھی انہیں پیغمبرانہ اوصاف نظر آنے لگیں۔ (ص111-112)

مسیحی حضرات کو چاہیے کہ اپنے بڑوں کی بات مان کر اسلام قبول کرلیں۔

19۔ اسرائیلی نہ ہونا یعنی بنی اسرائیل سے نہ ہونا:

عیسائی کہتے ہیں کہ ہم بنی اسرائیل سے باہر نبوت نہیں مان سکتے۔ عیسائیوں کے ہاں نبوت جاری ہے اور ہر مسیحی کے نبی ہونے کا امکان ہے پال تلقین کرتا ہے کہ اس کی آرزو رکھو کہ نبوت کرو۔ (ا۔ کرنتھیوں 1:14) افسس میں لوگ نبوت کرتے تھے۔ (اعمال 6:19) فلپس کی بیٹیاں نبوت کرتی تھیں۔ (اعمال 9:21) کرنتھس کی کلیسیا کے مرد و خواتین نبوت کرتے تھے۔ (ا۔ کرنتھیوں 4:11۔5) اگبس بھی نبی تھا۔ (اعمال 28:11، 21:10۔11) مسیحی نبیوں پر وحی اترتی تھی۔ (ا۔ کرنتھیوں 30:14) سارے نبی بن سکتے ہیں۔ (ایضاً 31:14) نبی کو پرکھنے کا طریقہ اس کا کلام اور تعلیم ہے۔ (قاموس الکتاب، ص 1027) جھوٹو! ان نبیوں میں سے کون بنی اسرائیل میں سے تھا؟

20۔ حضور پر جادو ہونا:

یہ کافروں کا حضور پر الزام تھا کہ آپ جادو زدہ ہیں اور ایسا کہنے والوں پر خدا نے سخت ناراضگی کا

اظہار فرمایا۔ (بنی اسرائیل 47:17، الفرقان 8:25) بخاری وغیرہ کی چند روایات میں جادو کے قصے کا ذکر آیا ہے۔ (نمبر 3175، نعمت الباری، جلد 6، ص 180۔188) مگر ایسے واقعے کو امام جصاص قاضی عبدالجبار معتزلی اور سید قطب شہید وغیرہ علماء نے تسلیم نہیں کیا۔ مولانا غلام رسول سعیدی کی تنقید یہ ہے۔

ا۔ آخری دو سورتوں کا شان نزول بتایا جاتا ہے مگر وہ سورتیں مکی اور واقعہ مدنی بیان کیا گیا ہے۔

۲۔ یہ روایات مضطرب ہیں۔

۳۔ منصب نبوت کے خلاف ہیں۔

۴۔ زیادہ سے زیادہ یہ تاویل کی جا سکتی ہے کہ یہ یہودیوں نے جادو کیا مگر خدا نے اس کا آپ پر کوئی اثر نہیں ہونے دیا۔

۵۔ روایات قرآن کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔

۶۔ نبی میں کوئی ایسی بات نہیں ہو سکتی جس سے لوگ متنفر ہوں۔

ہمارے مقدس متن قرآن میں تو حضور کے مشہور ہونے کی نفی ہے مگر عیسائی کے مقدس متن اناجیل میں یسوع کے پاگل ہونے کی گواہی ان کے عزیز اور یہودی دے رہے ہیں۔ (مرقس 21:3، یوحنا 20:10) اس لیے وہ اس پر ایمان نہ لائے تھے۔ (یوحنا 5:7) مزید انجیل مرقس 21:3 کا ترجمہ ملاحظہ ہو وہ بے خود ہے۔ (ترجمہ مرزا پور 1870ء) او دیوانہ شدہ است (فارسی ترجمہ)

مسیحی حضرات کو چاہیے کہ اپنے بڑوں کی بات مان کر اسلام قبول کر لیں۔

21۔ بیت المقدس کی نشانیاں بتانا:

معراج سے واپسی پر کفار نے بیت المقدس کے بارے میں پوچھا تو آپ حجر (حطیم) میں کھڑے ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس آپ کے سامنے کر دیا تو آپ نے بیت المقدس کی نشانیاں بتائیں۔ (بخاری، کتاب التفسیر، حدیث 4710، جلد 6، ص 204)

آپ نے کھڑکیاں دروازے نہیں بتائے کیونکہ بیت المقدس کی عمارت 70ء میں طیطس رومی تباہ کر چکا تھا۔ نشانیوں سے مراد علاقہ کی نشانیاں بتانا ہے۔ عمارت کا ذکر نہیں فرمایا۔

❀❀❀

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے سچے رسول

(البقرہ 146:2، الانعام 20:6)

عیسائی علماء کا اعتراف

بڑے عیسائی علماء کے چند حوالے پیش خدمت ہیں، جن میں انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدا کا سچا رسول تسلیم کیا ہے:۔

1- شروع سے آخر تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ہی لقب (یعنی رسول) پسند فرمایا، جس کو اعلیٰ ترین فلسفہ اور سچی عیسائیت ایک دن ضرور تسلیم کرے گی۔ میں یہ عقیدہ رکھنے کی جسارت کرتا ہوں اور اس سے متفق ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک نبی اور سچے نبی تھے۔

(Bosworth Smith: Muhammad and Muhammadanism, P-344)

2- ایک سے زیادہ دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کو خطرہ تھا، لیکن بالاتر طاقت نے خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کو بچایا۔ (Historians History of World, Vol-8, P-123)

3- حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام اور مذہبی شخصیات میں سب سے زیادہ کامیاب تھے۔

(برٹانیکا، ج:15 ص:898)

4- آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے پیروکاروں اور دشمنوں سے اچھا برتاؤ یہ ثابت کرتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے نائب اور خدا کی مرضی کے مطابق کام کرنے والے تھے۔(Muir, Op.Cit, P-126)

5- اسلام فطری دین ہے، جو اپنے ماننے والوں کو ترقی دیتا ہے۔ ایک مغربی نقاد نے اس بات کو ایسے بیان کیا کہ اسلام عقل کا دین ہے۔(Lady Cobold: Op.Cit, Introd, P-xiii)

6- حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح پر لگائے گئے عیسائی الزامات کے حوالہ سے ایک عیسائی مصنف لکھتا ہے: اس واقعہ کے حالات کا باریکی سے جائزہ لینے کے بعد میں مطمئن ہوں کہ عیسائی حضرات کی تشریح غلط ہے۔ اس واقعہ پر جاہل عربوں کا شور و غوغا اس بنا پر نہ تھا کہ

آپ ﷺ نے (نعوذ باللہ) کوئی سازش کر کے طلاق دلوائی تھی، بلکہ وہ منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹے کے برابر درجہ دیتے تھے۔ لہٰذا یہ شادی ان کی نظر میں ممنوع رشتہ کی شادی تھی۔ آپ ﷺ نے یہ شادی کر کے وہ رواج صرف اپنے فائدہ کیلئے ختم نہیں کیا تھا، بلکہ تمام امت کے لیے یہ سہولت دی تھی۔ اس سارے واقعہ میں حقیقت اور افسانہ ملا دیا گیا ہے اور ایک پاک ذات کو بڑا مجرم بنا دیا گیا۔ (Bosworth Smith, Op.Cit, PP-114-115)

7- ابھی چند سالوں سے ہم نے محمد (ﷺ) اور ان کے دین کے بارے میں مختلف انداز سے سوچنا شروع کر دیا ہے۔ اب اس بات کو تسلیم کر لیا گیا ہے کہ آپ ﷺ پر وحی آتی تھی اور یہ کہ آپ ﷺ کے دین نے شرمناک بت پرستی سے کروڑوں لوگوں کو نجات دی اور ان کو ایک خدا کا بہترین نظریہ دیا۔ (Book Of Knowloge, (BK) Vol-4, P-2282)

8- آپ ﷺ کی زندگی خدا اور آخرت پر مضبوط عقیدے کی طاقت کی حیرت انگیز مثال ہے، جو آپ ﷺ کے دل میں تھا۔ آپ ﷺ کو ہمیشہ ان لوگوں میں شمار کیا جائے گا جنہوں نے عقائد، اخلاق اور ان انسان کو پوری زندگی پر اثر ڈالا جو آپ ﷺ پر ایمان لائے۔ یہ کارنامہ سوائے عظم آدمیوں کے کسی نے نہیں کیا نہ کر سکتا ہے۔

(Rodwell, The Koran, preface, PP-14-15)

9- دوسری مسلم کرسچین کانفرنس منعقدہ تیونس 1979ء کے دوران پروفیسر کلاؤڈ ڈی جیفرے، جو کیتھولک انسٹی ٹیوٹ آف پیرس میں پڑھاتے تھے، انہوں نے اظہار عام کیا کہ وہ سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کے نبی پر جو وحی اترتی تھی، وہ خدا کا ہی کلام ہوتا تھا۔ (مسلم سوالات۔ مسیحی جوابات۔ کرسچین ٹرال، ص:109)

10- برطانوی بشپ کینتھ کریگ اپنی کتاب محمد ﷺ اینڈ دی کرسچین میں مسیحیوں کو کھلے عام دعوت دیتے ہیں کہ محمد ﷺ کو تسلیم کریں کہ خدا کے سچے پیغمبر تھے۔ (ایضاً ص:110)

11- آرچ بشپ آف میڈرڈ اور کانفرنس آف ہسپانوی بشپس کے چیئرمین، کارڈینل ٹرانکون نے تمام مسیحیوں کو اس طرف مائل کیا کہ وہ محمد عربی ﷺ کا نبوت کے مقام پر فائز ہونا تسلیم کر لیں۔ (ایضاً ص:111)

12- قرآن شریف کو خدا کا کلام ماننے کیلئے مسیحیوں کے سامنے کوئی رکاوٹ نہیں۔ (کرسچین ٹرال، ایضاً ص:111)

❁❁❁

بائبل اور انبیائے کرام علیہم السلام

جب یہودی اور عیسائی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اعتراض کرتے ہیں یا الزام لگاتے ہیں تو مسلمان فطری طور پر ناراض ہوتے ہیں کہ اتنے پاک کردار والے عظیم الشان نبی پر اعتراض کیوں کرتے ہیں؟ لیکن جب ہم بائبل کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے پہلے انبیاء علیہم السلام کو بھی معاف نہیں کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ سلسلہ انبیاء علیہم السلام ہی کے فرد ہیں لہٰذا یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی الزام لگاتے ہیں۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ پہلے انبیاء علیہم السلام سے یہود و نصاریٰ کا کیا سلوک رہا اور ان پر کیسے کیسے الزام لگائے گئے؟

(1) سیدنا آدم علیہ السلام

آپ علیہ السلام پر تہمت لگائی کہ زمین ان کے سبب سے لعنتی ہوئی۔ (پیدائش 17:3)

حالانکہ ان کے متعلق یہ بھی لکھا ہے کہ خدا نے ان کو اپنی صورت پر پیدا کیا تھا۔ (پیدائش 27:1)

پادری ولیم سمتھ اپنی کتاب طریق اولیاء ص 23 پر لکھتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے توبہ نہیں کی۔

(2) سیدنا نوح علیہ السلام

آپ علیہ السلام پر شراب پی کر ننگا ہونے کی تہمت لگائی۔ اور جس بیٹے (حام) نے آپ علیہ السلام کی یہ حالت دیکھ کر اپنے بھائیوں کو اطلاع دی، اس کے بے قصور بیٹے (یعنی اپنے پوتے) کنعان پر لعنت کر دی

(پیدائش 20:9 تا 25)

حالانکہ آپ علیہ السلام کی شان یہ ہے کہ نوح علیہ السلام مرد راست باز اور اپنے زمانہ کے لوگوں میں بے عیب تھا۔ (پیدائش 9:6)

(3) سیدنا ابراہیم علیہ السلام

آپ علیہ السلام پر لالچ اور جھوٹ کی تہمت لگائی (پیدائش 10:12 تا 16، 1:20 تا 5)

پادری ولیم سمتھ نے طریق اولیاء ص 74 پر لکھا کہ احتمال ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام بت پرستی کرتے

رہے ہوں۔ پھر ص 99 پر لکھا کہ غفلت کے سبب شیطان کے جال میں پھنس گئے

(بحوالہ بائبل سے قرآن تک، رحمت اللہ کیرانوی رحمہ اللہ)

(4) سیدنا لوط علیہ السلام

آپ علیہ السلام پر شراب پی کر دو بیٹیوں سے زنا کی تہمت لگائی جن میں سے دو بیٹے موآب اور بنی عمی پیدا ہوئے۔ (پیدائش 19:30 تا 38)

(5) سیدنا اسحٰق علیہ السلام

آپ علیہ السلام پر جھوٹ بولنے کی تہمت لگائی (پیدائش 26:6 تا 8)

(6) سیدنا یعقوب علیہ السلام

آپ علیہ السلام پر خودغرضی کی تہمت لگائی (پیدائش 25:29 تا 34)

تین بار جھوٹ بولنے اور دھوکہ دہی و سازش کی تہمت لگائی (پیدائش باب نمبر 27 پورا)

ماموں زاد بہن پر عاشق ہونے کی تہمت لگائی (پیدائش 29:15 تا 30)

(7) سیدنا ہارون علیہ السلام

آپ علیہ السلام پر بچھڑے کو دیوتا بنانے اور لوگوں سے پوجا کرانے کی تہمت لگائی۔ (خروج 32:1 تا 6)

سیدنا ہارون نبی تھے اور مقدس مرد خدا تھے (خروج 4:27، 6:13، زبور 105:16-26)

پادری ولیم سمتھ کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہ السلام اور ان کے 70 مددگار نبی تھے۔

(تحقیق الدین الحق، ص 42)

(8) سیدنا موسیٰ علیہ السلام

آپ علیہ السلام پر قومی عصبیت کی بنا پر ایک آدمی کو قتل کرنے کی تہمت لگائی (خروج 2:11)

جبکہ قرآن مظلوم کی حمایت کا ذکر کرتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہ السلام پر خدا کا قہر بھڑکا۔

(خروج 4:10 تا 14)

ان دونوں نے خدا کی نافرمانی کی (گنتی 20:12۔ استثنا 32:51-52)

(9) سیدنا داوٗد علیہ السلام

آپ علیہ السلام پر سب سے زیادہ غصہ کیا گیا، ان کو نعوذ باللہ غدار، جھوٹا، زانی، قاتل لکھا گیا (مطالعاتی بائبل ص 2427)

آپ علیہ السلام پر قتل کی سازش، زنا، قتل کرانا، جھوٹ بولنا وغیرہ کے الزام لگائے گئے (2۔سموئیل 2:11 تا 27)

آپ علیہ السلام بائبل کے مطابق بھی نبی تھے (اعمال 29:2 تا 31)

(10) سیدنا سلیمان علیہ السلام

آپ پر بت پرستی کا الزام لگایا (1۔سلاطین 4:11 تا 6)

بتوں کا مندر بنانے کا الزام لگایا۔ (ایضاً ص 7:11)

اور یہ سب اپنی بت پرست بیویوں کی خاطر کیا (ایضاً 8:11)

پھر خدا ان سے ناراض ہوگیا (ایضاً 9:11-10)

آپ علیہ السلام نبی تھے (ایضاً 11:6)

بیت المقدس بھی آپ علیہ السلام نے خدا کے حکم سے تعمیر کیا۔ (ایضاً 1:6 تا 38)

(11) انبیاء کرام علیہم السلام

اُن پر الزام لگایا کہ وہ ننگے پھرتے تھے یا ننگے ہو جاتے تھے مثلاً یسعیاہ (2:20)

سموئیل نمبر 1، 20:19 تا 24، الیسع (2۔سلاطین 12:2)

حضرت نوح علیہ السلام (پیدائش 21:9)

حضرت داوٗد علیہ السلام (2۔سموئیل 20:6)

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے مسیحی سلوک (ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں)

(1) آپ علیہ السلام پر جھوٹ بولنے کی تہمت لگائی (یوحنا 8:7 تا 11)

والدہ محترمہ کی گستاخی کا الزام لگایا (یوحنا 4:2)

دوسری صدی عیسوی کے سب سے بڑے عیسائی عالم اوریجن نے آپ علیہ السلام پر جادوگر ہونے کا الزام

لگایا، چونکہ یہ بڑی عجیب بات ہے لہٰذا اس کی عبارت اور حوالہ پیشِ خدمت ہے۔ اوریجن نے اپنے دور کے ایک مخالف سیلسس (CELSUS) کے رد میں ایک کتاب لکھی جس کا نام ہے "ردِّ سیلسس" (AGAINST CELSUS)۔ اس میں حضرت یسوع علیہ السلام کے بارے میں لکھا "چونکہ یسوع علیہ السلام غریب تھے لہٰذا انہوں نے مصر میں مزدوری کی۔ اسی دوران انہوں نے جادو کی ان قسموں میں مہارت حاصل کی جن پر مصری فخر کرتے تھے۔ ان طاقتوں کی وجہ سے وہ فخر سے بھرپور واپس (فلسطین) آئے اور انہی کی بنا پر انہوں نے خود کو خدا کا لقب دیا۔" (Against Celsus 1:28) بحوالہ

(Gesavermes: The Nativity,History and Legend, P-126, Puhlished by Penguin books , London.)

گیزا ورمس کے متعلق سن لیجئے کہ یہ صاحب آکسفورڈ یونیورسٹی کے تاحیات پروفیسر تھے۔ 2013ء میں وفات پائی۔ اور سنڈے ٹیلی گراف لندن کے مطابق اپنی نسل میں یسوع علیہ السلام کے بارے میں عظیم ترین سکالر تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر الزام لگانے والے غیر تھے اور غیر ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کوئی الزام نہیں لگایا۔ اگر کسی بدبخت نے ایسا کیا تو پہلے مرتد ہوا پھر اپنے نامہ اعمال کو مزید سیاہ کیا۔ مگر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اتنے مظلوم ہیں کہ ان کے امتیوں نے بھی ان کو معاف نہیں کیا۔ عیسائیت کے ستون اوریجن کے بعد ان کے ایک اور امتی کا ذکر سنیئے۔

برطانیہ میں ایک ادیب جیمز کرکپ ہے۔ وہ رائل سوسائٹی آف لٹریچر کا فیلو ہے۔ اس نے سیدنا مسیح علیہ السلام کی توہین پر مبنی ایک نظم لکھی جس کا عنوان تھا۔ The Love that Dares To Speak Its Name

اس نظم میں اس بدبخت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وہ الزام لگایا جو یہاں لکھا نہیں جا سکتا۔ اس نظم کی اشاعت پر 1977ء میں توہین رسالت کا مقدمہ قائم کیا گیا۔ تفصیل کے لیے گوگل سرچ پر Blasphemy Law لکھیں پھر ملکوں کی لسٹ میں سے United Kingdom پر کلک کریں۔ یہی کام فلم ڈاونچی کوڈ میں فرانسیسی فلمساز نے کیا۔

بائبل کا مطالعاتی ایڈیشن اردو میں پہلی دفعہ 2010ء میں بائبل سوسائٹی لاہور نے شائع کیا۔ اس کے آخر میں ایک ضمیمہ لگایا گیا جس کا عنوان ہے "بائبل مقدس کی اہم شخصیات"۔ اس میں ص: 2397 تا ص: 2480 (83 صفحات) میں انبیائے کرام علیہم السلام سمیت تمام اہم شخصیات کا تعارف کرایا گیا ہے۔ اس

تعارف میں ایک ذیلی عنوان ''عیوب اور غلطیاں'' کے نام سے قائم کیا گیا ہے۔ چند ایک کے سوائے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے عیب اور غلطیاں (بزعم خود) درج کی گئی ہیں اور شاید ہی کسی کو معاف کیا گیا ہو۔ ایسے بہتان تراش لوگوں نے شہزادی سیدہ ہاجرہ علیہا السلام پر لونڈی ہونے کا بہتان لگا دیا تو ان کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ کوئی اور الزام ان پر نہیں لگایا۔

مندرجہ بالا حقائق سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ یہود و نصاریٰ کی پرانی عادت ہے کہ وہ پاک لوگوں پر تہمتیں لگاتے آئے ہیں۔ لہٰذا جنہوں نے ان کو معاف نہیں کیا جن کو خدا کہتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر الزام لگانے کا کیا گلہ! دوسری بات یہ کہ انبیائے کرام علیہم السلام پر لگائی گئی تہمتیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ موجودہ بائبل کلامِ خدا نہیں۔

❀ ❀ ❀

بائبل کیا ہے؟

نئے اور پرانے عہد نامہ کے مجموعہ کو بائبل کہتے ہیں۔ پرانے عہد نامہ سے مراد وہ عہد ہے جو خدا نے بنی اسرائیل سے بیابان میں باندھا۔ (خروج 7:26 مابعد)

اور نیا عہد نامہ سے مراد اناجیل، مکاشفہ اور پال اور دوسرے عیسائی بزرگوں کے خطوط ہیں۔ اس کا نام رکھنے کی بنیاد عبرانیوں (13:8) اور (1۔ کرنتھیوں 25:11) میں مذکور پال کی تحریر ہے۔ خود یسوع علیہ السلام نے یہ نام نہیں رکھے۔ اس کا کوئی متفقہ متن دنیا میں موجود نہیں ہے۔ مختلف فرقوں کی بائبل مختلف ہے۔ عبرانی بائبل کے 24 متن 39 کتابوں میں ہیں جس کا نام تنک یا تناخ (TANAKH) ہے۔ یہ مختلف الفاظ کے مخففات کا مجموعہ ہے۔ ت سے مراد توریت ہے جس میں 5 کتابیں ہیں۔ ن سے مراد نوی ایم یعنی کتب انبیاء علیہم السلام ہیں۔ ک سے مراد کتو ویم یا نوشتے (تحریریں) ہیں۔ تورات میں 5 کتابیں ہیں۔ نوی ایم یا انبیاء کے حصہ میں 8 کتابیں جو کہ یوشع، قضاۃ، سموئیل، سلاطین (2 کتابیں)، یسعیاہ، یرمیاہ، حزقی ایل اور انبیائے صغریٰ میں ہوسیع سے ملاکی تک 12 کتابیں ہیں۔ کتو ویم یا تحریرات میں 11 کتابیں ہیں جو کہ زبور، امثال، ایوب، غزل الغزلات، روت، نوحہ، واعظ، آستر، دانیال، عزرا، نحمیاہ اور تواریخ (2 کتابیں) شامل ہیں۔ تحریری وحی کو تورات اور زبانی وحی کو تالمود کہتے ہیں جو کہ بابلی تالمود اور یروشلم کی تالمود کہلاتی ہے۔ ہفتادی ترجمہ میں بعض کتابوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ یہ ترجمہ تیسری صدی قبل مسیح سے شروع ہو کر 132 ق م میں مکمل ہوا۔ پروٹسٹنٹ بائبل میں 66 کتابیں، کیتھولک بائبل میں 72 کتابیں اور آرتھوڈوکس چرچ کی بائبل میں 81 کتابیں شامل ہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظ ہو مطالعاتی اشاعت کا۔ (ص:9 تا ص:11)

رومی دنیا کی کلیساؤں میں بہت سی کتب گردش میں تھیں۔ ابتدائی کلیسا انہی پڑھتی اور ان کا مطالعہ کرتی تھی۔ اس دور میں کلیسا کے بزرگوں کے لئے یہ ضروری ہو گیا تھا کہ کسی عمل کے ذریعہ فیصلہ کریں کہ کونسی کتب مقدس ہیں اور انہیں خدا کے لوگوں کی سند حاصل ہے۔ یہ طریقہ کار راتوں رات وضع نہیں ہو گیا تھا۔ بعض حالات میں ان کے لکھے جانے کے بعد سینکڑوں سال لگ گئے۔ تب کہیں جا کر فیصلہ ہوا کہ جو اتنی

بہت سی تحریرات پڑھی جارہی ہیں ان میں سے کون سی پاک کتاب یعنی بائبل مقدس میں شامل ہونی چاہئیں۔ (مطالعاتی اشاعت بائبل کا ص:9)

ہفتادی ترجمہ میں قدیم عبرانی نسخہ کی نسبت کچھ زائد کتابیں شامل تھیں۔ یہی زائد کتابیں اپوکریفہ کہلائیں۔ (Encyclopedia of Chirstianity P-309)

اپوکریفہ کی بعض کتابیں 1628ء تک پرٹسٹنٹ مستند ترجمہ کنگ جیمز بائبل میں شامل رہیں۔

(Roddy and Sallier: In Search of Historic Jesus P-12)

اپوکریفہ کیتھولک بائبل اور آرتھوڈوکس چرچ کی بائبل میں اب بھی شامل ہے۔

اپوکریفہ کو کیتھولک کلیسیا نے 1563ء میں کونسل آف ٹرینٹ کے فیصلے کے مطابق اپنی بائبل میں شامل کرلیا۔ اپوکریفہ کا لفظی معنی پوشیدہ یا چھپا ہوا ہے (قاموس الکتاب ص18)

بخت نصر کے حملہ 586 ق م میں ہیکل تباہ ہوگیا۔ یہودیوں میں سے بہت سے قتل ہوئے اور 70 ہزار کو وہ غلام بنا کر لے گیا۔ تقریباً 70 سال کے بعد ان کو رہائی ملی۔ یہود بیان کرتے ہیں کہ پھر عزرا فقیہ نے تورات یا پرانا عہد نامہ مرتب کرایا، مگر محققین نے ایسے کسی نسخہ کی تیاری کو بے بنیاد افسانہ قرار دیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ پرانے عہد نامہ کے مستند نسخہ کی تدوین کا کوئی قابل اعتماد ریکارڈ موجود نہیں۔

(American Peoples Encyclopedia vol-3,P-420)

نئے عہد نامہ کی کتابوں کی فہرست بھی بدلتی رہی ہے۔ یوسے بئس، آئرے نیس، سکندریہ کا مشہور بشپ کلیمنٹ، طرطولین وغیرہ کے نزدیک مستند کتابوں کے ناموں میں اختلاف تھا۔ مسیحی علماء نے تسلیم کیا ہے کہ تیسری صدی کے آخر تک متنازعہ کتابوں کا وجود باقی تھا۔ (ایضاً ص426)

موجودہ تورات کی پانچوں کتابیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف نہیں بلکہ مختلف ذرائع سے اکٹھی کی گئی ہیں اور اس کے مصنفین کی تعداد 24 ہے۔

(W. Barclay: Makiny of The Bible, P-32)
(Dr. E. Sellier: Introducation of the old Testament, English Translation by W. Montgomery, London (1923)PP-25-26)

پیدائش 36:31 تا 43 میں ملک ادوم کے جن بادشاہوں کا ذکر ہے وہ پیرا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دوسو سال بعد کسی شخص نے لکھا ہوگا۔ (Bratton,s History of the Bible P-86)

کتاب پیدائش میں جن شہروں کے نام لکھے گئے ہیں اس وقت ان کے نام یہ نہیں تھے۔ ملاحظہ ہو

پیدائش 14:14، 27:35، 14:37 اور قضاۃ 29:18، 10:1۔

انداز تحریر بتاتا ہے کہ یہ کتابیں الہامی نہیں مثلاً (1۔سلاطین 34:6) میں لکھا ہے ایک دروازے کے بھی دونوں پٹ دہرے ہو جاتے تھے اور دوسرے دروازے کے بھی دونوں پٹ دہرے ہو جاتے تھے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے محل کی جو تفصیل (1۔سلاطین باب 7) میں دی گئی ہے اس کے پیش نظر اسے سلیمانی شوکت کی عوامی کہانی یا کسی سرکاری و نیم سرکاری فہرست کی نقل تو کہہ سکتے ہیں مگر الہام اور وحی نہیں۔

(Encyclopedia Britanica(1973) vol. 9, P-18)

پیدائش باب 12 اور 26 میں ایک ہی قصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔ لوقا کہتا ہے کہ میں نے دریافت کر کے انجیل لکھی (1:1 تا 3)

مگر عیسائی علماء کے مطابق لوقا ٹھیک اور ترتیب سے بیان نہیں کر سکا۔

(Encyclopedia Biblica, P-1790)

لہٰذا یہ کسی طور سے ایک ملہم کا بیان نہیں ہو سکتا۔ متی، مرقس اور یوحنا نے الہام کا دعویٰ نہیں کیا۔

پولس نے اپنے خطوط ناقص یونانی زبان میں لکھے۔ وہ کبھی جلد بازی سے لکھتا اور اکثر تندی کو اپناتا۔ جلد بازی کی وجہ سے اس کی تحریر بے قاعدہ اور غیر واضح ہو جاتی ہے اور جذبات کی وجہ سے غیر معتدل اور مبہم۔ اور یہ تو اُسے بالکل معلوم نہ تھا کہ وہ ان خطوط کو لکھتے ہوئے بائبل کا نیا عہد نامہ لکھوا رہا ہے۔

(Herbert Muller: Uses of the Past, P-89)

جس زمانہ میں اناجیل لکھی گئیں اس میں مرنے اور جی اٹھنے والے خداؤں کے بارے میں بہت سی خیالی داستانیں مشہور تھیں۔ عیسائیت کی نشو و نما تو ہم پسندانہ مذہب اور افسانوی عقائد کے پراگندہ ہجوم میں ہوئی۔

(Jhon Lewis: Religions of The World Made Simple, P-102, London)

خود اناجیل میں ان کے مصنفین کے ناموں کا کوئی حوالہ موجود نہیں اور اناجیل کے نام ایک دو نسلوں کے بعد رکھے گئے جب انہیں ایک مجموعی کتاب میں اکٹھا کیا گیا اور ان میں باہمی امتیاز کے لئے شناخت کی ضرورت پیش آئی۔

(Barnard M. Allen: The Story Behind The Gospels, London, 1926, PP-4-5)

دراصل اناجیل اور اعمال کی کتاب گمنام طور پر شائع ہوئیں اور ان کے موجودہ نام دوسری صدی میں رائج ہوئے۔ (Encyclopedia Britanica (1973) vol 13, PP-32-33)

انجیل یوحنا میں ایسے حوالے (مثلاً 24:21,7:21,26:19) جن سے یہ تاثر ملے کہ یہ مسیح کے کسی چہیتے

حواری کی تالیف ہے، اسی دور میں داخل کیے گئے۔ (ایضاً)

بائبل کو درجہ استناد ملنے کا عمل ایک انسانی اور تاریخی عمل تھا جس سے خدا کے الہام کا کوئی تعلق نہ تھا۔

(Bratton's History of the Bible, P-92)

ایک وقت تھا جب مسیحی بائبل میں پرانے اور نئے عہد نامہ کی تقسیم نہیں تھی

(F.C. Grant: The Gospels, Thew Origin and Growth,london 1957, P-12)+(Encyclolpedia Britanica (1973) 3/577)

جو کچھ ہمارے پاس اناجیل میں موجود ہے، وہی ہے جو خود کلیسا کہہ اور بتا رہی تھی جسے مسیح علیہ السلام کی تاریخی شخصیت سے منسوب کر دیا گیا۔

(Encyclopedia Britanica(1962)vol, 13, P-14)

نیا عہد نامہ اولین مسیحی کلیساؤں کی بنیاد نہیں بلکہ ان کی پیداوار تھا۔

(Herbert Muller: Uses of The Past, P-149)

ہمیں بتایا جاتا ہے کہ بائبل کی کتابیں خدا کا کلام ہیں۔ اس لئے ہمارے لئے یہ جاننا مناسب ہوگا کہ کس نے ہمیں یہ بات بتائی، تاکہ ہمیں معلوم ہو کہ ہمیں اس پر کتنا بھروسا کرنا ہے۔ سو اس سوال کا جواب یہ کہ کوئی نہیں بتا سکتا کہ کس کے کہنے پر ہم اسے کلام الٰہی مانتے ہیں۔ سوائے اس کے کہ ہم خود ہی ایک دوسرے کو یہ باور کرائیں کہ یہ کلام الٰہی ہے۔ تاہم تاریخی طور پر واقعہ کچھ اس طرح ظاہر ہوتا ہے جب کلیسا کے قصہ گوؤں نے اپنا نظام قائم کر لیا تو انہوں نے جتنی تحریریں مل سکتی تھیں اکٹھی کر لیں پھر انہوں نے رائے شماری سے یہ فیصلہ کیا کہ اس مجموعہ کی کون سی کتابیں کلام الٰہی ہونی چاہئیں اور کون سی نہیں۔ انہوں نے متعدد کتابوں کو مسترد کر دیا۔ بعض کو مثلاً اپوکریفہ میں شامل کتابوں کو مشکوک قرار دے دیا اور وہ کتابیں جنہیں کثرت سے ووٹ ملے انہیں کلام الٰہی قرار دے دیا۔ اگر وہ کوئی اور فیصلہ کرتے تو اس وقت جتنے لوگ عیسائی کہلاتے ہیں ان کا ایمان کچھ اور ہوتا، کیونکہ عوام کا ایمان ارباب کلیسا کے ووٹ کے تابع ہے۔ یہ لوگ جنہوں نے یہ سب کچھ کیا کون تھے؟ ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ انہوں نے اپنے لئے کلیسیا کا عمومی نام اختیار کیا۔ اور ہم اس بارے میں بس اتنا ہی جانتے ہیں۔

(Thomas Paine: The Age of Reason, Paris and London , 1794, PP-10-11)

مکمل نیا عہد نامہ جس طرح ہمارے پاس آج موجود ہے، چوتھی صدی تک پوری طرح

نشوونما حاصل نہ کر پایا تھا۔ (Encyclopedia Americana vol. 3, P-651)

مختلف علاقوں میں مختلف اناجیل مقبول تھیں مثلاً انجیل، متی شام میں، لوقا یونان میں، اور مرقس روم میں مقبول تھی۔ (Daniel Rops: Jesus In His Times, P-28)

عہد عتیق کی کچھ کتابوں کو اپوکریفہ قرار دے کر رد کرنے والے یہود، اپوکریفہ میں سے کچھ کتابوں کو قبول کرنے والے کیتھولک پادریوں کی مجالس، اپوکریفہ کو رد کرنے والے پروٹسٹنٹ اور پال کے خطوط کے علاوہ باقی خطوط کو مسترد کرنے والے اسوری چرچ سب نے روح القدس کی رہنمائی کا دعویٰ کیا۔

(In Search of the Historic Jesus by Roddy and Sellier, P-12)

مستند کتابوں کی فہرستِ مسلمہ کی تدوین و تکمیل ایک خالصتہً انسانی عمل تھا، یہ ایک ایسا تاریخی ارتقاء تھا جس میں کئی صدیوں تک سب کلیسیا کتابوں کی مسلمہ فہرست کے بارے میں اختلافات کا شکار رہے۔

(F.G. Bratton: A History fo The Bible, P-234)

❁❁❁

تحقیق بائبل

بائبل کی کتابوں کے مصنفین، سن تالیف، استنادی حیثیت، کیتھولک بائبل اور قاموس الکتاب کی روشنی میں

قاموس الکتاب میں مولف نے بائبل کی ہر کتاب پر تفصیلی تبصرہ کیا ہے جس میں ان کتابوں کے مصنفین، سن تالیف اور استنادی حیثیت کے بارے میں بھی لکھا ہے۔ ہر کتاب کے بارے میں فاضل مؤلف کے خیالات کا نچوڑ مندرجہ ذیل ہے۔ اس کے علاوہ کیتھولک بائبل میں ہر کتاب کے شروع میں تعارفی نوٹ ہے۔ جس سے متعلقہ اقتباس بھی اس میں شامل ہے۔

پرانا عہد نامہ

کتاب پیدائش: (پرانے عہد نامے کی بنیاد ابراہام سے عہد (پیدائش 17:1-11) موسیٰ سے عہد (خروج 19:1-7) کہانت کا دائمی عہد (گنتی 25:12-13)

اس کتاب کے مصنف کی بابت اس کتاب میں کوئی اشارہ موجود نہیں۔ موسیٰ پیدائش کی کتاب کے مصنف سے زیادہ ایک اور مولف اور مدیر (Editor) تھا۔ باب 1 تا 11 کی تاریخی سند خصوصاً دشوار ہے۔ یہ امر ہمیشہ مدنظر رکھنا چاہیئے کہ بائبل کے بیشتر مندرجات تحقیقات کے دائرے سے باہر ہیں۔

(قاموس الکتاب، ص: 214-215)

2۔ خروج

اس کتاب کا متن غیر معمولی طور پر سہو کاتبین سے پاک ہے۔ کبھی کبھی بعض حروف ساقط ہو گئے ہیں۔ خاص طور پر ہندسوں کو نقل کرتے وقت غلطیاں سرزد ہوئی ہیں......وہ (یہودی) کوئی مہذب قوم نہ تھے۔ (قاموس، ص: 373)

3۔احبار

مصنف کے بارے میں کوئی تبصرہ نہیں کیا۔(قاموس،ص:31-32)

چونکہ تورات کی پانچوں کتابوں کے مصنف کے متعلق حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا لہٰذا اس کا مصنف بھی نامعلوم ہی ہے۔یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ ساری کی ساری پانچوں کتابیں ہیں جیسی کہ وہ اس وقت موجود ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تحریر کی تھیں۔ (بائبل کا الہام،ص:190)

4۔گنتی

فی زمانہ کئی علماء اس روایت کی صحت کے بارے میں متردد ہیں کہ موسیٰ ہی اس ساری کتاب کے مصنف ہیں۔مختلف مندرجات موسیٰ کے بعد کے ایام کے معلوم ہوتے ہیں مثلاً (4:21,32:15,3:12)

ان امور کے پیش نظر یہ ممکن ہے کہ یہ قوانین وضوابط ارتقاء کے عمل سے گزرے ہوں اور بدلتے ہوئے حالات سے انہیں ہم آہنگ کرنے کے لئے گاہے بگاہے ان میں ترامیم کی گئی ہوں۔یہ مفروضہ بھی قائم کیا جا سکتا ہے کہ ان قوانین اور قصوں کو قلم بند کرنے کا آغاز موسیٰ علیہ السلام کے ایام میں ہی ہو چکا تھا۔(قاموس،ص:841)

5۔استثناء

بے شک یہ امر واقع ہے کہ آخری دو ابواب اس (موسیٰ) کی وفات کے بعد اس میں شامل کئے گئے

(قاموس،ص:45)

میرا تبصرہ

یہ ابواب اتنے لمبے عرصہ کے بعد شامل کئے گئے کہ موسیٰ علیہ السلام کی قبر بھی لوگوں کو معلوم نہ رہی تھی۔(استثنا:6:34)

انداز خطاب

کبھی تو وہ (موسیٰ) براہ راست اسی اگلی پشت سے خطاب کرتا ہے اور کبھی پچھلوں سے (ص:46)

6۔یشوع

کتاب کا نام کتاب کے مرکزی کردار خدا کے بندہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جانشین یوشع علیہ السلام سے

منسوب ہے۔کتاب لکھتے وقت یوشع کی تحریروں سے کام لیا گیا۔ (کیتھولک بائبل،ص:235)

7۔قضاۃ

سن تالیف نامعلوم۔مصنف نامعلوم (قاموس الکتاب،ص:752-753۔کیتھولک بائبل،ص:263)

8۔روت

یہ نقادوں کے لئے ایک معمہ ہے کیونکہ ایوب کی طرح اس میں بھی مصنف کے متعلق کوئی اشارہ نہیں ملتا۔روایتی طور پر اسے سموئیل سے منسوب کیا جاتا ہے۔ (ایضاً ص:444)

9-10۔سموئیل 1،2

مصنف یا مصنفوں کا کوئی واضح ذکر نہیں ملتا۔تواریخ نمبر 1، 29:29 سے ظاہر ہے کہ اسے سموئیل، ناتن اور جاد کی مشترکہ تصنیف کہا جا سکتا ہے۔ (قاموس،ص:541)

11+12۔سلاطین

دونوں کا مصنف گمنام ہے۔ (قاموس،ص:524)

13+14۔تواریخ

یہودی روایات کے مطابق یہ عزرا کی تصنیف ہیں۔غالباً 450 ق م میں مکمل ہوئیں۔مصنف کو بار بار تاریخ نویس لکھا ہے۔ (ص:264)

ان کتابوں کا کوئی مصنف (نامعلوم۔ازمولف) لاوی سمجھا جاتا ہے۔(کیتھولک بائبل،ص:439)

15۔عزرا

روایت کے مطابق عزرا خود اس کا مصنف ہے لیکن بعض اس کا سن 330 ق م بتاتے ہیں۔تاہم عزرا اس کا آخری مولف نہ بھی ہو تو ابواب 7 تا 9 اسی کی تحریر ہے کیونکہ وہ اس حصے میں صیغہ واحد متکلم میں کلام کرتا ہے۔ (قاموس،ص:644)

جبکہ عزرا 7:6 میں صیغہ غائب ہے اور کوئی اور اس کا حال بیان کرتا ہے۔

اگر عزرا کی اپنی کتاب بھی پوری اس کی تصنیف نہیں ہے تو تواریخ اسکی تصنیف کیسے ہوگئی؟

کیتھولک بائبل کے مطابق اس کا مصنف وہی لاوی تھا جو تواریخ کا مصنف ہے۔(ص:511)

16۔نحم یاہ۔ بلاتبصرہ

17۔آستر

بعض یہودی مُردکی کو اس کا مصنف قرار دیتے ہیں۔32,20:9 میں ایسا اشارہ بھی ملتا ہے۔لیکن جس طرح 2:10 اور غالباً 1:6 میں ذکر ہے اس کے زیادہ تر مندرجات شاہی روزنامچہ کا حصہ نظر آتے ہیں۔اور خدا کے نام کا آستر کی کتاب میں ذکر نہ ہونے کی وجہ بھی یہی ہوسکتی ہے۔بعض معترض یہ سمجھتے ہیں کہ مصنف 6,5:2 میں 597 ق م میں مُردکی کو اسیر کر کے لے جانے کا جو واقعہ بیان کرتا ہے وہ سراسر غلطی پر مبنی ہے۔کیونکہ اس وقت تک اسکی عمر 120 برس سے بھی زائد بنتی ہے۔اس گتھی کو سلجھانے کے لئے ہمارے پاس ایک اصول ہے کہ ہم اس ترجمے کو ترجیح دیں جو معقول ہو۔اس لحاظ سے ہم عبرانی متن کی رعایت سے چھٹی آیت کے بیان کو مُردکی کی بجائے اس کے پردادا قیس سے منسوب کرسکتے ہیں۔(قاموس،ص:4-5)

ہمارے دو سوال

(i) کیا شاہی روزنامچہ کلامِ خدا ہوسکتا ہے؟

(ii) کیا مُردکی کا پردادا اس وقت زندہ تھا؟

اس کتاب کا زمانہ تصنیف 465 ق م بنتا ہے...... یہ بھی غور طلب ہے کہ آستر کی کتاب کے یونانی نسخوں میں 107 آیات زائد ہیں۔ان میں ایسے حوالے بھی ہیں جن میں خدا کا نام بھی پایا جاتا ہے، نیز ان میں اس کی تاریخ تصنیف 114 ق م درج ہے۔ (قاموس،ص:4)

18۔ایوب

کتاب کا مصنف نامعلوم ہے......سادہ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے پاس کوئی ایسی خارجی دلیل نہیں ہے جس کی بنیاد پر ہم وثوق سے اس کے سن تصنیف یا مصنف کے متعلق کوئی دعویٰ کرسکیں (قاموس،ص:11)

19۔زبور

کم از کم 73 کے قریب زبور داؤد، سے منسوب کیے جاتے ہیں......متعدد زبوروں کے بارے

میں شک ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ داؤد کے نہیں ہو سکتے ہیں۔ (قاموس،ص:469)

20۔امثال

باب 1 تا 7 کے متعلق لکھا ہے کہ ''ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان ابواب کا مصنف گمنام ہے۔(ص:82)

21۔واعظ

اگر چہ مصنف یہ کہتا ہے کہ وہ اسرائیل کا بادشاہ رہا ہے (12:1) اور اس کے خطاب کا انداز یوں ظاہر کرتا ہے کہ وہ سلیمان علیہ السلام تھا لیکن وہ کہیں بھی اپنے نام کا ذکر نہیں کرتا......ہم اس کتاب کی بابت وثوق سے کچھ بھی نہیں کہہ سکتے کہ موجودہ شکل میں کب مرتب کی گئی کیونکہ اس میں کوئی بھی واضح تواریخی اشارہ نہیں ملتا۔ (ص1061)

22۔غزل الغزلات

اس نظم کو روایات میں سلیمان علیہ السلام سے منسوب کرنے کا سبب وہ حوالے ہیں جن میں اس کا ذکر ہے ۔ بابا بتھرا کی یہ رائے ہے کہ غزل الغزلات کو حزقیاہ کے کاتبوں نے لکھا......بعض فارسی یا یونانی مستعار الفاظ اور بہت سے ارامی طرز کے لفظوں اور محاوروں کا وجود اگر اس کی اصل تالیف کو نہ سہی کم از کم تدوین کو سلیمان کے بعد کے عہد کا ضرور بتاتا ہے......اس نظم کی تفسیروں کا ایک انبار ہے جن میں علماء کے درمیان اس کے اصل معانی اور مقصد پر کوئی اتفاق رائے نہیں پایا جاتا۔ (قاموس،ص:684)

23۔یسعیاہ

یہ کتاب اعلیٰ شاعری، مسیحانہ روشن مستقبل، امید کی نبوت اور تسلی سے عبارت ہے۔

(کیتھولک بائبل،ص:858)

اگر یسعیاہ علیہ السلام کو بادشاہ منسے کے حکم سے آری سے چیر دیا گیا تھا تو انکی کتاب کیسے محفوظ رہ گئی؟

24۔یرمیاہ

اس کی نبوتوں کی کتاب عبرانی اور یونانی زبان میں موجود ہے لیکن نبوتوں کی ترتیب میں فرق ہے۔

(کیتھولک بائبل،ص:918)

اگر یرمیاہ علیہ السلام یہودیوں نے سنگسار کر دیا تھا تو ان کی کتاب کیسے محفوظ رہ گئی؟

25۔نوحہ

نوحہ کی کتاب کا مصنف اگرچہ گمنام ہے تو بھی ہفتادہ ولگاتا اور یہودی روایات میں اسے یرمیاہ نبی سے منسوب کیا گیا ہے۔ (قاموس،ص:1050)

26۔حزقی ایل علیہ السلام

اس نے غیر ملک میں وفات پائی یا شہید کیا گیا۔ (کیتھولک بائبل ص 1004)
اگر ان کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا تو ان کی کتاب کیسے محفوظ رہ گئی؟

27۔دانی ایل

تنقید جدید کے فاضل اس کتاب کے چھٹی صدی ق م میں دانی ایل کے ہاتھوں مرتب کیے جانے کے منکر ہونے میں متفق الرائے ہیں۔ یہ نقاد دعویٰ کرتے ہیں کہ اس کتاب کو گمنام مصنف نے 165 ق م کے قریب مرتب کیا تھا۔(قاموس،ص:389) دانی ایل نبیوں کے زمرے میں نہیں آتا (ص 390)

28۔ہوسیع

ہوسیع کے متعلق وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ وہ شمالی سلطنت کا باشندہ تھا۔ یہ شمالی علاقہ کا واحد نبی ہے جس کی تصنیف زمانے کی دست برد سے محفوظ رہ گئی ہے۔ اندازہ ہے کہ وہ ایک نانبائی تھا، کاشتکاری سے متعلق امور کے تذکرہ سے گمان غالب ہے کہ اس کا تعلق زمینوں سے بھی تھا۔ وہ اپنی بیوی سے بے پناہ محبت کرتا نظر آتا ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ ہوسیع کی کتاب محبت کی وہ داستان ہے جو تشنہ کام ہی رہی لیکن اس نے اس المیے میں خدا کو پالیا۔ (قاموس،ص:1086)(گویا داستان ہیر رانجھا)

تفسیر کی مشکلات کے تحت لکھا کہ ابواب 1 تا 3 مختلف تفسیروں کی آماجگاہ بنے رہے ہیں۔ ہوسیع کے بیاہ کو ایک رؤیا، ایک تمثیل اور ایک تاریخی حقیقت کے طور پر سمجھا گیا ہے۔ (1087)

29۔یوایل

ایک نبی، اس کے باپ کا نام فتوایل تھا۔ وہ انبیائے اصغر کی دوسری کتاب کا مصنف تھا۔ اس کی شخصیت، زندگی اور زمانہ کے متعلق ہم کچھ نہیں جانتے۔ (قاموس 1156-1157)

میرا سوال: تو پھر اس کے نبی ہونے کا کیسے پتہ چلا؟

30۔عاموس

عاموس کی تحریروں کے علاوہ اس کے متعلق معلومات کا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے۔وہ گولر(انجیر سے مشابہ ایک درخت اور اس کا پھل) کا پھل بٹورنے والا تھا۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عاموس نے انبیاء کے طبقہ کے درمیان پرورش نہیں پائی تھی۔نہ ہی اس نے کسی انبیاء کے مکتب یا حلقہ میں تربیت پائی تھی۔ہمارے پاس اس امر کا اندازہ کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ اس کے سامریہ سے اپنے وطن یہوداہ کو لوٹ جانے پر مجبور ہونے تک اس نے کتنا عرصہ وہاں منادی کی۔ (قاموس ص622)

31۔عبدیاہ

عبدیاہ نبی کا تعلق غالباً یہودا کی سلطنت سے تھا۔اس کی زندگی کے متعلق بائبل میں براہ راست بیان نہیں ہے۔تالمود کی روایات، کہ وہ ادومی تھا لیکن اس نے یہودی مذہب اختیار کرلیا قرین قیاس نہیں ہیں۔
(قاموس،ص:626)

طرز تحریر

قطعیت کا رنگ دینے کے لئے نبوتوں میں فعل ماضی کا استعمال کیا گیا ہے۔اس نے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ خدا کی عدالت اتنی یقینی ہے کہ گویا وہ ہو چکی ہے۔ (ص:627)

32۔یوناہ

کتاب میں سے مصنف کے متعلق کوئی اشارہ نہیں ملتا۔یہ یوناہ کی اپنی تصنیف بھی ہوسکتی ہے لیکن کتاب میں کہیں بھی صیغہ متکلم کا استعمال نہیں ہوا۔اگر یوناہ علیہ السلام اس کا مصنف نہیں تو اس کے مصنف کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا۔کتاب کی اصلیت ایک متنازعہ فیہ موضوع ہے۔ (قاموس الکتاب،ص:1182)

یہ کہانی ایک تاریخی شخصیت یوناہ ابن متی سے منسوب ہے جبکہ مذکورہ بالا حکایات کے کردار ہم نام ہیں۔بے شک یہودی روایات میں اس کتاب کو تاریخ کا درجہ دیا گیا ہے۔ (قاموس،ص:1183)

33۔میکاہ

میکاہ نبی کے متعلق ماسوا اسکی کتاب کے جو اس کے نام سے کہلاتی ہے ہم اور کچھ نہیں جانتے
(ص:987)

بعض جدت پسند علماء کے نزدیک صرف 2:1 تا 10:2 اور ابواب 5,4 کے بعض حصے میکاہ کی تصنیف ہیں۔

طرز تحریر

کسی بھی کلام کے طرز تحریر کی تنقید پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا کیونکہ موضوع کے بدلنے کے ساتھ ساتھ طرز تحریر بھی خوانخواہ بدل جاتا ہے۔ (ص:988)

34۔ ناحوم

ناحوم نبی القوش کا باشندہ تھا۔ جو غالباً یہوداہ میں واقع تھا۔ اس نبوت کے صحیح سن کا تعین کرنا مشکل ہے۔ (قاموس، ص:995)

35۔ حبقوق

حبقوق نبی کے متعلق معلومات اتنی محدود ہیں کہ اس کے متعلق جو کچھ بھی لکھا گیا ہے وہ محض داخلی شہادت یا ظن و تخمین پر مبنی ہے...... اس کتاب کی وحدت، مصنف اور سن کے متعلق کوئی متفقہ رائے موجود نہیں ہے۔ (قاموس، ص:318)

36۔ صفن یاہ

قاموس الکتاب کے مطابق یہ صفن یاہ نبی کی تصنیف ہے۔ (قاموس، ص:594)

37۔ حجی

عزرا 5:1،2 کے علاوہ حجی کی کتاب کے باہر اس کا نام کہیں نہیں ملتا۔ (قاموس، ص:319)
یعنی غیر معروف تھے۔

38: زکریا

ابواب 1 تا 8 تک زکریا کو ہی مصنف قرار دیا گیا ہے۔ ابواب 9 تا 14 کا مسئلہ زیادہ پیچیدہ ہے۔ متعدد علماء کا خیال ہے کہ یہ ابواب نہ تو زکریا سے منسوب کیے جا سکتے ہیں اور نہ ان میں کوئی وحدت پائی جاتی ہے۔ زکریا اور ملاکی میں تین گمنام نبوتیں شامل کی گئی ہیں۔ (قاموس، ص:480)
کتاب کی وحدت کو ثابت کرنا ممکن نہیں ہے۔ (قاموس، ص:481)

39۔ ملا کی

کئی علماء نے ہفتادی ترجمہ کی پیروی میں یہ رائے قائم کی ہے کہ مصنف کے نام کا ذکر کہیں نہیں ہے
(قاموس، ص:949)

کتاب کے صحیح سن تصنیف کا اندازہ لگانا تو مشکل ہے لیکن یہ ممکن ہے کہ یہ نحم یاہ کے سوسن کے دورے کے دوران مرتب کی گئی ہو۔ (قاموس، ص:949)

❁❁❁

نیا عہد نامہ

مصنفین ،سنِ تالیف ، استنادی حیثیت ، کیتھولک بائبل اور قاموس الکتاب کی روشنی میں

(نئے عہد نامے کی بنیاد: عہد کا خون (28:26) پال کے خطوط کی عبارت مثلاً (عبرانیوں 15:9 ۔22) یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ ان اناجیل کے مصنفین کون تھے کیونکہ خود ان کتابوں میں لکھنے والوں کے نام نہیں دیے گئے ۔ (کتاب مقدس مطالعاتی اشاعت ،ص 1733)

یہ امر باعث حیرت ہے کہ مسیح کی اپنی انجیل کہاں گئی جس کا ذکر 2 ۔تسالینیکیوں 8:1 ، (کیتھولک) مرقس 15:16 ، میں ہے اور یہ کہ پال کے خطوط اناجیل سے پہلے لکھے گئے مگر بعد میں لگائے جاتے ہیں ۔

1 ۔متی

جدت پسند علماء اس روایت کو قبول کرنے سے ہچکچاتے ہیں کہ اس انجیل کا مصنف متی رسول تھا کیونکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ متی رسول نے ایک ایسے رسالے (مرقس کی انجیل) کو بطور ماخذ استعمال کیا جس کا مصنف رسول نہیں تھا ۔ صاف ظاہر ہے کہ متی نے مرقس کی انجیل کو تقریباً تمام کی تمام اپنی انجیل میں شامل کیا ہے ۔ (قاموس ،ص :878)

اس انجیل کی بڑی مشکلات میں سے ایک یہ ہے کہ اس میں یسوع مسیح موسوی شریعت کو درست قرار دیتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی وہ بعض اوقات اس کے خلاف کام کرتے بھی نظر آتے ہیں اور یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ وہ اسے پورا کر رہے ہیں ۔ (قاموس ،ص :880)

یہ ارامی زبان میں لکھی گئی باقی یونانی زبان میں لکھی گئیں ۔ (کیتھولک بائبل ،ص :1 ، نیا عہد نامہ)

متی کی انجیل 80 تا 90 ء میں لکھی گئی ، یہ انجیل خاص طور پر یہودیوں کے لکھی گئی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت سے بخوبی آگاہ تھے ۔ (کیتھولک بائبل ،ص :1)

2 ۔ مرقس

یہ انجیل روم میں 65 ء تا 70 ء میں لکھی گئی ۔ یہ انجیل مختصر مگر پہلی تحریری انجیل ہے ۔

(کیتھولک بائبل،ص:41)

اس نے رومیوں کی خواہش پوری کرنے کے لئے لکھی۔ (کیتھولک بائبل،ص:1)

یہ انجیل اپنے مصنف کے بارے میں کچھ نہیں بتلاتی۔ روایت کے مطابق اس کا مصنف مرقس ہے جو کہ پطرس رسول کا ہم خدمت یا مترجم تھا۔ (قاموس،ص:899)

یہ صاف ظاہر ہے کہ مصنف نے جو اگرچہ خود رسول نہیں تھا جو کچھ بیان کیا اس سے خود اس کا بڑا نزدیکی تعلق تھا۔ (قاموس،ص:900)

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ مرقس نے خداوند یسوع مسیح علیہ السلام کو یہوواہ کے خادم کے طور پر پیش کیا جبکہ متی انہیں بطور بادشاہ، لوقا بطور انسان اور یوحنا بطور خدا کا بیٹا پیش کرتے ہیں۔ (قاموس،ص:901)

یعنی وہ مسیح علیہ السلام کے منہ سے وہی بات کہلواتے ہیں جو ان کے اپنے ذاتی نظریہ کے مطابق ہوتی ہے لوگ کس پر یقین کریں۔ مسیح کی اصطلاح اس انجیل میں 7 مرتبہ استعمال ہوئی ہے اور کسی ایک مقام پر بھی یسوع نے اسے خود اپنے لئے استعمال نہیں کیا۔ (قاموس،ص:901)

مرقس کا منبع انجیل Q ہے جو گم شدہ ہے۔ آخری باب 9:16 تا 20 الحاقی ہے۔

3۔لوقا

لوقا کی انجیل 85 تا 95ء میں لکھی گئی۔ مقدس لوقا غیر یہودی اور پولوس رسول کا ساتھی تھا۔ اس نے یہ انجیل غیر یہودیوں کے لئے لکھی تھی۔ (کیتھولک بائبل،ص:65)

تیسری انجیل اور اعمال کی کتاب کا مصنف لوقا ہے۔ موخر الذکر کتاب سے ظاہر ہوتا ہے کہ لوقا پولس رسول کا جلیس اور ہم خدمت تھا۔ لوقا غیر یہودی نومرید تھا۔ (قاموس،ص:865)

خود پولوس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ان کی زمینی زندگی کے دوران دشمن رہا۔ لہٰذا استاد شاگرد دونوں کی استنادی حیثیت کچھ نہیں رہتی۔ خود لوقا سے کہتا ہے کہ اس نے یہ باتیں کسی سے دریافت کر کے لکھی ہیں۔ اس وقت کوئی بھی وثوق سے نہیں کہہ سکتا کہ لوقا نے مرقس کی انجیل کے علاوہ اور کون کون سے ماخذ استعمال کئے اور نہ کوئی یہ یقین سے بتا سکتا ہے کہ لوقا کی انجیل اور متی کی انجیل میں کیا رشتہ ہے۔

4۔یوحنا کی انجیل

90ء سے 100ء میں لکھی گئی۔ یوحنا یسوع مسیح کی زندگی اور کلام کو متی، مرقس اور لوقا کی انجیل سے

مختلف انداز میں بیان کرتا ہے۔ (کیتھولک بائبل، ص:106)

متن کے مسائل کے تحت لکھا ہے کہ باب 21 ایک خاص مسئلہ پیش کرتا ہے۔ اکثر علماء کے نزدیک سے مصنف نے بعد میں لکھا یا بعد میں کسی اور نے شامل کر دیا۔ (قاموس، ص:1166)

مصر سے عہد جدید کے جو نسخے ملے ہیں وہ تصدیق کرتے ہیں کہ یوحنا کی انجیل 150 سے پہلے موجود تھی۔ (قاموس، ص:1167)

انیسویں صدی کے آخر میں اس نظریہ کو کہ چوتھی انجیل کا مصنف یوحنا رسول تھا مندرجہ بالا خارجی شہادتوں اور اندرونی شہادتوں کی بنا پر تقریباً سب نے قبول کر لیا۔ وہ علماء کہتے ہیں کہ اس انجیل کو کسی یہودی نے، کسی فلسطینی یہودی نے کسی چشم دید گواہ نے، کسی رسول نے اور خاص طور پر یوحنا رسول نے لکھا۔

(قاموس، ص:1167)

میرا سوال: 1800 سال تک اس انجیل کا مصنف متنازعہ رہا۔ اب بھی یقین نہیں کہ کون ہے؟

اناجیل میں بعض حقیقی مشکلات پائی جاتی ہیں۔ (قاموس، ص:1168)

مشہور عیسائی عالم اوریجن کہتا ہے اناجیل میں اتنے اختلافات ہیں کہ ان سے آدمی کا سر گھومنے لگ جاتا ہے۔ (بائبل کا الہام، ص:83 ڈاکٹر پیٹرسن سمائتھ)

5۔ **رسولوں کے اعمال:** رسولوں کے اعمال کے مصنف کا نام معلوم نہیں۔ (مطالعاتی اشاعت، ص1734)

لوقا کی انجیل اور اعمال کی کتاب، دونوں تصنیفات کا مقصد تھیُفلُس نامی ایک شخص کو جو اس موضوع پر پہلے سے ہی کچھ نہ کچھ جانتا تھا، مسیحیت کے آغاز اور ارتقاء پر مستند اور مربوط معلومات فراہم کرنا ہے۔

کیتھولک بائبل میں اعمال کی کتاب کا سن تالیف جان بوجھ کر غلط لکھا ہے۔ وہاں اعمال کی کتاب کا سن تصنیف 62 تا 63ء لکھا ہے۔ اس کتاب کا پہلا فقرہ یہ ہے۔ اے تاؤفیلس میں پہلی کتاب میں وہ سب باتیں بیان کر چکا ہوں جو یسوع کرتا اور سکھاتا رہا۔ پہلی کتاب سے مراد لوقا کی انجیل ہے جس پر کیتھولک بائبل میں سن تصنیف 85ء تا 95ء لکھا ہے۔ اس طرح کیتھولک لوگوں نے کم از کم 40 سال کی مدت کا جھوٹ بولا۔ یہ انداز فریب دہی عیسائیت کا طرہ امتیاز ہے۔ قاموس الکتاب کے مطابق اس کی تاریخ تصنیف 93ء سے پہلے کی نہیں ہوسکتی۔ (قاموس، ص:66)

اس کتاب کولوقا کی تصنیف دوسری صدی کے بعد مانا گیا۔(قاموس،ص:67)

تھیفلس بھی ایک گمنام آدمی ہے۔قاموس میں لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ تھیفلس ،دومطیان کے چچازاد فلادیس کلیمنس کا فرضی نام ہو۔ (قاموس،ص:66)

قاموس کے مطابق لوقا اپنی دونوں کتابوں میں یہ دکھانا چاہتا ہے کہ مسیحت شاہی نظم ونسق کے لئے کوئی خطرہ نہیں۔ (ص:67)

یعنی ہدایت والی بات کوئی نہیں،صرف جان بچانا فرض ہے۔لوقا کی تاریخ کی یہ دونوں تصنیفات اول اول مسیحی کلیساؤں سے کوئی تعلق نہ رکھتی تھیں۔یہ نہ تو ان میں سے کسی سے منسوب تھیں اور نہ ہی ان کے درمیان ان کی اشاعت ہوئی۔یہ خیال درست ہوسکتا ہے کہ یہ تصنیفات ہم عصر تجارتِ کتب کے ذریعہ عوام میں اور غیر قوم قارئین میں متعارف ہوئیں۔(قاموس،ص:68)

یہ بتانا مفید ہوگا کہ لوقا قلم بند کرتے وقت بہت سی باتوں کو نظر انداز کر دیتا تھا۔(قاموس،ص:781)

❀❀❀

رسولوں کے خطوط

پولوس نے 52ء تا 66ء، پطرس نے 62ء تا 63ء کے درمیان، یعقوب نے 60-61ء میں خطوط تحریر کیے۔ (کیتھولک بائبل، ص:178)

یہ تمام خطوط یونانی زبان میں لکھے گئے۔ یہ تمام خطوط اناجیل سے پہلے لکھے گئے مگر بعد میں لگائے گئے۔ ایسا ہی اناجیل کی ترتیب میں کیا گیا کہ مرقس کی انجیل سب سے پہلے لکھی گئی مگر ترتیب میں دوسرے نمبر پر ہے۔

یہ بات سب سے اہم ہے کہ پولوس کے تمام اقوال اور تحریریں خدائی الہام سے نہیں بلکہ خود اس نے اپنے طور پر لکھی ہیں۔ وہ خود لکھتا ہے "جو کچھ میں کہتا ہوں وہ خداوند کے طور پر نہیں بلکہ گویا بیوقوفی سے اور اس جرأت سے کہتا ہوں جو فخر کرنے میں ہوتی ہے۔" (2۔کرنتھیوں 17:11)

اس فقرے کو KJV میں یوں لکھا گیا ہے۔

That which I speak, I speak it not after the lord, but as it were foolishly, in this Confidence of boasthing (page 567, KJV- King James version)

RSV ص 174 پر بات بالکل واضح ہے۔

اس فقرے میں پولوس نے اپنی کسی بات کی تخصیص نہیں کی کہ فلاں بات میں اپنی طرف سے اور فلاں خدا کی طرف سے کہتا ہوں۔

گلتیوں کے نام خط 15:3 میں بھی وہ لکھتا ہے کہ میں انسان کے طور پر کہتا ہوں (یعنی خدا کی طرف سے نہیں بلکہ بطور انسان یہ لکھتا ہوں)

بلکہ اس نے عام کلیہ بیان کر دیا کہ میں ہر بات اپنی طرف سے ہی کہتا ہوں۔ اس کی تعلیم اتنی مشکل ہوتی تھی کہ پطرس حواری بھی اُسے مشکل کہتا تھا۔ (2۔پطرس 15:3-16)

پال کی تحریروں کے پس منظر کے طور پر یہ بھی یاد رہے کہ اسے آشوب چشم کے ساتھ ساتھ مرگی یا ملیریا کا عارضہ تھا اور اس کی شکل بگڑ گئی تھی۔ (قاموس، ص:293)

پال قاتل تھا۔ (اعمال:4:22،10:26-11)
اور ستانے والا اور بے عزت کرنے والا تھا۔(1۔تیمتھیس 13:1)
اس میں اس دور کے تین اہم عناصر یعنی یونانی ثقافت، رومی شہریت اور یہودی مذہب شامل تھے۔
(قاموس،ص:200)

وہ پیشے کے لحاظ سے درزی تھا۔ (قاموس،ص:73-205-219)
اس نے خط اپنے ہاتھ سے نہیں لکھے (قاموس،ص:293) اس نے خود لکھا کہ شیطان کا قاصد میرے مکے مارتا ہے۔یعنی اس پر شیطانی اثر تھا۔(2۔کرنتھیوں 7:12)
اس پر حواری شک کرتے تھے اور دوسری شرائط پر پورا نہیں اترتا تھا جو اعمال 21:1 تا 26 میں رسول چننے کے لئے پطرس نے مقرر کی تھیں۔(قاموس 436)وہ پیدائشی رومی تھا(583)دو دنیاؤں کا باشندہ تھا۔(727) پطرس کو مسیح علیہ السلام نے مقرر فرمایا تھا مگر پال نے اس کے سامنے اس کی مخالفت کی(808)
پال فریسی یہودی گملی ایل کا شاگرد تھا(836) اگر چہ پولوس نے مسیح علیہ السلام کے ساتھ مکاشفے میں ملاقات کا ذکر کیا مگر وہ خود ہی لکھتا ہے کہ شیطان بھی اپنے آپ کو نورانی فرشتہ کا ہم شکل بنالیتا ہے۔

(2۔کرنتھیوں 14:11)
اس پر قاموس کا مصنف ص 585 پر لکھتا ہے کہ ''اس لئے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ شیطان کے چیلے دل فریب بھیس میں اپنے کو پیش کرتے ہیں۔'' لہٰذا یہ یقینی بات ہے کہ شریعت کو منسوخ کرنے والی کفریہ بات شیطان نے پولوس کو مکاشفہ کے ڈرامہ میں سمجھائی اور وہ شیطان کے فریب کا شکار ہوگیا۔اس کا یہ ڈرامہ اعمال باب نمبر 3:9 تا 9،5:22 تا 11،12:26 تا 19 میں لکھا ہے۔
ڈرامہ کرنے کے فوراً بعد عرب چلا گیا (گلتیوں 17:1) تا کہ ان کے عقیدہ پر غور کرے۔(قاموس ص:201)
یہ بتانا مفید ہوگا کہ لوقا حالات قلم بند کرتے وقت بہت سی باتوں کو نظر انداز کر دیتا تھا۔(781)

6۔رومیوں کے نام خط

اگر چہ نئے عہد نامہ کی تاریخ اور خاص کر پولس کے خطوط کی تاریخ سے وابستہ مسائل ہمیں کسی خاص تاریخ کو مقرر کرنے سے روکتے ہیں تو بھی اس خط کی تاریخ تصنیف زیادہ صحت سے بیان کی جاسکتی ہے۔غالباً یہ خط 57ء تا 59ء کے درمیان لکھا گیا تھا۔(قاموس،ص:460)

اس خط کی اسناد کے بارے میں اور اس کے آخری باب پر متعدد علماء نے اعتراض کئے ہیں۔ (ص:461)

7-8۔کرنتھیوں کے نام خطوط

پہلا خط افسس میں غالباً 56ء میں لکھا۔(784) دوسرا خط اس کے ایک سال بعد لکھا(784)

9۔گلتیوں کے نام

یہ غالباً 52ء میں لکھا گیا۔(831)

10۔افسیوں کے نام

61-62ء میں رومہ کی قید سے افسیوں کو لکھا۔نہایت قدیم مسودوں میں لفظ ''افسس میں'' (1:1) میں موجود نہیں۔(قاموس،ص:70)

11۔فلپیوں کے نام

60-62ء میں رومہ میں اپنی قید کے دوران لکھا۔ (710)

12۔کلسیوں کے نام

رومہ میں قید کے دوران 60-62ء میں لکھا(801) ایک مرتبہ چند علماء نے یہ خیال ظاہر کیا کہ کلیسوں کی بدعت، عرفانیت تھی اور چونکہ عرفانیت منظّم صورت میں دوسری صدی میں ظاہر ہوئی، اس لئے کلیسوں کا خط نئے عہد نامہ کے زمانہ کے بعد کسی اور نے تحریر کیا۔ (801)

13-14۔تھسلنیکیوں کے نام

پہلے خط کے بارے میں کہا گیا کہ پولس کے کسی شاگرد نے 70ء کے بعد لوگوں میں آمدِ ثانی میں دوبارہ دل چسپی پیدا کرنے کے لئے اسے تحریر کیا۔(270)

اس کے مقابلہ میں دوسرے خط میں کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔(270)

15-16-17: تیمتھیس کے نام اور ططس کے نام

تنقید جدید نے پولس کے ان خطوط کے مصنف ہونے پر اس قدر اعتراضات کئے ہیں کہ اس تمام

سوال کو بانظر انصاف جانچنے کے لیے ابتدائی کلیسا کی تصدیق بڑی اہمیت اختیار کر لیتی ہے۔ یہ خطوط مارکونی کی مسلمہ فہرست تقریباً 140ء میں شامل نہیں تھے۔ ان میں سابقے اور لاحقے، ضمائر اور حروف جار بھی بہت کم استعمال ہوتے ہیں جو کہ پولس کی خصوصیت ہیں، اس بنا پر دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یہ خط پولس نے نہیں لکھے

(قاموس، ص:277)

صرف 1900 سال کا اقرار اور قائمیت (تواتر) خطوط کے اصلی ہونے کی دلیل ہے کہ ان خطوط کو پولس نے لکھا۔ (ص:277-276)

میرا سوال: اگر 1900 سال کا تواتر خطوط کے اصلی ہونے کی دلیل بن سکتا ہے تو پھر اپاکرفہ کو کن بنیادوں پر خارج کیا گیا کیونکہ کیتھولک ان کو اتنی ہی مدت سے الہامی مانتے چلے آرہے ہیں۔

18۔ فلیمون کے نام: بلا تبصرہ از پادری صاحب

19۔ عبرانیوں کے نام

مصنف کے بارے میں اورغین کا خیال تھا کہ ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ یہ کس نے لکھا۔ یہ صرف خدا ہی جانتا ہے۔ اریسمس، لوتھر، کالون نے بھی پولس کے مصنف ہونے پر اعتراض اٹھایا ہے۔ لوتھر کے خیال میں اس کا مصنف اپلوس ہے اور چند جدید علماء نے بھی اس پر صاد کیا ہے۔ (قاموس، ص:632)

لوتھر اس خط کو الہامی نہیں مانتا۔ (تحقیق بائبل مترجم طالب الدین، ص:30)

20۔ یعقوب کا عام خط

لوتھر اس خط کو الہامی نہیں مانتا تھا۔ (تحقیق بائبل، ص:30)

21۔ پطرس کا پہلا عام خط

آبائے کلیسیا کی شہادت کے بارے میں ایک مشکل پیش آتی ہے وہ یہ کہ متعدد ایسے بزرگ ہیں جن سے 1۔ پطرس کا ذکر کرنے کی توقع کی جاتی ہے مگر وہ نہیں کرتے۔ اس مسئلہ کا کوئی تسلی بخش حل نہیں ملا۔

(قاموس، ص:193)

پطرس کے مصنف ہونے کے بارے میں دیگر اعتراضات پر بھی غور کریں جن کا تعلق متن سے ہے۔

(ایضاً ص:192)

اس کے بعد قاموس کے مصنف نے دو صفحات میں اعتراضات لکھے ہیں۔

پطرس 13:5 میں بتاتا ہے کہ وہ یہ خط بابل سے تحریر کر رہا ہے۔ یہ بات کہ یہاں بابل سے کیا مراد ہے کافی امر متنازعہ بنا رہا ہے ایسا کوئی ریکارڈ نہیں کہ پطرس کبھی بابل گیا ہو (قاموس ص 194)

22۔ پطرس کا دوسرا عام خط

جدید علماء نے پطرس کے اس خط پر خارجی اور داخلی اسباب کی بنا پر شک وشبہ کا اظہار کیا ہے۔ غالباً خارجی اعتراضات سب سے سنگین ہیں۔ یہ سب سے آخر میں نئے عہد نامہ کی فہرست مسلمہ میں شامل کیا گیا۔ اورغین (اوریجن) وہ پہلا شخص تھا جس نے اسے پطرس کی تصنیف سمجھ کر اس کا اقتباس کیا لیکن ساتھ ہی وہ اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ کچھ لوگ اس کے بارے میں شک کا اظہار کرتے ہیں۔ بعض داخلی باتیں بھی معترضین کے لیے یقین کرنے کا باعث بنی ہیں کہ یہ خط پطرس کی تصنیف نہیں ہے۔ (قاموس ص196)

23-24-25۔ یوحنا کے خطوط

قیاس غالب یہی ہے کہ یوحنا نے اپنی پانچوں تحریرات آسیہ ہی میں قلم بند کی تھیں (قاموس، ص:1171) (یعنی یقین سے نہیں کہا جاسکتا) خطوط اور یوحنا کی دیگر تحریرات کے بارے میں کچھ مشکلات ایسی ہیں جن کا خاطر خواہ حل ابھی تک پیش نہیں کیا گیا۔ جیروم اور اس زمانہ میں بعض علماء نے اس سے اتفاق نہیں کیا کہ ان تینوں خطوط کا مصنف ایک ہی ہے۔ (قاموس، ص:1171)

26۔ یہودا کا عام خط

بعض علماء کے خیال کے مطابق خط کا مضمون غناسطیت کی تردید کرتا ہے اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ 150ء کے لگ بھگ لکھا گیا ہے۔ اگر یہ درست ہے تو پھر اس کا مصنف کوئی گمنام شخص ہے جس نے اسے یہوداہ کے فرضی نام سے لکھا، راسخ الاعتقاد علماء اس نظریہ کو اس بنا پر ردّ کرتے ہیں کہ اس طرح یہ خط جعلی ثابت ہوگا۔ (قاموس، ص:1186) (یہ پادری صاحب کی دلیل کی انتہا ہے۔)

نئے عہد نامہ کا ایک معمہ یہ ہے کہ یہوداہ کے خط کا زیادہ تر مواد وہی ہے جو 2۔ پطرس باب 2 کا ہے۔ (ص:1187)

لوتھر اس خط کو الہامی نہیں مانتا تھا۔ (تحقیق بائبل مترجم، طالب الدین، ص:30)

27- یوحنا عارف کا مکاشفہ

جس نبی نے مکاشفہ کی کتاب تحریر کی ہے وہ یوحنا رسول کے علاوہ کوئی اور نہیں تھا۔ لیکن بہت سے علماء اسے افسس کے ایک غیر معروف بزرگ بنام یوحنا سے منسوب کرتے ہیں۔ (قاموس، ص:945)

لوتھر نے کہا کہ میری طبیعت اس کتاب کو کبھی پسند نہیں کر سکتی۔ (تحقیق بائبل، مترجم طالب الدین، ص:31)

وہ اس کتاب کو الہامی نہیں سمجھتا تھا۔

فیصلہ کن بات

1- بائبل کے مرتبین کو مُلہم ثابت کرنا مشکل اور لغو بات ہے

(تحقیق بائبل مصنفہ ڈاکٹر ڈاڈز، ص:39۔ ترجمہ طالب الدین، ص:1911ء)

2- حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی انجیل کی تبلیغ کا حکم دیا تھا مگر وہ انجیل اب دنیا میں نہیں ہے۔ اسی انجیل پر مسلمان ایمان رکھتے ہیں۔ اس کا ذکر مرقس 15:16,9:14,10:13,29:10,35:8 میں ہے۔

3- پولس نے گلتیوں کے نام خط میں (8-7:1) میں خبردار کر دیا تھا کہ کچھ لوگ مسیح کی انجیل کو بدلنا چاہتے ہیں اور جو ایسا کرے گا ملعون ہوگا۔ ملاحظہ ہو کیتھولک ترجمہ اور انگریزی ترجمہ مثلاً RSV، KJV، گڈ نیوز بائبل جن میں Gospel of Christ کے الفاظ ہیں۔ چونکہ پال کے خطوط موجودہ اناجیل سے پہلے لکھے گئے ہیں اور موجودہ اناجیل میں سے کوئی بھی مسیح کی انجیل ہونے کا دعویٰ نہیں کرتی لہٰذا یہ سب کی سب ناقابل قبول اور غیر مستند اور غیر الہامی ہیں۔

4- لوگ صدیوں تک عہد جدید کی حدود کا تعین کئے بغیر بھی قانع رہے۔ اور انہوں نے اس کو کوئی بڑی اہم بات نہیں سمجھا۔ ان کے درمیان کتابوں کی قبولیت کی بابت بھی باہم اختلاف تھا۔ اور انہیں مسائل کی تائید میں پورے وثوق کے ساتھ نقل نہیں کرتے تھے۔

(ڈاکٹر پیٹرسن سمائتھ۔ بائبل کا الہام، اردو، ص:81)

5- موجودہ بائبل ترجمہ ہونے کی وجہ سے کلام خدا نہیں مانی جا سکتی۔

6- جب پال کے خطوط اناجیل سے پہلے لکھے گئے اور اناجیل میں مرقس پہلے لکھی گئی تو ان کو پال کے خطوط سے پہلے کیوں لگایا جاتا ہے۔ کیا اس بات کو چھپانے کے لئے کہ اناجیل پال کے خطوط

کے زیر اثر لکھی گئیں۔قرآن کو ترتیب نزولی پر مرتب کرنے کا مشورہ دینے والے پہلے اپنی بائبل کو ترتیب تصنیف کے مطابق کریں۔

حاصل مطالعہ از دیباچہ گڈ نیوز بائبل

تعارف: یہ ترجمہ 99 عیسائی علماء نے کیا جو کہ دنیا بھر کی بائبل سوسائٹیوں سے امریکہ میں اکٹھے کئے گئے تھے اور پاکستان بائبل سوسائٹی سے بھی ایک نمائندہ شامل تھا۔پہلے اس ترجمہ کے آخر میں ان مترجموں اور سوسائٹیوں کی فہرست ہوتی تھی مگر 1982ء کے بعد وہ ختم کر دی گئی۔

(ص:104,103,102،اسلام اور ردِعیسائیت از خود مولانا بشیر احمد حسینی،شورکوٹ)

1۔ جہاں عبرانی ذرائع تسلی بخش معانی معلوم نہ ہو سکے وہاں متن کو اٹکل پچو اور قیاس سے ترمیم کر دیا گیا۔

(دیباچہ،ص:vii)

اور اسے وہاں Probable Text (غالباً متن یہ تھا) کہہ کر لکھ دیا گیا (ix)

2۔ نئے عہد نامہ

دوسری مذہبی کتابیں اور اپوکرفہ کی کتابوں میں کچھ مقامات پر متن کے حاشیے دیئے گئے جہاں یونانی نسخوں میں نمایاں اختلافات تھے مثلاً متن میں اضافہ کیا گیا۔ (متی:43:21) متن میں کمی کی گئی۔ (متی 36:24) متبادل لفظ لکھے گئے۔ (مرقس 41:1)

3۔متبادل ترجمہ: بہت سے مقامات پر اصل متن کے ٹھیک ٹھیک معنی کا تنازعہ تھا اور دو یا زیادہ مختلف معانی ہو سکتے تھے۔ایسے مقامات کی مثالیں (پیدائش 9:2) (متی 11:6) ہیں۔

4۔ کچھ مقامات پر آیات کو دوبارہ ترتیب دیا گیا ہے اور دو زیادہ آیات کو ملا دیا گیا ہے مثلاً

(خروج 15:2-16،اعمال 21:1-22)

5۔ گڈ نیوز بائبل میں 6 کتابیں ایسی بھی اپوکرفہ میں شامل ہیں جو کیتھولک بائبل میں شامل نہیں ہیں۔

6۔ اپوکرفہ کے حوالے نئے عہد نامہ میں پائے جاتے ہیں تو پھر یہ غیر مستند کس طرح ہوا؟

(کیتھولک کلیسا کی بحثی تعلیم،دوسرا حصہ،ص:71)

❀❀❀

حاصل مطالعہ از دیباچہ
Revised Standard Version (RSV)

1۔ 19 ویں صدی کے وسط نئے دریافت ہونے والے نسخوں اور مطالعہ بائبل کی ترقی سے ثابت ہوا کہ جن نسخوں پر KJV مبنی تھا۔ ان کی وجہ سے KJV میں بھاری نقائص (Grave Defects) ہیں۔ (ص iii) یہ نقائص اتنے زیادہ اور سنجیدہ ہیں کہ انگریزی ترجمہ پر نظر ثانی ضروری ہے۔ (ایضاً) یاد رہے کہ KJV 1611ء میں ترجمہ ہوا تھا اور 1850ء تک عیسائی اندھیروں میں رہے۔

2۔ 1881ء تا 1901ء ایسے ترجمے شائع ہوئے جن میں متن میں تحریف کی گئی تھی۔ (ایضاً)

3۔ پہلا ترجمہ ولیم ٹنڈیل نے کیا تھا جس پر الزام لگایا گیا کہ اس نے دانستہ تحریف کی ہے اور سزا میں اسے اکتوبر 1536ء میں بمعہ ترجمہ سرعام جلا دیا گیا (ایضاً) RSV کا ترجمہ ٹنڈیل اور KJV کی روایت پر مبنی ہے۔ (ص:iv)

4۔ تمام تبدیلیاں جو RSV میں کی گئیں دو تہائی اکثریت سے کی گئیں (iv) نئے عہد نامہ کے بہت سے یونانی نسخے ہمارے سامنے تھے جو کہ مختلف متن کے حامل تھے۔ جہاں متن کو نقل کے دوران پہنچا تھا وہاں ہم نے مترجمین کی قوت فیصلہ پر انحصار کیا ہے (ص:iv)

5۔ اس ترجمہ میں بعض جگہ آپ عبرانی لفظ کے معنی روایتی معنوں سے بالکل مختلف پائیں گے (v)

6۔ جہاں دو متبادل معنی میں انتخاب مشکل یا مشکوک تھا وہاں متبادل ترجمہ حاشیہ میں دے دیا گیا۔ اگر ترجمہ کمیٹی کی رائے میں کوئی پیرا تحریف کی وجہ سے یا ہمارے کم علمی کی وجہ سے غیر واضح تھا تو اس کا اظہار حاشیہ میں کر دیا ہے۔ (v)

7۔ KJV ایک یونانی نسخہ پر مبنی تھا جو کہ 14 صدیوں کی غلطیوں کا مجموعہ تھا (v) اب ہمارے پاس اور بھی قدیم نسخے موجود ہیں جن کی مدد سے یونانی متن کی اصل عبارت دریافت کر سکتے ہیں (v)

8۔ پہلی طبع 1952ء کے بعد پڑھنے والوں کی نقطہ چینی کے بعد کمیٹی نے 1959ء میں RSV میں مزید تبدیلی کر دی (vi) متن میں دوبارہ شامل کئے گئے فقروں کی تفصیل ص:vii پر دی گئی ہے۔

متروک کتابیں

سرسید احمد خاں مرحوم نے اسفارِ مستترہ وہ کتابیں جنہیں کلیسیا نے متروک قرار دے کر انہیں چھپا دینے کا حکم دیا تھا، کی ایک فہرست مرتب کی تھی۔تبیین الکلام (3 جلد ۔شائع کردہ اخوت ۔اردو بازار، لاہور) اس کا مطالعہ اس ضمن میں خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

(الف) متروک اناجیل کی فہرست:

نمبر شمار	نام کتاب	انگلش مترادف
۱	انجیل طفولیت از متی	The Gospel of Christ by Mathew
۲	انجیل ولادت مریم	The Gospel of Birth of Mary
۳	انجیل یعقوب	The Prot-Evangelian of James
۴	انجیل نیقودیمس	The Gospel of Nicodemus
۵	انجیل پطرس	The Gospel of Peter
۶	انجیل یوحنا دوم	The 2'nd Gospel of Jhon
۷	انجیل اندریاس حواری	The Gospel of Andrew
۸	انجیل فلپ	The Gospel of Philip
۹	انجیل برتلمائی	The Gospel of Bartholomew
۱۰	انجیل توما حواری Q	The Gospel of St.Thomas
۱۱	انجیل طفولیت از توما (اول)	The Gospel of Infancy of Christ by Thomas 1
۱۲	انجیل طفولیت از توما (دوم)	The Gospel of Infancy of Christ by Thomas 2

The Gospel of Matthias	انجیل متیاس	۱۳
The Gospel of Marcus entitled the Egyptian Gospel	مصریوں کی انجیل ازمرقس	۱۴
The Gospel of Barnabas	انجیل برناباس	۱۵
The Gospel of Thaddeus	انجیل تذائی	۱۶
The Gospel of Paul	انجیل پولوس	۱۷
The Gospel of Apples	انجیل اپیلیس	۱۸
The Gospel of Basil ides	انجیل باسلیدس	۱۹
The Gospel of Cerinthus	انجیل سرنتھس	۲۰
The Gospel of Ebonite	ابیونی جماعت کی انجیل	۲۱
The Gospel of Encartites	انجیل اینکارٹائٹس	۲۲
The Gospel of Eve	انجیل حوّا	۲۳
The Gospel of Hebrews	عبرانیوں کی انجیل	۲۴
The Gospel of Jude	انجیل یہود	۲۵
The Gospel of Judas The Isqriot	انجیل یہوداہ اسکریوتی ☆	۲۶
The Gospel of Marcion	مرقیوں کی انجیل	۲۷
The Gospel of Merinthus	مرنتھس کی انجیل	۲۸
The Gospel of Nazarenes	ناصریوں کی انجیل	۲۹
The Gospel of Perfection	انجیل کاملیت	۳۰
The Gospel of Scythian us	انجیل سیتھی آنس	۳۱
The Gospel of Titan	طیطان کی انجیل	۳۲

۳۳	انجیل صداقت	The Gospel of Truth used by the valentinians
۳۴	ویلینٹی نس کی انجیل	The Gospel of valentinus

اعمال کی کتابیں

نمبر شمار	نام کتاب	انگریزی مترادف
۱	اعمال پطرس	The Acts of Peter
۲	اعمال یوحنا	The Acts of John
۳	اعمال اندریاس	The Acts of Andrew
۴	اعمال فلپس	The Acts of Philip
۵	اعمال توما	The Acts of Thomas
۶	اعمال متیاس	The Acts of Matthias
۷	اعمال پولوس (اول) ☆	The Acts of Paul or martyrdom of Thecla Part 1
۸	اعمال پولوس (دوم) ☆	The Acts of Paul or martyrdom of Thecla Part 2
۹	اعمال پولوس	The Acts of Paul
۱۰	اعمال حواریاں (ابیونی)	The Acts of Apostles made use of by the Ebionites
۱۱	اعمال حواریاں (لیوشس)	The Acts of Leucius
۱۲	اعمال حواریاں (لینٹی شس)	The Acts of Lentitius

۱۳	اعمال حواریاں (لیونٹی اس)	The Acts of Lemtitius
۱۴	اعمال حواریاں (لیوتھان)	The Acts of Leuthon
۱۵	اعمال حواریاں (مینی کیز)	The Acts of use by Manichees
۱۶	اعمال حواریاں (سلیوکس)	The Acts of Seleucus

کچھ متفرق کتب مختلف موضوعات پر مسیحی دنیا میں رائج تھیں۔ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

نمبر شمار	مقدسہ مریم سے منسوب کچھ کتب	انگلش مترادف
۱	کتاب پیدائش از مریم	The Book of Genesis by Mary
۲	کتاب مریم	The Book of Mary
۳	مسیح کے معجزات میں مریم کی کتاب	The Book of Miracles of Christ by Mary
۴	کتاب سوالات صغیر و کبیر مریم	The Book of Catechisms
۵	کتاب نسل مریم	The Book of Generation of Mary
۶	کتاب مریم انگشتری سلیمانی	The Book of entitled The solomon's of Mary
۷	وفات نامہ مریم از یوحنا	The death of Mary by john
۸	وفات نامہ مریم از یعقوب	The death of Mary by james
۹	نامہ مریم بنام اگناشی اس	The Epistle of Mary to Ignatius
۱۰	نامہ مریم بنام سلیان	The Epistle of Mary to Sicilyans
۱۱	روایات مریم	The Traditions of Mary

اب کچھ ان کتب کا حال جو کسی نہ کسی طرح پطرس کا نام لیتی ہیں۔

نمبر شمار	نام کتاب	انگلش مترادف
ا	مشاہداتِ پطرس (اول)	The First Revelation of Peter
۲	مشاہداتِ پطرس (دوم)	The Second Revelation of Peter
۳	مباحثہ پطرس	The Judgement of Peter
۴	مساحتِ پطرس	The Wanderings of Peter
۵	تعلیم پطرس	The Doctrine of Peter
٦	وعظِ پطرس	The Preaching of Peter
۷	مکاشفہ پطرس	The Visions of Peter
۸	نامہ پطرس بنام کلیمنس	The Epistle of Peter to Clemense

یوحنا سے منسوب کتابوں کی فہرست یہ ہے۔

نمبر شمار	نام کتاب	انگلش مترادف
ا	کتاب مساحت یوحنا	The book of wandering of john
۲	کتاب روایات یوحنا	The Tradition of John
۳	تذکرہ نزول مسیح از صلیب از یوحنا	The Particulars of Christ Desending grom Cross by John
۴	کتاب مکاشفہ دوم از یوحنا	The Second Revelation fo John
۵	نامہ یوحنا بنام ہیدرا بک	The Epistle of John of Hadrabuk

آدابِ نماز و دعا کے بارے مروج کتب حسب ذیل تھیں۔

نمبر شمار	نام کتاب	انگلش مترادف
۱	کتاب آداب نماز از پطرس	The Modes of Praying by Peter
۲	کتاب آداب نماز از یوحنا	The Modes of Praying by Jhon
۳	کتاب آداب نماز از متی	The Modes of Praying by Mathew
۴	کتاب آداب نماز از یعقوب	The Modes of Praying by James
۵	کتاب آداب نماز از مرقس	The Modes of Praying by Mark

چند متفرق کتابیں یہ تھیں۔

نمبر شمار	نام کتاب	انگلش مترادف
۱	کتاب عقائد حواریاں	The Book of Constitutions of the Apostle
۲	کتاب تعلیم حواریاں	The Book of Doctrines fo the Apostle
۳	کتاب روایات متھیاس	The Traditions of the Matthias
۴	ہرمس کا چرواہا	The Shepherd of Hermes
۵	احکامِ ہرمس	The commands of Hermes
۶	تماثیلِ ہرمس	The Similitude of Hermes
۷	ہلکیاتس کی کتاب	The Book of Helkesaites
۸	مکاشفہ سٹیفن	The Revelation of Stephen

۹	کتابِ مصائب وآزمائش از مرقس	The Passions of Mark
۱۰	کتابِ مکاشفہ ازتوما	The Book of Revelation of Thomas
۱۱	کتاب مساحت توما	The Book of Wandering of Thomas
۱۲	کتاب یعقوب (جیمس)	The Book of James
۱۳	مکاشفاتِ سرنتھس	The Recelation of Cerinthus

چند متفرق خطوط کی فہرست یہ ہے۔

نمبر شمار	نام کتاب	انگلش مترادف
۱	نامہ برناباس	The Epistle of Barnabas
۲	کلیمنٹ کا قرنتیوں کے نام پہلا خط	The 1'st Epistle of Clement to Corinthians
۳	کلیمنٹ کا قرنتیوں کے نام دوسرا خط	The 2'nd Epistle of Clement to Corinthians
۴	نامہ تھیم سن	The Catholic Epistle of Corinthians
۵	افسیوں کے نام نامہ اگناشیس	The Epistle of Ignatius to Ephesians
۶	میگنشیئز کے نام نامہ اگناشیس	The Epistle of Ignatius to Magnestians
۷	ٹریلیئز کے نام نامہ اگناشیس	The Epistle of Ignatius to Trallians
۸	رومیوں کے نام نامہ اگناشیس	The Epistle of Ignatius to Romans

۹	فلادلفیوں کے نام نامہ اگناشیس	The Epistle of Ignatius to Philadellphians
۱۰	سماریوں کے نام نامہ اگناشیس	The Epistle of Ignatius to Smyrnawans
۱۱	پولیکارپ کے نام نامہ اگناشیس	The Epistle of Ignatius to Polycarp
۱۲	پولیکارپ کا فلپیوں کے نام خط	The Epistle of Ignatius to Philippians

پولوس رسول سے منسوب کچھ کتب جواب اسفارِ متروکہ میں شمار ہوتی ہیں۔

نمبر شمار	نام کتاب	انگلش مترادف
۱	کتاب مکاشفات اول پولوس	The 1'st Revelation of Paul
۲	کتاب مکاشفات دوم پولوس	The 2'nd Revelation of Paul
۳	مشاہدہ پولوس	The Vision of Paul
۴	پولوس کی کتاب وعظ	The Preaching of Paul
۵	پولوس کی سانپ کے منتر کی کتاب	The book on the magical incantation of the snake by Paul
۶	پولوس کے پری سپتس	The Precepts of Paul
۷	پولس کا سینیکا کے نام خط اول	The 1'st Epistle of Paul to Seneca
۸	پولس کا سینیکا کے نام خط دوم	The 2'nd Epistle of Paul to Seneca
۹	پولس کا سینیکا کے نام خط سوم	The 3'rd Epistle of Paul to Seneca

The 4'th Epistle of Paul to Seneca	پولس کا سینیکا کے نام خط چہارم	۱۰
The 5'th Epistle of Paul to Seneca	پولس کا سینیکا کے نام خط پنجم	۱۱
The 6'th Epistle of Paul to Seneca	پولس کا سینیکا کے نام خط ششم	۱۲
The Epistle of Paul to Laodiceans	پولس کا لادکیوں کے نام خط	۱۳
The 1'st Epistle of Paul to Thessalonians	تسالونیکیوں کے نام پولوس کا خط اوّل	۱۴
The 2'nd Epistle of Paul to Thessalonians	تسالونیکیوں کے نام پولوس کا خط دوم	۱۵
The 3'rd Epistle of Paul to Thessalonians	تسالونیکیوں کے نام پولوس کا خط سوم	۱۶
The 1'st Epistle of Paul to Corinthians	قرنتیوں کے نام پولوس کا خط اول	۱۷
The 2'nd Epistle of Paul to Corinthians	قرنتیوں کے نام پولوس کا خط دوم	۱۸
The 3'rd Epistle of Paul to Corinthians	قرنتیوں کے نام پولوس کا خط سوم	۱۹
The Epistle of Paul in reply to that of the Corinthians	قرنتیوں کے جواب میں پولوس کا خط	۲۰

سرسید مرحوم کی دی گئی فہرست سے مندرجہ ذیل نتائج مرتب ہوتے ہیں۔

نمبر شمار	نتیجہ
۱	۴ مصدقہ اناجیل کے علاوہ ۳۴ مزید اناجیل موجود ہیں۔
۲	اعمال کی موجودہ کتاب کے علاوہ ۱۶ مزید اعمال کی کتب موجود ہیں۔
۳	مکاشفہ کی کتاب کے علاوہ کم از کم ۱۰ مزید کتب مکاشفات کے نام سے موجود ہیں۔
۴	مختلف مقدس ہستیوں کے خطوط بشمول پولوس ۳۰ مزید خطوط موجود ہیں۔☆
۵	مریم سے منسوب ۲ خط منہا کر کے ۹ مزید کتب موجود ہیں۔
۶	آداب نماز و دعا کے نام سے ۵ کتب رائج رہیں تھیں۔☆۲
۷	پولوس کے خطوط اور مکاشفات کے علاوہ ۳ کتب موجود ہیں۔☆۳
۸	پطرس کے خطوط اور مکاشفے منہا کر کے ۳ کتب موجود ہیں۔
۹	مساحت (خانہ بدوشی) کے نام سے مختلف بزرگوں کی ۴ کتب موجود ہیں۔
۱۰	بقیہ سب کتب کو اگر متفرق شمار کیا جاتے تو یہ تعداد ۱۱ ہے۔ (کتبِ روایات، وعظ وغیرہ)

☆1۔ اکیلے پولوس کے متروک خطوط کی تعداد 14 ہے۔

☆2۔ کیونکہ انہیں خطوط میں شمار کرلیا ہے۔

☆3۔ خطوط اور مکاشفے اپنے اپنے محل پر تیار ہو چکے ہیں۔

یہاں یہ بات مدِ نظر رکھنی چاہیے کہ اس فہرست سے نتیجہ نکالنا کہ انہی کتابوں سے عہد نامہ جدید مرتب ہوا تھا، کسی طور درست نہیں ہو سکتا۔ ان کے علاوہ اور کتب بھی موجود ہیں، جن کے متعلق یہ دعویٰ کیا جاتا تھا کہ انہیں خود یسوع ضبط تحریر میں لائے تھے۔ ان کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

نمبر شمار	نام کتاب	انگلش مترادف
۱	یسوع مسیح کا ابگر بادشاہ کے نام خط	The Epistle to Abgarus
۲	یسوع مسیح کا پطرس و پولوس کے نام خط	The Epistle to Paul & Peter
۳	کتاب تمثیلات و وعظ	The book of Proverbs & Preaching
۴	مسیح کی مناجات کی کتاب	A Hymn taught by Christ to his Disciples
۵	کتاب السحر	The Book of Magic
۶	کتاب پیدائش مریم	The Book on the birth of Christ, Mary, & her nurse
۷	ایک خط جو مانی کیز یسوع کے نام سے استعمال کرتے تھے	An Epistle of Christ produced by Manichees
۸	نامے جو آسمان سے گرے☆	Epistle of Christ which fell down from Heaven directed to Priest Leoopas in the city of Eras.

☆ ان خطوط کے متعلق یہ دعویٰ کیا جاتا تھا کہ انہیں مسیح نے آسمان سے لکھ کر ارسال کیا تھا۔

❀❀❀

بائبل کے گم ہونے کی زمانی ترتیب

1۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خدا نے ایک صندوق بنانے کا حکم دیا جس میں تورات رکھی جائے گی (خروج:25:21-22)

2۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب شریعت کی باتوں کو ایک کتاب میں لکھ چکے تو فرمایا اس شریعت کی کتاب کو لے کر خدا کے عہد کے صندوق کے پاس رکھ دو۔ (استثنا 31:24 تا 27)

3۔ شریعت کی اس کتاب کی نقل بادشاہ کو اپنے پاس رکھنے کا حکم دیا۔ (استثنا 18:17)

4۔ خدا کا صندوق چھن گیا (1۔سموئیل 11:4، 17، 21، اور باب نمبر 5-6)

5۔ خدا کا صندوق سات ماہ تک فلستیوں کے ملک میں رہا۔ (ایضاً 1:6)

پھر بیت شمس تک پانچ فلستی سردار چھوڑ گئے۔ وہاں لوگوں نے صندوق کے اندر جھانکا تو عذاب نے پچاس ہزار اور ستر آدمی مار ڈالے۔ بیت شمس کے لوگوں نے قریت یعریم کے لوگوں کے پاس قاصد بھیجے کہ آ کر صندوق لے جاؤ۔ پھر وہاں کے لوگ آ کر صندوق لے گئے اور قریتِ یعریم میں ٹیلے پر ایک گھر میں رکھا۔ (1۔سموئیل 19:6 تا 21 اور 1:7)

6۔ قریتِ یعریم میں خدا کا صندوق 20 سال رہا اور اسرائیلی پیچھے نوحہ کرتے رہے۔ (ایضاً 2:7)

7۔ اس وقت تک اسرائیلیوں میں کوئی بادشاہ نہ تھا (1۔سموئیل 5:8) جو کہ کتاب کی نقل اپنے پاس رکھتا جس کا حکم استثنا 18:17 میں دیا گیا تھا۔

8۔ جب صندوق واپس آیا تو اس کو کسی نے کھول کر نہ دیکھا۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں کھول کر دیکھا گیا تو اس میں کچھ نہ تھا سوائے پتھر کی ان دو لوحوں کے جن کو وہاں حضرت موسیٰ نے حورب میں رکھ دیا تھا۔ (1۔سلاطین 1:8 تا 9 اور 2۔تواریخ 10:5)

9۔ جب یروشلم کو 587ء قبل مسیح میں بابل کی فوجوں نے تباہ کیا تو یہ کھو گیا۔ دوسری ہیکل میں عہد کا کوئی صندوق نہیں تھا۔ (قاموس الکتاب، ص:673)

10۔ یرمیاہ میں اس بات کو یوں بیان فرمایا گیا" اور یوں ہوگا خداوند فرماتا ہے کہ جب ان ایام میں تم ملک میں بڑھو گے اور بہت ہو گے تب وہ پھر نہ کہیں گے کہ خداوند کے عہد کا صندوق۔ اس کا خیال بھی ان کے دل میں نہ آئیگا۔ وہ ہرگز اسے یاد نہ کریں اور اس کی زیارت کو نہ جائیں گے اور اس کی مرمت نہ ہوگی۔ (یرمیاہ 16:3)

11۔ سردار کاہن خلقیاہ نے سافن منشی سے کہا کہ مجھے خداوند کے گھر سے توریت کی کتاب ملی ہے۔
(2۔سلاطین 8:22، 2۔تواریخ 14:34 تا 21)

یہ واقعہ 622 قبل مسیح کا ہے۔ (قاموس الکتاب، ص:1176)

12۔ یہ کئی نسلوں تک گم رہی۔ (2۔سلاطین: 13:22)

یہ یاد رہے کہ صندوق میں کچھ نہ تھا سوائے دو لوحوں کے (ملاحظہ ہو نمبر شمار 8) تورات کی اس گم شدگی کی مدت 357 سال ہے۔ اس کا حساب 1۔سلاطین 21:14، 2 ۔سلاطین 8,3:22، 2۔ تواریخ 13:12 تا 16، 2۔تواریخ 8:34، 14 میں مذکور بادشاہوں کے دور حکومت کو جمع کر کے لگایا گیا ہے۔

13۔ بخت نصر کے حملہ میں وہ تورات بھی گم ہوگئی۔ (2۔تواریخ 17:36 تا 21)

اس نے خدا کے گھر کو جلا دیا (ایضاً 19:36)۔

بخت نصر کے کارندوں نے یروشلم کا ہر گھر اور بیت المقدس جلا دیا (2۔سلاطین 8:25 تا 10)

14۔ عزرا کاہن آمادہ ہوا کہ خداوند کی شریعت کا طالب ہو اور اس پر عمل کرے اور اسرائیل میں آئین اور احکام کی تعلیم دے (عزرا 10:7)

اس سے یہ نہیں نکلتا کہ اس تعلیم کی بنیاد کون سی کتاب تھی۔ یہاں تورات لکھنے کا بیان نہیں۔

15۔ نحمیاہ 2:8 میں ہے کہ عزرا نے توریت کی کتاب لوگوں کے سامنے پڑھ کر سنائی۔ یہ کتاب کہاں سے آئی؟ سورس (Source) نے نہیں بتایا۔

16۔ استثنا 6:34 سے معلوم ہوتا ہے کہ تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بہت بعد میں لکھی گئی۔

17۔ 170ء قبل مسیح میں انطاکس چہارم نے حملہ کر کے ہیکل (بیت المقدس) کو لوٹ لیا اور تورات کی کتابیں جلا دیں۔ ہر ماہ لوگوں کی تلاشی لی جاتی تھی کہ کہیں ان کے پاس تورات تو نہیں؟

(قاموس الکتاب، ص:94، کیتھولک بائبل 1۔مکابیوں 1:56-57 ص 1153)

18- پھر طیطس رومی نے 70ء میں یہودیوں کو شکست دے کر یروشلم پر قبضہ کرلیا (قاموس الکتاب ص 613)
رومی سپہ سالار طیطس نے یروشلم کی 143 دن کے محاصرہ کے بعد اینٹ سے اینٹ بجادی۔اس ہولناک تباہی میں 6 لاکھ یہودی مقتول ہوئے اور ہزاروں اسیر کرلئے گئے۔اس تباہی کے بعد 60 سال تک اس شہر کی تاریخ تاریکی میں ڈوبی ہوتی ہے۔یہودیوں کو دو سو سال تک (یروشلم میں) داخل ہونے کی اجازت نہ ملی...... 614ء میں شاہ فارس خسرو دوم کے ایک سپہ سالار نے یروشلم پر قبضہ کرلیا اور 60 ہزار مسیحیوں کو قتل کردیا اور 35 ہزار کو غلام بنالیا،شہر اور اس کے اردگرد اس قدر تباہی و بربادی تھی کہ وہ پوری طرح کبھی بھی پھر بحال نہ ہوسکا۔637ء میں خلیفہ عمر رضی اللہ عنہ بغیر خون بہائے یروشلم میں داخل ہوگئے۔688ء میں مسجد اقصیٰ تعمیر ہوئی۔(قاموس الکتاب ص 1117)

19- سامری تورات اور تھی۔پادری صاحب لکھتے ہیں "سامری تورات کا نسخہ خداوند مسیح سے صدیوں پیشتر دیگر تمام عبرانی نسخوں سے جدا ہوگیا اور اس کا کنعان کے تمام نسخوں سے ڈھائی ہزار سال تک قطع تعلق رہا۔ (قاموس الکتاب،ص:494)

20- کیتھولک فرقہ کی مسلمہ کتابوں میں ایسدڑراس نامی دو کتابیں ہیں۔جن کو اردو ترجمہ کیتھولک بائبل سے نکال دیا ہے جبکہ انگریزی ترجمہ بائبل بنام گڈ نیوز بائبل میں شامل ہیں۔ان میں ایسدڑراس نمبر 2، 21:14 میں عزرا کاہن کی خدا سے دعا درج ہے جس میں وہ خدا سے فریاد کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں "تیری شریعت کی کتاب (تورات) آگ سے تباہ ہوچکی ہے۔لہٰذا کوئی نہیں جانتا کہ تو نے ماضی میں کیا کیا اور آئندہ کے کیا منصوبے ہیں۔مہربانی فرما کر اپنا روح القدس مجھ پر نازل کرتا کہ میں وہ تمام لکھ سکوں جو ابتدا سے اس دنیا میں ہوا،ہر وہ چیز جو تیری شریعت میں تھی۔"

مندرجہ بالا حقائق کی بنا پر علمائے اسلام مسیحی علماء سے بائبل کی سند متصل کا مطالبہ کرتے ہیں۔

(احسن الاحادیث،ص:25،مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمہ اللہ)

❁❁❁

موجودہ ترتیب بائبل پر عیسائی علماء کا تبصرہ

کتاب مقدس مطالعاتی اشاعت 2010ء کے شروع میں بائبل پر عیسائی علماء کا تبصرہ بھی شامل ہے جس کا عنوان ہے بائبل مقدس ہم تک کیسے پہنچی؟ اس کے چیدہ چیدہ نکات یہ ہیں:۔

1۔ بائبل کا متن پڑھنا کوئی آسان کام نہیں (ص:3)

2۔ بائبل مقدس کے تحریری شکل میں آنے سے پہلے لوگ خدا کے بارے میں اور جن لوگوں کا ذکر آج ہم بائبل میں پڑھتے ہیں، ان کے خدا سے تعلق کے بارے میں، کہانیوں کی صورت میں بیان کیا کرتے تھے۔ اس سینہ بہ سینہ بیان کرنے کے مرحلے کو ہم زبانی روایت کرتے ہیں۔ جہاں تک یہودی نوشتوں (پرانا عہد نامہ) کا تعلق ہے، بعض واقعات صدیوں تک زبانی سنائے جاتے رہے اور اس کے بعد حتمی شکل میں لکھے گئے۔ (ص:7)

3۔ چونکہ کئی دفعہ، ایک ہی واقعہ کے ایک سے زیادہ بیان ملے۔ اس لیے بائبل کے مقدس چند حصے آج کے قاری کو الجھے ہوئے محسوس ہو سکتے ہیں مثلاً پیدائش 1:1 تا 4 2، بمقابلہ 2:5 اور 1،24:3۔ سموئیل 23:16 بمقابلہ 17:55-58 (ص:7)

4۔ جو کتب پرانے اور نئے عہد نامے میں شامل ہیں ان کے اولین نسخے کبھی نہیں ملے۔ (ص:7)

5۔ حتمی طور پر جاننا مشکل ہے کہ یہودی نوشتوں کی ساری کتب بالآخر کب اکٹھی ہوئیں۔ یہودی نوشتوں کی بعض تحریریں 1300ء قبل مسیح تک پرانی ہیں۔ لیکن انہیں یک جا کرنے کا عمل 400ء ق م تک شروع نہیں ہوا ہوگا (یعنی 900 سال کے وقفہ سے یہ کام ہوا۔ مولف)

کتب یک جا کرنے کے ساتھ ساتھ نئی کتب لکھنے کا عمل دوسری صدی ق م تک جاری رہا۔ یہ فیصلہ کرنے کا عمل کہ کونسی کتب باضابطہ یہودی نوشتوں میں شامل کی گئیں تقریباً 100ء تک جاری رہا۔ اس کا مطلب یہ کہ فیصلہ کرنے میں 300 سال لگے۔ (از مولف)

یہ کام اکثر یہودی ربی (استاد) سرانجام دیتے تھے۔ (ص:7)

6۔ یہ بات واضح نہیں ہے کہ یہ فیصلہ کس طرح کیا گیا کہ کونسی کتب اتنی مقدس ہیں کہ انہیں یہودی نوشتوں

میں شامل کیا جائے۔ (ص:7-8)

7- مولفین نے ص:10-11 پر اٹسٹنٹ، کاتھولک اور آرتھوڈاکس کلیسا کی کتب کی تفصیل درج ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ عیسائی فرقوں کا بائبل کی کتابوں پر ناقابل حل اختلاف ہے۔اس کے مقابلہ مسلمانوں کے تمام فرقے قرآن مجید پر متفق ہیں۔

8- یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ یہودی نوشتوں میں شامل کرنے کے لیے پرانے عہد نامہ کی کتب کب اور کیسے منتخب کی گئیں۔ (ص:12)

9- اسدرا (عبرانی بائبل میں یونانی ترجمہ مع چند اضافے)، یہودیت، طوبیاہ 1 تا 4، مکابین اور شاعری اور نبوتی تحریریں، حکمت اور تواریخی واقعات، سراخ، سلیمان، باروک، یرمیاہ کا خط، سوسناہ، عزرا کی دعا، تین جوانوں کی گیت، بعل اور اژدھا، آج بہت سے مسیحی ان کتب سے ناواقف ہیں لیکن ابتدائی مسیحیوں میں سے بہت سے انہیں اپنے پاک نوشتوں کا حصہ مانتے تھے۔ان دستاویزات کے علاوہ آستر کی عبرانی کتاب کے یونانی ترجمہ میں کچھ اضافے تھے جو دوسری اور پہلی صدی ق م میں کئے گئے تھے اور چند واقعات جن کا ذکر اوپر ہوا ہے۔وہ دانی ایل کے یونانی ترجمہ میں اضافہ کئے گئے تھے۔رومن کاتھولک بائبل میں ان میں سے بہت سی کتب، آستر اور دانی ایل کی کتب اضافوں سمیت آج بھی شامل ہیں۔یونانی آرتھوڈوکس بائبل میں ان میں سے بہت سی کتب اور دوسری کتب بھی شامل ہیں مثلاً منسّی کی دعا اور ایک اضافی زبور نمبر 151 (ص:12)

نیا عہد نامہ

10- یسوع علیہ السلام اور اس کے شاگرد ارامی زبان بولتے تھے اور یہودی نوشتوں کو جو عبرانی زبان میں تھے استعمال کرتے تھے لیکن پولس رسول اور ابتدائی دور کے بہت سے مسیحی یونانی ترجمہ (ہفتادی ترجمہ) استعمال کرتے تھے۔قدیم ترین کتاب 50ء اور کچھ کتابیں دوسری صدی کے شروع میں لکھی گئیں۔اکثر علماء متفق ہیں کہ غالباً مرقس کی انجیل سب سے پہلے لکھی گئی کیونکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ متی اور لوقا نے بہت سی تفاصیل اور واقعات کی ترتیب براہ راست مرقس سے مستعار لی

ہے......کلیسا کے بزرگوں اور عالموں میں برسوں تک (بلکہ صدیوں تک جیسا کہ 367ء کے کن سے ثابت ہے۔ از مولف) بحث چلتی رہی تب جا کے حتمی فیصلہ ہوا کہ کون کون سی کتب مستند فہرست میں شامل کی جائیں۔ ان کتب کی تصنیف کے تین سو سال بعد تک مختلف کلیسائی رہنما مختلف فہرستیں پیش کرتے رہے۔ لیکن 367ء میں سکندریہ کے بشپ اتھناسیس نے جو فہرست پیش کی، اسے قبول عام حاصل ہوا اور تقریباً تمام مسیحی روایات اسی کو فہرست مانتی ہیں۔

11۔ نئے عہدنامہ کا تعارف کراتے ہوئے علماء لکھتے ہیں کہ یسوع اور اس کے شاگرد ارامی زبان بولتے ہیں مگر نئے عہدنامے کی کتب اس زمانے کی عام بول چال کی یونانی زبان میں لکھی گئیں۔ یونانی زبان میں مکمل نئے عہدنامہ کی قدیم ترین نقل چوتھی صدی کی ہے اور نئے عہدنامے کی ایک کتاب کا ایک ٹکڑا 125ء کا ہے۔ ہمارے پاس موجود نئے عہدنامے میں جو ستائیس کتب ہیں انہیں مسلمہ قرار دینے میں تین سو سال کا عرصہ لگا۔ (ص 1731-1732)

قارئین قرآن مجید پر یہ براوقت نہ کبھی آیا نہ کبھی آئے گا۔ ان شاءاللہ

قرآن مجید یہود و نصاریٰ کو تحریف کا الزام دیتا ہے جس کا ذکر بقرہ 75:2، المائدہ 13:5، اور 41:5 میں ہے۔ یہ محض الزام ہی نہیں بلکہ اظہار واقعہ ہے جس کے ثبوت آگے آ رہے ہیں۔

تحریف بائبل کے ثبوت

1۔ تورات 357 سال تک گم رہی۔ اور بعد میں بیت المقدس کے سٹور سے ملی۔ یہ سردار کاہن خلقیاہ نے منشی سافن کو بتایا۔ (2۔ سلاطین 8:22 تا 13، 2۔ تواریخ 14:34 تا 21)

یہ واقعہ 622ء قبل مسیح کا ہے۔ (قاموس الکتاب، ص: 1176)

تورات کے گم شدہ رہنے کی مدت کا حساب ان بادشاہوں کے دور حکومت جمع کر کے لگایا گیا ہے جن کا ذکر 1۔ سلاطین 21:14، 2۔ سلاطین 3:22، 8، 2۔ تواریخ 13:12 سے آگے اور 2۔ تواریخ 14,8:34 میں ہے۔ تورات کئی دفعہ لمبی مدت کے لئے گم ہوتی رہی جیسا کہ پہلے گزرا۔

2۔ انبیائے کرام علیہم السلام پر لگائے گئے الزامات اس بات کا ثبوت ہیں کہ اصل کلام خدا میں تحریف ہو چکی ہے اور موجودہ بائبل کلام خدا نہیں ہے۔

3۔ بریکٹوں میں لکھی ہوئی عبارتیں کسی اور نے شامل کر دی ہیں لہٰذا بائبل محرف ہے۔ ان عبارتوں کی

چند مثالیں یہ ہیں۔

(i) خروج 7:4

(ii) استثنا 5:5

(iii) متی 21:17

(iv) مرقس 26:11

(v) متی 13:6

(vi) یوحنا 53:7 تا 11:8

(vii) اعمال 37:8۔

قاموس الکتاب ص 408 کے مطابق جو فقرہ قوسین (بریکٹ) میں ہو وہ اصل متن کا حصہ نہیں بلکہ حاشیہ میں لکھا ہوتا تھا کس کو کسی کاتب نے شامل کر دیا۔قاموس ص 125 پر لکھا کہ ایک کاتب اپنی طرف سے حاشیہ لکھتا اور دوسرا کاتب اسے متن کا حصہ سمجھ کر اس میں شامل کر دیتا۔اس قسم کی غلطیاں بھی ممکن تھیں۔قاموس کے ص 442 پر پادری صاحب لکھتے ہیں کہ انسان خدا کے کلام میں اضافہ کر کے اسے بگاڑنے کے سوا اور کیا کر سکتا ہے۔اس حقیقت کو حضرت یرمیاہ علیہ السلام یوں بیان فرماتے ہیں ''تم نے زندہ خدا رب الافواج ہمارے خدا کے کلام کو بگاڑ ڈالا ہے۔ (یرمیاہ 36:23)

دوسری جگہ فرماتے ہیں: '' لکھنے والوں کے قلم نے بطالت پیدا کی ہے۔ (یرمیاہ 8:8)

پال بھی تحریف کے رواج کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے'' ہم ان بہت لوگوں کی مانند نہیں جو خدا کے کلام میں آمیزش کرتے ہیں۔ (2۔کرنتھیوں 17:2)

4۔ جو کتابیں پرانے اور نئے عہد نامے میں شامل ہیں ان کے اولین نسخے کبھی نہیں ملے (مطالعاتی اشاعت کتاب مقدس،ص:7) لہٰذا سند متصل نہ رہی۔

5۔ بائبل میں سب سے بڑی تحریف لوتھر کے دور میں ہوئی۔اس نے بائبل میں سے موجودہ اردو نسخوں کے مطابق 6 کتابیں غیر معتبر قرار دے کر بائبل سے خارج کر دیں اور انگریزی گڈ نیوز ترجمہ کے مطابق 24 کتابیں غیر معتبر قرار دی گئیں جو کہ سب اس انگریزی ترجمہ میں اب بھی شامل ہیں۔اب دو باتوں میں سے ایک بات ضرور ہے۔ایک یہ کہ اگر پہلے یہ 24 کتابیں غلط طور پر بائبل کا حصہ تھیں تو بھی قرآن کا بیان صحیح ہے کہ تورات و انجیل میں تحریف ہے۔کیونکہ اس

دور میں وہی بائبل رائج تھی۔ اگر وہ کتابیں صحیح طور پر بائبل کا حصہ تھیں تو بھی قرآن کا بیان صحیح ہے کیونکہ ان کو 1,500 سال بائبل میں شامل رہنے کے بعد لوتھر نے خارج کر دیا۔ یہ تو دو فرقوں کا حال ہے ۔جبکہ روسی آرتھوڈوکس اور یونانی آرتھوڈوکس کی بائبل ان دونوں سے مختلف ہیں اور آپس میں بھی مختلف ہیں ۔ یہوداہ وِٹنس کی اپنی بائبل ہے اور مارمن فرقہ کی بائبل الگ ہے۔ لوتھر نے یہ کام کسی خدائی اختیار کے تحت نہیں بلکہ اپنی رائے سے کیا۔

6۔ پوری دنیا میں عیسائی فرقوں میں بائبل کا کوئی بھی متفقہ متن نہیں ہے۔ ہر ایک کی بائبل الگ الگ ہے۔ یہی اس بات کا ثبوت ہے کہ بائبل تبدیل کی جا چکی ہے۔ جبکہ قرآن مجید پوری دنیا میں ہر مسلمان گروہ کے پاس متفقہ عبارت والا ہے۔ یہی اس کے کلام خدا ہونے کا ثبوت ہے جس میں کوئی تحریف نہیں ہوئی۔

7۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام و اسحاق علیہ السلام سے موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک 2500 برسوں تک کوئی تحریری الہام نہیں تھا۔ (کاتھولک کلیسیا کی بحثی تعلیم دوسرا حصہ، ص:17)

8۔ لوتھر نے عبرانیوں کے خط، یعقوب، یہودا، پطرس کے دوسرے خط، یوحنا کے تیسرے خط، مکاشفہ اوران کے علاوہ پرانے عہد نامہ کی 6 یا 7 کتابوں کو الہامی فہرست سے خارج کر دیا۔ اس کے خلاف کالون نے نئے عہد نامہ کی وہ تمام کتابیں قبول کر لیں جن کو لوتھر نے الہامی کتابوں سے خارج کر دیا تھا۔ سٹراس برگ میں 1598ء میں پروٹسٹنٹوں نے نئے عہد نامہ میں سے چار یا پانچ کتابیں خارج کیں یا قبول کرنے سے انکار کیا اور 74 برس بعد یعنی 1672ء میں پھر ان کتابوں کو نئے عہد نامہ میں شامل کر دیا۔ (کاتھولک کلیسا کی بحثی تعلیم دوسرا حصہ، ص:71-72)

اس مشق سے ثابت ہوتا ہے کہ بائبل کو یہ لوگ کلام خدا نہیں ایک کھیل کی چیز سمجھتے ہیں۔ جیسے دل چاہے ترمیم و تنسیخ کرتے رہتے ہیں۔ اور یہی قرآن فرماتا ہے کہ ”تم برابر ان کی کسی نہ کسی خیانت سے آگاہ ہوتے رہو گے“ (المائدہ 5:13)

استثنا: 2:33 میں دس ہزار کے الفاظ کو 1930ء میں لاکھوں کے لفظ سے بدل دیا۔ اور کیتھولک حضرات بھی پیچھے نہ رہے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ بائبل کی عبارت سے تو بیٹا اپنے باپ سے دو سال بڑا ہے تو انہوں نے اب نظر ثانی میں بیٹے کی عمر تبدیل کر کے 42 کی جگہ 22 سال لکھ دیا جبکہ انگریزی ترجمہ میں اب بھی 42 ہے۔ پروٹسٹنٹ اردو ترجمہ میں لکھا ہے ”اخزیاہ بیالیس

برس کا تھا جب وہ حکومت کرنے لگا۔'' (2۔تواریخ 2:22)

انگریزی ترجمہ کنگ جیمز ورژن میں بھی یہی لکھا ہے (ص:243) مگر کیتھولک اردو ترجمہ میں اس کو بدل کر یوں لکھا گیا ہے ''جس وقت احزیاہ بادشاہ ہوا۔ وہ بائیس برس کی عمر کا تھا (ص:491)

9۔ چونکہ بائبل کی کتابوں کے اولین نسخے کبھی نہیں ملے لہٰذا صرف ترجموں پر انحصار ہے جو کہ ترجمہ در ترجمہ ہیں۔ ترجمہ کے بارے میں کیتھولک فیصلہ یہ ہے کہ ''ہر پروٹسٹنٹ پر لازم ہے کہ وہ عبرانی، یونانی، لاطینی زبانوں سے کامل واقف ہو کیونکہ ان کے مذہب کا بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ کلام خدا اور انسان کے درمیان کوئی درمیانی اختیار یا مداخلت نہیں ہونی چاہیے۔ مگر ان کے پادری بھی ترجمے میں پڑھتے ہیں جبکہ ترجمہ ایک خطا پذیر انسان کی مداخلت ہے۔ اس طرح ان کا ایمان ایک مشکوک شہادت یعنی مترجم کی شہادت پر مبنی ہوتا ہے۔ (کیتھولک کلیسائی کی بحثی تعلیم دوسرا حصہ، ص:73)

10۔ کیتھولک عالم لکھتے ہیں ''یہ بات کامل طور پر معلوم ہوئی ہے کہ یہودیوں نے پرانے عہد نامے کی اصل عبارت کو اس غرض سے کہ مسیح کی بابت نبیوں کی پیش گوئی کمزور ہو، بگاڑ دیا ہے مثلاً (زبور 16:22) (ایضاً، ص:74)

پھر لکھتے ہیں کہ لوتھر نے رومیوں 28:3 کی عبارت میں لفظ صرف بڑھا دیا (جس کو اب پروٹسٹنٹ ترجمہ سے نکال دیا گیا ہے) اور اس نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ صرف یہی کیوں بڑھایا، اور الفاظ کیوں نہیں بڑھائے۔ (ایضاً ص:75)

11۔ کیتھولک لوگوں کا سب سے بڑا مذہبی رہنما پوپ ہے۔ مگر پروٹسٹنٹ لوگ کہتے ہیں کہ پوپ کا دعویٰ جعلی تحریرات پر قائم ہے۔ (کلیسائے روم کے چند ایک دعاوی، ص:12)

جو لوگ جعلی دستاویزات اپنی سرداری کے لیے بنا سکتے ہیں تو ان سے تحریف کیا مشکل ہے، یاد رہے کہ اس وقت دنیا میں پروٹسٹنٹ تعداد میں زیادہ ہیں۔

12۔ بائبل نامکمل ہے۔ جس کا ثبوت کیتھولک کلیسیا کا یہ فیصلہ ہے ''بہت سی سچائیاں جو نجات کے لئے ضروری ہیں۔ کتاب مقدس میں صریحاً درج نہیں ہیں مثلاً کتاب مقدس میں کس جگہ لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی مذہبی رسوم منسوخ کی گئی ہیں اور آئندہ ان کو نہیں ماننا چاہیے۔ ہم کتاب مقدس میں کس جگہ پڑھتے ہیں کہ بجائے سنیچر (ہفتہ) کے اتوار کا دن پاک ماننا چاہیئے۔ کتاب مقدس میں کس جگہ یہ درج ہے کہ خون اور گلا گھونٹے ہوئے حیوانوں سے پرہیز کا حکم منسوخ

ہوگیا ہے۔ ہم کتاب مقدس میں کہاں پڑھتے ہیں کہ بچوں کو بپتسمہ دینا چاہیئے۔

(کاتھولک کلیسا کی بحثی تعلیم، دوسرا حصہ، ص:19)

یوحنا نے اپنی انجیل کے آخر میں لکھا ''اور بھی بہت سے کام ہیں جو یسوع نے کیئے۔ اگر وہ جدا جدا لکھے جاتے تو میں سمجھتا ہوں کہ جو کتابیں لکھی جاتیں ان کے لئے دنیا میں گنجائش نہ ہوتی۔ (یوحنا 21:25)

اس گپ کو ذہن میں رکھ کر انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا یہ بیان پڑھیں کہ مسیح علیہ السلام کی زندگی کے صرف 50 دنوں کا ریکارڈ ہی ہمارے پاس موجود ہے (جلد نمبر 13، ص:16-17، ایڈیشن 1958)

13۔ کیتھولک علماء پروٹسٹنٹ حضرات پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے بائبل کو بدل دیا ہے۔ مثلاً فادر میکیئر اپنی کتاب بنام سچے مسیحی کا ایمان اور عمل کے ص 95 پر یوں لکھتا ہے کہ ''انہوں نے خدا کی مرضی کے برخلاف اور اپنے اختیار سے خدا کے کلام کو جو بائبل ہے بدل دیا ہے۔'' اس پادری نے ص 20 پر لکھا ''پروٹسٹنٹوں نے بائبل کو کاٹا اور چھانٹا ہے۔''

(پروٹسٹنٹ رسالہ ''رومی کلیسا اور خدا کا کلام، ص:4-13، مصنفہ پادری کینن پی ہیرس بی۔اے)

اس کے جواب میں پادری نے لکھا کہ کیتھولک اپنی مطلب براری کے لیے اپا کریفا کو بائبل شریف میں داخل کرتے ہیں۔ (ایضاً ص:8)

اور یہ کہ کیتھولک لوگوں نے احکام عشرہ میں سے بت پرستی کے خلاف حکم نکال دیا اور ان کی جگہ ایک اور فقرہ لکھ دیا کہ بیگانی عورت کی آرزو نہ کرنا۔ (ایضاً ص:13-14)

ایسے ہی مرتد کی سزا کا مسئلہ ہے۔ کیتھولک کلیسیا کا قانون یہ ہے کہ تمام بدعتی یعنی پروٹسٹنٹ جو رومی کلیسا کی تعلیم کو نہیں مانتے جان سے مارے جائیں۔ یہ قانون کبھی منسوخ نہیں کیا گیا۔ (کلیسیائے روم میں شامل ہونے کے خلاف 50 دلائل ص 5 از پادری کینن پی ہیرس)

14۔ چاروں اناجیل کا آپس میں اختلاف، ایک واقعہ یا عبارت کا دوسری میں نہ ہونا اور آپس میں اختلاف ہونا ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ ان میں سے کوئی بھی کلام خدا نہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو اجماع اناجیل اربعہ (پہلی اشاعت 2013)

یہ کتاب 927 صفحات پر مشتمل ہے، یہ پاکستان بائبل سوسائٹی اور کاتھولک بائبل کمیشن پاکستان کی مشترکہ اشاعت ہے۔ گویا دونوں بڑے فرقوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ چاروں اناجیل آپس میں ہی نہیں ملتیں۔ یہ یونانی زبان سے اردو میں ترجمہ کی گئی ہے اس کے ص 17 سے ص

834 تک 818 صفحات میں چاروں اناجیل کی عبارتوں کا تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ دیکھنے پر معلوم ہوگا کہ ایک انجیل (مثلاً لوقا) کے صفحوں کے صفحے ایسی عبارت سے پر ہیں کہ جو دوسری تینوں اناجیل میں نہیں۔ (مثلاً ص:18 تا ص:32)

15- صفحات میں لوقا کی ایسی عبارت دی گئی ہے جو باقی اناجیل میں نہیں ہے۔ کتاب کے شروع میں اناجیل متوافقہ کے مسئلہ کے زیر مسئلہ کے زیرعنوان ایک نقشہ دیا گیا ہے جس میں بتایا گیا کہ لوقا میں 1149 آیات ہیں، متی میں 1068 اور مرقس میں 661 آیات ہیں۔ اس کے 2 صفحے بعد نظریہ آکسفورڈ کے زیرعنوان یہ لکھا ہے گیا ہے کہ متی اور لوقا میں جو مواد مماثل ہے اس کی بنیاد مرقس اور ایک اور ماخذ Q ہے۔ صرف مرقس کی انجیل ہی مشترک عنصر نہ تھا۔ یاد رہے کہ Q سے مراد Quelle (سورس۔منبع۔مصدر) ہے۔

جو کہ نامعلوم ہے اور اب دنیا میں نہیں ہے۔ لہٰذا یہ دعویٰ کرنا کہ نیا عہد نامہ بشمول چاروں اناجیل روح القدس کے زیر ہدایت تحریر ہوا، قطعاً غلط ثابت ہوتا ہے کیونکہ اناجیل کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ روح القدس نے ایک کو کچھ بتایا اور دوسرے کو کچھ بتایا۔

16- فلسطینی یہودیوں نے ناقابل عمل شرعی قوانین کی خلاف ورزی پر اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے کے لیے یا فروغ پا جانے والے روایتی ادنیٰ رجحانات یا عام طور پر واعظانہ مقاصد کے لیے پرانے عہد نامہ کو تمثیلی رنگ میں ڈھال دیا۔ دوسری طرف سکندر کی فتوحات کے بعد یونانی یہودیوں نے پرانے عہد نامہ کو یہ ثابت کرنے کے لئے مجاز کے پیرائے میں ڈھال دیا کہ ان کا مذہب بھی یونانی فلسفے کی طرح دلیل و منطق کا حامل ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام، فیثاغورث، افلاطون، ارسطو اور فلسفی زینو کے پیروکاروں کے استاد یا کم از کم ان سے قبل از وقت فلسفے کو سمجھ لینے والے تھے۔

(Hasting's Dictionary of Bible, vol-1, P-65-compare with J-E,vol-1, P-403-404)

17- پال نے یہ کہہ کر پرانے عہد نامہ میں تحریف کا اقرار کیا کہ ''ہم ان بہت سے لوگوں کی مانند نہیں جو خدا کے کلام میں آمیزش کرتے ہیں۔ (2۔کرنتھیوں 17:2)

18- جب ہم ان حالات کے بارے میں سوچتے ہیں جن میں کتاب مقدس لکھی گئی تو معلوم ہوتا ہے کہ کسی معیاری ضابطے پر پورا اترنے کی بجائے بائبل کا اصل مرتبہ ذاتی ہے۔ جس فیصلے کے ذریعے

کچھ کتابیں بائبل میں شامل کی گئیں اور کچھ خارج کی گئیں، وہ خالصتاً انسانی فیصلہ تھا۔ بزرگوں نے بہت سی کتابوں کے بارے میں دعووں کا جائزہ لیا اور ان کا فیصلہ عقل کی روشنی میں کیا۔ دوسرے الفاظ میں کتاب کے ذاتی اوصاف کی بنا پر کیا۔ یہ فیصلہ عام طور پر آسان نہیں تھا۔ موجودہ عہد کی تیسری صدی تک چند کتابوں کی قسمت کا فیصلہ لٹکا ہی رہا مثلاً آستر کی کتاب......

(JOSEPH: Judaism as Creed and Life, P-18)

19۔ بائبل چونکہ نیک لوگوں کی تصنیف ہے لہٰذا اس میں الہامی اور انسانی عنصر شامل ہے۔ لیکن جس طرح ہر انسانی چیز نامکمل ہے اسی طرح ہمیں کتاب خدا میں بھی قطعی طور پر کامل الہامی سچائی کی توقع نہیں رکھنی چاہیے۔ جب شعاعیں گرد آلود شیشے میں سے گزر کر آتی ہیں تو وہ اپنی چمک میں سے کچھ کھو دیتی ہیں بلکہ اس کے رنگ کو بھی سمو لیتی ہیں۔ یہی کچھ بائبل کے ساتھ ہوا۔ اس کے علاوہ کچھ اور سوچنا بائبل کے مصنفین کو انسان کی بجائے خدا تصور کرنا ہے (ایضاص:20)

20۔ بائبل کی پہلی پانچ کتابیں (تورات) ایک نہیں بلکہ کئی آدمیوں کی تصنیف ہیں۔ بائبل کی باقی کتابوں کے متعلق بھی علماء کا یہی خیال ہے۔ (ایضاص:24)

21۔ یہودی روایت اگرچہ اس پر اصرار کرتی ہے کہ بائبلی کتابیں ان لوگوں کی تالیف ہیں جن کا ذکر ان کتابوں میں پایا جاتا ہے...... وہی روایت تسلیم کرتی ہے کہ ان کتابوں میں بعد میں ترمیم واضافہ ہوتا رہا ہے۔ (Vellentine's one volume Jewish Encyclopedia, P-93)

آخری نقطہ نظر کے مطابق یہ فیصلہ کن بات کہی گئی ہے کہ تورات 28 سے کم آدمیوں کی تصنیف نہیں ہے۔ (ایضاً590)

اب آپ بقرہ 75:2 کو پڑھیں جس میں فرمایا گیا کہ یہ لوگ کلام خدا کو سننے اور پھر اس کے سمجھ لینے کے بعد اس کو جان بوجھ کر بدل دیتے رہے ہیں۔

22۔ کتاب کو اصل مصنف کی بجائے کسی اور کی طرف منسوب کرنے کا فن عبرانی ادب میں بہت پرانا ہے۔ تنقید عالیہ (بائبل پر نقد و جرح) کے مطابق پرانے عہد نامہ میں بہت سی کتابیں اس کی ذیل میں شامل ہو سکتی ہیں۔ (Jewish Encyclopedia vol 10, P-256)

پرانے لوگوں نے تمام قومی مذہبی تحریروں کو مساوی طور پر مقدس گردانا۔ اصل مذہبی کتابوں کا نیا نام رکھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ تو دراصل مقدس تھیں ہی، غیر مقدس کتابوں کے لیے البتہ

نئی علمی اصطلاح وضع کرنی چاہیئے تھی۔(ایضاً جلد نمبر 3،ص:140-141)

ادبی جعل سازی کی عادت یہودیوں میں اتنی پختہ تھی کہ مسیحیت کی پہلی اوردوسری صدی میں یہودیوں نے اس بات میں ذرا شرم محسوس نہ کی کہ خود تحریریں لکھ کر، جو یہودیت کے بلند مرتبہ اور بزرگی کے متعلق تھیں، پرانے کافر مشرک شعراء اور مشہور ونامور لوگوں کے نام منسوب کردیں (ایضاً،ج:2،ص:9) کتاب کو مقبول بنانے کی خاطر اس کو مشہور آدمی کے نام جعلی طور پر منسوب کردینے کا کام یہودیوں نے اکثر کیا ہے۔ممکنہ طور پر اس کی مثالیں بائبل میں بھی ہیں مثلاً کتاب داود کا آخری حصہ (مرادزبور) اور بہترین معلوم مثال کتاب زوہر ہے۔(رموز تصوف کی ایک کتاب)

(Vellentine's one Volume Jewish Encyclopedia, P-542)

پولوس جھوٹ اور تحریف کا جواز یہ پیش کرتا ہے کہ ''اگر میرے جھوٹ کے سبب سے خدا کی سچائی اس کے جلال کے واسطے زیادہ ظاہر ہوئی تو پھر کیوں گناہ گار کی طرح مجھ پر حکم دیا جاتا ہے (رومیوں:7:3)

اب آپ قرآن کا تبصرہ اس صورت حال پر ملاحظہ فرمائیں ''ان لوگوں پر افسوس ہے جو اپنے ہاتھ سے کتاب لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا کے پاس سے لے آئی ہے تاکہ اس کے عوض تھوڑی سی قیمت حاصل کریں۔ان پر افسوس ہے کہ بے اصل باتیں اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں اور پھر ان پر افسوس ہے اس لئے کہ ایسے کام کرتے ہیں۔(بقرہ:79:2)

کیا قرآن اور حضور ﷺ کی صداقت کی اور دلیل بھی درکار ہے؟

23۔ صرف قرآن نے ہی یہود کو تحریف کا مجرم نہیں ٹھہرایا بلکہ دوسری صدی میں بڑے عیسائی عالم جسٹن نے بھی ان کو اس غیر اخلاقی حرکت کا ذمہ دار ٹھہرایا کہ یہودیوں نے بائبل میں سے عیسائیوں کے حق میں موجود بہت سی باتیں قلم زد کردی تھیں۔

(Jewish Encyclopedia, vol-10,P-103)

جدید یہودی تحریک اصلاح اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ یہ قدیم نظریہ اب چھوڑ دینا چاہیے کہ یہ کتابیں خدا کے لکھوانے سے لکھی گئی ہیں۔ (ایضاً جلد نمبر 6،ص:608-609)

یہی بات قرآن مجید میں فرمائی گئی کہ ''یہ جو یہودی ہیں ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ کلمات کو ان کے مقامات سے بدل دیتے ہیں۔ (نساء:46:4)

24۔ ہم یقینی طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ تورات کے قدیم نسخے حروف علت اور اعراب کے بغیر تھے اور یہ

زبانی روایت کے ذریعہ بعد والوں تک پہنچے۔لازماً تمام انسانی خطائیں اور نقائص اس کام کا مقدر بنے۔درحقیقت بائبل کے بہت سے نسخے اغلاط سے پر ہیں۔نسخوں کا آپس میں پیراگرافوں کا اختلاف ہے۔لہٰذا بائبل کے نسخوں کی قرآئتیں مختلف ہوگئیں۔

(Frieudlier, The Jewish Religion, P-53)

25۔ بائبل غلطیوں سے پاک نہیں۔اناجیل بھی آپس میں کچھ تفصیلات میں مختلف ہیں جن میں کم ازکم ایک پیرا کا حوالہ پرانے عہدنامہ سے غلط دیا گیا ہے اور دوسرے پیرا کو غلط طور پر کسی اور سے منسوب کردیا گیا۔پرانا عہدنامہ بھی درستگی کے معیار پر پورا نہیں اترتا۔وہ جدید معلومات سے ٹکراتا ہے اور اعداد و شمار بھی آپس میں نہیں ملتے۔گرجا میں عبادت کے دوران تلاوت و ترجمہ کرتے ہوئے بہت سی غلطیوں کو چھپادیا جاتا ہے،اگرچہ ہر عالم ان سے واقف ہے،باقی غلطیوں کو خوش سلیقہ وضاحت سے آسان اور ہموار کرلیا جاتا ہے......خدا نے اس بات کی زحمت نہیں کی کہ وہ بائبل کو تاریخ اور علم کی غلطیوں سے محفوظ رکھے اور متن کے نقائص کو کلام مقدس میں داخل ہونے سے روکے۔ Encyclopedia of Religions and Ethics, vol-7, (PP-226,263)

اسی لئے تو قرآن مجید ان کتابوں پر نگران کی حیثیت رکھتا ہے۔(مائدہ 48:5) یعنی ان غلطیوں کی نشاندہی کرتا جاتا ہے۔

26۔ کاتب لوگ نوشتوں کے متن اور تشریح کا بڑا اختیار رکھتے تھے بلکہ انہوں نے پہلی دفعہ یہودی مذہب کے اعمال مقرر کئے۔ان کو اختیار حاصل تھا کہ وہ نوشتوں کے متن میں جو چاہیں تبدیلی کردیں۔درحقیقت انہوں نے تورات کی پانچ کتابوں میں 18 جگہ تبدیلی کی تھی۔یہ ان مقامات پر نرم لہجہ اختیار کرنے کے بارے میں تھی جہاں بعد کی نسلوں نے محسوس کیا کہ سخت زبان استعمال کی گئی ہے۔انہوں نے وقت کی ضرورت اور عہد کے مزاج کے مطابق تورات کے احکام و ہدایات کو تبدیل کردیا۔تالمود کی زبان میں ان تبدیلیوں کو کاتب کے الفاظ (Dibre Soferin) کہا جاتا ہے۔اوران تبدیلیوں کو بعد کی نسلوں نے خدائی احکامات کی طرح قابل عمل سمجھا۔(Vellentine's one volume Jewish Encyclopedia,PP-585,586)

27۔ محققین نے عزرا علیہ السلام کی جانب سے تورات یا پرانے عہدنامہ کے کسی نسخہ کی تیاری یا تصدیق کو

ایک بے بنیاد افسانہ قرار دیا ہے اور اقرار کیا ہے کہ پرانے عہد نامہ کے مستند نسخہ کی تدوین کوئی قابل اعتماد ریکارڈ موجود نہیں۔

(Amenican Peoples Encyclopedia, Vol-3,P-420)

دوسری صدی عیسوی تک نئے عہد نامہ کا مستند مجموعہ تیار کرنے کی ابتداء تک نہ ہوئی تھی۔اور تیسری صدی کے آخر تک متنازعہ کتابوں کا وجود باقی تھا۔(ایضاً ص:426)

28- اگرچہ عیسائی دعویٰ یہ ہے کہ ''بائبل کی ہر کتاب، ہر باب، ہر آیت، ہر لفظ اور ہر حرف خدائے برتر کا فرمودہ ہے۔

(J.W.Burgan: Inspiration and Interpretation, London, 1861,P-89)

مگر یہ وضاحت بھی بہت کی جاتی ہے کہ ''جب ہم کہتے ہیں کہ بائبل کلام خداوندی ہے تو اس سے ہماری مراد اس کی ہر ہر آیت اور ہر حصہ کا کلام خداوندی ہونا نہیں ہوتی۔ بلکہ اتنی سی بات ہے کہ ہم خدا کو اس میں اور اس کی پشت پر پاتے ہیں......ہم یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ بائبل لفظ بہ لفظ الہام کی گئی......حقیقت یہ ہے کہ بائبل تضادات اور غلطیوں سے پاک نہیں اور نہ ہی کسی لحاظ سے اس کی مذہبی قدر و قیمت شروع سے آخر تک ایک جیسی ہے۔

(Stanley cook: Introduction To The Bible,PP-192-193)

یہ بھی کہتے ہیں کہ ''یہ کہنے کی کوئی بنیاد موجود نہیں کہ بائبل تاریخی و لفظی غلطیوں سے پاک ہے۔اس میں یقیناً غلطیاں اور تضادات موجود ہیں۔(A companion To The Bible, PP-5-7)

یہ اعتراف بھی کرتے ہیں کہ ''اپنے مصنفین کے اختلافات کی وجہ سے بائبل کی ان کتابوں کا وحی و الہام پر مبنی ہونا بالکل خارج از بحث ہو کر رہ گیا ہے۔

(Thomas Paine: The Age of Reason,P-19)

اور یہ کہ ''ہمارے پاس اس بات کی کوئی ضمانت نہیں کہ اناجیل میں دیئے ہوئے واقعات و اقوال لازماً وہی کچھ پیش کرتے ہیں جو حقیقت میں واقع اور جو کہا گیا تھا۔''

(Bernard M.Allen: The story Behind The Gospels, P-9)

29- متحدہ بائبل سوسائٹی ایک بین الاقوامی ادارہ ہے جو مقامی بائبل سوسائٹی کی رکنیت اختیار کرنے سے معرض وجود میں آتا ہے۔اسے United Bible Society(UBS) کہتے

ہیں۔اس ادارے نے ایک کتاب شائع کی ہے جس کا نام Discover The Bible ہے۔اس کا اردو ترجمہ بائبل سوسائٹی پاکستان لاہور نے 16 نومبر 2013 کو شائع کیا۔جن کا نام معتدبہ کلام مقدس ہے۔اس میں 18 بڑے عیسائی علماء کے مضامین ہیں جن میں سے 16 پی ایچ ڈی اور دو بشپ ہیں۔

اس لحاظ سے یہ کتاب معتبر ترین عیسائی کتب میں شمار ہوسکتی ہے اور عیسائی حضرات پر حجت ہے۔
اس کتاب میں شامل مضامین دراصل دس سالوں (1970ء تا 1980ء) کے دوران ہونے والے سمیناروں میں پیش کیے گئے مقالے ہیں جن کو اب عیسائی دینی مدرسوں اور علم الہیات کے اداروں میں درسی کتاب کے طور پر استعمال کیا جائے گا۔آیئے دیکھیں کہ بائبل خصوصاً نئے عہد نامہ کے بارے میں ان فاضل مقالہ نگاروں کا کیا نقطہ نظر ہے، وہ کہتے ہیں کہ:۔

(i) ہمارے پاس یسوع مسیح کے بالکل صحیح الفاظ کا کوئی ریکارڈ موجود نہیں۔ ہمارے پاس اس کے الفاظ صرف یونانی ترجمہ میں موجود ہیں جو اناجیل کے مصنفین نے استعمال کیے۔(ص:118)

اب ذرا کیتھولک فتویٰ پر دوبارہ نظر ڈالیں جس میں کہا گیا ہے کہ ترجمہ ایک خطا پذیر انسان کی مداخلت ہے اور مشکوک شہادت ہے۔(کیتھولک کلیسا کی بحثی تعلیم دوسرا حصہ، ص:73)

(ii) اصلی قلمی نسخے تو موجود ہی نہیں۔ ہمارے جو کچھ ہے وہ نقول کی نقول ہیں (ص:120)

(iii) جب ان تحریروں کی پہلی نقول تیار کی گئیں تو نقل نویس جنہیں منشی کہا جاتا تھا وہ ان تحریروں کو پاک نوشتے خیال نہیں کرتے تھے۔وہ فقط پولس یا پطرس کے کسی خط کی یا اپنے جیسے کسی مسیحی کی لکھی ہوئی انجیل کی نقل کر رہے ہوتے تھے۔اس کا مطلب ہے کہ وہ سہواً غلطی کرنے کے علاوہ بعض اوقات ارادتاً تبدیلیاں بھی کر دیتے تھے۔ رفتہ رفتہ کہیں دوسری صدی میں مسیحی ان تحریروں کو پاک نوشتے سمجھنے لگے۔(ص:121)

(iv) دوسری سے پانچویں صدی کے دوران معروف و ممتاز کلیسائی رہنماؤں نے اپنی یونانی یا لاطینی تصانیف میں اکثر نئے عہد نامہ سے آیات اقتباس کی ہیں۔ان کلیسائی رہنماؤں کو آبائے کلیسا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ان کی تصانیف کو آباء کی تصانیف کہتے ہیں۔البتہ اکثر تعین کرنا مشکل ہوتا ہے کہ وہ کوئی آیت لفظ بہ لفظ نقل کر رہے ہیں یا اس کا صرف بالواسطہ حوالہ دے رہے ہیں۔اور اگر نقل کر رہے ہیں تو کیا فقط یاداشت سے نقل کر رہے ہیں جس میں غلطی کا بہت

احتمال ہوتا ہے یا کسی تحریری نقل سے نقل کر رہے ہیں جو ان کے سامنے موجود ہے؟ علاوہ ازیں ان آباء کی تصانیف کی نقل تیار کرتے ہوئے بعض اوقات منشی (کاتب) متون میں تبدیلی کر دیتے تھے۔یعنی الفاظ کو ان فرق الفاظ سے بدل دیتے تھے جو منشی خود جانتا تھا، چنانچہ بعض اوقات یہ جاننا مشکل ہو جاتا ہے کہ آباء نے اصل میں کیا لکھا تھا۔

خاص مشکل

اس عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ کوئی ایک آیت نہیں ہے جس پر یہ سارے قلمی نسخے (یونانی نسخے، تلاوت ناموں کے نسخے، دیگر زبانوں کے نسخے اور آبائے کلیسا کی تصانیف میں اقتباسات) متفق ہوں۔ بہت سے اختلافات اہم نہیں مثلاً کہیں کوئی ہجے غلط ہیں یا اصل کی جگہ مترادف لفظ لکھا گیا ہے۔لیکن بعض اختلافات زیادہ اہم ہیں مثلاً الفاظ، جزو، جملہ یا پوری کی پوری آیت حذف کر دینا یا بڑھا دینا۔متنی نقاد کس طرح یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ مصنفین نے اصل میں کیا لکھا تھا؟

(ص:123)

نوٹ از مولف: قارئین! عیسائی عالم فرما رہے ہیں کہ نئے عہد نامہ کی کوئی ایک آیت بھی متفق علیہ نہیں ہے جس پر سارے قلمی نسخے متفق ہوں۔اس سے ثابت ہوا کہ مسیح علیہ السلام اور روح القدس کے ہمیشہ ساتھ رہنے کا دعویٰ محض بے بنیاد ہے اور یہ کہ یہ کتابیں روح القدس کی تائید سے نہیں لکھی گئیں اور نہ ہی یہ الہام سے ہیں جیسا کہ عیسائی حضرات کا دعویٰ ہے۔دوسری طرف قرآن مجید پُورے کا پورے تمام مسلمانوں کا متفق علیہ ہے۔آیئے! قرآن کے دامن میں پناہ لے لیں اور نجات پائیں۔

(V) دانستہ یا ارادی تصرفات (تبدیلیاں)

اس عنوان کے تحت لکھا ہے:۔

نئے عہد نامہ کی تحریروں کی نقلیں تیار کرتے ہوئے نقل نویس بعض اوقات متن میں تصرفات کر دیتے تھے۔بعض تصرفات دانستہ یا ارادی ہوتے تھے تا کہ اسلوب بیان بہتر ہو جائے یا زبان قواعد گرامر کے مطابق ہو جائے۔دوسرے دانستہ تصرفات اس لیے کئے گئے کہ ایک انجیل کے متن کو دوسری انجیل کے متن کے مطابق یا پولس کے ایک خط کے مندرجات کو اسی کے دوسرے خط کے مندرجات کے مطابق بنا دیا جائے۔ مثال کے طور پر NRSV میں 1۔

تھسلنیکیوں 1:1 کے مختصر متن "تمھیں فضل اوراطمینان حاصل ہوتا ہے" کا مقابلہ KJV میں مقابلتاً طویل متن "خدا ہمارے باپ اور خداوند یسوع مسیح کی طرف سے تمہیں فضل اوراطمینان حاصل ہوتا ہے" سے کیجیے۔علاوہ ازیں KJV اور RSV میں لوقا 11:2-4 میں مرقوم دعائے ربانی کا مقابلہ کیجیے......کسی نامعلوم نقل نویس نے لوقا میں اس صورت کو تبدیل کر دیا تا کہ وہ متی کی انجیل والی زیادہ معروف و مانوس صورت (متی 6:9-13) کے مطابق ہو جائے۔لوقا کی انجیل میں مرقوم دعا کی یہ تبدیل شدہ اور زیادہ طویل صورت ہی بائبل کے مقبول ترین متن Textus Receptus میں شامل ہے۔KJV ترجمے میں اسی کی پیروی کی گئی ہے اور بیسویں صدی تک ساری دنیا میں تقریباً سارے تراجم میں اسی کو اپنایا گیا......کئی اور تصرفات بعض آیات میں علم الٰہیات کو "بہتر" بنانے کے لئے کیئے گئے۔مثال کے طور پر لوقا 2:41-43 میں بتایا گیا ہے کہ جب یسوع بارہ برس کا تھا تو عیدِ فسح کے بعد دوسرے مسافروں کے ہمراہ گھر واپس جانے کی بجائے وہ یروشلم میں رہ گیا۔بہترین قلمی نسخے آیت 43 میں کہتے ہیں کہ وہ رہ گیا اور اس کے والدین کو خبر نہ تھی......مگر کسی منشی نے "اس کے والدین" کی بجائے تصرف کرکے "یوسف اور اس کی ماں" لکھ دیا۔غالباً مقصد یسوع کے کنواری سے پیدا ہونے کے عقیدہ کا تحفظ کرنا ہے۔(ص124-125)

نوٹ از مولف:

تصرّف ہی تحریف ہے۔فاضل مترجم نے بائبل کو الزام سے بچانے کے لیے وہی کام کیا جو منشی صاحبان کرتے تھے۔KJV سے مراد کنگ جیمز ورژن، RSV سے مراد ریوائزڈ سٹینڈرڈ ورژن اور NRSV سے مراد نیو ریوائزڈ سٹینڈرڈ ورژن ہے۔بجائے سیدھا لفظ تحریف لکھنے کے، محترم مترجم نے تصرف لکھا تا کہ عام آدمی کو سمجھ نہ آئے اور جرم کی سنگینی کم ہو جائے۔اور یہ کہ مسلمان حضرات کو تحریف بائبل کا ثبوت ہاتھ نہ آئے۔اس عبارت میں مصنف نے دانستہ تحریفات کی طرف اشارے کیئے ہیں۔آگے غیر دانستہ تحریفات کا ذکر ہے، ملاحظ ہو۔

(vi) غیر ارادی یا نادانستہ تصرفات (تبدیلیاں):۔اس کے تحت لکھتے ہیں:۔

کئی تصرفات غیر ارادی تھے۔اس کا سبب پڑھنے میں غلطی یا ناقص یاداشت ہے۔غلطی اس طرح ہوگئی کہ کبھی منشی کی نظر کسی ایک حرف، ایک لفظ یا کبھی پوری سطر سے اُچٹ گئی اور ایک لفظ یا کئی لفظ

سہواً نقل ہونے سے رہ گئے۔ کبھی یہ ہوا کہ متن کو غلط پڑھا اور غلط حرف یا غلط لفظ نقل کر دیا یا کبھی غلطی سے کوئی لفظ یا چند الفاظ مکرر نقل کر دیئے۔(ص:125)

پہلی تین عیسوی صدیوں کے دوران منشیوں نے یونانی نئے عہد نامہ میں متعدد تصرفات کیے۔ کیونکہ تا حال بالکل صحیح صحیح نقول تیار کرنے کے سخت ضوابط لاگو نہیں تھے۔(ص:129)

اس کی مثال دیتے ہوئے مصنف نے متی 17:27 کا حوالہ دیا ہے جس میں مذکور ڈاکو کا پورا نام برابا یسوع تھا مگر متن میں سے لفظ یسوع حذف کر دیا گیا(ص:134-139)

اب بھی اردو ترجموں میں اور KJV وغیرہ انگریزی ترجموں میں صرف لفظ برابا لکھا ہوا ہے جبکہ گڈ نیوز بائبل (ص 42) اور عربی ترجمہ (ص 50) پر برابا یسوع لکھا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ دراصل صلیب تو برابا یسوع ڈاکو کو دی گئی مگر یہودیوں نے اپنی دھاک بٹھانے کے لیے یسوع ابن مریم مشہور کر دیا جسے سادہ لوح عیسائیوں نے بھی مان لیا کیونکہ بوقت صلیب کوئی یہودی یا عیسائی موقع پر موجود نہیں تھا۔

(vii) نئے عہد نامہ میں موجود پولوس، پطرس، یوحنا یا یہودہ کے خطوط کے بارے میں مصنف لکھتا ہے کہ خطوط'' لکھتے وقت ان کے خواب وخیال میں بھی نہ تھا کہ جو کچھ ہم لکھ رہے ہیں اسے وہ معتبری اور سند حاصل ہے یا کبھی حاصل ہو جائے گی جو ان مقدس متون کو حاصل ہے جو یہودی عبادت خانوں اور ابتدائی مسیحیوں کے اجتماعات یا عبادتوں میں پڑھے جاتے ہیں۔ یہ کہنے میں کوئی خدشہ نہیں کہ سوائے مکاشفہ کے نئے عہد نامے میں کہیں کوئی اشارہ نہیں ملتا ہے کہ مصنفین کو یقین تھا کہ جو کچھ ہم لکھ رہے ہیں وہ مقدس صحائف کا حصہ بن جائے گا۔(ص:165)

اس اعتراف سے ثابت ہوتا ہے کہ نیا عہد نامہ بشمول چاروں اناجیل و اعمال، نہ تو کلام خدا ہیں نہ اس خیال سے لکھی گئیں۔ جبکہ ان کے مقابلہ میں قرآن مجید کلام خدا ہے اور اسی یقین سے لکھا گیا کہ یہ کلام خدا ہے۔

(viii) پہلی چند صدیوں کے دوران مسیحیوں کے درمیان پائے جانے والے تفرقوں کے پیش نظر متعدد لوگوں نے اناجیل، اعمال کی کتابیں، خطوط اور مکاشفہ کی کتابیں لکھیں۔(ص167)

مصنف حاشیہ میں لکھتا ہے'' یاد رکھنا چاہیئے کہ چاروں اناجیل میں سے کوئی بھی اپنے مصنف کا نام نہیں دیتی۔ یہ اناجیل تیسری صدی کے اوائل میں زبانی روایت سے ضبط تحریر میں لائی

گئیں اور کئی سالوں بعد اسی روایت کی بنیاد پر چار انجیل نویسوں سے منسوب کی گئیں۔

(حاشیہ ص:167)

(ix) سارے مسیحی کتابوں کے ایک ہی مجموعے کو مستند نہیں مانتے۔ (ص:169)

یعنی بائبل کا کوئی متفقہ متن پوری دنیا میں کہیں بھی موجود نہیں ہے۔

(x) اپاکرفہ (غیر معتبر) کتابوں کے بارے میں مصنف لکھتا ہے ''علماء نے نئے عہد نامے میں ایک سو سولہ (116) ایسے اشاروں یا خفیف حوالوں اور لفظ بہ لفظ اقتباسات کی نشاندہی کی ہے جو مستند بہ درجہ دوم یا پروٹسٹنٹ حلقوں کے مطابق اپاکرفائی اور جعلی کتابوں سے لئے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں بتایا گیا ہے کہ نئے عہد نامے میں تین (ممکنہ چار) مقامات پر قدیم دنیا کی دیگر تحریروں سے بھی حوالے موجود ہیں۔ (حاشیہ نمبر1، ص:170)

ان الفاظ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نئے عہد نامے میں جعلی کتابوں کا مواد موجود ہے لہٰذا محرف ہے، اگر وہ کتابیں جعلی نہیں تو نامکمل ہے کیونکہ اپاکرفہ کو پروٹسٹنٹ تسلیم نہیں کرتے۔ دونوں صورتوں میں بائبل کلام خدا ثابت نہیں ہوتی۔

(xi) افسوس کی بات ہے کہ ان مصنفین کی بہت سی تصانیف تباہ اور ضائع کر دی گئیں کیونکہ انہیں آزاد خیال یعنی غیر راسخ العقیدہ سمجھا جاتا تھا۔ علاوہ ازیں مبینہ بے دین مصنفین کی بعض مسیحیت مخالف تصانیف بھی ضائع کر دی گئیں۔ پرفیرئیس (تیسری صدی کا نصف آخر) کی تصانیف کا مٹ جانا خاص طور پر افسوسناک ہے۔ (ص:172 کا حاشیہ نمبر2)

(xii) مستند کتابوں کی کوئی متفقہ فہرست کہیں موجود نہ تھی۔ کہیں چوتھی صدی میں جا کر مستند فہرست کی تالیف و ترتیب کے بارے میں مقامی کونسلوں نے فیصلہ کیا۔ کہیں بعد میں جا کر ایسا ہوا کہ ایسے معاملات کو مجموعی کونسلوں نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ بعض کتابیں جو مشتبہ سمجھی جاتی تھیں، مستند فہرست میں شامل کر لی گئیں۔ یہ کام لوگوں کی پسند کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا گیا (یعنی روح القدس کا فیصلہ نہ تھا) اس بات میں شک پایا جاتا تھا اور اب تک پایا جاتا ہے کہ عبرانیوں کے خط کا مصنف پولس ہے یا نہیں۔ اور 2۔ پطرس کا مصنف پطرس ہے یا نہیں۔ ہر صورت، 27 مستند کتابیں یہ ہیں جنہیں تسلیم کیا گیا اور مسیحیوں کی بڑی اکثریت (سارے نہیں) اب بھی انہیں مستند مانتی ہے۔ (ملخص از ص:175-176)

(xiii) بائبل کا ترجمہ کرنے میں بہت سے عملی مسائل اور حقیقی مشکلات موجود ہیں
(ص:250۔325-326)

(xiv) نئے عہد نامہ کے ترجمہ کو درپیش پہلا مسئلہ یہ ہے کہ وہ کون سے یونانی متن سے ترجمہ کریں۔ ہاتھ کے لکھے ہوئے اصل متون میں سے کوئی بھی باقی نہیں ہے۔ صرف اصل نسخوں کی نقول کی نقول موجود ہیں۔ شروع کی صدیوں میں جب نسخوں کی نقول سے ہاتھ کی نقول سے ہاتھ کی لکھی ہوئی تیار کی گئیں تو نقل کرنے والوں سے کئی غلطیاں ہوئیں۔ اسی وجہ سے گو ہمارے پاس آج نئے عہد نامے کی یونانی، لاطینی، سریانی، قبطی اور دیگر قدیم زبانوں میں ہزاروں نقول موجود ہیں مگر ان میں غلطیاں موجود ہیں۔ متن کے ماہرین کے لیے مشکل یہ ہے کہ ہم جب ان نسخوں کا آپس میں موازنہ کرتے ہیں اور فرق دیکھتے ہیں تو کیسے جان سکتے ہیں کہ کون سے الفاظ اصلی ہیں اور کون سے نقول کرنے والوں کی غلطیاں ہیں (ص:331) اگر نئے عہد نامہ کا یہ حال ہے تو پرانے عہد نامہ کے کیا کہنے!

30۔ ڈاکٹر مرقس ڈاڈز DD کی کتاب (The Bible- Its Origin and Nature) کا ترجمہ 1911ء میں پنجاب ریلجیس بک سوسائٹی انار کلی لاہور سے شائع ہوا۔ یہ کتاب سکاٹ لینڈ کے نامور پروفیسر ڈاڈز کے ان لیکچروں سے تیار کی گئی جو اس نے امریکہ میں طلباء کو دیئے، یہ ترجمہ تحقیق بائبل کے نام سے پادری طالب الدین نے کیا۔ اس کے چیدہ چیدہ نکات یہ ہیں۔

(i) پطرس کے دوسرے خط کو قدیم کلیسا کے بڑے حصے نے نہیں مانا (ص:21) جبکہ یہ آج بھی کلام مقدس کا حصہ ہے۔

(ii) لوتھر یعقوب کے خطوط کو مشکوک مانتا تھا۔ (ص:21-22)
وہ دوسرے مکابیوں کو بھی مشکوک مانتا تھا (ص 25) لوتھر کے خیال میں عبرانیوں کا خط، یہودا کا خط اور مکاشفہ الہامی نہیں۔ (ص:30-31-35)
مگر یہ تینوں اب بھی کتاب مقدس کا حصہ ہیں۔

(iii) آستر کی کتاب کا مصنف اور الہام دونوں غائب ہیں (ص:38) بائبل کے مرتبین کو ملہم ثابت کرنا مشکل اور لغویات ہے۔ (ص:39)

(iv) بائبل صرف کلیسا کے فیصلہ کی بنا پر تسلیم کی گئی ہے۔ (ص:22) یعنی روح القدس کا کوئی دخل نہیں۔

آگے لکھتے ہیں کہ ٹرنٹ کی کونسل کے فیصلہ تک بائبل کا معاملہ رواج پر منحصر تھا (ص:23) جبکہ لوتھر کا موقف یہ ہے کہ کوئی کونسل کسی کتاب کو الہامی قرار نہیں دے سکتی۔(ص:25)

(v) کلیسائے روم نے بلا تحقیق بائبل کو اپاکرفہ سمیت قبول کر لیا۔ (ص:25)

جبکہ لوتھر کا معیار ذاتی ہے (ص:33) یعنی وہ کسی اصول کا پابند نہیں۔

(vi) ریاضی بدیہیات میں سے ہے اور اس کے خلاف صحیح نہیں ہوتا۔ لوتھر (ص:27) مگر تثلیث؟ کہ ایک تین کے برابر اور تین ایک کے برابر؟

(vii) یوحنا کی انجیل کو رد کرنے والے کے اعتراض کا کوئی جواب لوتھر کے پاس نہ تھا۔ (ص35)

(viii) انجیل لاغلط نہیں ہے (ص:97-100-101) صرف اپنے گناہوں کا جواز پیش کرنے والے اسے غلط کہتے ہیں۔ (102)

(ix) انجیل کے اختلافات ناقابل حل ہیں (ص:98-104-105)

اناجیل کو علماء لفظ بہ لفظ نہیں مان سکتے۔ (ص:115۔ص:133)

انجیل نویسوں نے اپنی مذہبی رائے کے مطابق اناجیل لکھیں۔ (ص:125-127)

31۔ ڈاکٹر پیٹرسن سمائتھ DD کی کتاب How God Inspired The Bible کا ترجمہ 1905ء میں پنجاب ریلجس بک سوسائٹی نے انارکلی لاہور سے شائع کیا۔ اس کے چیدہ چیدہ نکات یہ ہیں۔

(i) اوریجن (220ء) کہتا ہے کہ اناجیل میں اتنے اختلافات ہیں کہ ان سے آدمی کا سر گھومنے لگتا ہے۔ (ص:83)

(ii) تورات کی ساری کتابیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف نہیں۔ (ص:190)

(iii) کئی ایک صحیفوں کی بابت ہم نہیں جانتے کہ ان کے لکھنے والے کون تھے۔ (ص:19)

نہ یہ جانتے ہیں کہ ان کا انتخاب کس طرح کیا گیا۔ (ص:19)

بائبل پر اعراب ایک ہزار سال بعد لگائے گئے۔ (ص:66)

لوتھر بائبل کے صحیفوں پر اپنی تمیز کے مطابق حکم لگاتا تھا۔ چنانچہ وہ یعقوب کے خط کو کوڑا یا بھوسہ کہتا ہے اور ایوب کی کتاب کو تاریخی ڈرامہ کہتا ہے۔ (89)

(iv) پرانے عہدنامہ کے احکام کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ (ص:166)

32۔ موقع پرستی کے لیے ترجمہ بدل دیا جاتا ہے۔ پادری ایف ایس خیر اللہ لکھتے ہیں ''مسیحیوں کے نزدیک عیسیٰ کا لفظ قابل قبول نہیں۔ بدیں وجہ انجیل کے اردو اور عربی ترجموں میں لفظ یسوع استعمال ہوا ہے۔ لیکن فارسی اور پشتو میں عیسیٰ ہی استعمال کیا گیا ہے۔ (قاموس الکتاب، ص: 677)
یہی کام کھل کر جیولنک ریسورس ترجمہ میں کیا گیا ہے جو کہ 2011ء میں شائع ہوا۔ اس میں لفظ اللہ، عیسیٰ، امام اعظم وغیرہ الفاظ پورے ترجمہ میں استعمال کئے گئے ہیں۔

33۔ انبیاء کرام علیہم السلام پر لگائے گئے الزامات اس بات کا ثبوت ہیں کہ بائبل محرف ہے۔ اِن کا ذکر الگ باب میں کیا گیا ہے۔

34۔ تحریف کی چند ایک مثالیں پیش خدمت ہیں۔

(i) کیتھولک ترجمہ میں اخزیاہ کی عمر 42 سے بدل کر 22 سال کردی گئی اور یہ کام 1958ء میں کیا گیا جبکہ پروٹسٹنٹ ترجمہ اردو اور KJV میں اب بھی اس کی عمر 42 سال لکھی ہوئی جس کی وجہ سے بیٹا اپنے باپ سے 2 سال بڑا ثابت ہوتا ہے ملاحظہ ہو
(2۔ تواریخ 2:22 اور 2۔ تواریخ 5:21)

(ii) 1931ء میں استثنا 2:33 میں موجود الفاظ ''دس ہزار'' کو ''لاکھوں'' کے لفظ سے بدل دیا گیا۔

(iii) یرمیاہ نبی کی کتاب میں باروک بن نیریاہ منشی نے اضافہ کردیا۔ (یرمیاہ: 32:36)

(iv) یرمیاہ نبی کی کتاب یرمیاہ میں ان کی باتیں باب نمبر 51 کے آخر تک ہیں جہاں لکھا ہے کہ ''یرمیاہ کی باتیں یہاں تک ہیں۔'' مگر اس کے بعد باب نمبر 52 پورا اس کتاب میں اضافہ کیا گیا ہے۔

(v) متی 23:2 میں یسوع علیہ السلام کے بارے میں ایک پیش گوئی لکھی ہے ''تاکہ جو نبیوں کی معرفت کہا گیا تھا وہ پورا ہو کہ وہ ناصری کہلائے گا۔'' یہ پیشگوئی پرانے عہد نامہ کی کسی کتاب میں نہیں لہٰذا متی کی انجیل میں تحریف ہے اور وہ کلام خدا نہیں ہے۔

(vi) توریت کا سامری نسخہ عہد عتیق کے نسخوں میں سے اہم ترین اور صحیح ترین نسخہ ہے..... قریباً 6 ہزار جگہوں میں اس کا متن میسوریٹک نسخہ سے مختلف ہے۔ (ہماری کتاب مقدسہ۔ پادری جی۔ ٹی۔ مینلی، ص: 42)

35۔ تحریف کے مزید دلائل کے لیے ملاحظہ ہو سید مودودی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب نصرانیت قرآن کی نظر میں (ص 89-90 تا 164,95)
امکان ووقوع تحریف کے دلائل کے لیے مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب بائبل سے

قرآن تک جلد نمبر1 ص 188 تا192 - 227 تا279 - 286 ،کیتھولک الزام کے لیے ص251-252-384 ،تحریف کب ہوئی کے لیےص 280 ،الفاظ کی تبدیلی کے لیے ملاحظہ ہو بائبل سے قرآن تک جلد نمبر 2 ص 14 تا ص39 ،الفاظ کی زیادتی ص 40 تا ص28 ،حذف الفاظ ص79 تا 100 ،مغالطہ ص101 تا 168 ،نسخ احکام کا ثبوت ص171 تا 205 ملاحظہ ہو۔

موریس بوکائیے کی کتاب بائبل قرآن اور سائنس کا ص:76-77-137 ،جی ٹی مینلی کی کتاب ہماری کتب مقدسہ کا ص:27 تا29 ,41,36 تا 43,46,48,52,54,56,58,59,66-69- 177,176,174 اور 446 ملاحظہ ہو۔

پادری برکت اللہ کی کتاب صحت کتب مقدسہ کا ص: 30 ,63 ,64 ,154۔ 184-185-194,195-231-241-245-253، 170-209-267 234-ملاحظہ ہو۔کاتب کی غلطی کی مثالوں کے لئے ملاحظہ ہو قاموس الکتاب ص124 تا 126۔

36۔پادری حضرات خصوصاً سلطان پال کی پیش کردہ آیات قرآن ،جن سے اس نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ بائبل میں تحریف نہیں ہوئی کا جواب الگ باب میں دیا گیا ہے۔

37۔مسیح کی انجیل جس کا ذکر مرقس 15:16 میں ہے اور پولوس کی انجیل جس کا ذکر گلتیوں 8:1 میں ہے وہ دنیا میں کہیں موجود نہیں ہیں۔

ایک نکتہ

عیسائی حضرات اکثر یہ بات کہا کرتے ہیں کہ اگر موجودہ اناجیل غلط اور محرف ہیں تو پھر مسلمان اصل اناجیل سامنے لے آئیں۔ یہ جواب عیسائی حلقوں میں بڑا معرکتہ الآرا سمجھا جاتا ہے۔لیکن اس کا ایک پہلو اور بھی ہے،موجودہ انجیل برناباس کو عیسائی جعلی ،بدعتی اور کسی مسلمان کی تصنیف بتاتے ہیں۔ہم ان سے یہ سوال پوچھنے میں حق بجانب ہیں کہ اگر یہ انجیل جعلی ہے تو پھر اپنے اصول پر قائم رہتے ہوئے اصل انجیل برناباس دنیا کے سامنے لے آئیں اور مسلم الزام سے جان چھڑا لیں۔اس کے جواب میں ایک عیسائی یہی کہہ سکے گا چونکہ ہم اس انجیل کو نہیں مانتے اس لیے اسے سامنے لانا ہم پر لازم نہیں۔تو پھر مسلمانوں کو کیوں کہتے ہیں کہ اصل انجیل سامنے لاؤ۔وہ کیوں یہ اصول بھول جاتے ہیں کہ جس پیمانہ سے تم ناپتے ہو اسی سے تمھارے واسطے ناپا جائے گا۔ (متی 2:7)

عیسائی دنیا موجودہ انجیل برنا باس کو جعلی اور اختراعی کہہ سکتی ہے۔ مگر انجیل برنا باس کے وجود کا سرے سے انکار نہیں کر سکتی کہ وہ کبھی موجود نہ تھی۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مطابق انجیل برنا باس کلیسیا کی متروک کتب کی فہرست میں شامل ہے۔

38- نام بھی بگاڑے گئے، مثلاً یحییٰ کو یوحنا بنا دیا جبکہ عبرانی میں اصل نام یحییٰ ہی تھا۔ ڈاکٹر ہیو شان فیلڈ کی کتاب پاس اوور پلاٹ۔ (ص:208-281)

39- جھوٹ بولنا پال کے نزدیک اصول مذہب تھا۔ (رومیوں 7:3)
لہٰذا تحریف کو جرم نہیں سمجھتے تھے۔

جب بائبل خصوصاً عہد جدید کی صحت کا معاملہ مشکوک ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ

☆ کیا اس پر عقیدہ استوار کیا جا سکتا ہے؟
☆ اس پر عقیدہ رکھنا کیوں اور کیسے ضروری ہے؟
☆ کیا اس کی تعلیم قابل اعتبار رہے گی؟

2- اصول یہ ہے کہ سچا نبی ہی سچی کتاب لاتا ہے۔ جب انجیل میں الحاقی آیات کا ہونا قابل تسلیم ہے تو پھر اسے سچی الہامی کتاب کے طور پر ماننا مشکل ہے۔ ایسی صورت میں یسوع کی اصلی کتاب کا دکھایا جانا مسیحیوں کے ذمہ رہتا ہے۔ اگر وہ اس اصول کی پیروی کرنے سے قاصر رہیں تو پھر از راہ کرم یہی بتا دیں کہ چونکہ یہ دعویٰ مسیحی مشنریز مسلسل کرتی رہتی ہیں کہ یہ کتب الہامی ہیں تو

☆ کیا الہام یسوع مسیح کے بعد بھی جاری رہا تھا؟
☆ اگر جاری رہا تھا تو کب تک؟
☆ کس رسول یا نبی نے اس کے اختتام پذیر ہونے کا اعلان کیا؟
☆ اگر الہام ختم نہ ہونے کا کوئی اعلان موجود نہیں تو پھر کیوں نئی کتب عہد جدید میں شامل نہیں ہو سکتیں؟ ان کی شمولیت کس اصول کے تحت ممنوع قرار پائی ہے؟ اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ ایسا امکان باقی ہے تو پھر عہد جدید کامل نہیں۔ اور اس کا تصور نجات بھی ادھورا ہے۔ اس پر مسیحی کیا کہیں گے؟
☆ اگر الہامی کتب کے شامل ہونے کا معاملہ کلیسیا نے فیصل کر دیا ہے تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا سلسلہ الہام کلیسیا کے فیصلے کے تحت ختم ہو سکتا ہے؟ اگر ہو سکتا ہے تو یہ سراسر انسانی اختیار ہوا۔ اگر

کلیسیا کے فیصلے کے تحت الہام ختم نہیں ہوسکتا تو پھر سوال وہی رہے گا کہ عہد جدید کامل نہیں۔

☆ اگر الہام تو جاری ہے لیکن کلیسا اسے رڈیا قبول کرنے کا اختیار و سند رکھتا ہے تو پھر سچے الہام کے استرداد کی صورت میں کلیسیا کی پوزیشن ہوگی؟ کیا خدائی مرضی غالب نہ آ جائے گی؟ کیا الہام چرچ کی توثیق کا محتاج ہے؟

☆ کیا سچا ملہم، جس کا الہام قبول کیا جائے گا، کلیسیا کے تحت ہوگا یا اسے سربراہی سونپ دی جائے گی؟ کلیسا اور ملہم کا آپس میں کیا تعلق ہوگا؟

☆ اگر مسیحی یہ عذر کریں کہ پولوس نے یہ کہہ دیا تھا کہ جو انجیل ہم نے سنائی ہے اس کے علاوہ ہر انجیل ملعون ہے تو پھر یہ چاروں انجیلیں بھی پولوس کے بعد لکھی گئی ہیں۔ کم از کم تین تو ہر صورت میں اور دیگر کتب بھی۔ ایسی صورت میں انہیں رد کرنا پڑے گا۔ اگر یہ عذر ہو کہ یہ وہی الہام ہے جو پولوس نے سنایا تھا تو پھر بعد میں ان کا لکھا جانا الہام سے نہیں ہوسکتا بلکہ الہام کی محض روایت ہوگی جس میں لکھاری کے اپنے خیالات، تبصرے اور جذبات وغیرہ شامل ہوں گے، جسے خدا کا کلام نہیں مانا جاسکتا۔ ہاں اس میں خدا کا کلام ہوسکتا ہے۔ ایسی صورت میں یہ محض عام انسانی تالیفات ہی تسلیم کی جاسکتی ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ پولوس کے اس فرمان کے باوجود یہ کتب بہر صورت الہامی ہیں تو پھر یہ عذر ختم ہوا کہ اب نئے سلسلہ الہام کی کوئی جگہ نہیں۔ اگر پولوس کے بعد یہ کتب الہام سے لکھی جاسکتی ہیں تو گھوم پھر کر بات وہیں آ گئی کہ نئے ملہم اور اسکی کتاب کی گنجائش موجود ہے۔ لہٰذا عہد جدید کامل نہیں۔ اور سلسلہ الہام جاری ہے تا آنکہ کوئی مستند ملہم اس کا خاتمے کا غیر مبہم اور واضح اعلان کردے۔ کیا ایسا ہوا اور کس نے کیا؟ یہ تاریخ کے کن ایام میں واقع ہوا؟ یا معاملہ چپکے سے ختم سمجھ لیا گیا ہے؟

3۔ عہد جدید کی کتب کیا یسوع مسیح کے فرمان سے لکھی گئیں یا ان کے زیر ہدایت یا وہ ان سے لاعلم تھے؟ اگر ان کے علم میں یہ کتابیں ہیں تو اس کا ثبوت کیا ہے؟ اگر وہ ان سے واقف مان بھی لئے جائیں تو انہوں نے کب ان مصنفین کو حکم دیا کہ یہ کتب لکھ کر خدا کے کلام کی صورت میں لوگوں کو پیش کرو؟ یہی لوگ اس کے مکلّف کیوں ٹھہرے کہ کچھ مقدس ادب تحریر کریں؟ کیا غیر نبی بھی اپنے کلام کو الہامی کہہ سکتا ہے؟ اگر نہیں تو پھر ان لوگوں نے کیوں لکھا اور ہم کیوں مانیں؟ اگر یسوع مسیح نے ایسا کوئی فرمان نہیں دیا تو پھر انہیں لاعلم کیوں نہ مانا جائے؟ کیا یسوع مسیح کے بعد

یہی لوگ ملہم ہوئے ہیں؟

4- کیا موجودہ مسیحی عقیدہ، جسے رسولی عقیدے کا نام دیا جاتا ہے۔یسوع مسیح کا دیا ہوا ہے؟ اور اسی شکل میں ہے؟ یا پھر یہ بعد کے لوگوں کی اختراع ہے؟ اگر اس میں ترامیم نہیں ہوئیں تو ثبوت درکار ہے۔ اور اگر یہ ترمیمی مراحل سے گزرا ہے تو پھر اصل نجات دہندگان اس عقیدے کے خالق لوگ مسیحی پادری نہ ہوئے نہ کہ یسوع مسیح۔کیا پادری صاحبان کی مجلس اپنی پسند کا عقیدہ وضع کرنے کی مجاز ہے؟ یہ بھی واضح ہونا لازم ہے کہ ترمیم کنندگان نے کس حیثیت میں یہ ترامیم کیں؟ یہ کیوں لازم ہوا کہ لوگ اس ترمیمی عقیدہ کو اپنائیں؟ کیا اس صورت میں مسیحی ایمان نبیوں یا خدا کی بجائے پادریوں کے ماتحت نہیں؟ پھر یہ سوال بھی اٹھتا ہے کہ کیا کلیسیا الہام کی تشکیل نو(Reshape) کرسکتی ہے؟

5- پروٹسٹنٹ جن کتب کو الہامی مانتے ہیں وہ رومن کیتھولک چرچ کی منتخب و اختیار کردہ ہیں تو پھر پروٹسٹنٹوں کا ان سے اختلاف کیا ہے؟ وہ کون سا مقام ہے جہاں پروٹسٹنٹ لوگوں نے محسوس کیا کہ مادر کلیسا اپنی راہیں جدا کرچکی ہے اس لئے پروٹسٹنٹس نے سیدھے راستے پر سفر جاری رکھا؟ اگر یہ اختلافات محض تنظیمی ہیں اور اصولی نہیں تو پھر کیا کیتھولک مجالس کے فیصلے اب بھی پروٹسٹنٹ کے لئے حجت ہیں؟ اگر نہیں تو پھر یہ تنظیمی اختلاف نہ ہوا بلکہ اصولی تو پھر یہ جاننا لازم ہوجاتا ہے کہ یسوع کی تعلیم سے ان کا مقام انحراف کیا ہے؟ اور اب اس کے فیصلے کیوں حجت نہیں رہے؟

6- کیا عہد جدید کی کتب کا انتساب اپنے مصنفین کی طرف درست ہے؟ یا یہ فرضی ناموں سے لکھی گئی کتب ہیں؟ اگر ان کے مصنفین نامعلوم لوگ ہیں تو اس انتساب کو مومنین کے ساتھ ایک مقدس دھوکہ دہی سے کیوں نہ تعبیر کیا جائے؟

❀❀❀

بائبل میں نسخ کا ثبوت

لغت میں نسخ کے معنی زائل کر دینا، مٹا دینا ہیں۔ مسلمانوں کی اصطلاح میں کسی عملی حکم کی مدت کی انتہا (Expiry) کا بیان کرنا، جو تمام شرائط کو جامع ہو، نسخ کہلاتا ہے۔ عقائد، ماضی کے قصوں یا امور قطعیہ عقلیہ، امور حسیہ، میں نسخ ممکن نہیں۔ نسخ صرف احکام میں واقع ہوسکتا ہے جو عملی اور وجود وعدم دونوں کا احتمال رکھتے ہوں، دائمی نہ ہوں اور کسی وقت کے ساتھ مخصوص کئے گئے ہوں۔ ایسے احکام کو احکام مطلقہ کہا جاتا ہے۔ ان میں یہ بات بھی ضروری ہے کہ زمانہ، مکلّف اور صورت متحد نہ ہوں بلکہ تینوں یا بعض میں اختلاف ہو۔ نسخ کی اصطلاح کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ متعلقہ حکم کا انجام خدا کو معلوم نہ تھا۔ خدا تعالیٰ کو بات پہلے سے معلوم تھی کہ فلاں حکم فلاں وقت تک باقی رکھا جائے گا پھر ختم کر دیا جائے گا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ماہر حکیم مریض کی حالت کے مطابق اس کی دوا اور غذا میں مکمل تندرستی تک تبدیلی کرتا رہتا ہے۔

یہودی اور عیسائی، مسلمانوں کو قرآن مجید میں نسخ احکام کا طعنہ دیتے رہتے ہیں مگر بائبل پر توجہ نہیں کرتے جس میں دونوں قسم کے نسخ موجود ہیں۔ پادری سلطان پال اپنی کتاب سلطان التفاسیر میں لکھتا ہے کہ بائبل میں اس مسئلہ کا مطلق ذکر نہیں۔ (ص:448، بحوالہ برہان التفاسیر، ص:391)

(i) وہ نسخ جو کسی نئے نبی کی شریعت میں کسی پہلے نبی کی شریعت کے حکم کی نسبت ہو۔

(ii) دوسرا نسخ جو خود اسی نبی کی شریعت کے کسی سابقہ حکم کی نسبت جاری ہو۔

ان دو قسموں کی چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔

نسخ کی پہلی قسم

(1) حضرت نوح علیہ السلام کی شریعت میں تمام جاندار اور ہر قسم کی ترکاری حلال تھی۔ (پیدائش 3:9)
جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بہت سے جانور جن میں خنزیر بھی شامل ہے، حرام کر دیئے گئے۔ (احبار، باب:11۔ استثنا باب:14)

(2) دو بہنوں سے نکاح پہلے حلال تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے دو بہنوں سے بیک وقت نکاح کیا۔

(پیدائش باب:29)

مگر شریعت موسوی میں یہ حرام کر دیا گیا۔(احبار:18:18)

(3) کتاب یرمیاہ 31:31 میں کہا گیا "دیکھ وہ دن آتے ہیں، خداوند فرماتا ہے جب میں اسرائیل کے گھرانے کے ساتھ نیا عہد باندھوں گا۔اس نئے عہد سے مراد جدید شریعت ہے۔پال نے بھی اپنے خط میں ان الفاظ سے پرانی شریعت کی منسوخی مراد لی ہے۔(عبرانیوں:8:8تا13)

(4) شریعت موسوی میں طلاق کی اجازت تھی۔(استثناء:24:1-2)

مگر عیسیٰ علیہ السلام نے طلاق کی اجازت ختم کر دی۔(متی:19:8-9)

(5) شریعت موسوی میں بہت سے جانور حرام کر دیئے گئے تھے۔(احبار باب:11،استثنا باب:14)

مگر پال نے یہ کہہ کر سب کچھ حلال کر دیا کہ "پاکوں کیلئے سب کچھ پاک ہے۔"

(ططس 15:1 اور تیمتھیس 4:4)

(6) شریعت اور عید کے بارے میں شریعت موسوی کے احکام دائمی اور ابدی تھے۔

(احبار باب:23۔خروج 13:31)

مگر عیسائی مذہب میں ان احکام پر عمل ختم کر دیا گیا۔(کلسیوں 16:2)

(7) ختنہ کا حکم ابدی تھا (پیدائش 12:17) مگر پال نے ختم کر دیا۔(گلتیوں 1:5 تا 6)

(8) شاگردان یسوع نے مشورہ کر کے سوائے چار کے تورات کے سب احکام منسوخ کر دیئے۔

(اعمال، باب 15)

شریعت اور احکام شریعت کی منسوخی کا کلیہ پال نے یہ بیان کیا کہ "جب کہانت بدل گئی تو شریعت کا بدلنا بھی ضرور تھا۔(عبرانیوں 12:7)

نسخ کی دوسری قسم

(1) خدا تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنے بیٹے کو ذبح کریں، پھر اس حکم کو منسوخ فرما دیا۔

(پیدائش 2:22 اور 12)

(2) کتاب حزقی ایل میں پہلے انسان کی نجاست سے کھانا پکانے کا حکم دیا اور پھر حضرت حزقی ایل کی گریہ زاری کے سبب گوبر سے کھانا پکانے کا حکم دیا۔(حزقی ایل 12:4 اور 15)

(3) پہلے حزقیاہ کو اس کے مرنے کی خبر دی گئی پھر اس کی گریہ زاری کے سبب اس کی عمر 15 برس بڑھا دی گئی۔(2۔سلاطین:6,1:20)

(4) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں کو پہلے صرف بنی اسرائیل میں تبلیغ کرنے کا حکم دیا اور بعد میں بقول انجیل مرقس کے تمام دنیا میں تبلیغ کا حکم دیا۔(متی 10:5-6۔اور مرقس 15:16)

(5) جماعت کی خطا کی قربانی کیلئے ایک بچھڑا قربانی کرنے کا حکم ہوا مگر دوسری جگہ بچھڑے کے ساتھ ایک بکرا بھی قربان کرنے کا حکم دیا۔(احبار 14:4 اور گنتی 24:15)

(6) حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی میں ہر قسم کے جانور جوڑا، جوڑا لینے کا حکم دیا گیا۔(پیدائش 19:6 تا 20) جبکہ دوسری جگہ سات، سات جانور لینے کا حکم ہوا۔ (پیدائش 2:7-3) مگر کشتی میں 2/2 بٹھائے گئے (پیدائش 8:7-9) اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حکم دوبارہ منسوخ ہوا۔

❀❀❀

کتب بائبل کی تحقیق

ماخذ۔ یہوواہ وٹنس بائبل 1984ء ایڈیشن، ص:1546-1547

پرانا عہد نامہ: اس فہرست کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے 6 کتابیں لکھیں۔
نمبر 1 تا 5 (تورات کی پانچ کتابیں) اور نمبر 18 ایوب علیہ السلام کی کتاب

نمبر شمار	کتاب کا نام	مصنف کا نام	جگہ جہاں لکھی گئی	کب مکمل ہوئی (قبل مسیح)	کس دور کے واقعات کا بیان کرتی ہے (قبل مسیح)
1	پیدائش	حضرت موسیٰ علیہ السلام	دوران صحرا نوردی۔ بیابان	1513	تخلیق کائنات سے 1657 تک
2	خروج	حضرت موسیٰ علیہ السلام	دوران صحرا نوردی۔ بیابان	1512	1657 تا 1512
3	احبار	حضرت موسیٰ علیہ السلام	دوران صحرا نوردی۔ بیابان	1512	1512 کے صرف ایک ماہ کا بیان ہے۔
4	گنتی	حضرت موسیٰ علیہ السلام	دوران صحرا نوردی اور موآب کے میدان	1473	1512 تا 1473

5	استثنا	حضرت موسیٰ علیہ السلام	موآب کے میدان	1473	1473 کے صرف دو ماہ کا بیان ہے۔
6	یشوع	حضرت یوشع علیہ السلام	کنعان	انداز 1450	1473 تا (انداز) 1450
7	قضاۃ	حضرت سیموئیل علیہ السلام	اسرائیل	انداز 1100	انداز 1450 تا انداز 1120
8	رُوت	حضرت سیموئیل علیہ السلام	اسرائیل	انداز 1090	قاضیوں کے گیارہ سالہ دور حکومت کا بیان ہے۔
9	1۔سیموئیل	سیموئیل، جاد، ناتن	اسرائیل	انداز 1077ً	انداز 1180 تا 1077
10	2۔سیموئیل	سیموئیل، جاد، ناتن	اسرائیل	انداز 1040	1077 (انداز) تا 1040
11	1۔سلاطین	حضرت یرمیاہ علیہ السلام	یہودیہ اور مصر	انداز 580 ایک جلد میں تھی	انداز 1040 تا 580
12	2۔سلاطین	حضرت یرمیاہ علیہ السلام	یہودیہ اور مصر	انداز 580 ایک جلد میں تھی	انداز 1040 تا 580
13	1۔تواریخ	حضرت عزرا علیہ السلام	یروشلم (؟)	انداز 460 ایک جلد میں تھی	1077 تا 537
14	2۔تواریخ	حضرت عزرا علیہ السلام	یروشلم (؟)	انداز 460 ایک جلد میں تھی	1077 تا 537
15	عزرا	حضرت عزرا علیہ السلام	یروشلم	انداز 460	537 (انداز) تا 467

16	نحمیاہ	حضرت نحمیاہ علیہ السلام	یروشلم	443 کے بعد	456 کے بعد تا 443
17	آستر	مردکی (یہودی)	شوشان۔ عیلام	انداز 474ً	484 (انداز) 474
18	ایوب	حضرت موسیٰ علیہ السلام	بیابان	انداز 1473	1657 تا 1473 کے درمیان 140 سال سے زیادہ عرصہ کا بیان ہے۔
19	زبور	حضرت داؤد علیہ السلام اور دوسرے	نامعلوم	انداز 460	نامعلوم
20	امثال	حضرت سلیمان علیہ السلام، اجور، لیموایل	یروشلم	انداز 716	نامعلوم
21	واعظ	حضرت سلیمان علیہ السلام	یروشلم	1000 سے پہلے	نامعلوم
22	غزل الغزلات	حضرت سلیمان علیہ السلام	یروشلم	انداز 1020	نامعلوم
23	یسعیاہ	حضرت یسعیاہ علیہ السلام	یروشلم	انداز 732	انداز 778 تا 732
24	یرمیاہ	حضرت یرمیاہ علیہ السلام	یہودیہ اور مصر	انداز 580	647 تا 580
25	نوحہ	حضرت یرمیاہ علیہ السلام	یروشلم کے نزدیک	انداز 607	نامعلوم
26	حزقی ایل	حضرت حزقی ایل علیہ السلام	بابل	انداز 591	613 (انداز) تا 591
27	دانی ایل	حضرت دانی ایل علیہ السلام	بابل	انداز 536	618 (انداز) تا 536

28	ہوسیع	حضرت ہوسیع علیہ السلام	ضلع سماریہ	475 کے بعد	803 سے پہلے سے لے کر 745 کے بعد تک کا بیان ہے
29	یوایل	حضرت یوایل علیہ السلام	یہودیہ	اندازاً 820 (؟)	نامعلوم
30	عاموس	حضرت عاموس علیہ السلام	یہودیہ	اندازاً 803	نامعلوم
31	عبدیاہ	حضرت عبدیاہ علیہ السلام	نامعلوم	اندازاً 607	نامعلوم
32	یوناہ	حضرت یوناہ علیہ السلام (یونس علیہ السلام)	نامعلوم	اندازاً 844	نامعلوم
33	میکاہ	حضرت میکاہ علیہ السلام	یہودیہ	716 سے پہلے	اندازاً 777 تا 716
34	ناحوم	حضرت ناحوم علیہ السلام	یہودیہ	632 سے پہلے	نامعلوم
35	حبقوق	حبوق علیہ السلام	یہودیہ	اندازاً 628 (؟)	نامعلوم
36	صفن یاہ	حضرت صفن یاہ علیہ السلام	یہودیہ	648 سے پہلے	نامعلوم
37	حجی	حضرت حجی علیہ السلام	یروشلم کی تعمیر نو کے بعد	520	520ء قبل مسیح کے 112 دنوں کا بیان ہے۔

38	زکریاہ	حضرت زکریاہ علیہ السلام	یروشلم کی تعمیر نو کے بعد	518	520 تا 518
39	ملاکی	حضرت ملاکی علیہ السلام	یروشلم کی تعمیر نو کے بعد	443 کے بعد	نامعلوم
	نیا عہد نامہ			بعد از مسیح	
1	متی	متی	فلسطین	اندازاً 41ء	2ء قبل مسیح سے 33ء تک
2	مرقس	مرقس	روم	اندازاً 60 تا 65 ء	29ء تا 33ء تک
3	لوقا	لوقا	قیصریہ	اندازاً 56 تا 58ء	3ء قبل مسیح سے 33ء
4	یوحنا	یوحنا حواری	افسس یا اس کے نزدیک کی جگہ	اندازاً 98ء	29ء تا 33ء
5	اعمال	لوقا	روم	اندازاً 61ء	33ء (اندازاً) تا 61ء
6	رومیوں کے نام خط	پال	کرنتھس	اندازاً 56ء	-
7	کرنتھیوں کے نام کا پہلا خط	پال	افسس	اندازاً 55ء	-
8	کرنتھیوں کے نام کا دوسرا خط	پال	میسیڈونیا (مقدونیہ)	اندازاً 55ء	-

9	کلسیوں کے نام کا خط	پال		کرنتھس یا شامی انطاکیہ	اندازً 50 تا 52ء	
10	افیسوں کے نام کا خط	پال		روم	اندازً 60 تا 61ء	
11	فلپیوں کے نام خط	پال		روم	اندازً 60 تا 61ء	
12	کلسیوں کے نام کا خط	پال		روم	اندازً 60 تا 61ء	
13	تھسلنیکیوں کے نام کا پہلا خط	پال		کرنتھس	اندازً 50ء	
14	تھسلنیکیوں کے نام کا دوسرا خط	پال		کرنتھس	اندازً 51ء	
15	تیمتھیس کے نام کا پہلا خط	پال		مقدونیا	اندازً 61ء تا 64ء	

16	تیمتھیس کے نام کا دوسرا خط	پال	روم	اندازاً 65ء	
17	ططس کے نام کا خط	پال	مقدونیا(؟)	اندازاً 61ء تا 64ء	
18	فلیمون کے نام کا خط	پال	روم	اندازاً 60ء تا 61ء	
19	عبرانیوں کے نام کا خط	پال	روم	اندازاً 61ء	
20	یعقوب کا عام خط	یعقوب (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھائی)	یروشلم	اندازاً 62ء سے پہلے	
21	پطرس کا پہلا عام خط	پطرس	بابل	اندازاً 62ء تا 64ء	
22	پطرس کا دوسرا عام خط	پطرس	بابل(؟)	اندازاً 64ء	
23	یوحنا کا پہلا عام خط	یوحنا حواری	افسس یا اس کے نزدیک کی جگہ	اندازاً 98ء	

24	یوحنا کا دوسرا خط	یوحنا حواری	افسس یا اس کے نزدیک کی جگہ	اندازاً 98ء	
25	یوحنا کا تیسرا خط	یوحنا حواری	افسس یا اس کے نزدیک کی جگہ	اندازاً 98ء	
26	یہودا کا عام خط	یہوداہ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھائی)	فلسطین (؟)	اندازاً 65ء	
27	یوحنا عارف کا مکاشفہ	یوحنا حواری	پتمس کا جزیرہ	اندازاً 96ء	

❀❀❀

بائبل کا الہام

الہام میں غلطی ممکن ہے اور الہام میں انسانی اجزاء بھی پائے جاتے ہیں۔اس بارے میں مسیحی علماء کا کہنا یہ ہے کہ:

1۔ ہم مسیحی اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ کتب بائبل کے لکھنے والوں کو الہام کی برکت ملی۔لیکن ہم یہ نہیں مانتے کہ تورات وانجیل پیدائش عالم سے ہزار ہا سال پیشتر آسمان پر لکھی گئیں اور بعد میں انبیاء ورسل کو سنائی گئیں اور پھر انہوں نے خود لکھا یا لکھوایا۔اللہ تعالیٰ نے اسی طرح سے فقط ان ملہموں کے ہاتھوں اور زبانوں کو ہی استعمال نہیں کیا بلکہ جو دانائی اور تعلیم وتربیت اس نے ان کو بخشی تھی اس کو بھی کام میں لایا۔اپنی تعلیمات کو انبیاء ورسل کے وسیلہ سے بنی آدم تک پہنچانے میں اللہ جل شانہ نے ان کے تجربہ وعلم اور دل ودماغ اور جسم وجاں سے بھی کام لیا۔لہٰذا کتب مقدسہ میں انسانی والٰہی دونوں اجزاء پائے جاتے ہیں۔بائبل میں چند ایسی تعلیمات بھی موجود ہیں جو ہماری محدود عقل میں نہیں آسکتیں۔لہٰذا بعض لوگ اس وہم میں پڑ جاتے ہیں کہ یہ خلاف عقل ہیں۔'' (پادری فانڈر۔میزان الحق،ص:164 اردو، دوسرا حصہ، باب نمبر1)

ڈاکٹر پیٹرسن سمائتھ کی تحقیق

اس کتاب کا نام بائبل کا الہام ہے جو کہ 1905ء میں پنجاب ریلجس بک سوسائٹی (آج کل بائبل سوسائٹی) انارکلی لاہور سے اردو زبان میں شائع ہوئی۔ڈاکٹر صاحب نے بائبل کے مطالعہ سے پیدا ہونے والے کثیر الاشاعت عوامی سوالات اور بے چینی کا جواب دینے کے لیے یہ کتاب لکھی، جن کو بقول ان کے ٹالنے کا، موجود دور میں کوئی بہانہ باقی نہیں رہا۔(ص:4)

ڈاکٹر صاحب کی تحقیق کے چند نتائج مختصراً یہ ہیں۔

1۔ کئی صحیفوں کی بابت ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ ان کے لکھنے والے کون تھے اور انہوں نے موجودہ صورت کس طرح اختیار کر لی۔(ص:19)

2۔ اور پھر خاص کر اس امر کو بھی مدنظر رکھو کہ وہ صحیفے کسی خاص معجزے کے ذریعہ انتخاب نہیں کیے گئے

تھے اور ان کا انحصار کسی بیرونی صاحب اختیار جماعت کے باقاعدہ فیصلہ پر نہیں ہے نہ وہ کسی کلیسا کے یا کونسل کے نہ کسی پوپ کے یا مقدس ولی کے نہیں بلکہ وہ خود ہمارے مبارک خداوند کے فیصلہ پر بھی مبنی نہیں ہیں۔(ص:19)

3۔ ابھی مجھے یہ حق حاصل نہیں ہوا کہ اپنے الہام کی تعریف میں اس کے مصنفوں کے ہر ایک صیغہ (معاملہ) میں سہو وخطاء سے قطعی مبرا ہونے کی صفت کو بھی داخل کرلوں۔ (ص:75)

4۔ اور رسول کیسی آزادی سے عہد عتیق کے صحیفوں کی عبارتیں نقل کرتے تھے۔ وہ محض الفاظ کے پابند نہ تھے بلکہ اس کے مطلب ومعانی کو بیان کردینا کافی سمجھتے تھے۔(ص81)

اس کو مطالعاتی بائبل کے ،ص:7 پر اس طرح بیان کیا گیا کہ سینکڑوں سال تک عہد عتیق زبانی روایت رہی۔

5۔ لوگ صدیوں تک عہد جدید کی حدود کا فیصلہ کیے بغیر بھی قانع رہے۔ اور انہوں نے اس کو کوئی بڑی اہم بات نہیں سمجھا۔ ان کے درمیان بعض کتابوں کی قبولیت کی بابت بھی باہم اختلاف تھا اور اس لیے انہیں (یعنی کتابوں کو) مسائل کی تائید میں پوری وثوق کے ساتھ نقل نہیں کرتے تھے۔(ص:81)

6۔ طرطولین (Turtolian) متوفی 200ء کا خیال تھا کہ الٰہی الہام شخصوں کو ایک قسم کے وجد یا غشی کی حالت میں دیا جاتا ہے۔ گو کہ اس کا یہ بھی خیال ہے کہ رسول بعض اوقات اپنی طرف سے بھی بولتے تھے جیسا کہ پولس کہتا ہے کہ باقیوں سے میں کہتا ہوں نہ کہ خداوند'' (ص:82)

اوریجن (220ء) کہتا ہے کہ اناجیل میں اتنے اختلافات ہیں کہ ان سے آدمی کا سر گھومنے لگ جاتا ہے۔(ص:83)

7۔ یہ مختلف صحیفے جن میں ایک دوسرے کے درمیان بعض صورتوں میں صدیوں کا وقفہ تھا سب مل جل کر ایک کامل اور متحد کتاب بن گئی۔ یہی ایک بات ان کے الہامی ہونے کے ثبوت کے لیے کافی ہے۔(ص:39-40)

8۔ لوگ اپنے ہی ذاتی تجربہ سے اس امر کو محسوس کرتے ہیں کہ یہ کتاب خود اپنی آپ گواہ ہے۔(ص:43)

9۔ مصنف نے ص:53 سے ص:59 فصل نمبر 5 میں لکھا ہے کہ لوگوں نے الہام کے بارے میں بلاسند فرض کرلیا ہے کہ خدا ان کے پسندیدہ طریقہ پر الہام کرے اور یہ کہ الفاظ بھی الہامی ہونے ضروری ہیں یا ضرور ہے کہ وہ (الہام) نقص وغلطی سے مبرا ہو یا اس کی زبان اور طرز تحریر پر قسم کے

عیب سے پاک ہونی چاہیے یا اس کی تعلیم مذہبی امور کے متعلق شروع ہی سے کامل ہونی چاہیے وغیرہ وغیرہ۔خدا نے انہیں اس قسم کی کوئی بات نہیں بتائی مگر یہ ان کا اپنا خیال ہے کہ ایسا ہونا چاہئے۔اس طرح کے خیالات کے سبب بائبل کو بہت نقصان پہنچا(53-54)

بائبل کو آدمیوں نے لکھا ہے۔البتہ یہ سچ ہے کہ وہ آدمی خدا کی طرف سے ملہم ہوتے تھے مگر تو بھی وہ انسانی دل اور انسانی کمزوریاں اور انسانی حسّات رکھنے والے آدمی تھے اور یہ بالکل طبعی طور پر لکھی گئی۔(ص:56)

ہم موسیٰ اور متی اور پولوس کے واسطے وہ حقوق طلب کرتے ہیں جو شاید کبھی ان کے وہم وخیال میں بھی نہیں آئے تھے۔ (ص:58)

بائبل میں ذرا ذرا نقص موجود ہیں جیسے سورج پر داغ۔ (ص:55)

10۔ بائبل کسی مقام پر بھی یہ نہیں بتاتی کہ الہام کی تعریف کیا ہے۔درحقیقت بائبل اپنے الہام کے متعلق سوائے اس کے کہ وہ اس کی دعویدار ہے،کہیں بھی اور کچھ نہیں بتاتی۔(ص:61)

کلیسا نے بھی اس بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ (ص:62)

مذہب کے بنیادی اصول اس امر پر بھی منحصر نہیں ہیں کہ کسی وحی والہام میں بھی اعتقاد رکھا جائے۔ (ص:63)

جبکہ ہمارے دین کی بنیادیں الہام کے متعلق کسی خاص قسم کے اعتقاد رکھنے پر موقوف ومبنی نہیں ہیں جبکہ خود بائبل نے بھی اس سوال کو بے حل کئے چھوڑ رکھا ہے اور جبکہ کلیسیا نے بھی گذشتہ 1900 سال میں کوئی خاص رائے اس کے متعلق قائم نہیں کی تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم بھی الہام کے متعلق تعریفوں یا مسئلوں کی نسبت ایسا ہی آزاد نہ سمجھیں جیسا کہ ہوا اور جوار بھاٹا کے اسباب کی نسبت سمجھتے ہیں۔(ص:64)

11۔ بائبل ایک بےنقص زبان یا عبارت میں نہیں لکھا گیا اور لوگوں نے رفتہ رفتہ جان لیا کہ کسی کتاب کے الہامی ہونے کے لیے یہ امر ضروری نہیں۔ (ص:67)

اس لئے نہ تو مغلظات (گالیاں)،نہ عبارت کے ظاہری نقص،نہ مختلف قرأتیں،نہ مصنفوں کے متعلق ابتدائی زمانہ کے جھگڑے نہ کوئی اس قسم کی بات،خواہ وہ ان سے بھی بڑی کیوں نہ ہو،پاک نوشتوں کے اختیار کو زائل کرسکتی ہے۔ (ص:70)

12۔ لوتھر بائبل کے صحیفوں پر اپنی تمیز کے مطابق حکم لگاتا تھا چنانچہ وہ مقدس یعقوب کے خط کے حق

میں کہتا ہے کہ وہ تو کوڑا یا بھوسا ہے۔ وہ ایوب کی کتاب کی نسبت کہتا ہے کہ وہ ایک تاریخی ڈرامہ (ناٹک) ہے جو توکل و صبر سکھانے کی غرض سے لکھا ہے۔ اور اس کے نزدیک بائبل کے تمام صحیفے یکساں قدر و قیمت نہیں رکھتے۔ پولس کی تحریرات کو وہ سب سے افضل سمجھتا تھا۔ وہ لفظی الہام کا ہرگز قائل نہیں تھا۔ (ص:89)

13۔ کولرج اس میں انسانی عنصر کی موجودگی اور اس کے طبعی اور برمحل ہونے کا بھی ثبوت دیتا ہے۔ وہ بڑے جوش سے اس امر کی تردید کرتا ہے کہ بائبل کے الہامی ہونے کے لیے اس کا ہر ایک نقطہ اور شوشہ سہو و غلطی سے مبرا ہونا ضروری ہے۔ (ص:93-94)

اس کا خیال ہے کہ بائبل کی مشکلات اور اختلافات کی توضیح و تشریح ہو یا نہ ہو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ (ص:94)

❀❀❀

الہام کیا ہے؟

1۔ اسی قسم کے ایک سوال کا جواب دیتے وقت ایک عالم نے کہا تھا کہ اگر تم مجھ سے نہ پوچھو تو میں جانتا ہوں۔ (بائبل کا الہام، ڈاکٹر پیٹرسن سمائتھ، ص:99)

2۔ انگریزی لفظ انسپائرڈ (الہام شدہ) صرف دو موقعوں پر انگریزی بائبل میں استعمال ہوا۔ ایوب 8:32 اور دوم تمطاؤس 16:3 میں (ایضاً ص:100) الہام کی سادہ الفاظ میں تعریف یہ ہے کہ وہ طاقت ہے جسے خدا ہر ایک آدمی کو اس مقدار کے موافق عطا کرتا ہے جس کی امداد کی اس آدمی کو اپنے خاص سپرد شدہ کام کے انجام کرنے کے لیے حاجت تھی۔ (102)

یقیناً سارا بائبل الٰہی مکاشفہ نہیں ہے۔(103)

تو یہ ظاہر ہے کہ بائبل کا بہت بڑا حصہ ہرگز خدا کی طرف سے کشف کے طور پر نہیں دیا گیا اور نہ اس کی حاجت تھی۔(104)

3۔ ہم الہام کی صحیح تعریف بیان نہیں کر سکتے اور نہ اس کی حقیقت کو بتا سکتے ہیں اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ خدا الہام دینے میں کس قدر امداد عطا کرتا ہے۔(ص:105)

لفظی الہام کے ماننے والوں کا رد کرتے ہوئے۔ (جن کا ذکر ص:113 پر ہے) لکھتا ہے کہ

1۔ وہ پاک نوشتوں کا امتحان کرنے کے بعد ہرگز یہ یقین نہیں کر سکتے کہ اس لفظ کے مفہوم میں لفظی الہام بھی شامل ہے۔ مثلاً وہ تواریخ کی کتابوں میں صریح نشانات اس امر کے پاتے ہیں کہ بجائے اس کے کہ لکھنے والے خدا کے سکھانے سے لکھتے انہوں نے اپنے دماغوں سے کام لیا اور قدیمی تاریخوں اور روایتوں اور سرکاری کاغذات میں ان واقعات کی جستجو اور تلاش کی۔ ہم یہ بھی پاتے ہیں کہ باوجود اس ساری تحقیقات و جستجو کے ان کے بیانات میں بہت کچھ نقص و اختلاف پایا جاتا ہے(114) نیز وہ دیکھتے ہیں کہ پولس رسول اس قسم کے الفاظ استعمال کرتا ہے کہ میں ایک احمق کی طرح کلام کرتا ہوں۔ (114-115 بحوالہ 2۔ کرنتھیوں 17:11)

2۔ اگر خدا لفظی طور پر اس کا مصنف سمجھا جائے ٹھیک انہی معنوں میں جس میں ملٹن (Milton) یا جان بنین (Jhon Benan) اپنی تصنیفات کے مصنف ہیں تو بائبل کی عبارت اور زبان ہمیشہ اور ہر حالت میں بے نقص، کامل اور یکساں ہونی چاہیئے حالانکہ اکثر ایسا دیکھنے میں نہیں آتا۔ (115)

3۔ ہماری بائبل میں بہت سا حصہ قدیمی نوشتوں تاریخی اور دیگر کاغذات کا بھی شامل ہے اور اسی لئے ان کے لئے اس امر ہے کہ خدا ان قدیمی گم شدہ نوشتوں کے ہر ایک فقرہ، ہر ایک لفظ اور ہر ایک حرف کا بھی لفظی طور پر مصنف سمجھا جائے۔(115-116)

4۔ پاک نوشتوں کے بعض الفاظ کے متعلق اکثر اوقات ٹھیک نہیں کہہ سکتے کہ دراصل صحیح لفظ کیا ہے۔

(ص:116)

5۔ وہ (خدا) آج کل بھی نیک لوگوں کو الہام بخشتا ہے۔ (ص:117)

الٰہی عنصر کی انسانی عنصر کے ساتھ آمیزش

1۔ یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بائبل میں انسانی عنصر کی موجودگی پر خاص طور پر زور دیا جائے، یہ پہلو اس وقت تک اکثر مذہبی لوگ فراموش کرتے رہے ہیں۔انسانی عنصر بائبل میں لوگوں کے خیال کی نسبت کہیں زیادہ دیا جاتا ہے اور اس کے مصنفوں کو اپنے قویٰ کے استعمال میں بہت آزادی رہی ہے۔

(ص:129)

ہم الٰہی اور انسانی عنصر کے درمیان ایک خط فاصل نہیں کھینچ سکتے ۔ہم اس کے کسی حصہ کی نسبت نہیں کہہ سکتے کہ یہ انسانی ہے، وہ الٰہی ہے۔" (ص:130)

2۔ خدا کے مقصد کے لیے یہ ضروری نہ تھا کہ ہر ایک الہامی آدمی ہر ایک امر میں سہو و خطاء سے بری ہو۔

(ص:147)

ہم بائبل کے علمی اور تاریخی مسائل کے کامل طور پر سہو و خطاء سے مبرا ہونے پر اصرار نہیں کرنا چاہتے

(ص:151)

3۔ یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ساری کی ساری پانچوں کتابیں جیسی کہ وہ اس وقت موجود ہیں حضرت موسیٰ نے تحریر کی تھیں۔(ص:190)

4۔ اگر خدا مختلف زمانوں میں تاریخی طور پر مکاشفہ عطا کرنا پسند کرتا ہے تو ضرور ہے کہ یہ مکاشفہ ہر زمانہ

کے لوگوں کی ضرورتوں اور ذہنی اور اخلاقی قابلیتوں کے ساتھ وابستہ ہو(ص:168) یہ پیٹرسن سمائتھ نے نیومینن سمائتھ کا قول لکھا ہے۔

"الہام کا طریقہ کار یہ تھا کہ "آدمی روح القدس کی تحریک کے سبب خدا کی طرف سے بولتے تھے۔"

(2۔پطرس 21:1)

یعنی وحی خارج سے نہیں آتی تھی بلکہ اندر سے تحریک ہوتی تھی جس کو ملہم اپنے الفاظ میں بیان کر دیتے۔

مسٹر ڈاڈز۔ DD کی تحقیق بائبل ترجمہ۔طالب الدین 1911ء

1۔ (کیتھولک) ٹرنٹ کونسل نے (Council of Treut)(13 دسمبر 1545ء تا 4 دسمبر 1563ء) 25 نشستوں کے اجلاس کے بعد کچھ فیصلے کئے۔ان میں سے ایک فیصلہ الہامی کتابوں کی مسلمہ فہرست کا بھی تھا جو کہ اپریل 1546ء کو جاری ہوا۔طالب الدین نے لکھا کہ اس کونسل کے فیصلہ سے پہلے کینن کا سوال ایک طرح التوا میں پڑا رہا۔(24)

انہوں نے یہ بھی لکھا کہ نئے عہد نامہ کا لکھا جانا ضروری نہ تھا اور نہ ہی یسوع نے ایسا کرنے کا حکم دیا۔(ص:9)

2۔ لوتھر کہتا ہے کہ کلیسیا کو یہ اختیار نہیں ہے کہ کسی کتاب کو وہ اختیار یا طاقت دے جو اس میں آگے موجود نہیں ہے۔کوئی کونسل کسی کتاب کو جو اپنی ذات میں الہامی نہیں ہے،الہام کا نوشتہ قرار نہیں دے سکتی۔ (ایضاً،ص:25)

3۔ وحی بند نہیں ہوئی۔(ص:23)

4۔ کونسل آف ٹرینٹ نے فیصلہ کیا کہ ایک ہی خدا دونوں عہد ناموں کا مصنف ہے اور اسی طرح وہ ان حدیثوں کا بھی مصنف ہے جو ایمان اور اخلاق سے متعلق ہیں۔جو مسیح کے منہ سے نکلیں یا روح القدس نے بتائیں اور کاتھولک کلیسا میں بذریعہ مسلسل تواتر محفوظ ہیں۔(ص:23)

ایماندار کو اس بات کی ضرورت نہیں ہے کلیسا سے دریافت کرنے جائے کہ آیا بائبل کے نوشتے خدا کا کلام ہیں یا نہیں۔اس کی ضمیر اسے بتاتی ہے کہ وہ خدا کا کلام ہے۔لوتھر (ایضاً،ص:29)

5۔ ایماندار کو اس بات کی ضرورت نہیں ہے کلیسا سے دریافت کرنے جائے کہ آیا باءبل کے نوشتے خدا کا کلام ہیں یا نہیں۔اس کی ضمیر اسے بتاتی ہے کہ وہ خدا کا کلام ہیں۔ لوتھر (ایضاً،ص:29)

6۔ جو کتاب یسوع کی بشارت سے مملو (بھری ہوئی) ہے وہ رسولی ہے خواہ اس کا مصنف یہودا اسکریوتی یا انانیا، پلاطوس یا ہیرودیس ہی کیوں نہ ہو۔ (ص:32)

7۔ یوحنا کی انجیل پہلی تین اناجیل سے مطابق نہیں رکھتی۔ اگر کوئی اس پر اعتراض کرے تو اس کا جواب لوتھر کے پاس نہ تھا۔ (ص:35)

8۔ الہام میں الٰہی روح کی حضور اور تاثیر ہوتی ہے۔ الہام کا خاص تعلق انسانی سیرت سے ہے۔ الہام دراصل ایک روحانی انعام ہے اور بعد ازاں ایک عقلی انعام، ملہم شخص کے عقلی قول پر جو اثر ہوتا ہے وہ عقل کو روشن کرتا اور اسے اعلیٰ بناتا ہے اور محبت کی طرح یہ قوتِ حافظہ کو وسیع کر دیتا ہے اور خلوص قلبی کی طرح خرد و فہم کو منور کرتا ہے۔ (ص:94-95)

9۔ مکاشفہ خارجی وسیلے کے بغیر خدا کی طرف سے رسول کے دل پر اپنی صداقت ظاہر کر دینے کا نام ہے...... اس سے وہ عرفان الٰہی مراد لیا جاتا تھا جو نیچر کے وسیلے سے نہیں بلکہ خدا کے کسی فوق العادت فعل کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ (ص:44-45)

10۔ مکاشفہ بائبل کا مترادف نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا اپنے آپ کو انسان پر ظاہر فرماتا ہے۔ (ص:48)

خدا کے مکاشفے کے امکان کا انکار کرنا گویا مذہب کے امکان کا انکار کرنا ہے۔ مکاشفے کا تصور ہر مذہب کا لازمی جزو ہے۔ (ص:49)

11۔ خدا نے اپنے آپ کو اپنے کاموں کے وسیلے سے ظاہر فرمایا (ص:59)

12۔ جو کچھ خدا مجھ سے طلب کرتا ہے اسی سے جان لیتا ہوں کہ وہ خود کیا ہے اور کیسا ہے؟ (ص:61)

خدا کا مقصد یہ ہے کہ ہمیں بدی کے پنجہ سے رہائی دے۔ (ص:64)

13۔ اگر خدا کو انسان کے اندر تصور کریں تو مکاشفہ اندرونی اور فطرتی ہوگا اور اگر اسے انسانی دائرہ سے بلند و بالا تصور کریں تو مکاشفہ خارجی اور فوق العادت ہوگا۔ (ص:64-65)

14۔ نبی کے دل اور روح پر ایسا اثر ہوتا تھا کہ وہ خدا کے مطلب کو جان لیتا تھا۔ (ص:65)

15۔ وہ لوگ جو خدا کے ہم درد اور ہم خیال ہیں وہ اس کی مرضی کو سمجھ لیتے ہیں اور یوں اس کے مکاشفے کے آلے بن جاتے ہیں۔ (ص:67)

16۔ ہر نبی یا رسولؑ کے نزدیک ان مکاشفات کی اصلیت اور کسوٹی اور کوئی شے نہیں ہے سوائے اس کے

کہ وہ پورا یقین رکھتا ہے کہ مجھے خدا کی رفاقت حاصل ہے۔ جس شخص نے حق تعالیٰ کی روح کو محسوس کیا ہے وہ اس کی نسبت نہ مغالطہ کھا سکتا ہے، نہ اس پر شک کر سکتا ہے اور نہ اس کا انکار کر سکتا ہے۔ وہ تمام دنیا کی طرف مخاطب ہو کر یوں کہتا ہے اے دنیا تو اگر انکار کرتی ہے تو کر۔ تو ایک طرف کھڑی ہو اور میں ایک دوسری طرف کھڑا ہوں۔ (ص:67)

17۔ اگر دین داروں کی جماعت یہ محسوس کرے کہ اس کا کلام واقعی خدا کی طرف سے ہے اور راستی پر مبنی ہے تو اسے قبول کرے ورنہ اس سے پہلو تہی کرے۔ (ص:68)

18۔ اگر مکاشفہ کو اپنا مقصد پورا کرنا ہو تو لازمی امر ہے کہ وہ ان کو عطا کیا جائے جو اس کے سمجھنے کی لیاقت رکھتے ہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر اسے ہمیشہ قائم رکھنا ہو تو ضرور ہے کہ وہ ثبت کیا جائے۔

(ص:69)

کہئے! قرآن کی صداقت واضح ہوئی یا نہیں؟ کیونکہ قرآن مجید خود حضور لکھوا کر گئے کیونکہ اسے ہمیشہ قائم رکھنا تھا۔

19۔ لازمی امر ہے کہ مکاشفہ بتدریج ترقی کرے اور لوگوں کی حالت کے مطابق دیا جائے اور اس کو لکھا جائے۔ (ص:69) قرآن مجید 23 سال کی مدت میں بتدریج نازل ہوا اور لکھا گیا۔

20۔ یہ ناممکن تھا کہ بچپن کے زمانہ میں بنی آدم کو وہ عرفان بخشا جاتا جو جوانی کے لائق تھا۔ (ص:70)

21۔ جس طرح بچہ جوں جوں بڑھتا جاتا ہے مدارج عمر کے مطابق اپنے باپ کے اوصاف اور خواص کو سمجھتا جاتا ہے اسی طرح یہ لوگ (یہودی) بھی خدا کی ذات کی حقیقتوں کو شروع میں پورے طور پر نہیں سمجھ سکتے تھے۔ ان تمام نقصوں کو جو خدا کے علم میں پائے جاتے ہیں۔ بائبل جو کہ ایک مسیحی اور معتبر تاریخ ہے بلاکم وکاست پیش کرتی ہے۔ (ص:73) (نقل کفر کفر نہ باشد)

22۔ نبوت انسان کی مرضی یا خواہش کا نتیجہ نہیں بلکہ آدمی روح القدس کی تو ایک کے سبب خدا کی طرف سے بولتے تھے۔ (ص:82)

23۔ انتھا گورس نبیوں کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جب وہ وجد کی حالت میں ہوتے تھے اور ان کی عقل کی طاقتیں کافور ہو جاتی تھی اس وقت وہ وہی باتیں کیا کرتے تھے جو ان سے کہلوائی جاتی تھیں۔ روح انہیں آلہ کے طور پر استعمال کرتی تھی۔ ہاں اسی طرح جس طرح بنسری بجانے والا بنسری کا استعمال کرتا ہے۔ (ص:88)

24۔ پولوس یہ کہتا ہے کہ میرے الفاظ بھی روح القدس کے سکھائے ہوئے الفاظ ہیں۔

(ص:91، بحوالہ 1۔ کرنتھیوں 13:2)

25۔ الہام کے چار درجے ہیں۔

1۔ نگران جو غلطی سے بچاتا ہے۔

2۔ تعلیٰ جو خیالات کو اعلیٰ بناتا ہے۔

3۔ ہادی جو ملہم شخص کو بتاتا ہے کہ کیا لکھے اور کیا چھوڑے

4۔ مدرک جو خیالات اور الفاظ دونوں کو مؤثر بناتا ہے۔ (ص:92)

26۔ خدا نے الہام ایک خاص غرض و مقصد کیلئے دیا۔ اس لیے جو کچھ اس مقصد و غرض کیلئے ضروری تھا، اس کی اس نے حفاظت کی اور جو غیر ضروری تھا اس میں ان کو آزاد رہنے دیا۔ (ص:93)

27۔ انجیل لاغلط (غلطی سے پاک) نہیں ہے۔ (ص:97-100-101)

اپنے گناہوں کا جواز بائبل سے پیش کرنے والے اسے لاغلط کہتے ہیں۔ (ص:102)

28۔ انجیل کے اختلافات ناقابل حل ہیں۔ (98-104-105)

29۔ انجیل کو محقق علماء لفظ بلفظ نہیں مان سکتے۔ (ص:115-133)

30۔ مسیح پر جاہل اور ان پڑھ لوگ ایمان لائے۔ (ص:122)

31۔ انجیل بیان کی صحت کا مزید ثبوت یہ ہے کہ اس میں صاف دلی سے بارہ رسولوں کی کمزوریوں اور قصوروں کا اعتراف ہے...... یہ سب صاف صاف بیان ہوا ہے۔ کچھ چھپا نہیں رکھا اور کسی امر کو ٹالا نہیں اور نہ کسی امر کا بہانہ کیا ہے...... کسی قصہ کی صحت کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہو سکتا کہ آدمی اپنی کمزوریوں اور غلطیوں کا اور ان پر جو زجر و توبیخ ہوئی، اس کا صاف صاف اقرار اور بیان کرے۔ (ص:128)

❀❀❀

عدم تحریف تورات وانجیل کے عیسائی دلائل کا جائزہ

ایک شخص سلطان محمد خان نامی افغان مرتد ہو گیا تھا اس نے پال نام رکھ لیا اور اسلام کے خلاف کئی کتابیں لکھیں۔ان کتابوں میں سے ایک **تصحیف التحریف** (Correctione of corruption) ہے۔

اس کتاب میں اس نے قرآنی آیات کے جتنے حوالے ممکن تھے وہ دیئے جن سے یہ ظاہر ہو کہ تورات وانجیل میں کوئی تحریف نہیں ہوئی۔وہ لفظی تحریف کا تو انکار کرتا ہے اور صرف یہ بات مانتا ہے یہود الفاظ کو مروڑ کر پڑھتے تھے تا کہ سننے والا کچھ اور سمجھے۔پادری پال کی کتاب میں مذکور آیات سے عیسائی استدلال کا جواب ایک ایک کر کے درج ذیل ہے۔

(1) عنکبوت 46:29

(2) عمران 84:3، بقرہ 136:2۔

عیسائی استدلال: ''ہم پوچھتے ہیں کہ ایمان کس پر لایا جاتا ہے۔کسی چیز موجود پر یا مفقود پر؟''

جواب: قرآن نے کس بائبل کا ایمان لانے کو کہا؟ سامری تورات 5 کتابوں والی، جوڈا ازم 24 کتابیں، پروٹیسٹنٹ 66 کتابیں، کیتھولک 73 کتابیں، ایسٹرن آرتھوڈوک 78 کتابیں، ایتھوپین آرتھوڈوکس 81 کتابیں یا 85 کتابوں والی بائبل پر سورہ عنکبوت کی مذکورہ آیت میں تو صرف یہ بیان ہے کہ اے مسلمانو! کہو کہ ہم ایمان لائے اس چیز پر جو ہم پر نازل ہوئی اور اس چیز پر بھی (اے اہل کتاب) جو تمھاری طرف اتاری گئی۔جبکہ سورہ آل عمران کی مذکورہ آیت میں ان صحائف اور وحی پر ایمان لانے کا اقرار ہے، جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے لے کر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام تک خدا کی طرف سے نازل ہوئی۔یہ بات اہل کتاب کو بھی مسلم ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام و اسحٰق علیہ السلام و یعقوب علیہ السلام اور ان کے بیٹوں پر نازل ہونے والی کتابیں اور وحی دنیا میں موجود نہیں ہیں۔لیکن مسلمان پھر بھی ان پر یقین رکھتے ہیں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ ان تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر نازل ہونے والی وحی خدا کی طرف سے تھی اور وہ سب خدا کے سچے رسول تھے۔

پادری صاحب کے استدلال کا ایک عقلی جواب یہ بھی ہے کہ جس آدمی کا باپ فوت ہو گیا ہو یا اس کے آباؤ اجداد جن کی قبروں کے نشان بھی مٹ گئے ہوں، کیا ان کی اولاد کے شجرہ نسب میں سے آباؤ اجداد کے نام اس بنا پر نکال دیئے جائیں گے کہ وہ اب موجود نہیں مفقود ہیں؟ اور جو یہ کہے کہ فلاں کے دادا کا نام یہ تھا یا فلاں شخص فلاں کا دادا تھا تو پادری سلطان اس کو یہ دلیل پیش کرے کہ شئے موجود کے سوا کسی بات کو نہیں مانا جاسکتا؟ ایسے لوگوں کے بارے میں ہی عنکبوت کی مذکورہ آیت میں مذکور ہے کہ ایسے لوگوں کو منہ بھی نہ لگاؤ۔ اگر کوئی اہل کتاب میں سے بات کو واقعتاً سمجھنا چاہتا ہے تو سمجھا دو ورنہ مناظرہ باز اور شریر اہل کتاب سے طریق احسن کی پابندی بھی ضروری نہیں ہے۔ (تدبر قرآن، جلد نمبر 6، ص:55) 2. Timothy ch:2, verse:23

3۔ بقرہ 91:2، بقرہ 19:20 کے الفاظ مصدق لما معھم کا مفہوم

ا۔ مطابق ہے ان پیش گوئیوں کے جو ان کے لیے موجود ہیں (تدبر قرآن، جلد 1۔ ص 261۔ 281)

۲۔ ان بشارتوں کے مطابق حضور تشریف لائے جو ان کے پاس پہلے سے موجود ہیں۔ (تفسیر مجمع البیان۔ طبری، جلد 1، ص 219، زیر آیت 101 البقرہ)

پادری پال کا استدلال یہ ہے کہ جب اہل کتاب نے کہا کہ ہم صرف اس وحی پر ایمان رکھتے ہیں جو ہمارے انبیاء پر نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ کو چاہیے تھا کہ ان کو کھول کر بتا دیتے کہ تمھاری کتابیں تو محرف اور منسوخ ہو گئیں۔ حضور ﷺ نے یہ کہنے کی بجائے ان کو یہ کہا ''اور وہ سچ ہے، سچ کرنے والا اس کو جو ساتھ ان کے ہے۔''

یہ ترجمہ پادری کا ہے۔ پھر اس نے یہ سوال کیا ہے کہ کیا قرآن یہود کی جھوٹی کتابوں کو سچ بتاتا تھا؟

جواب: اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے جب اہل کتاب (خصوصاً یہود مخاطب ہیں) کو قرآن پر ایمان لانے کی دعوت دی جاتی ہے تو وہ بڑے غرور کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ ہم اس چیز پر ایمان رکھتے ہی ہیں جو ہم پر اتری ہے۔ اس کے بعد ان کے قول کی وضاحت اس طرح کی گئی کہ تورات کے بعد وہ کسی چیز پر ایمان لانے کے قائل نہیں ہیں حالانکہ اب تورات کی اپنی پیش گوئی کے مطابق بھی صحیفہ حق وہی ہے (یعنی قرآن) جس کو قبول کرنے کی دعوت ان کو دی جارہی ہے نہ کہ تورات۔ آگے فرمایا کہ یہود کا تورات پر ایمان کا دعویٰ بھی بالکل بے بنیاد ہے۔ اگر یہ تورات پر ایمان رکھنے والے ہوتے تو اللہ کے نبیوں کو قتل کرنے کی جسارت کس طرح کرتے ہیں جو اسی تورات کی تجدید و تصدیق کے لئے آئے تھے۔ (تدبر جلد نمبر 1 ص 272)

یاد رہے کہ قرآن مجید ان پیش گوئیوں کے بھی بالکل عین مطابق ہے جو کہ تورات میں بچ رہی ہیں،

کیونکہ یہود نے آل اسماعیل کے متعلق نشانات مٹانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ان پیش گوئیوں کے مطابق قرآن نے آکر تورات کو سچا ثابت کیا اور یہ قرآن ان پیش گوئیوں کا مصداق ہے۔ایک پیش گوئی ملاحظہ فرمائیں جواب بھی تورات میں موجود ہے۔(استثناء:18:18 تا 22)

اس آیت میں زیر بحث تورات کی صحت نہیں تھی بلکہ یہود کا ایمان تھا۔ان کو سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور بعد کے ادوار میں ان کے طرز عمل سے ثبوت دے کر ان کو باور کرایا گیا ہے کہ یہود کبھی بھی سچے دل سے ایماندار نہ بنے۔جہاں تک یہ بتانے کا تعلق ہے کہ یہود و نصاریٰ نے تورات و انجیل میں تحریف کی،اس میں قرآن نے کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔

سورہ بقرہ 79:2 میں فرمایا گیا کہ یہ لوگ اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھ کر اس کو خدا کا کلام مشہور کر دیتے ہیں۔تحریف لفظی و معنوی کا ذکر نساء 46:4،المائدہ 13:5-41،بقرہ 75:2 میں فرمایا گیا۔

4۔ آل عمران 113:3

5۔ = 114:3

ان آیات میں صرف وہ اہل کتاب مراد ہیں جو ایمان لے آئے تھے اور انہی کا ذکر آل عمران 199:3 میں ہے جس میں فرمایا گیا''اور بے شک اہل کتاب میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس چیز پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو تمہاری طرف اتاری گئی ہے اور جو ان کی طرف اتاری گئی ہے۔خدا سے ڈرتے ہوئے یہ اللہ کی آیات کے عوض حقیر قیمت قبول نہیں کرتے۔یہی لوگ ہیں جن کے لئے ان کے رب کے پاس ان کا صلہ ہے۔بے شک اللہ جلدی حساب چکا دینے والا ہے۔''

جب تسلی کے موقع پر سریع الحساب آئے تو اس کا مفہوم پسینہ خشک ہونے سے پہلے مزدوری دینا ہوتا ہے،ان آیات سے پہلی آیات میں یہودیوں پر غضب اور لعنت کا ذکر ہے مگر انہیں اہل کتاب ہی کہا گیا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو اہل کتاب بطور استصحاب کہا گیا ہے یعنی کسی چیز کی پہلی اور اصل حالت میں اس کا جو نام ہوتا ہے وہی نام اس چیز کے خراب ہو جانے کے بعد بھی بولا جاتا ہے حالانکہ اب اس کی وہ حالت نہیں۔آیت نمبر 112 میں یہود پر ذلت اور غضب اُس وقت کے لحاظ سے بیان واقعہ ہے،قیامت تک کے لئے پیش گوئی نہیں ہے۔

(6) المائدہ 43:50

(7) 46:5

48:5 (8)

68:5 (9)

(6) المائدہ 43:5 سے پادری پال کا استدلال یہ ہے کہ اس آیت میں چونکہ لفظ عندھم آ گیا ہے اور فیھا حکم اللہ کے الفاظ بھی آ گئے ہیں لہٰذا تورات کا غیر محرف ہونا ثابت ہو گیا۔ پھر اس نے لفظ پاس (عندھم) ''اور جس میں اللہ کا حکم ہے'' کے الفاظ پر بڑا زور دیا۔

جواب جہاں تک تورات کے نام پر موجودہ کتاب کا تعلق ہے تو اس کو تورات بطور استصحاب کہا جاتا ہے یعنی کسی چیز کا وہ نام لینا جو اس کا اصل حالت میں تھا اگرچہ اس کی حالت اب پہلے والی نہیں ہے، اسی طرح یہود و نصاریٰ کو اہل کتاب بھی بطور استصحاب کہا جاتا ہے۔

عندھم اور فیھا حکم اللہ کے الفاظ سے سند حاصل کرنے والے کو معلوم ہونا چاہیے کہ تورات میں اب بھی جہاں جہاں خدا یا نبی کا نام لے کر بات کرتے ہیں وہ اب بھی تحریف سے محفوظ ہے اور ان میں سے کوئی بات بھی قرآن مجید کے خلاف نہیں سوائے اس کے کہ ترجمہ کی غلطی ہو۔ اور یہ کہنا کہ قرآن مجید کے بیان کردہ کئی واقعات تورات میں نہیں ملتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ خود ان کی کئی کتابیں جن کا بائبل میں ذکر ہے اب دنیا میں موجود نہیں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ واقعات ان میں موجود ہوں۔ ان کتابوں کی تعداد 20 ہے جو تفصیل بائبل سے قرآن تک جلد 2، ص: 134 تا 137 موجود ہے۔

زیر نظر آیت 43:5 میں جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ شادی شدہ یہودی مرد و عورت زانیوں کا تھا۔ تورات میں شادی شدہ زانی کی سزا اب بھی موت ہی لکھی ہوئی ہے۔ (استثنا 22:22) اور رجم (سنگسار) کرنے کی سزا بھی زانیوں کے لئے اب تک تورات میں موجود ہے۔ (استثنا 22:23-24)

یہودی اس کوشش میں ہوتے تھے کہ یہاں سے داؤ لگے لگا لو۔ اگر یہودی عدالت سے جان چھوٹ سکتی ہو تو وہاں سے اور اگر حضور ﷺ کی عدالت سے اپنے حق میں فیصلہ کی امید ہو تو وہاں مقدمہ لے جاؤ۔ ایسا ہی ایک مقدمہ جس میں یہودی مرد و عورت فریق شادی شدہ تھے اور زانی تھے، حضور ﷺ کے پاس لے کر آئے۔ ان کا خیال تھا کہ تورات میں تو ایسے لوگوں کے لیے سزائے موت ہے لہٰذا مسلمانوں کی عدالت سے شائد جان بچ جائے تو اس خاص مقدمہ اور یہود کی عادت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ یہودی لوگ جھوٹ کے رسیا اور پکے حرام خور (سود خور) ہیں۔ اگر یہ آپ ﷺ کے پاس آئیں تو آپ کو اختیار ہے کہ یہودیوں کے مقدمات کا فیصلہ کریں یا نہ کریں۔ پھر فرمایا کہ اگر یہ یہودی نیک

نیت ہوتے تو آپ ﷺ کے پاس آنے سے پہلے تورات کو ہی دیکھ لیتے جس میں زانی کی سزا لکھی ہوگی۔ چونکہ یہ سزا والا حکم اب تک تحریف سے محفوظ ہے لہٰذا اس کو حکم خدا فرمایا۔

مسلمان یہود و نصاریٰ کے متعلق یہ نہیں کہتے کہ انہوں نے الف سے یے تک تمام آسمانی کتابیں بدل دی ہیں۔ بلکہ یہ کہتے ہیں کہ جہاں جہاں اور جب جب یہود و نصاریٰ کو ضرورت محسوس ہوتی انہوں نے خدا کا کلام بدل ڈالا۔ جس کی تازہ ترین مثال ہندوستان میں بائبل کے اردو ترجمہ میں تبدیلی ہے۔ تورات کی آخری کتاب استثنا 2:33 کے ایک فقرے کا ترجمہ اردو بائبل میں 1887ء کے ایڈیشن کے مطابق یہ تھا ''دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا۔'' جب علماء اسلام نے اس فقرہ سے حضور ﷺ کے متعلق پیش گوئی ثابت کرنا شروع کی، کیونکہ فتح مکہ کے موقعہ پر آپ ﷺ کے ساتھ دس ہزار صحابہ کرام ؓ تھے، تو ہندوستانی عیسائیوں نے عبارت تبدیل کر دی اور آج کل پروٹسٹنٹ بائبل میں 10 ہزار کی بجائے یہ فقرہ لکھا ہوا ہے۔ ''اور لاکھوں قدوسیوں میں سے آیا'' یہ کام 1931ء میں ہوا۔ جبکہ انگریزی ترجموں میں اب بھی Ten Thousand ہی لکھا ہوا ہے۔ اور کیتھولک ترجمہ والوں نے اس گنتی کا ترجمہ ہی نظر انداز کر کے اس کو شامل ہی نہیں کیا۔ یہی کچھ یہودا کے آخری خط کی آیت نمبر 14 کے ساتھ کیا گیا ملاحظہ ہو KJV اور اردو ترجمہ: کہ دس ہزار کو لاکھوں سے بدل دیا۔

اس ساری بحث سے یہ نتیجہ نکلا کہ

(1) **عندھم** (انکے پاس) سے مراد ایک کتاب ہے جس کو یہود و نصاریٰ تورات کہتے ہیں جب کہ اس میں خدا کی کلام اور انسانی کلام ملا جلا ہے۔ خدا کی کلام میں دونوں قوموں نے جب ضرورت پیش آئی تحریف کر لی۔ اس کتاب کو قرآن مجید نے اور مسلمانوں نے تورات اس کے پہلے نام اور پہلی حالت کے پیش نظر (بطور استصحاب) کہا اور یہ نہیں کہ اس میں جو کچھ ہے وہ خدا کا کلام ہے۔

(2) **فیھا حکم اللہ** (اس میں اللہ کا حکم ہے) سے مراد یہ نہیں کہ اس کی موجودہ عبارت پوری کی پوری اللہ کے احکام ہیں۔ ہاں! اس میں کہیں کہیں خدا کے احکام بھی پائے جاتے ہیں لہٰذا پال کا مدعا پورا نہ ہوا۔

(7) المائدہ 46:5

اس آیت میں ماضی کا قصہ بیان کیا گیا ہے کہ جب ہم نے انجیل نازل کی تھی تو اس میں ہدایت اور روشنی تھی۔ اس آیت سے پادری پال کا مطلب نہیں نکل سکتا۔ کیونکہ قرآن مجید اُس انجیل کی بات اور تصدیق کر رہا ہے جو سیدنا عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے نازل کی تھی۔ اس بارے

میں عیسائی عقیدہ یہ ہے کہ سیدنا عیسیٰ پر کوئی انجیل نازل نہیں ہوئی۔ موجودہ اناجیل کے متعلق خود عیسائیوں کو اعتراف ہے کہ یہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی لکھی یا لکھوائی ہوئی نہیں ہیں بلکہ آپ کے رفع آسمانی کے 65 تا 100 سال بعد لکھی گئیں۔ ملاحظہ ہو کیتھولک اردو ترجمہ میں ہر کتاب کے شروع میں تعارفی نوٹ۔

ان میں جو عبارت توحید ورسالت وقیامت، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی حامل ہے، قرآن اس کی تصدیق کرتا ہے کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان ہے، جہاں جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذمہ شرک لگا دیا ہے، اس کا قرآن کو انکار ہے۔ اصل تورات گم ہو چکی تھی۔ تفصیل کے لئے

(ملاحظہ ہو استثنا 24:31 تا 27۔ 18:17، سموئیل نمبر1 17:41-21-22، 5 اور باب 6، 1:6، 19 تا 21، 1:7-2، 5:8 متعلقہ استثنا 18:17، سلاطین نمبر1، 1:8، 9، تواریخ نمبر2، 10:5، سلاطین نمبر2، 8:22، 13، تواریخ نمبر2، 17:36 تا 21، سلاطین نمبر2۔ 8:25 تا 10، عزرا 10:7، نحمیاہ 2:8، استثناء 6:34، کیتھولک بائبل مکابیوں نمبر1، 1:56-57، قاموس الکتاب، ص:94، 613، 494)

ان تمام حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تورات بار بار گم ہوتی رہی۔ موجودہ بائبل کی پہلی 17 کتابیں بنی اسرائیل کی تاریخ ہے۔ ان میں سے پہلی پانچ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی سیرت ہیں۔ اسی سیرت میں ہی تورات کی وہ آیات ترتیب نزولی سے درج کردی گئی ہیں جو حضرت عزیر علیہ السلام (عزرا) اوران کے مددگار بزرگوں کو دستیاب ہو سکیں۔ بس اب تورات ان منتشر اجزاء کا نام ہے جو سیرت موسیٰ علیہ السلام کے اندر بکھرے ہوئے ہیں۔ ہم انہیں صرف اس علامت سے پہچان سکتے ہیں کہ اس تاریخی بیان کے دوران جہاں کہیں سیرت موسوی کا مصنف کہتا ہے کہ خدا نے موسیٰ سے فرمایا حضرت موسیٰ نے کہا کہ تمھارا خداوند یوں فرماتا ہے۔ وہاں سے تورات کا ایک جز شروع ہوتا ہے اور جہاں پھر سیرت کی تقریر شروع ہو جاتی ہے، وہاں وہ جز وختم ہو جاتا ہے۔ بیچ میں جہاں کہیں کوئی چیز بائبل کے مصنف نے تفسیر وتشریح کے طور پر کوئی چیز بڑھا دی وہاں عام آدمی کے لئے یہ تمیز کرنا سخت مشکل ہے کہ آیا یہ تورات کا حصہ ہے یا شرح وتفسیر۔ قرآن انہی منتشر اجزاء کو تورات کہتا ہے اور انہی کی تصدیق کرتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ان کو جمع کر کے جب قرآن سے ان کا مقابلہ کیا جاتا ہے تو بجز اس کے کہ بعض بعض مقامات پر جزوی احکام میں اختلاف ہے۔ اصولی تعلیمات میں دونوں کتابوں کے درمیان ایک بال کے برابر فرق نہیں

پایا جاتا اور پڑھنے والا صاف طور پر محسوس کرسکتا ہے کہ دونوں کا منبع ایک ہی ہے اوراسی طرف من التوراۃ کے الفاظ سے اشارہ ہے۔قرآن شریف کی اصطلاح میں تورات دومعنی سے ہے ایک خاص (قرآن مجید کی مصدقہ) دوسری عیسائیوں کی مسلمہ جوپہلی سے عام ہے۔مصدقہ قرآن تورات جز کی طرح کل میں داخل ہے۔پس خاص کی تصدیق سے عام کی تصدیق لازم نہیں آتی۔ (برہان التفاسیر،ص:278)

اسی طرح موجودہ انجیل ان الہامی خطبات واقوال کا نام ہے جومسیح علیہ السلام نے اپنی زندگی کے آخری ڈھائی تین برس میں بحثییت نبی ارشادفرمائے۔وہ کلمات طیبات آپ کی زندگی میں مرتب نہیں کیئے گئے جیسا کہ کیتھولک بائبل کے حواشی کے حوالہ سے اوپر گزرا۔موجودہ اناجیل میں آپ علیہ السلام کے ارشادات کے علاوہ آپ کی سیرت اور مرتبین کے اپنے خیالات بھی شامل ہیں لہٰذاان میں جہاں سیرت کا مصنف یہ لکھتا ہے کہ مسیح علیہ السلام نے یہ فرمایا،لوگوں کو یہ تعلیم دی،صرف وہی احکامات اصل انجیل کے اجزاء ہیں۔قرآن مجیدانہی اجزاء کے مجموعہ کوانجیل کہتاہےاورانہی کی تصدیق کرتاہے۔ان بکھرے ہوئے اجزاء کواکٹھا کرکے ان کا مقابلہ قرآن سے کیاجائے تو دونوں میں بہت کم فرق ہوگا۔ (تفہیم القرآن،جلدنمبر1،ص:231تا233)

تورات وانجیل میں ہدایت اورنور ہونے کا جہاں تک تعلق ہے(المائدہ:46:5)

تو یادرہے کہ ایک توان باتوں کاتعلق اصل تورات وانجیل سے ہے دوسرا یہ ماضی کے صیغوں میں بات ہوئی ہے۔اگرعیسائی یایہودی پھربھی بضدرہیں کہ ان دونوں باتوں کاتعلق موجودہ شکل میں بائبل سے ملےتوپھریہ باتیں صرف ان فقروں پرصادق آتی ہیں جوانبیاء کا کلام ہیں۔کیونکہ وہ کلام عام طورپرقرآن کے عین مطابق ہے۔المائدہ 47:5 میں فرمایا گیا کہ جب انجیل اتاری تھی تواس وقت اہل انجیل پرواجب تھا کہ اس کے مطابق فیصلے کریں۔اگرعیسائی اس موجودہ دور کے متعلق مانتے ہیں توان پرواجب ہے کہ انجیل کے مطابق فیصلے کریں اس کی پیش گوئیاں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق ہیں مان لیں اورآپ پرایمان لے آئیں کیونکہ ''وہ نبی'' (یوحنا21:1) اور ''دنیا کا سردار'' (یوحنا14 :30) ''سچائی کی روح'' (یوحنا14:17،15:26،16:13) صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں۔اوریہی انجیل کا فیصلہ ہے۔

یہاں تک مسلمانوں کوہدایت ہے وہ یہ ہے کہ ہم صرف قرآن کی پیروی کریں اوراس کے علاوہ

کسی کی پیروی نہ کریں۔ (اعراف 3:7)

(8) المائدہ 48:5

اس آیت کے لفظ مھیمن سے پادری پال نے یہ نتیجہ نکالا کہ قرآن پہلی کتابوں یعنی تورات و انجیل کا محافظ ہے لہٰذا ان کتابوں کو محرف کہنا قرآن پر داغ لگانا ہے اور یہ کہ قرآن اس قصر الٰہی (تورات و انجیل) کی نگہبانی پر فخر کرتا ہے وغیرہ من الھفوات۔

جواب: لفظ مھیمن کے معنوں میں محافظ، نگہبان اور کسوٹی شامل ہے لہٰذا قرآن کو الکتاب پر مھیمن کہنے کا مطلب یہ ہے کہ

(i) اس نے ان تمام تعلیمات کو جو پہلی کتب آسمانی میں دی گئیں تھیں، اپنے اندر لے کر محفوظ کر دیا ہے۔

(ii) وہ ان پر نگہبان ہے اس معنیٰ میں کہ اب ان کی تعلیمات برحق کا کوئی حصہ ضائع نہ ہونے پائے گا اور ان برحق تعلیمات میں جو جو ملاوٹ کی گئی ہے اس کی نشاندہی قرآن کی مدد سے ہو سکتی ہے۔

(iii) کسوٹی ان معنوں میں ہے کہ قرآن اَصل معتمد نسخہ کتاب الٰہی کا ہے۔ اس لئے وہ دوسرے صحیفوں کے حق و باطل میں امتیاز کے لئے کسوٹی ہے۔ جو بات اس کسوٹی پر کھری ثابت ہوگی وہ کھری ہے اور جو اس پر کھوٹی ثابت ہوگی وہ محرف ہے۔ اگر پال کا استدلال صحیح ہے کہ قرآن کو چاہیے تھا تورات و انجیل کو تحریف سے بچاتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید 600 سال بعد نازل ہوا۔ اس وقت تک دونوں کتابیں بدل چکی تھیں۔

(9) المائدہ 68:5

پادری پال کا استدلال یہ ہے کہ یہ آیت ثابت کرتی ہے کہ حضور ﷺ کے دور اور آج تک تورات و انجیل محفوظ اور تحریف سے پاک ہیں اسی لئے ان کو قائم کرنے کا حکم دیا گیا۔

جواب: اس آیت میں تین کتابوں کو قائم کرنے کا حکم دیا گیا، ایک تورات دوسری انجیل اور تیسری کتاب قرآن ہے۔ چونکہ قرآن پہلی تمام آسمانی وحی و کتب پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہے لہٰذا تمام کتابوں پر ایمان لانے کا حکم ہوا جو انبیاء کرام پر نازل ہوئیں۔ قائم کرنے سے مراد راست بازی کے ساتھ ان کی پیروی کرنا اور انہیں اپنا دستورزندگی بنانا ہے۔ چونکہ قرآن پہلی کتابوں کی تعلیم کو مع شئی زائد جامع ہے لہٰذا اس آیت میں دراصل قرآن مجید کی پیروی اور اسی کو قائم کرنے کا حکم ہے۔ تورات و انجیل کو قائم کرنے سے ایک مراد یہ بھی ہے کہ ان کتابوں کی ان تمام پیش گوئیوں کو

بلا تاویل تمام یہود و نصاریٰ تسلیم کریں، ان پیش گوئیوں کے اصل مصداق رسول کریم ﷺ پر ایمان لائیں ورنہ وہ لوگ تورات وانجیل کو قائم کرنے والے نہیں ہوں گے۔ ان میں سے ایک کا ذکر آیت سورہ البقرہ 91:2 کے تحت گزر چکا۔

تورات وانجیل میں تحریف کا کچھ ذکر المائدہ 46:5 کے تحت گزر چکا۔ جہاں تک قرآن مجید کا تورات وانجیل کے بارے میں فیصلہ ہے وہ یہ کہ اہل کتاب اپنے ہاتھوں سے عبارت لکھ کر اس کو خدا کا کلام مشہور کر دیتے ہیں جیسا کہ البقرہ 79:2 میں فرمایا۔ اہل کتاب کی تحریف کی عادت کی طرف البقرہ 75:2 میں اشارہ کرتے ہوئے اسی سلسلہ کلام میں اہل کتاب کی اس عادت کا چار آیات بعد بیان ہے کہ یہ لوگ اپنے ہاتھوں سے عبارت لکھ کر اس عبارت کو کلام الٰہی مشہور کر دیتے ہیں۔

اہل کتاب کتاب الٰہی میں ہر طرح کی تحریف کے مرتکب ہوئے ہیں۔ ان کی اس عادت کا گواہ قرآن ہی نہیں بلکہ خود ان کے ہم قوم اور انبیاء بھی ہیں مثلاً حضرت یرمیاہ علیہ السلام فرماتے ہیں ”تم نے زندہ خدا رب الافواج ہمارے خدا کے کلام کو بگاڑ ڈالا ہے“ (یرمیاہ 36:23)

اپنے ہاتھوں سے لکھ کر کلام خدا مشہور کرنے کا تازہ ترین واقعہ استثناء 2:33 میں رسول ﷺ کے بارے میں پیش گوئی میں سے 'دس ہزار' کے الفاظ نکال کر ”لاکھوں“ کے الفاظ ڈال دینے کا ہے۔ اور یہ کام 1931ء میں صرف اردو ترجمہ میں دکھایا۔ انگریزی ترجمہ میں 10,000 الفاظ ویسے ہی ہیں۔

تحریف کے معنی کسی شے کو اس کے صحیح رخ سے موڑ کر دوسری سمت میں کر دینا اسی سے حَرَّف القول یا حَرَّف الکلام ہے جس کے معنی بات یا کلام کے بدل دینے کے ہیں۔ اسے بدل دینے کی کئی شکلیں ہوسکتی ہیں مثلاً

1۔ ایک بات کی دیدہ دانستہ ایسی تاویل کر دی جائے جو قائل کے منشا کے بالکل خلاف ہو۔

2۔ کسی لفظ کے طرز ادا اور قرأت میں ایسی تبدیلی کر دی جائے جو لفظ کو کچھ سے کچھ بنا دے مثلاً مروہ کو بگاڑ کر مورہ یا مریا وغیرہ کر دیا گیا۔ (پیدائش 2:22)

قاموس الکتاب کے مولف لکھتے ہیں کہ وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ جس کوہ موریاہ کا ذکر ابراہام کے سلسلے میں ہوا وہ یہی مقام تھا۔

3۔ کسی عبارت یا کلام میں ایسی کمی بیشی کردی جائے جس سے اس کا اصل مدعا بالکل خبط ہو کر رہ جائے مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہجرت کے واقعہ میں یہود نے اسی طرح ردوبدل کردیا کہ خانہ کعبہ سے ان کا کوئی تعلق ثابت نہ ہو سکے۔

4۔ کسی ذو معنی لفظ کا وہ ترجمہ کردیا جائے جو سیاق وسباق کے بالکل خلاف ہو مثلاً عبرانی کے ابن کا ترجمہ بیٹا کردیا گیا حالانکہ اس کے معنی بندہ اور غلام کے بھی آتے ہیں۔اسی مفہوم کی تائید یوحنا 17:20 سے ہوتی ہے۔

5۔ ایک بات کا مفہوم بالکل واضح ہو لیکن اس کے متعلق ایسے سوالات اٹھادیئے جائیں جو اس واضح بات کو مبہم بنادینے والے یا اس کو بالکل مختلف سمت میں ڈال دینے والے ہوں۔

اہل کتاب تحریف کی ان تمام قسموں کے مرتکب ہوئے ہیں اور قرآن نے اُن کو اِن سب کا مجرم گردانا ہے۔

(10) انعام 34:6 اور اسی سے ملتی جلتی انعام 116:6

اس آیت کے الفاظ **ولا مبدل لکلمات اللہ** سے پال نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ کلام الٰہی کو کوئی نہیں بدل سکتا، چونکہ تورات وانجیل کلام الٰہی تھیں اور اس آیت کی رو سے ان دونوں کتابوں میں کوئی شخص تبدیلی نہیں کرسکتا لہٰذا وہ تحریف سے پاک ہیں۔آیت کے یہی الفاظ اس نے اپنی کتاب تصحیف التحریف کے سرورق کی پیشانی پر لکھے ہیں۔

جواب: آیت مذکورہ کا پورا ترجمہ یہ ہے "اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے بھی رسولوں کو جھٹلایا گیا تو انہوں نے جھٹلائے جانے اور ایذ دیئے جانے پر صبر کیا۔یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد آ گئی۔اللہ کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں ہے اور پہلے رسولوں کے ساتھ جو کچھ پیش آیا اس کی کچھ خبریں تمھیں پہنچ ہی چکی ہیں۔"

اس آیت کا ترجمہ اور سیاق وسباق اس بات پر گواہ ہے کہ اس کا تعلق انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے منکرین کی کش مکش سے ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حق و باطل کی اس جنگ میں حق کی فتح سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے ساتھیوں کو سخت آزمائش سے گزرنا ضرور ہے۔یہ خدا تعالیٰ کا نہ بدلنے والا طریقہ ہے کہ حق وباطل کی کشمکش میں مومنین کو آزمایا جائے۔اس طریقہ کو کوئی بدلنے والا نہیں ہے، یعنی انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے ساتھیوں کو سخت حالات کا سامنا لازماً کرنا پڑا۔

یہ ہے اس آیت کا مفہوم اور اس کا کوئی تعلق کتابوں میں تحریف سے نہیں ہے۔ محض خانہ پری اور طول کلام کے لیے پادری صاحب نے آیات قرآنی اپنی کتاب میں لکھ دیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ قرآن مجید میں چار آیات اور بھی ہیں جن کا تعلق تو صرف کش مکش حق و باطل کے آخری نتیجہ یعنی حق کی فتح سے ہے مگر ان کو مرزائی وفات مسیح ثابت کرنے کے لیے اور منکرین حدیث معجزات کے انکار کے لیے بہت استعمال کرتے ہیں۔ وہ آیات یہ ہیں۔

(i) فاطر 43:35، (ii) فتح 23:48، (iii) بنی اسرائیل 77:17، (iv) احزاب 62:33،

(11) انعام 91:6

اس آیت کو پال نے تورات کی مدح میں پیش کر کے لکھا کہ خدا تعالیٰ تو تورات کی مدح کر رہا ہے اور مولوی حضرات اس کو محرف کہہ رہے ہیں۔

اس آیت کے الفاظ فیہ ھدی و نور سے پادری کے استدلال کا جواب المائدہ 46:5 سے استدلال کے جواب کے تحت گزر چکا۔

(12) انعام 154:6، اعراف 145:7

(13) اس آیت کے الفاظ تفصیل لکل شی وھدی و رحمتہ سے پال کا استدلال یہ ہے کہ تورات کی یہی حالت نزولِ قرآن کے وقت اور آج کل بھی ہے لہٰذا اس کو محرف نہیں کہہ سکتے۔

اس استدلال کا جواب المائدہ نمبر 46:5 سے استدلال کے جواب کے تحت گزر چکا، مگر یہ یاد رہے کہ تفصیل لکل شی سے مراد دین کے دائرے میں آنے والے مسائل ہیں۔ یہ بات صرف اُصول دین کے بارے میں ہے، تفصیلات کے بارے میں نہیں ہے۔ اور اس کی ضخامت تورات کے بیان کے مطابق 2 صفحوں سے بھی کم تھی یعنی احکام عشرہ (استثناء 1:5 تا 21)

کیونکہ 22:5 میں ہے کہ اس سے زیادہ کچھ نہیں فرمایا۔

(14) عبس: 80:13-14

پال کا کہنا ہے کہ ان آیات میں مذکورہ صحف مکرمہ مطہرہ سے مراد انجیل ہے۔

جواب: اس سورہ میں ان آیات کا سیاق وسباق بتاتا ہے کہ یہ قرآن مجید کے متعلق ہیں اور پادری پال کا خیال قطعاً غلط ہے۔

مسیحی سوالات کے مسلم جوابات

(1) البقرہ 9:2

اس آیت میں لفظ یُخٰدعون پر پال کا اعتراض یہ ہے کہ اس لفظ کا استعمال اس موقع پر مناسب نہیں تاوقتیکہ اس کی تاویل نہ کی جائے۔ (برہان التفاسیر، مولانا ثناء اللہ امرتسری، ص: 164-165)

جواب: پادری پال نے یہ سوال تفسیر کبیر امام رازی سے لیا مگر ان کا دیا ہوا جواب چھوڑ دیا جس میں انہوں نے الفتح 10:48 کو اس آیت کی شرح میں لکھا تھا یعنی جو لوگ تجھ (رسول) سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ اسی طرح بقرہ 9:20 میں اللہ کو دھوکہ دینے کی کوشش دراصل رسول اللہ ﷺ کو دھوکہ دینے کی کوشش ہے کیونکہ اللہ کو تو کوئی دھوکہ نہیں دے سکتا۔ مفسرین کے خیال میں یہاں مضاف محذوف ہے اور وہ ہے لفظ رسول۔ یہی تفسیر صاحب تفسیر مدارک، قرطبی، مظہری، خازن و معالم، کبیر، روح المعانی، نیشاپوری، بحر المحیط نے کی

(بحوالہ جواہر القرآن، جلد نمبر 1، ص: 22)

ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ منافقین نے خیال کیا کہ انہوں نے خدا کو دھوکہ دیا۔ یہی صاحب مدارک نے نقل کیا۔ (تفسیر ماجدی، ص: 60-61، جلد نمبر 1)

خود مولانا امرتسری نے اس آیت کی تشریح المنافقون 1:63 سے کی ہے۔

مگر مولانا اصلاحی کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اس آیت میں دو لفظ استعمال ہوئے ہیں، ایک خدع اور دوسرا مخادعت۔ جہاں لفظ کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے وہاں تو مخادعت استعمال ہوا ہے جس کے معنی دھوکہ دینے کی کوشش کرنا عام اس سے کہ وہ دھوکہ کامیاب ہو سکے یا نہ ہو سکے۔ اس کے برعکس خود ان کے لیے خدع کا لفظ استعمال ہوا ہے کیونکہ جو شخص خدا کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتا ہے وہ اپنی اس کوشش میں تو ناکام رہتا ہے لیکن خود اپنے آپ کو وہ ضرور دھوکے میں ڈال لیتا ہے۔ (تدبر قرآن، جلد نمبر 1، ص: 118-119)

(2) بقرہ 23:2، یونس 38:10، ھود 13:11، بنی اسرائیل 88:17،

مثلیت قرآن کے بارے میں پادری پال نے لکھا کہ اس کے مثل کس پہلو کی نفی کی گئی ہے، اس پر مسلمانوں کا اتفاق نہیں۔

جواب: قران مجید کی عظمت کے کئی پہلو ہیں مثلاً عقائد کی صحیح تعلیم، گزشتہ زمانہ کی خبریں، آئندہ کی خبریں

جن کو پیش گوئیاں کہتے ہیں، خوش اسلوبی یعنی فصاحت و بلاغت وغیرہ۔ مفسرین نے کبھی ایک پہلو کو لے لیا، کبھی دوسرے پہلو کو لے لیا، یہ اختلاف نہیں محض ترجیح کا معاملہ ہے۔ دراصل قرآن مجید کی حیثیت حکیم کے نسخہ کی طرح ہے۔ اس میں انسانی ہدایت کے تمام اجزاء خاص خاص مقدار میں رکھے گئے ہیں۔ اگر ان میں سے کسی جزو کی مقدار کم یا زیادہ کر دی جائے تو اعتدال باقی نہیں رہتا اور تاثیر میں فرق آ جاتا ہے مثلاً دنیاوی زندگی کو چھوڑ کر کوئی ہر وقت عبادت میں لگا رہے تو بے اعتدالی شروع ہوگئی۔ آیاتِ قرآن سن کر کفار کہتے تھے کہ اگر ہم چاہیں تو اس قرآن کی مثل بنالیں۔ (انفال:31:8)

ایسے لوگوں کو چیلنج دیا گیا کہ تم بھی اس قرآن جیسا بنالاؤ مگر خیال رہے کہ وہ ہدایت میں اس سے اعلیٰ ہونا چاہیے۔ سورہ قصص:49:28 میں ہدایت ہی کے پہلو پر زور دیا۔ ہدایت ہی قرآن کی حقیقت ہے کیونکہ ھدی للمتقین فرمایا۔ (ماجدی اور برہان التفاسیر،ص:218-220)

انسانوں کی ذہنی سطح ایک جیسی نہیں ہوتی لہٰذا سب کی تشفی کے لئے فصاحت و بلاغت، نظم و تالیف، مضامین کی ندرت، واقعات ماضیہ، آئندہ کی خبریں، امثال و مواعظ، دلائل کی جامعیت و معقولیت سب موجود ہیں۔ (جواہر القرآن، جلد نمبر1، ص:26) (برہان التفاسیر ص 80 سے آگے)

مسلمانوں کو عدم اتفاق کا طعنہ دینے والا عیسائی فرقوں میں الوہیت مریم کے متعلق پائے جانے والے شدید اختلافات کو بھول گیا۔

(3) سورہ الشّمس نمبر91

اس سورہ اور دوسری جگہوں پر کثرت تکرار کا اعتراض پادری پال نے کیا مگر خود 1۔ سلاطین کا باب نمبر 6 اور 7 نظر انداز کر گیا۔

جواب: دوسرے کی آنکھ کا تنکا دیکھنے والے کو اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا۔ قرآن کا آب حیات چھوڑ کر بائبل کے سراب کے پیچھے بھاگنے والے پادری نے بائبل میں سلاطین کی دونوں کتابوں کو غور سے پڑھا ہوتا تو اسے معلوم ہوتا کہ ایک ہی فقرہ 32 مرتبہ دہرایا گیا ہے۔ وہ فقرہ یہ ہے۔ ''بادشاہوں کی تواریخ کی کتاب میں لکھا نہیں ہے؟'' (بحوالہ کلید الکتاب، ص:422)

مولانا ثناء اللہ امرتسری نے اس اعتراض کا تحقیقی جواب برہان التفاسیر کے ص 187 تا 189 میں دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ کثرت تکرار سے اگر کراہت پیدا نہ ہو تو کلام بہت خوب

اور لطیف ہو جاتا ہے۔ (ص:187۔ص:209)

(4) سورہ فلق نمبر 113، سورہ الناس نمبر 114، سورہ فاتحہ نمبر 1

ان سورتوں کے قرآن کے حصہ نہ ہونے کے بارے میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول پال نے نقل کر کے یہ لکھا کہ یہ تین سورتیں قرآن نہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نسخہ میں نہ ہونے سے قرآن کا تواتر ٹوٹ گیا۔ (برہان ص 81)

جواب: قرآن مجید 1400 سال سے زیادہ عرصہ سے ایک ہی عبارت میں متواتر نقل ہو رہا ہے اور یہی عبارت دنیا کے ہر ملک میں، ہر زمانہ میں، مسلمانوں کے پاس موجود رہی ہے۔ اور یہ کہ قرآن مجید پر کوئی وقت ایسا نہیں آیا جب بائبل کی طرح قرآن ناپید ہو گیا ہو یا لوگوں نے اپنے خیالات قرآن میں شامل کر دیئے ہوں۔ لہٰذا قرآن کی قطعیت کے سامنے کسی روایت کی کوئی حیثیت نہیں کیونکہ روایت صحیح ثابت ہو بھی گئی تو زیادہ سے زیادہ ظن کا فائدہ دے گی مگر قرآن قطعی اور متواتر ہے جس کا مقابلہ کوئی روایت یا روایات نہیں کر سکتیں۔ یہی جواب جمع قرآن کی روایات کا ہے۔

ایک سوال ہمارا بھی ہے وہ یہ کہ اگر ابن مسعود رضی اللہ عنہ فاتحہ کو قرآن کا حصہ نہیں سمجھتے تو نماز میں فاتحہ کی جگہ کیا پڑھتے تھے؟

قرآن کے تواتر میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، تمام صحابہ رضی اللہ عنہم، تمام تابعین اور تبع تابعین، تمام آئمہ کرام اور پوری امت شامل ہے۔ بالفرض ابن مسعود رضی اللہ عنہ نہ بھی شامل ہوں تو کیا فرق پڑتا ہے۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اسی قرآن کی تلاوت اپنی نماز میں کرتے تھے۔ ہاں! بائبل کی 6 کتابیں عیسائی فرقوں میں متفق علیہ نہیں ہیں۔ (برہان، ص:85)

(5) انعام 38:6

پال کا اعتراض یہ ہے کہ اس آیت میں فرطنا کے الفاظ آتے ہیں جب کہ بہت سی ایسی باتیں ہیں جو قرآن میں چھوڑ دی گئی ہیں۔

جواب: اس آیت میں الکتاب سے مراد لوح محفوظ ہے (جلالین۔ روح المعانی۔ ماجدی وغیرہ)

اسی طرح انعام 59:6 میں کتاب مبین سے مراد بھی لوح محفوظ ہے۔

(6) طٰہٰ 63:20

اس آیت میں اِن ھذانِ لَسَاحِران کے الفاظ میں نحوی غلطی کی تہمت پادری نے لگائی ہے۔

جواب: لساحران کے متعلق اعتراض کا جواب یہ ہے کہ کافیہ میں اِنَّ کی بحث میں لکھا ہے کہ جب اِنَّ مکسورہ مخفف کیا جاتا ہے تو اس کی خبر میں لام کا آنا ضروری ہے اور اس کو بے عمل کر دینا جائز ہے۔

(شرح الرضی علی الکافیہ جلد نمبر 4 ص 340 بحوالہ، برہان التفاسیر، ص: 206)

(7) سورہ رحمٰن نمبر 55

اس میں تکرار لفظی کا اعتراض کیا۔ اس کا جواب نمبر 3 کے تحت گزر چکا۔ بائبل کی عبارت میں فضول تکرار کی مثالیں خروج 40:36-37 اور 1۔ سلاطین میں ہیکل کی تعمیر کی تفصیلات اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے محل کے بارے میں باب 7 ملاحظہ ہو مثلاً 31:7، خاص طور پر 1۔ سلاطین 34:6 ملاحظہ ہو۔

(8) قرآن مجید بائبل سے ماخوذ ہے۔ یہ پادری پال کا قول ہے۔

اگر قرآن مجید بائبل سے ماخوذ ہے تو بائبل میں سے صرف انہی تین آیات کا پتہ دے دیں۔

(i) کافر ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں اللہ تین میں سے ایک ہے (المائدہ 73:5)

(ii) کافر ہیں جو کہتے ہیں مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے (المائدہ 72:5)

(iii) کوئی نفس کسی نفس کے (بطور کفارہ) کام نہ آئے گا (بقرہ 48:2)

ان سب سے بڑھ کر یہ کہ سورہ اخلاص ہی بائبل میں دکھا دیں۔

(9) بقرہ 29:2، نازعات 79:27-30، رعد 3:13

سورہ نازعات میں زمین بنانے کا نہیں بلکہ پھیلانے کا ذکر ہے جس کو رعد 3:13 میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ دوسری بات یہ کہ بعد ذالک کا مطلب ہمیشہ بعدیت زمانی (ٹائم کے بعد) مراد نہیں ہوتا بلکہ ''اس کے علاوہ بھی'' مراد ہوتا ہے جیسے سورہ مرسلات نمبر 77 کی آخری آیت میں فرمایا کہ قرآن کے بعد کس کتاب پر ایمان لاؤ گے یعنی اب قرآن کے علاوہ کس کتاب پر ایمان لاؤ گے۔ اسی طرح ثُمَّ کا مطلب بھی کبھی یہ ہوتا ہے یعنی بعدیت زمانی مراد ہوتی ہے اور بعض دفعہ اس کے علاوہ بھی مراد ہوتا ہے۔ لہٰذا پال کا اعتراض کہ ان آیات میں تضاد ہے، درست نہیں۔

(10) طٰہٰ نمبر 122:20

پال کا اعتراض ہے کہ سیدنا آدم علیہ السلام نے گناہ کیا، جو موروثی گناہ ٹھہرا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت سے پہلی آیت میں فرمایا: وعصیٰ آدم رَبَّهٗ فغویٰ (طٰہٰ 121:20)

یعنی آدم علیہ السلام نے اپنے رب کی نافرمانی کی وہ بہک گئے۔ اس کے فوراً بعد زیرِ نظر آیت نمبر 122 میں فرمایا "ثُمَّ اجتبٰهُ رَبُّهٗ فتاب علیه وهدیٰ" "پھر خدا نے انہیں چن لیا اور توبہ قبول کی اور ہدایت کی" یہ آیت اس بات کا ثبوت ہے کہ سیدنا آدم علیہ السلام سے جو بھول ہوئی وہ فعل قبل نبوت تھا۔ پھر انہوں نے توبہ کی اور معافی طلب کی جس کے الفاظ اعراف 23:7 میں مذکور ہیں تو ان کو اللہ تعالیٰ نے نہ صرف معاف فرمایا بلکہ زیرِ نظر آیت نمبر 122 کے مطابق ان کو نبی چن لیا۔ ان پر نظر رحمت سے توجہ فرمائی اور کارِ نبوت کی ہدایت دی۔ اہل بیت میں سے امام علی رضا علیہ السلام نے عباسی حکمران مامون کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ قبل نبوت انبیاء سے گناہ صغیرہ ہو جانا جائز ہے۔ (بحار الانوار جلد نمبر 11 ص 164 از علامہ باقر مجلسی روایت نمبر 8 باب نمبر 3)

امام جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر آدم گناہ نہ کرتے تو کوئی مومن گناہ نہ کرتا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، اسی طرح ہر مومن کی توبہ قبول فرماتا ہے۔

(بحار الانوار جلد نمبر 11 ص 165 روایت نمبر 10 باب نمبر 3)

عیسائیوں نے سیدنا آدم علیہ السلام وحوا کے اس فعل کو اتنا بڑھایا کہ اس کی سزا میں ناکردہ گناہ ساری اولاد کو بھی شامل سمجھتے ہیں حالانکہ تورات کی پہلی کتاب پیدائش 12:3 تا 19 میں سارے صیغے مفرد استعمال ہوئے ہیں اور لطف یہ کہ سزا بھی ایسی ملی کہ جس سے نہ کافر چھوٹے نہ مومن، نہ عورت نہ مرد، نہ توبہ سے نہ کفارہ مسیح سے، حالانکہ بقول عیسائیاں مسیح علیہ السلام نے کفارہ بن کر سارے مجرموں کے گناہ اٹھا لئے۔

(11) البقرہ 40:2، المائدہ 7:5 اور 20:5

اس آیت میں مذکورہ بنی اسرائیل سے لئے گئے عہد میں مندرجہ ذیل باتیں شامل تھیں۔

(i) ان سے شریعت موسوی کی پابندی کا عہد لیا گیا جس کے بدلے میں دنیا و آخرت کی کامیابی کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اسی کا ذکر احبار 3:26 میں بھی ہے اور المائدہ 66,65:5 میں بھی ہے۔

(ii) اس عام معاہدہ کے ساتھ ساتھ خاص اس عہد کی طرف بھی اشارہ ہے جو بنی اسرائیل سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق لیا گیا تھا۔ جس کا ذکر تورات کی کتاب استثناء 18:18 میں ہے اور نئے عہد نامہ کی

کتاب اعمال 19:3 تا 26 میں بھی ہے۔

(iii) رسول کریم ﷺ کا ذکر خیر یہودیوں میں اتنا مشہور تھا کہ صرف ''وہ نبی'' کہہ دینے سے نبی آخر الزماں کو پہچان لیتے تھے۔ جب سیدنا یحیٰی علیہ السلام سے کاہن اور لاوی پوچھنے آئے تو انہوں نے پوچھا کیا تو مسیح ہے، انہوں نے انکار فرمایا، پھر پوچھا کیا تو ایلیاء ہے، انہوں نے انکار فرمایا پھر پوچھا کیا تو وہ نبی ہے؟ تو حضرت یحیٰی علیہ السلام نے جواب دیا کہ نہیں۔ (یوحنا 21:1)

(iv) اگر کوئی یہودی عیسائی حضور ﷺ کی نبوت کا اس وجہ سے انکار کرے کہ جو برکت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو خدا نے دی تھی اس میں آل اسماعیل علیہ السلام شامل نہیں تو برکت کا ثبوت تورات کی کتاب پیدائش 20:17 میں ہے۔

(v) لہٰذا رب کی رحمت ان بنی اسرائیل کا مقدر بنے گی اور صرف ان عیسائیوں کو ہی نصیب ہوگی جو وہ کام کریں جن کا ذکر سورہ اعراف 7:156-157 میں ہے اور حضور ﷺ پر ایمان لانا شرط اول ہے

(12) البقرہ 41:2

لاتشترو بآیتی ثمناً قلیل ا کی شرح سورہ اعراف نمبر 7 کی آیت 169 کرتی ہے کہ یہود مال لیکر احکام خدا میں تبدیلی کر دیتے تھے۔ اگر یہی کام عیسائی کریں تو وہ بھی اس آیت کے مخاطب ہیں۔ یہودیوں کی مذمت میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال مروجہ اناجیل میں پائے جاتے ہیں جن میں سے ایک مقام متی 2:23 تا 36 ہے۔

(13) البقرہ 43:2

پادری پال نے لکھا کہ راکع سے مراد مسیحی راہب (عیسائی پادری) ہیں لہٰذا اس کے صحیح معنی یہ ہوئے کہ راہبوں کے ساتھ خدا کے آگے جھکو۔ (سلطان التفاسیر ص 149 بحوالہ برہان التفاسیر ص 281)

جواب: یہ اُس نے حسب دستور تحریف کی ہے۔ قرآن مجید رہبانیت کی مذمت کرتا ہے (حدید 27:57) اور رسول کریم ﷺ نے **لا رھبانیۃ فی الاسلام** (اسلام میں رہبانیت جائز نہیں) فرما کر تفسیر فرما دی۔ (فتح الباری جلد نمبر 9 ص 11 بحوالہ برہان التفاسیر ص 282 حاشیہ)

(14) البقرہ 44:2

اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم۔ کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو مگر خود کو بھول جاتے ہو؟ اس کی تصدیق عیسیٰ علیہ السلام کے قول سے بھی ہوئی جو متی 2:23 تا 4 میں درج ہے۔

(15) البقرہ 2:75-79، النساء 4:46، المائدہ 5:13، المائدہ 5:41

پادری سلطان پال نے سلطان التفاسیر میں عیسائیوں کی عام عادت کے مطابق کتب مقدسہ توارات وانجیل وغیرہ یعنی بائبل میں تحریف سے انکار کیا ہے۔عیسائیوں کی اور پال کی یہ عادت ہے کہ وہ عیسائی عقائد قرآن سے دلیل لے کر منواتے ہیں حالانکہ ان کے عقائد ان کی کتابوں سے ثابت ہونے چاہئیں۔آپ نے ان کے انداز دلیل کو ملاحظہ کیا کہ قرآن کی عبارت سے لفظ تصدیق لے کر بائبل کو غیر محرف ثابت کرنے کی کوشش کی۔بائبل کے محرف ہوجانے اور بعد والوں نے اس میں اپنی عبارتیں شامل کر دیں وغیرہ کے دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

تحریف کی بحث سے بھی پہلے بائبل کی اصلیت کی تحقیق کرنا ضروری ہے۔مجموعہ بائبل میں کئی ایک کتابیں اور رسائل شامل ہیں۔ان میں سے تین کا نام قرآن میں آیا ہے۔جن انبیاء کو یہ تین کتابیں ملیں ان کے اسماء مبارکہ بھی قرآن میں بالتصریح آئے ہیں۔ان کے اور ان کی کتابوں کے بارے میں ایسے واضح الفاظ فرمائے گئے ہیں جن میں کوئی تاویل نہیں ہوسکتی یعنی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا

(i) ہم نے موسیٰ کو کتاب دی (بقرہ 2:53 اور 87 انعام 6:154، ہود 11:11)

(ii) ہم نے داؤد کو زبور دی (بنی اسرائیل 17:55، نساء 4:163)

(iii) ہم نے اس کو (عیسیٰ) کو انجیل دی (مائدہ 5:46، الحدید 57:27)

ان واضح الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کو یہ کتابیں ان کی زندگی میں ملی تھیں نہ کہ بعد انتقال، یہ اہل اسلام کا عقیدہ ہے۔اس کے برعکس یہودی اور عیسائی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ موجودہ بائبل بعینہ الہامی کتب ہیں۔ان میں سے پہلی کتاب کا نام تورات ہے جس کی پانچ کتابیں ہیں یعنی پیدائش ،خروج ،احبار، گنتی، استثنا۔ان پانچ کتابوں کے بارے میں یہودی، عیسائی متفق ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سب کو نہیں لکھا کیونکہ ان میں تو ایسے ایسے واقعات بھی درج ہیں جن سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان واقعات کی خبر بھی نہ تھی مثلاً

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے موآب کے ملک میں وفات پائی۔(استثنا 34:5)

آپ کی قبر تک کسی کو معلوم نہیں (ایضاً 34:6)

آپ کی عمر 120 برس ہوئی (34:7)

اب تک آپ جیسا نبی بنی اسرائیل میں نہیں اٹھا(10:34)

قاموس الکتاب میں پادری صاحب لکھتے ہیں ''قیاس غالب ہے کہ اس (موسیٰ علیہ السلام) کے پاس بہت سے کاتب تھے جو ان تفصیلات کو لکھ لیا کرتے تھے۔ جن کا تعلق اسرائیلی جماعت، جغرافیہ اور تاریخ سے ہوتا تھا۔'' آگے لکھا ہے ''پیدائش کی کتاب کے مندرجات کے بارے میں ہمیں علم نہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے انہیں کہاں سے حاصل کیا۔ چونکہ 3000 ق م سے پہلے مشرق قریب میں فن تحریر کی موجودگی کی شہادت ملتی ہے اس لیے یہ عین ممکن ہے کہ بزرگوں نے کچھ تحریری دستاویزات اپنی اولاد کے لیے چھوڑی ہوں۔ نیز زبانی روایات نے بھی ان دستاویزوں میں اضافہ کیا ہو۔ شائد کچھ بیانات، خاص طور پر تخلیق عالم کے متعلق خدا نے موسیٰ کو الہام کے ذریعہ دیئے ہوں۔'' (قاموس الکتاب، ص:267-268)

موجودہ تورات سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کی زندگی کے واقعات کا مجموعہ ہے مگر یہ معلوم نہیں ہوتا ہے کہ لکھنے والا کون ہے؟ جو بھی ہے ہے اس نے اس کو الہام سے لکھنے کا دعویٰ کیا یا بطور مورخ کے لکھا؟ یہودیوں اور ان کی پیروی میں عیسائیوں کا دعویٰ اس کے الہام ہونے کا ہے مگر سوائے خوش اعتقادی کے کوئی ثبوت نہیں رکھتے۔ مسلمان صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی تورات پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ کسی اور کی لکھی ہوئی یا جمع کی ہوئی عبارت کے ذمہ دار نہیں چاہے وہ تورات کے نام سے مشہور رہی ہو۔

یہ تورات کا حال ہے۔ اسی طرح انجیل ہے جس کا چار بلکہ چار سے زیادہ ہونا ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ سوانح عمریاں ہیں۔ ان میں بھی وہ واقعات درج ہیں جو عیسائی عقیدہ کے مطابق صلیب کے بعد پیش آئے مثلاً متی 52:27 تا 53 ملاحظہ ہو۔ یہ اور اس قسم کے واقعات جو بعد مسیح علیہ السلام وقوع پذیر ہوئے اس بات کا ثبوت ہیں کہ یہ اناجیل وہ انجیل نہیں جس کی تصدیق قرآن مجید نے فرمائی ہے۔ پادری لوگ محض مشترک نام (اشتراک اسمی) کی وجہ سے قرآن کی آیات کو مروجہ تورات وانجیل کی گواہی بناتے ہیں لہٰذا اُنــزل الیکم (عنکبوت 46:29) کے الفاظ سے عیسائی لوگ بہانہ نہ بنائیں بلکہ مَـا اُوْتِیَ موسیٰ و عیسیٰ (آل عمران 84:3) کی تلاش کریں۔ قرآنی تورات وانجیل اور مروجہ میں اشتراک اسمی تو ہے، وحدت حقیقت نہیں۔ جہاں کہیں مسلمانوں کو تورات وانجیل پر ایمان لانے کا حکم ہے۔ وہاں وہی تورات، انجیل مراد ہے جو حضرت موسیٰ و عیسیٰ پر نازل ہوئیں تھیں نہ کہ

وہ جوانکے بعدان کے ماننے والوں کے بطور سوانح عمری لکھی تھیں۔اصل تورات وانجیل کے کچھ اجزاء منتشر طور پر موجودہ تورات وانجیل میں پائے جاتے ہیں۔

پادری حضرات حضرت وہب بن منبہ شاگرد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول عدم تحریف کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں ”تورات انجیل جس طرح کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اتارا تھا اسی طرح ہیں

(سلطان التفاسیر ص262 از پادری سلطان پال)

اگر اس قول کی سند ٹھیک بھی ہو تب بھی ایک تابعی کا قول ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان نہیں ہے۔ اگر تورات وانجیل سے مراد وہ بچے فقرے لئے جائیں تو ہیں تو منزل من اللہ مگر بائبل میں منتشر طور پر پائے جاتے ہیں، جیسا کہ پچھلے پیراگراف میں گزرا تب تو حضرت وہب ابن منبہ کا قول بالکل درست ہے اگر پوری مروجہ بائبل مراد ہے تو پھر ان کا قول مشاہدہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے کیوں کہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں کہ بائبل میں مسلسل تبدیلی کی جا رہی جیسا کہ پہلے گزرا۔

یہ یاد رہے کہ قرآن مجید میں جہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ اہل تورات وانجیل حکم کریں اس چیز کے ساتھ جو خدا نے ان کی طرف اتاری وغیرہ اس سے بھی وہی مضمون مراد ہے جو ان انبیاء کرام علیہم السلام یعنی سیدنا موسیٰ علیہ السلام وسیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر بطور وحی نازل ہوا تھا۔لہٰذا مروجہ بائبل کی تائید میں عیسائی قرآن مجید کو پیش نہ کریں۔

بائبل میں تبدیلی اور تحریف کی سب سے بڑی مثال کیتھولک اور پروٹسٹنٹ بائبل میں 6 کتابوں کا فرق ہے۔کیتھولک بائبل میں شامل اور مستند سمجھی جانے والی 6 کتابیں پروٹسٹنٹ بائبل میں سے نکال دی گئی ہیں۔رومن کیتھولک چرچ کی ٹرینٹ کونسل منعقدہ 1546ء (جان لوتھر بانی پروٹسٹنٹ کے 6 کتابیں نکال دینے کے 12 سال بعد منعقد ہوئی) اور ویٹی کن کونسل منعقدہ 1870ء نے ان 6 کتابوں کو الہامی و مستند قرار دیا (عیسائیت ص 231 از پروفیسر ساجد میر صاحب بحوالہ Bratton's History of Bible P-103)

جبکہ قرآن کسی بھی اسلامی گروہ کا شائع کردہ ہو، ایک حرف کا فرق نہیں ملے گا۔

پوری چھ کتابوں کے فرق کے باوجود، سلطان پال نے تفسیر کبیر سے یہ فقرہ نقل کیا ”جو کتاب متواتر منقول ہو اس میں تغیر لفظ کی نہیں ہو سکتی“ (سلطان التفاسیر ص:239)

اس کا یہ اصول صحیح ہے۔ اسی لئے مسلمان کہتے ہیں کہ پروٹسٹنٹ بائبل میں چونکہ چھ کتابوں کا فرق آ گیا ہے لہٰذا وہ متواتر شمار نہیں ہوسکتی۔

بائبل میں شامل کتابوں پر جو گزری اور جیسے تالیف ہوئیں ان کا ذکر پہلے گزر چکا۔ بائبل کی جمع و تالیف یعنی وجود کے بعد دوسرا درجہ ان کی بقا کا ہے جس کا ذکر اوپر گزرا کہ اکٹھی چھ کتابیں خارج قرار دے دی گئیں۔ تحریف لفظی و معنوی کا شمار نہیں، جتنی پیشین گوئیاں یا فضائل سیدہ حاجرہ علیہا السلام اور سیدنا اسمعیل علیہ السلام اور ان کی آل اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیدنا ابراھیم علیہ السلام کے مکہ اور خانہ کعبہ سے تعلق کے بارے میں جو کچھ تھا، اس کو لفظی اور معنوی طور پر مسخ کرنے میں یہودیوں اور عیسائیوں نے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ تفصیل کے لیے مولانا حمید الدین فراہی کی کتاب ذبیح کون؟ ملاحظہ فرمائیں۔ تحریف کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ جو پیش گوئی بھی ہاتھ آئی بلکہ اگر کوئی پیش گوئی عہد عتیق میں نہ بھی ہو تب بھی اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر لگا دیا مثلاً وہ ناصری کہلائے گا۔ (متی 23:2)

لفظی تحریف کی یہاں پر صرف ایک مثال دی جاتی ہے۔ متی باب 17:21 میں لکھا ہے "لیکن یہ قسم دعا کے سوا اور کسی طرح نہیں نکل سکتی۔" پروٹسٹنٹ بائبل ص:21 پر یہ فقرہ بریکٹ میں یعنی الحاقی تسلیم کرلیا گیا۔ کیتھولک بائبل ص 23 پر بھی یہ صفحہ بریکٹ میں دے کر الحاقی تسلیم کیا گیا مگر وہاں دعا اور روزے کے الفاظ ہیں۔ انگریزی ترجمہ RSV ص 18 پر آیت نمبر 21 مکمل طور پر غائب ہے اور 20 کے بعد 22 لکھی ہوئی ہے جبکہ حاشیہ نمبر X (ایکس) کے تحت لکھا ہے کہ دوسری قدیم اتھارٹیز یہاں پر آیت نمبر 21 کا اضافہ کرتی ہیں جس کے الفاظ یوں لکھے ہیں۔

"But this kind never comes out except by prayer and fasting.

امریکن ترجمہ بنام گڈ نیوز بائبل (جو کہ تمام دنیا کی بائبل سوسائٹیوں کے نمائندوں نے مل کر کیا تھا) کے ص 25 پر یہ آیت غائب ہے، 20 کے بعد 22 نمبر لکھی ہے اور حاشیہ N کے تحت لکھا ہے۔

Some manuscripts add verse 21: But only prayer and fasting can drive this kind out nothing else can.

اب آیئے سب سے پرانے اور مستند ترجمہ کنگ جیمز ورژن کی طرف، وہاں بغیر کسی بریکٹ کے آیت نمبر 21 یوں لکھی ہے۔

Howbeit this kind goeth not out but by prayer and fasting (KJV P-11)

لہٰذا پال کے بودے دلائل مروجہ بائبل کو مستند اور غیر محرف ثابت نہیں کر سکتے۔

"ولن یصلح العطار ماافسده الدھر" "زمانے کے بگاڑے کو کوئی سنوار نہیں سکتا"

پادری پال نے لکھا کہ کوئی فرد کیسا ہی زور آور ذی اقتدار کیوں نہ ہو ممکن نہیں کہ کلام الٰہی کو جو جہان کی ہدایت و روحانی ارتقاء کی غایت کے لیے خدا کی صفات قدوسیت کی منشاء کے موافق نازل ہوا اسی کے ایک شوشہ یا نقطہ کو بدل سکیں۔ (سلطان التفاسیر، ص:263)

اس کے اس بیان کا عکس یا نتیجہ یہ ہے کہ جس کلام میں تبدیلی ہو جائے وہ خدا کی طرف سے نہیں۔

چونکہ مروجہ بائبل میں تبدیلی ثابت ہے لہٰذا اس کے اپنے اقرار کے مطابق یہ کلام خدا نہیں۔

تبدیلی کا واضح اور غیر مشروط اقرار قاموس الکتاب ص:45 پر مصنف نے کتاب استثنا پر تبصرہ کرتے ہوئے کیا ہے اور لکھا ہے۔ "بیشک یہ امر واقعہ ہے کہ آخری دو ابواب اس (موسیٰ علیہ السلام) کی وفات کے بعد اس میں شامل کیے گئے۔"

اس کے علاوہ تورات میں اس قسم کے فقرے ملتے ہیں "اور ایسا ہوا کہ جب موسیٰ اس شریعت کی باتوں کو ایک کتاب میں لکھ چکا اور وہ ختم ہو گئیں تو موسیٰ نے لاویوں...... تا کہ تیرے برخلاف گواہ رہے۔" (استثناء24:31 تا26)

اب ظاہر ہے کہ یہ فقرہ اس شریعت کی کتاب کا حصہ تو نہیں ہو سکتا تو اس اور اس جیسے اور کئی فقروں کو تورات میں کیوں شامل کیا؟

ایک اور بات غور کرنے کے قابل ہے کہ عیسائی ساری بائبل کو الہامی کہتے اور ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر دلائل دیتے وقت صرف عہد کے صندوق کے دیتے ہیں کہ احکام عشرہ اور شریعت موسوی کتاب اس میں محفوظ تھی۔ حالانکہ وہ سب کچھ عہد کے صندوق کے ساتھ ہی ختم ہو گیا تھا۔ (قاموس، ص:673)

یعنی دعویٰ الہام ساری مروجہ بائبل کے بارے میں ہے مگر دلیل صرف تورات کے ایک حصہ کے بارے میں دیتے ہیں کہ لہٰذا دعوے اور دلیل میں تقریب نہیں۔ جب دعویٰ عام ہو تو دلیل بھی عام ہونی چاہیے۔ اس طرح ان کا مدعا ثابت نہیں ہوتا۔

خود سلطان پال لکھتا ہے کہ "یہ حق ہے کہ ہمارے پاس اس زمانہ (تالیف تورات) کا کوئی نسخہ موجود

نہیں ہے جس کے ساتھ مقابلہ کر کے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس زمانہ کے متن کے الفاظ اور موجودہ کتب میں کوئی فرق نہیں ہے۔'' (سلطان التفاسیر ص 330 بحوالہ برہان التفاسیر ص 350)

پھر آگے لکھتا ہے ''کوئی محقق یہ نہیں کہہ سکتا کہ موجودہ عبرانی کتب مقدسہ حرف بحرف وہی ہیں جو ڈھائی ہزار سال پہلے رائج تھیں کیونکہ اختلافات موجود ہیں۔ (سلطان التفاسیر ص 331 بحوالہ ایضاً)

مزید لکھا کہ ''ظالم بادشاہ اینٹی (انطاکس) نے 168ء قبل مسیح میں حکم دیا کہ یہود کی کتب مقدسہ کو برباد کر دیا جائے۔ (سلطان التفاسیر، ص: 332، 1۔ میکائی 56:1 بحوالہ برہان التفاسیر ص 350)

یہ حوالہ کیتھولک بائبل میں شامل کتاب 1۔ مکابیوں 56:1 تا 59 میں پورا ملاحظہ فرمائیں۔ انطاکس (اینٹی) کے بارے میں اور اس کے مظالم کی تفصیل قاموس الکتاب ص 94 پر لفظ انطاکس چہارم کے تحت ملاحظہ کریں۔

بائبل کے قدیم نسخے

پادری ایف ایس خیر اللہ نے قاموس الکتاب ص 125 تا ص 127 دنیا میں موجود بائبل کے قدیم ترین نسخوں کے بارے میں لکھا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ نیا عہد نامہ 120ء کے قریب مکمل ہوا۔ (ص 125)

اس وقت دنیا میں بائبل کے سب سے پرانے نسخے مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔ ویٹی کن کا نسخہ B۔ یہ چوتھی کا لکھا ہوا ہے اور پیدائش ابواب 1 تا 46، زبور 105 تا 137، عبرانیوں 14:19 کے بعد کا حصہ (قاموس، ص: 126)

آپ دیکھیں کہ 72 یا 79 کتابوں میں سے صرف دو کتابوں کا کچھ حصہ اور پال کے ایک خط کا کچھ حصہ موجود ہے۔ یہ یونانی ترجمہ ہے۔

2۔ سینا کا نسخہ: الف یا N۔ یہ نسخہ چوتھی صدی میں لکھا گیا۔ (ص: 126 قاموس)

یہ یونانی زبان میں ہے۔

3۔ اسکندریہ کا نسخہ: (A) یہ پانچویں صدی کے دوران یونانی زبان میں لکھا گیا۔ (ص 126)

4۔ افرائیمی نسخہ: (C) پانچویں صدی میں کسی کاتب نے لکھا۔ (ص: 126)

یہ یونانی زبان میں ہے۔

5۔ بیزائی نسخہ: (D) یہ لاطینی اور یونانی زبان میں لکھا گیا۔ (126-127)

یہ لاطینی اور یونانی زبان میں ہے۔

6۔ پرانے عہد نامہ کے عبرانی نسخے۔سب سے پرانا نسخہ 120ء تا 105ء کے دوران کا لکھا ہوا ہے۔ اس کے بعد 916ء کا بھی ایک نسخہ موجود ہے۔(ص 127)

آپ نے دیکھا قدیم نسخے بھی اصل مصنفین ،جن سے بائبل کی کتابوں کو نسبت دی جاتی ہے، کتنے بعد کے ہیں۔اسی لیے خود عیسائی سکالر بھی یہ اعتراف کرتے ہیں

None of the Tographs of the Bible is extant

''بائبل کا کوئی ایسا نسخہ موجود نہیں جو خود مولف کا مرتب شدہ (اور اسکے زمانہ کا) ہو۔''(بحوالہ عیسائیت ساجد میر ص:277-278

(Funk and wagnall's Encyclopedia vol-4 P-1300

A.M. HUNTER: Introducing The New Testament, London 1976 P-12)

بائبل کے ان قدیم نسخوں کے مندرجہ بالا جائزہ سے ثابت ہے کہ

1۔ کوئی قدیم نسخہ چوتھی صدی زیادہ پرانا نہیں ہے۔

2۔ کسی نسخہ میں مکمل عہد عتیق یا مکمل جدید موجود نہیں اور

3۔ کوئی نسخہ اصل الہامی زبان (عبرانی یا ارامی) میں نہیں۔گو ان کے بعد کے بعض نامکمل نسخے عبرانی میں ہیں۔بحیرہ مردار کے طومار (Dead Sea Scrolls) 1947ء تا 1953ء

بحیرہ مردار کے غاروں سے دستیاب ہونے والے طوماروں سے مسیحی دنیا نے بائبل کے مکمل اور واقعی قدیم نسخے پالینے کی بڑی امیدیں باندھیں تھیں اور اب بھی مسیحی و غیر مسیحی عوام پر ان کا رعب گانٹھا جاتا ہے مگر ان کی حقیقت یہ کہ

1۔ وہ صرف عہد عتیق کے صحائف و کتب پیش کرتے ہیں۔عہد جدید کے نہیں۔

2۔ عہد عتیق کی نسبت سے وہ بہت زیادہ قدیم نہیں ، اگرچہ مذکورہ بالا ''قدیم نسخوں'' سے پرانے ہیں۔ان کا تعلق 100 ق م سے 100ء تک کے زمانہ سے ہے۔

3۔ عہد عتیق کی ساری کتابوں کے سارے حصے ان میں موجود نہیں ہیں اور

4۔ عہد عتیق کے موجودہ نسخوں اور ان طوماروں کے تقابل کو ابھی تک پوری طرح منظر عام پر آنے نہیں دیا گیا۔(ساجد میر عیسائیت ص 279-280)

نتیجہ: اہل علم جانتے ہیں کہ کسی چیز کی نسبت یہ حکم لگانا کہ یہ اصل کے مطابق ہے،اصل کے موجود ہونے پر

متفرع ہے یعنی یہ شاخ کی طرح اس سے نکلتا ہے۔ جب اصل ہی موجود نہیں تو کوئی کیسے جان سکتا ہے کہ اس نقل اور اصل میں فرق نہیں۔

(16) الشعراء 63:26
سمندر کے پھٹ جانے کا ذکر بائبل کی کتاب احبار 16:14 تا 22 میں بھی ہے۔

(17) البقرہ 54:2
بچھڑے کی پوجا کرنے والے مرتدوں کے قتل کا ذکر خروج 27:32 تا 29 میں ہے۔

(18) البقرہ 58:2-59
پادری سلطان پال کا اعتراض ہے کہ بنی اسرائیل تو عربی نہیں بولتے مگر لفظ حطۃٌ عربی ہے تو بنی اسرائیل نے اس لفظ کو بدل کر حطۃٌ کیسے کیا۔ (سلطان التفاسیر ص:233)

جواب: اُس نے صرف ایک لفظ پر اعتراض کیا مگر یہ خیال نہ آیا کہ فرعون اور موسیٰ علیہ السلام کی گفتگو سمیت تمام واقعات ماضیہ کی زبان تو عربی نہ تھی۔ جس طرح ان واقعاتِ ماضیہ کو زمانہ حاضرہ میں بصورت حکایت عربی میں دکھایا گیا اسی طرح ایک لفظ کو عربی میں بیان فرمایا (برہان، ص:295)
اور یہ کہ پوری بائبل اب دنیا میں صرف ترجمہ کی صورت میں موجود ہے۔ اصل زبانوں میں یہ الفاظ تو نہیں تھے، لہٰذا یہ کلام خدا کیسے بن گئی؟

(19): البقرہ 60:2
سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے لاٹھی مارنے سے چشمے پھوٹنے کا ذکر خروج 5:17 تا 7 میں بھی ہے۔

(20) البقرہ 63:2
کوہ طور پر بنی اسرائیل سے عہد لینے اور احکام عشرہ عطا ہونے کا ذکر خروج کے باب 19 اور 20 میں ہے۔

(21) البقرہ 65:2 اعراف 166:7
اعتراض: سبت کی بے حرمتی کرنے والوں کے بندر بن جانے کا ذکر بائبل میں نہیں ہے۔
(سلطان التفاسیر ص:217 از سلطان پال)

جواب: جن کو عیسائی صحف مطہرہ کہتے ہیں (یعنی بائبل) ان کی وقعت ایک ناتمام تاریخی مجموعہ سے زیادہ نہیں۔ عدم ذکر سے ذکر عدم (کہ یہ واقعہ ہوا ہی نہیں) لازم نہیں آتا۔ خود اناجیل میں ہی ایک واقعہ ایک میں درج ہے مگر دوسری میں درج نہیں ہے مثلاً متی محصول لینے والے کی مسیح سے ملاقات،

پہاڑی کا وعظ وغیرہ۔

لہٰذا قرآن کی صحت بائبل کی تصدیق کی محتاج نہیں ہے۔ہاں پرانی روایات میں اس واقعہ کا ذکر ضرور ملتا ہے جن میں بتایا گیا ہے کہ ایک پورا قبیلہ پرانے وقتوں میں بندر بن گیا تھا۔

(بحوالہ تفسیر ماجدی انگریزی جلد نمبر 1 ص 47 حاشیہ نمبر 292 Tylor's Primitive Culture vol 1 Page-376)

مسلمان مفسرین میں سے بعض نے اس کو فلسطین کے شہر ایلہ (موجودہ عقبہ) میں حضرت داؤد علیہ السلام کے دور میں ہونا بتایا ہے۔ہوسکتا ہے یہود نے قومی بدنامی کے خوف سے اس واقعہ کو بائبل سے حذف کر دیا ہو جیسے انہوں نے آلِ اسماعیل علیہ السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق عبارات کو تبدیل کیا۔

سبت کے روز مچھلیاں فروخت کرنے والوں (ظاہر ہے کہ پکڑ ہی لائے تھے) سمیت سبت کی بے حرمتی کرنے والوں کا ذکر اور مذمت بائبل میں موجود ہے۔ملاحظہ ہو نحمیاہ 15:13 تا 19۔

یہ سوال کہ انسان بندر کیسے بن گئے تو اس کا جواب البقرہ 117:2 میں سے یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ کسی کام کا ارادہ فرماتا ہے تو صرف اتنا کہتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے۔ابن عباس کا قول ہے کہ وہ لوگ بندر بننے کے بعد تین دن زندہ رہے پھر وہ سارے مر گئے

(ابن جریر جلد نمبر 1 ص 370 ابن کثیر جلد نمبر 1 ص 150، الدر المنثور جلد نمبر 1 ص 184)

(22) القمر 1:54

چاند کے دو ٹکڑے ہونے کے معجزہ پر اعتراض کرنے والے عیسائی کہتے ہیں کہ اس کا ذکر دنیا کی تاریخوں میں نہیں ہے۔

جواب: کسی بات کے ثبوت کے لیے سندِ متصل اور تواتر کی ضرورت ہوتی ہے جو کہ اس معجزہ سمیت تمام معجزات نبوی کو حاصل ہے۔دوسری بات یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عیسائی اعتقاد کے مطابق جب صلیب دی گئی اور آپ نے جان دی تو زمین کانپی، پتھر تڑخ گئے تو ایسے واقعات سوائے انجیل کے اور کس کتاب میں لکھے ہیں؟ کیا کوئی اور تاریخ بھی انجیل کے ان واقعات کا ذکر کرتی ہے؟ اگر یہ واقعات واقعی پیش آئے ہوتے تو کیا ساری دنیا عیسائی نہ ہو جاتی؟

انجیل یوحنا 25:21 میں لکھا ہے کہ یسوع علیہ السلام کے تمام کام اگر لکھے جاتے تو اتنی کتابیں لکھی جاتیں کہ ان کے لئے دنیا میں گنجائش نہ ہوتی۔اگرچہ یہ بیان مبالغہ پر مبنی ہے مگر اتنا حصہ ضرور صحیح

ہے کہ انبیاء و مصلحین کے بہت سے واقعات اشاعت سے رہ جاتے ہیں۔

(23) البقرہ 2:72-73

اِذ قتلتم نفساً۔ ان آیات میں جو واقعہ بیان ہوا ہے اور استثنا 21:1 تا 9 میں جو قانون بیان ہوا ہے، ان دونوں میں فرق قانون کے تحت مخصوص مقدمہ کا ہے۔ عیسائیوں کا اعتراض کہ قرآن و تورات میں مذکور واقعات میں مطابقت نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن بائبل سے مطابقت کا ذمہ دار نہیں بلکہ جو کچھ قرآن کہے صرف وہی صحیح ہے۔

(24) البقرہ 2:97، النحل 16:102، النساء 4:171۔

پادری پال لکھتا ہے کہ ''تمام مفسرین نے بلا تحقیق اور تدقیق اور بغیر کسی لغوی اور عقلی دلیل کے روح القدس سے جبریل علیہ السلام سمجھا ہے۔ (سلطان التفاسیر ص 407 برہان ص 368)

اصل صورت حال یہ ہے کہ البقرہ 2:97 میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ قرآن اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے دل پر نازل کیا ہے اور سیدنا جبریل علیہ السلام کو النحل 16:102 میں روح القدس کے خطاب سے نوازا گیا ہے اور فرمایا گیا ''اس قرآن کو روح القدس نے تمہارے رب کی طرف سے اتارا۔''

چونکہ عیسائی روح القدس کو تثلیث کا ایک رکن مانتے ہیں لہٰذا اس کی تردید واضح الفاظ میں فرمادی گئی کہ (باپ بیٹا روح القدس) تین معبود مت کہو۔ اس عقیدے کو چھوڑ دو تمہارے لیے بہتر ہوگا۔'' (النساء 4:171)

لہٰذا پال سمیت کوئی عیسائی قرآن کے حوالہ سے سیدنا جبریل علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور روح القدس ثابت نہیں کرسکتا۔

(25) البقرہ 2:94-95

اس آیت میں یہودیوں کو کہا گیا ہے کہ اگر آخرت کا گھر تمہارے لیے ہی مختص ہے تو پھر موت کی تمنا کرو۔ لیکن ان اعمال کی وجہ سے جو وہ آگے بھیج چکے ہیں یہ کبھی موت کی آرزو نہیں کریں گے۔ اس پر پادری سلطان نے اعتراض کیا کہ اگر مسلمان سچے ہیں تو وہ موت کی آرزو کیوں نہیں کرتے تاکہ جنت میں جلدی پہنچ جائیں۔ (سلطان التفاسیر ص 415، برہان ص 370)

پادری کو معلوم ہونا چاہیے کہ مسلمانوں کو موت کی تمنا کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔

(مسلم کتاب الذکر والدعا و التوبہ والاستغفار باب کراھۃِ تمنی الموت لِضُرِّ نَزَلَ بہ حدیث نمبر2682/6819)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کو آیت مباہلہ فرماتے ہیں کہ یہود کو اس آیت میں دعوت مباہلہ دی گئی کہ اگر تم سچے ہو کہ صرف تم اہل حقیقت ہو اور باقی دوزخی ہیں تو اس اعتقاد پر ہم سے مباہلہ کرلو۔ اس مباہلہ میں جھوٹوں کی ہلاکت کی دعا کرو خواہ تم میں سے ہو یا تمہارے غیروں میں سے (تفسیر ابن کثیر اردو جلد نمبر1 ص 142-143 بحوالہ مسند احمد)

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفت تورات میں اجمالی طور پر تھی مگر ظہور معجزات کی وجہ سے یہ اوصاف موکد ہو گئے لہٰذا خدا نے یہود کی مذمت کی۔

(تفسیر کبیر جلد نمبر1 ص 406 برہان ص 373-374)

مسلمانوں کا عیسائیوں سے یہ سوال ہے کہ تمہارے خیال میں عیسیٰ علیہ السلام مسیح موعود تھے۔ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق تورات کی پیش گوئیوں پر اعتراض کرتے ہو اس معیار پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تورات کی پیش گوئیوں کا مصداق ہونا ثابت کرو۔

(26) البقرہ2:98-99

سلطان پال نے قرآن مجید کے اس مقام پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا "حقیقت تو یہ ہے کہ مسلمانوں کے پاس یہودیوں کے اس اعتراض کا کوئی جواب نہیں۔ تمام صحف مطہرہ کو پڑھ ڈالیے ان کی احادیث اور مفسرین کی کتابوں کا مطالعہ کیجئے۔ آپ کو ایک جملہ بھی ایسا نہیں ملے گا جس کا یہ مفہوم ہو کہ یہودیوں یا یہودیوں کا کوئی فرقہ جبریل علیہ السلام کو اپنا دشمن سمجھتے تھے یا سمجھتے ہیں۔ (سلطان التفاسیر ص 422-423 بحوالہ البرہان ص 381)

ایک بات بطور اصول یاد رکھیں کہ ہر کافر کا طریقہ واردات صرف مغالطہ دہی ہے۔ اس کو بات کا پتہ بھی ہو تب بھی اس کی کوشش حق کو چھپا کر مغالطہ دینے کی کوشش ہوتی ہے۔ اب آپ یہودیوں کے خیالات حضرت جبریل علیہ السلام کے بارہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

(بحوالہ تفسیر ماجدی انگریزی جلد نمبر1، ص64-65)

یہودی تصور یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کا مرتبہ حضرت میکائیل علیہ السلام کے نزدیک تر ہے مگر رتبے میں برابر نہیں۔ (جیوش انسائیکلوپیڈیا جلد نمبر5 ص 541)

جبرئیل علیہ السلام آسمانی انتقام وعداوت اور آگ کا فرشتہ ہے۔ (ایضاً جلد نمبر 5 ص 593)

یہودی حضرت میکائیل کو اپنا قومی محافظ شمار کرتے ہیں اور حضرت جبرائیل سے گلہ رکھتے ہیں جو کہ بقول ان کے تباہی اور عذاب کا فرشتہ ہیں۔ ان کے نزدیک میکائیل علیہ السلام امن اور برکت کے پیامبر ہیں۔ ان کے خیالات کی بنیاد بائبل کے یہ واقعات ہیں۔

(i) دیکھ میں ایک فرشتہ تیرے آگے آگے بھیجتا ہوں کہ راستہ میں تیرا نگہبان ہو اور تجھے اس جگہ پہنچا دے جسے میں نے تیار کیا ہے۔ تم اس کے آگے ہوشیار رہنا اور اس کی بات ماننا۔ اسے ناراض نہ کرنا کیونکہ وہ تمہاری خطا نہیں بخشے گا۔ اس لئے کہ میرا نام اس میں رہتا ہے۔

(خروج 23-20 تا 21)

(ii) ان کی تمام مصیبتوں میں وہ مصیبت زدہ ہوا اور اسکے حضور کے فرشتہ نے ان کو بچایا۔ اس نے اپنی الفت اور رحمت سے ان کا فدیہ دیا۔ اس نے ان کو اٹھایا اور قدیم سے ہمیشہ ان کو لئے پھرا۔ لیکن وہ باغی ہوئے اور انہوں نے اس کی روح قدس کو غمگین کیا۔ اس لیے وہ ان کا دشمن ہو گیا اور ان سے لڑا (یسعیاہ 63:9-10)

(iii) خدا کے حضور کے فرشتہ سے مراد سیدنا جبرئیل علیہ السلام ہی ہیں جیسا کہ انجیل لوقا میں لکھا ہے "فرشتہ نے جواب میں اس سے کہا میں جبرئیل ہوں جو خدا کے حضور کھڑا رہتا ہوں۔" (لوقا 19:1)

سیدنا جبرئیل علیہ السلام کو یہودی تو سیدنا میکائیل علیہ السلام سے کم رتبہ کا تصور کرتے ہیں مگر ایک غیر ملہم کتاب "حنوک کی کتاب" میں آپ علیہ السلام کو فرشتہ اعظم یا ملک الموت کہا گیا ہے۔ (قاموس الکتاب ص 289)

(iv) ابن کثیر کے مطابق حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے مسلمان ہونے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا کہ جبرئیل علیہ السلام ہمارا دشمن ہے۔ (جلد نمبر 1 ص 145 ابن کثیر اردو)

(v) ایک منقطع روایت کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہودی نے بتایا کہ جبرئیل علیہ السلام ہمارا دشمن ہے۔ (جلد نمبر 1 ص 146 ابن کثیر اردو)

(27) البقرہ 2:106۔

سلطان پال نے مسئلہ نسخ پر اعتراض کیا اور عیسائی مذہب کے متعلق لکھا "صحف مطہرہ میں اس مسئلہ کا مطلق ذکر نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نہ تو یہودی اس کے قائل ہیں اور نہ ہی مسیحی اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ البتہ ہم مسیحی مسئلہ تکمیل کے قائل ہیں، جس کو نسخ سے لگاؤ تک نہیں۔ میں ایک مدت

تک اس پر غور کرتا رہا کہ مسئلہ نسخ اور تکمیل کو نزاع لفظی ثابت کروں لیکن مجھے کامیابی نہیں ہوئی۔

(سلطان التفاسیر ص 448 بحوالہ برہان التفاسیر ص 391)

آیت زیر نظر میں قرآنی آیات واحکام کا نسخ مراد نہیں بلکہ تورات وانجیل کے منسوخ ہو جانے پر یہودیوں کے اعتراض کا جواب دیا گیا ہے۔ یہودی کہتے تھے کہ اگر تورات وانجیل خدا کی طرف سے تھیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو منسوخ کر کے قرآن کیوں نازل فرمایا۔ ان کے جواب میں فرمایا گیا کہ حالات کے مطابق احکام بدل جاتے ہیں ورنہ خدا تعالیٰ کے علم میں کوئی نقص نہ تھا۔ لہٰذا اس آیت میں تو صرف تورات وانجیل کی جگہ قرآن مجید واجب العمل قرار دیئے جانے کی بات ہے۔

پال کا یہ کہنا کہ بائبل میں نسخ کا مطلق ذکر نہیں، قطعاً جھوٹ ہے۔ باقی کتابوں کو چھوڑیں، اناجیل میں ہی نسخ کی مثالیں پائی جاتی ہیں۔ چند ایک مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔ اگلوں سے کہا گیا تھا کہ جھوٹی قسم نہ کھانا بلکہ اپنی قسمیں خداوند کے لیے پوری کرنا لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ بالکل قسم نہ کھانا (متی 5:33-34)

2۔ کہا گیا تھا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اسکی طرف پھیر دے۔ (متی 5:38-39)

3۔ کہا گیا تھا کہ اپنے پڑوسی سے محبت رکھ اور اپنے دشمن سے عداوت لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ اپنے دشمن سے محبت رکھو اور اپنے ستانے والے کے لیے دعا کرو (متی 5:43-44)

ارے پال! کیا اب تجھے ''صحف مطہرہ'' میں نسخ مل گیا یا نہیں؟

(28) البقرہ 2:113۔

پال اعتراض کرتے ہوئے لکھتا ہے ''بے شک یہودی مسیحی مذہب کے قائل نہیں لیکن یہ کہنا کہ مسیحی بھی یہودی مذہب کے قائل نہیں غلط ہے۔ ہر ایک مسیحی کا یہ ایمان ہے کہ یہودی مذہب سچا مذہب ہے۔ ان کی کتاب ہماری کتاب ہے۔ ہم گرجوں میں جس طرح انجیل مقدس کی تلاوت کرتے اسی طرح ان کی کتابوں کی کرتے ہیں۔ البتہ ہم مسیحی یہودیوں کی قساوت قلبی کی مذمت کرتے ہیں کہ انہوں نے صحف مطہرہ کہ کھلی شہادت کے باوجود ہمارے منجی کو قبول نہیں کیا لیکن

ان کا مذہب بالکل برحق اور ان کی کتابیں جن کو ہم عہد عتیق کہتے ہیں بالکل الہامی ہیں۔

(سلطان التفاسیر ص 491 بحوالہ برہان ص 401)

پہلی بات تو یہ ہے کہ پال کے صحف مطہرہ یعنی بائبل میں کوئی ایسی پیش گوئی نہیں جن سے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کی خبر ملتی ہو۔ متی وغیرہ انجیل نویسوں نے ''وہ ناصری کہلائے گا'' وغیرہ فقرے لکھے ہیں جن کا پوری بائبل میں یا تو پتہ تک نہیں ملتا یا وہ فقرے آٹھ سو سال پہلے پیدا ہونے والے کسی عمانوایل کے متعلق ہیں۔ (ملاحظہ ہو یسعیاہ 1:8 تا 10,8,4)

دوسری بات یہ کہ یہودی عقیدہ کے مطابق سیدنا مسیح علیہ السلام کی ولادت قابل اعتراض ہے۔ وہ آپ کو نعوذ باللہ ملعون اور واجب القتل جانتے تھے اور جانتے ہیں۔ اگر ان کا مذہب برحق ہے تو پھر پال بتائے کہ کیا ملعون یہودیوں کا یہ ملعون عقیدہ بھی برحق ہے؟

عیسائیوں کی یہود دشمنی کے حوالے مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔ یہودیت اور عیسائیت کے تعلقات کبھی دوستانہ نہیں رہے۔ ابتدائی چرچ نے جلد ہی اپنا یہودی عنصر ترک کر دیا اور ان صدیوں کے دوران جب عیسائیت کو ظلم کرنے کی طاقت حاصل ہوئی، تو یہودی لوگوں کو مسیح کی فطری برادری سے خارج سمجھا گیا اور انہیں مسیح کو رد کرنے والے اور قاتل گردانا گیا۔ یہودیوں کے لیے عیسائیوں کے منہ سے کبھی کلمہ خیر نہ نکلا

(Encylopedia of Relegions and Ethics V-7 P-551)

2۔ یہودیت سے مرتد ہو کر عیسائی ہونے والے، جن میں پال کا نام اختیار کرنے والا ساؤل بھی تھا، یہودیت کے لیے بہت زیادہ مشکلات کا باعث بنے۔ ان میں سے بہت سے جاسوس، بلیک میلر، یہود اور یہودیت کو بدنام کرنے والے بے رحم دشمن بن گئے جو فتنہ پروری اور غلط بیانی سے بے شمار قتل عام، یہودیوں اور انکی کتابوں کو جلانے، جلاوطنی اور دوسری مصیبتوں کا باعث بنے۔

(Vellentine's one Volume Jewish Encylopedia P-45)

(29) البقرہ 2:131۔

پادری پال نے اعتراض کرتے ہوئے لکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بصیغہ امر اسلام لانے کا حکم دیا گیا ہے حالانکہ حکم اس وقت ہونا چاہیے تھا جس وقت ابراہیم علیہ السلام مسلمان نہ ہوں۔ کیا ایسا وقت بھی ہے کہ جس میں وہ مسلمان نہ ہوں؟ (سلطان التفاسیر ص 518 بحوالہ برہان ص 421)

جواب یہ ہے کہ صیغہ امر دوطرح سے استعمال ہوتا ہے۔انشاءفعل کے لیے اور استمرار کے لیے۔ مثلاً کسی بیٹھے کو کہا جائے کہ کھڑا ہو جا تو یہ حکم انشاء فعل کے لیے ہے۔کسی کھڑے کو کہا جائے کہ کھڑا ہورہ، یہ حکم استمرار کے لیے ہے۔عربی زبان میں دونوں موقعوں کے لیے صیغہ امر ایک ہی آتا ہے۔قرآن مجید سے اس کی مثال سورہ النساء 136:4 ہے جس میں فرمایا گیا: اے لوگو! جو ایمان لاچکے ہو ایمان پر پختہ رہو۔لہٰذا سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو فرماں برداری پر پختہ رہنے کا حکم دیا گیا جس کا انہوں نے جواب عرض کیا کہ بندہ پہلے بھی فرماں بردار تھا اور آئندہ بھی رہے گا(برہان ص421)

مولانا اصلاحی کے نزدیک یہ آیت بیٹے کی قربانی کی طرف اشارہ ہے جس امتحان میں کامیاب ہونے کے بعد سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو امامت کا مرتبہ عطا فرمایا گیا۔کامل سپردگی اور کامل حوالگی کے لیے سب سے جامع اور سب سے حقیقت افروز لفظ اسلم ہی ہوسکتا تھا۔یہ لفظ واقعہ قربانی کی طرف اشارہ کے لیے سورہ صافات 103:37 میں بھی آیا ہے۔(تدبر جلد نمبر 1 ص 343)

(30) البقرہ 135:2

پال نے لکھا کہ حنیف درحقیقت مسیحیوں کا ایک اصطلاحی لفظ ہے جس کا اطلاق وہ راہبوں، زاہدوں اور پادریوں پر کرتے تھے اور ہذیل شاعر کا مصرعہ لکھا۔نصاریٰ یساقون ل اقوا حنیفا یعنی جس طرح عیسائی راہب کی ملاقات کے لیے جاتے ہیں۔

(سلطان التفاسیر ص 519 برہان ص 422)

یادرہے کہ کوئی لفظ اپنے اصل معنی میں مستعمل ہو کر کسی خاص اصطلاح میں استعمال ہونے سے اسی سے مخصوص نہیں ہو جاتا۔حنیف کے معنی مائل الی اللہ ہیں۔یہ معنی نصاریٰ کی ابتداء سے پہلے ہی اس لفظ کے تھے۔اسی لیے سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر جو نصاریٰ سے ہزاروں سال پہلے ہوئے ان پر بولا گیا۔لہٰذا پادریوں پر اس کے بعد میں اطلاق سے پال کو کیا فائدہ ملا؟ خود یہودیوں کو جو نصاریٰ سے پہلے ہوئے، یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ حنیف بن جائیں۔(البینہ 5:98)

(31) سورہ مریم 19:71-72، ہود 11:118، زلزال 99:7-8۔

سلطان پال کے رسالہ "میں مسیحی کیوں ہوگیا" میں قرآن مجید میں مذکور اصولِ نجات پر اعتراضات کا جواب

اس نے اپنے رسالہ میں اسلام کے اصول نجات پر اعتراض کرتے ہوئے مندرجہ ذیل آیات و احادیث پیش کیں اور عقلی دلائل پیش کیے۔

(1) اسلام میں نجات عملوں پر ہے اور عیسویت میں نجات مسیح کے کفارہ پر لہٰذا میں عیسائی ہو گیا۔ یہ ہے اس کی کتاب کا نچوڑ۔

(2) میرے دل میں یہ سوال پیدا ہوا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ ہم سے نیکی ہی نیکی سرزد ہوتی جائے اور کسی قسم کی بدی ہم سے سرزد نہ ہو۔ کیا انسان میں ایسی طاقت ہے۔ (یہ اصل سبب اسکے مرتد ہونے کا ہے)

(3) سورہ مریم اور یہود کی مذکورہ بالا آیات لکھ کر بہانہ بنایا کہ اسلام میں نجات نہیں۔

(4) مشکوٰۃ کی ایک روایت میں ہے کہ سب لوگ جہنم میں داخل ہوں گے پھر اپنے اعمال کے لحاظ سے بجلی کی طرح، ہوا کی طرح، گھڑ سوار کی طرح اور کچھ پیدل چلنے والوں کی اس میں سے نکلیں گے۔ (مشکوٰۃ کتاب صفۃ القیامۃ۔ فی الحوض والشفاعت، حدیث نمبر 5606)

(5) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ ہر بندہ جو لا الہ الا اللہ کہے اور اس پر مر جائے تو وہ جنت میں جائے گا، اگرچہ وہ چور یا زانی ہو۔

(6) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ان کا عمل نجات نہیں دے سکتا لہٰذا سب لوگ صبح شام عمل میں کوشش کریں۔

(7) بخاری میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے قریبی رشتہ داروں خصوصاً حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا کہ اپنی فکر کر لو (یعنی نیک عمل کرو) میں تم کو نہیں بچا سکتا۔

اب ان کا نمبر وار جواب ملاحظہ فرمائیں۔

(1) اعمال شرعیہ پر عمل کرنے کی تاکید سیدنا مسیح علیہ السلام نے بھی فرمائی ہے۔ آپ فرماتے ہیں "اگر تو زندگی میں داخل ہونا چاہتا ہے تو حکموں پر عمل کر (متی 18:19)

پھر آپ نے 18:19 تا 22 میں اس نوجوان کو نیک اعمال کی تفصیل بتائی جن میں احکام عشرہ بھی شامل ہیں۔ اس سے ایک اور بات بھی کہ مسیح علیہ السلام کی زمینی زندگی تک شریعت موسوی منسوخ نہ ہوئی تھی اس لیے آپ نے احکام عشرہ پر عمل کرنے کرنے کی تاکید فرمائی۔ شریعت کی منسوخی پال کا مجرمانہ اقدام ہے۔ بہرحال جس خوف سے پادری نے اسلام چھوڑا، وہی خوف یعنی نیک اعمال کی پابندی انجیل میں بھی ہے۔

(2) چونکہ مومنوں سے گناہ سرزد ہونے کا امکان بھی ہے لہذا قرآن مجید نے باز آنے والوں اور کی تسلی کے لیے فرمایا ''جس کے اعمال میں اکثریت اچھی ہوگی وہ نجات پائے گا''

(القارعہ 101:6-7)

سیدنا مسیح علیہ السلام نے واضح فرمادیا تھا کہ نیک اعمال کے بغیر کوئی بھی ہرگز نہ بخشا جائے گا۔آپ نے فرمایا ''پس جو کوئی ان چھوٹے سے چھوٹے حکموں میں سے بھی کسی کو توڑے گا اور یہی آدمیوں کو سکھائے گا وہ آسمان کی بادشاہی میں سب سے چھوٹا کہلائے گا لیکن جو ان پر عمل کرے اور ان کی تعلیم دے گا وہ آسمان کی بادشاہی میں بڑا کہلائے گا۔کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اگر تمہاری راست بازی فقیہوں اور فریسیوں کی راست بازی سے زیادہ نہ ہوگی تو تم آسمان کی بادشاہی میں ہرگز داخل نہ ہوگے۔(متی 5:19-20)

اعمال صالحہ کی وجہ سے اسلام چھوڑ کر عیسائی ہونا ایسا ہی ہے جیسے بارش سے بھاگ کر پرنالے کے نیچے جا کھڑے ہونا۔

پال نے ایک حدیث بھی لکھی کہ سیدنا آدم علیہ السلام کے بھولنے کی وجہ سے بنی آدم علیہ السلام بھی بھولنے لگے لہذا تمام بنی آدم علیہ السلام گناہ گار ہیں کیونکہ موروثی گناہ نے سب میں نفوذ کیا۔

حدیث میں نسیان (بھولنے) کا لفظ آیا ہے۔نسیان انسانی فطرت میں داخل ہے اور نہ بھولنا صرف اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے جیسا کہ سورہ مریم 19:64 میں فرمایا۔

اگر یہ مان بھی لیں کہ تمام بنی آدم گناہ گار ہیں تب بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اسلام میں نجات نہیں۔پادری کے وہم کا علاج کرنے کے لیے خدا تعالیٰ نے زمر 39:53 میں لَا تَقْنَطُوْا فرما کر تمام گناہ معاف فرمانے کی خوشخبری سنادی۔اس کے ساتھ ساتھ بڑے گناہوں سے بچنے والوں کو بھی بخشش کی خوش خبری دی ملاحظہ ہو (سورہ نجم 53:32) جس میں انسانی اصلاح کا فطری انداز ہے۔اگر کسی سے گناہ ہو ہی گئے ہیں اور پادری پال کی طرح وہ سمجھتا ہے کہ بہت زیادہ ہیں تو ان پر ربڑ پھیر کر مٹانے کے لیے بھی خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے توبہ کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔جیسا کہ سورہ شوریٰ 42:25 میں فرمایا وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور ان کے گناہ معاف کردیتا ہے۔

(3)(i) سورہ مریم 19:71-72

اس آیت میں لفظ وَارِدُھَا آیا ہے۔اس ورود سے پال نے دخول فرض کرلیا اور یہ نتیجہ نکالا کہ ہر انسان جہنم میں داخل ہوگا لہٰذا اسلام میں نجات نہیں اور خود کو فریب نجات دینے کے لیے عیسائی ہوگیا۔حالانکہ خود قرآن مجید سے ہی ثابت ہے کہ ورود کا معنیٰ دخول نہیں اگرچہ اسم فاعل کے طور پر آیا ہے بلکہ اس کا معنی پاس آنا ہے یا پاس سے گزر جانا ہے۔اسی کے بارے میں حدیثوں میں اوپر کا لفظ آیا ہے۔قرآن مجید میں سورہ یوسف 19:12 میں ذکر ہے کہ قافلہ والوں میں ایک کنویں پر آیا اور اس نے اپنا ڈول کنویں میں لٹکایا۔دوسری جگہ سورہ قصص 23:28 میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین کے پانی کے پاس آئے تو وہاں دیکھا کہ ایک قوم پانی پلا رہی ہے۔ ان دونوں موقعوں پر اس لفظ سے پانی کے اندر گھسنا مراد نہیں ہے لہٰذا وارد کے معنی پاس پہنچنے والا۔

ان دونوں شہادتوں سے آیت زیر بحث کے معنے یہ ہوئے کہ ہر ایک جہنم کے پاس سے گزرے گا۔مگر اس میں بھی استثنیٰ ہے۔سورہ انبیاء 22:101-102 میں فرمایا کہ نیک لوگ جہنم سے دور رکھیں جائیں گے،یہاں تک کہ اس کی آواز تک نہ سنیں گے۔

سورۂ مریم کی آیت کی ہم معنی آیت انجیل مرقس میں بھی ہے۔مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں "ہر شخص آگ سے نمکین کیا جائے گا۔"(49:9)

قرآن مجید اور اسلام میں تو پھر بھی نیک لوگوں کا استثناء ہے مگر انجیل میں تو استثنا بھی نہیں۔لہٰذا پال کو عیسائی ہونا بھی کام نہ آیا۔خود مسیح کا دوزخ میں جانا عہد جدید سے ثابت ہے

(1۔پطرس 19:3)

کیونکہ قیدی روحوں سے مراد نافرمان فرشتے ہیں (قاموس الکتاب ص 760)

جو جہنم میں ڈالے گئے (2۔پطرس 4:2)

سورہ مریم کی آیت زیر نظر کا سیاق وسباق دیکھیں تو آیت نمبر 66 تا 98 میں کفار کا ذکر ہے۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ یہ آیت کفار کے بارے میں ہے (تفسیر قرطبی، اردو جلد 6، ص 132 زیر آیت ھذا، مسئلہ نمبر 2) صرف آیت نمبر 72 میں مومنوں کے استثناء کا ذکر ہے۔ضمیر خطاب کے مخاطب وہی مجرمین ہیں جن کا ذکر اوپر سے چلا آرہا ہے۔اوپر کی بات صیغہ غائب میں کی گئی ہے جبکہ آیت نمبر 71 میں بات ان کو مخاطب کرکے ارشاد ہوئی ہے۔ان دونوں اسلوبوں کے الگ الگ فائدے ہیں۔جس طرح غائب کا اسلوب عدم التفات پر دلیل

ہوتا ہے اسی طرح خطاب کا اسلوب شدت عتاب پر دلیل ہے۔ چونکہ مقصود شدت غضب کا اظہار ہے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ مجرموں کو خطاب کر کے فرمائے کہ اب تمہارے لیے داد فریاد اور عذر و معذرت کا وقت گزر گیا، اب تم میں سے بلا استثناء ہر ایک کو جہنم میں اترنا ہے۔ ساتھ ہی حضور ﷺ کو اطمینان دلایا گیا ہے کہ یہ امر بالکل قطعی اور فیصل شدہ ہے۔ اس کو تیرے رب نے اپنے اوپر لازم ٹھہرالیا ہے۔ ایک دن تم اپنے دشمنوں کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھ لوگے۔ آیت نمبر 72 کی ابتدا میں ثُمَّ ترتیب کو ظاہر کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ پہلے ظالموں سے نمٹے گا، ان کو واصل جہنم کرنے کے بعد ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوگا جو اس سے ڈرتے رہے۔ فرمایا پھر ہم ان لوگوں کو نجات دیں گے جو ہم سے ڈرتے رہے اور ظالموں کو اسی جہنم میں اکڑوں بیٹھے چھوڑ دیں گے اور نجات دینے سے مراد اہل تقویٰ کو تشویش و انتظار سے نجات دینا ہے نہ کہ جہنم سے۔ (تدبر قرآن جلد نمبر 4 ص 678-679)

یہ قول پہلے بزرگوں سے چلا آ رہا ہے جیسا کہ ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا۔ معالم التنزیل میں عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل ہے، تفسیر کبیر میں بھی ہے۔ ورود سے مراد داخلہ نہیں بلکہ محض پہنچنا یا گزرہونا ہے۔ ملاحظہ ہو معالم، ابن کثیر من عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اور تفسیر کبیر۔

(تفسیر ماجدی اردو ص 633)

اہل بیت میں سے امام جعفر الصادق رحمۃ اللہ علیہ سے تفسیر صافی ص 315 پر مروی ہے کہ وارد ہونے کے معنی دخول نہیں۔ مجمع البیان تفسیر میں حدیث کے حوالہ سے ذکر ہے کہ اس آیت میں جہنم پر سے گزرنا مراد ہے۔ دخول مراد نہیں ہے۔ (تفسیر المتقین از سید امداد حسین کاظمی ص 402)

(ii) سورہ ہود 11-118-119۔

ان آیت میں فرمایا گیا ہے اگر تیرا رب زبردستی ہدایت دینا چاہتا ہے تو سب لوگوں کو ایک ہی جماعت یعنی مومن بنا دیتا لیکن وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے مگر جن پر تیرا رب رحم کرے اور اسی لیے اس نے ان کو پیدا کیا ہے (یعنی رحم کرنے کے لیے) اور (انکے کرتوں کی وجہ سے) تیرے رب کا قول پورا ہو گیا کہ میں دوزخ کو جنوں اور انسانوں سب سے بھر دوں گا۔

آیت نمبر 119 میں رب کے جس قول کا ذکر ہے، وہ اعراف (18:7) اور ص (85:38) میں بیان ہوا کہ شیطان سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو لوگ تیری پیروی کریں گے، ان سب سے جہنم کو بھر

دوں گا۔ آیت نمبر 118 میں یہ جو فرمایا: اگر تیرا رب ہدایت دینا چاہتا تو سب کو ایک ہی جماعت بنا دیتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر زبردستی ہدایت دینا چاہتا تو سب لوگ مومن ہوتے۔ اسی بات کو یونس 99:10 میں کھول کر یوں فرمایا کہ اگر تیرا رب چاہتا تو جتنے لوگ زمین میں ہیں، سب کے سب ایمان لے آتے تو کیا تم لوگوں پر زبردستی کرنا چاہتے ہو کہ وہ مومن ہو جائیں؟ پھر سورہ انعام 108:6 میں فرمایا: اگر خدا چاہتا تو یہ لوگ شرک نہ کرتے۔

تو اس کا مطلب یہ اگر زبردستی ہدایت دینا چاہتا تو یہ لوگ شرک نہ کرتے اور اے رسول ہم نے تم کو ان پر نگہبان مقرر نہیں کیا اور نہ تم ان کے داروغہ ہو۔ المائدہ 48:5 میں زبردستی ہدایت نہ دینے اور پیدائشی مومن نہ بنانے کی حکمت یہ بیان فرمائی کہ خدا تعالیٰ تمہاری آزمائش کرنا چاہتا۔ آزمائش کے بارے میں سورہ ملک 2:68 میں فرمایا یہ اس لیے ہے کہ کون تم میں سے اچھے عمل کرتا ہے۔

الٰہی ضابطہ ہدایت کا ذکر شوریٰ 13:42 میں فرمایا کہ خدا تعالیٰ اس کو ہدایت دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے اور عنکبوت 69:29 میں فرمایا جو ہمارے راستہ کی تلاش میں پوری کوشش کرے گا ہم ضرور اس کو اپنے راستے دکھائیں گے۔ یعنی ایک راستہ نہیں بلکہ ہدایت کے بہت سے راستے دکھا دیں گے۔

سورہ ہود کی ان آیات میں تو فرمایا کہ بنیادی طور انسانوں کو خدا نے رحم کرنے کے لیے ہی پیدا کیا ہے۔ سوائے اس کے کہ کوئی اپنے برے اعمال کے بدلے سے خود کو اس کا حق دار نہ رہنے دے۔ مگر عیسائیت کی تعلیم کچھ اور ہے۔ وہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

آپ نے دیکھا کہ قرآن مجید میں تو ایک ضابطہ مقرر ہے جسکے تحت ہدایت ملتی ہے مگر بائبل میں یہ سب کچھ (DISCRETION) (صوابدید) پر ہے۔ پال رومیوں کے نام خط میں خدا کے رحم کا ضابطہ بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے "پس ہم کیا کہیں؟ کیا خدا کے ہاں بے انصافی ہے؟ ہرگز نہیں! کیونکہ وہ موسیٰ علیہ السلام سے کہتا ہے کہ جس پر رحم کرنا منظور ہے اس پر رحم کروں گا اور جس پر ترس کھانا منظور ہے اس پر ترس کھاؤں گا۔ پس یہ نہ ارادہ کرنے والے پر منحصر ہے نہ دوڑ دھوپ کرنے والے پر بلکہ رحم کرنے والے خدا پر...... پس وہ جس پر چاہتا ہے۔ رحم کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے اسے سخت کر دیتا ہے۔ (رومیوں 14:9 تا 18)

پال کا یہ بیان تورات کی کتاب خروج کی اس آیت پر مبنی ہے جس میں بیان کیا گیا کہ "خدا نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا...... "میں جس پر مہربان ہونا چاہوں مہربان ہوں گا اور جس پر رحم کرنا چاہوں رحم کروں گا۔" (19-17:33)

لہٰذا اسلام سے مرتد ہو کر عیسائیت اختیار کرنے والے کو کچھ فائدہ نہ ہوا ہو گا۔

(iii) زلزال 99:7-8۔

پال نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ اسلام میں نجات صرف اعمال صالح پر موقوف ہے اور اعمال صالح مشکل کام ہے۔ عیسائیت صرف مسیح پر ایمان لانے ہی کو باعث نجات قرار دیتی ہے لہٰذا وہ مرتد ہو گیا۔

ان آیات کی شرح یہ ہے کہ آیت نمبر 6 میں فرمایا کہ جس دن لوگ تنہا تنہا، اکیلے اکیلے قبروں سے نکلیں گے تا کہ ان کو ان کے اعمال دکھا دیئے جائیں۔ پھر ان آیات نمبر 7-8 میں اس اجمال کی تفصیل بیان فرمائی کہ جس نے ذرہ کے برابر نیکی کی ہوگی یا بدی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا۔ ہر نیکی بدی انسان کے سامنے آئے گی ضرور مگر اس قاعدے کے مطابق آئے گی جو اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقامات پر بیان فرما دیا ہے۔ یعنی مومن کی نیکیاں گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں۔

(ھود 114:11)

جس نے توبہ کی اور ایمان لایا خدا تعالیٰ اس کے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دے گا۔ (فرقان 70:25)

کفار کے نیک اعمال ضبط ہو جائیں گے مگر عذاب میں ان کے مطابق کمی کر دی جائے گی۔ اسی لیے جہنم کے مختلف درجے ہیں۔ اس قاعدہ پر پرکھے جانے کے بعد نجات پانے والوں اور ہلاک ہونے والوں کے لیے جو ضابطہ مقرر ہوا ہے وہ سورہ قارعہ 101:6-9 میں یوں بیان ہوا ہے "پس جس کی نیکیوں کے پلڑے بھاری ہوں گے وہ دل پسند عیش میں ہوگا اور جس کی نیکیوں کے پلڑے ہلکے ہوں گے تو اس کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا۔

عیسائیت میں بھی نجات نیک اعمال پر موقوف ہے جیسا کہ متی کی انجیل میں مسیح کا فرمان ہے "اگر تو زندگی میں داخل ہونا چاہتا ہے تو حکموں پر عمل کر۔ (17:19)

پھر آپ علیہ السلام نے اس کو چھ احکام سنائے۔ (19-18:19)

اور اپنی تمام دولت غریبوں میں تقسیم کرنے کا حکم فرمایا (21:19)

اسی طرح آپ نے متی 8:18 تا 9 میں نیک اعمال کرنے اور برائیوں سے مکمل پرہیز کرنے کا حکم

فرمایا۔ اسی طرح متی کی انجیل بھی آپ علیہ السلام نے تورات کے حکموں پر عمل کی تاکید فرمائی اور چھوٹے سے چھوٹے حکم کو توڑنے پر وعید سنائی (متی 5:19-20)

آسمان کی بادشاہی (جنت) میں داخلے کا معیار یہ مقرر فرمایا کہ یہودی علماء سے بھی زیادہ راست باز ہوگا تو خدا کی بادشاہی میں داخل ہوگا (5:20)

گناہوں سے بچنے کی بے مثال تاکید فرمائی (متی 5:21 تا باب 7:29)

یہ پہاڑی کے وعظ سے موسوم ہے۔ مسیح علیہ السلام کے یہ احکام واجب العمل ہیں اور یہی ان کے اولین پیروکاروں نے سمجھا جیسا کہ یوحنا نے اپنے پہلے عام خط میں لکھا ”جو کوئی یہ کہتا ہے کہ میں اسے جان گیا ہوں اور اس کے حکموں پر عمل نہیں کرتا وہ جھوٹا ہے اور اس میں سچائی نہیں ہے۔“

(1۔یوحنا 2:4)

یعقوب کے خط میں لکھا ہے کہ شریعت کا ایک عمل بھی توڑے تو بھی گناہ گار ٹھہرے گا۔(2:10)

نیک اعمال کے بغیر ایمان نجات نہ دے گا۔(2:14)

ایمان کے ساتھ اگر اعمال نہ ہوں تو وہ ایمان مردہ ہے۔(2:17)

ایمان بغیر اعمال بے کار ہے۔(2:20)

حضرت ابراہیم بھی اعمال سے راست باز ٹھہرے۔(2:21)

اعمال سے ایمان کامل ہوتا ہے۔(2:22)

انسان صرف ایمان سے ہی نہیں بلکہ اعمال سے راست باز ٹھہرتا ہے۔(2:24)

جیسے بدن بغیر روح مردہ ہے ویسے ہی ایمان بھی بغیر اعمال کے مردہ ہے۔(2:26)

معلوم ہوا کہ نیک اعمال کرنے کی مشقت سے بچنے کیلئے مرتد ہونے والے پر عیسائیت میں بھی نیک اعمال کی پابندی ہے اور اس پر یہ مثل صادق آئے گی کہ تیلی بھی کیا اور روکھا بھی کھایا۔

مسیح علیہ السلام تو شریعت کے چھوٹے سے چھوٹے حکم پر بھی عمل کا حکم فرماتے ہیں۔(متی 5:19-20)

جبکہ پال نے ان سے بہت چھوٹا درجہ ہونے کے باوجود مجرمانہ اقدام کیا اور شریعت پر عمل کو بے کار قرار دے کر بغیر شریعت راست باز ہونے کا نظریہ پیش کیا۔(رومیوں 3:28)

اور منافقت کی انتہا کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ”پس کیا ہم شریعت کو ایمان سے باطل کرتے ہیں؟ ہرگز نہیں بلکہ شریعت کو قائم رکھتے ہیں۔(رومیوں 3:31)

(4تا7)

(4) مشکوٰۃ کی روایت میں جہنم میں داخل ہو کر نکلنے کا نہیں بلکہ وارد ہونے کا ذکر ہے (یعنی اوپر سے گزریں گے) جس کی تفصیل 3(i) کے تحت گزر چکی۔

(5) جو حدیث حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ والی ہے یا اس طرح کی ہیں ان میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو حالت کفر میں چور اور زانی رہے مگر اسلام لے آئے چونکہ اسلام پچھلے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے لہٰذا جو ایمان لایا، اس کے پہلے گناہ معاف ہو گئے اور اگر وہ لا الہ الا اللہ پر قائم رہے تو جنت میں جائے گا۔ ایسی روایات کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اسلام لانے کے بعد چوری اور زنا کرنے والا اگر توحید پر قائم رہا تو دوزخ میں سزا پانے کے بعد آخر کار جنت میں جائے گا۔

(6) بے شک انبیائے کرام علیہم السلام بشمول حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خدا کے بندے اور اس کے رحم کے محتاج ہیں۔ انسانی زندگی چونکہ بہت مختصر اور جنت کا قیام ابدی ہے لہٰذا جنت کو اعمال کا صلہ کہنا زیادتی ہوگی۔ جن آیات یا احادیث میں جنت کو اعمال کا صلہ فرمایا گیا وہ دخول جنت کی بات ہے اور نیک لوگوں کے اکرام کی بات ہے ورنہ چند سال کے نیک اعمال کا بدلہ تو چند سال جنت کا قیام ہونا چاہیے مگر وہ ابدی ہے لہٰذا جنت میں جانا اور ہمیشہ وہاں رہنا صرف خدا کی رحمت ہی کی وجہ سے ہوگا چاہے شخصیت کوئی بھی ہو۔ دوسری بات یہ کہ تمام نیک اعمال خدا تعالیٰ کے عطا کیے ہوئے اعضاء اور اشیاء سے کیے جاتے ہیں لہٰذا نیک اعمال دراصل خدا تعالیٰ کی نعمت ہے لہٰذا جنت میں جانے والے جنت کو اپنے اعمال کا صلہ نہیں قرار دے سکتے البتہ خدا تعالیٰ اپنے فضل سے جنتی لوگوں کی شان بڑھانے کے لیے جنت کو جنتی لوگوں کے اعمال کا صلہ قرار دے سکتا ہے جیسا کہ قرآن مجید کے مختلف مقامات پر فرمایا گیا مثلاً (الحاقہ 24:69)

(7) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو نیک اعمال کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا کہ میں تم کو خدا سے نہیں بچا سکتا تو یہ کوئی طعن والی بات نہیں۔ ہر نبی اپنی قوم اور اعزہ کو نیک اعمال کی ترغیب دیتے رہے۔ مگر عیسائیوں اور موجودہ عیسائی مذہب کی طرح کسی نے لوگوں کو گناہ کرنے کا لائسنس نہیں دیا۔ ہر آسمانی مذہب میں نیک اعمال پر زور دیا گیا ہے۔ خود مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں ''اگر تو زندگی میں شامل ہونا چاہتا ہے تو حکموں پر عمل کر'' (متی 17:19)
اگر پال کو اس بات پر فخر ہے کہ مسیح علیہ السلام نے فرمایا ''اے محنت اٹھانے والو اور بوجھ سے دبے

ہوئے لوگو سب میرے پاس آؤ میں تم کو آرام دوں گا۔ (متی 28:11)

تو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خدا کی رحمت سے مایوس مت ہو، اللہ تعالیٰ تمہارے تمام گناہ معاف فرمادے گا۔ (زمر 53:39)

اور رسول کریم ﷺ کی پیروی مومن انسان کو خدا کا محبوب بنا دیتی ہے۔ (آل عمران 31:3)

اگر مسیح علیہ السلام کا یہ فرمان ہو کہ "راہ اور حق اور زندگی میں ہوں کوئی میرے وسیلہ کے بغیر باپ کے پاس نہیں آتا۔ (یوحنا 6:14) تو قرآن مجید میں یہ فرمایا گیا کہ ہدایت صرف حضور ﷺ کی پیروی میں ہے۔ (اعراف 158:7)

عقیدہ کفارہ کے رد میں قرآن مجید نے فرمایا کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

(انعام 164:6، بنی اسرائیل 15:17، فاطر 18:35، زمر 7:39، النجم 38:53)

اگر کفارہ ہی طریق نجات ہے تو پہلی امتوں کی نجات کس طرح ہوگی اور خدا نے پہلے نبی پر ہی اسے کیوں نہ ظاہر کیا۔ اگر نجات کا ذریعہ خدا کے رحم سے مسیح کی موت ہے تو پھر مسیحی ہونے کی کیا ضرورت ہے، خدا نے سب کی بخشش کا انتظام کر دیا۔

(32)

عیسائیوں کے رسالہ حقائق قرآن (شائع شدہ 1918ء) میں کئی وجوہ سے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی فضیلت سیدنا رسول کریم ﷺ پر ثابت کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس کا جواب حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے اخبار اہل حدیث میں 15 نومبر 1918ء کو دیا۔

اعتراضات وجوابات کا خلاصہ بمعہ ترامیم یہ ہے۔

(1) سب سے پہلے افضلیت کا معیار طے ہونا چاہیے۔ جب مسیح علیہ السلام دنیا سے تشریف لے گئے تو 12/13 آدمی آپ علیہ السلام پر ایمان رکھتے تھے مگر وہ سب کے سب بوقت آزمائش بھاگ گئے جبکہ حضور ﷺ کے وصال کے وقت یدخلون فی دین اللّٰہِ افواجا کا منظر تھا۔

دعویٰ: حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش بن باپ تھی۔ (مریم 19:19 تا 32)

جواب: سیدنا آدم علیہ السلام بن ماں باپ اور سیدہ حوا علیہا السلام بن ماں پیدا ہوئیں لہٰذا ان کا مرتبہ عیسائی معیار کے مطابق تو مسیح علیہ السلام سے بڑھ کر ہونا چاہیے۔ دوسری بات یہ کہ اناجیل کے مطابق حضرت مریم علیہا السلام شادی شدہ تھیں اور ان کے شوہر کا نام یوسف بن یعقوب نجار تھا۔ انہی کے ساتھ وہ رہتی تھیں اور

اس حمل کے بعد اس نے حضرت مریم علیہا السلام کو چھوڑ دینے کا ارادہ بھی کیا تھا ملاحظہ ہو متی 1:18-19، لوقا 2:5-6۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ دونوں جگہ یوسف کو حضرت مریم علیہا السلام کا منگیتر لکھا ہے جبکہ حضرت مریم علیہا السلام کو حاملہ لکھا ہے۔ یہ بات بہت عجیب ہے کہ منگیتر حاملہ ہو جائے۔ یہ تو قرآن کا احسان ہے کہ سیدہ مریم علیہا السلام کی بریت ظاہر کی ورنہ اناجیل سے تو ان پر الزام آتا ہے۔ پھر یہ کہ اناجیل کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چار بھائی تھے اور بہنوں کی تعداد نا معلوم ہے۔ (متی 13:55-56)

لہٰذا اناجیل سے تو مسیح علیہ السلام اپنے ماں باپ سے مولود ثابت ہوتے ہیں۔

(2) آل عمران 3:42

عیسائی موقف یہ ہے کہ اس آیت میں سیدہ مریم علیہا السلام کو تمام جہان کی عورتوں پر فضیلت دی گئی لہٰذا مسیح علیہ السلام افضل ہیں۔

جواب: یہ وجہ بھی غلط ہے۔ والدہ کی فضیلت اور چیز ہے اور بیٹے کی فضیلت اور چیز ہے۔ فضیلت کے مسئلہ میں ذاتی فضائل وجہ بنتے ہیں۔ اگر ذاتی طور پر کوئی خوبی نہ ہو تو بڑوں کے فضائل کچھ کام نہیں کرتے۔ یہودیوں ہی کو دیکھ لو کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے بلند مرتبہ کی اولاد ہونے کے باوجود موجب لعنت ٹھہرے۔ لہٰذا بقول سعدی رحمۃ اللہ علیہ

هنر بنما اگر داری نه جوهر
گل از خار است ابراهیم از آذر

کوئی ذاتی خوبی دکھا کیونکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کانٹوں سے گلاب اور آذر سے ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوتے ہیں۔

(3) مریم 19:23 تا 26

مسیح علیہ السلام کی پیدائش کے وقت خارق عادات امور ظاہر ہوئے مثلاً کھجور کا درخت خشک سے تر ہو گیا، پانی کا چشمہ جاری ہو گیا۔

جواب: اس سے بھی کچھ ثابت ہوا تو قدرت خداوندی کا اظہار ہوا نہ کہ مسیح علیہ السلام کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فضیلت۔

(4) مریم 19:29 تا 32۔

عیسائی موقف یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام نے گود میں کلام کیا۔لڑکپن میں ان کو کتاب ملی لہٰذا افضل۔

جواب: گود میں کلام کرنا خدا کی قدرت کا اظہار ہے کوئی ذاتی فضیلت نہیں۔افضلیت ذاتی فضائل میں ہوتی ہے۔گود میں کلام کرنا مسیح کے اپنے بس میں نہ تھا، وہ تو اپنے متعلق بتاتے ہیں ''میں آپ سے کچھ نہیں کرسکتا۔'' (یوحنا5:30۔5:19)

اگر ایسی باتوں سے افضلیت قرآن سے ثابت کرنی ہے تو پھر حضرت یحیٰ علیہ السلام تو مسیح علیہ السلام سے بھی افضل ثابت ہونگے جن کا نام تک خدا تعالیٰ نے خود لکھا۔(مریم 7:19)

اوران کو بچپن میں دانائی (نبوت) دی۔(مریم 12:19)

(5) نساء 158:4، آل عمران 55:3۔

عیسائی موقف یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب دشمنوں نے پکڑنا چاہا تو آسمان سے فرشتے آکر بجسم خاکی آسمان پر لے گئے اور کفار سے بچالیا اور حضور علیہ السلام کا محاصرہ جب مخالفوں نے کیا تو کوئی فرشتہ نہ اور نہ ہی ان کو آسمان پر اٹھالیا گیا لہٰذا مسیح افضل ہیں۔

جواب: یہ واقعہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی افضلیت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی زمین پر رہ کر کفار کا مقابلہ کیا اوران کو شکست دی۔ جہاں تک خدا کی حفاظت کا تعلق ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے حفاظت کی بشارت یہ فرما کردے دی تھی ''اللہ تم کو لوگوں سے بچائے رکھے گا۔'' (المائدہ 67:5)

اور فرشتوں کی نصرت بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بار بار ملی۔

(انفال 8:9-12-48)(آل عمران 3:124-125)(احزاب 9:33)

خدا تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بچائے رکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین پورے عرب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ہی غالب کردیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماننے والوں کے ذریعے پوری دنیا میں پہنچا دیا۔ یہ ایسی خدمت تھی جو صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ظہور میں آئی جبکہ سیدنا مسیح علیہ السلام کو ایسے حالات پیش آئے کہ بقول انجیل نویس آپ علیہ السلام کو یہ کہنا پڑا ''اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔'' (متی 46:27)

اس سے تو باقرار مسیح علیہ السلام ثابت ہوتا ہے کہ خدائی مدد ان کو حاصل نہ رہی تھی۔

(6) نساء 158:4، آل عمران 55:3۔

عیسائی موقف یہ ہے کہ آسمان پر تشریف لے جانے کی وجہ سے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا جسم باوجود حاجتِ بشریہ کے آج تک محفوظ ہے حالانکہ اور کسی کا نہیں لہٰذا ثابت ہوا مسیح افضل ہیں۔

جواب: جسم کا محفوظ رہنا قدرت خداوندی کی دلیل ہے کہ وہ باوجود اسباب فنا کے کسی چیز کو فنا نہ ہونے دے۔اس سے اس چیز کی افضلیت ثابت نہیں ہوتی۔سیدنا مسیح علیہ السلام تو نبی اور رسول ہیں۔دنیا میں ایسی چیزیں بھی ہیں جو محض بے جان ہیں مگر ان کی زندگی مسیح علیہ السلام سے لمبی ہے اور ان کے اجسام میں بھی کوئی فرق نہیں آیا مثلاً سورج، چاند، ستارے، پہاڑ وغیرہ تو کیا ان کو بھی حضرات انبیاء علیہم السلام پر فضیلت ہوگی؟ ہرگز نہیں۔

(7) آل عمران 49:3۔

عیسائی موقف یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام نے جانوروں کو پیدا کیا، بیماروں کو اچھا کیا، یہ کام خاصہ خداوندی ہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ مسیح علیہ السلام افضل ہیں۔

جواب: دھوکہ دہی یا دھوکہ خوری الگ بات ہے ورنہ قرآن مجید کی آیت نظر میں بار بار اللہ تعالیٰ نے باذن اللہ (اللہ کے حکم سے) کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سب کام دراصل خدا تعالیٰ کی قدرت سے ہوئے اور سیدنا مسیح علیہ السلام تو محض قدرت خداوندی ظاہر ہونے کا محل تھے۔قرآن مجید کے الفاظ ''باذن اللہ'' کی تائید انجیل سے بھی ہوتی ہے۔مسیح فرماتے ہیں ''میں آپ سے کچھ نہیں کرسکتا'' (یوحنا 30:5)

جس طرح مسیح علیہ السلام کے معجزات ہیں اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بے شمار معجزات ہیں۔

(آل عمران 49:3)

(8) آل عمران 49:3۔

قرآن میں ذکر ہے کہ لوگ جو کچھ گھروں میں کھاتے یا رکھتے تھے حضرت مسیح علیہ السلام ان کو بتا دیتے تھے۔یہ علم غیب خدا کی صفت ہے جس میں مسیح علیہ السلام شریک ہیں اور اس سے ثابت ہوا کہ مسیح افضل ہیں۔

جواب: یہ بھی خدا تعالیٰ کا عطا کردہ معجزہ تھا۔جیسے اور نبیوں کو معجزات ملے، جناب مسیح علیہ السلام کو بھی ملے مگر یہ سب کچھ باذن اللہ تھا جس کا اقرار خود مسیح علیہ السلام کو بھی ہے۔دیکھو یوحنا (30:5) کہ میں اپنے آپ سے کچھ نہیں کرسکتا۔اور یہ کہ علم غیب بھی حضرت مسیح علیہ السلام کو حاصل نہ تھا۔فقط اتنا ہی معلوم

ہوتا جتنا خدا تعالیٰ بتا دے۔ جب آپ علیہ السلام سے قیامت آنے کا وقت پوچھا گیا تو آپ علیہ السلام نے
نے فرمایا ''اس دن اور اس گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا نہ آسمان کے فرشتے نہ بیٹا مگر صرف
باپ۔ (متی 36:24، مرقس 32:13)

اگر آپ علیہ السلام خدا تعالیٰ کی صفتِ علم غیب میں شریک ہوتے تو ایسا نہ فرماتے۔ جیسے مسیح علیہ السلام کو
اللہ تعالیٰ کے خبر دینے سے پوشیدہ باتیں معلوم ہو جاتی تھیں، اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ
کے خبر دینے سے غیب کی بہت سی باتیں معلوم ہو جاتی تھیں اور یہی انبیاء علیہم السلام کی شان ہے کہ
خدا تعالیٰ کے بتانے سے وہ ایسی باتیں بھی جانتے ہیں جو دوسرے لوگ کسی طرح معلوم نہیں کر
سکتے۔ اسی شانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سورہ تحریم 3:66، آل عمران 44:3، ہود 11:49-100،
یوسف 102:12 میں اشارہ فرمایا گیا ہے۔

(9) غافر/مومن 55:40، محمد 19:47، الضحیٰ 7:93

قرآن مجید میں تمام انبیاء علیہم السلام کے گناہوں کا ذکر ہے خصوصاً حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بابت حکم ہے
اِسۡتَغۡفِرۡ لِذَنۡبِكَ وَ جدَكَ ضَالاًّ

جواب: سب سے پہلے لفظ ذنب کی تحقیق کرتے ہیں۔

(i) ایک انگریز نے عربی انگلش ڈکشنری لکھی جس میں صرف قرآن مجید کے الفاظ کی شرح کی اس میں وہ لفظ ذنب اور اثم کے بارے میں لکھتا ہے کہ ذنب اور اثم میں فرق ہے۔ ذنب جان بوجھ کر یا غلط فہمی (سہواً) ہونے والے غلط کام کو کہتے ہیں جبکہ اثم خاص طور پر جان بوجھ کر کیے جانے والے کام کو کہتے ہیں۔ (بحوالہ تفسیر ماجدی انگریزی جلد نمبر 4 ص 99 حاشیہ نمبر 223)

(Lane's Arabic-English Lexicon, 8 vols(Williams+Nargate, London)

(ii) ذنب خلاف اولیٰ کام کو کہتے ہیں۔ (ترجمہ وحواشی تفسیر نمونہ۔ مترجم سید صفدر حسین نجفی، قرآن مجید ص 568) زیر آیت 55:40 مومن۔

(iii) ذنب ترک اولیٰ کو کہتے ہیں۔ (تفسیر کبیر امام رازی بحوالہ تفسیر ماجدی اردو ص 946 زیر آیت المومن 55:40)

مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدا نہیں بلکہ خدا کا بندہ اور رسول سمجھتے ہیں لہٰذا بندۂ خدا سے کسی خلافِ اولیٰ
کا ہو جانا ناممکن نہیں مگر یہ بھی صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امتیاز ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے رضائے تامہ حاصل

ہوئی۔(الفتح 2:48) اور اللہ کا عظیم فضل ہے۔(نساء 113:4)

یہ بھی واضح رہے کہ اس طرح کے خطابات میں، جیسے مومن 55:40 میں ہے، حضور ﷺ شخصاً مخاطب نہیں ہوتے بلکہ امت کے وکیل کی حیثیت سے مخاطب ہوتے ہیں۔ جو لوگ خطاب کی اس نوعیت اور اس کی بلاغت سے اچھی طرح آشنا نہیں ہیں وہ آنحضرت ﷺ کی طرف لفظ ذنب کے انتساب سے پریشان ہوتے ہیں حالانکہ اس کا خاص محل ہے۔(تدبر قرآن جلد نمبر 7 ص 51)

اس طرح کے خطابات کی مثالیں بنی اسرائیل 24:17، فرقان 52:25، احزاب 1:33، 48:33 القلم 8:68-10 وغیرہ بھی ہیں۔

سورہ والضحیٰ 7:93

وَوَجَدَكَ ضَالًّا کی وضاحت مندرجہ ذیل ہے۔

(i) آپ کتاب اور اصول ایمان وغیرہ سے واقف نہ تھے۔ خدا تعالیٰ نے نبی بنا کر یہ سب علوم آپ ﷺ کو عطا فرمائے۔(شوریٰ 52:42)

ضَالًّا یہاں گمراہ نہیں بلکہ جویائے راہ کے معنی میں ہے۔(تدبر جلد نمبر 9 ص 416)

(ii) آپ ﷺ گمنام تھے اور اللہ نے آپ ﷺ کو مرجع خلائق بنا دیا

(تفسیر المتقین ص 787 بحوالہ تفسیر صافی ص 532، ترجمہ وحواشی تفسیر نمونہ از سید صفدر حسین نجفی ص 716 بحوالہ امام علی رضا علیہ السلام)

(iii) اس آیت میں ضَالًّا سے پہلے لفظ رھطک محذوف ہے جیسے سورہ یوسف 82:12 میں وَسْئَلِ الْقَرِيَة میں القریتہ سے پہلے اہل محذوف ہے۔ لہٰذا مفسر ابوحیان غرناطی کے مطابق ترجمہ یہ ہوگا ''یعنی تیری قوم کو گمراہ پایا تو تیرے ذریعہ ان کو ہدایت دی''

(تفسیر البحر المحیط از ابوحیان۔ بحوالہ تفسیر ماجدی اردو ص 1200)

یہ تینوں مطالب اس آیت میں بیک وقت بھی تسلیم کیے جائیں تو کوئی حرج نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علوم نبوت عطا فرما کر بے شمار انسانوں کی ہدایت کا سبب بنا دیا اور اس کے نتیجہ میں مرجع خلائق بنا دیا۔

اب ذرا بائبل پر بھی ایک نظر ڈال لیں تاکہ معلوم ہو کہ ایسا طرز خطاب کوئی انوکھی بات نہیں جو صرف قرآن مجید میں ہو اور عیسائیوں کے ہاتھ شکار آ جائے بلکہ قدیم سے مروج ہے۔

(i) زبور میں ہے ''میں بے عقل اور جاہل تھا۔ میں تیرے سامنے جانور کی مانند تھا۔ تو بھی میں برابر

تیرے ساتھ ہوں۔ تو نے میرا داہنا ہاتھ پکڑ رکھا ہے۔ تو اپنی مصلحت سے میری راہنمائی کرے گا۔" (زبور 22:73 تا 24)

(ii) "خدا میرا مضبوط قلعہ ہے۔ وہ اپنی راہ میں کامل شخص کی راہنمائی کرتا ہے۔ (سموئیل نمبر 2 باب 33:22)

(iii) "اپنی رحمت سے تو نے ان لوگوں کو جن کو تو نے خلاصی بخشی، راہنمائی کی۔" (خروج 13:15)

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کامل شخص اور جن کو خلاصی بخشتا ہے، ان کی رہنمائی فرماتا ہے لہٰذا قرآن مجید کی زیر نظر آیت میں بائبل کے میعار کے مطابق رسول کریم ﷺ کامل اور نجات یافتہ اشخاص میں سے ہیں جن کی خدا تعالیٰ نے راہنمائی فرمائی۔

عیسائیوں کا یہ بڑا دعوی اور مغالطہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا لہٰذا معصوم اس کائنات میں معصوم صرف وہی ہیں۔ حالانکہ نئے اور پرانے عہد نامہ، دونوں سے مسیح علیہ السلام کا غیر معصوم بلکہ گناہ گار حتیٰ کہ اکبر الکبائر (جھوٹ) کا بھی (نعوذ باللہ) مرتکب ہونا، ثابت ہوتا ہے۔

(i) یوحنا 8:7 تا 11 سے جھوٹ بولنا ثابت ہوتا ہے۔

(ii) یوحنا 4:2 میں کہا کہ ابھی میرا وقت نہیں آیا پھر اسی وقت پانی کو شراب بنا دیا۔ اس طرح جھوٹ کی نسبت آپ کی طرف کی۔

(iii) پہلا معجزہ بقول انجیل یوحنا کے مولف کے ام الخبائث شراب بنانے کا دکھایا۔ (یوحنا 7:2 تا 9)

مسیح علیہ السلام کو نعوذ باللہ عادی شرابی بتایا۔ متی 9:11، لوقا 34:7، جبکہ کرنتھیوں نمبر 1، 9:6 تا 11 کے مطابق شرابی خدا کی بادشاہی میں شامل نہیں ہوں گے۔

شراب کا ناپسندیدہ ہونا اور اہل اللہ کیلئے منع ہونا۔ اس کے لیے ملاحظہ ہو۔

(قضاۃ 4:13-7-14، استثنا 18:21 تا 21، احبار 8:10 تا 11، امثال 23:20-21-21، 1۔ کرنتھیوں 11:5 تا 13، 9:6 تا 11)

(iv) اپنی والدہ کی بے ادبی کی۔ (یوحنا 4:2)

(v) آپ علیہ السلام نے اپنے نیک ہونے سے انکار کیا اور فرمایا کہ کوئی نیک نہیں مگر ایک یعنی خدا۔

(لوقا 19:18) (مرقس 18:10)

(vi) جو عورت سے پیدا ہوا وہ پاک اور صادق کیسے ٹھہرے؟ (ایوب 14:15)

چونکہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام بھی عورت سے پیدا ہوئے لہٰذا وہ اس کلیہ کے تحت آتے ہیں اور یہ کہ

Protestants کی کتاب کیتھولک دعاوی میں سیدہ مریم علیہا السلام کو گناہ گار ثابت کیا گیا ہے لہٰذا ان کا بیٹا معصوم کیسے؟

(10) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوت ہوگئے مگر عیسیٰ علیہ السلام ابھی زندہ ہیں لہٰذا عیسائی خیال میں افضل ہیں۔

جواب: جب مسیح علیہ السلام فوت ہو کر تمہارے خیال میں تین دن قبر میں پڑے رہے تو اس وقت جو لوگ زندہ تھے، جن میں وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے تمہارے عقیدہ کے مطابق آپ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھایا تھا، تو کیا وہ سب مسیح علیہ السلام سے افضل ہوئے؟ لہٰذا ثابت ہوا کہ فوت شدہ زندہ سے روحانی مراتب اور فضیلت سے بڑھ سکتا ہے اور موت اس کے فضائل کو کم نہیں کرتی۔

(11) مسیح علیہ السلام قیامت کے قریب آکر دجال کو ماریں گے اور تمام اہل کتاب آپ علیہ السلام پر ایمان لائیں گے لہٰذا آپ علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل ہیں۔ اس عیسائی غلط فہمی کا جواب یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی بن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت پر عمل کریں گے اور جو ڈیوٹی ان کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بتا کر گئے وہ پوری کریں گے لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افسر ہوں گے اور مسیح علیہ السلام ماتحت جن کے سپرد دین اسلام کی خدمت ہوگی۔

(12) انبیاء 91:21۔

عیسائی کا موقف یہ ہے کہ نفخنا من روحنا سے ثابت ہوا کہ مسیح کے اندر ذات الٰہی تھی پس وہ صاحب الوھیت تھے (نعوذ باللہ) لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل تھے۔

جواب: (i) قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی طرف سے روح ہر انسان میں پھونکی گئی لہٰذا سب کو صاحب الوھیت ہونا چاہیے۔ ملاحظہ ہو سورہ السجدہ (9:32)

(ii) یقیناً ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ تثلیث کا ایک رکن ہے۔ (المائدہ 73:5)
عیسائی خیال کے برعکس حضرت مسیح علیہ السلام نے لوگوں کو اپنے اور ان کے رب کی عبادت کی دعوت دی۔ (المائدہ 5:72-117)

(iii) انجیل میں بھی آپ نے خدا تعالیٰ کی توحید بیان کرتے ہوئے فرمایا "اے اسرائیل سن۔ خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔ (مرقس 29:12)

مزید فرمایا کہ "میں اپنے باپ اور تمہارے باپ اور اپنے خدا اور تمہارے خدا کے پاس اوپر جاتا ہوں۔ (یوحنا 17:20)

اس سے ثابت ہوا کہ عبرانی میں رب اور اب کے لیے ایک ہی لفظ استعمال ہوتا تھا جس کو عیسائیوں نے غلط استعمال کیا اور مسیح علیہ السلام خود کو خدا کا بندہ سمجھتے ہیں اور انکا خدا بھی وہی ہے جو دوسروں کا خدا ہے۔اسی لیے آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ باپ مجھ سے بڑا ہے۔(یوحنا28:14)

مسیح علیہ السلام کی عبودیت کے بارے میں فیصلہ کن فقرہ خود مسیح علیہ السلام ہی کا ہے کہ جب آپ علیہ السلام نے فرمایا''اے میرے خدا!اے میرے خدا!تونے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔(متی 46:27)

بائبل میں جگہ جگہ خدا تعالیٰ کی توحید پر زور دیا گیا اور کسی اور کی الوھیت کی نفی کی گئی ہے۔مثلاً حضرت سلیمان علیہ السلام فرماتے ہیں''اے خداوند اسرائیل کے خدا تیری مانند نہ تو اوپر آسمان میں اور نہ نیچے زمین پر کوئی خدا ہے۔(سلاطین نمبر1، 23:8)(تواریخ نمبر2، 14:6)

''خداوند اسرائیل کا بادشاہ اور اس کا فدیہ دینے والا رب الافواج یوں فرماتا ہے کہ میں ہی اول اور میں ہی آخر ہوں اور میرے سوا کوئی خدا نہیں۔''(یسعیاہ 6:44)

میں ہی خداوند ہوں میرے سوا دوسرا کوئی نہیں (یسعیاہ 5:45-6)

یہ بھی فرمایا کہ میرے سوا کوئی اور نجات دینے والا نہیں ہے۔(ہوسیع 4:13)

افضلیت کا معاملہ تو خود مسیح ہی طے فرما گئے اور حضور علیہ السلام کی پیش گوئی کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ مددگار، روح القدس (یوحنا25:14) دنیا کے سردار (یوحنا:30:14) مددگار اور دنیا پر حکم (یوحنا7:16) ہوں گے۔عیسائی لوگوں میں سے زیادہ بے حیا لوگوں نے لکھا کہ دنیا کے سردار سے مراد شیطان ہے حالانکہ مددگار روح القدس اور دنیا کا سردار ایک ہی پیراگراف میں بیان ہوئے ہیں۔(یوحنا25:14 تا31)

لٰہذا یہ تینوں اوصاف ایک ہی شخصیت کے ہیں کیونکہ کلام کو سیاق وسباق میں دیکھنا ضروری ہوتا ہے۔

(33)

پادری فانڈر نے 1839ء میں اپنی کتاب میزان الحق میں قرآنی آیات کے حوالہ سے بائبل کے غیر محرف ہونے اور دوسرے دلائل پیش کیے۔ان میں سے بہت سی آیات کا جواب پہلے گزر چکا۔باقی آیات سے اس کے استدلال کا جواب یہ ہے۔

(1) فاطر 31:35۔

اس آیت کا مقصد بائبل کو غیر محرف بتانا نہیں بلکہ اس میں فرمایا گیا''اور ہم نے تمہاری طرف جو

کتاب وحی کی ہے، یہی حق ہے، ان پیش گوئیوں کی مصداق، جو اس سے پہلے سے موجود ہیں۔
بے شک اللہ اپنے بندوں کی خبر رکھنے والا، دیکھنے والا ہے۔ (تدبر قرآن جلد نمبر 6 ص 379)

(2) مومن 40:70 تا 72۔

ان آیات میں کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔ یہ کفار کے جرم کا بیان کہ انہوں نے قرآن کی بھی تکذیب کی اور ان تمام تعلیمات کی بھی جن کے ساتھ ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا۔ تمام رسولوں کی تعلیم بنیادی طور پر یہی رہی ہے جو قرآن دے رہا ہے تو قرآن کی تکذیب سب کی تکذیب ہوئی۔ آیت نمبر 71-72 میں منکرین کی سزا کا ذکر فرمایا کہ اگر انہوں نے یہ جسارت کی ہے تو عنقریب وہ اس کا انجام بھی دیکھیں گے۔ (تدبر قرآن جلد نمبر 7 ص 63)

(3) یونس 10:94۔

فان کنت فی شلتٍ سے قرآن کا مخاطب ہر شخص ہے نہ کہ حضور ﷺ۔ بالکل اسی طرح جیسے بنی اسرائیل 17:22 میں بظاہر مخاطب حضور ﷺ ہیں مگر آپ ﷺ مراد نہیں ہو سکتے کیونکہ آپ ﷺ کے والدین اس وقت زندہ نہ تھے۔

تو اس آیت میں فرمایا کہ اے مخاطب اگر تجھے اس قرآن کے کلام خدا ہونے میں شک ہے تو اہل کتاب کے نیک علماء سے پوچھ لو کہ سچے کلام خدا کی کیا خصوصیات ہوتی ہیں اور پھر ان خصوصیات پر اس قرآن کو پرکھ لے۔ نیک علماء کی شرط اس لیے کہ یقرؤن کا فعل یہاں اپنے حقیقی مفہوم میں استعمال ہوا ہے اور اس سے اشارہ یہاں صالحین اہل کتاب کی طرف ہے جن کی تائید وتصدیق کا حوالہ قرآن نے جگہ جگہ دیا ہے۔ (تدبر قران جلد نمبر 4 ص 89)

مخاطب کو نیک علمائے اہل کتاب سے رجوع کرنے کا اس لیے بھی کہا کہ اس نبی و کتاب کی خبر پہلے پیغمبروں کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہے اور لوگوں کے لیے یہ بات دلیل ہے کہ علمائے بنی اسرائیل اس بات کو جانتے ہیں جیسا کہ سورہ شعراء 26:196-197 میں فرمایا۔ لہٰذا اس آیت سے بائبل کا غیر محرف ہونا ثابت نہیں ہوتا، بلکہ صرف اتنا کہ علماء اہل کتاب کے پاس پہلے انبیاء کی محفوظ تعلیم سے بھی حضورؐ و قرآن کا حق ہونا ثابت ہوتا ہے۔

(4) اعراف 7:169

یہ آیت بائبل کے غیر محرف ہونے کا نہیں بلکہ تحریف کا ثبوت ہے۔ عربی میں جب لفظ خلف

سکون لام کے ساتھ آتا ہے تو برے جانشینوں کے معنی میں آتا ہے۔ یہ یہود کے تاریخی زوال کی طرف اشارہ ہے کہ دن بدن ان کے اخلاقی حالات بد سے بدتر ہوتے گئے یہاں ایسے ایسے برے لوگ کتاب تورات کے وارث ہوئے۔ (تدبر قرآن جلد نمبر 3، ص 382)

ان برے جانشینوں نے کتاب الٰہی میں تحریف کر دی جس کی طرف حضرت یرمیاہ علیہ السلام نے یہ کہہ کر اشارہ فرمایا ''تم نے زندہ خدا رب الافواج ہمارے خدا کے کلام کو بگاڑ ڈالا ہے۔''

(یرمیاہ 36:23)

(5) آل عمران 23:3۔

نصیباً من الکتب سے مراد تورات وانجیل ہیں اور کتاب اللہ سے مراد قرآن مجید ہے جس طرح پچھلے آسمانی مذاہب اور شریعت اسلامی میں نسبت جز اور کل کی ہے اسی طرح دوسرے آسمانی صحیفوں اور قرآن میں بھی نسبت جز اور کل کی ہے۔ اللہ کی شریعت انسانی ذہن اور معاشرہ کے تاریخی ارتقاء کے لحاظ سے عطا ہوئی ہے۔ (تدبر قرآن جلد نمبر 2 ص 60)

یدعون الیٰ کتب اللہ لیحکم سے مراد اس عقیدہ توحید کا تورات سے ثبوت ہے جو تمام تر تحریفات کے باوجود اب بھی تورات وانجیل میں پایا جاتا ہے۔ اور اہل کتاب کو دعوت بھی اسی کی طرف مل گئی جیسا کہ فرمایا ''اے اہل کتاب آؤ اسی بات کی طرف جو تمھارے اور ہمارے درمیان مشترک ہے وہ یہ کہ خدا کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں۔

(آل عمران 64:3)

یہی تعلیم خروج 5:20 اور استثناء 9:5 میں ہے۔ اور اس کے علاوہ کئی مقامات پر ہے۔ مثلاً استثنا 4:6 تا 7

فانڈر نے اس آیت کے تحت جو روایت ذکر کی ہے اس سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ یہودی عالموں کو دین ابراہیم علیہ السلام یعنی توحید کی دعوت ہی دی گئی تھی۔ (میزان الحق، ص:51)

(6) آل عمران 93:3۔

فانڈر کے استدلال یہ ہے کہ اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ یہودیوں کے پاس دور نبوی میں تورات موجود تھی۔ اگرچہ تورات نام کی کتاب تو ضرور موجود تھی مگر اس کے غیر محرف ہونے کا ثبوت اس آیت سے کہاں نکل آیا؟ تحریف تورات کے دلائل پہلے گزر چکے۔

(7) مائدہ 45:5، انبیاء 105:21، اعراف 40:7۔

فانڈر کا استدلال یہ ہے کہ یہ آیات چونکہ اب بھی بائبل میں موجود ہیں لہٰذا تمام بائبل غیر محرف ہے اور اسی طرح غیر محرف دور نبوی میں موجود تھی۔ یہ استدلال غلط ہے۔ کیونکہ یہودی اپنی مرضی کے مطابق اور موقع محل دیکھ کر اس میں تبدیلی کرتے رہے لہٰذا اس میں اصل تورات کے فقرے اب بھی پائے جاتے ہیں اور ان کی شامل کردہ عبارتیں بھی موجود ہیں۔

(One volume Jewish Encyclopedia P- 585,586)

(8) آل عمران 3:3۔

حق سے مراد اس آیت میں قول فیصل ہے جو اہل کتاب کے اختلافات کا فیصلہ کرتا ہے یعنی قرآن مصدقا لمابین یدیه سے مراد ایک تو تمام پچھلے صحیفوں کی صحیح تعلیمات کی تصدیق کرنا اور دوسرا انکی پیش گوئیوں کا مصداق ہونا ہے۔ یہ قرآن کے حق ہونے اور پہلے صحیفوں کے کلام خدا ہونے کی بڑی شہادت ہے۔ چونکہ پہلے لوگوں نے تورات وانجیل میں تحریف کر کے اور ان کے حصوں کو فراموش کر کے ان میں بہت سے اختلافات پیدا کر دیئے تھے لہٰذا فرمایا کہ ہم نے فرقان یعنی قرآن مجید نازل فرمایا جو کہ حق و باطل کے درمیان امتیاز کی کسوٹی ہے۔ پہلے لوگوں کی ہدایت کے لیے تورات وانجیل نازل کی گئی مگر اب راہ ہدایت صرف قرآن ہے۔

(تدبر قرآن جلد نمبر 2 ص 18-19 سے ملخصاً)

لفظ حق اور فرقان نے ہی یہ واضح کر دیا کہ اب حق و باطل میں کسوٹی صرف قرآن ہے اور جب تورات وانجیل نازل ہوئی تھیں تب وہ لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ تھیں مگر اب فرقان اور حق کا آنا ہی ثبوت ہے کہ ان میں ملاوٹ اور اختلافات واقع ہو چکا۔

لہٰذا اس آیت میں بھی فانڈر کے مطلب کی کوئی چیز نہیں ہے۔

(9) طٰہٰ 57:20 تا 73۔

فانڈر نے میزان الحق ص 129 پر لکھا ہے کہ بائبل میں ایسی نرالی اور عجیب باتیں نہیں پائی جاتیں۔ ان آیات میں مصری جادوگروں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کا ذکر ہے جو کہ بائبل میں بھی ایسے ہی لکھا ہوا ہے۔ (خروج 7:7 تا 13)

(34) اعلیٰ 19:87۔

فانڈر نے ص 357 پر لکھا کہ صابیوں کی کتابوں کو قرآن صحیفہ ابراہیم کہتا ہے۔ جب آپ ﷺ نے دریافت کرلیا کہ یہ جعلی ہیں تو دعویٰ نبوت کے 4 سال بعد ان کا ذکر کرنا بند کر دیا۔

قرآن مجید نے صرف یہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر کلام خدا نازل ہوا تھا۔ اس کا ذکر پیدائش 1:15 میں بھی موجود ہے اور بعد میں بائبل کے مطابق خدا ان سے روبرو ہو کر بھی ہم کلام ہوتا رہا۔ (پیدائش 17:3-4)

آپ علیہ السلام کے صحائف محفوظ ہونے کا ذکر کہیں نہیں فرمایا۔ جس طرح بائبل کے مطابق بیسوں اور گمشدہ کتابیں ہیں، صحائف بھی گم ہو چکے ہوں گے مگر یہ بات قابل ذکر ہے کہ صحف ابراہیم علیہ السلام کے نام سے ایک کتاب دریافت ہوئی ہے جس کو عیسائی غیر مستند کہتے ہیں۔ اس کا انگریزی میں ترجمہ M.R. James نے کیا اور وہ کیمبرج سے 1892ء میں شائع ہوئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحائف کے حبشی، سلاوی اور رومانیہ کی زبان میں نسخے ملے ہیں اور ان میں سے کچھ شائع ہو چکے ہیں۔ (جیوش انسائیکلوپیڈیا جلد نمبر 1 ص 93)

(35) انعام 6:74۔

فانڈر کا اعتراض ہے کہ ینابیع الاسلام کے مصنف ٹنرڈل نے ثابت کر دیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آذر نہیں تھا۔ (ص 357)

اس بے چارے نے کیا ثابت کرنا تھا جن کی بائبل میں لوگوں کی ولدیت کو خلط ملط کر دیا جاتا ہے مثلاً تواریخ نمبر 2 باب نمبر 24 آیت 20-21 میں ایک شخص کا نام بمعہ ولدیت زکریا بن یہویدع لکھا ہے اور اسی شخص کا نام متی 23:35 میں زکریا بن برکیا لکھا ہے۔ اس تضاد کو قاموس الکتاب ص 479 پر لفظ زکریا کے تحت تسلیم بھی کیا گیا ہے۔ قرآن مجید کا بیان بالکل درست ہے۔ آذر اور تارح ایک ہی شخص کے دو نام تھے جیسا کہ یعقوب علیہ السلام اور اسرائیل علیہ السلام ایک ہی نبی کے دو نام ہیں یعنی ایک نام ہے دوسرا لقب ہے۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اور طبری رحمۃ اللہ علیہ دونوں نے ہی لکھا ہے۔ تارح نام کا شخص بھی مشرک تھا۔ (یشوع 24:2)

لہٰذا شیعہ حضرات کو بھی اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ تفسیر ابن کثیر جلد نمبر 2 ص 150، تاریخ ابن جریر طبری جلد نمبر 1 ص 164، تفسیر ابن جریر طبری جلد نمبر 5 ص 304 پر لفظ آذر کے تحت ساری بحث موجود ہے، امام ابن جریر نے آذر ہی کو صحیح قول قرار دیا ہے اور لکھا کہ تارح لقب ہوگا۔

شیعہ تفسیر قمی میں ص 194 پر لکھا ہے کہ آذر ہی ابراہیم علیہ السلام کا باپ تھا۔ یاد رہے کہ شیعہ حضرات کے مطابق یہ تفسیر امام مہدی علیہ السلام کی غیبت صغریٰ کے دوران لکھی گئی اور ان کی مصدقہ ہے۔

(36) اعراف 133:7

فانڈر کو لفظ الطّوفان سے بڑی پریشانی ہوئی اور لکھا کہ شاید یہ طوفان نوح ہی کا بیان ہے۔ (ص 358)

حالانکہ اس سے مراد سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کے طور پر قوم فرعون پر آنے والے اولوں کے طوفان کا بیان ہے جسکا ذکر خروج 22:9 تا 25 میں آیا ہے۔

(37) آل عمران 35:3، تحریم 12:66۔

ان آیات میں سیدہ مریم علیہا السلام کے والد محترم کا نام عمران علیہ السلام بیان کیا گیا ہے۔ جس پر فانڈر نے اعتراض کیا ہے۔ (ص 358)

عیسائی حضرات کو آج تک یہ پتا نہیں چلا کہ سیدہ مریم علیہا السلام کے والد محترم کا نام کیا تھا، کیونکہ مریم کے حسب نسب کے متعلق صاف نہیں بتایا گیا۔ (قاموس، ص 905) نہ ان کے سسر کے نام کا یقین ہے۔ آپ علیہا السلام کے شوہر یوسف کے ذکر میں لکھا ہے کہ وہ یعقوب یا عیلی کا بیٹا تھا۔ کیونکہ متی کے مطابق وہ عیلی کے بیٹے تھے۔ (لوقا 23:3)

عیلی کے بارے میں قاموس الکتاب ص 678 پر لکھا ہے کہ عیلی مریم کے خاوند یوسف کا باپ تھا۔ (قاموس ص 678)

جبکہ قاموس ص 1150 پر لکھا ہے کہ یوسف کے باپ کا نام یعقوب تھا، یعنی ناقابل حل معمہ ہے۔ یہ لوگ ہیں جو قرآن پر اعتراض کرتے اور قرآن کو مشورے دیتے ہیں۔

(38) مریم علیہا السلام 28:19۔

اس آیت میں یا اخت ہارون پر فانڈر نے اعتراض کیا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام سیدہ مریم علیہا السلام سے 1400 سال پہلے ہوئے لہٰذا وہ ان کی بہن کیسے ہو سکتی ہیں۔ (ص 358)

پہلا جواب تو یہ ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام اسی طرح حضرت ہارون علیہ السلام بہن ہیں جس طرح متی نے یسوع علیہ السلام کو ابن داؤد لکھا ہے اور داؤد علیہ السلام کو ابن ابرہام علیہ السلام لکھا ہے۔ حالانکہ ان بزرگوں میں صدیوں کا زمانہ حائل ہے۔ (متی 1:1)

مزید یہ کہ: زکریا علیہ السلام کی بیوی الیشبع ہارون کی اولاد میں سے تھی (لوقا 5:1) الیشبع سیدہ

مریم کی رشتہ دار تھی (لوقا36:1) مریم بھی داؤد علیہ السلام کی نسل سے تھی (قاموس الکتاب، ص905) داؤد علیہ السلام یہودہ کی اولاد میں سے تھے (لوقا33:3) ہارون علیہ السلام لاوی کی اولاد میں سے تھے (قاموس الکتاب، ص1074) لاوی اور یہودہ بھائی تھے (پیدائش 49: 5۔9) قرآن مجید نے حضرت مریم کو ہارون کی بیٹی نہیں بلکہ بہن کہا ہے۔

دوسری بات یہ کہ پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ سیدہ مریم کے خاندان کے بارے میں عیسائیوں کو کوئی معلومات نہیں ہیں لہٰذا ان کے بھائیوں کے نام بھی نامعلوم ہیں۔ اگر قرآن مجید نے ان کے والد اور بھائی کا نام بتا دیا ہے تو ان کو شکر گزار ہونا چاہیے۔

آپ علیہا السلام کے بھائی کا نام ہارون تھا اور یہی بات حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتائی تھی جس کا ذکر فانڈر نے بھی کیا ہے۔ (ص358)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ لوگ نیکوں کے نام پر اپنے بچوں کے نام رکھا کرتے تھے لہٰذا آپ کے بھائی کا نام بھی سیدنا ہارون علیہ السلام کے نام پر ہارون رکھا گیا تھا۔

(مسلم کتاب الآداب باب ابوالقاسم کنیت رکھنے کی ممانعت اور اچھے ناموں کا بیان کی آخری حدیث اردو جلد نمبر 5 ص338-339)

فانڈر کو گلہ ہے کہ مسلمانوں نے کوئی تسلی جواب 1300 سال میں اس بات کا نہیں دیا۔ امید ہے اب تسلی ہو گئی ہو گی۔

(39) کہف 83:18۔

ذوالقرنین کی شخصیت کے تعین میں مسلمان مفسرین میں بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ اور سیرت نگار ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ کی رائے پر فانڈر نے اعتراض کیا ہے۔ (ص358 تا ص360)

کسی مفسر کی غلطی قرآن کی غلطی شمار نہیں ہو سکتی ورنہ مسلمان بھی عیسائی مفسرین بائبل کی غلطیوں کو بائبل کے جھوٹا ہونے کی دلیل بنائیں گے۔

ایک بات یاد رکھنے کی ہے کہ ذوالقرنین نام قرآن نے نہیں، سوال پوچھنے والوں نے بیان کیا تھا۔ (آیت نمبر 83)

ذوالقرنین سے مراد ہمارے علماء ایران کے بادشاہ سائرس کو لیتے ہیں جس کا انتقال 529ء قبل مسیح میں ہوا۔ (ترجمان القرآن جلد نمبر 2 ص404 مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ) قصص القرآن مولانا حفظ الرحمن سیوہاردی

رحمۃ اللہ علیہ جلد نمبر 3 ص 117 تا 249)

ہمارے بزرگوں میں سے سیدنا علی علیہ السلام ان کو نہ نبی نہ فرشتہ بلکہ خدا کا محبوب انسان قرار دیتے ہیں۔ (قصص القرآن جلد نمبر 3 ص 244 بحوالہ فتح الباری جلد نمبر 6 ص 295) یہی مسلک عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا تھا۔ (قصص ص 245، بحوالہ البدایہ والنہایہ، جلد نمبر 2، ص 113)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی ان کو صالحین میں سے مانتے تھے۔ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اور سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے بھی یہی ہے کہ وہ عادل بادشاہوں میں سے تھا۔ (قصص ص 245-246)

اسی کو بائبل میں خورس کہا گیا ہے۔ (یسعیاہ 28:44,1:45 تا 4)

اس نے ایران کو جو مدتوں سے دو ملکوں میں تقسیم تھا یعنی فارس اور میڈیا کو ایک کیا تو اس کو ذوالقرنین (دو سینگوں والا) کہا گیا۔ کیونکہ سینگ طاقت کی علامت ہیں۔ اسکا جو مجسمہ اصطخر سے دریافت ہوا ہے اس میں بھی اس کے سر پر دو سینگ ہیں۔ (ترجمان القرآن جلد نمبر 2 ص 401)

بائبل کی کتاب دانیال کے باب نمبر 8 میں یہ بیان تفصیل سے موجود ہے۔ مزید تفصیل کے لیے ترجمان القرآن مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ جلد نمبر 2 ص 399 تا ص 420 ملاحظہ ہو جس میں تمام تحقیقات درج ہیں اور مولانا سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب قصص القران جلد نمبر 3 ص 117 تا ص 249 ملاحظہ ہو۔

(40) قصص 8:28

فانڈر کا اعتراض یہ ہے کہ قرآن بیان کرتا ہے کہ فرعون کی بیوی نے حضرت موسیٰ کو متبنیٰ بنایا درآں حالیکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خود توریت میں فرمایا ہے کہ ان کو فرعون کی بیٹی نے متبنیٰ بنایا۔ (ص 360 بحوالہ خروج 5:2 تا 10)

اگر خود سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہوتا تو تضاد ہوتا۔ خروج میں آپ کے نام سے نہیں عام بیان ہے۔ دوسری بات یہ کہ صرف قرآن کا بیان قابل اعتماد ہے کیونکہ بائبل میں سہو وخطاء کا امکان اور وقوع خود عیسائی علماء تسلیم کرتے ہیں کہ "بائبل کے مصنفین سہو وخطا سے پاک نہیں تھے۔"

(بائبل کا الہام ص 75 ڈاکٹر پیٹرسن سائتھ شائع شدہ 1905ء)

قرآن مجید کی خصوصیات میں سے ایک پہلی کتابوں کا مھمین یعنی نگران ہونا بھی ہے۔ (مائدہ 48:5)

لہٰذا قرآن مجید نے بائبل کی غلطی درست کردی جس کے لیے عیسائیوں کو شکر گزار ہونا چاہیے۔

(41) قصص 38,7,5:28
عنکبوت 38:29
مومن 35,23:40

فانڈر کا اعتراض یہ ہے کہ ہامان فرعون کا نہیں بلکہ بادشاہ اخس ویریں کا منظورِ نظر تھا جیسا کہ آستر کی کتاب سے ظاہر ہوتا ہے اور یہ کہ ہامان فرعون سے صدیوں بعد ملک فارس میں پیدا ہوا۔ (ص 360-361)

جواب: ہامان کے نام نے عیسائی اور یہودی علماء کو مخمصے میں ڈال دیا ہے اور ان کے علماء یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ لفظ ہامان کی ابتداء نامعلوم ہے۔

(ڈکشنری آف بائبل، ج:2،ص:289 بحوالہ تفسیر جامدی انگریزی زیر آیت 6:28)

ہامان ذاتی نام معلوم نہیں ہوتا بلکہ ہوسکتا ہے کہ فرعون کے سرکاری عہدہ کا نام ہو۔ آمن نام کا بڑا مصری دیوتا بلاشبہ موجود تھا۔ جس کے بارے میں یہودی عالم لکھتا ہے کہ آمن پہلے پہل تھے بیز (Thebes) کا مقامی دیوتا قرار پایا اور اس کو سرکاری دیوتا کا درجہ دے دیا گیا۔

(جیوش انسائیکلوپیڈیا ج:1،ص:526، مذاہب واخلاق کا انسائیکلوپیڈیا، ج:5،ص:247 (ERE) اور (انسائیکلوپیڈیا ببلیکا باب نمبر 3429 ۔ بحوالہ تفسیر ماجدی انگریزی)

آمن کے مندر کا بڑا اپجاری بادشاہ کے بعد دوسرا بڑا عہدے دار اور مقدسین کی فہرست میں اول نمبر پر تھا۔ (Rawlinson: Ancient Egypt, P-289)

ایک زبان کا لفظ دوسری زبان میں جا کر تھوڑی سی شکل تبدیل کر لیتا ہے مثلاً یسوع کو عربی میں عیسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں لہٰذا آمن کا ہامان بن جانا عجوبہ نہیں۔ مزید یہ کہ فرعون کی کابینہ کی فہرست عیسائیوں کے پاس نہیں ہے جس کی بنیاد پر ہامان کا انکار کریں۔

فانڈر نے جس کتابِ آستر کا حوالہ دیا ہے اس کا مصنف ہی نامعلوم ہے۔ قاموس الکتاب ص 4 کے مطابق اندازہ ہے کہ یہودی مرد کی تصنیف ہے۔ جبکہ فلو یہودی اسے یہویاکین کی تصنیف بتاتا ہے جو یسوع کا بیٹا اور بائبل کی قید سے آزاد ہو کر آیا تھا جبکہ آگسٹائن اسے عزرا کی تصنیف بتاتا ہے۔ (بائبل سے قرآن تک جلد نمبر 1 ص 354 مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ)

لہٰذا ایک غیر معتبر کتاب کی بنیاد پر قرآن کے بیان کو جھٹلایا نہیں جاسکتا۔ اسی طرح اس نے جو مینار بنایا تھا۔ اس کو بابل کے لوگوں کا تعمیر شدہ نہیں کہا جاسکتا۔

(42) طٰہٰ 87:20

طٰہٰ 95:20

سامری کی شخصیت کا انکار کرنے کے لیے فانڈر نے لکھا کہ سامریہ کا شہر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے صدہا سال بعد تعمیر ہوا۔ (سلاطین نمبر1 باب نمبر 24:16)

سب سے پہلے تو قرآن کا احسان ماننا چاہیے کہ بچھڑا بنانے کے فتنہ کے اصل بانی کا نام سامری بتایا ورنہ یہود و نصاریٰ کے مطابق تو یہ کفریہ کام حضرت ہارون علیہ السلام نے کیا تھا۔ (خروج 32:1 تا 24)

قرآن مجید اصل مجرم کا نام بیان کر رہا ہے، شہر سامریہ کا بیان نہیں کر رہا کہ کب اور کس نے بنایا جیسا کہ پہلے گزرا، بائبل سہو و خطا سے خالی نہیں لہٰذا سہو و خطاء سے خالی کتاب قرآن مجید کا بیان ہی قابل تسلیم ہے۔

فانڈر لکھتا ہے کہ طلائی بچھڑوں کی پوجا اسرائیلی سلطنت میں حضرت داؤد علیہ السلام و سلیمان علیہ السلام کے بعد کی گئی۔ (ص361)

تو پھر خروج میں کس بچھڑے کی پوجا کا ذکر ہے؟ (خروج 8:32)

قرآن دشمنی میں وہ شخص اندھا ہو چکا تھا اور خروج کا مطالعہ بھی نہ کر سکا۔

(43) بقرہ 251:2۔

فانڈر کا اعتراض یہ ہے کہ طالوت کی فوج نے منع کرنے کے باوجود پانی پیا، تو یہ واقعہ طالوت کے وقت کا نہیں بلکہ بہت پہلے جدعون کے وقت کا ہے۔ (ص361-362)

یہ اعتراض یا تو اس نے لاعلمی سے کیا یا فقط عیب جوئی کے لیے لکھا کیونکہ بائبل سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ طالوت نے اپنی فوج کا امتحان لیا۔ لکھا ہے "ساؤل نے لوگوں کو قسم دے کر یوں کہا تھا کہ جب تک شام نہ ہو اور میں اپنے دشمنوں سے بدلہ نہ لے لوں اس وقت تک اگر کچھ کھائے تو وہ ملعون ہو۔" (1۔ سموئیل 24:14)

اس کے حکم کو سب سے پہلے اس کے بیٹے یونتن نے توڑا (آیت نمبر 27)

اور اپنے باپ کے حکم کو غلط قرار دیا (آیت نمبر 29-30)

اس کے کہنے کے بعد ساری فوج کھانے پر ٹوٹ پڑی (آیت 32)

بیان بائبل اور قرآن میں فرق صرف یہ ہے کہ

(1) طالوت نے کھانے سے منع کیا جبکہ قرآن پانی پینے سے منع کرنے کا بیان کرتا ہے۔

(2) بائبل کے مطابق دوران جنگ یہ واقع پیش آیا جبکہ قرآن مجید اس کو حملے سے پہلے کا واقعہ بیان کرتا ہے۔اس سے ثابت ہوا کہ یہ واقعہ جدعون کے وقت کا نہیں، طالوت کے وقت کا ہے اور قرآن ہی کا بیان صحیح ہے کیونکہ بقول پیٹرسن بائبل سہو وخطاء سے پاک نہیں۔

(بائبل کا الہام ص 75 ڈاکٹر پیٹرسن سمائتھ)

(44) کہف 8:18 تا 26۔

فانڈر نے لکھا ہے کہ اصحاب کہف کا قصہ محض ایک افسانہ ہے۔ساتھ ہی لکھا ہے کہ "اس میں شک نہیں کہ زمانہ جاہلیت میں بعض بے علم مسیحی اس بات کو مانتے تھے اور ان سے اہل مکہ اور اس سورۃ کے مصنف نے اس کہانی کو سیکھ لیا، کیونکہ یہ کہانی اور بہت سے راہبانہ افسانوں کے ساتھ بہت سے سریانی مصنفین کی تصانیف میں پائی جاتی ہے۔(ص:362)

یہ جان کر بھی کہ یہ بات عیسائیوں میں متداول تھی، اس کا انکار کر دیا تاکہ قرآن کی عیب جوئی کا موقع مل سکے۔عیسائی حضرات کے اطمینان کے لیے یہاں صرف عیسائی علماء کے حوالے درج کرتے ہیں۔

(i) ان کا مفصل قصہ پڑھنے کے لیے ملاحظہ کریں انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا۔(جلد نمبر 20 ص 383)

(ii) تھیوڈورا اور روفی نس نامی دو عیسائیوں نے نوجوان شہداء کے حالات دھات کی پلیٹوں پر لکھ کر غار کا منہ بند کرتے وقت اندر رکھ دیئے۔ (Encyclopedia of Ethics and Religions, v-9, P-428)

(iii) الرقیم سے مراد سیسہ کی بنی ہوئی لوح ہے جس پر غار کے افراد کے نام کندہ تھے جن کو عام طور پر سات سونے والے (Seven Sleepers) کہا جاتا ہے۔اس لوح پر ان کے حالات لکھے ہوئے تھے اور وہ لوح غار کے منہ پر پڑی ہوئی تھی۔

(Lane's Arabic-English Laxicon, 8 volumes)

(iv) گبن لکھتا ہے کہ ایک عیسائی بیان کے مطابق اصحاب کہف 187 سال تک سوئے رہے۔

(Giibbon's Decline and Fall of Roman Empire, vol-3 P-413)

(v) ایک اور عیسائی بیان کے مطابق اصحاب کہف سات تھے۔

(مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر ماجدی انگریزی جلد نمبر 3 ص 36 حاشیہ نمبر 301)

(vi) جب وقت آیا تو ایڈولیس (ADOLIUS) کے غلاموں نے پہاڑ کو دیہاتی تعمیرات کے لے لیے توڑنا شروع کیا۔ جب غار کا منہ ننگا ہو گیا اور سورج کی تیز شعائیں اصحاب کہف پر پڑیں تو ساتوں سونے والوں کو جاگنے کی اجازت مل گئی۔ (گبن ایضاً جلد نمبر 3 ص 413)

(vii) دقیانوس بہت بڑا ظالم تھا۔ اس نے بہت زیادہ لوگوں کو دین حق سے پھیرا۔ اس کا دور 249ء تا 251ء تھا۔ (ERE, V-9, P-746)

اس نے لوگوں کو سب سے زیادہ مرتد کیا۔ (لیکی: تاریخ اخلاق یورپ جلد نمبر 1 ص 110)

(viii) گبن کے مطابق جب وہ جاگے تو انہوں نے زملیخا کو کھانا لانے بھیجا۔ (ایضاً جلد نمبر 3 ص 413)

(ix) اس دور میں بشپ تھیوڈور کے زیر اثر لوگوں نے مردے زندہ ہونے کا انکار کر دیا تھا۔ زندہ ہونے کے بعد اصحاب کہف میں سے ایک نے اسے بتایا کہ خدا اسی طرح مردے زندہ کرے گا۔

(ERE, vol 11, P-428)

(x) سات سونے والوں کا گرجا اب بھی کوہ پیون (Pion) کے مشرقی جانب بنا ہوا ہے۔

(ڈکشنری آف بائبل جلد نمبر 1 ص 725)

امید ہے کہ فانڈر کی تسلی ہو گئی ہو گی۔

(45) الواقعہ 56:13-14 اور 28-29۔

فانڈر نے لکھا ہے ان آیات میں تضاد ہے۔ (ص 363)

آیت نمبر 13-14 میں السابقون (نیکیوں میں آگے بڑھنے والوں کا بیان ہے جبکہ 28-29 میں دائیں ہاتھ والے یعنی عام نیکو کاروں کا بیان ہے لہٰذا کوئی تضاد نہیں، محض فانڈر کی خانہ پری ہے۔

(46) نساء 4:51 بمقابلہ انعام 6:76 تا 83۔

فانڈر نے لکھا ہے کہ نساء میں تعلیم دی گئی ہے کہ شرک کا گناہ کبھی معاف نہیں ہو گا جبکہ سورہ انعام کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام اسی گناہ میں پڑ چکا ہے۔ تمام مسلمان ابراہیم علیہ السلام کو نبی جانتے ہیں اور ان کے نزدیک تمام انبیاء علیہم السلام کو معصوم نہ ماننا نہایت ہی بری بات ہے۔ (ص 363)

فانڈر کا استدلال قطعاً غلط ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنی زندگی میں کبھی شرک نہیں کیا۔ سورہ انعام 6:76 تا 83 آیات میں ان کا قوم سے مناظرہ مذکور ہے جس کے ذریعہ انہوں نے اپنے

باپ اور اپنی قوم کے دین کے کھوکھلے پن کو ان کے سامنے بے نقاب کیا اور انکی کھلی ہوئی گمراہی پر ان کو ملامت کی ۔ اس مناظرہ کو خدا تعالیٰ کی منظوری حاصل تھی جیسا کہ آیت نمبر 83 میں فرمایا ''یہ ہے ہماری وہ حجت جو ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اس کی قوم پر قائم کرنے کے لیے بخشی ۔''
اس مناظرہ کی پوری تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تدبر قرآن از مولانا امین احسن اصلاحی

(جلد نمبر 3 ص 92 تا ص 100)

(47) بقرہ 34:2، اعراف 12,11,7 ، کہف 49:18، طٰہٰ 115:20،

اعتراض یہ ہے کہ خدا کے علاوہ کسی کو بھی سجدہ کرنا نا قابل معافی گناہ ہے مگر اس کے باوجود قرآن میں مرقوم ہے کہ جب ابلیس نے آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کیا تو مردود ہو گیا۔ (ص 363)

اعتراض بے جا ہے۔ وہ سجدہ خدا کے حکم سے تھا لہٰذا حکم ماننا ابلیس پر بھی لازم تھا۔ وہ سجدہ دراصل خدا تعالیٰ ہی کو تھا اور سیدنا آدم علیہ السلام کی حیثیت اس وقت قبلہ کی تھی۔

فرشتوں کو آدم علیہ السلام کے لیے سجدہ کرنے کا حکم دینے میں شرک کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ اس لیے کہ اولاً تو یہ سجدہ خدا کے حکم کی تعمیل میں تھا۔ اس لیے گویا خدا ہی کو سجدہ تھا۔ ثانیاً سجدہ شرک کی علامت، اسلام میں قرار دیا گیا۔ اسلام سے پہلے اس کی حیثیت تعظیم کے ایک طریقہ سے زیادہ کچھ بھی نہ تھی۔ اگر یہ کہا گیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آدم کی تعظیم بجا لاؤ۔ اس سے زیادہ اس کا مفہوم نہیں ہے۔ (تدبر قرآن جلد نمبر 1، ص 163)

(48) قرآن دنیا کو زبردستی مسلمان بنانے کا حکم دیتا ہے۔ توبہ 5:9۔

اس اعتراض کے تحت فانڈر نے عمومی طور پر آیاتِ جہاد کا حوالہ دیا ہے۔ مثلاً سورہ توبہ 5:9

(ص 364)

یہ ان مشرکین عرب کا معاملہ تھا جن پر 23 سال تک اتمام حجت کیا گیا۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگیں لڑیں اور ہر طریقہ سے ایذاء رسانی کی۔ سنت الٰہی یہ ہے کہ جب کسی قوم کی طرف براہ راست رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ہوتی ہے تو نہ ماننے والوں پر یا تو عذاب آتا ہے جیسا کہ عاد و ثمود کے ساتھ ہوا اور یا مومنین کے ذریعہ ان سے جہاد کیا جاتا ہے۔ مشرکین عرب کا معاملہ اسی نوعیت کا تھا۔ (تدبر قرآن، ج:3، ص:539)

فانڈر نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس اعلان سے اہل کتاب مستثنیٰ ہیں بشرطیکہ جزیہ دیں (ص 364) یہ

سورہ توبہ 29:9 کا حوالہ ہے۔

اسلام نے جہاد کا ذکر جن شرائط کے ساتھ دیا ہے اگر ان کا بائبل کے احکام جنگ کے ساتھ مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلامی جہاد اس کے مقابلہ رحمت ہے۔

بائبل کے احکام جنگ کا سرسری جائزہ لیتے ہیں۔

(i) مفتوح خراج دیں گے اور باجگزار بن کر خدمت کریں گے۔ (استثنا 11:20)

(ii) اگر صلح نہ کریں اور علاقہ جنگ سے قبضہ میں آئے تو ہر مرد قتل کر دو، عورتیں، بچے، مویشی اور اس شہر کا سارا مال اپنے لیے رکھ لو۔ (استثنا 12:20 تا 14)

(iii) کسی سانس لینے والی چیز کو زندہ نہ چھوڑنا۔ (استثنا 16:20)

(iv) سات قوموں کے متعلق حکم دیا کہ ان سے صلح کرنا بھی منع ہے۔ (استثنا 2:7)

مزید احکام کے لیے خروج 34:11 تا 12، گنتی 1:31 تا 18، یشوع 21:6 تا 25 ملاحظہ ہو۔

گنتی 18:31 کے مطابق کنواری لڑکیاں لشکر کو اپنے لیے رکھ لینے کا حکم ہے۔

عیسائی رہنمائی کے لیے لوقا 27:6 تا 29 میں جو خیالی پلاؤ پکایا گیا ہے اس پر عمل کرتے ہوئے عیسائیوں نے پہلی اور دوسری جنگ عظیم اول و دوم میں تین کروڑ کے قریب آدمی مار ڈالے اور کروڑوں زخمی ہوئے۔ آج کل کے دور میں افغانستان اور عراق میں 50 لاکھ کے قریب بے گناہ محض شبے میں مار ڈالے ہیں۔

(49) مائدہ 5:89-90۔

محمد 15:47۔

فانڈر کا اعتراض یہ ہے کہ اس جہان میں اہل اسلام کے لیے شراب حرام ہے مگر بہشت میں شراب کا وعدہ ہے۔ (ص:365)

اگر فانڈر اعتراض کرنے سے پہلے ذرا سا سوچ لیتا تو اعتراض کرنے سے باز رہتا۔ اس جہان اور اگلے جہان کے معاملات میں فرق ہے۔ مثلاً عیسائی لوگ یہاں شادی کرتے ہیں مگر اگلے جہان میں بقول انجیل شادی نہ ہوگی۔ (متی 30:22)

عربی زبان میں پینے کی چیز یعنی مشروب کو شراب کہتے ہیں۔ جنت میں اہل جنت کو ملنے والی شراب میں نہ نشہ ہوگا نہ اس سے سر درد ہوگا۔ (صافات 47:37)

لہٰذا وہ اس جہان والی شراب سے مختلف ہے اور فقط مشروب ہے۔ فانڈر کے لیے ایک تحفہ حاضر

ہے کہ امثال کے مطابق شراب آدمی کو مسخرہ بناتی ہے اور ہنگامہ کرنے والی ہے اور جو کوئی ان سے فریب کھاتا ہے، دانا نہیں۔ (امثال 1:20)

جبکہ یسوع کا پہلا معجزہ ہی، تمھارے بقول، پانی کو شراب بنا دینے کا تھا۔ (یوحنا 1:2 تا 11)

کیا وہ دنیا کو مسخرہ بنانے آئے تھے؟

(50) آل عمران 52:3، مائدہ 19:5، 109، 110، زخرف 59:43۔

النساء 158:4-171، انبیاء 91:21، آل عمران 48,45,36:3، انشراح 1:94، فتح 2:48،

ان آیات کا حوالہ دے کر فانڈر نے ص:365 تا ص:367، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا ثابت کرنے کی کوشش کی اور کہا کہ قرآنی بیانات میں تضاد ہے کہ ایک طرف تو آپ علیہ السلام کے لیے مراتب بیان کیے اور دوسری طرف ان کو نبی اور انسان بیان کیا۔ نمبروار جواب مندرجہ ذیل ہے۔

(1) سیدنا عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بندے اور رسول تھے تمام مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہے۔ لہٰذا 52:3، 110,109,19:5، 59:43 میں یہی بیان ہوا کہ جسکی وضاحت کی ہمیں ضرورت نہیں۔

(2) النساء 171:4 میں آپ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ کہا گیا لہٰذا آپ خدا ہیں فانڈر کے بقول ایسے القاب مخلوق کے لیے استعمال نہیں ہو سکتے۔ مگر یہ اس کا غلط استدلال ہے کیونکہ لفظ کلمہ جو خدا کی طرف مضاف ہو جیسے کلمۃ اللہ، کلمتہ ربلث، کلمتنا، پورے قرآن مجید میں جہاں بھی آیا ہے تو کلام خدا یا حکم خدا کے معنوں میں ہے اور کہیں بھی اس سے ذات خدا یا اقنوم ابن مراد نہیں مثلاً سورہ توبہ 40:9، انعام 115:6، اعراف 137:7، یونس 33:10، 96، مومن 6:40، صافات 171:37، انعام 34:6، یونس 64:10، لقمان 27:31، کہف 109:18، تحریم 12:66، اعراف 158:7، انفال 7:8، یونس 82:10، کہف 27:18

لہٰذا قرآن کے الفاظ سے یہ معنی مراد لینا بالکل غلط ہے۔ بلکہ تمام لغت عرب میں کہیں اس معنی میں استعمال نہیں ہوا۔ اور کلام مجسم ہونا، جیسا کہ عیسائی مانتے ہیں قطعاً غلط ہے کیونکہ یہ فلسفے کا مسئلہ ہے کہ عرض جوہر سے کبھی جدا نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا کلمۃ اللہ سے مراد اللہ کا حکم ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ اس لیے کہا گیا کہ بلا واسطہ باپ، عام عادت الٰہی کے برعکس محض خدا تعالیٰ کے حکم کن (ہو جا) سے پیدا ہوئے تو یہ ان کے لیے ایک زائد خصوصیت نکلی ورنہ ساری مخلوق اس حکم کے واسطہ سے ہی پیدا ہوئی ہے جیسا کہ فرمایا: جب ہم کسی کام کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کو کہتے ہیں ہو جا،

تو وہ ہو جاتا ہے۔(بقرہ 117:2، آل عمران 47:3) مومن 68:40، یٰسین 82:36)

اسی طرح عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآنی الفاظ روح منہ (نساء 171:4)

کا بہانہ بناتے ہیں مگر یہ بھول جاتے ہیں کہ تمام کائنات کے بارے میں یہی فرمایا کہ جمیعاً منہ (جاثیہ 13:45) یعنی سب مخلوق اُس کی بنائی ہوئی ہے اور کلماتِ رب کے بارے میں فرمایا کہ اتنے بے شمار ہیں۔ کہ سات سمندر سیاہی بن جائیں تب بھی ختم نہیں ہو سکتے۔(کہف 109:18۔ لقمان 27:31)

بائبل میں بھی کلمۃ اللہ اور کلمۃ الرب کے الفاظ بکثرت کلام خدا اور حکم خدا کے معنی میں آئے ہیں مثلاً عربی بائبل مطبوعہ لبنان 1995ء میں زبور 6:33 میں ہے کہ کلمۃ الرب سے آسمان بنے۔ اردو ترجمہ میں آسمان خداوند کے کلام سے بنے لکھا ہے۔ ہوسیع 2,1:1 میں ھذہٖ کلمته الرب التی کلھم بھاھوشع بن بیری لکھا ہے، ہوسیع بن بیری پہ نازل ہوا۔ لوقا 2:3 کے تحت لکھا ہے کانت کلمة الله الیٰ یوحنا بن زکریا فی البریه۔ اعمال 31:4 میں بھی کلمۃ اللہ یعنی خداوند کا کلام دلیری سے سنانے کا ذکر ہے۔ اعمال 7,2:6 میں کلام اللہ کے پھیلنے کا ذکر ہے۔ اعمال 24:12 میں لکھا ہے وکان کلام الله ینتشر و یثمر۔ اعمال 46:13 میں پال کے الفاظ ہیں ان نبشر کم اولا بکلمته الله۔ ان سب سے بڑھ یوحنا نمبر 1 باب 14:2 میں یوحنا نے لکھا کتبت الیکم ایھا الثبان لانکم اقویاء ولان کلمة الله ثابت فیکم، یعنی اے جوانو! میں نے تمہیں اس لیے لکھا کہ تم مضبوط ہوئے اور خدا کا کلام تم میں قائم رہتا ہے۔ فانڈر کے اصول پر تو اس طرح تمام نوجوان کلمۃ اللہ ٹھہرے اور سب کے سب یسوع کے برابر ہو گئے جن میں کلمۃ اللہ قائم ہو گیا۔

اگر بن باپ ہونا ہی خدا ہوتا ہے تو پھر بائبل اور قرآن مجید نے تو حضرت آدم علیہ السلام کا بن ماں باپ ہونا بتایا ہے۔ لہٰذا ان کو تو بدرجہ اولیٰ خدا ماننا چاہیے۔ حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال آدم کی سی ہے کہ خدا نے ان کو کہا ہو جا پس وہ ہو گیا۔(آل عمران 59:3)

(3) وجیھاً فی الدنیا سے مراد تین باتیں ہیں۔

آپ علیہ السلام کو سرداری کی شان عطا ہوئی حالانکہ بڑھئی کے بیٹے تھے۔

بن باپ پیدا ہونے والے کسی بچے کے لیے عام طور پر کسی عزت و وجاہت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معاملہ کہ آپ کو روزِ اول سے لوگوں کی نگاہوں میں وہ وجاہت

حاصل رہی جو اس دور میں کسی اور کو عطا نہیں ہوئی۔

ان تمام خرافات کے رد کے لیے جو انجیلوں میں لکھی ہیں کہ آپ علیہ السلام کو یہودیوں نے نعوذ باللہ طمانچے لگائے، ان کا مذاق اڑایا، ان کو گالیاں دیں اور منہ پر تھوکا۔

لہٰذا ان الفاظ سے بھی آپ علیہ السلام کی الوہیت ثابت نہیں ہوتی بلکہ الزامات سے برأت ثابت ہوتی ہے۔

(4) شیطان سے حضرت مریم علیہا السلام اور ان کی اولاد کو پناہ میں دینے سے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے خدا ہونے کی نفی ہوتی ہے اور بندہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ جن کو شیطان سے پناہ کی ضرورت تھی۔ اگر خدا ہوتے تو پھر شیطان سے پناہ کی کیا ضرورت تھی، جو خدا کی مخلوق ہے، یہی مفہوم اس حدیث کا ہے جو مسلم کے حوالہ سے فانڈر نے درج کی۔

(5) مٹی سے پرندہ بنا کر پھونک مار کر اڑانے وغیرہ معجزات آل عمران 49:3 میں بیان ہوئے مگر سب کے ساتھ باذن اللہ لکھا ہے یعنی یہ سب خدا کے حکم سے تھا۔ لہٰذا ان سے بھی آپ علیہ السلام کی الوہیت ثابت نہیں ہوتی۔ لفظ خلق خدا اور بندے کے درمیان صرف اشتراک لفظی ہے جس کا مفہوم خدا کے لحاظ سے اور ہے اور بندے کے لحاظ سے اور ہے۔

(6) الانبیاء 91:21 میں فنفخنا فیھا من روحنا سے مراد خاص اپنے کلمہ کن کے ذریعہ ایک بچے کی روح حضرت مریم علیہا السلام میں ڈال دینا ہے۔ روحنا محض اضافت تشریفی ہے یعنی کسی کی شان بیان کے لیے اس کو خدا تعالیٰ اپنی طرف منسوب کر لے جیسے بیت اللہ، ناقۃ اللہ۔

(7) روح منہ سے مراد بھی اضافت تشریفی ہے۔ (نساء 171:4)

حالانکہ پوری کائنات کو بھی جمیعاً منہ فرمایا۔ (جاثیہ 13:45)

(8) حضرت یسوع علیہ السلام کا آسمان پر زندہ اٹھایا جانا اور لمبی عمر پانا ان کی خدائی کی دلیل نہیں کیونکہ فرشتے سارا دن آسمان سے اترتے چڑھتے ہیں اور لمبی عمر میں شیطان سب سے آگے ہے۔ آسمان پر جانا اور پھر واپس آنا تو پولوس بھی کر چکا۔ کیا وہ مر کر اوپر گیا اور واپس آیا تھا؟ دیکھو (2۔ کرنتھیوں 2:12)

آپ علیہ السلام کا دوبارہ آنا مسلمان بھی تسلیم کرتے ہیں مگر یہ خدائی کی دلیل نہیں کیونکہ فرشتے دن میں کئی بار یہ کام کرتے ہیں۔

(9) سورہ انشراح کے حوالہ سے (94:1 تا 3) فانڈر نے اعتراض کیا کہ حضور ﷺ کو انشرح صدر کی ضرورت تھی مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس کی ضرورت نہ تھی۔ انشرح صدر ہونا اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے مگر یہ نعمت اناجیل کے مطابق یسوع کو نہ ملی مثلاً وہ پہلے شاگردوں سے کہتے رہے کہ لوگوں کو بتادو کہ خدا کی بادشاہی نزدیک آپہنچی ہے۔ (لوقا 10:9،11)

مگر جب پکڑے گئے تو یہ کہہ کر جان چھڑانے کی کوشش کی کہ میری بادشاہی یہاں کی نہیں۔

(یوحنا 18:36)

اس نے یہ بھی لکھا حضور ﷺ کو وضع وزر کی ضرورت تھی یعنی آپ ﷺ سے بوجھ اتارے گئے یہ اچھی بات ہے مگر یہ ضرورت جب یسوع کو پڑی تو وضع وزر نہ ہوا حالانکہ آپ نے منہ کے بل گر کر دعا کی کہ اے میرے باپ! اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے۔ (متی 26:39)

لہٰذا دعا کرنا اور قبول نہ ہونا بھی الوہیت کی نفی کرتا ہے۔

(10) فانڈر نے لکھا کہ یسوع علیہ السلام کو اس بات کی ضرورت نہ تھی کہ ان کے گناہ معاف کیے جاتے جبکہ حضور ﷺ کے گناہ معاف ہونے کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ (ص: 366)

اس نے حوالہ سورہ محمد 47:21 کا دیا ہے جو کہ غلط ہے۔ شاید وہ سورہ فتح 48:2 کا حوالہ دینا چاہتا تھا۔ بہر حال یہ سمجھ لیں کہ اس آیت میں رضائے تامہ کا اعلان ہے یعنی حضور ﷺ کو ہمیشہ کے لیے خدا کی رضا حاصل ہوجانے کا بیان ہے۔ یہ آپ ﷺ کے پانچ امتیازات میں سے ایک ہے جو کہ صرف آپ ﷺ کو عطا ہوئے۔ ان میں ختم نبوت، رسالت عامہ، رضائے تامہ، تکمیل دین اور نسخ ادیان شامل ہیں۔

یہ بھی یاد رہے کہ ذنب کا ایک معنی الزام بھی ہے۔ آئمہ اہل بیت میں سے امام علی رضا علیہ السلام سے اس آیت کا ترجمہ یوں منقول ہے کہ ہم نے تجھ پر سے اگلے پچھلے الزام دھو دیئے، یعنی وہ الزام جو کفار عرب نے لگائے اور وہ الزام جو فانڈر کے ہمنوا اب بھی لگا رہے ہیں۔ (الاحتجاج طبرسی اردو، ج:2،ص:58-59)

یہ کفار کے لگائے ہوئے الزامات کا اسی طرح ذکر ہے جیسے خدا تعالیٰ نے فرمایا: این شرکائی (نمل 16:27)

حالانکہ خدا کا شریک نہ کبھی کوئی تھا نہ کبھی ہوگا۔ یہ صرف مشرکین کے مزعومات کا ذکر کیا۔ اسی طرح کفار کے لگائے ہوئے الزامات کا ذکر کر کے فرمایا کہ یہ کفار آپ ﷺ پر جو الزامات

لگاتے ہیں وہ سب خدا نے دھو دیئے ۔گذشتہ و آئندہ دونوں ۔آل عمران (185:3) میں بھی فرمایا کہ آپ ﷺ کفار سے دکھ دینے والی باتیں سنیں گے لہٰذا آپ ﷺ صبر کریں۔

(رحمتہ للعالمین از سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ، ص:624 تا 628)

(11) فانڈر نے ﷺ کے الفاظ کو بھی موجب اعتراض بنایا اور لکھا کہ ان سے حضور ﷺ کا محتاج دعا ہونا ثابت ہوتا ہے ۔اس کا یہ اعتراض بے محل ہے ۔مسلمان کب حضور ﷺ کو خدا مانتے ہیں! وہ تو آپ ﷺ کو اللہ کا بندہ اور رسول مانتے ہیں اور آپ ﷺ کے حکم کے مطابق آپ ﷺ کی بلندی درجات کے کی دعا درود شریف کی شکل میں مانگتے ہیں۔خدا کا بندہ ہونے کی حیثیت سے تمام انبیاء علیہم السلام اپنی امت کی دعاؤں کے محتاج ہیں مگر کسی اور کی امت یہ فرض پورا نہیں کرتی ، بلکہ دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے بھی علیہ السلام کی صورت میں دعا صرف مسلمان ہی کرتے ہیں۔

(51) مسئلہ تقدیر اور قرآن ۔قرآن کا قانون ہدایت ۔

فانڈر نے کئی آیات قرآنی کا حوالہ دے کر مسئلہ تقدیر اور قانون ہدایت پر اعتراض کیا ہے۔

(ص 367 تا 370)

اس کی نقل کردہ ایک ایک آیت سے اس کے استدلال کا جواب حاضر ہے مگر اس سے پہلے چند اصولی باتیں سمجھ لیں۔

(1) مسئلہ تقدیر جس طرح مسلمان مانتے ہیں وہ یہ ہے کہ تقدیر کے دو پہلو ہیں۔

(i) ایک خدا کا علمِ سابق ازلی۔

(ii) اذن خدا یعنی آخری فیصلہ یا منظوری۔خدا تعالیٰ پہلے ہی سے جانتا ہے کہ کوئی کیا کرے گا۔اس کا علم مخلوق کو مجبور نہیں کرتا کہ وہ ایسا ضرور کرے، بلکہ مخلوق اپنے اختیار سے کرتی ہے مگر اس کا کرنا خدا تعالیٰ کو پہلے سے معلوم ہے ۔اس بات کو شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ نے اس طرح سمجھایا کہ مخلوق نے چونکہ ایسا کرنا تھا لہٰذا خدا کے علم میں تھا۔یہ نہیں کہ خدا کو علم تھا لہٰذا مخلوق نے مجبور ہو کر وہ کام کیا۔

تقدیر کا دوسرا پہلو اذن خدا ہے یعنی کوئی کام مکمل ہونے دینا ہے یا نہیں، آخری فیصلہ یا منظوری خدا کے اختیار میں ہے ۔ارادہ کرنا تو مخلوق کے اختیار میں ہے مگر عمل کو مکمل ہونے دینا یہ خدا کے

اذن پر منحصر ہے۔ خدا تعالیٰ کوشش پر اجر دیتا ہے۔ اگر کسی نے حج کا پکا ارادہ کر لیا مگر پوری کوشش کے باوجود نہ جا سکا تو اس کو حج کا ثواب مل چکا۔ اسی طرح کسی نے ڈاکہ یا قتل کرنے کے لیے پوری کوشش کر لی مگر کامیاب نہ ہو سکا تو ڈاکے اور قتل کا گناہ اس کے ذمے لکھا گیا۔

تقدیر کی دو قسمیں ہیں۔

(1) ایک مبرم جو ٹلتی نہیں اور (2) دوسری معلق (Pending) جو دعا و نیکی وغیرہ سے ٹل جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری فیصلہ کا علم خفیہ رکھا ہے جو کسی فرشتے اور نبی کو بھی معلوم نہیں۔ خدا کے علم میں پہلے سے ہوتا ہے کہ یہ فلاں نیکی کرے گا تو میں اس کی عمر بڑھا دوں گا اور فلاں گناہ کرے گا تو میں اس کی عمر کم کر دوں گا اگرچہ جو منصوبہ فرشتوں کو پہلے دیا جا چکا ہوتا ہے اس کے مطابق اس کی عمر مختلف ہوتی ہے۔ اسی طرح رزق کی کمی بیشی کا معاملہ ہے۔ اس طرح خدا تعالیٰ فرشتوں سمیت تمام مخلوق کو یہ باور کراتا ہے کہ کائنات کا ہر معاملہ اب بھی میرے حکم کے مطابق چلتا ہے اور یہ کائنات خود کار نظام کے تحت نہیں چل رہی۔ مزید یہ کہ خدا تعالیٰ کے علم میں کمی بیشی نہیں ہوتی، آخری فیصلہ اس کے علم میں ہمیشہ سے ہے۔ اسی بات کو الحدید 22:57 میں یوں فرمایا "کوئی مصیبت ملک پر اور خود تم پر نہیں پڑتی مگر اس مصیبت کو پیدا کرنے سے پہلے وہ ایک کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔ اور یہ کام خدا کو آسان ہے۔"

مسئلہ تقدیر مخلص مومنوں کو دلیر بناتا ہے کہ جو ہونا ہے وہ خدا کے حکم سے ہونا ہے، لوگ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے لہٰذا خدا کی راہ میں پوری کوشش جاری رکھو، کامیابی یا ناکامی دونوں صورتوں میں اجر ثابت ہے۔ مگر بزدل لوگ تقدیر کا بہانہ کر کے ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جاتے ہیں اور تقدیر کو بہانہ بنا لیتے ہیں۔ مسلمانوں کو دو عقیدے ڈولنے نہیں دیتے، مسئلہ تقدیر اور یہ کہ شہید مرتے نہیں زندہ ہیں۔

مسلمان خدا تعالیٰ سے حسن ظن رکھتے ہیں۔ احکام کی دو قسمیں ہیں۔ (1) تکوینی احکام (2) تشریعی احکام (شریعت کے احکام) مسلمان دونوں قسم کے احکام کے بارے میں خدا تعالیٰ سے حسن ظن رکھتا ہے کہ جو تقدیر میں پیش آیا، میرے لیے یہی مناسب تھا اور شریعت کا کوئی حکم غلط نہیں۔ حسن ظن کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ نیکی کر کے مومن خدا تعالیٰ سے جتنے اجر کی بھی امید رکھے گا خدا تعالیٰ اسے پورا کرے گا۔ خدا تعالیٰ سے برا گمان یہ ہے کہ نیکی کر کے اس کی قبولیت کا شک

کرے یا برائیاں کرکے سوچے کہ خدا تعالیٰ مجھے بغیر سزا چھوڑ دے گا۔

(2) قرآن میں چند مقامات پر قانون ہدایت بیان کر دیا اور ہر جگہ اسے بیان نہیں کیا۔ جسکی وجہ سے کچھ آیات کے بارے میں لوگ سوال کرتے ہیں۔ سورہ رعد 27:13 میں ہدایت کا قانون بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے۔ یہی بات شوریٰ 13:42 میں فرمائی گئی۔

گمراہی کا قانون یہ ہے کہ صرف نافرمان اس قرآن سے گمراہ ہوتے ہیں۔ (البقرہ 26:2)

اللہ ظالموں کو گمراہ ہونے دیتا ہے۔ (ابراہیم 27:14)

خدا تعالیٰ اس شخص کو گمراہ ہونے دیتا ہے جو حد سے نکل جانے والا اور شک کرنے والا ہو۔ (مومن 34:40)

انکار کرنے والوں کو گمراہ ہونے دیتا ہے۔ (مومن 74:40)

بدکار لوگوں کے دلوں پر ان کی بدکاری بہت برا اثر پیدا کرتی ہے۔ (مطففین 14:83)

لہٰذا جہاں بھی قرآن مجید میں یہ آئے کہ خدا تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے گمراہ ہونے دیتا ہے مثلاً (نحل 93:16)

تو اس میں یہ بات شامل ہے کہ "اپنے قانون کے مطابق" یعنی اپنے قانون کے مطابق خدا تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے گمراہ ہونے دیتا ہے۔ اس بات کو نہایت وضاحت سے نساء 115:4 میں بیان فرمایا "اور جو شخص سیدھا رستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر کی مخالفت کرے اور مومنوں کے رستے کے سوا اور رستے پر چلے تو جدھر وہ چلتا ہے ہم اسے ادھر ہی چلنے دیں گے اور قیامت کے دن جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے۔" نئے عہد نامہ میں بھی ایسے ہی ہے "پس وہ جس پر چاہتا ہے رحم کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے اسے سخت کر دیتا ہے۔ (رومیوں 18:9)

لہٰذا اللہ گمراہ کرتا ہے نہیں کہنا چاہیے بلکہ گمراہ ہونے دیتا ہے یعنی نولہ ماتولّی" (نساء 115:4) (رومیوں 18:1)

اسی طرح اعمال 16:14، رومیوں 24:1 تا 28 میں لکھا ہے۔

اب فانڈر کی منقولہ ایک ایک آیت کا جواب حاضر ہے۔

(2) بنی اسرائیل 13:17

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ ہر انسان کا انجام اس کے نامہ اعمال کی صورت میں اس کے گلے کا ہار ہے اور قیامت والے دن نامہ اعمال ایک کھلے رجسٹر کی صورت میں اس کے سامنے موجود ہوگا اور ہم اسے کہیں گے کہ اپنا نامہ اعمال تم خود پڑھ لو، تم اپنے حساب کے لیے خود ہی کافی ہو۔ مطلب یہ کہ حساب کے دن کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور ہر ایک کے اعمال اس کے سامنے ہوں گے اور ہر ایک کو اپنا بوجھ خود اٹھانا ہوگا (تدبر قرآن جلد نمبر 4 ص 488) یعنی جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔

(3) مدثر 31:74

اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اس کا جواب قانون ہدایت و ضلالت کے تحت پہلے گزر چکا۔

(4) سجدہ 13:32، اعراف 179:7۔

میں دوزخ کو جنوں اور انسانوں سے بھر دوں گا۔ (سجدہ) اور لقد ذرانا لجهنم كثير امن الجن والانس (اعراف)

(i) سورہ سجدہ میں روز قیامت مجرمین کے اعتراف جرم کے بعد خدا تعالیٰ کا حکم منقول ہے جو آیت نمبر 12 تا 14 میں مذکور ہے۔ یہ اس فیصلہ کی طرف اشارہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو اس کے چیلنج کے جواب میں آگاہ فرمایا تھا۔ اس کا حوالہ قرآن مجید میں یوں ہے "ابلیس نے کہا تیرے عزت وجلال کی قسم، میں ان سب کو گمراہ کر کے چھوڑ دوں گا۔ بس ان میں سے تیرے خاص بندے ہی بچ رہیں گے۔ اللہ نے فرمایا کہ پھر یہ بات بھی حق ہے اور میں حق ہی کہتا ہوں کہ میں بھی تجھ سے اور تیری ذریت سے اور ان انسانوں میں سے جو تیری پیروی کریں گے، سب کو جہنم میں بھر کے رہوں گا۔ (ص 82:38 تا 85)

(ii) سورہ اعراف 179:7 آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ "ہم نے جنوں اور انسانوں میں بہتوں کو پیدا کیا ہے جن کا انجام دوزخ ہے۔" ساتھ ہی ان کا جرم بھی بیان کیا ہے کہ ان کے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں، ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں، ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں، یہ چوپایوں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں۔

لفظ جہنم کے ساتھ حرف لام عاقبت کا ہے۔ جس کا معنی ہے کہ ان کا انجام ان کے اعمال کے نتیجے میں جہنم ہوگا۔ پوری بحث ملاحظہ فرمائیں اسلام اور مسیحیت (ص:94-95 از مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ)

یہ وہی بات ہے جیسا کہ پال فلپیوں کے نام خط میں لکھتا ہے "وہ اپنے چال چلن سے مسیح کی صلیب کے دشمن ہیں۔ ان کا انجام ہلاکت ہے۔" (3:18-19)

اور جیسے امثال 16:4 میں ہے "خداوند نے ہر ایک چیز خاص مقصد کے لیے بنائی ہاں شریروں کو بھی اس نے برے دن کے لیے بنایا۔ قاموس الکتاب کی یہ عبارت مسیحی عقیدہ تقدیر کو واضح کردیتی ہے، جس میں لکھا ہے "رومیوں 9:17 مابعد، 21 مابعد، 11:7 مابعد، رومیوں 9:22 کے پیش نظر اس حقیقت سے انکار کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے کہ بعض ہلاکت کے لیے تیار ہوئے" جب کہ وہ 19 تا 21 میں یہ تسلیم کرتا ہے کہ خدا کو اختیار ہے کہ بعض کو ہلاکت کے لیے اور بعض کو نجات کے لیے بنائے۔ "وہ جس پر چاہتا ہے رحم کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے اسے سخت کردیتا ہے (آیت 18)۔" (قاموس الکتاب، ص:254)

(5) بقرہ 2:257

لا اکراہ فی الدین سے مراد پیدائشی جبر ہے کہ پیدائشی طور پر کسی کو خدا تعالیٰ نے مجبور نہیں کیا کہ وہ لازماً مسلمان ہی ہو۔ (تدبر قرآن جلد نمبر 1 ص 92، کشاف، جلد 1، ص 303-304)

نیکی اور بدی کی راہ واضح کرنے کے بعد ہر انسان کو ارادہ و عمل کی آزادی دے دی گئی کہ جو چاہے شکر کرے اور جو چاہے کفر کرے۔ (دھر 76:3)

سورہ بقرہ کی اس آیت میں ان الفاظ کے فوراً بعد فرمایا کہ ہدایت گمراہی سے الگ کردی گئی ہے۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس آیت میں جبر فطری کی نفی ہے۔

(6) بقرہ 2:6۔

اس آیت میں منکرین کے اپنے اعمال اور ضد کے نتیجہ میں ہدایت سے محروم ہوجانے کا ذکر ہے۔ سورہ جاثیہ میں خدا تعالیٰ نے اسی بات کو مزید وضاحت سے فرمایا کہ دلوں پر مہر کن لوگوں کے لگتی ہے۔ "بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو معبود بنا رکھا ہے اور باوجود جاننے کے گمراہ ہو رہا ہے تو خدا نے بھی اس کو گمراہ کردیا۔ اور ان کے کانوں اور دلوں پر مہر لگادی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ اب خدا کے سوا کون اس کو راہ پر لاسکتا ہے تو کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے؟

(جاثیہ 23:45)

اس آیت میں جس قانون کا ذکر ہے اس کے مطابق خدا نے فرعون کے دل کو سخت کر دیا۔

(خروج 8:14,10:11,27,20:10)

دوسری بات یہ کہ اگر مخلصی کے دن کے لیے مہر ہو سکتی ہے تو بداعمالیوں کے نتیجہ میں ہدایت سے محرومی کی مہر کیوں نہیں ہو سکتی؟ ملاحظہ ہو (افیسوں 30:4)

اس قانون کو سمجھ لینے کے بعد بقرہ 257:2، نور 53:24، غاشیہ 88:21-22 میں کوئی تضاد محسوس نہیں ہوتا جیسا کہ فانڈر نے ص 368-369 پر لکھا۔

(52) نساء 76:4، انفال 39:8، فتح 16:48، تحریم 9:66۔

فانڈر نے ان آیات کا حوالہ دے کر حضور ﷺ کو النبی بالسیف لکھا ہے یعنی تلوار والا نبی۔ اور یہ کہ آپ ﷺ کو حکم تھا کہ اسلام کو جبراً پھیلائیں۔ (ص:369)

اسلامی جہاد کے اصول وضوابط قرآن نے اور حدیث نے مقرر کر دیئے ہیں۔ اسلامی جہاد فتنہ و فساد اور دوسرے ملکوں کے وسائل پر ناجائز قبضہ کا نام نہیں جیسا کہ فانڈر کے ہم مذہب 500 سال سے کر رہے ہیں۔ اسلامی جہاد کا مقصد دنیا سے شر کا خاتمہ ہے۔ اسلامی قانون جنگ کے لیے ملاحظہ ہو سید مودودی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الجہاد فی الاسلام (ص 216 تا ص 301)

فانڈر نے حضور ﷺ کو النبی بالسیف لکھا ہے تو درست لکھا ہے۔ حضور ﷺ یسوع کی طرح دنیا میں طمانچے کھانے نہیں آئے تھے بلکہ خدا کا نظام دنیا پر غالب کرنے کے تشریف لائے تھے۔ اگر صاحب سیف ہونا طعنہ ہے تو یسوع نے یہ کیوں کہا کہ "یہ نہ سمجھو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں۔ صلح کرانے نہیں بلکہ تلوار چلوانے آیا ہوں۔ (متی 34:10)

اور یہ کہ اپنی پوشاک بیچ کر تلوار خریدو۔ (لوقا 36:22)

فرمایئے! تلوار کیا کفارہ ادا کرنے کے لیے درکار تھی؟

(53) بقرہ 62:2 مائدہ 69:5۔

ان آیات میں فرمایا گیا "بے شک جو ایمان لائے، جو یہودی ہوئے، اور نصاریٰ اور صابی، ان میں سے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لایا اور جس نے عمل صالح کیا تو اس کے لیے اس کے رب کے پاس اجر ہے اور ان کے لیے کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔" یعنی جو اپنے

اپنے وقت کے نبی پر ایمان لائے۔یہ گروھی فخر وغرور کا ابطال ہے نہ کہ اجزائے ایمان کی تفصیل۔ان آیات میں یہود ونصاریٰ کے اس غلط خیال کی تردید کردی گئی جو انجیل میں یوں لکھا ہے۔''نجات یہودیوں میں ہے۔'' (یوحنا22:4)

یوحنا6:4 تا26 میں ایک سامری عورت سے یسوع علیہ السلام کی گفتگو نقل ہوئی ہے جو اس کنویں پر پانی بھرنے آئی تھی جہاں جناب یسوع علیہ السلام سفر سے تھکے ماندے بیٹھے تھے۔

(کیا خدا بھی تھکا ماندہ ہوسکتا ہے؟)

ان آیات میں صرف یہ فرمایا گیا کہ گروھی فخر وغرور باطل ہے۔اپنے اپنے وقت میں جو لوگ بھی اپنے انبیاء علیہم السلام پر ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کو اجر ملے گا۔نجات صرف یہودیوں کے لیے مخصوص نہیں۔ان آیات کا یہ مطلب نہیں کہ اب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے بغیر نجات ہوجائے گی جیسا کہ بعض لوگ یہ بہانہ بناتے ہیں۔اب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے بغیر نجات نہیں جس کا گواہ سارا قرآن ہے مثلاً بقرہ41,40:2، مائدہ65:5 تا67، اعراف156,155:7 ملاحظہ ہو۔

(54) آل عمران85:3

اب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے بغیر نجات نہیں جیسا کہ مندرجہ بالا آیات سے ثابت ہوا لہٰذا یہ بھی بالکل درست ہے کہ اب جو لوگ اسلام کے سوا کسی اور دین کے طالب بنیں گے یا اس پر جمے رہیں گے، عام اس سے کہ وہ یہودیت ہو یا نصرانیت یا کوئی اور دین، وہ اللہ کے ہاں قبول نہ ہوگا۔ایسے لوگ آخرت میں محروم ونامراد ہوں گے۔

(55) فانڈر نے مسئلہ نسخ پر بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

ناسخ ومنسوخ کے ثبوت میں البقرہ106:2 کو پیش کیا جاتا ہے، مگر سیاق وسباق کے مطابق یہ تورات وانجیل وغیرہ پہلی آسمانی کتابوں کی بات ہے۔پہلی کتابوں کے کئی حکم جب قرآن مجید نے منسوخ کیے تو یہود ونصاریٰ نے شوشہ چھوڑا کہا گر وہ کتابیں خدا کی طرف سے تھیں تو قرآن نے ان کے احکام کو ختم کیوں کیا؟ یا وہ حق تھیں یا یہ حق ہے، اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے خداتعالیٰ نے فرمایا کہ حالات کے مطابق احکام بدل جاتے ہیں۔

یہ بات بھی حق ہے کہ قرآن مجید میں ناسخ ومنسوخ موجود ہے۔علماء نے تین قسم کا نسخ بیان کیا اور

اس کی وضاحت کی ہے:

(i) منسوخ التلاوۃ والحکم۔علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ایسی کوئی آیت نہیں۔

(ii) منسوخ الحکم مگر الفاظ باقی ہیں۔

(iii) آیت منسوخ مگر حکم باقی۔مثلاً زانی کو سنگ سار کرنا،ایسی کوئی آیت نہیں۔

علمائے سلف کی اصطلاح میں تخصیص کو بھی نسخ کہا گیا،یعنی ایک بات ایک عام ہے،مگر دوسری نے اس کو خاص کر دیا تو اس کو نسخ کہہ دیتے۔مثلاً ایک جگہ حکم دیا کہ غلام آزاد کرو،مگر دوسری جگہ فرمایا کہ مومن غلام آزاد کرو۔حوالہ کے لیے ملاحظہ ہو۔سورہ بلد 13:90،مجادلہ 3:58،نساء 92:4۔اس تشریح کو بھی علمائے سلف نے نسخ شمار کیا،حالانکہ وہ احکام بالکل ختم نہیں ہوئے،صرف تشریح فرمادی۔اگر کسی جگہ کوئی حکم اِلَّا کے ساتھ بیان ہوا تو اس کو بھی انہوں نے نسخ شمار کیا،جو احکام بالکل ختم کر دیئے گئے،وہ تھوڑے سے ہیں،مثلاً مسافر و مریض کے روزہ کے احکام بقرہ 184:2 اور آیت 185،سورہ نساء میں زانیہ کی سزا 15:4 اور سورہ نور میں سزا 2:24،اسی طرح سورہ مجادلہ میں سرگوشی کے احکام 12:58 اور 13:58،سورہ انفال میں کفار سے مقابلہ 65:8 اور 66:8۔یہ بھی یاد رہے کہ قرآن کو صرف قرآن نے منسوخ کیا،حدیث قرآن کو منسوخ نہیں کرتی۔آیت رجم والا قصہ قطعاً جھوٹا ہے۔

(56) فانڈر نے پال کے حوالہ سے کسی اور انجیل پر ایمان لانے والے کو ملعون لکھا ہے۔قرآن مجید اگر تورات و انجیل کے بعض احکام الٰہی،جو تحریف سے بچ گئے ہیں،کی تصدیق کرتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ پال کی تصدیق بھی کرتا ہے۔موجودہ عیسائیت دراصل پولوسیت ہے اور پال کی تعلیمات کے ہی اس کا سرمایہ ہیں۔لہٰذا پال کی تعلیمات کے مخالف قرآنی احکام کو قرآن و انجیل میں تضاد نہیں کہا جا سکتا۔

(57) آل عمران 48:3۔

المائدہ 110:5۔

فانڈر کا اعتراض یہ ہے کہ قرآن کے بیان کے مطابق،جو ان آیات میں ہے،حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے معجزات لڑکپن میں دکھائے جبکہ انجیل کے مطابق آپ علیہ السلام نے 30 سال کی عمر سے،انجیل کی بشارت شروع کی۔(لوقا 23:3،یوحنا 11:2 ص 372)

پہلے تو فانڈر کی علمیت کی داد دیں کہ اس نے لکھا انجیل کی بشارت یعنی بشارت کی بشارت کیونکہ ان کے عقیدہ کے مطابق آپ علیہ السلام پر انجیل نام کی کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی، بلکہ آپ تو خود بشارت تھے۔

سورہ آل عمران 48:5 میں اور اگلی آیت کے چار الفاظ یعنی ورسولاً الٰی بنی اسرائیل تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بچپن کا بیان اور اَنِّی قَدْ جِئْتُکُمْ سے آگے ان کے دور نبوت میں کئے جانے والے کلام کا ذکر ہے۔ درمیان میں حضرت کی سرگزشت کا وہ سارا حصہ حذف ہے جو اس بشارت اور ان کے عملاً بنی اسرائیل کے سامنے دعوت رسالت لے کر اٹھنے کے درمیان کی مدت سے تعلق رکھنے والا ہے۔ قرآن نے انبیاء علیہم السلام کی سرگذشتوں کے بیان میں حذف کا یہ طریقہ بہت استعمال کیا ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ قاری کی توجہ کلام کے اصل مقصد پر مرکوز رہتی ہے کوئی زائد چیز بیچ میں مخل نہیں ہونے پاتی۔ (تدبر قرآن جلد نمبر 2 ص 95)

لہٰذا فانڈر کا اعتراض اس آیت کے بارے میں بے بنیاد ہے۔

المائدہ 110:5 میں مذکور تمام باتیں قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ نصاریٰ پر حجت تمام کرنے کے لئے فرمائے گا کہ آپ علیہ السلام پر اور آپ علیہ السلام کی والدہ علیہا السلام پر جو بھی انعام ہوا سب اللہ کی طرف سے تھا۔ (تدبر قرآن، ج:2،ص:607)

لہٰذا فانڈر کا یہ اعتراض بھی بے بنیاد ثابت ہوا۔

(58) یٰسین 55:36 تا 58، محمد 15:47 وغیرہ۔

فانڈر نے مختلف سورتوں میں مذکور جنت کی جسمانی نعمتوں کا انکار کیا اور محض روحانی شادمانی حاصل ہونے کا ذکر کیا۔ (ص:373)

مسلمانوں کا ایمان ہے کہ نیک لوگوں کو اگلے جہان میں جنت ملے گی اور وہاں وہ تمام نعمتیں بھی ملیں گی چاہے جسمانی ہوں یا روحانی، جن کا بیان قرآن مجید نے کیا ہے۔ وہاں وہ سب نعمتیں ملیں گی جو دل مانگے گا اور جو دماغ مانگے گا۔ اس کا بیان قرآن پاک نے یوں فرمایا: "وہاں جس نعمت کو تمہارا جی چاہے گا تم کو ملے گی اور جو چیز تم طلب کرو گے تمھارے لیے موجود ہوگی۔"

(حم السجدہ 31:41)

اب فانڈر کے دعویٰ کا جائزہ لیتے ہیں کہ انجیل کی تعلیمات کے مطابق اگلے جہان ملنے والی

روحانی شادمانی پر مشتمل ہوں گی۔ پرانے عہد نامہ میں فردوس کے لفظ کا کوئی حوالہ نہیں ملتا۔ جبکہ نئے عہد نامہ میں فردوس کا لفظ تین جگہ آیا ہے۔ یاد رہے کہ قرآن میں فردوس کا لفظ دو دفعہ آیا ہے کہف 107:18 اور دوسرا مومنون 11:23 میں

نئے عہد نامہ کے مطابق

(i) یسوع نے صلیب پر لٹکے ہوئے بدکار کو کہا کہ "میں تجھ سے سچ کہتا ہوں کہ آج ہی تو میرے ساتھ فردوس میں ہوگا۔" (لوقا 43:23)

(ii) پولوس اپنے متعلق لکھتا ہے کہ "فردوس میں پہنچ کر ایسی باتیں سنیں جو کہنے کی نہیں اور جن کا کہنا آدمی کو روا نہیں۔ (2۔ کرنتھیوں 4:12)

(iii) جو غالب آئے میں اسے اس زندگی کے درخت میں سے جو خدا کے فردوس میں ہے پھل کھانے کو دوں گا۔ (مکاشفہ 7:2)

اب لفظ فردوس کی تحقیق کرتے ہیں۔

(i) وہ باغ جو کئی قسم کی نباتات اگاتا ہے اور وہ باغ جس میں وہ تمام اشیاء ہوں جو باغوں میں ہو سکتی ہیں۔ (اقرب الموارد)

(ii) فردوس اس باغ کو کہتے ہیں جس کے درخت پھیلتے جائیں۔ انگور کی ٹٹیوں کو بھی کہتے ہیں۔

(iii) فردوس پانی کی وہ چھوٹی نہر جس میں ہر طرح کا سبزہ اگا ہوا ہو۔

(iv) وہ باغ جس کے اندر انگور اور ہر طرح کے پھل اور پھول ہوں۔

(v) اس کے ہم مادہ دوسرے لفظ فُرْدُوس، مہمان کے سامنے رکھے جانے والے کھانے کو کہتے ہیں۔

ان چاروں معانی کے لیے ملاحظہ ہو۔ لغات القرآن (ج:5،ص:42-43 زیر لفظ الفردوس) تالیف مولانا عبدالرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ)

(vi) باغ، گلزار، گلشن، بہشت، جنت۔ (فیروز للغات اردو، ص:928)

(vii) وہ باغ جس میں تمام باغوں کے میوے موجود ہوں۔ (فیروز للغات فارسی اردو، ص:187)

پال اپنے خط میں لکھتا ہے "وہ چیزیں نہ آنکھوں نے دیکھیں نہ کانوں نے سنیں نہ آدمی کے دل میں آئیں وہ سب خدا نے اپنے محبت کرنے والوں کے لیے تیار کر دیں۔ (1۔ کرنتھیوں 9:2)

چونکہ فردوس انگور کی ٹٹیوں کو بھی کہتے ہیں لہٰذا مسیح علیہ السلام بھی جنت کی جسمانی نعمتوں کا اقرار کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''میں تم سے کہتا ہوں کہ انگور کا شیرہ پھر کبھی نہ پیوں گا اس دن تک کہ تمہارے ساتھ اپنے رب کی بادشاہی میں نیا نہ پیوں۔'' (متی 29:26، مرقس 15:14، لوقا 18:22)

اگلے جہان میں کھانا بھی ہوگا۔ فسح کھانے کے بارے میں یسوع نے فرمایا ''اسے کبھی نہ کھاؤں گا جب تک کہ وہ خدا کی بادشاہی میں پورا نہ ہو۔'' (لوقا 16:22)

وہاں پر خدا تعالیٰ کے گھر میں بہت سے محل ہیں۔ (یوحنا 2:14)

انگریزی ترجمہ میں MANSION لکھا ہے جس کا معنیٰ محل ہے۔ (KJV ص 524)

اور اردو میں مکان لکھا ہے۔

''اور جس کسی نے گھروں یا بھائیوں یا بہنوں یا باپ یا ماں یا بچوں یا کھیتوں کو میرے نام کی خاطر چھوڑ دیا ہے۔ اس کو سو گنا ملے گا اور ہمیشہ کی زندگی کا وارث ہوگا۔ (متی 29:19)

کھیت اور گھر اور دوسری تمام مذکورہ نعمتیں مادی ہیں۔ مسلمانوں کی جنت کے بارے میں عیسائی عالم نے یہ کہا ''مسلمانوں کی جنت کی خوشیاں صرف نفس پروری تک محدود نہیں ہوں گی اور جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر بیان فرمایا کہ شہداء اور اولیاء کمتر درجہ کی خوشیاں چھوڑ کر اعلیٰ ترین سعادت یعنی دیدار خداوندی میں مشغول ہوں گے۔ (GRE,V-5, P-351)

اوپر دیئے گئے مکاشفہ 7:2 کے حوالہ میں بھی وہ پھل کھانے کا ذکر ہے۔ جو خدا کے فردوس (جنت) میں ہیں۔ اگرچہ لفظ فردوس ہی قرآن مجید میں بیان کردہ جنت کی نعمتوں کا احاطہ کرتا ہے مگر پھر بھی عیسائی حضرات کی تسلی کے لیے باقی حوالے بھی درج کر دیئے ہیں تاکہ ان کو معلوم ہو کہ ان کی کتابوں میں بھی جنت کی جسمانی نعمتوں کا ذکر ہے اور یہ کہ فانڈر کا انکار بے بنیاد ہے۔

(59) مریم 23:19۔

فانڈر کا اعتراض ہے کہ اس آیت کے مطابق مسیح علیہ السلام کی ولادت ایک کھجور کے درخت کے نیچے ہوئی درحالیکہ انجیل میں لکھا ہے کہ اس کی ولادت کارواں سرائے میں واقع ہوئی اور وہ چرنی میں رکھا گیا۔ (ص 371-372)

بائبل میں سہو و خطاء کا اعتراف تو خود عیسائی علماء کو بھی ہے۔ (بائبل کا الہام ص 75) ڈاکٹر پیٹرسن سمائتھ۔ لہٰذا وہ قرآن کا بیان چیلنج نہیں کر سکتے۔ مگر اب جدید تحقیقات کے مطابق بھی مسیح علیہ السلام کی تاریخ

ولادت اور جائے ولادت نا معلوم ہے۔

(The Nativity By Geza vermes P-97 Published in UK 2006)

(60) نحل 103:16 فرقان 5:25۔

سورہ نحل کی اس آیت کا ترجمہ یہ ہے۔ ''اور ہمیں معلوم ہے کہ کہتے ہیں کہ اس پیغمبر کو ایک شخص سکھا جاتا ہے۔ مگر جس کی طرف تعلیم کی نسبت کرتے ہیں۔ اس کی زبان تو عجمی ہے اور یہ صاف عربی زبان ہے۔''

فانڈر نے اس آیت کا حوالہ تو نہیں دیا مگر اپنے خیال میں حضور ﷺ کو سکھانے والے لوگوں، عرب کی رسوم سے اسلامی رسوم اخذ کرنے سمیت مختلف باتیں بنائیں ہیں اور ساتھ ہی ٹرڈل کی کتاب ینابیع الاسلام (Sources of Islam) کا حوالہ بڑے زور سے دیا ہے کہ اس نے ثابت کر دیا ہے کہ قرآن مجید، حضور ﷺ نے دنیا جہاں کی کتابوں سے اخذ کر کے خود لکھ لیا۔

(ص:375، ص:378)

فانڈر اور اس کے بھائی بندوں کے ان الزامات کا جواب انہی کے ہم مذہب علماء سے سن لیں۔ عیسائی علماء کہتے ہیں کہ:

(i) عیسائی لوگوں کے اس الزام کا ذرہ بھر ثبوت نہیں ہے کہ آپ ﷺ کی وحی کا اکثر حصہ کسی عیسائی پادری کے مشوروں پر مشتمل تھا۔ (Palmer, The Quran,Introducation, P-XL viii, and De Bunsen, Islam or True Christianity, P-131)

(ii) متی اپنی کتاب تاریخ عرب میں لکھتا ہے ''ٹھیٹھ عربی زبان جس کو قرآن نے اپنایا ہے کو پوری دنیا میں مانا جاتا ہے اور اس کا اتباع کیا جاتا ہے۔ حضور ﷺ کے دور میں عربی میں ایسا کلام نہیں تھا۔ قرآن اپنی طرز کا اولین نمونہ ٹھہرا۔ اسکی زبان موزوں کلام اور خطیبانہ انداز ہے جو فصیح و بلیغ ہے لیکن شاعرانہ نہیں۔ اس کا خطیبانہ انداز ایسا ہے جس کی نقل آج کل ہر عرب ادیب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ (تاریخ عرب ص 127 انگریزی)

(iii) پوری دنیا یہ تسلیم کرتی ہے کہ قرآن کی زبان کامل اور بے عیب عربی زبان ہے۔

(Palmer,op.cit, P-ixxvi)

مزید یہ کہ:

(i) قرآن مجید اپنی سچائی کی دلیل یہ نہیں دیتا کہ اس میں چونکہ اہل کتاب کی کتب کی باتیں بیان ہوئی ہیں لٰہذا وہ خدا کی طرف سے ہے بلکہ قرآن تو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس میں وہ صداقتیں موجود ہیں جو اہل کتاب کی کتب میں نہیں۔

(ii) جنہیں کفار قصے کہتے ہیں وہ قصے نہیں بلکہ پیش گوئیاں ہیں۔ان کا اتارنے والا تو آسمانوں اور زمین کے غیبوں کا جاننے والا خدا ہے۔یعنی اس میں آئندہ کے حالات بیان کئے گئے ہیں اور انسان آئندہ کے حالات نہیں جان سکتا نہ بتا سکتا ہے۔

(iii) دور نبوی تک بائبل کے عربی ترجمے نہیں ہوئے تھے۔سب سے پہلا عربی کا ترجمہ آٹھویں صدی کا ہے جبکہ حضور ﷺ چھٹی صدی میں پیدا ہوئے۔

(Dr. Elexander Souter MA,LLD The Text and Cannon of the New Testament, P-74)

(iv) بالغرض کوئی عیسائی غلام ہوگا تو اس کا تعلق کسی ایک فرقے سے ہوگا۔جبکہ ان کے فرقے بھی بے شمار ہیں۔مگر قرآن مجید نے کسی ایک فرقہ سے نہیں سب عیسائی یہودی فرقوں سے اختلاف کیا اور ان کی تردید کی۔وہ کس فرقہ کا آدمی تھا جو اس کام میں آپ ﷺ کی مدد کرتا تھا؟ کیا وہ خود اپنے مذہب کے خلاف آپ ﷺ کو تعلیم سکھاتا تھا؟

(v) قرآن کریم نے بائبل کے غلط واقعات کی اصلاح کی۔یہ اصلاح کس غلام کی مدد سے آپ ﷺ کر سکتے تھے؟ مثلاً ہارون علیہ السلام کو بچھڑا بنانے اور اس کی پوجا کرنے کے الزام سے بری رکھا۔ داؤد علیہ السلام وسلیمان علیہ السلام ونوح علیہ السلام کی پاکیزگی ثابت کی۔

(vi) قرآن نے بائبل کے واقعات کے متعلق بعض نئی باتیں بیان کیں جن کا اس وقت کسی یہودی اور عیسائی کو بھی پتہ نہ تھا اور آج وہ سچی ثابت ہورہی ہیں مثلاً فرعون کی لاش کا باقی رہنا اور آخر مل جانا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب نہ دیا جانا وغیرہ۔

(vii) تعجب ہے کہ حضور ﷺ کو سکھانے والے کا نام تو تاریخ نے پورے تیقن اور تعین کے ساتھ یاد نہ رکھا اور جو ان سے (نعوذ باللہ) سیکھ کر محض نقل کر دیا کرتے تھے، دنیا ان کے قدموں میں گر پڑی حتیٰ کہ جنہوں نے انہیں نبی نہ مانا، دنیا کا سب سے بڑا مصلح اور کامل انسان انکو بھی تسلیم کرنا پڑا۔

(viii) مشرکین مکہ کے اس اعتراض سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ دعویٰ نبوت سے پہلے آپ ﷺ کا اُمّی

ہونا ان کے نزدیک ایسا مسلم تھا کہ قرآنی علوم ومعارف کو آپ ﷺ کی اُمّیت مسلمہ سے تطبیق نہ دے سکتے تھے۔ اس لیے کہنا پڑتا تھا کہ کوئی دوسرا شخص آپ ﷺ کو یہ باتیں سکھلا جاتا ہے، لیکن آپ ﷺ کو سکھلانے والا کوئی بشر نہیں اللہ تعالیٰ تھا جس نے فرمایا: "الرحمٰن علم القرآن"،

(ix) اگر تمام عرب میں کوئی شخص بالفرض ایسا کلام بنا سکتا تو وہ خود حضور ﷺ ہوتے۔ مگر قرآن کے سوا آپ ﷺ کے دوسرے کلام کا ذخیرہ (حدیث) قرآن کے بیان کردہ موضوعات پر موجود ہے جو باوجود انتہائی فصاحت کے کسی ایک چھوٹی سے چھوٹی سورت کی ہمسری نہیں کرسکتا۔

(X) اگر کوئی قرآن کی دوسری وجوہ اعجاز، اس کے معانی وحقائق تک نہ پہنچ سکے لیکن زبان و بیان کی سطوت وجلالت اور بے مثال فصاحت پر غور کرے، تو معلوم ہوگا کہ یہ انسانی کلام نہیں ہے یہاں تک کہ خود حضور ﷺ کے کلام اور قرآن میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

(xi) قرآن نے اس پر اعتراض (نحل 103:16) کا جواب دینے کی تمہید ہی اس طرح اٹھائی ہے جس سے اس اعتراض کی لغویت واضح ہو رہی ہے اس لیے کہ ولقد نعلم کے اسلوب میں بھی یہ بات مضمر ہے کہ ہم برابر معترضین کی یہ بکواس سنتے رہے ہیں لیکن اس کی لغویت کے سبب سے ہم نے اس کی طرف توجہ نہیں کی۔ آخر کون ایسا بچہ ہوسکتا ہے جو منہ کے اڑائے چھینٹوں اور آسمان کی بارش میں امتیاز نہ کر سکے۔

(xii) اس اعتراض سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے مخالفین آپ ﷺ پر الزام لگانے میں کتنے بے باک تھے مگر ان عقل کے اندھوں کو آپ ﷺ کے مقابلہ میں ایک عجمی غلام جو کچھ تورات وانجیل پڑھ لیتا تھا، قابل نظر آ رہا تھا اور وہ گمان کر رہے تھے کہ یہ گوہر نایاب اس کوئلے سے چمک حاصل کر رہا ہے۔ اگر بالفرض تمہارے عیسائی لوگوں نے حضور ﷺ کو سکھایا تھا تو پھر وہ تمام عقائد مان لو جو تمہارے خلاف ہیں کیونکہ تمہارے لوگوں کے سکھائے ہوئے ہیں۔

(xiii) سعید ابن مسیّب کہتے ہیں کہ مشرکین میں سے ایک شخص تھا جو وحی لکھا کرتا تھا۔ اس کے بعد وہ مرتد ہوگیا تھا اور یہ بات اس نے گھڑی۔ (ابن کثیر زیر آیت ہذا)

(xix) پادری ٹزڈل نے ینابیع الاسلام لکھی جس میں اس نے اپنے خیال میں اسلامی تعلیمات کے سرچشمے تلاش کر کے لکھے۔ اس میں اُس نے دنیا جہان کی کتابوں کے نام کی مشابہت والے

واقعات اکٹھے کیے۔اب اس سے کوئی پوچھے کہ کیا اتنی بڑی لائبریری نبی امی ﷺ کے پاس تھی؟ اگر تھی تو وہ کفار کے نوٹس میں کیوں نہ آئی؟ اس پادری نے وہ کتابیں مختلف ملکوں سے اکٹھی کر کے اپنی خرافات لکھیں۔کیا اتنی زبانیں حضور ﷺ جانتے تھے؟ بالفرض ایک ہی قصہ بائبل یا دوسری کتابوں میں بیان ہوا ہے اور وہی قرآن میں بھی بیان ہوا، مقابلہ کر کے دیکھ لیں۔آپ ﷺ کو معلوم ہوگا کہ قرآن کا طرز بیان معجزانہ ہے اور صرف ہدایت کا پہلو پیش نظر ہے۔مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ بائبل میں پڑھیں تو ہدایت کا کوئی پہلو نہیں مگر قرآن میں پڑھیں تو انبیاء علیہم السلام کی شان بھی نمایاں ہوتی ہے اور ہدایت نصیب ہوتی ہے۔انبیاء علیہم السلام کا کردار کیا ہونا چاہیے یہ اس قصہ سے پتہ چلتا ہے اور اس سے بہت سے سبق حاصل ہوتے ہیں۔اسی طرح بائبل میں حضرت نوح علیہ السلام اور طوفان کا قصہ پڑھیں تو طوفان کا کوئی جواز ہی معلوم نہیں ہوتا، جبکہ قرآن بتاتا ہے کہ انہوں نے 950 سال تبلیغ کی اور لوگوں نے لگا تار انکار کیا تو طوفان آیا۔بائبل اور دوسری کتابوں میں مذکور قصوں اور قرآنی بیان میں ظلمت اور نور کا فرق ہے۔یہ بھی عرض ہے کہ ینابیع المسیحت تلاش کریں تو متھرازم سامنے آتا ہے۔

(61) مریم 19:71۔

فانڈر نے اس آیت اور 73 فرقوں والی روایت کے حوالہ سے اسلام میں نجات نہ ہونے کا اعتراض کیا ہے۔(ص:379)

اس آیت میں اگر سب لوگ مراد لیے جائیں تب بھی ورود کا مطلب دخول نہیں یعنی دوزخ میں داخل ہونا مراد نہیں بلکہ اس کے اوپر سے گزرنا مراد ہے جس طرح سورہ یوسف 19:12 میں ہے کہ قافلے والوں کا ایک آدمی کنویں پر وارد ہوا یعنی وہاں پہنچا، یہ نہیں کہ کنویں میں داخل ہو گیا۔ مگر اس آیت کا تعلق سب انسانوں سے نہیں صرف مجرمین سے ہے۔ضمیر خطاب کے مخاطب وہی مجرمین ہیں جن کا ذکر آیت نمبر 66 سے چلا آرہا ہے۔پہلے بات غائب کے صیغہ میں کہی گئی ہے اور یہ بات ان کو مخاطب کر کے ارشاد ہوئی۔ان دونوں اسلوبوں کے الگ الگ فائدے ہیں۔جس طرح غائب کا عدم التفات (نظرانداز کرنا) پر دلیل ہوتا ہے۔یہاں بھی اس نوع کی تبدیلی ہوئی ہے۔چونکہ مقصود شدت غضب کا اظہار ہے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) ان مجرموں کو خطاب کر کے فرمائے گا کہ اب تمہارے لیے داد و فریاد اور عذر و معذرت کا وقت گزر

گیا، اب تم میں سے بلا استثناء ہر ایک کو جہنم میں اترنا ہے۔ ساتھ ہی حضور ﷺ کو اطمینان دلایا کہ یہ امر بالکل قطعی اور فیصل شدہ ہے، اس کو تمہارے رب نے اپنے اوپر لازم ٹھہرالیا ہے، ایک دن تم اپنے دشمنوں کا یہ انجام اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے۔ (تدبر قرآن، ج:4، ص:678)

اس آیت کے مخاطب نیک لوگ نہیں ہیں کیونکہ ان کو خدا تعالیٰ نے ضمانت دے دی ہے کہ "بے شک جن کے لیے ہمارا اچھا وعدہ ہو چکا وہ اس جہنم سے دور رکھے جائیں گے۔ وہ اس کی آواز بھی نہیں سنیں گے اور وہ اپنی من پسند نعمتوں میں ہمیشہ ساتھ رہیں گے۔ ان کو سب سے بڑی گھبراہٹ کی گھڑی (روز حشر) غمگین نہیں کرے گی اور فرشتے اس بشارت کے ساتھ ان کا خیر مقدم کریں گے کہ یہ ہے آپ لوگوں کا وہ دن جس کا وعدہ آپ سے کیا گیا تھا۔ (انبیاء 21:101 تا 103)

مریم 19:71 سے اگلی آیت نمبر 72 بھی اس موقف کی تائید کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ پہلے ظالموں سے نپٹے گا۔ ان کو واصل جہنم کرنے کے بعد ان لوگوں کی طرف متوجہ ہو گا جو اس سے ڈرتے تھے۔ فرمایا کہ پھر ہم ان لوگوں کو نجات دیں گے جو ہم سے ڈرتے رہے اور ظالموں کو اسی جہنم میں اکڑوں بیٹھے چھوڑ دیں گے۔ ڈرنے والوں کو نجات دینے سے مراد اس تمام تشویش و انتظار سے نجات دینا ہے جن سے بہر حال منزل مقصود پر پہنچنے سے پہلے تک اہل حق کو بھی سابقہ پیش آتا ہے۔

اب ذرا انجیل کو بھی دیکھتے ہیں کہ اس میں تو کہیں یہ بات نہیں جس کا اعتراض عیسائی قرآن مجید پر کرتے ہیں۔ جب انجیل کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ دنیا کا ہر انسان دوزخ میں باقاعدہ داخل ہو گا اور اس کی آگ کا مزہ چکھے گا۔ لکھا ہے "کانا ہو کر خدا کی بادشاہی میں داخل ہونا تیرے لیے اس سے بہتر ہے کہ دو آنکھیں ہوتے جہنم میں ڈالا جائے۔ جہاں ان کا کیڑا نہیں مرتا اور آگ نہیں بجھتی۔ کیونکہ ہر شخص آگ سے نمکین کیا جائے گا۔ (مرقس 9:47 تا 49)

حتیٰ کہ خود مسیح علیہ السلام بھی جہنم میں داخل ہوئے اور جتنا وقت عیسائی عقیدہ کے مطابق وہ قبر میں دفن تھے، اتنا وقت ان کی روح دوزخ میں رہی۔ (1۔ پطرس 3:18 تا 20)

وہاں ان کو دکھ بھی اٹھانا پڑا (ایضاً آیت نمبر 18)

عیسائی مذہب کے مطابق ہر شخص دوزخ میں جا کر آگ سے نمکین ہو گا اور اسلام اس اعتراض سے بری ہے۔ دوسرے کو احمق کہنے والا بھی دوزخ میں جائے گا۔ (متی 5:22)

فانڈر نے 73 فرقوں والی روایت کا بھی حوالہ دیا تو اس سلسلہ میں یہ بات یاد رکھیں کہ یہ روایت جتنے طرق سے آئی ہے، کوئی بھی ضُعف سے خالی نہیں اس لیے امام بخاری و مسلم نے ان روایات کو اپنی کتابوں میں درج نہیں کیا۔ لہٰذا بڑے بڑے امام مثلاً امام بن حزم رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ مجد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس اس کا انکار کرتے ہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ یہ روایات جیسی بھی ہیں، ان میں سب کو میری امت فرمایا لہٰذا اگر کوئی اپنے اعمال کی بنا پر دوزخ میں گیا بھی تو وہاں ہمیشہ نہیں رہے گا۔ ان کو کافر نہیں کہا گیا بلکہ مسلمان سمجھا گیا۔ فرقوں کے سربراہ ذمہ دار ٹھہریں گے، عوام نہیں کیونکہ وہ تو اپنے وقت کے سربراہ کو عالم جان کر اس کے بتائے ہوئے مسائل پر عمل کرتے ہیں۔

اس ساری بحث سے ثابت ہوا کہ نجات صرف اسلام میں ہے، عیسائیت وغیرہ میں نہیں۔

(62) مومن 55:40، فتح 48:1-2۔

ان آیات کا حوالہ دے کر فانڈر نے اعتراض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گناہ گار تھے (نعوذ باللہ) لہٰذا مسلمانوں کا عقیدہ شفاعت غلط ہے۔ (ص:383 تا 390)

سورہ فتح کی آیات پر اعتراض کا جواب پہلے گزر چکا۔

سورہ مومن میں ہے کہ ''اپنے گناہوں کی مغفرت مانگ اور تسبیح کر اپنے رب کی صبح و شام۔'' یہ ترجمہ فانڈر نے لکھا ہے۔ ذنب کا لازمی معنی گناہ نہیں، الزام بھی ہے، جس کا جواب گزر چکا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سورہ فتح میں خدا تعالیٰ نے ہمیشہ کے لیے رضامندی کا سرٹیفیکٹ دے دیا جبکہ المائدہ 5:116 کے مطابق یسوع علیہ السلام کی جواب طلبی ابھی باقی ہے۔ اب رہی بات معافی مانگنے کی تو یہ خاصان خدا کا طریقہ ہے جو قدیم سے چلا آرہا ہے۔ یہی تعلیم عیسیٰ علیہ السلام کی ہے۔ آپ علیہ السلام نے شاگردوں کو فرمایا ''کیا وہ اس لیے نوکر کا احسان مانے گا کہ اس نے ان باتوں کی جن کا حکم ہوا تعمیل کی؟ اسی طرح تم بھی جب ان سب باتوں کی جن کا تمھیں حکم ہوا تعمیل کر چکو تو کہو کہ ہم نکمے نوکر ہیں۔ جو ہم پر کرنا فرض تھا وہی کیا ہے۔ (لوقا 17:10)

ایک سچ نہ جانے فانڈر سے کیسے صادر ہوا اس نے لکھا ''ان سے ثابت ہوتا ہے کہ دیگر انبیاء علیہم السلام کی مانند جو محض انسان تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنے لیے خدا کی رحمت و معافی کی ضرورت کو محسوس کیا۔'' (ص:388)

اس طرح اس نے حضور ﷺ کو خدا کا سچا نبی تسلیم کر لیا۔

چونکہ حضور ﷺ کو رضائے تامہ حاصل ہو چکی اور مقام محمود کا آپ ﷺ سے وعدہ ہے۔

(بنی اسرائیل 76:17)

لہٰذا شفاعت کبریٰ کا حق حضور ﷺ ہی کو حاصل ہے۔ یہ حق سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو حاصل نہیں کیونکہ ان سے سوال پوچھا جانا ابھی باقی ہے۔ (مائدہ 116:5)

لہٰذا وہ روز قیامت شفاعت نہیں کریں گے، یہی حدیث شفاعت سے ظاہر ہوتا ہے۔

فانڈر نے ص 389 پر حضور ﷺ کو فوت شدہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ لکھ کر ان کو افضل لکھا ہے۔ مگر یہ بھول گیا کہ مردہ ہونا اگر خلاف فضیلت ہے تو جو تین دن تک قبر میں مردہ پڑے رہے (بقول عیسائیاں) تو وہ افضل کہاں رہے؟ اور ان دنوں کون افضل تھا؟

آپ نے فانڈر کی حرکات ملاحظہ کیں۔ ان سب کے باوجود اس نے ص 390 پر تعصب و طرف داری سے اجتناب کا ڈھنڈورا پیٹا ہے۔

(63) بنی اسرائیل 90,59:17 تا 95

بقرہ 2:118-119

انعام 109,37

رعد 31:13

عنکبوت 49:49-50

ان آیات کے حوالہ سے فانڈر نے یہ لکھا ہے کہ حضور ﷺ کو معجزات دکھانے کی قدرت نہیں دی گئی تھی۔ (ص:391 تا ص:398)

جہاں تک اصولی بات کا تعلق ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سمیت کسی نبی کو بھی معجزہ دکھانے کی طاقت از خود حاصل نہیں تھی بلکہ صرف خدا تعالیٰ کی مرضی کے مطابق جب وہ خود چاہے، معجزات ظاہر ہوئے، یہی بات رعد 38:13 اور مومن 78:40 میں بطور اصول بیان ہوئی کہ کسی رسول میں یہ طاقت نہیں کہ وہ معجزہ دکھا دے سوائے خدا کے حکم سے۔ اور دوسری جگہ تمام پیغمبروں کا بیان نقل ہوا جس میں انہوں نے فرمایا "ہمارے اختیار کی بات نہیں کہ ہم خدا کے حکم کے بغیر تم کو تمہاری فرمائش کے مطابق معجزہ دکھائیں۔" (ابراہیم 11:14)

ان تمام آیات میں جو فانڈر نے نقل کیں ہم نے صرف یہی بات سمجھائی گئی ہے کہ اگر معجزہ دکھا کر ان کو ایمان لانے پر مجبور کرنا ہے تو اس سے بہتر تو یہی تھا کہ خدا تعالیٰ ان کو پیدائشی مومن بنا دیتا یا جبر و زور کے ذریعہ آن کی آن میں مسلم و مومن بنا دیتا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس لیے کہ وہ چاہتا ہے کہ لوگ اپنی عقل و بصیرت سے کام لیں۔ آفاق و انفس کے دلائل پر غور کریں، پیغمبر کی باتوں کو سوچیں سمجھیں اور پھر اپنے اختیار و ارادہ کی آزادی کے ساتھ اس راہ حق کو اختیار کریں۔

(تدبر قرآن، ج:4،ص:291)

ان آیات کا یہ مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ پہلے انبیاء علیہم السلام نے یا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معجزات نہیں دکھائے بلکہ صرف اتنا مطلب ہے کہ فرمائشی معجزات نہیں دکھائے گئے کیونکہ معجزہ فیصلہ کن بات ہوتی ہے۔ جو معجزہ دیکھ کر نہ مانے اس کو سزا ملتی ہے۔ جیسے چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا معجزہ دیکھ کر ایمان نہ لانے والے تمام مکی سردار چند سال بعد بدر میں قتل ہوئے۔

یہ بھی یاد رہے کہ فانڈر کے اصول کے مطابق ''کسی آدمی کو فی الحقیقت نبی ثابت کرنے کے لیے ہرگز ضروری نہیں کہ اس کو صاحب معجزات بھی ثابت کیا جائے۔ بہت سے نبی معجزہ کی قدرت کے بغیر آئے اور برعکس اس کے بعض آدمیوں نے، جو نبی اور رسول ہو کر نہیں آئے تھے، معجزہ نما کام کیے جو اس ملک کے مشرکوں کی نظر میں حیرت انگیز تھے۔ (ص391) اگر بالفرض حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معجزات کی قدرت نہیں دی گئی تھی تو اس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت میں کوئی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ وہ دوسرے دلائل سے بھی ثابت ہے۔

معجزات دکھانے کی قدرت تو خود یسوع علیہ السلام کی بھی نہیں دی گئی جیسا کہ انہوں نے خود فرمایا ''میں تم سے سچ کہتا ہوں بیٹا آپ سے کچھ نہیں کر سکتا۔'' (یوحنا19:5)

دوسری جگہ فرماتے ہیں ''میں اپنے آپ سے کچھ نہیں کر سکتا۔'' (یوحنا30:5)

لہٰذا قرآن کا بیان ہی حق ثابت ہوا کہ کسی نبی کو معجزہ دکھانے کی قدرت نہیں دی گئی تھی بلکہ خود خدا تعالیٰ کا ہی فضل ہوتا تھا۔ جس کے لیے خدا کے پیارے خدا کی منت کرتے تھے۔ ملاحظہ ہو۔

(قضاۃ6:39-40)

(64) القمر 1:54

انفال 17:8

ان دو آیات اور کئی احادیث کا حوالہ دیکر فانڈر نے حضور ﷺ کے معجزات کا انکار کیا اور لکھا کہ آپ ﷺ نے ایک بھی معجزہ نہیں دکھایا اور جو احادیث معجزات کو بیان کرتی ہیں وہ لایعنی ہیں۔

(ص:403 تا ص:419)

حضور ﷺ کے معجزات فانڈر کی تصدیق کے محتاج نہیں۔ آپ ﷺ کے معجزات نصِ قطعی یعنی قرآنی آیات، جیسا کہ اوپر لکھی ہیں، اور متواتر احادیث سے ثابت ہیں۔ اس کے علاوہ 1400 سال سے مسلمان امت کا تواتر ان کا گواہ ہے۔

ان تمام معجزات کی سند متصل ہے۔

جب کہ جناب یسوع علیہ السلام کے معجزات جو اناجیل میں لکھے ہیں، وہ کتابیں ہماری ضعیف روایات جتنی سند بھی نہیں رکھتیں۔ فانڈر نے لکھا کہ احادیث صدیوں بعد لکھی گئیں، جو کہ غلط ہے۔ احادیث خود حضور ﷺ کے دور سے ہی لکھی اور روایات کی گئیں۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کا 1400 سال کا اجماع سب سے بڑی دلیل ہے۔ حضور ﷺ کے معجزات سینکڑوں ہزاروں لوگوں نے بیک وقت دیکھے، تصدیق کی اور آگے روایت کیے۔ جبکہ اناجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے 100 سال بعد غیر متعلق مجہول لوگوں نے لکھیں، جو خود لکھتے ہیں کہ ہم نے دوسروں سے پوچھ کر لکھی ہیں۔ (لوقا 3:1)

اناجیل لوگوں کی ہدایت کے لیے خدائی الہام نہیں بلکہ کسی ایک شخص کے لیے لکھی ہیں۔ (لوقا 3:1)

لوقا خود لکھتا ہے کہ یہ میں نے معزز تھفلس کے لیے لکھی ہے۔ لہٰذا جن کتابوں میں یسوع علیہ السلام کے معجزات لکھے ہوئے ہیں وہ علمی معیار پر پورا نہیں اترتیں تو ان میں لکھے ہوئے معجزات بدرجہ اولیٰ غیر معتبر خبر ثابت ہوئے۔ اگر حضور ﷺ کے معجزات پر فانڈر کو اعتبار نہیں تو یسوع علیہ السلام کے معجزات کو اس وقت کے یہودی علماء نے جادوگری کہا اور آج تک یہودی یہی کہتے ہیں۔

ان سب سے بڑھ کر خود عیسائی عالم اوریجن اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ یسوع علیہ السلام نے قیام مصر کے دوران جادو کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی اور اس میں کمال حاصل کیا۔ حوالہ ملاحظہ فرمائیں۔

مصنف یہودی علماء کا یسوع علیہ السلام کے بارے میں نکتہ نظر بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "ان کی نظر میں مصری اثرات یسوع علیہ السلام پر بچپن کے بعد بھی لمبے عرصے تک رہے۔ جادو کے علم سے یسوع علیہ السلام کی واقفیت، ان کے مصری جادوگروں سے تعلق کا نتیجہ ہے۔ دوسری صدی میں

اوریجن نے اس الزام کو یہ لکھ کر مزید پختہ کر دیا۔ اوریجن لکھتا ہے کہ یسوع علیہ السلام غریب آدمی تھے۔ مصر میں انہوں نے محنت مزدوری کی اور وہاں پر جادو کی ان قسموں کی مشق بھی کی جن پر مصری فخر کرتے تھے۔ جادو کی ان طاقتوں کی وجہ سے وہ مصر سے پورے فخر کے ساتھ واپس آئے اور انہی طاقتوں کی وجہ سے ان کو خدا کا خطاب ملا۔ یہ اوریجن کی کتاب (Against Celsus 1:28) کا حوالہ ہے، جس کو آکسفورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر گیزا ورمس (Geza Vermes) نے اپنی کتاب The Nativity, History and Legend کے ص:126 پر لکھا ہے۔ یہ کتاب 2006ء میں Penguin Books برطانیہ سے شائع کی۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ اوریجن (Origen) کا شمار انتہائی چوٹی کے عیسائی بزرگوں میں ہوتا ہے اور وہ دوسری صدی عیسوی میں گزرا ہے۔

لٰہذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات تو ثابت شدہ حقیقت ہیں جب کہ یسوع علیہ السلام کے معجزات خود عیسائیوں کے اپنے امام کے اعتراف کے مطابق جادو کا کرشمہ تھے جن کی بنا پر ان کو خدا کا خطاب ملا۔ عیسائیوں کو قرآن کا احسان مند ہونا چاہیے کہ اس نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا پاک ہونا، بن باپ ہونا، خدا کا سچا رسول ہونا، صاحب معجزات و وجاہت ہونا ثابت کیا ورنہ اناجیل، اوریجن کے اعتراف اور یہودی الزامات کے پس منظر میں تو ان کو یہ سہولت حاصل نہ ہوتی۔ گیزا ورمس مزید لکھتا ہے کہ متی کی انجیل طفولیت سے پیدا شدہ تاثر کی بنا پر، یہودی علماء حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو (نعوذ باللہ) مصری جادوگر کہتے ہیں۔

کیا یہ محض اتفاق ہے کہ تمام اناجیل یسوع علیہ السلام کے قیام مصر کی تفصیلات کے بارے میں خاموش ہیں؟ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے!

فانڈر نے ص 416 پر یہ شیخی بھی ماری ہے کہ یسوع علیہ السلام نے کسی کے خلاف کوئی معجزہ نہیں کیا۔ اس کی یہ بات قطعاً غلط ہے۔ اناجیل کے مطابق یسوع علیہ السلام نے بے گناہ انجیر کے درخت پر لعنت کی اور وہ فوراً سوکھ گیا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ "دوسرے دن جب وہ بیت عنیاہ سے نکلے تو اسے بھوک لگی اور وہ دور سے انجیر کا ایک درخت جس میں پتے تھے دیکھ کر گیا کہ شاید اس میں سے کچھ پائے مگر جب اس کے پاس پہنچا تو پتوں کے سوا کچھ نہ پایا کیونکہ انجیر کا موسم نہ تھا۔ اس نے اُس سے کہا آئندہ کوئی تجھ سے کبھی پھل نہ کھائے اور اس کے شاگردوں نے سنا۔ پھر جب صبح کو وہ ادھر سے گزرے تو اس انجیر کے درخت کو جڑ تک سوکھا ہوا دیکھا۔

پطرس کو وہ بات یاد آئی اور اس سے کہنے لگا اے ربی! دیکھ یہ انجیر کا درخت جس پر تو نے لعنت کی تھی سوکھ گیا ہے۔(مرقس 12:11 تا 14 اور 20-21)+(متی 18:21 تا 21)

فرمایئے! انجیر کے درخت کا کیا قصور تھا؟

اس عبارت سے یسوع علیہ السلام کا خدا نہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔اگر خدا ہوتے تو بے موسم پھل لگا لیتے۔نیز یہ کہ ان کو بھوک بھی لگتی تھی، مشتعل مزاج تھے، اتنا بھی علم نہ تھا کہ آج کل انجیر کے پھل کا موسم نہیں ہے۔ اگر ان تمام ''خوبیوں'' کے باوجود وہ خدا ٹھہرے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت میں کیا شبہ باقی رہ جاتا ہے جن سے ایسا کام کبھی نہ ہوا۔

65: النجم 19:53 تا 23۔

ان آیات کا حوالہ دے کر فانڈر نے قرآن میں کمی بیشی کا اعتراض کیا۔(ص 452)

ان آیات کی تفسیر میں منقول بعض مفسرین کی طرف سے ایک جھوٹی روایت کا حوالہ دیا ہے۔وہ روایت مسنداور درایت، ہر لحاظ سے ردی اور جھوٹی ہے۔پہلی چیز خود اس کی اندرونی شہادت ہے جو اسے غلط ثابت کرتی ہے۔کیا کوئی صاحب عقل باور کر سکتا ہے کہ آمیزش کا فعل آج ہو، عتاب 6 سال بعد ہوا اور آمیزش کی تنسیخ کا اعلان 9 سال بعد ہوا۔کسی آیت کی تفسیر کرتے وقت دیکھا جائے گا کہ آیا قرآن کا سیاق وسباق اسے قبول کرتا ہے یا نہیں۔کوئی روایت خواہ اس کی سند کیسی ہو، ایسی صورت میں قابل قبول نہیں ہو سکتی جب کہ اس کا متن اس کے غلط ہونے کی شہادت دے رہا ہو۔اس کو درایت کہتے ہیں اور یہ کہ قرآن کے الفاظ، سیاق وسباق، ترتیب ہر چیز اسے قبول کرنے سے انکار کر رہی ہو۔کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں ایک لمحہ کے لیے بھی یہ خیال آسکتا ہے کہ توحید کے ساتھ شرک کی آمیزش کر کے کفار کو راضی کیا جائے؟

قرآن کا نزول انتہائی اہتمام سے ہوا۔سورۂ جن (27:72-28) میں اس اہتمام کا ذکر فرمایا کہ پیغمبر کے آگے پیچھے نگران فرشتے مقرر ہوتے ہیں تا کہ ظاہر ہو جائے کہ انہوں نے رب کے پیغام کو پہنچا دیا ہے۔

وحی الٰہی میں کسی قسم کی آمیزش ناممکن ہے۔سورہ الحجر 16:15 تا 18 میں فرمایا ''اور ہم ہی نے آسمان میں برج بنائے اور دیکھنے والوں کے لیے اسے سجا دیا اور ہر شیطان راندہ درگاہ سے اسے محفوظ بنا دیا۔ہاں اگر کوئی چوری سے اسے سننا چاہے تو چمکتا ہوا انگارہ اس کے پیچھے لپکتا ہے۔''

اس سے ثابت ہوا کہ شیاطین قریب بھی نہیں آ سکتے، وحی میں آمیزش کیا کریں گے۔ احادیث میں بتایا گیا ہے کہ فرشتوں کا پہرہ اس وقت ہٹایا جاتا تھا جب وہ متعلقہ آیات مسلمانوں میں پھیل جاتی تھیں۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن (ج:3،ص:238 تا 245)

❁❁❁

بائبل میں تصور خدا

خداتعالیٰ کے اسماء الحسنیٰ

بنیادی یا ذاتی نام: ایل۔ خدا یا دیوتا (پیدائش 2:35)

یہوواہ: خداوند۔ قائم بالذات یا زندگی دینے والا۔ (قاموس الکتاب، ص: 1190)

اس کا صحیح تلفظ یہودی بھول چکے ہیں (ایضاً) ابد تک میرا یہی نام ہے۔ (خروج 15:3)

خداتعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اپنے اس نام کا مطلب یہ بتایا "میں ہوں جو میں ہوں" (خروج 14:3)

الوہ: خدا یا دیوتا (واحد) (استثنا 15:32)

الوہیم: خدا (جمع) (پیدائش 4:2)

یاہ: یہوواہ کا مخفف (زبور 4:48) ہلیلویا (ہلے لویا) یاہ کی تعریف ہو۔ یسعیاہ اور ابیاہ میں یہی لفظ شامل ہو کر نام بنے ہیں جن کا بالترتیب معنی یہ ہے کہ یاہ نجات دہندہ ہے اور یاہ باپ ہے۔ (قاموس الکتاب ص 365)

ایل ایلون: خداتعالیٰ جو آسمان اور زمین کا مالک ہے۔ (پیدائش 19:14)

صفاتی نام: رب العالمین: (میکاہ 13:4، زکریا 14:4)

دلوں، کانوں اور آنکھوں پر مہر لگا دینے والا (2۔ سلاطین 18:6، اعمال 25:28 تا 27)

گمراہ کرنے والا (تھسلنیکیوں نمبر 2 باب نمبر 2 آیت نمبر 11)

عقل پر پردہ ڈال دینے والا۔ (یسعیاہ 10:29)

گمراہی میں چھوڑ دینے والا۔ (زبور 81:11-12) + (اعمال 42:7) + (رومیوں 1:24-25)

بصیر: (پیدائش 13:16، زبور 13:33) بدکار لوگوں اور قوموں کو ٹھٹھوں میں اڑانے والا اور ان پر ہنسنے والا۔ (امثال 1:25-26) زبور 8:59)

اس کا تخت آسمان پر ہے۔ (زبور 4:11)

مقدس ہیکل میں جلوہ گر (زبور 4:11)

فریب دینے والا۔(حزقی ایل 9:14)

فریب دینے والے کا ساتھی۔(پیدائش باب نمبر 27 پورا)

رب:(دانی ایل 10:2)

انتقام لینے والا۔(استثنا 35:32)+(یسعیاہ 47:2-3)+(1۔تھسلنیکیوں 6:4 کیتھولک ترجمہ)

دلوں کو سخت کر دینے والا۔(خروج 3:7)

شریروں کو دوزخ کے لیے پیدا کرنے والا۔(امثال 4:16)

گناہ کا بانی (یسعیاہ 16:54)

شافی: (خروج 26:15)

غیور خدا: (خروج 5:20)

حی القیوم: (دانی ایل 34:4)

چوپان: چرواہا، نگران، رکھوالی کرنے والا۔(زبور 1:23)

پاک کرنے والا: (خروج 13:31)

ابدی خدا: (پیدائش 33:21)

کائنات کا بادشاہ: (زبور 19:103)

سب سلطنتوں کا خدا: یسعیاہ (16:37)

روشنی اور تاریکی کا خالق: (یسعیاہ 7:45)

خیر اور شر کا خالق: (ایضاً) ترجمہ KJV

صفات خدا

خدا کی مانند کوئی نہیں (1۔سلاطین 23:8)+خروج 10:8)

میں خدا ہوں مجھ سا کوئی نہیں۔(یسعیاہ 9:46)

صادق القول اور نجات دینے والا خدا میرے سوا کوئی نہیں۔اے انتہائے زمین کے سب رہنے والو تم میری طرف متوجہ ہو اور نجات پاؤ کیونکہ میں خدا ہوں اور میرے سوا کوئی نہیں۔(یسعیاہ 21:45-22)

خدا کو کسی نے نہیں دیکھا۔(یوحنا 18:1)

مسیح خود یہ کہہ کر اپنے مخلوق ہونے کا اقرار کرتے ہیں کہ میں باپ کے سبب سے زندہ ہوں۔

(یوحنا 57:6)

خدا نے خداوند کو زندہ کیا یعنی یسوع کو خدا نے زندہ کیا۔ (1- کرنتھیوں 14:6)

خدا تعالیٰ کی انسانوں جیسی تصویر کشی

خدا تعالیٰ بنی آدم کے بنائے شہر اور برج دیکھنے کے لیے اترا۔ (پیدائش 5:11)

ٹھنڈے وقت میں باغ کی سیر کرنا۔ (پیدائش 8:3)

انسانوں کے اتحاد سے خائف۔ (پیدائش 1:11 تا 9)

خدا تعالیٰ انسان کو زمین پر پیدا کر کے پچھتایا۔ (پیدائش 6:6)

وعدہ یاد رکھنے کے لیے قوس قزح کو بطور نشانی مقرر کرنا۔ (پیدائش 13:9 تا 17)

یعنی وہ بھول بھی سکتا ہے اس لیے نشانی مقرر کی۔

عاجز و ناطاقت۔ جن کے پاس لوہے کے رتھ تھے ان کو شکست نہ دے سکا۔ (قضاۃ 19:1)

سوختنی قربانیوں کی خوشبو سونگھ کر خوش ہوا۔ (پیدائش 21:8)

حضرت یعقوب علیہ السلام سے کشتی لڑی۔ اور فاؤل کر کے جیتا۔ (پیدائش 24:32 تا 30)

خدا تعالیٰ سے بے وقوفی اور کمزوری منسوب کرنا۔ (1۔ کرنتھیوں 25:1)

چھ دن میں زمین و آسمان بنائے اور ساتویں دن آرام کر کے تازہ دم ہوا۔ (خروج 17:31)

منتقم مزاج کہ باپ دادا کے گناہوں کی سزا تیسری اور چوتھی پشت کو دیتا ہے۔ (خروج 7:34)

بیٹے کی سزا پوتے کو دینا۔ (پیدائش 20:9 تا 27)

زمین پر چلنا۔ (خروج 23:33)

دغا دینے والا۔ (یرمیاہ 10:4)

اپنے حکم پر عمل کرنے والے پر ناراض ہونا۔ (2۔ سموئیل 1:24 تا 10) گنتی 20:22 تا 22)

خدا گویا نیند سے جاگا۔ (زبور 65:78)

ظلم منسوب کرنا۔ (1۔ سموئیل 19:6)

خدا کی انگلی۔ (خروج 19:8، لوقا 20:11)

خدا نے خود بدروح کو جھوٹ بولنے کے لیے بھیجا ہے۔(ا۔سلاطین 22:21۔23)

خدا کا تنگ آجانا/تھک جانا۔(یرمیاہ 6:11)

اس سے مراد خدا کی قدرت اور کام ہے۔(قاموس الکتاب ص 360)

ساؤل کو بادشاہ بنا کر افسوس کیا۔(1۔سموئیل 15:11)

اس کے ناک کے سوراخوں سے دھواں اٹھنے لگتا ہے۔(سموئیل 22:9)

عورتوں کے بدن بے پردہ اور ان کے پوشیدہ حصوں کو ننگا کر دیتا ہے۔(یسعیاہ 3:17)

عیسائی علماء کے نزدیک صفاتِ خدا

خدا کی محبت کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی اپنی منگیتر سے محبت رکھے۔

(مسلم سوالات۔مسیحی جوابات۔ڈاکٹر کرسچین ٹرال ص 268 کیتھولک پادری)

پاکیزگی اس کی لازمی صفت ہے۔(تحقیق بائبل ص 54 ڈاکٹر مرقس ڈاڈز)

عیسائیت کا خدا کے بارے تصور یہ ہے کہ وہ ایک زندہ جاوید وجود ہے جو تمام امکانی صفات کمال کے ساتھ متصف ہے۔اسے محسوس تو کیا جا سکتا ہے لیکن پوری طرح سمجھا نہیں جا سکتا۔اسے لیے اس کی حقیقت کا ٹھیک ٹھاک تجزیہ ہمارے ذہن کی قوت سے ماورا ہے۔وہ فی نفسہ کیا ہے، ہمیں معلوم نہیں۔صرف اتنی باتیں ہمیں معلوم ہو سکی ہیں جو خود اس نے بنی نوع انسان کو وحی کے ذریعے بتائیں۔

(بائبل سے قرآن تک جلد نمبر 1 ص 43 بحوالہ H.Maurice Retton: Studies in Christian Doctrine, 1960, P-3)

قدیم زمانے میں خدا کی نسبت ایسے خیال ظاہر کیے جاتے تھے کہ گویا وہ فقط صرف قوم اسرائیل کا ہی خدا ہے اور اسے دنیا کی اور اقوام کی کچھ پرواہ نہیں۔(ڈاکٹر پیٹرسن سمائتھ، بائبل کا الہام ص 168)

خدا باپ ہے۔(جی ٹی منیلی، ہماری کتب مقدسہ ص 436)

یسوع خدا کو سب انسانوں کا باپ نہیں کہتا کیونکہ بعضوں سے وہ یوں کہتا ہے کہ تم اپنے باپ ابلیس سے ہو۔(ایضاً ص:437)

خدا تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم

عیسائی حضرات عام طور پر ”خدا محبت ہے“ کا ذکر بڑے فخر سے کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسلام

کا خدا ڈرانے والا ہے اور مسلمانوں کو اس سے ڈرنے کا حکم ہے۔ مگر وہ بائبل کی تعلیمات بھول جاتے ہیں کہ وہاں بھی خدا سے ڈرنے کا ہی حکم ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

1۔ اور جس سے وہ ڈرتے ہیں تم نہ ڈرو اور نہ گھبراؤ۔ تم رب الافواج ہی کو مقدس جانو اور اسی سے ڈرو اور اسی سے خائف رہو۔ (یسعیاہ 8:12-13)

2۔ کاش ان میں ایسا ہی دل ہوتا کہ وہ میرا خوف مان کر ہمیشہ میرے سب حکموں پر عمل کرتے تاکہ سدا ان کا اور ان کی اولاد کا بھلا ہوتا۔ (استثنا 5:29)

3۔ پس اے اسرائیل! خداوند تیرا خدا تجھ سے اس کے سوا اور کیا چاہتا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو خوف مانے اور اس کی سب راہوں پر چلے اور اس سے محبت رکھے اور اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان سے خداوند اپنے خدا کی بندگی کرے۔ (استثنا: 10:12)

4۔ اور اس کا رحم ان پر جو اس سے ڈرتے ہیں پشت در پشت رہتا ہے۔ (لوقا: 1:50)

5۔ آؤ ہم اپنے آپ کو ہر طرح کی جسمانی اور روحانی آلودگی سے پاک کریں اور خدا کے خوف کے ساتھ پاکیزگی کو کمال تک پہنچائیں۔ (2۔ کرنتھیوں 7:1)

6۔ وہ وقت آ پہنچا ہے کہ...... جب تیرے بندوں، نبیوں اور مقدسوں اور ان چھوٹے بڑوں کو جو تیرے نام سے ڈرتے ہیں اجر دیا جائے گا۔ (مکاشفہ 11:18)

7۔ ڈرتے اور کانپتے ہوئے اپنی نجات کے کام کیے جاؤ۔ (فلپیوں کے نام: 2:12)

8۔ خداوند فرماتا ہے: کیا تم مجھ سے ڈرتے نہیں؟ کیا تم میرے حضور میں تھرتھراؤ گے نہیں؟

(یرمیاہ 5:22)

9۔ اے خداوند کون تجھ سے نہ ڈرے گا؟ اور کون تیرے نام کی تمجید نہ کرے گا؟ کیونکہ صرف تو ہی قدوس ہے۔ (مکاشفہ 15:14)

10۔ اس سے ڈرو جس کو اختیار ہے کہ قتل کرنے کے بعد جہنم میں ڈالے، ہاں میں تم سے کہتا ہوں اسی سے ڈرو۔ (لوقا 12:5)

11۔ خدا سے ڈرنے والوں کے چاروں طرف اس کا فرشتہ خیمہ زن ہوتا ہے اور ان کو بچاتا ہے۔ آزما کر دیکھو کہ خداوند کیسا مہربان ہے۔ (زبور 34:7-8)

عیسائی عقیدہ کے مطابق خدالاتبدیل نہیں

بعض واقعات کے ہونے پر خدا تعجب کرتا ہے کیونکہ بظاہر اسے پہلے سے علم نہ تھا (پیدائش 5:6 کیتھولک پچھتایا) (یرمیاہ 8:18-10 پچھتاؤں گا، کیتھولک) یرمیاہ 3:26، یوایل 13:2، یوناہ 2:4

خدا اپنے فضل سے بعض بندوں کو چن لیتا ہے اور یہ چناؤ بلا استحقاق ہوتا ہے (استثنا 6:7 مابعد، حزقی ایل 1:16 مابعد) چونکہ خدا حاکم کل ہے اس لیے اس کا پہلے سے چن لینا نجات کی ضمانت ہے (قاموس، ص 253) ماضی کے صیغے کے استعمال سے مراد اس حقیقت کا یقینی ہونا مراد ہے۔

(ص:253) (بحوالہ 2۔ تھسلنیکیوں 14:2)

بنی اسرائیل کو چننے میں خدا نے فی الحال دیگر قوموں کو نظر انداز کیا

(استثنا: 6:7، زبور 19:147 مابعد، عاموس 2:3، رومیوں 4:9، افسیوں 12:2 مابعد)

دیگر قوموں کو ایک ہزار سال سے زیادہ عرصہ کے لیے اپنے عہدے سے محروم رکھا اور وہ غضب کا نشانہ بنے رہے (عاموس 3:1، 11:2) مگر اب ہر قوم کو نوازا جا سکتا ہے۔ (زبور 4:65)

❀❀❀

بائبل میں نماز اور اس کے اوقات

رسول کریم ﷺ کی صداقت کے بے شمار دلائل میں سے ایک دلیل

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں بتایا گیا ہے کہ سیدنا جبریل علیہ السلام نے سیدنا رسول کریم علیہ السلام کو پانچوں نمازوں کے اوقات بتائے اور آخر میں فرمایا ''اے محمد ﷺ! یہی وقت ہے تجھ سے پہلے دوسرے انبیاء علیہم السلام کا۔'' (ابوداؤد، حدیث نمبر 393 کتاب الصلوۃ باب فی للمواقیت، اردو جلد نمبر 1 ص 190-191، بخاری 521، مسلم 1379، ابوداؤد 393، ترمذی 149، ابن ماجہ 667)

نبی امی ﷺ کی اس حدیث کی صداقت ملاحظہ فرمائیں کہ خود عیسائی عالم لکھتے ہیں ''ابتدائی عیسائیوں میں نماز کے پانچ مقررہ اوقات تھے۔

(Dictionary of Christioan Antiquities, vol-1, P-794, By Smith+ Cheetham (Murray London)

عیسائیوں میں بمعہ تہجد یہی پانچ نمازیں تھیں اور یہی وقت تھے جو مسلمانوں کے ہیں۔ قدیم صحف اور نئے عہد نامہ کے حوالے مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) وضو

اس کا ذکر خروج 30:40 تا 32 میں ہے۔ لکھا ہے ''جب جب وہ خیمہ اجتماع کے اندر داخل ہوتے اور جب جب وہ مذبح کے قریب جاتے تو اپنے آپ کو دھو کر جاتے تھے جیسا کہ خداوند نے موسیٰ کو حکم کیا تھا۔ (32:40)

پال بھی خود کو پاک کر کے ہیکل میں داخل ہوتا تھا۔ اعمال میں لکھا ہے ''اس پر پولس ان آدمیوں کو لیکر اور دوسرے دن اپنے آپ کو ان کے ساتھ پاک کر کے ہیکل میں داخل ہوا۔'' (اعمال 26:21)

(2) قبلہ کی طرف منہ کرنا

اور جب دانی ایل نے معلوم کیا کہ اس نوشتہ پر دستخط ہو گئے تو اپنے گھر میں آیا اور اس کی کوٹھڑی کا دریچہ یروشلم کی طرف کھلا تھا اور وہ دن میں تین مرتبہ حسب معمول گھٹنے ٹیک کر خدا کے

حضور دعا اور اس کی شکر گزاری کرتا رہا۔ (دانی ایل 10:6)

کو مقدس کی طرف منہ کرنا۔ (دانی ایل 20:9 صحیح ترجمہ بحوالہ قاموس الکتاب، ص:403)

میں نے خداوند کی طرف رخ کیا۔ (دانی ایل:9:3)

میں تیرا رعب مان کر تیری مقدس ہیکل کی طرف رخ کر کے سجدہ کروں گا۔ (زبور 7:5)

خداوند اپنی مقدس ہیکل میں ہے۔ (زبور 4:11)

جب میں تجھ سے فریاد کروں اور اپنے ہاتھ تیری مقدس ہیکل کی طرف اٹھاؤں تو میری منت کی آواز کو سن لے۔ (زبور 2:28)

تا کہ تو اس دعا کو سنے جو تیرا بندہ اس مقام کی طرف رخ کر کے تجھ سے کرے گا اور تو اپنے بندہ اور اپنی قوم اسرائیل کی مناجات کو جب وہ اس جگہ کی طرف رخ کر کے کریں سن لینا۔

(1۔سلاطین 8:29-30)

اور اس گھر کی طرف جسے میں نے تیرے نام سے بنایا ہے رخ کر کے دعا کریں۔ (ایضاً 44:8)

تا کہ تو اس دعا کو سنے جو تیرا بندہ اس مقام کی طرف رخ کر کے تجھ سے کرے گا۔

(2۔تواریخ 6:20,21)

یہ یاد رہے کہ پرانے عہد نامہ کے مطابق آسمان خدا تعالیٰ کی سکونت گاہ ہے۔

(1-سلاطین 8:30، 39,43,49 اور 2-تواریخ 21:6)

(3) نماز فجر

اور صبح ہی دن نکلنے سے بہت پہلے وہ اٹھ کر نکلا اور ایک ویران جگہ میں گیا اور وہاں دعا کی۔

(مرقس 35:1)

(4) نماز فجر۔نماز ظہر۔نماز مغرب

پر میں تو خدا کو پکاروں گا اور خداوند مجھے بچا لے گا۔صبح و شام اور دوپہر کو میں فریاد کروں گا اور کرتا رہوں گا اور وہ میری آواز سن لے گا۔ (زبور:15:16-17)

دوسرے دن جب وہ راہ میں تھے اور شہر کے نزدیک پہنچے تو پطرس دوپہر کے قریب کوٹھے پر دعا کرنے کو چڑھا۔ (اعمال:9:10)

(5) نمازعصر

اوران کورخصت کر کے پہاڑ پر دعا کرنے کو چلا گیا اور جب شام ہوئی تو کشتی جھیل کے بیچ میں تھی اور وہ اکیلا خشکی پر تھا۔ (مرقس 46:6)

پطرس اور یوحنا دعا کے وقت یعنی تیسرے پہر ہیکل کو جارہے تھے۔ (اعمال 1:3)

(6) نمازمغرب

زبور 55:16-17 کی عبارت میں مغرب سمیت تمام نمازوں کے اوقات کا ذکر ہے جیسا کہ اوپر نمبر 4 پر گزرا۔

(7) نمازعشاء

جب شام ہوئی تو وہ بارہ شاگردوں کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھا تھا......تم یہاں ٹھہرو اور میرے ساتھ جاگتے رہو۔ پھر ذرا آگے بڑھ کر اور منہ کے بل گر کر یوں دعا کی کہ...... جاگو اور دعا کرو۔ (متی 26:20،39 تا 41، مرقس 14:17،18،32 تا 35، لوقا 22:39)

لوقا 22:39 میں لکھا ہے "پھر وہ نکل کر اپنے دستور کے مطابق زیتون کے پہاڑ کو گیا، یعنی نماز عشاء پڑھنا حضرت یسوع کا معمول تھا۔

(8) شب بیداری

اور ان دنوں میں ایسا ہوا کہ وہ پہاڑ پر دعا کرنے کو نکلا اور خدا سے دعا کرنے میں ساری رات گزاری۔ (لوقا 12:6)

قاموس الکتاب کے مطابق حضرت مسیح نے اس نماز میں ہدایت مانگی تھی اور یہ ان کا معمول تھا۔

(قاموس الکتاب ص 404)

(9) قیام

اے خداوند کے بندو! آؤ سب خداوند کو مبارک کہو۔ تم جو رات کو خداوند کے گھر میں کھڑے رہتے ہو۔ مقدس کی طرف اپنے ہاتھ اٹھاؤ۔ (زبور 134:1-2)

تم جو خداوند کے گھر میں ہمارے خداوند کے گھر کی بارگاہوں میں کھڑے رہتے ہو۔ (زبور 135:2)

قیام کا ذکر (1۔سموئیل 26:1) میں بھی ہے۔

(10) رکوع

تب اس آدمی نے جھک کر خداوند کو سجدہ کیا۔(پیدائش 48,26:24)

یعنی پہلے رکوع اور پھر سجدہ کیا۔

اور ایلیاہ کرمل کی چوٹی پر چڑھ گیا اور زمین پر سرنگوں ہو کر اپنا منہ اپنے گھٹنوں کے بیچ کر لیا۔

(1۔سلاطین 42:18)

(11) سجدہ

اور خداوند اپنے خدا کو سجدہ کرنا۔(استثنا 10:26)

اس کے علاوہ خدا تعالیٰ کو سجدہ کرنے اور نماز میں سجدہ کرنے کے کئی حوالے ہیں ملاحظہ ہو کلید الکتاب (ص:907)

بائبل کے دور میں خدا کی عبادت کی صورتوں میں سجدہ، رکوع اور قیام شامل تھے۔

(One Volume Jewish Encyclopedia V.J.E, P-14)

(12) باجماعت عبادات

پھر داؤد نے ساری جماعت سے کہا اب خداوند خدا کو مبارک کہو۔تب ساری جماعت نے خداوند اپنے باپ دادا کے خدا کو مبارک کہا۔(1۔تواریخ 20:29) اور (زبور 1:134-2) اس کے علاوہ زبور 1:95 تا 7، 1:96 تا 10، 4:98، 1:100 تا 5 میں باجماعت نماز / عبادت کی ترغیب ہے۔باجماعت نماز کا ذکر زبور 25:22، 3:34، 18:35 میں بھی ہے۔مسیحی بھی اجتماعی عبادت میں شامل ہوتے تھے۔(لوقا 53:24) (اعمال 1:3) اور روزانہ شامل ہوتے تھے۔(اعمال 46:2)

(13) قاموس الکتاب کے مصنف لفظ عبادت کے تحت لکھتے ہیں

''پرانے عہد نامہ میں شخصی عبادت کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں لیکن زور باجماعت عبادت پر ہے ......لفظ عبادت کے معنی میں لکھتے ہیں کہ عبادت کے معنی خدا کی بندگی، پرستش، پوجا کرنا، نماز، دعا، صلوٰۃ ہیں......آگے لکھتے ہیں ''خیمہ اجتماع کی عبادتوں نے ایک بڑی باضابطہ اور پر تکلف شکل اختیار کر لی تھی...... نئے عہد نامہ کے زمانہ میں ہم عبادت خانہ اور ہیکل دونوں کی پرستش کا ذکر پاتے ہیں۔خداوند مسیح نے ان دونوں قسم کی عبادتوں میں بہ نفس نفیس حصہ لیا......شروع میں

مسیحیوں نے ہیکل کی عبادت کو نہیں چھوڑا۔ غالباً وہ کافی عرصہ تک یہودی عبادت خانوں میں بھی پرستش کرتے رہے۔ جب آخر کار یہودیت اور مسیحیت نے مختلف راستے اپنائے تو مسیحی کلیسانے یہودی عبادت خانوں کو تو چھوڑ دیا لیکن اپنی عبادت کو یہودی عبادت خانہ کی ترتیب کے مطابق ڈھالا۔ شروع شروع میں روزانہ عبادت کا ذکر بھی آتا ہے۔ (اعمال 46:2)

خداوند مسیح کے جی اٹھنے (ایسٹر) اور روح پاک کے نازل ہونے پنتیکست) کے دنوں کی سالانہ یادگار عبادتوں کا ذکر بھی نہیں ملتا۔ عبادت مقدسوں کے گھروں میں ہوتی تھی اور ظاہر ہے کہ اس میں کسی خاص خادم الدین کی ضرورت نہیں تھی۔

لفظ عبادت خانہ کے تحت لکھتے ہیں "روایت کے مطابق ہر اس گاؤں یا قصبہ میں جہاں دس یا اس سے زیادہ بالغ یہودی پائے جاتے تھے ایک عبادت خانے کا ہونا ضروری تھا تاکہ مذہبی تعلیم دینے کا بندوبست ہو سکے اور ہر شخص کو شریعت سے واقف کرایا جائے۔ (قاموس الکتاب، ص: 624-625)

(14) ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا

جب میں تجھ سے فریاد کروں اور اپنے ہاتھ تیری مقدس ہیکل کی طرف اٹھاؤں تو میری منت کی آواز کو سن لے۔ (زبور 2:28)

ہم اپنے ہاتھوں کے ساتھ دلوں کو بھی خدا کے حضور آسمان کی طرف اٹھائیں۔ (نوحہ 41:3)

(15) گھٹنے ٹیک کر ہاتھ اٹھانا

اور ایسا ہوا کہ جب سلیمان خداوند سے یہ سب مناجات کر چکا تو وہ خداوند کے مذبح کے سامنے سے جہاں وہ اپنے ہاتھ آسمان کی طرف پھیلائے ہوئے گھٹنے ٹیکے تھا اٹھا۔ (سلاطین 54:8)

اپنے گھٹنوں پر گر کر خداوند اپنے خدا کی طرف اپنے ہاتھ پھیلائے۔ (عزرا 5:9)

(16) نماز تہجد

تیری صداقت کے احکام کے لیے میں آدھی رات کو تیرا شکر کرنے کو اٹھوں گا۔ (زبور 62:119)

حتیٰ کہ پال بھی تہجد پڑھتا تھا چنانچہ لکھا ہے "آدھی رات کے قریب پال اور سیلاس دعا کر رہے تھے اور خدا کی حمد کے گیت گا رہے تھے۔ (اعمال 25:16)

یہودی نماز

(1) بائبل کے دور میں خدا کی عبادت کی صورتوں میں سجدہ، رکوع اور قیام شامل تھے۔

(V.J.E: One Volume Jewish Encyclopedia P-14)

(2) قدیم دور کے نیک لوگ نماز کے لیے تیار ہونے میں ایک گھنٹہ صرف کرتے تھے۔ عزرا کے حکم کے مطابق نماز سے فوراً پہلے تمام جسم کو بہت محتاط انداز میں پاک کرنا (وضو) لازم تھا۔ اس کو لازم تھا کہ وہ نماز کے لیے بہترین کپڑے پہنے۔ ربی حنّا سرخ رنگ کا کپڑا اوڑھتا تھا اور ایک اور ربی اپنے کندھوں پر چوغہ ڈالتا اور اپنے دونوں ہاتھ ادب سے باندھ لیتا جسے ایک غلام اپنے آقا کے سامنے کھڑا ہوتا ہے۔ (Jewish Encyclopedia, vol-10, P-168)

(3) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور سے حضرت عزیر علیہ السلام (عزرا) کے دور تک کم از کم ایک نماز کی پابندی تھی۔ (ایضاً جلد نمبر 10، ص:166)

عیسائی نماز

عیسائیوں میں پانچ نمازیں فرض ہونے کا حوالہ باب کے شروع میں گزر چکا اور یہودیوں کے ساتھ مل کر انہی کی طرح اجتماعی عبادت روزانہ کرنے کا ذکر اوپر نمبر 12 اور 13 پر گزرا۔ چرچ کی متروک کتابوں میں، جن کو چھپا دینے کا حکم دیا گیا، میں مندرجہ ذیل کتاب میں بھی شامل ہیں۔

(1) کتاب آداب نماز از پطرس

(2) آداب نماز از یوحنا

(3) آداب نماز از متی

(4) آداب نماز از یعقوب

(5) آداب نماز از مرقس

سرسید احمد خاں نے اپنی کتاب تبیین الکلام میں ان کا بھی ذکر کیا ہے۔

اسلامی نماز کی قرآنی بنیاد

(1) تکبیر: اور اپنے رب کی بڑائی کرو۔ (مدثر 3:74)

(2) قبلہ رخ ہونا: (بقرہ 144:2، 150,149) تم لوگ جہاں ہوا کرو نماز پڑھنے کے وقت اسی مسجد (حرام) کی طرف منہ کرلیا کرو۔

(3) قیام: خدا کے آگے باادب کھڑے رہا کرو۔ (بقرہ 238:2)

(4) ثناوفاتحہ: (طور 48:52، نصر 3:110 اور مزمل 20:73) اور حدیث **لاصلوۃ الابفاتحہ الکتاب** اپنے رب کی تعریف کے ساتھ تسبیح کیا کرو۔ (نصر 3:110)

(5) قرأت: (مزمل 20:73) جتنا آسانی سے ہوسکے اتنا (قرآن) پڑھ لیا کرو۔

(6) رکوع: (بقرہ 43:2) خدا کے آگے جھکنے والوں کے ساتھ جھکا کرو۔

(7) تسبیح رکوع: (واقعہ 74:56) فسبح باسم ربک العظیم۔ تو تم اپنے رب کے عظیم نام کی تسبیح کرو۔

(8) سجدہ: (علق 19:96، النجم 62:53) خدا کے آگے سجدہ کرو۔

(9) تسبیح سجدہ: (اعلیٰ 1:87) **فسبح اسم ربك الاعلیٰ**۔ اپنے رب کے اعلیٰ نام کی تسبیح کرو۔

(10) درود شریف: (احزاب 56:33) مومنو تم بھی نبی ﷺ پر درود وسلام بھیجا کرو۔

(11) نمازوں کے اوقات: پانچوں نمازیں (طٰہٰ 130:20) تہجد، فجر، عشاء طور 48:52-49۔ دھر 25:76-26)

سورج کے نکلنے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے، اپنے رب کی تسبیح وحمد کیا کرو اور رات کے اوقات میں بھی اس کی تسبیح کیا کرو اور ان کے اطراف میں بھی تاکہ تم خوش ہوجاؤ۔ (طٰہٰ 130:20)

زبور میں نماز، قربانی، حج بیت اللہ

آداب عبادت: ڈرتے ہوئے خدا کی عبادت کرو۔ (زبور 11:2)

قرآن مجید میں ہے اپنے رب کو عاجزی اور چپکے سے پکارو۔ (اعراف 55:7)

فجر کی نماز: میں خود صبح سویرے جاگ اٹھوں گا۔ (8:57)

اے خداوند تو صبح کو میری آواز سنے گا۔ میں سویرے ہی تجھ سے دعا کرکے انتظار کروں گا۔ (3:5)

پانچ نمازیں: صبح وشام اور دوپہر کو میں فریاد کروں گا اور کراہتا رہوں گا اور وہ میری آواز سن لے گا۔

(17:55)

تہجد: میں آدھی رات کو تیرا شکر ادا کرنے کو اٹھوں گا۔ (62:119)

پابندی وقت: ہر دیندار تجھ سے ایسے وقت میں دعا کرے جب تو مل سکتا ہے۔ (6:32)

زینت اختیار کرنا: پاک آرائش کے ساتھ خداوند کو سجدہ کرو۔(2:29)

روزے: روزے رکھ کر اپنی جان کو دکھ دیا۔(13:35)

بیت اللہ: خداوند اپنی مقدس ہیکل میں ہے۔(4:11)

اور کوہ صیّون کو جس پر تو نے سکونت کی ہے یاد کر(2:74)

صیّون میں خداوند مبارک ہو۔وہ یروشلم میں سکونت کرتا ہے۔(21:135)

خداوند کی ستائش کرو وہ صیون میں رہتا ہے۔(11:9)

قبلہ رخ ہونا اور باجماعت نماز پڑھنا: میں تیری مقدس ہیکل کی طرف رخ کر کے سجدہ کروں گا۔ (2:138)

میں تیرا رعب مان کر تیری مقدس ہیکل کی طرف رخ کر کے سجدہ کروں گا۔(7:5)

اور قوموں کے سب گھرانے تیرے حضور سجدہ کریں گے۔(27:22)

یارب سب قومیں جن کو تو نے بنایا آ کر تیرے حضور سجدہ کریں گی اور تیرے نام کی تمجید کریں گی۔ (9:86)

اعتکاف کرنا: میں نے خداوند سے درخواست کی ہے۔میں اسی کا طالب رہوں گا کہ میں عمر بھر خداوند کے گھر میں رہوں۔تاکہ خداوند کے جمال کو دیکھوں اور اس کی ہیکل میں استفسار کیا کروں۔(4:27)

طواف بیت اللہ: صیّون کے گرد پھرو اور اسکا طواف کرو۔ (12:48) اے خداوند میں تیرے مذبح کا طواف کروں گا۔(6:26) مذبح سے مراد قربان گاہ ہے۔

حج بیت اللہ: بڑے مجمع میں میری ثناء خوانی کا باعث تو ہی ہے۔میں اسے ڈرنے والوں کے روبرو اپنی نذریں ادا کروں گا۔حلیم کھائیں گے اور سیر ہوں گے۔خداوند کے طالب اس ستائش کریں گے۔تمہارا دل ابد تک زندہ ہے، ساری دنیا خداوند کو یاد کرے گی۔ (25:22 تا27)

قربانی کا گوشت اور خون خدا تک نہیں پہنچتا،"کیا میں سانڈوں کا گوشت کھاؤں گا یا بکروں کا خون پیئوں گا۔" (13:50)

بلکہ صرف تقویٰ پہنچتا ہے۔جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔(حج:22:37)

❁❁❁

بائبل کا قانونِ ہدایت وگمراہی

ہدایت وگمراہی کی خدا تعالیٰ کی طرف نسبت

1- وہ جس پر چاہتا ہے رحم کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے اسے سخت کر دیتا ہے۔(رومیوں 11:7-8,9:17,9:18)

2- بعض ہلاکت کے لیے تیار ہوئے۔(رومیوں 9:22)

3- میں اس کے (یعنی فرعون کے) دل کو سخت کر دوں گا۔(خروج 4:21)

4- میں فرعون کے دل کو سخت کر دوں گا۔(خروج 7:3)

5- فرعون کا دل سخت ہو گیا جیسا کہ خداوند نے کہا تھا۔(خروج 8:15,19)

6- میں نے اس کے دل کو اور اس کے نوکروں کے دل کو سخت کر دیا ہے۔(10:1)

7- خداوند نے فرعون کے دل کو سخت کر دیا۔(خروج 10:20,27، باب 11:10)

8- خداوند نے تم کو آج تک نہ تو ایسا دل دیا جو سمجھے اور نہ دیکھنے کی آنکھیں اور سننے کے کان دیئے۔(استثناء 29:4)

9- اسی کا حوالہ پال نے اپنے خط میں دیا ہے۔(رومیوں 11:8)

10- ایسی ہی آیت یسعیاہ 6:10 میں ہے۔

11- خداوند نے تم پر گہری نیند کی روح بھیجی ہے اور تمہاری آنکھوں یعنی نبیوں کو نابینا کر دیا ہے اور تمہارے سرداروں اور غیب بینوں پر حجاب ڈال دیا ہے۔(یسعیاہ 29:10)

12- اے خداوند تو نے ہم کو اپنی راہوں سے کیوں گمراہ کیا اور ہمارے دلوں کو سخت کیا کہ تجھ سے نہ ڈریں۔اپنے بندوں کی خاطر اپنی میراث کے قبائل کی خاطر باز آ۔(یسعیاہ 63:17)

13- اگر نبی فریب کھا کر کچھ کہے تو میں خداوند نے اس نبی کو فریب دیا۔(حزقی ایل 14:9)

14- خداوند نے فرمایا کون اخی اب کو بہکائے گا۔(سلاطین نمبر 1,22:20)

15- پھر بہکانے والی روح کی تصدیق بھی کی کہ تو اسے بہکا دے گی۔(ایضاً 22:22)

سو دیکھ خداوند نے تیرے ان سب نبیوں کے منہ میں جھوٹ بولنے والی روح ڈالی ہے

16- اور خداوند نے تیرے حق میں بدی کا حکم دیا ہے۔ (ایضاً 23:22)

17- اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نعوذ باللہ خدا خود آسمانی لشکر کے ساتھ میٹنگ کر کے لوگوں کو گمراہ کرنے کا کام کرتا ہے اور دوسرا یہ کہ میکایاہ نبی نے خدائی سکیم کا راز فاش کر دیا۔ (ایضاً 23:22)

18- اسی سبب سے خدا ان کے پاس گمراہ کرنے والی تاثیر بھیجے گا تا کہ وہ جھوٹ کو سچ جانے۔ (تھسلنیکیوں نمبر 2 باب 11:2)

اور جتنے لوگ حق کا یقین نہیں کرتے بلکہ ناراستی کو پسند کرتے ہیں وہ سب سزا پائیں۔

نوٹ: فریب کی تاثیر خود بھیج کر سزا دینا کہاں کا انصاف ہے؟

19- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول: اس وقت یسوع نے کہا اے باپ آسمان اور زمین کے خداوند میں تیری حمد کرتا ہوں کہ تو نے یہ باتیں داناؤں اور عقل مندوں سے چھپائیں اور بچوں پر ظاہر کیں۔ ہاں اے باپ کیونکہ ایسا ہی تجھے پسند آیا۔ (متی 26,25:11)

تقدیر

1- جو کچھ میرے لیے مقرر ہے وہ پورا کرتا ہے۔ (ایوب 14:23)

2- تا کہ ان کو وہ سزا دیں جو مرقوم ہے۔ (زبور 9:149)

3- اس نے ایک تقدیر مقرر کی، جو ٹل نہیں سکتی۔ (زبور 6:148، اردو ترجمہ 1870ء)

4- کوئی شخص میرے پاس نہیں آ سکتا جب تک باپ جس نے مجھے بھیجا ہے اسے کھینچ نہ لائے۔ (انجیل یوحنا 44:6)

5- اے بے حیا قوم جمع ہو! جمع ہو! اس سے پہلے کہ تقدیر الٰہی ظاہر ہو اور وہ دن بھس کی مانند جاتا ہے اور خداوند کا قہر شدید تم پر نازل ہو۔ (صفن یاہ 12:2)

6- کیونکہ ابن آدم تو جیسا اس کے واسطے مقرر ہے جاتا ہی ہے مگر اس پر افسوس ہے جس کے وسیلہ سے وہ پکڑوایا جاتا ہے۔ (لوقا 22:22)

خالق خیر و شر

خدا تعالیٰ سے منسوب ہے کہ وہ فرماتا ہے "سازندہ نور آفرینندہ تاریکی فم صلح دہندہ و ظاہر کنندہ شر منکہ

خداوندم ایں ہمہ اشیاء رابوجودمی آرم (فارسی ترجمہ 1838ء یسعیاہ 7:45)

آیا خیروشراز دھان خدا صادرنمی شود؟ (ایضاً مراثی یرمیاہ 38:3)

فَاِنَّ الشَّرَّنَزَلَ مِنْ قَبَلِ الرَّبِ الٰی بَابِ اورشلیم ۔(12:1 میکاہ عربی)

کتاب طریق الحیات میں 1847ء میں پادری فانڈر نے ص 87 پر لکھا کہ خدا تعالیٰ کے خالق شر ہونے سے لازم نہیں آتا کہ وہ شریر ہو بلکہ کسب کرنے والا جو شر کے ساتھ متصف ہے، وہ شریر ہوگا۔شر کے پیدا کرنے میں حکمت ویسی ہی ہے جیسی شیطان کے پیدا کرنے میں اسی طرح آدمیوں کے اندر شہوت اور حرص پیدا کرنے میں اور فرعون اور قاتلین مسیح علیہ السلام کو قوت اور دولت دینے میں حکمت ہے اگر چہ اس کی وجہ ہم کو اچھی طرح معلوم نہ ہو۔اسی پادری نے ص 89 پر لکھا اگر تو پوچھے کہ کیا خدا شیطان کو شریر ہونے سے روک نہیں سکتا تھا؟ اور کیوں نہ روکا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر خدا چاہتا کہ شیطان و آدم علیہ السلام کو گناہ اور شر سے روکے تو البتہ یہ بات اس کی قدرت کاملہ سے مشکل نہ تھی اور وہ اپنی بے انتہاء حکمت کی راہ سے ہوگا جو خدا نے شیطان اور آدم کو گناہ سے نہ روکا۔پھر لکھتے ہیں کہ وہ حکمت الٰہی جو شر کو نہ روکنے میں ہے اس دنیا میں صرف ایمان دار اور پاک لوگوں پر ظاہر و آشکارا ہوگی۔(ازالۃ الشکوک جلد نمبر 1 ص 145-144)

قانون ہدایت

جن شہروں میں یسوع علیہ السلام نے معجزے دکھائے اور وہاں کے لوگ ایمان نہ لائے تو آپ نے ان لوگوں کے حق میں لعن ونفرین کی اور کہا: اے باپ! آسمان اور زمین کے مالک میں تیرا شکر کرتا ہوں کہ تو نے ان چیزوں کو حکیموں اور عاقلوں سے چھپایا اور لڑکوں پر ظاہر کیا۔(متی 25:11)

لوقا میں اس کے بعد یہ لکھا ہے: ”ہاں بَاپ ایسا ہونے میں تیری رضا مندی تھی۔“ (لوقا 21:10)

❀❀❀

اجتماع ضدین۔تضادات بائبل

حصہ اول۔مذہبی احکام

1۔ خدا اپنے کاموں سے خوش ہوا۔(پیدائش:31/1)
ناخوش ہوا۔(پیدائش:6/6)

2۔ خدا عمدہ ہیکلوں میں رہتا ہے۔(2-تواریخ16:7،زبور1:84،5:132)
نہیں رہتا اعمال۔(48/7)

3۔ خدا روشنی میں رہتا ہے۔(طمطاؤس نمبر1،16/6)
اندھیرے میں رہتا ہے۔(سلاطین نمبر1،12/8+زبور11/18+2/97)

4۔ خدا دکھائی دیتا اور بولتا ہے۔(خروج23/33،خروج11/33،30/32،خروج10:24)
خدا دکھائی نہیں دیتا۔(یوحنا18/1،37/5،خروج20/33،طمطاؤس نمبر1،16/6)

5۔ خدا تھک جاتا اور آرام کرتا ہے۔(خروج11:20،17/31،یرمیاہ6/15)
نہیں تھکتا۔(یسعیاہ28/40)

6۔ خدا حاضر و ناظر ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔(امثال3/15،زبور139/7-10،ایوب21/34)
خدا حاضر و ناظر نہیں ہے۔(پیدائش1/11 تا5،18/20-21)

7۔ خدا دلوں کا حال جانتا ہے۔(زبور21/44)
خدا دلوں کا حال جاننے کے لیے انہیں آزماتا ہے۔(استثنا3/13،2/8،پیدائش12/22)

8۔ خدا قادر مطلق ہے۔(یرمیاہ17/32-27)
قادر مطلق نہیں ہے۔(قضاۃ19/1)

9۔ خدا غیر متغیر ہے۔(یعقوب کا عام خط17/1،ملاکی6/3،گنتی19/23)
خدا متغیر ہے۔(سموئیل نمبر2,1/30-31،2-سلاطین1/20-4-5-6،خروج1/33-3-14-17)

10۔ خدا مصنف اور بے رعایت ہے۔(زبور 15/92، پیدائش 25/18،استثنا 10/17، 4/32،رومیوں 11/2)

خدا طرف داری کرتا ہے۔(رومیوں 9/13-11،متی 12/13،سموئیل نمبر 2، 17/24)

11۔ خدا شر کا خالق نہیں۔(قرنتیوں نمبر 1، 33:14،یعقوب 13/1)

خدا شر کا خالق ہے۔(نوحہ 3/38،یرمیاہ 11/18،یسعیاہ 7/45،عاموس 6/3)

12۔ خدا سے جو کوئی جو کچھ مانگتا ہے پاتا ہے۔(یعقوب 5/1،لوقا 10/11)

اپنی برکت سے باز رکھتا ہے اور نہ ملنے کی کوشش کرتا ہے۔(یوحنا 12/40،یسعیاہ 17/63)

13۔ جو خدا کو ڈھونڈتے ہیں پاتے ہیں۔(متی 8:7)

نہیں پاتا۔(یسعیاہ 15/1:1)

14۔ خدا امن کرنے والا ہے۔(رومیوں 15/33،قرنتیوں 33/14)

خدا جنگی ہے۔(خروج 15/3،زبور 1/144)

15۔ خدا مہربان، رحیم اور نیک ہے۔

(نوحہ 3/32،یعقوب 5/11،تواریخ نمبر 1، 16/34،حزقی ایل 18/32،زبور 8:34)

خدا بے رحم، ظالم، تباہ کار اور تند خو ہے۔

(یرمیاہ 13/14،استثناء 7/16،سموئیل نمبر 1، 15/2-3، 6/19،استثناء 4/24،یشوع 10/11+نوحہ 2:5، 21، 3:42-43)

16۔ خدا کا غصہ کم ہے اور تھوڑی دیر رہتا ہے۔(زبور:5/30)

غصہ تیز اور دیرپا ہے۔(گنتی 13/32، 4/25،یرمیاہ 4/17،زبور 11/7)

17۔ خدا سوختنی قربانیوں سے خوش ہوتا ہے، حکم دیتا ہے۔قبول کرتا ہے۔

(احبار 27/23خروج 18/29،احبار 9/1)

خدا سوختنی قربانیوں سے خوش نہیں ہوتا۔(زبور:50/13-14، 16:51)

18۔ انسان کی قربانی منع ہے۔(استثنا:12/30-31)

خدا انسان کی قربانی کا حکم دیتا ہے۔

(احبار 27/28-29،سموئیل نمبر 2، 21/8-9-14،پیدائش 22/2،قضاۃ 11/30-31-34-38-39)

19۔ خدا کسی کو نہیں آزماتا۔(یعقوب 13/1)

خدا آدمی کو آزماتا ہے۔(پیدائش 1/22)

اخلاق وتہذیب کے متعلق پند ونصائح، تضادات بائبل

20۔ چوری جائز۔(خروج 12/35-36، ممنوع خروج 15/20، احبار 13/19)

21۔ جھوٹ جائز اور پسندیدہ۔

(1۔سیموایل 16/2 تا 5، یشوع 4/2 تا 6، یعقوب 25/2، سلاطین اول 22/21-22، رومیوں 7/3، قرنتیوں نمبر 2، 16/12)

جھوٹ منع۔(خروج 16/20، امثال 22/12، مکاشفہ 8/21)

22۔ خدا قتل کا حکم دیتا اور جائز رکھتا ہے۔(خروج 27/32۔2-سلاطین 10/11 تا 30)

قتل منع۔(خروج 13/20)

23۔ قتل کا بدلہ لیا جائے گا۔(پیدائش 9/5-6)

نہیں لیا جائے گا۔(پیدائش 15:4)

24۔ بت بنانے کا حکم۔(خروج 25/18-20)

بت بنانا منع ہے۔(خروج: 4:20)

25۔ غلام بنانا جائز ہے۔(پیدائش 25:9، احبار 25/45-46، یوایل 8/3)

غلام بنانا منع ہے۔(خروج 16/21)

26۔ سبت کے دن کام کرنا منع۔(خروج 15/31، گنتی 15/32-36)

مسیح علیہ السلام نے خود کیا۔(یوحنا 16/5، متی 10:12 تا 13)

27۔ بپتسمہ دینا جائز ہے۔(متی: 19/28)

جائز نہیں۔(قرنتیوں، اول: 17/1)

28۔ ہر جانور کا گوشت جائز ہے۔(قرنتیوں اول 25/10، پیدائش 3/9)

جائز نہیں۔(استثنا 14/7-8)

29۔ قسم کھانا جائز۔(گنتی 2/30، یسعیاہ 16/65، پیدائش 21/23-24-31، عبرانیوں 16/6)

30۔ قسم کھانا جائز نہیں۔(متی 5/34-35)

31۔ شادی کرنا اچھا ہے۔(پیدائش 18/2، 28:1، عبرانیوں 4/13)

اچھا نہیں ہے۔(1۔کرنتھیوں 1:7، 27:7 تا 37)

32۔ طلاق دینا جائز ہے۔(استثناء24/1،2/10-14)

طلاق دینا ناجائز ہے۔(متی 19:8-9)

33۔ زنا کاری جائز ہے۔(ہوسیع 1 تا 3)

زنا ناجائز ہے۔(خروج 20/14)

34۔ بہن کے ساتھ جماع ناجائز ہے۔(استثنا 27/22،احبار 20/17)

بہن سے شادی جائز ہے۔(پیدائش 20/11-13،17:15-16)

35۔ بھابی کے ساتھ شادی جائز ہے۔(نیوگ)(استثنا 25/5)

ناجائز ہے۔(احبار:20/21)

36۔ رشتہ داروں سے نفرت کرنا چاہیے۔(لوقا 14/26)

رشتہ داروں سے نفرت نہ کرے۔(افسیوں 6/2،یوحنا کا خط اول 3/15)

37۔ شراب پینا جائز ہے۔(امثال 31:6-7،زبور 104/15،استثنا 14:26)

شراب منع ہے۔(امثال 20/1،33:32،افسیوں 5:18)

38۔ حاکموں کی فرماں برداری لازم ہے۔(رومیوں 13/1-2،پطرس اول 2/13-14)

لازم نہیں۔(دانیال 3/18-19،دانیال 6:6 تا 10،اعمال 4/29)

39۔ روح القدس کے خلاف گناہ معاف نہیں ہوتا۔(مرقس 3:29،متی 12:32)

ہر گناہ معاف ہوتا ہے۔(اعمال 13/39)

تواریخی واقعات

42۔ انسان حیوانات کے بعد پیدا کیا گیا۔(پیدائش 1/25 تا 27)

پہلے پیدا کیا گیا۔(پیدائش 2/19)

43۔ کشتی نوح میں 7/7 جانور۔(پیدائش 7/1-2-5)

ایک ایک جوڑا۔(پیدائش 7/8-9)

44۔ فرعون کا دل خدا نے سخت کیا۔(خروج 4/21,9/12)

اس نے خود سخت کیا۔(خروج 8/15)

45۔ یوحنا علیہ السلام نے مسیح علیہ السلام کو پہچانا۔(متی 14:3)

نہیں پہچانا۔(متی 11/2-3)

46 ۔ یوحنا علیہ السلام الیاس علیہ السلام تھے۔(متی 14/11)

الیاس علیہ السلام نہیں تھے۔(یوحنا 21/1)

47۔ حضرت مریم کا سسر یعقوب تھا۔(متی 16/1)

عیلی تھا۔(لوقا 23/3)

48۔ سلح کا باپ ارفکسد تھا۔(پیدائش 12/11)

قینان تھا۔(لوقا 35/3)

49۔ شاگردوں کو لاٹھی اور جوتی پاس رکھنے کی اجازت تھی۔(مرقس 6/8-9)

نہیں تھی۔(متی 10/9-10)

50۔ دواندھوں نے دعا مانگی۔(متی 30/20)

ایک اندھے نے۔(لوقا 35:18)

51۔ قبروں سے دو آدمی ملے۔(متی 28/8)

ایک آدمی کا ملا۔(مرقس 5/1-2).

52۔ صوبہ دار نے التجا کی۔(متی 8/5-6)

ایلچی نے کی۔(لوقا 7/1-4)

53۔ مسیح علیہ السلام کو صلیب تیسرے گھنٹہ میں مل گئی۔(مرقس 25/15)

چھٹے گھنٹہ میں۔(یوحنا 19/12-14)

54۔ دو چوروں نے طعنہ دیا۔(متی 38:27تا44،مرقس 27:15تا32)

ایک چور نے۔(لوقا 23/39-40)

55۔ مسیح علیہ السلام کو سرکہ دیا۔(متی 48/27)

شراب دی۔(مرقس 23/15)

56۔ یہودا میں شیطان کھانا کھانے کے وقت داخل ہوا۔(یوحنا 27/13)

پہلے داخل ہوا۔(لوقا 22/3-4-7)

57۔ یہودا نے 30 چاندی کے سکے لوٹا دیئے۔ (متی 3/27)

کھیت خریدا۔ (اعمال 18/1)

58۔ یہودا نے خود کو پھانسی دی۔ (متی 5/27)

نہیں دی۔ (اعمال 18/1)

59۔ یہودا نے کھیت خریدا۔ (اعمال 18/1)

سردار کاہنوں نے خریدا۔ (متی 7-6/27)

60۔ ایک عورت قبر پر آئی۔ (یوحنا 1/20)

دو عورتیں آئیں۔ (متی 1/28)

تین عورتیں آئیں۔ (مرقس 1/16)

زیادہ عورتیں۔ (لوقا 10-1/24)

اندھیرے میں آئیں۔ (یوحنا 1/20)

61۔ قبر پر دو فرشتے کھڑے تھے۔ (لوقا 4/24)

ایک فرشتہ بیٹھا تھا۔ (متی 5-2/28)

62۔ قبر میں دو فرشتے تھے۔ (یوحنا 11/20)

ایک فرشتہ بیٹھا تھا۔ (مرقس 5/16)

قبر کے باہر تھا ایک فرشتہ۔ (متی 2/28)

63۔ عورتیں شاگردوں کو خبر دینے دوڑیں۔ (متی 8/28)

سب 11 شاگردوں اور باقیوں کو خبر دی۔ (لوقا 9/24)

کسی کو خبر نہیں دی۔ (مرقس 8/16)

64۔ پطرس اور یوحنا فرشتوں کے آنے سے پہلے قبر پر گئے۔ (یوحنا 12-10-6-3/20)

فرشتوں کے بعد صرف ایک شاگرد آیا پطرس۔ (لوقا 12-8-4/24)

65۔ مسیح علیہ السلام صرف مریم مگدلینی کو ملا۔ (مرقس 9/16)

دونوں مریم کو ملا۔ (متی 9/28)

دونوں میں سے کسی کو نہ ملا۔ (لوقا 11-1/24)

66- مسیح تین دن رات قبر میں رہے گا۔(متی 40/12)
ایک دن دو رات رہا۔(مرقس 6/16)

67- مسیح گلیل میں نظر آئے۔(متی 7:28)
یروشلم میں نظر آئے۔(لوقا 49:24)

68- مسیح پہلے 11 شاگردوں کو کمرے میں ملے۔(لوقا 33:24 تا 37)
پہاڑ پر ملے۔(متی 28/16-17)

69- رفع مسیح علیہ السلام زیتون کے پہاڑ سے ہوا۔(اعمال 8/1 تا 12)
بیت عنیاہ سے ہوا۔(لوقا 24/50-51)
دونوں سے نہیں۔(مرقس 19/16)

70- پولوس کے نوکروں نے آواز سنی۔(اعمال 7/9)
نہیں سنی۔(اعمال 9/22)

71- ابراہام علیہ السلام کنعان گئے۔(پیدائش 5/12)
نامعلوم جگہ گئے۔(عبرانیوں 8/11)

72- میکل بے اولاد مری۔(سیموئیل نمبر 2، 23/6)
5 بچے تھے۔(سیموئیل نمبر 2، 8/21)

73- مردم شماری خدا کے الہام پر۔(سیموئیل نمبر 2، 1:24)
شیطان کے الہام پر۔(تواریخ اول 1/21)

74- داؤد علیہ السلام نے مردم شماری کر کے گناہ کیا۔(سیموئیل نمبر 2، 10/24)
سوائے متی کی بیوی کے کوئی گناہ نہیں کیا۔(سلاطین نمبر 1، 5/15)

75- داؤد علیہ السلام نے 40 ہزار سوار قتل کئے۔(2- سموئیل 18/10)
40 ہزار پیدل قتل کئے۔(تواریخ اول 18/19)

76- داؤد علیہ السلام نے کھلیان 50 مثقال چاندی سے خریدا۔(2- سموئیل 24/24)
600 مثقال سونے سے خریدا۔(تواریخ اول 25/21)

77- داؤد علیہ السلام نے جاتی جولیت کو قتل کیا۔(سیموئیل نمبر 1، 17/4-5، 50-51)

لحنان نے جاتی جولیت کو مارا۔ (سیموئیل نمبر 2، 19/21)

خیالی اصول۔ عقائد

81۔ مسیح علیہ السلام خدا کے برابر ہے۔ (یوحنا 30/10، فلپیوں 6/2)

برابر نہیں۔ (متی 36/24، یوحنا 28:14)

82۔ مسیح علیہ السلام عدالت کرتے ہیں۔ (یوحنا 22/5)

میں کسی کی عدالت نہیں کرتا۔ (یوحنا 15/8-47/12)

83۔ مسیح علیہ السلام قادر مطلق تھے۔ (متی 18/28، یوحنا 35/3)

نہیں تھے۔ معجزہ نہ دکھا سکے۔ (مرقس 5/6)

84۔ شریعت ختم۔ (رومیوں 6/7)

ختم نہیں ہوگی۔ (متی 17/5 تا 19)

85۔ مسیح علیہ السلام امن کے لیے آئے تھے۔ (لوقا 13/2-14، 76/1-79)

جنگ کے لیے آئے۔ (متی 34/10)

86۔ مسیح علیہ السلام: میں انسان سے گواہی نہیں لیتا۔ (یوحنا 33/5-34)

گواہی دو۔ (یوحنا 27/15)

87۔ مسیح علیہ السلام: میں اپنے آپ پر گواہی دیتا ہوں۔ (یوحنا 18/8)

میری گواہی سچ نہیں اگر اپنے آپ پر دوں۔ (یوحنا 31/5)

88۔ مسیح علیہ السلام کا قتل شرعاً واجب تھا۔ (یوحنا 7/19)

واجب نہ تھا۔ (یوحنا 31/18)

89۔ اولاد کو ماں باپ کے گناہوں کی سزا چوتھی پشت تک دی جائے گی۔ (خروج 5/20، استثنا 9:5)

سزا نہیں دی جائے گی۔ (حزقیل 20/18، استثناء 16/24)

90۔ آدمی صرف ایمان سے راست باز ہوتا ہے۔ (رومیوں 20/3، 2:4، گلتیوں 16/2-6/3-12)

صرف ایمان نہیں اعمال سے راست باز۔ (یعقوب 21:2 تا 24)

91۔ خدا کی پناہ سے الگ ہونا ناممکن ہے۔ (یوحنا 28/10، رومیوں 39:8)

ممکن ہے۔(حزقیل 24/18،عبرانیوں 4:6،پطرس نمبر 2،2/20-21)

92۔ گناہ سے پاک کوئی نہیں۔(امثال 9/20،رومیوں 10/3،وعظ 20/7)

عیسائی بے گناہ ہیں۔(یوحنا نمبر 1،6:3)

93۔ مردے جی اٹھیں گے۔(قرنتیوں نمبر 1،52/15،مکاشفہ 12/20،یوحنا 28/5-29)

مردے نہیں اٹھیں گے۔(ایوب 14:14،9/7،وعظ 5/6،یسعیاہ 14/26)

94۔ سزا وجزا اسی دنیا میں مل جاتی ہے۔(امثال 31/11)

عاقبت میں ملے گی۔(متی 27/16،قرنتیوں نمبر 2،10/5)

95۔ مرنے کے بعد دائمی آرام ہے۔(وعظ 10/9،وعظ 19/3 تا 22،ایوب 11:3 تا 19)

دائمی عذاب۔(متی 46/25،مکاشفہ 10/20 تا 15،11/14،دانیال 2/12)

96۔ زمین فنا ہو جائے گی۔(پطرس نمبر 2،10/3،مکاشفہ 11/20

فنا نہیں ہوگی۔(وعظ 4/1،زبور 5:104)

97۔ نیکوں پر کوئی مصیبت نہیں آتی۔(امثال 21/12،پطرس اول 13/3)

آتی ہے۔(عبرانیوں 6/12،ایوب 7/2-8)

98۔ نیک ابد تک محفوظ رہیں گے۔(زبور 28:37 تا 37،1/1-3،پیدائش 10/39)

ان پر مصیبتیں آتی ہیں۔(عبرانیوں 37/11-38،مکاشفہ 14/7،طمطاؤس نمبر 2،12/3،لوقا 17/21)

99۔ دنیا میں نعمتیں نیکی کا صلہ ہیں۔(مرقس 30/10-39،زبور 25/37+1/122-4،ایوب 23/22،امثال 6/15)

100۔ دنیا میں نیکی راست بازی کا صلہ نہیں بلکہ عاقبت میں سدراہ ہیں۔

(لوقا 20/6 متی 19/6-21،لوقا 22/16-24/6،متی 24/19)

101۔ عیسائی مذہب کا جواء ہلکا ہے۔(متی 28/11-30)

بھاری ہے۔(یوحنا 33/16،عبرانیوں 6/12 تا 8،طمطاؤس نمبر 2،2 تا 3)

102۔ خدا کی روح کا پھل پیار اور پرہیزگاری ہے۔(گلتیوں 22/5-23)

غصہ اور بدلہ لینا ہے۔(قاضیوں 14/15-15)

103۔ شریر لوگ عمر درازی اور ترقی پاتے ہیں۔(ایوب 7:21 تا 9،زبور 14:17،3:73 تا 5،وعظ 15/7 یرمیاہ 1/12-2)

شریر لوگ عمر درازی اور ترقی نہیں پاتے۔

(ایوب 18/5-12-18-19، زبور 55/23، امثال 10/27، ایوب 36/12، وعظ 7/17)

104۔حکمت خوشی کا ذریعہ ہے۔(امثال 3/12 تا 17)

دکھ کا باعث ہے۔(واعظ 1/17)

105۔نیک نامی ایک برکت ہے۔(امثال 22/1، واعظ 7/1)

لعنت ہے۔(لوقا 6/26)

106۔ہنسنا اچھی بات ہے اور جائز ہے۔(واعظ 3/4، 8/15، امثال 17/22)

بری بات ہے۔(لوقا 6/25، وعظ 7/3-4)

107۔موسیٰ علیہ السلام سب سے زیادہ حلیم تھے۔(گنتی 12/3)

بہت ظالم تھے۔(گنتی 31/15 تا 19)

108۔ایلیا علیہ السلام آسمان پر چلے گئے۔(سلاطین نمبر 2، 2/1 تا 11)

سوائے مسیح علیہ السلام کے کوئی نہیں گیا۔(یوحنا 3:13)

109۔تمام انجیلیں الہامی ہیں۔(طمطاؤس نمبر 2، 3/16)

سب الہامی نہیں ہیں۔(قرنتیوں نمبر 1، 7:6، 25، 26، 40، قرنتیوں نمبر 2، 8:10، 11/17)

110۔غریبی خدا کی عنایت ہے۔(لوقا 6:20، یعقوب 2:5)

امیری خدا کی عنایت ہے۔(امثال 10:15، ایوب 22:23-24، 42:12)

امیری اور غریبی دونوں بری ہیں۔(امثال 30:8-9)

❁❁❁

تنقید عالیہ
Higher Criticism

پادری کینن ڈائی سن اس کا تعارف یوں کراتے ہیں:۔

بائبل میں شامل کتابوں کے تاریخی ابتداء، لکھے جانے کی تاریخ (وقت) اوراس کے مصنفین اس دور کے حالات اور مقاصدِ تصنیف کے بارے میں تحقیق کو تنقید عالیہ کہتے ہیں۔ اس کو تکنیکی زبان میں Introduction کہا جاتا ہے۔ یہ علوم بائبل کی قابل قدر شاخ ہے اوراس کی تشریح میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔اس کی تحقیقات کے ذریعے الہامی کتابوں پر بہت زیادہ روشنی پڑتی ہے۔یہ زیادہ تر پرانے عہد نامہ سے متعلق ہے۔قابل تحسین ہے اوراس کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔

تنقید سافلہ Lower Criticism

الفاظ بائبل کے بارے میں تحقیق کہ کیا یہی الہامی الفاظ تھے، آج کل اسکو Textual Criticism یعنی تنقید متن کہتے ہیں۔

تنقید عالیہ کو انکارِ بائبل کے مترادف کیوں سمجھا جاتا ہے؟

نقاد کا کام عموماً تقدس کی روح سے عاری، سائنسی روح کے خلاف اور فضیلت مسیحی کے بغیر ہوتا ہے لہٰذا اس کو بائبل پر حملہ کے مترادف سمجھا جاتا ہے،لیکن ہارن کا کام ایسا نہیں ہے، بلکہ اس کا کام تعمیری ہے، تخریبی نہیں۔اس نے بائبل پراعتقاد کو مضبوط کیا ہے۔وہ عقلیت پسند نہیں تھا۔

موضوعی نتائج (Subjective Conclusions)

ایک مفکر آدمی پر لازم ہے کہ وہ ایمانداری سے یہ سمجھے کہ بائبل ادبی لحاظ سے لاثانی ہے لہٰذا ادبی تنقید کے عام اصول اس کی درست تشریح میں لازماً ناکام رہیں گے۔ جرمن لوگوں کی تنقید شرانگیز ہے۔

اس تحریک کی ابتداء

ابتدا نامعلوم ہے لیکن اس کے تین بڑے ادوار ہیں۔ (1) فرانسیسی، ڈچ (ولندیزی) (ہالینڈ) (2) جرمن (3) برطانوی اور امریکی۔ 1521ء میں پہلی دفعہ موجودہ نظریات پیش کیے گئے اور پھر یشوع کی کتاب پر تبصرہ 1574ء میں بلجیئم میں شائع ہوا۔ ہالینڈ (نیدرلینڈ) کے سپائی نوزا نے 1670ء میں تورات کے زمانہ تصنیف پر اعتراض کرتے ہوئے اسے موسیٰ علیہ السلام کی بجائے عزیر علیہ السلام یا ان کے بعد کسی کی تصنیف بتایا۔ وہ ان سب کا سرغنہ تھا اور اس کے نقش قدم پر برطانوی ہوبز چلا۔ اس نے تورات کے موسوی تصنیف ہونے کا انکار کر دیا۔ اس کے بعد فرانسیسی پادری رچرڈ سائمن آف ڈاپی نے پرانے عہدنامہ میں مختلف اسلوبوں کی نشاندہی کرتے ہوئے اس کو مختلف مصنفین کی تصنیف قرار دیا جس میں زمانے لگے۔ ایک ولندیزی کلیرکس پالی کلرک نے زیادہ انقلابی خیالات پیش کیے۔ اس نے کہا کہ تورات بابل سے لائے جانے والے کاہن نے 678ء قبل مسیح میں تصنیف کی تھی جس کا ذکر سلاطین نمبر 2 باب 24:17 تا 28 میں ہے اور یہ کہ تورات جلاوطنی کے دور میں لکھی گئی۔

1753ء میں ایک فرانسیسی آسٹرک جو کہ طبیب تھا اور اس کی شہرت اباحیت پسند کی تھی، اس نے لکھا کہ یہوواہ اور الوہیم کے نام ہی اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ تورات مختلف کتابیں تھیں۔ اس نے کتاب پیدائش کے الہامی ہونے سے انکار کیا کہ اس میں فضول تکرار، بے ربطی اور تضاد ہے۔

جرمن دور

اگلا دور جرمن تھا۔ مشرقی علوم کے استاد آئیک ہارن نے پرانے عہدنامہ کے بارے میں تنقید 1780ء میں شائع کی اور لکھا کہ تورات (نعوذ باللہ) ٹکڑوں کا ڈھیر ہے جو کسی نے لاپرواہی سے جوڑ دیا ہے۔ 1806ء میں ڈی ویٹ، جو ہائیڈن برگ میں فلسفہ اور دینیات کا پروفیسر تھا، نے آئیک ہارن کے خیالات کی تائید میں ایک کتاب شائع کی جس کے دس سالوں میں 6 ایڈیشن بک گئے۔ اس نے لکھا کہ کتاب استثناء یرسیاہ بادشاہ کے عہد میں لکھی گئی۔ (سلاطین نمبر 2 باب 8:22) (اس باب میں خلقیاہ کاہن کو تورات ملنے کا ذکر ہے) ویٹک اور لیوپولڈ جارج (دونوں ولندیزی ہیں) نے بلا جھجک یہ اعلان کر دیا کہ بائبل کی پہلی 4 کتابیں موسیٰ علیہ السلام اور انبیاء علیہم السلام کے ادوار کے بعد لکھی گئیں۔ ان کے بعد بلیک آیا (Bleek) پھر ای والڈ آیا جس نے

شفافیت کا نظریہ پیش کیا۔ پھر 1853ء میں ہپ فیلڈ نے کہا کہ اصل کتاب آزادانہ تالیف تھی۔ پھر گراف نے 1866ء میں ایک کتاب لکھی جس میں اس نے یہوواہ اور الوہیم کے نظریہ کی وکالت کرتے ہوئے لکھا کہ پرانا عہد نامہ دور موسوی کے سینکڑوں سال بعد لکھا گیا۔ گراف ریوس کا شاگرد تھا جو سپائی نوزا کے مفروضے کا حامی تھا کہ تورات (عزرا) عزیر علیہ السلام کی تصنیف ہے۔

ان سب کے بعد سب سے موثر لکھنے والے کا دور آیا۔ کیونین جولیڈن (ہالینڈ) کا تھا۔ اس نے تورات کے پہلے 6 ابواب پر جو کام کیا اس کی اشاعت کے لیے ترتیب 1865ء ہیں کولن سونے کی۔ کیونین عقلیت پسند گروہ کا سب سے سرگرم نمائندہ تھا۔ اس کے بعد آخری مگر کم تر نہیں، جولیس ویل ہاسن تھا جو جرمنی میں دینیات کا پروفیسر تھا۔ اس نے اپنی کتاب تاریخ اسرائیل کے نام سے 1878ء میں شائع کی۔

یہ سب لوگ جرمن تھے اور ان میں سے زیادہ تر فلسفہ اور دینیات کے پروفیسر تھے۔

برطانوی اور امریکی نقاد

تیسرا دور برطانوی امریکی تھا۔ مشہور ناموں میں ڈاکٹر سیموئیل ڈیوڈسن ہے جس کی کتاب پرانے عہد نامہ کا تعارف (تنقید) 1862ء میں شائع ہوئی۔ اس کے خیالات کی بنیاد جرمن عقلیت پسندوں کے مغالطوں پر ہے۔ اس نے باؤر سے بہت کچھ مستعار لیا۔ اس کے بعد سکاٹ لینڈ کا ڈاکٹر رابرٹسن سمتھ جس کی کتاب پہلی دفعہ 1881ء میں شائع ہوئی۔ پھر موجودہ دور کا سب سے با اثر لیڈر جارج آدم سمتھ ہے جس کی کتاب کا نام جدید تنقید اور عہد نامہ عتیق کی تعلیمات ہے۔

ڈاکٹر ایس آر ڈرائیور جو کہ آکسفورڈ میں عبرانی کا پروفیسر ہے اس نے ادب عتیق کا تعارف نامی کتاب لکھی ہے، اس کا کام بہت قیمتی ہے، ہاتھ اس کا ہے مگر آواز کیونین یا ویل ہاسن (wellhausen) کی ہے۔

تیسرا جانا پہچانا نام ڈاکٹر سی اے برگس کا ہے جو کچھ عرصہ یونین تھیولاجیکل سیمنری نیویارک میں دینیاتِ بائبل کا پروفیسر رہا۔ اس نے اس موضوع پر تین کتابیں لکھیں جو 1883ء، 1886ء اور اس کے تھوڑا عرصہ بعد شائع ہوئیں۔ اس نے اعتراف کیا کہ وہ ایوالڈ سے متاثر ہے۔

Continental Critics

19 ویں اور 20 ویں صدی کے یورپی نقاد اوران کا نظریہ

(1) وہ لوگ معجزوں کے منکر تھے اور ایسی تمام روایات کے منکر تھے جن میں معجزوں کا ذکر ہو۔ وہ معجزات کو افسانوی اور فرضی کہانیاں شمار کرتے تھے۔

(2) وہ نبوت کے سلسلہ کے منکر تھے۔

(3) وہ وحی کے منکر تھے جیسے کہ مسیحی کلیسیا میں ہمیشہ سے سمجھا جاتا تھا۔

ان کے تمام دلائل انسانی عقل پر مبنی تھے اور عقلی غور و فکر کا نتیجہ تھے۔ ان کے تمام مفروضے بائبل کے جعلی ہونے پر مبنی تھے۔ وہ بائبل کے الہامی ہونے کے منکر تھے۔ سپائی نوزا مافوق البشر الہام کا منکر تھا۔ آئیک ہارن وحی کو مشرقی مبالغہ کہتا تھا۔ اس کو تنقید عالیہ کا باپ کہا جاتا ہے اور یہ اصطلاح بھی اسی نے ایجاد کی۔ اس کام کے لیڈر عقلیت پسند تھے۔ ان کے خیال میں بائبل خدا کا کلام نہیں بلکہ انسانی تصنیف ہے۔

صلح کل مکتبِ فکر

برطانوی امریکی نقاد صلح کل مکتب فکر کے نمائندہ ہیں۔ وہ نہ تو جرمنوں کی طرح عہد عتیق کا مکمل انکار کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ Continental School کی بنیادوں کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔ وہ بائبل پر اعتقاد بھی رکھتے ہیں۔

نقادوں کا نظریہ

(1) تورات 4 متضاد تحریروں پر مشتمل ہے۔ یہی متضاد تحریریں پہلی چھ کتابوں کا بنیادی ذریعہ ہیں۔ ان میں (1) یہوواہ (2) الوہیم (3) استثناء (4) ضابطہ کاہن۔ (احبار) شامل ہیں۔

(2) یہ مختلف کام مختلف ادوار میں تالیف کیے گئے مگر 15 ویں صدی قبل مسیح میں نہیں بلکہ نویں، ساتویں، چھٹی، پانچویں صدی قبل مسیح میں جن کتابوں میں یہوواہ اور الوہیم کا ذکر آیا ہے وہ 8 تا 7 صدی ق م، استثناء 650 تا 625 صدی ق م اور احبار 525 تا 425 ق م۔ گراف کے نظریہ کے مطابق جس کو کیونن نے قبول کیا۔ جن کتابوں میں الوہیم کا لفظ استعمال ہوا وہ جلاوطنی کے دور کے بعد

تالیف ہوئیں یعنی مسیح علیہ السلام سے صرف 5 صدی پہلے۔ پیدائش، خروج، احبار، گنتی بھی جلاوطنی کے بعد میں لکھی گئیں۔

3- مختلف کتابیں عبرانی زندگی کی مختلف روایات کو ظاہر کرتی ہیں اور اندراجات میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

4- یہ چار مختلف کتابیں موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف نہیں ہیں بلکہ ان کے بعد کسی نے لکھیں جس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کہ کس نے، کیوں، کب، کہاں لکھیں۔

5-6- یہ چار کتابیں اندرونی طور پر غیر مشابہ اور بلاشبہ نامکمل ہیں۔ لیکن نقاد اس پر متفق نہیں ہیں کہ کس حد تک نامکمل ہیں۔ کتنا حصہ گم ہے، کب، کہاں، کیسے اور کس نے وہ حصہ نکال دیا۔ کیا وہ کوئی چور تھا جس نے چوری کی یا نقل کرنے والے نے دست اندازی کی یا تدوین کرنے والے نے جعل سازی کی، نقاد کچھ نہیں بتاتے۔

7- سب سے بدترین یہ کہ تمام نقاد اس پر متفق ہیں کہ یہ کتابیں (1) امکانی طور پر سچی (2) یقیناً مشکوک اور (3) جعلی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ کتاب پیدائش کے پہلے 11 ابواب کو افسانے اور روایت کے خام مال سے بنا گیا ہے۔

تحریک تنقید عالیہ کا اہم نتیجہ یہ ہے کہ یہ مسیحی نظام کے لیے خطرہ ہے اور تمام نظام کو ختم کر دینے والی ہے جس پر تمام مسیحی ہمیشہ سے عمل کرتے چلے آئے ہیں۔ مختلف فرقوں کے لئے فیصلہ کن بات بائبل کی عبارت ہوتی تھی اور وہ اس کو کلام خدا اور سچ جانتے تھے، لیکن اب نقاد یہ سوچتے ہیں کہ انہوں نے یہ سب بدل کر رکھ دیا ہے۔ ان لوگوں نے ایسا کیوں لکھا اور بائبل پر تنقید کیوں کی، اس کے لیے ملاحظہ ہو بائبل سے قرآن تک کی دوسری جلد مصنفہ مولانا رحمت اللہ کیرانوی۔

❀❀❀

بحیرۂ مردار کے طومار اور اسینی جماعت

(Dead Sea Scrolls)

طوماروں کی دریافت

1947ء میں بحیرہ مردار کے قریب پہاڑوں میں ایک چرواہا بکریاں چرا رہا تھا۔اس کی ایک بکری ایک غار میں گھس گئی۔وہ اس کو واپس لانے کے لیے خود بھی غار میں چلا گیا۔وہاں اتفاقاً اسے مرتبان پڑے ہوئے ملے۔ایک کو اس نے توڑا تو اس میں سے طومار نکلے۔اس نے ایک دکاندار کو بتایا اور ہوتے ہوئے کتابوں کے تاجروں اور پھر عیسائی و یہودی علماء تک بات پہنچی۔انہوں نے کافی مرتبان وہاں سے کھسکا لئے۔تب حکومت اردن کو ہوش آیا۔پھر ان غاروں کی سرکاری طور پر تلاش 15 فروری 1949ء کو شروع ہوئی اور 15 مارچ تک یعنی 29 دن جاری رہی۔کل 500 سے زائد طومار دریافت ہوئے جن میں زیادہ تر بائبل کی کتابیں نامکمل طور پر لکھی ہوئی ہیں، آستر کی کتاب ان میں شامل نہیں، یہ دراصل یہودیوں کی اسینی جماعت کا علاقہ تھا اور انہوں نے اپنی کتابیں مہر بند مرتبانوں میں رکھ کر غاروں میں چھپا دی تھیں۔

بحر مردار کے طوماروں اور اسینی جماعت کے بارے میں مندرجہ کتب سے حاصل مطالعہ پیش خدمت ہے۔

1- The Dead Sea Scrolls By John Macro Allegro.

2- The Dead Sea Serolly By Edmind Wilson.

اسینی جماعت (The Essenes)

یہ فرقہ 135 تا 104 قبل مسیح میں شروع ہوا اور 70ء میں یروشلم کی تباہی کے ساتھ ہی ختم ہو گیا۔ان کے لیڈر نے اپنے پیروکاروں کو لے کر صحرا میں ڈیرہ لگایا تاکہ مومنین کی ایک مضبوط جماعت بنائے جو کہ الحاد کے اس دور میں بے داغ اور خالص ایمان والے ہوں، یہاں تک کہ دنیا ختم ہو جائے اور خدا کی بادشاہی آجائے۔تب وہ اس گروہ کا نئے اسرائیل کیلئے مرکز بن جائیں اور تمام انسانیت کیلئے نئے دور کا آغاز ہو۔اگرچہ اس کے لیڈر کی وفات جلد ہوگئی، مگر اس کا قائم کردہ نظم باقی رہا۔اس فرقہ کی جلد وطنی کی جگہ

کو دمشق کہا جاتا تھا۔ عاموس (27:5) (اور ذکریا 1:9) میں بھی اس کا ذکر ہے۔ وہ ہر بات تمثیل میں کرتے تھے۔ فرقہ کا ایک ضابطہ اخلاق تھا، جو کہ لیڈر نوجوانوں کو پڑھاتے تھے۔ اس کتاب کا نام ھگائی تھا۔ اس کتاب کی باقیات اب تک نہیں ملیں۔ اس کو دستاویز دمشق بھی کہا جاتا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بھی اس جماعت کے رکن تھے۔ اسی لیے دونوں نے نہ گھر بنایا، نہ دنیاوی سامان اکٹھا کیا نہ ہی شادی کی اور تمثیلوں میں بات کیا کرتے تھے۔

اسینی جماعت کی خصوصیات

1- کوئی چیز انفرادی ملکیت میں نہیں تھی۔ ان کی جماعت میں شامل ہونے والے کو اپنی ہر شے بیچ کر رقم لیڈر کے پاس جمع کرانا پڑتی تھی۔ وہاں سے اس کو ضروریات زندگی مل جاتی تھیں۔ اسی لیے یسوع علیہ السلام نے ایک نوجوان کو سب کچھ بیچ کر اپنے پیچھے ہو لینے کا کہا تھا۔ (متی 21:19)

2- سفید لباس۔ وہ کوئی اور رنگ نہیں پہنتے تھے۔ حضرت عیسیٰ کے حواریوں کا نام بھی سفید کپڑوں کی وجہ سے حواری ہے۔ (قرطبی, جلد 2، ص 621)

3- سفر پر جاتے وقت وہ زادراہ ساتھ نہیں رکھتے تھے۔ صرف لاٹھی ساتھ لیتے تھے۔

4- کل کے لیے وہ کوئی شے بچا کر نہیں رکھتے تھے۔

5- اپنا گھر نہیں بناتے تھے۔ زیادہ تر مرکز میں دیتے تھے۔

6- شادی سے پرہیز کرتے تھے۔ تجرد کو ان کے ہاں خاص اہمیت حاصل تھی۔

7- علمی گفتگو ہمیشہ تمثیلوں میں کرتے تھے۔ مثلاً بہت بدکار آدمی کو تاریکی کا فرزند اور بہت نیک آدمی کو نور کا فرزند کہتے تھے۔ علوم الٰہی یا علوم معرفت کو زندہ پانی کا چشمہ کہتے تھے۔ مثلاً اس کے بدن سے زندہ پانی کی ندیاں جاری ہوں گی۔

8- دنیاوی دولت کو حقیر سمجھتے تھے۔

9- عام یہودی بپتسمہ نہیں لیتے تھے۔ مگر اسینی اپنے گروہ میں شامل ہونے والوں کو بپتسمہ دیتے تھے۔

10- اسینی جماعت میں درجہ بندی تھی۔ مثلاً اپنے سربراہ کو راستی کا معلم اور مخالف کو شریر کاہن کہتے تھے۔

11- وہ نوشتوں کی تفسیر کرتے وقت حالات اپنے مراد لیتے تھے اور نام بابل کا لیتے تھے۔ بابل ان کے ہاں جبر و استبداد کا استعارہ تھا۔ جو وہ رومیوں کے لیے استعمال کرتے تھے۔ رمزیہ انداز میں تفسیر کو

پشر (PESHER) کہتے تھے۔ اگر کوئی سامنے بھی موجود ہو اور وہ اس کے خلاف بات کر رہے ہوں تو اس کو پتہ نہیں چلنے دیتے تھے، بلکہ تمثیلوں میں بات کرتے تھے۔

12- وہ طب اور دستکاریوں میں مہارت حاصل کرتے تھے۔ ہنر حاصل کرنا ہر ممبر پر لازم تھا۔ (لوقا 9:10)

13- سفر دو آدمی مل کر کرتے تھے۔ اکیلا آدمی سفر نہیں کرتا تھا۔ (لوقا 1:10)

14- دستر خوان پر گروپ بنا کر بیٹھتے تھے۔ روٹیوں والے معجزہ کے موقع پر لوگوں اسینی طرز پر بٹھایا گیا تھا۔

(مرقس 39:6)

15- اسینی اپنے ارکان کو اس کے عہدہ کے مطابق نشان دیتے تھے۔ مثلاً سیاہ پتھر، سبز پتھر وغیرہ۔ یہ نشان دکھلا کر اسینی لوگوں کو اپنی شناخت کراتا تھا۔ آج بھی عیسائی راہبوں کے ان کے درجات کے مطابق نشانات ہوتے ہیں کہ یہ فادر ہے، یہ بشپ ہے۔ مکاشفہ کی کتاب میں بھی ان نشانوں کے بارے میں لکھا ہے۔ غالب آنے والے کو سفید پتھر دیا جائے گا، جس پر اس کے نام کندہ ہوگا۔ (مکاشفہ 17:2)

16- حضرت عیسیٰ کو حضرت مریم نے حواریوں کے حوالے کر دیا تھا یعنی آپ اسینی جماعت کے فرد تھے۔ (قرطبی، جلد 2، ص 621)

اسینی خصوصیات اور عہد نامہ جدید میں ان کی جھلک

1- عیسائی جماعت بالکل اسینی طرز پر رہتی تھی۔ (اعمال 32:4 تا 35)

حنیا اور اس کی بیوی سفیرہ نے جائیداد بیچ کر قیمت رسولوں کو دے دی۔ (اعمال 1:5 تا 11)

2- سفید لباس کا بار بار ذکر آتا ہے۔ مریم مگدلینی کو نظر آنے والے فرشتے بھی سفید لباس میں ملبوس تھے۔

(یوحنا 12:20)

یسوع کی سفید براق پوشاک نظر آئی۔ (متی 2:17، 3:28۔ لوقا 29:9۔ مرقس 3:9)

3- یسوع علیہ السلام نے شاگردوں کو زادِ راہ ساتھ لینے سے منع کیا۔ (لوقا 4:10)

4- روز کی روٹی روز ملنے کی دعا سکھائی۔ (متی 11:6)

5- لومڑیوں کے بھی بھٹ ہیں، مگر ابن آدمی کیلئے کوئی جگہ نہیں۔ یعنی یسوع علیہ السلام نے گھر نہیں بنایا۔

(متی 20:8)

6- بعض آدمیوں نے خود کو خوجہ کر لیا یعنی شادی نہیں کی۔ (متی 12:19)

7- دولت مند کا خدا کی بادشاہی میں شامل ہونا اونٹ کے سوئی کے ناکے سے گزرنے کی طرح ناممکن ہے۔

(لوقا 25:18۔مرقس 25:10)

8- مَیں تمثیلوں میں منہ کھولوں گا۔(متی 3:13، 10، 13، 34، 1:22۔مرقس 23:3)

9- یسوع علیہ السلام کو یوحنا علیہ السلام نے بپتسمہ دیا۔(متی 6:3)

10- یسوع علیہ السلام نے پطرس کو کلیسا کا سربراہ مقرر کیا۔اب بھی مناد سے لے کر پوپ تک درجہ بندی ہے۔

(متی 19:16-20)

11- بیماروں کو شفا دینے کا حکم یسوع علیہ السلام نے دیا۔(لوقا 9:10)

کیونکہ اسینی طب بھی سیکھتے تھے۔

12- روٹیوں والے معجزہ میں لوگوں کو اسینی طرز پر گروپوں میں بٹھایا گیا۔(مرقس 40:6)

13- سفر میں 2/2 آدمی بھیجے۔(لوقا 1:10)

14- کتاب مکاشفہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کا گھر ہی قمران تھا۔اس کا اسلوب اور رمزیات اسینی طرز کی ہیں۔

15- بہت سے اسینی مسیحی ہو گئے۔یہاں تک کہ ان کے اکثر کاہن بھی مشرف بہ مسیحیت ہوئے۔

(اعمال 7:6)

قرین قیاس ہے کہ انہی کی تعلیم نے بعض بدعتوں کی بنیاد ابتدائی کلیسا میں ڈالی۔(قاموس الکتاب،ص:63)

16- اسراری مذہب۔(خفیہ مذاہب) کے تحت لکھا ہے کہ ان مذاہب کی بعض اصطلاحات مسیحی مذہب میں استعمال کی گئیں۔ان مذاہب کی طرح مسیحیت میں بھی بعض ایسی باتیں ہیں جن کا بھید صرف شاگردوں کو معلوم ہے۔لیکن باہر کے لوگوں کے لیے یہ محض تمثیلیں ہیں۔

(قاموس الکتاب ص 48 بحوالہ مرقس 11:4۔متی 11:13۔لوقا 10:8)

پولس رسول تو اسراری مذاہب کی زبان اکثر استعمال کرتا ہے۔(ایضاً ص:48)

قاموس الکتاب میں ایسا ہی لفظ بھید کے تحت لکھا ہے۔(ص:161)

❁❁❁

غیر اخلاقی مضامین

بائبل میں کئی جگہ فحش مضامین درج ہیں۔ وہ عبارتیں درج کرنے کی بجائے ان کے حوالے درج کیے جاتے ہیں۔ تفصیل کے طالب خود ملاحظہ کرلیں۔

1-حزقی ایل باب 23 پورا۔

2-روت باب 3

3- حزقی ایل 16:7-8

4-غزل الغزلات 1:1، 10، 13 اور 2:6 اور 3:1 تا 4 اور 4:1 تا 11 اور 7:1 تا 8 اور 8:10۔

ایک عیسائی مفسر لکھتا ہے ہم کسی نبی یا مذہبی شاعر کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ وہ اس تفصیل کے ساتھ پر شہوت تشبیہات استعمال کرے۔

(Peak's Commentany on Bible, P-418)

❀❀❀

قرآن مجید پر اعتراضات کے جوابات

(1) البقرہ:9:2

اس آیت میں لفظ یُخٰدعون پر پادری سلطان پال کا اعتراض یہ ہے کہ اس لفظ کا استعمال اس موقع پر مناسب نہیں تاوقتیکہ اس کی تاویل نہ کی جائے۔

(برہان التفاسیر، مولانا ثناء اللہ امرتسری، ص:164-165)

جواب: عربوں نے قرآن کی زبان، تناقض، انداز بیان، الفاظ پر کوئی اعتراض نہیں کیا نہ انہوں نے یہ کہا کہ اس میں گالیاں ہیں کیونکہ وہ عرب تھے اور جانتے تھے کہ قرآن کی زبان و بیان اعلیٰ ترین ہے حالانکہ انہوں نے جنگیں لڑیں مگر اعتراض نہ کیا جو آسان کام تھا، اب آتے ہیں اس اعتراض کے جواب کی طرف: پادری پال نے یہ سوال تفسیر کبیر امام رازی لے لیا مگر ان کا دیا ہوا جواب چھوڑ دیا جس میں انہوں نے الفتح 10:48 کو اس آیت کی شرح میں لکھا تھا یعنی جو لوگ تجھ (رسول) سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں ۔اسی طرح بقرہ 9:20 میں اللہ کو دھوکہ دینے کی کوشش دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دھوکہ دینے کی کوشش ہے کیونکہ اللہ کو تو کوئی دھوکہ نہیں دے سکتا۔ مفسرین کے خیال میں یہاں مضاف محزوف ہے اور وہ ہے لفظ رسول۔ یہی تفسیر صاحب تفسیر مدارک، قرطبی، مظہری، خازن و معالم، کبیر، روح المعانی، نیشاپوری، بحر المحیط نے کی۔ (بحوالہ جواہر القرآن، ج:1، ص:22)

ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ منافقین نے خیال کیا کہ انہوں نے خدا کو دھوکہ دیا۔ یہی صاحب مدارک نے نقل کیا۔ (تفسیر ماجدی، ص:60-61، جلد نمبر1)

خود مولانا امرتسری نے اس آیت کی تشریح المنافقون 1:63 سے کی ہے۔

مگر مولانا اصلاحی کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اس آیت میں دو لفظ استعمال ہوئے ہیں، ایک خدع اور دوسرا مخادعت۔ جہاں لفظ کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے وہاں تو مخادعت استعمال ہوا ہے جس کے معنی دھوکہ دینے کی کوشش کرنا عام اس سے کہ وہ دھوکہ کامیاب ہو سکے یا نہ ہو سکے۔ اس کے برعکس خود ان کے لیے

خدع کا لفظ استعمال ہوا ہے کیونکہ جو شخص خدا کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتا ہے وہ اپنی اس کوشش میں تو ناکام رہتا ہے لیکن خود اپنے آپ کو وہ ضرور دھوکے میں ڈال لیتا ہے۔ (تدبر قرآن، جلد نمبر1 ،ص:118-119)

(2) بقرہ 23:2، یونس 38:10،ھود 13:11، بنی اسرائیل 88:17،

مثلیت قرآن کے بارے میں پادری پال نے لکھا کہ اس کے مثل کس پہلو کی نفی کی گئی ہے،اس پر مسلمانوں کا اتفاق نہیں۔

جواب: قرآن مجید کے معجزہ اور حجت ہونے کا سبب اس کی متوازن تعلیم، انسان کے لیے ہدایت، تاثیر اور نفوذ اُمی سے صادر ہونا ہے مزید اسکی عظمت کے کئی پہلو ہیں مثلاً عقائد کی صحیح تعلیم، گزشتہ زمانہ کی خبریں، آئندہ کی خبریں جن کو پیش گوئیاں کہتے ہیں، خوش اسلوبی یعنی فصاحت و بلاغت وغیرہ۔ مفسرین نے کبھی ایک پہلو کو لے لیا، کبھی دوسرے پہلو کو لے لیا، یہ اختلاف نہیں محض ترجیح کا معاملہ ہے۔ دراصل قرآن مجید کی حیثیت حکیم کے نسخہ کی طرح ہے۔ اس میں انسانی ہدایت کے تمام اجزاء خاص خاص مقدار میں رکھے گئے ہیں۔ اگر ان میں سے کسی جزو کی مقدار کم یا زیادہ کردی جائے تو اعتدال باقی نہیں رہتا اور تاثیر میں فرق آجاتا ہے مثلاً دنیاوی زندگی کو چھوڑ کر کوئی ہر وقت عبادت میں لگا رہے تو بے اعتدالی شروع ہوگئی۔ آیاتِ قرآن سن کر کفار کہتے تھے کہ اگر ہم چاہیں تو اس قرآن کی مثل بنالیں۔ (انفال:31:8)

ایسے لوگوں کو چیلنج دیا گیا کہ تم بھی اس قرآن جیسا بنالاؤ مگر خیال رہے کہ وہ ہدایت میں اس سے اعلیٰ ہونا چاہیے۔ سورہ قصص:49:28 میں ہدایت ہی کے پہلو پر زور دیا۔ ہدایت ہی قرآن کی حقیقت ہے کیونکہ ھدی للمتقین فرمایا۔ (ماجدی اور برہان التفاسیر ص:218-220)

انسانوں کی ذہنی سطح ایک جیسی نہیں ہوتی لہٰذا سب کی تشفی کے لئے فصاحت و بلاغت، نظم و تالیف، مضامین کی ندرت، واقعات ماضیہ، آئندہ کی خبریں، امثال و مواعظ، دلائل کی جامعیت و معقولیت سب موجود ہیں۔ (جواہر القرآن، جلد نمبر1 ،ص:26) (برہان التفاسیر ص 80 سے آگے)

مسلمانوں کو عدم اتفاق کا طعنہ دینے والا عیسائی فرقوں میں الوہیت مریم کے متعلق پائے جانے والے شدید اختلافات کو بھول گیا۔

(3) سورہ الشمس نمبر 91

اس سورہ اور دوسری جگہوں پر کثرت تکرار کا اعتراض پادری پال نے کیا مگر خود 1۔ سلاطین کا باب

نمبر 6 اور 7 نظر انداز کر گیا۔

جواب: دوسرے کی آنکھ کا تنکا دیکھنے والے کو اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا۔ قرآن کا آب حیات چھوڑ کر بائبل کے سراب کے پیچھے بھاگنے والے پادری نے بائبل میں سلاطین کی دونوں کتابوں کو غور سے پڑھا ہوتا تو اسے معلوم ہوتا کہ ایک ہی فقرہ 32 مرتبہ دہرایا گیا ہے۔ وہ فقرہ یہ ہے: ''بادشاہوں کی تواریخ کی کتاب میں لکھا نہیں ہے؟'' (بحوالہ کلید الکتاب، ص: 422)

مولانا ثناء اللہ امرتسری نے اس اعتراض کا تحقیقی جواب برہان التفاسیر کے ص 187 تا 189 میں دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ کثرت تکرار سے اگر کراہت پیدا نہ ہو تو کلام بہت خوب اور لطیف ہو جاتا ہے۔ (ص: 187۔ ص: 209)

(4) سورہ فلق نمبر 113، سورہ الناس نمبر 114، سورہ فاتحہ نمبر 1

ان سورتوں کے قرآن کے حصہ نہ ہونے کے بارے میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول پال نے نقل کر کے یہ لکھا کہ یہ تین سورتیں قرآن نہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نسخہ میں نہ ہونے سے قرآن کا تواتر ٹوٹ گیا۔ (برہان ص 81)

جواب: قرآن مجید 1400 سال سے زیادہ عرصہ سے ایک ہی عبارت میں متواتر نقل ہو رہا ہے اور یہی عبارت دنیا کے ہر ملک میں، ہر زمانہ میں، مسلمانوں کے پاس موجود رہی ہے۔ اور یہ کہ قرآن مجید پر کوئی وقت ایسا نہیں آیا جب بائبل کی طرح قرآن ناپید ہو گیا ہو یا لوگوں نے اپنے خیالات قرآن میں شامل کر دیئے ہوں۔ لہٰذا قرآن کی قطعیت کے سامنے کسی روایت کی کوئی حیثیت نہیں کیونکہ روایت صحیح ثابت ہو بھی گئی تو زیادہ سے زیادہ ظن کا فائدہ دے گی مگر قرآن قطعی اور متواتر ہے جس کا مقابلہ کوئی روایت یا روایات نہیں کر سکتیں۔ یہی جواب جمع قرآن کی روایات کا ہے۔

ایک سوال ہمارا بھی ہے وہ یہ کہ اگر ابن مسعود رضی اللہ عنہ فاتحہ کو قرآن کا حصہ نہیں سمجھتے تو نماز میں فاتحہ کی جگہ کیا پڑھتے تھے؟

قرآن کے تواتر میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، تمام صحابہ رضی اللہ عنہم، تمام تابعین اور تبع تابعین، تمام آئمہ کرام اور پوری امت شامل ہے۔ بالفرض ابن مسعود رضی اللہ عنہ نہ بھی شامل ہوں تو کیا فرق پڑتا ہے۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اسی قرآن کی تلاوت اپنی نماز میں کرتے

تھے۔ہاں! بائبل کی 6 کتابیں عیسائی فرقوں میں متفق علیہ نہیں ہیں۔ (برہان، ص:85)

(5) انعام 38:6

پال کا اعتراض یہ ہے کہ اس آیت میں فرطنا کے الفاظ آتے ہیں جب کہ بہت سی ایسی باتیں ہیں جو قرآن میں چھوڑ دی گئی ہیں۔

جواب: اس آیت میں الکتاب سے مراد لوح محفوظ ہے (جلالین۔روح المعانی۔ماجدی وغیرہ)

اسی طرح انعام 59:6 میں کتاب مبین سے مراد بھی لوح محفوظ ہے۔

(6) طٰہٰ 63:20

اس آیت میں اِن ھذانِ لَسٰحِران کے الفاظ میں نحوی غلطی کی تہمت پادری نے لگائی ہے۔

جواب: لساحران کے متعلق اعتراض کا جواب یہ ہے کہ کافیہ میں اِنَّ کی بحث میں لکھا ہے کہ جب اِنَّ مکسورہ مخفف کیا جاتا ہے تو اس کی خبر میں لام کا آنا ضروری ہے اور اس کو بے عمل کر دینا جائز ہے۔

(شرح الرضی علی الکافیہ جلد نمبر 4 ص 340 بحوالہ، برہان التفاسیر، ص:206)

(7) سورہ رحمٰن نمبر 55

اس میں تکرار لفظی کا اعتراض کیا۔اس کا جواب نمبر 3 کے تحت گزر چکا۔بائبل کی عبارت میں فضول تکرار کی مثالیں خروج 40:36-37 اور 1۔سلاطین میں ہیکل کی تعمیر کی تفصیلات اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے محل کے بارے میں باب 7 ملاحظہ ہو مثلاً 31:7، خاص طور پر 1۔سلاطین 34:6 ملاحظہ ہو۔

(8) قرآن مجید بائبل سے ماخوذ ہے۔یہ پادری پال کا قول ہے۔

اگر قرآن مجید بائبل سے ماخوذ ہے تو بائبل میں سے صرف انہی تین آیات کا پتہ دے دیں۔

(i) کافر ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں اللہ تین میں سے ایک ہے (المائدہ 73:5)

(ii) کافر ہیں جو کہتے ہیں مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے (المائدہ 72:5)

(iii) کوئی نفس کسی نفس کے (بطور کفارہ) کام نہ آئے گا (بقرہ 48:2)

ان سب سے بڑھ کر یہ کہ سورہ اخلاص ہی بائبل میں دکھا دیں۔

(iv) قرآن مجید بائبل سے ماخوذ نہیں بلکہ جن امور میں بنی اسرائیل آپس میں جھگڑتے رہتے ہیں ان کی حقیقت ان کے سامنے پیش کرتا ہے۔(سورہ النمل 76:27)

(9) بقرہ29:2، نازعات79: 27-30، رعد3:13

سورہ نازعات میں زمین بنانے کا نہیں بلکہ پھیلانے کا ذکر ہے جس کو رعد 3:13 میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ دوسری بات یہ کہ بعد ذالک کا مطلب ہمیشہ بعدیت زمانی (ٹائم کے بعد) مراد نہیں ہوتا بلکہ ''اس کے علاوہ بھی'' مراد ہوتا ہے جیسے سورہ مرسلات نمبر 77 کی آخری آیت میں فرمایا کہ قرآن کے بعد کسی کتاب پر ایمان لاؤ گے یعنی اب قرآن کے علاوہ کس کتاب پر ایمان لاؤ گے۔ اسی طرح ثُمَّ کا مطلب بھی کبھی یہ ہوتا ہے یعنی بعدیت زمانی مراد ہوتی ہے اور بعض دفعہ اس کے علاوہ بھی مراد ہوتا ہے۔ لہٰذا پال کا اعتراض کہ ان آیات میں تضاد ہے، درست نہیں۔

(10) طٰہٰ نمبر 122:20

پال کا اعتراض ہے کہ سیدنا آدم علیہ السلام نے گناہ کیا، جو موروثی گناہ ٹھہرا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت سے پہلی آیت میں فرمایا: وعصٰی آدم رَبَّهٗ فغویٰ (طٰہٰ 121:20)

یعنی آدم علیہ السلام نے اپنے رب کی نافرمانی کی وہ بہک گئے۔ اس کے فوراً بعد زیر نظر آیت نمبر 122 میں فرمایا ''ثُمَّ اجتبٰهُ رَبُّهٗ فتاب علیه وهَدیٰ'' ''پھر خدا نے انہیں چن لیا اور توبہ قبول کی اور ہدایت کی'' یہ آیت اس بات کا ثبوت ہے کہ سیدنا آدم علیہ السلام سے جو بھول ہوئی وہ فعل قبل نبوت تھا۔ پھر انہوں نے توبہ کی اور معافی طلب کی جس کے الفاظ اعراف 23:7 میں مذکور ہیں تو ان کو اللہ تعالیٰ نے نہ صرف معاف فرمایا بلکہ زیر نظر آیت نمبر 122 کے مطابق ان کو نبی چن لیا۔ ان پر نظر رحمت سے توجہ فرمائی اور کار نبوت کی ہدایت دی۔ اہل بیت میں سے امام علی رضا علیہ السلام نے عباسی حکمران مامون کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ قبل نبوت انبیاء سے گناہ صغیرہ ہو جانا جائز ہے۔ (بحار الانوار جلد نمبر 11 ص 164 از علامہ باقر مجلسی روایت نمبر 8 باب نمبر 3)

امام جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر آدم گناہ نہ کرتے تو کوئی مومن گناہ نہ کرتا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، اسی طرح ہر مومن کی توبہ قبول فرماتا ہے۔

(بحار الانوار جلد نمبر 11 ص 165 روایت نمبر 10 باب نمبر 3)

عیسائیوں نے سیدنا آدم علیہ السلام وحوا کے اس فعل کو اتنا بڑھایا کہ اس کی سزا میں ناکردہ گناہ ساری اولاد کو بھی شامل سمجھتے ہیں حالانکہ تورات کی پہلی کتاب پیدائش 12:3 تا 19 میں سارے صیغے

مفرد استعمال ہوئے ہیں اور لطف یہ کہ سزا بھی ایسی ملی کہ جس سے نہ کافر چھوٹے نہ مومن، نہ عورت نہ مرد، نہ توبہ سے نہ کفارہ مسیح سے، حالانکہ بقول عیسائیاں مسیح علیہ السلام نے کفارہ بن کر سارے مجرموں کے گناہ اٹھالئے۔

(11) البقرہ 40:2، المائدہ 7:5 اور 20:5

اس آیت میں مذکورہ بنی اسرائیل سے لئے گئے عہد میں مندرجہ ذیل باتیں شامل تھیں۔

(i) ان سے شریعت موسوی کی پابندی کا عہد لیا گیا جس کے بدلے میں دنیا و آخرت کی کامیابی کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اسی کا ذکر احبار 3:26 میں بھی ہے اور المائدہ 66,65:5 میں بھی ہے۔

(ii) اس عام معاہدہ کے ساتھ ساتھ خاص اس عہد کی طرف بھی اشارہ ہے جو بنی اسرائیل سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق لیا گیا تھا۔ جس کا ذکر تورات کی کتاب استثناء 18:18 میں ہے اور نئے عہد نامہ کی کتاب اعمال 19:3 تا 26 میں بھی ہے۔

(iii) رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر خیر یہودیوں میں اتنا مشہور تھا کہ صرف ''وہ نبی'' کہہ دینے سے نبی آخر الزماں کو پہچان لیتے تھے۔ جب سیدنا یحییٰ علیہ السلام سے کاہن اور لاوی پوچھنے آئے تو انہوں نے پوچھا کیا تو مسیح ہے، انہوں نے انکار فرمایا، پھر پوچھا کیا تو ایلیاء ہے، انہوں نے انکار فرمایا پھر پوچھا کیا تو وہ نبی ہے؟ تو حضرت یحییٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ نہیں۔ (یوحنا 21:1)

(iv) اگر کوئی یہودی عیسائی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا اس وجہ سے انکار کرے کہ جو برکت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو خدا نے دی تھی اس میں آل اسماعیل علیہ السلام شامل نہیں تو برکت کا ثبوت تورات کی کتاب پیدائش 20:17 میں ہے۔

(v) لہٰذا رب کی رحمت ان بنی اسرائیل کا مقدر بنے گی اور صرف ان عیسائیوں کو ہی نصیب ہوگی جو وہ کام کریں جن کا ذکر سورہ اعراف 156:7-157 میں ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا شرط اول ہے

(12) البقرہ 41:2

لاتشتروا بآیتی ثمناً قلیلا کی شرح سورہ اعراف نمبر 7 کی آیت 169 کرتی ہے کہ یہود مال لیکر احکام خدا میں تبدیلی کر دیتے تھے۔ اگر یہی کام عیسائی کریں تو وہ بھی اس آیت کے مخاطب ہیں۔ یہودیوں کی مذمت میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال مروجہ اناجیل میں پائے جاتے ہیں جن میں سے ایک مقام متی 2:23 تا 36 ہے۔

(13) البقرہ 43:2

پادری پال نے لکھا کہ راکع سے مراد مسیحی راہب (عیسائی پادری) ہیں لہٰذا اس کے صحیح معنی یہ ہوئے کہ راہبوں کے ساتھ خدا کے آگے جھکو۔ (سلطان التفاسیر ص 149 بحوالہ برہان التفاسیر ص 281)

جواب: یہ اُس نے حسب دستور تحریف کی ہے۔ قرآن مجید رہبانیت کی مذمت کرتا ہے (حدید 27:57) اور رسول کریم ﷺ نے **لا رھبانیۃ فی الاسلام** (اسلام میں رہبانیت جائز نہیں) فرما کر تفسیر فرما دی۔ (فتح الباری جلد نمبر 9 ص 11 بحوالہ برہان التفاسیر ص 282 حاشیہ)

(14) البقرہ 44:2

اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم۔ کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو مگر خود کو بھول جاتے ہو؟ اس کی تصدیق عیسیٰ علیہ السلام کے قول سے بھی ہوئی جو متی 2:23 تا 4 میں درج ہے۔

(15) البقرہ 75:2-79، النساء 46:4، المائدہ 13:5، المائدہ 41:5

پادری سلطان پال نے سلطان التفاسیر میں عیسائیوں کی عام عادت کے مطابق کتب مقدسہ تورات وانجیل وغیرہ یعنی بائبل میں تحریف سے انکار کیا ہے۔ عیسائیوں کی اور پال کی یہ عادت ہے کہ وہ عیسائی عقائد قرآن سے دلیل لے کر منواتے ہیں حالانکہ ان کے عقائد ان کی کتابوں سے ثابت ہونے چاہئیں۔ آپ نے ان کے انداز دلیل کو ملاحظہ کیا کہ قرآن کی عبارت سے لفظ تصدیق لے کر بائبل کو غیر محرف ثابت کرنے کی کوشش کی۔ بائبل کے محرف ہوجانے اور بعد والوں نے اس میں اپنی عبارتیں شامل کردیں وغیرہ کے دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

تحریف کی بحث سے بھی پہلے بائبل کی اصلیت کی تحقیق کرنا ضروری ہے۔ مجموعہ بائبل میں کئی ایک کتابیں اور رسائل شامل ہیں۔ ان میں سے تین کا نام قرآن میں آیا ہے۔ جن انبیاء کو یہ تین کتابیں ملیں ان کے اسماء مبارکہ بھی قرآن میں بالتصریح آئے ہیں۔ ان کے اور ان کی کتابوں کے بارے میں ایسے واضح الفاظ فرمائے گئے ہیں جن میں کوئی تاویل نہیں ہوسکتی یعنی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا

(i) ہم نے موسیٰ کو کتاب دی (بقرہ 53:2 اور 87 انعام 154:6، یہود 11:11)

(ii) ہم نے داؤد کو زبور دی (بنی اسرائیل 55:17، نساء 163:4)

(iii) ہم نے اس کو (عیسیٰ) کو انجیل دی (مائدہ 46:5، الحدید 27:57)

ان واضح الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کو یہ کتابیں ان کی زندگی میں ملی تھیں نہ کہ بعد انتقال، یہ اہل اسلام کا عقیدہ ہے۔اس کے برعکس یہودی اور عیسائی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ موجودہ بائبل بعینہٖ الہامی کتب ہیں۔ان میں سے پہلی کتاب کا نام تورات ہے جس کی پانچ کتابیں ہیں یعنی پیدائش، خروج، احبار، گنتی، استثنا۔ان پانچ کتابوں کے بارے میں یہودی، عیسائی متفق ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سب کو نہیں لکھا کیونکہ ان میں تو ایسے ایسے واقعات بھی درج ہیں جن سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان واقعات کی خبر بھی نہ تھی مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام نے موآب کے ملک میں وفات پائی۔(استثنا 5:34)

آپ کی قبر تک کسی کو معلوم نہیں (ایضا 6:34)

آپ کی عمر 120 برس ہوئی (7:34)

اب تک آپ جیسا نبی بنی اسرائیل میں نہیں اٹھا (10:34)

قاموس الکتاب میں پادری صاحب لکھتے ہیں ''قیاس غالب ہے کہ اس (موسیٰ علیہ السلام) کے پاس بہت سے کاتب تھے جو ان تفصیلات کو لکھ لیا کرتے تھے۔جن کا تعلق اسرائیلی جماعت، جغرافیہ اور تاریخ سے ہوتا تھا۔'' آگے لکھا ہے ''پیدائش کی کتاب کے مندرجات کے بارے میں ہمیں علم نہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے انہیں کہاں سے حاصل کیا۔چونکہ 3000 ق م سے پہلے مشرق قریب میں فن تحریر کی موجودگی کی شہادت ملتی ہے اس لیے یہ عین ممکن ہے کہ بزرگوں نے کچھ تحریری دستاویزات اپنی اولاد کے لیے چھوڑی ہوں۔نیز زبانی روایات نے بھی ان دستاویزوں میں اضافہ کیا ہو۔شائد کچھ بیانات، خاص طور پر تخلیق عالم کے متعلق خدا نے موسیٰ کو الہام کے ذریعہ دیئے ہوں۔'' (قاموس الکتاب، ص:267-268)

موجودہ تورات سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کی زندگی کے واقعات کا مجموعہ ہے مگر یہ معلوم نہیں ہوتا ہے کہ لکھنے والا کون ہے؟ جو بھی ہے ہے اس نے اس کو الہام سے لکھنے کا دعویٰ کیا یا بطور مورخ کے لکھا؟ یہودیوں اور ان کی پیروی میں عیسائیوں کا دعویٰ اس کے الہام ہونے کا ہے مگر سوائے خوش اعتقادی کے کوئی ثبوت نہیں رکھتے۔مسلمان صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی تورات پر ایمان رکھتے ہیں۔وہ کسی اور کی لکھی ہوئی یا جمع کی ہوئی عبارت کے ذمہ دار نہیں چاہے وہ تورات کے نام سے مشہور رہی ہو۔

یہ تورات کا حال ہے۔اسی طرح انجیل ہے جس کا چار بلکہ چار سے زیادہ ہونا ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ سوانح عمریاں ہیں۔ان میں بھی وہ واقعات درج ہیں جو عیسائی عقیدہ کے مطابق صلیب کے بعد پیش آئے مثلاً متی 52:27 تا 53 ملاحظہ ہو۔یہ اور اس قسم کے واقعات جو بعد مسیح علیہ السلام وقوع پذیر ہوئے اس بات کا ثبوت ہیں کہ یہ اناجیل وہ انجیل نہیں جس کی تصدیق قرآن مجید نے فرمائی ہے۔پادری لوگ محض مشترک نام (اشتراک اسمی) کی وجہ سے قرآن کی آیات کو مروجہ تورات وانجیل کی گواہی بناتے ہیں لہٰذا اُنزل الیکم (عنکبوت 46:29) کے الفاظ سے عیسائی لوگ بہانہ نہ بنائیں بلکہ مَآ اُوْتِیَ موسیٰ و عیسیٰ (آل عمران 84:3) کی تلاش کریں۔قرآنی تورات وانجیل اور مروجہ میں اشتراک اسمی تو ہے، وحدت حقیقت نہیں۔جہاں کہیں مسلمانوں کو تورات وانجیل پر ایمان لانے کا حکم ہے۔وہاں وہی تورات،انجیل مراد ہے جو حضرت موسیٰ وعیسیٰ پر نازل ہوئیں تھیں نہ کہ وہ جو انکے بعد ان کے ماننے والوں کے بطور سوانح عمری لکھی تھیں۔اصل تورات وانجیل کے کچھ اجزاء منتشر طور پر موجودہ تورات وانجیل میں پائے جاتے ہیں۔

پادری حضرات حضرت وہب بن منبہ شاگرد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول عدم تحریف کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں ''تورات انجیل جس طرح کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اتارا تھا اسی طرح ہیں

(سلطان التفاسیر ص 262 از پادری سلطان پال)

اگر اس قول کی سند ٹھیک بھی ہو تب بھی ایک تابعی کا قول ہے،حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان نہیں ہے۔اگر تورات وانجیل سے مراد وہ بچے فقرے لئے جائیں تو ہیں تو منزل من اللہ مگر بائبل میں منتشر طور پر پائے جاتے ہیں،جیسا کہ پچھلے پیراگراف میں گزرا تب تو حضرت وہب ابن منبہ کا قول بالکل درست ہے اگر پوری مروجہ بائبل مراد ہے تو پھر ان کا قول مشاہدہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے کیوں کہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں کہ بائبل میں مسلسل تبدیلی کی جارہی جیسا کہ پہلے گزرا۔

یہ یاد رہے کہ قرآن مجید میں جہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ اہل تورات وانجیل حکم کریں اس چیز کے ساتھ جو خدا نے ان کی طرف اتاری وغیرہ اس سے بھی وہی مضمون مراد ہے جو ان انبیاء کرام علیہم السلام یعنی سیدنا موسیٰ علیہ السلام وسیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر بطور وحی نازل ہوا تھا۔لہٰذا مروجہ بائبل کی تائید میں عیسائی قرآن مجید کو پیش نہ کریں۔

بائبل میں تبدیلی اور تحریف کی سب سے بڑی مثال کیتھولک اور پروٹسٹنٹ بائبل میں 6 کتابوں کا فرق ہے۔کیتھولک بائبل میں شامل اور مستند سمجھی جانے والی 6 کتابیں پروٹسٹنٹ بائبل میں سے نکال دی گئی ہیں۔رومن کیتھولک چرچ کی ٹرینٹ کونسل منعقدہ 1546ء (جان لوتھر بانی پروٹسٹنٹ کے 6 کتابیں نکال دینے کے 12 سال بعد منعقد ہوئی) اور ویٹی کن کونسل منعقدہ 1870ء نے ان 6 کتابوں کو الہامی و مستند قرار دیا (عیسائیت ص 231 از پروفیسر ساجد میر صاحب بحوالہ Bratton's History of Bible P-103)

جبکہ قرآن کسی بھی اسلامی گروہ کا شائع کردہ ہو، ایک حرف کا فرق نہیں ملے گا۔

پوری چھ کتابوں کے فرق کے باوجود، سلطان پال نے تفسیر کبیر سے یہ فقرہ نقل کیا ''جو کتاب متواتر منقول ہو اس میں تغیر لفظ کی نہیں ہوسکتی'' (سلطان التفاسیر، ص:239)

اس کا یہ اصول صحیح ہے۔اسی لئے مسلمان کہتے ہیں کہ پروٹسٹنٹ بائبل میں چونکہ چھ کتابوں کا فرق آگیا ہے لہٰذا وہ متواتر شمار نہیں ہوسکتی۔

بائبل میں شامل کتابوں پر جو گزری اور جیسے تالیف ہوئیں ان کا ذکر پہلے گزر چکا۔بائبل کی جمع و تالیف یعنی وجود کے بعد دوسرا درجہ ان کی بقا کا ہے جس کا ذکر اوپر گزرا کہ اکٹھی چھ کتابیں خارج قرار دے دی گئیں۔تحریف لفظی و معنوی کا شمار نہیں، جتنی پیشین گوئیاں یا فضائل سیدہ حاجرہ علیہا السلام اور سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی آل اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے مکہ اور خانہ کعبہ سے تعلق کے بارے میں جو کچھ تھا، اس کو لفظی اور معنوی طور پر مسخ کرنے میں یہودیوں اور عیسائیوں نے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔تفصیل کے لیے مولانا حمید الدین فراہی کی کتاب ذبیح کون؟ ملاحظہ فرمائیں۔تحریف کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ جو پیش گوئی بھی ہاتھ آئی بلکہ اگر کوئی پیش گوئی عہد عتیق میں نہ بھی ہو تب بھی اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر لگا دیا مثلاً وہ ناصری کہلائے گا۔(متی 23:2)

لفظی تحریف کی یہاں پر صرف ایک مثال دی جاتی ہے۔متی باب 21:17 میں لکھا ہے ''لیکن یہ قسم دعا کے سوا اور کسی طرح نہیں نکل سکتی۔'' پروٹسٹنٹ بائبل ص:21 پر یہ فقرہ بریکٹ میں یعنی الحاقی تسلیم کرلیا گیا۔کیتھولک بائبل ص 23 پر بھی یہ صفحہ بریکٹ میں دے کر الحاقی تسلیم کیا گیا مگر وہاں دعا اور روزے کے الفاظ ہیں۔انگریزی ترجمہ RSV ص 18 پر آیت نمبر 21 مکمل طور پر

غائب ہے اور 20 کے بعد 22 لکھی ہوئی ہے جبکہ حاشیہ نمبر X (ایکس) کے تحت لکھا ہے کہ دوسری قدیم اتھارٹیز یہاں پر آیت نمبر 21 کا اضافہ کرتی ہیں جس کے الفاظ یوں لکھے ہیں۔

"But this kind never comes out except by prayer and fasting.

امریکن ترجمہ بنام گڈ نیوز بائبل (جو کہ تمام دنیا کی بائبل سوسائٹیوں کے نمائندوں نے مل کر کیا تھا) کے ص 25 پر یہ آیت غائب ہے، 20 کے بعد 22 نمبر لکھی ہے اور حاشیہ N کے تحت لکھا ہے۔

Some manuscripts add verse 21: But only prayer and fasting can drive this kind out nothing else can.

اب آیئے سب سے پرانے اور مستند ترجمہ کنگ جیمز ورژن کی طرف، وہاں بغیر کسی بریکٹ کے آیت نمبر 21 یوں لکھی ہے۔

Howbeit this kind goeth not out but by prayer and fasting (KJV P-11)

لہٰذا پال کے بودے دلائل مروجہ بائبل کو مستند اور غیر محرف ثابت نہیں کر سکتے۔

"ولن يصلح العطار ماافسده الدهر" "زمانے کے بگاڑے کو کوئی سنوار نہیں سکتا"

پادری پال نے لکھا کہ کوئی فرد کیسا ہی زور آور ذی اقتدار کیوں نہ ہو ممکن نہیں کہ کلام الٰہی کو جو جہان کی ہدایت و روحانی ارتقاء کی غایت کے لیے خدا کی صفات قدوسیت کی منشاء کے موافق نازل ہوا اسی کے ایک شوشہ یا نقطہ کو بدل سکیں۔ (سلطان التفاسیر، ص:263)

اس کے اس بیان کا عکس یا نتیجہ یہ ہے کہ جس کلام میں تبدیلی ہو جائے وہ خدا کی طرف سے نہیں۔ چونکہ مروجہ بائبل میں تبدیلی ثابت ہے لہٰذا اس کے اپنے اقرار کے مطابق یہ کلام خدا نہیں۔ تبدیلی کا واضح اور غیر مشروط اقرار قاموس الکتاب ص:45 پر مصنف نے کتاب استثنا پر تبصرہ کرتے ہوئے کیا ہے اور لکھا ہے۔ "بیشک یہ امر واقعہ ہے کہ آخری دو ابواب اس (موسیٰ علیہ السلام) کی وفات کے بعد اس میں شامل کیئے گئے۔"

اس کے علاوہ تورات میں اس قسم کے فقرے ملتے ہیں "اور ایسا ہوا کہ جب موسیٰ اس شریعت کی باتوں کو ایک کتاب میں لکھ چکا اور وہ ختم ہو گئیں تو موسیٰ نے لاویوں...... تاکہ تیرے برخلاف گواہ رہے۔" (استثناء 24:31 تا 26)

اب ظاہر ہے کہ یہ فقرہ اس شریعت کی کتاب کا حصہ تو نہیں ہو سکتا تو اس اور اس جیسے اور کئی فقروں

کو تورات میں کیوں شامل کیا؟

ایک اور بات غور کرنے کے قابل ہے کہ عیسائی ساری بائبل کو الہامی کہتے اور ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر دلائل دیتے وقت صرف عہد کے صندوق کے دیتے ہیں کہ احکام عشرہ اور شریعت موسوی کتاب اس میں محفوظ تھی۔ حالانکہ وہ سب کچھ عہد کے صندوق کے ساتھ ہی ختم ہو گیا تھا۔ (قاموس، ص:673)

یعنی دعویٰ الہام ساری مروجہ بائبل کے بارے میں ہے مگر دلیل صرف تورات کے ایک حصہ کے بارے میں دیتے ہیں کہ لہٰذا دعوے اور دلیل میں تقریب نہیں۔ جب دعویٰ عام ہو تو دلیل بھی عام ہونی چاہیے۔ اس طرح ان کا مدعا ثابت نہیں ہوتا۔

خود سلطان پال لکھتا ہے کہ ''یہ حق ہے کہ ہمارے پاس اس زمانہ (تالیف تورات) کا کوئی نسخہ موجود نہیں ہے جس کے ساتھ مقابلہ کر کے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس زمانہ کے متن کے الفاظ اور موجودہ کتب میں کوئی فرق نہیں ہے۔'' (سلطان التفاسیر ص 330 بحوالہ برہان التفاسیر ص 350)

پھر آگے لکھتا ہے ''کوئی محقق یہ نہیں کہہ سکتا کہ موجودہ عبرانی کتب مقدسہ حرف بحرف وہی ہیں جو ڈھائی ہزار سال پہلے رائج تھیں کیونکہ اختلافات موجود ہیں۔ (سلطان التفاسیر ص 331 بحوالہ ایضاً)

مزید لکھا کہ ''ظالم بادشاہ اینٹی (انطاکس) نے 168ء قبل مسیح میں حکم دیا کہ یہود کی کتب مقدسہ کو برباد کر دیا جائے۔ (سلطان التفاسیر ص:332، 1۔ میکائی 56:1 بحوالہ برہان التفاسیر ص 350)

یہ حوالہ کیتھولک بائبل میں شامل کتاب 1۔ مکابیوں 56:1 تا 59 میں پورا ملاحظہ فرمائیں۔ انطاکس (اینٹی) کے بارے میں اور اس کے مظالم کی تفصیل قاموس الکتاب ص 94 پر لفظ انطاکس چہارم کے تحت ملاحظہ کریں۔

اسلام کے بارے میں مسیحی سوالات

یہ ان 23 سوالات کے جوابات ہیں جو کہ 1852ء (1268ھ) پھر 6 مزید سوالات 1853ء (1269ء) میں شامل کر کے ایک پادری نے اشتہار دیا کہ اس کا مسلمان جواب دیں تو مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ نے دو جلدوں پر مشتمل کتاب ازالۃ الشکوک لکھی جس میں مسیحی سوالات کا جواب دیا گیا۔ اس کتاب کا خلاصہ پیش خدمت ہے:۔

سوال نمبر1 :۔ معجزات محمدی کس طرح ثابت ہوں گے ۔ قرآن شریف سے یااور کتابوں سے؟

جواب: معجزات محمدی قرآن شریف اور حدیث کی کتابوں سے ثابت ہیں۔قرآن سے بعض تفصیلاً اور بعض اجمالاً اور حدیث کی کتابوں سے سب تفصیلاً ثابت ہیں۔

رفع آسمانی کے امکان کا ثبوت

تفصیلاً مثلاً قرآن سے (i)سبحان الذی اسریٰ۔(بنی اسرائیل:1:17)

آسمان پر جانا۔حضرت حنوک علیہ السلام (پیدائش 24:5)

ایلیا علیہ السلام کا آسمان پر جانا ثابت ہے۔ (سلاطین نمبر 2 باب نمبر 2) روح القدس کا آسمان سے نازل ہونا۔(متی باب 16:3،مرقس 10:1،لوقا 22,21:3)

اسی طرح مسیح علیہ السلام کا رفع آسمانی یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کا آسمان سے دوبارہ آنا سب مذاہب مانتے ہیں۔(مرقس 19:16،لوقا 51:24)

پولوس کا تیسرے آسمان پر فردوس میں جانا اور آنا۔ (کرنتھیوں نمبر 2 باب 2:12 تا5)

رفع ونزول آسمانی کے وقوع کی بحث

چونکہ پوری بائبل ناقابل اعتبار ہے اور مرقس کا آخری باب تو تسلیم شدہ الحاقی ہے لہٰذا عیسائی مسلمات تو ثابت نہیں ہوتے مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات بوجہ تواتر وسند متصل ثابت ہوتے ہیں۔

اگر یہ کہیں کہ مسیح علیہ السلام تو خدا تھے اس لیے رفع آسمانی ممکن ہوا تو جواب یہ ہے کہ ان کا پیدا ہونا اور مار کھانا، سولی دیا جانا یہ باتیں خدائی کے منافی ہیں۔اگر معراج محمدی عقل سے بعید ہے تو کنواری کے بے شوہر حاملہ ہونے کے بعد بچہ پیدا کرنا اور بھی بعید از عقل ہے۔پھر یہ کہ تثلیث فی التوحید اور توحید فی التثلیث سے بڑھ کر محال عقلی اور کون سا ہوگا؟

دوسرا معجزہ شق القمر: عیسائی اعتراض: اگر چاند دوٹکڑے ہوا ہوتا تو عیسائیوں اور ہندوؤں کی کتابوں میں ضرور لکھا جاتا۔

جواب:(i) طوفان نوح۔(پیدائش باب 6 تا8)

(ii) سورج کا ٹھہر جانا۔(یوشع 12:10 تا 14)

(iii) یسعیاہ نبی علیہ السلام کی دعا سے سایہ کا 10 درجے پیچھے چلے جانا۔(سلاطین نمبر 2, 8:20 تا 11)

(iv) مجوسیوں کے آگے آگے تارے کا چلنا۔(متی 9:2)

(v) آسمان کے دروازے کھل جانا، روح القدس کا کبوتر کی مانند اترنا۔(متی 16:3)

(Vi) صلیب کے واقعہ کے وقت تمام دنیا میں اندھیرا چھا جانا، سورج کی روشنی ختم ہو جانا۔(لوقا 23:44،45)

یہ چھ بڑے واقعات نئے اور پرانے عہد نامہ میں لکھے ہیں اور عیسائی ان کو مانتے ہیں۔ان کا وقوع بھی تمام دنیا میں دیکھا ہوگا۔ بتائیے مخالفوں کی تاریخ کی کس کتاب میں لکھے ہیں؟ ان میں سے کسی کا حال ہندوؤں، چینیوں، مجوسیوں کسی کی تاریخ میں درج نہیں۔ ہندو تو طوفان نوح علیہ السلام کے سرے سے منکر ہیں۔ یوسفیس نے بھی ان حادثات کو اپنی تاریخ میں نہیں لکھا۔ حالانکہ ان حادثات کی مدت بھی معجزہ شق قمر کی مدت سے زائد ہے۔ایسے ہی لوگوں کے بارے میں حضرت مسیح علیہ السلام کا قول ہے کہ اے ریا کار پہلے اپنی آنکھ کا شہتیر نکال پھر اپنے بھائی کی آنکھ میں سے تنکے کو اچھی طرح نکال سکے گا۔(متی 5:7)

اگر مخالف کی کتابوں میں نہ ہونے سے کسی واقعہ کی تکذیب لازم آتی ہے تو پادری ان کا بھی انکار کریں۔پھر یہ کہ یشوع 12:10 میں ہے، یشوع علیہ السلام کی دعا سے سورج تو جیون پر اور اے چاند تو وادی ایالون پر ٹھہرا رہ۔ یہ دن کے وقت چاند کہاں سے آ گیا کہ اس کو بھی روکا؟ پھر یہ بھی کہ یورپی علماء ہی کہتے ہیں کہ سورج کے گرد زمین گردش کرتی ہے تو سورج کو کیوں روکا زمین کو کیوں نہیں روکا؟

تیسرا معجزہ: جنگ بدر میں کنکریاں پھینکیں جو سب کفار کی آنکھوں میں جا پڑیں۔(انفال 17:8)

چوتھا معجزہ: حکومت ملنا۔(نور 55:24)

پانچواں معجزہ: دین اسلام کا غالب آنا۔(فتح 28:48)

چھٹا معجزہ: فتح خیبر کی پیش گوئی۔(فتح 18:48 تا 21)

ساتواں معجزہ: فتح مکہ کی پیش گوئی۔(فتح 27:48)

آٹھواں معجزہ: کفر مغلوب ہوگا۔(آل عمران 12:3)

نواں معجزہ: کفار کی فوج پیٹھ پھیر کر بھاگ گئی۔(قمر 44:54-45)

دسواں: جنگ بدر کی فتح۔(انفال 7:8)

گیارہواں معجزہ: جنگ خندق میں اتحادی افواج کی شکست۔(احزاب 9:33، 22 تا 27)

بارھواں معجزہ: فتح مکہ کے بعد کفار کا جوق در جوق مسلمان ہونا۔ (سورہ نصر 110:1 تا 3)

تیرھواں معجزہ: رومیوں کی فتح کی پیش گوئی۔ (روم 30:2 تا 6)

ابی بن خلف نے 100 اونٹ اس فتح کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیئے۔ استثناء میں ہے کہ سچے نبی کی یہی نشانی ہوتی ہے کہ اس کی پیش گوئی پوری ہوتی ہے۔ (استثنا 18:22)

بقول انجیل نگار، جبکہ مسیح علیہ السلام نے کہا تھا کہ یہ نسل تمام نہ ہوگی کہ یہ باتیں پوری ہو چکیں گی۔

(متی 24:34+ پورا باب 24)

مگر یہ پیش گوئی آج تک پوری نہ ہوئی

چودھواں معجزہ: حفاظت قرآن۔ (الحجر 15:9)

پندرھواں معجزہ: مکہ واپس لانے کی پیش گوئی۔ (قصص 28:85)

سولھواں معجزہ: یہودی موت کی آرزو نہ کریں گے۔ (بقرہ 2:94-95۔ جمعہ 62:7)

سترھواں: یہودیوں پر ذلت اور مسکنت۔ (بقرہ 2:61۔ آل عمران 3:111-112)

اٹھارواں معجزہ: کافروں مشرکوں کے دل میں رعب ڈالا جانا، یہ جنگ احد کے اگلے دن ہوا اور پھر اگلے سال بدر کا وعدہ کر کے جنگ کے لیے نہ آئے۔ (آل عمران 3:151)

انیسواں معجزہ: قرآن کی مثل نہ لاسکیں گے۔ (بنی اسرائیل 17:88، ہود 11:13، یونس 10:38)

اعجاز قرآن

(1) قرآن مجید کی فصاحت اور بلاغت کی وجوہ:

جو ہدایت قرآن سے ہوتی ہے اس میں معارضہ چاہا گیا ہے کہ اگر تم کو قرآن کے خدا کی طرف سے ہونے میں کوئی شبہ ہے تو کوئی ایک سورہ یا دس سورتیں یا کوئی کتاب مثل قرآن کے بنا لاؤ جو ایسی ہادی ہو۔ (سر سیّد احمد خان۔ تفسیر ص 73 بحوالہ برہان التفاسیر 218 از مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ)

(i) شاعری میں شراب و شباب اور اس کے متعلقات کا ذکر ہوتا ہے مگر قرآن میں ذات و صفات الٰہیہ، قوانین عبادت و معاملات، محاسن اخلاق، حالات آخرت، ترغیب زہد و قناعت و سخاوت، صبر، آخرت کی طلب کا بیان ہے۔ فصاحت و بلاغت کا دائرہ ان چیزوں کے بیان میں بہت تنگ ہے۔

(ii) اعلیٰ ترین فصاحت و بلاغت کے باوجود جھوٹ اور مبالغہ نہیں ہے۔

(iii) باوجود طوالت کے فصاحت و بلاغت کا اعلیٰ درجہ یہ ہے اگرچہ اتنے طویل کلام میں ان کی رعایت ناممکن ہے۔

(iv) باوجود تکرار کے فصاحت و بلاغت میں فرق نہیں آیا۔

(v) شاعر یا نثر نگار کسی خاص صنف میں ماہر ہوتے ہیں مثلاً امراء القیس عورتوں اور گھوڑوں کے حسن کی تعریف کا ماہر ہے۔ نابغہ بیان جنگ، اعشیٰ بیان بزم، زہیر بیان حاجت میں، فارسی شاعروں میں سے نظامی اور فردوسی بیان رزم (جنگ)، سعدی غزل، انوری قصائد ہیں بہت اچھے ہیں۔ مگر قرآن شریف ہر موضوع کے بیان میں چاہے ترغیب ہو یا ترتیب، زجر اور توبیخ، وعظ یا حکمت، مبدء یا معاد کا بیان ہو۔ یکساں فصیح و بلیغ ہے۔

(vi) ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف منتقل ہوتے وقت بھی فصاحت و بلاغت کا معیار وہی رہتا ہے۔ ربط اور نظم کلام میں بھی فرق نہیں آتا۔

(vii) تھوڑے الفاظ میں بڑا مضمون بیان کرتا ہے مثلاً بقرہ 179:2، ولکم فی القصاص حیاۃ اسی طرح سورہ اعراف 31:7 میں دریا کوزے میں بند فرمادیا۔ کلوا و اشربو و لاتسرفو۔

(viii) اسلوب فصاحت شاعروں اور نثر نگاروں کے خلاف رکھا تاکہ کلام الٰہی ان سے ممتاز رہے خصوصاً سورتوں کے شروع اور آخر میں۔

(iX) باوجود کمال اختصار کے تمام دینی علوم و معارف کو محیط ہے اور باوجود اختصار کے فصاحت و بلاغت کا درجہ محفوظ ہے۔

(x) جزالت (مضبوط سختی) اور عذوبت (مٹھاس، نرمی) کی صفتوں کو جامع ہے۔ حالانکہ یہ دونوں متضاد ہیں۔ اتنے بڑے مجموعہ میں ان کا جمع ہونا کمال بلاغت کی دلیل ہے۔

(xi) جو ہدایت قرآن سے ہوتی ہے اس میں معارضہ چاہا گیا کہ اگر قرآن کے خدا کی طرف سے ہونے میں شک ہے تو کوئی ایسی ایک سورہ یا دس سورتیں یا کوئی کتاب مثل قرآن کے بنالاؤ جو ایسی ہادی ہو۔ (سرسید کی تفسیر، ص 73، بحوالہ برہان التفاسیر، ص 218)

(2) سچی پیش گوئیاں

(3) قدیم زمانہ کی خبریں اور قصے قرآن میں بیان ہوئے حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امّی تھے اور جن لوگوں میں پرورش پائی وہ بت پرست، جاہل، اور لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے کہ احتمال ہو کہ ان سے سیکھ لیا۔

(4) اس کا حفظ کرنا اللہ تعالیٰ نے بہت آسان بنا دیا۔

(5) نزول کے دن سے آج تک محفوظ اور ہر قسم کی تحریف سے پاک ہے اور کوئی اس کی تحریف پر قادر نہیں ہو سکا۔

(6) دینی یا دنیاوی، ترغیب یا ترہیب، عنایت یا عتاب، ہر چیز کے بیان میں صرف اتنا ہی بیان ہے۔ جتنی ضرورت تھی، گویا حکیم کا نسخہ ہے۔

(7) قرآن ان امور کے بیان پر مشتمل ہے جو کہ دنیا و آخرت کے فائدہ کا خلاصہ ہے۔ قرآن کا کوئی رکوع بلکہ کوئی بڑی آیت ان امور کے بیان سے خالی نہیں مثلاً

(i) صفاتِ کاملہ الٰہیہ۔

(ii) ہر قسم کے نقص و عیب سے خدا تعالیٰ کا پاک ہونا۔

(iii) توحید خالص کی طرف دعوت اور شرک سے روک ٹوک۔

(iv) انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر خیر۔

(v) پہلی قوموں کے برے افعال سے برأت مثلاً بت پرستی۔

(vi) انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے والوں کی تعریف۔

(vii) انبیاء علیہم السلام کے مخالفین کی مذمت۔

(viii) اس امر کا وعدہ کہ بالآخر انبیاء علیہم السلام کے ماننے والوں کا غلبہ منکرین پر ہوتا ہے۔

(ix) روز قیامت کی جزاء و سزا کا بیان۔

(x) جنت و جہنم کا ذکر۔

(xi) دنیا کے فانی ہونے کا ذکر۔

(xii) عالم آخرت کے ہمیشہ رہنے کا ذکر۔

(xiii) حلال و حرام کا بیان۔

(15) تدبیر المنزل۔

(16) سیاست مدنی کے احکام۔

(17) اللہ اور اہل اللہ کی محبت کا شوق دلانا۔

(18) ان باتوں کا بیان جو خدا کے قرب کا باعث ہیں یعنی نیکی و بدی۔

(19) فاسقوں اور بے ادبوں کی صحبت سے پرہیز کا حکم۔

(20) تمام عبادات میں نیت خالص رکھنے کی تاکید۔

(21) ریاکاری کی مذمت۔

(22) تہذیب اخلاق مجمل و مفصل تاکید۔

(23) برے اخلاق پر مجمل و مفصل تہدید۔

(24) اخلاق حسنہ مثلاً علم، تواضع، کرم، شجاعت، عفت وغیرہ کی تعریف۔

(25) برے اخلاق مثلاً غضب، تکبر، بخل، ظلم وغیرہ کی مذمت۔

(26) پرہیزگاری کی نصیحت۔

(27) ذکر الٰہی اور عبادت کی ترغیب۔

حالانکہ یہ علوم و معارف عرب کے لوگوں میں اس وقت موجود نہ تھے نہ ان کے پاس حکمت اور نبوت کی کوئی کتاب تھی۔

(8) قرآن کی تلاوت سے خدا کا خوف اور اس کے ذکر کا شوق پیدا ہوتا ہے جیسا کہ زمر 23:39 میں فرمایا۔اس کا ثبوت نجاشی رضی اللہ عنہ کی تصدیق۔اس کیفیت کا ذکر المائدہ 82:5-83 میں ہے۔

(9) اہل ایمان اگرچہ بار بار قرآن پڑھیں مگر دل اکتاتا نہیں ہے مگر انسانی کلام کے بار بار پڑھنے سے دل اکتا جاتا ہے۔

(10) باوجود طوالت، بیان احکام اور مختلف قصوں کے، تناقض واختلاف سے پاک ہے۔اسی کی طرف نساء 82:4 میں اشارہ ہے۔

(11) اگر کوئی اعتراض کرے کہ فصاحت و بلاغت تو صرف عربی کے ماہرین ہی سمجھ سکتے ہیں، تمام آدمیوں پر اس کا اثبات کیسے ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ عربی زبان کے ماہر کروڑہا لوگوں نے جب اس کی گواہی دی اور یہ گواہی تواتر سے ثابت ہوگی تو یہ اوروں پر بھی حجت ہے کہ ماہرین فن گواہی دے رہے ہیں۔اگر کروڑوں لوگوں کی گواہی ناقابل قبول ہے تو پھر معجزات عیسوی بھی ناقابل اعتبار ٹھہریں گے کیونکہ ان کو دیکھنے والے چند لوگ تھے اور پھر یہ کہ ان کی روایت کی سند بھی متصل نہیں ہے۔قرآن کا معجزہ فصاحت و بلاغت اب بھی جانچا جا سکتا ہے مگر معجزات عیسوی کے جانچنے کا سوائے سماع کے اور کوئی ثبوت نہیں۔مزید یہ کہ جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح پانی کو

خون کر دیا اور مینڈک چڑھا لائے۔ (خروج باب 22:7 اور 7:8)

اعمال 9:8 کے مطابق ایک جادوگر بھی ایسے ایسے کام کرتا تھا کہ لوگ اسے خدا کی بڑی قدرت کہتے تھے۔ جن کی آشنا عورت نے ساؤل کی فرمائش پر سمویئل علیہ السلام کی روح کو بلایا اور مستقبل کا حال پوچھا۔

(سیموئیل نمبر1، 7:28 تا19)

اور پھر اس پیش گوئی کے مطابق حالات پیش آئے۔ (ایضاً باب:31)

ایک لونڈی میں غیب دان روح تھی اور وہ غیب گوئی سے اپنے مالکوں کے لیے بہت کچھ کمائی تھی۔

(اعمال 16:16)

ہمارا سوال یہ ہے کہ بالفرض وہ معجزات جو انجیل مروج میں درج ہیں، مان بھی لیں کہ وہ مسیح علیہ السلام نے کیے تب بھی آپ کے پاس کیا دلیل ہے وہ جادو کے زور یا جنوں کی آشنائی یا شیطان کی مدد سے نہ کیے ہوں۔

دجال کے بارے میں پال نے لکھا کہ اس کی آمد جھوٹی قدرت اور نشانوں اور عجیب کاموں کے ساتھ ہوگی۔ (تھسلنیکیوں نمبر2 باب 9:2)

یہ صرف دجال کے بارے میں ہے۔ کیوں کہ اس آیت سے پہلے لکھا ہے کہ اس کو خود مسیح آ کر ہلاک کریں گے۔ اسی دجال کے بارے میں مکاشفہ (13:13 تا14) میں ہے کہ وہ بڑے بڑے نشان دکھاتا تھا۔ یہاں تک کہ آدمیوں کے سامنے آسمان سے زمین پر آگ نازل کر دیتا تھا اور زمین والوں کو گمراہ کر دیتا تھا۔ آج کل بھی جادوگر اور مداری لوگوں کے سامنے آدمی کا سر کاٹ کر پھر اس کو دھڑ کے ساتھ ملا کر آدمی کو زندہ کر دیتے ہیں۔

ہمارا سوال یہ ہے کہ آپ کے پاس کون سی دلیل ہے کہ دجال تو جھوٹا ہو، مداری جھوٹے ہوں اور مسیح سچے ہوں۔ دجال کی الوہیت کا قائل کافر ہو اور مسیح علیہ السلام کی الوہیت کا قائل مومن شمار کیا جائے۔ کیا دلیل ہے کہ مسیح علیہ السلام کے معجزات از قسم شعبدہ نہ ہوں جیسا کہ یہودی قوم دو ہزار سال سے متواتر کہہ رہی ہے اور اس پر الزام میں ان کی قوم میں کوئی اختلاف نہیں۔ یہی ان کے ہم عصر یہودیوں نے کہا تھا۔ (متی 34:9)

اگر آپ کہیں کہ مسیح علیہ السلام کے معجزات تو قرآن سے بھی ثابت ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ اپنے عقائد اپنی کتابوں سے ثابت کریں کیونکہ قرآن کو آپ سچی الہامی کتاب مانتے ہی نہیں ہیں۔

مسیح علیہ السلام پر ان کے بھائی بھی ایمان نہ لائے تھے۔ (یوحنا 5:7)

یہودی بھی آپ کو بدروح مانتے تھے۔ (یوحنا 20:7)

یہودی کہتے تھے بھلا سرداروں اور فریسیوں میں سے کوئی بھی اس پر ایمان لایا، سوائے عام لوگوں کے جو شریعت سے ناواقف نہیں اور لعنتی ہیں۔ (یوحنا 7:48-49)

ہمارا آپ سے سوال یہ ہے کہ آپ کے گزرے ہوئے مسیحی علماء چونکہ مسیح کے متعقد تھے اور ان کی یہ خواہش تھی کہ لوگ مسیح کے معتقد ہو جائیں اور اس سبب سے ہماری عزت اور دولت میں اضافہ ہو، لہٰذا انہوں نے آپ کی کرامتیں اور معجزے گھڑ کر کتابوں میں لکھ دیئے۔

مسیح علیہ السلام کے حواریوں کو آپ لوگ انبیاء علیہم السلام سے بھی افضل مانتے ہو۔ (2- کرنتھیوں 5:11، میزان الحق باب نمبر 2، فصل نمبر 7 ص 143) مگر ان کی ایمانی حالت کے متعلق مسیح علیہ السلام کے اقوال مندرجہ ذیل ہیں۔ جبکہ مسیح علیہ السلام کا ہی قول انجیل میں درج ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔

(i) مسیح علیہ السلام نے انہیں کم اعتقاد کہا۔ (متی 8:16)

(ii) تمام شاگرد مل کر بھی بدروح نہ نکال سکے تو مسیح علیہ السلام نے انہیں بے اعتقاد اور کجرو نسل کہا جب شاگردوں نے خلوت میں اپنی ناکامی کا سبب پوچھا تو ایمان کی کمی بتایا اور فرمایا کہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو گا تو پہاڑ تمہارے کہنے سے دوسری جگہ چلا جائے گا۔ (متی 17:17 تا 20)

اس سے ثابت ہوا کہ شاگردوں میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہ تھا۔ اور اس صورت میں کہ ان کا مرتبہ انبیائے بنی اسرائیل سے بھی زیادہ تھا تو پھر انبیائے بنی اسرائیل کے ایمان کا کیا ٹھکانہ ہو گا۔ شاید اسی حالت کی طرف اشارہ ہے کہ نبی سے کاہن تک ہر ایک دغاباز ہے۔ (یرمیاہ 13:6، 10:8)

نبی اور کاہن دونوں ناپاک ہیں۔ (یرمیاہ 11:23)

میں نے یروشلم کے نبیوں میں بھی ایک ہولناک بات دیکھی وہ زناکار، جھوٹ کے پیروکار اور بدکاروں کے حامی ہیں۔ (یرمیاہ 14:23)

یسعیاہ (7:28) میں ہے کہ کاہن اور نبی بھی نشہ میں چور اور مے میں غرق ہیں وہ نشہ میں جھومتے ہیں۔ وہ رویاء میں خطا کرتے ہیں اور عدالت میں لغزش کھاتے ہیں۔ مسیح علیہ السلام کے شاگرد آنکھوں سے روٹیوں والا معجزہ دیکھ کر بھی نہ سمجھے بلکہ ان کے دل سخت ہو گئے تھے۔ (مرقس 52:6)

یہودا اسکریوتی نے سردار کاہنوں کے پاس جا کر کہا کہ اگر میں اسے تمہارے حوالے کرا دوں تو مجھے کیا دو گے۔ (متی 14:26-15)

پھر وہ 30 روپے لے کر آپ علیہ السلام کو پکڑوانے کا موقع ڈھونڈتا رہا۔(متی 15:26-16)

متی کا باب نمبر 26 پورے کا پورا شاگردوں کی بے ایمانی، نافرمانی سے بھرا پڑا ہے۔حتیٰ کہ پطرس نے آپ علیہ السلام پر لعنت کی اور قسم کھا کر برأت کا اظہار کیا۔(متی 74:26)

اسی طرح پال بھی آپ علیہ السلام کو ملعون کہتا ہے۔(گلتیوں 13:3)

ایک طرف تو عیسائی آپ علیہ السلام کو خدا کہتے ہیں اور دوسری طرف ملعون کہتے ہیں حالانکہ تورات کے مطابق خدا پر لعنت کرنے والے کی سزا سنگسار کرنا ہے۔(احبار 11:24 تا 16)

پطرس جیسے اعظم الحوارین کو آپ علیہ السلام نے شیطان کہہ کر دور ہونے کا حکم دیا۔(متی 23:16)

تو پھر باقی حواریوں کا کیا حال ہوگا۔

پولوس خود گنگا گئے تو گنگا رام اور جمنا گئے تو جمنا داس کا مصداق تھا۔(1۔کرنتھیوں 20:9 تا 22)

جبکہ پادری فانڈر طریق الحیات، ص:46، (مطبوعہ 1847ء) پر لکھتا ہے کہ تقیہ ہر حالت میں صرف کم اعتقادی اور بے ایمانی سے ظاہر ہوتا ہے۔

حواریوں کے کمزور ایمان کی وجہ وہ پیش گوئیاں تھیں جو پوری نہ ہوئیں، جن کا ذکر متی 23:10,28:16 اور 34:24 میں ہے

جو برے کام کرے گا چاہے حواری ہو، اس کو مسیح علیہ السلام بخشوا نہ سکیں گے۔صرف خدا کے حکم پر چلنے والا بخشا جائے گا۔(متی 20:7 تا 23)

مشابہت معجزے کے اعجاز کو باطل نہیں کرتی ورنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام و عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات میں جادوگروں اور حواریوں کی شراکت اور یسعیاہ و یرمیاہ کی پیش گوئیوں کے مثل نجومیوں کی پیش گوئیاں معجزات انبیاء علیہم السلام کو باطل کر دیں گی۔

بائبل کا عربی ترجمہ سینکڑوں عیسائی علماء عبرانی و عربی و یونانی نے مل کر 1625ء میں کیا جس کو دوبارہ 1821ء میں لندن سے شائع کیا۔جب اس کی غلطیوں کی طرف توجہ کرائی گئی تو عیسائیوں نے اپنی غلطیوں کو روح القدس کے سر تھوپ کر مقدمہ میں یوں لکھا کہ ''روح القدس نہیں چاہتا کہ خدا کے کلام کی فراخی کو نحو کے قواعد کی تنگ حدوں میں بند کرے۔روح القدس نے آسمانی بھید ہمارے لیے بغیر فصاحت و بلاغت کے پیش کیے۔(بحوالہ مقدمہ ترجمہ مذکور ازالۃ الشکوک ص 187 تا 189 جلد نمبر 1)

صافات 13:37-14، زخرف 47:43، المائدہ 110:5 میں معجزات کا مذاق اڑانے والے کفار کا

ذکر ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ معجزات وقوع پذیر نہیں ہوئے یا وہ نعوذ باللہ جادو تھا۔ کفار کا یہ طریقہ عہد نامہ جدید سے بھی ثابت ہے۔ لکھا ہے کہ روح القدس کی تاثیر سے شاگرد غیر قوموں کی بولی بولنے لگے۔ (اعمال 1:2 تا 12) تو یہودی ٹھٹھا کر کے کہنے لگے کہ یہ تو تازہ مے کے نشے میں ہیں۔ (اعمال 13:2)

اسی طرح پولس نے قیامت اور مردے زندہ ہونے کا ذکر کیا تو لوگوں نے اس کا مذاق اڑایا۔

(اعمال 32:17)

حضرت مسیح علیہ السلام کا گرفتاری کے بعد مذاق اڑایا گیا۔ (لوقا 63:22، 64، 65، لوقا 11:23، متی 27:27 تا 30)۔ یوحنا 20:10 میں مسیح علیہ السلام کو دیوانہ اور بدروح کے زیر اثر کہا گیا۔ مسیح مصلوب کی منادی کو یہودی ٹھوکر اور غیر قومیں بے وقوفی کہتی تھیں۔ (کرنتھیوں 23:1) 14:2)

پولس کو دیوانہ کہا گیا۔ (اعمال 24:26)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات احادیث سے

حضرات انبیاء علیہم السلام کے معجزات میں تھوڑی مقدار کو زیادہ کرنے کے معجزات پائے جاتے ہیں اور اس میں بھی اللہ تعالیٰ کا ادب شامل ہے کہ بغیر مادے کے پیدا کرنا خدا ہی کا خاصہ ہے اور بس اسی لیے ایسا فعل کیا کہ ظاہر میں جس میں کچھ احتیاج ثابت ہو۔

اثباتِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجوہ

(1) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت سی پیش گوئیاں کیں جن میں سے کچھ تو اپنے وقت پر پوری ہو گئیں اور باقی پوری ہوں گی۔

(2) بے شمار معجزات جو جم غفیر نے دیکھے۔

(3) باوجود امی قوم کے امی فرد ہونے کے، اخلاق عظیمہ درجہ کمال پر تھے جس سے دشمنوں کو بھی مجال انکار نہیں۔

(4) باوجود تحریف کے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارتیں ابتک بائبل میں موجود ہیں۔ جن کی تفصیل پر مشتمل پورا باب اس کتاب میں شامل ہے۔

(5) باوجود امی ہونے کے تحدی کے ساتھ بے مثل قرآن پیش کیا جس کی مثل تحدی کے باوجود کوئی نہ لا سکا اور یہ دعویٰ بھی قرآن ہی کا ہے کہ اس کی مثل کوئی نہ لا سکے گا۔

(6) قرآن تحریف سے پاک رہا، اگرچہ بہت سے ملحدین نے کوشش تحریف کی کی۔

(7) مکہ میں سخت ترین حالات کے باوجود تبلیغ میں، باوجود خوف و لالچ کے، کوئی کمی نہ کی اور خدا تعالیٰ پر

بھروسہ رکھا جس نے آپ ﷺ کا دین مشرق سے مغرب تک پھیلا دیا۔ یہ بات بہت بعید ہے کہ دنیا کا طالب ایسا کرے۔

(8) آپ ﷺ کی بعثت کے وقت پوری دنیا بت پرستی میں مبتلا تھی۔ مگر آپ ﷺ نے سب رکاوٹوں کے باوجود خدا کا دین پھیلایا اور 30 برس کے اندر اندر آدھی دنیا میں شرک کی جڑ بالکل کٹ گئی۔

کفار کہتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔ حالانکہ بغیر تلوار کے مدینہ مسلمان ہو گیا، حبشہ کا بادشاہ نجاشی رحمہ اللہ مسلمان ہوئے، یمن کا حاکم 7ھ میں بمعہ اپنے ملک کے مسلمان ہوا۔

سوال نمبر 2: معجزاتِ محمدی کا ثبوت قرآن ہی سے ضروری ہے کیونکہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے معجزات ان کتابوں سے ثابت ہیں۔

جواب: آنحضرت ﷺ کے معجزات قرآن سے تفصیلاً اور اجمالاً اور صحیح احادیث سے تفصیلاً ثابت ہیں۔ قرآن سے معجزات کا بیان سوال نمبر 1 کے تحت گزر چکا۔ سائل کا یہ مطالبہ کہ صرف قرآن سے معجزات کا ثبوت ہونا چاہیے۔ یہ مخدوش قول ہے۔ کیونکہ

(i) اگر ان کتابوں سے معجزے ثابت ہوں جن کو انبیاء علیہم السلام نے الہام سے لکھا تو اس صورت میں معجزات عیسویہ کا ثبوت سائل کے نزدیک نہیں ہو سکتا کیونکہ انجیل متعارف کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہرگز نہیں لکھا نہ ان کی زمینی زندگی کے دوران لکھی گئیں، بلکہ مرقس، لوقا اور پولس تو تب تک ایمان بھی نہ لائے تھے۔

(ii) اگر یہ مراد ہو کہ انبیاء علیہم السلام کی کتابیں ان کے صحابی نے لکھ کر ان انبیاء علیہم السلام کے وقت میں ان سے تصدیق کرا لی ہوں تب بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزے ثابت نہیں ہو سکتے۔

(iii) اگر یہ مراد ہو کہ وہ کتابیں خود متعلقہ انبیاء علیہم السلام نے لکھی ہوں، یا ان کے صحابہ نے ان کے عہد میں لکھی ہوں، یا ان کے عہد کے بعد ثقہ آدمی نے لکھی ہوں مگر مجازاً ان کتابوں کو ان انبیاء علیہم السلام کی کتابیں کہتا ہو تو مسلّم ہے مگر اس لحاظ سے اس کی دلیل اس کے مدعا کو ثابت نہیں کرتی کیونکہ اس کو چاہیے پھر اپنے قول کے موافق مسلم احادیث کی صحیح کتابوں مثلاً بخاری و مسلم کو حضور ﷺ کی کتابیں مانے۔

پہلا فائدہ: یہودی اور عیسائی دونوں زبانی روایات کو بہت معتبر جانتے ہیں۔ آدم کلارک اپنی تفسیر کی دوسری جلد میں عزرا کتاب کی شرح کے دیباچہ میں (ط 1851ء)، ہارن اپنی تفسیر کی دوسری جلد نمبر 2

کے پہلے حصے کے باب نمبر 7 (ط 1822ء) میں مشنا کا تعارف لکھتا ہے ،ان دونوں نے یہودیوں کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کا عقیدہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر تورات اوراس کے معانی کا علم ،دونوں عطا کی تھیں ۔تورات لکھی ہوئی تھی جبکہ علم تفسیر زبانی روایات کی شکل میں تھا۔ یہ دونوں Protestant ہیں۔ کاتھولک میں سے یوسی بئس جس کی تاریخ کو رومی کاتھولک اور پروٹسٹنٹ دونوں معتبر جانتے ہیں، اپنی تاریخ مطبوعہ 1847ء کی دوسری کتاب کے نویں باب میں یعقوب حواری کے حال کے تحت حکایت درج کرتا ہے۔اسی طرح اورحکایات درج کی ہیں ۔ جان ملز کاتھولک اپنی کتاب مطبوعہ 1843ء میں براؤن کے نام دسویں چٹھی (خط) میں لکھتا ہے کہ کاتھولک کے ایمان کی بنیاد فقط وہی کلام خدانہیں جولکھا ہوا ہو بلکہ زبانی روایات بھی ہیں اوران دونوں کی شرح کیتھولک کلیسانے کی ہے۔

اس لئے یہودی مشنا ،گمارا اورطالمود کو قابل اعتبار اورعیسائی اپنے بزرگوں کی روایات کو قابل اعتبار سمجھتے ہیں۔ان کے ساتھ ساتھ یہ بھی یادرہے کہ موجودہ بائبل کی کتابیں متعلقہ انبیاء علیہم السلام کے عہد میں نہیں بلکہ زبانی روایات کی بنیاد پر بعد میں اور بہت بعد میں لکھی گئیں۔

دوسرا فائدہ: جس چیز کے یادرکھنے کا آدمی کو اہتمام ہونا چاہیے دینی یا دنیاوی تو وہ بہت یادرہتی ہے۔اسی طرح جو چیز عجیب وغریب ہو اور خصوصاً وہ جس میں دونوں باتیں جمع ہوجائیں یعنی دینی بھی ہو اورعجیب وغریب بھی ہو مثلاً معجزات تو وہ لوگوں کو یادرہتی ہے۔

تیسرا فائدہ: ثقہ راویوں سے مروی صحیح الاسناد صحیح المتن احادیث بھی معتبر ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مقدام بن معدیکرب روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اَ لَااِنِّی اوتیتُ القرآن و مثلة معه اس کے ساتھ ساتھ متواتر روایت میں اپنے نام سے جھوٹی روایت کرنے والے کوجہنم کی وعید سنائی امت نے اسمائے رجال کا اہتمام کیا جودنیا کی کسی اورقوم نے نہیں کیا۔

حدیث وقرآن میں فرق

(i) قرآن کا ہرلفظ متواتر اورروایت باللفظ ہے جبکہ احادیث میں روایت بالمعنیٰ بھی مقبول رہی ہے۔

(ii) چونکہ قرآن متواتر ہے لہٰذا اس کے ایک جملہ کے انکار سے بھی کفرلازم آتا ہے مگراحادیث متواترہ کے علاوہ اقسام میں یہ بات نہیں ہے۔

مروجہ اناجیل اخبارِ آحاد کے درجہ میں بلکہ ضعیف کے درجہ میں ہیں۔

حدیثوں پر پادریوں کے اعتراضات

(i) احادیث نقل والے حضور ﷺ کے صحابی، رشتہ دار، ازدواج ہیں لہٰذا اِن کی گواہی آپ ﷺ کے حق میں معتبر نہیں بلکہ تعصب اور طرف داری پر محمول ہے۔

(جواب) پھر مسیح علیہ السلام کے حق حواریوں کی گواہی بھی معتبر نہیں، کیونکہ تعصب اور طرف داری پر محمول ہے۔

(ii) حدیثوں کے راویوں نے آپ ﷺ کے معجزات آنکھ سے نہیں دیکھے بلکہ 200/100 برس بعد سُن کر اُن کو جمع کیا اور ان کو بے اعتباری کی وجہ سے نصف کے قریب حذف کر دیا۔

(جواب:) اناجیل بھی مسیح علیہ السلام کے رفع کے دہائیوں بعد لکھی گئیں اور ان میں بھی سارے معجزات نہیں لکھے گئے بلکہ بے شمار حذف کر دیئے گئے جب کہ یوحنا 25:21 میں لکھا ہے۔

اگر مسیح علیہ السلام نے مردے زندہ کیئے ہوتے تو صدوقی ضرور جانتے۔

(iii) احادیث میں اختلاف ہے اور اختلاف صحت کے منافی ہے۔

(جواب) اخبار احاد میں چند جگہ موجود اختلاف تھوڑے غور و فکر سے دور ہو جاتا ہے مگر ایسا اختلاف نہیں جیسا کہ بائبل میں پایا جاتا ہے۔ مثلاً مسیح علیہ السلام کا نسب نامہ جو متی اور لوقا نے بیان کیا ہے۔ اس میں ایک نے 28 اور دوسرے نے 42 پشتیں بیان کی ہیں۔ عیسائی مذہب میں ایک اور تین کو تو ایک ماننا پڑا تھا مگر اب 28 اور 42 کو بھی ایک ماننا پڑا۔ (تضاداتِ بائبل پر پورا باب شامل کتاب ہے۔)

(iv) اکثر احادیث میں عقلی طور پر محال باتوں کا بیان ہے۔

(جواب) فانڈر نے دو قسم کی احادیث نقل کی ہیں ایک جنت دوزخ کے بیان میں جن میں کوئی بات عقلاً محال نہیں ہے۔ دوسری وہ احادیث جن میں آپ ﷺ کے معجزات کا بیان ہے۔ یہ محال عقلی نہیں عادۃً محال ہیں۔ اور تمام انبیاء علیہم السلام کے معجزات ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اسی طرح کے معجزات حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دکھائے۔ اگر یہ محال ہیں تو وہ بھی محال ہی ہوں گے۔

(v) بہت سی حدیثیں قرآن کے خلاف ہیں۔ مثلاً یہ کہ قرآن میں لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے کوئی معجزہ نہیں ہوا، یہ کہ آپ ﷺ گناہ گار تھے۔ (نعوذ باللہ) اور یہ کہ لڑکپن میں نعوذ باللہ نادان اور گمراہ تھے۔

(جواب) (i) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت سے معجزات ظاہر ہوئے جن کا ذکر قرآن وحدیث میں موجود ہے۔

(ii) یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گناہ گار تھے (نعوذ باللہ) کا جواب یہ ہے۔

(a) اہل اسلام کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کی عصمت عقلاً ونقلاً ثابت ہے۔

(b) اہل اسلام کے نزدیک یہ بات بھی ضروری اور مدلل ہے کہ جو لفظ لغت سے شرع میں منقول ہوئے ہیں مثلاً صلوٰۃ، زکوٰۃ، حج وغیرہ جب خدا اور رسول کے کلام میں ہوتے ہیں تو ان کو ان شرعی معانی میں لیتے ہیں جو کہ اسلامی شریعت کی اصطلاح میں ان کے معانی مراد ہوتے ہیں۔ جب تک کوئی عقلی ونقلی دلیل قطعی ایسی نہ ہو کہ شرعی معنیٰ کے مراد لینے سے منع کرے تب تک ان شرعی معانی کو ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔

اسی طرح لفظ ذنب، شریعت میں جہاں جہاں استعمال ہوا ہے تو لغزش (زلّہ) اور ترکِ اولیٰ یا الزام کے معنے میں آیا ہے۔

(c) خود کو خدا تعالیٰ کے سامنے عاجز ظاہر کرنا مقربین کا طریق کار ہے جیسے خود مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟" (متی 46:27)

اب کوئی الزام دینے والا یہ کہے کہ مسیح علیہ السلام تو اپنے منہ سے اقرار کر رہے ہے کہ خدا نے انہیں چھوڑ دیا اور خدا تعالیٰ کن لوگوں کو چھوڑتا یہ فیصلہ آپ خود کریں تو الزام لگانے والے کی بات عیسائی کی درست نہ سمجھیں گے۔ اسی طرح سیدنا داؤد علیہ السلام کے زبور میں آپ علیہ السلام اپنی خطاؤں، بدی، گناہ کی معافی مانگتے ہیں۔ (زبور 1:51 تا 4)

اور خود کو مجسم بدی قرار دیتے ہیں اور گناہ کے ساتھ اپنے حمل کا ذکر کرتے ہیں۔ (زبور 5:51)

پھر اپنے ہونٹ کھولنے کی درخواست کرتے ہیں۔ (زبور 15:51)

حضرت داؤد علیہ السلام سے منسوب زبور میں ہے کہ آپ علیہ السلام نے کہا کہ خدا تعالیٰ نہ دن کو نہ رات کو ان کی دعائیں سنتا۔ (زبور 1:22 تا 2)

اور انہی میں یہ بھی ہے کہ خدا نے انہیں چھوڑ دیا۔

اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کے زبور میں ہے کہ خدا تعالیٰ نے آسمان پر سے بنی آدم پر نگاہ کی تو دیکھا کہ سب کے سب ناپاک ہیں، کوئی نیکوکار نہیں، ایک بھی نہیں۔ (زبور 2:53-3)

یسعیاہ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ہم نے خطا کی، خداوند کا انکار کیا اور اپنے خدا کی پیروی سے برگشتہ

ہو گئے۔ ہم نے ظلم و سرکشی کی باتیں کیں اور دل میں باطل تصور کر کے دروغ گوئی کی۔

(یسعیاہ 13:59)

پھر فرماتے ہیں: ''اور ہم تو سب کے سب ایسے ہیں جیسے ناپاک چیز اور ہماری تمام راستبازی ناپاک لباس کی مانند ہے اور ہم سب پتے کی طرح کملا جاتے ہیں اور ہماری بدکرداری آندھی کی مانند ہم کو اڑا لے جاتی ہے۔'' (یسعیاہ 6:64)

خود مسیح علیہ السلام جب دعا کر رہے تھے تو شاگردوں نے ان سے درخواست کی کہ ہمیں دعا کرنا سکھائیں۔ تب آپ علیہ السلام نے جو دعا سکھائی تو اس میں یہ بھی سکھایا ہے: ''اور ہمارے گناہ معاف کر۔''

(لوقا 4:11)

ظاہر ہے کہ مسیح علیہ السلام خود بھی یہی دعا مانگتے ہوں گے۔ پھر آپ علیہ السلام نے اپنے نیک ہونے سے انکار فرمایا۔ (مرقس 18:10) + لوقا 19:18)

انبیاء کرام علیہم السلام کے ایسے کلمات اظہار عبودیت پر محمول ہوتے ہیں یا ان کی کوئی تاویل کی جاتی ہے۔

(d) سورہ شوریٰ 52:42، ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان ...... اس آیت میں کفر و گمراہی کا بیان نہیں بلکہ ایمان تفصیلی، سب شرعی حکموں کا علم اور اعتقاد شامل ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام عیسائیوں کے خیال میں خدا ہیں مگر انہیں بھی یوحنا سے بپتسمہ لے کر (30 سال کی عمر میں) معلوم ہوا کہ وہ خدا کے بیٹے ہیں۔

اسی طرح سورہ فتح میں ذنب کے معنیٰ الزام کے ہیں جیسا کہ امام علی رضا علیہ السلام نے مامون کو بتایا۔ اور یہ کہ ذنب سے مراد ترکِ اولیٰ لیا جائے تو یہ رضائے تامہ کا اعلان ہے۔

مسیح علیہ السلام کے حواریوں میں سے پطرس اپنے خط میں لکھتے ہیں ''اس واسطے کہ غیر قوموں کی مرضی کے موافق کام کرنے اور شہوت پرستی، بری خواہشوں، مے خواری، ناچ رنگ، نشہ بازی اور مکروہ بت پرستی میں جس قدر ہم نے پہلے وقت گزارا وہی بہت ہے۔ (1۔ پطرس 3:4)

کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منہ سے بھی کبھی ایسے الفاظ نکلے؟ اگر ان تمام گناہوں کا اقراری مجرم یسوع مسیح کا رسول بن سکتا ہے۔ (ایضاً 1:1) تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کیا اعتراض ہے؟

(2) اگر بالفرض حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گناہ گار بھی ہوتے تو بھی عیسائیوں، یہودیوں کو ان پر ایمان لانا لازم ہے کیونکہ جن کو وہ انبیاء تسلیم کرتے ہیں انہوں نے نبوت ملنے کے بعد (بائبل کے مطابق) ایسے گناہ

کیے کہ ان کو لکھا بھی نہیں جا سکتا۔

سوال نمبر 3: وہ معجزات جو قرآن میں مذکور ہیں، آیا وہ معجزاتِ پیغمبر ہیں یا بطریق اظہار عظمت الٰہی کے مرقوم ہیں۔ اگر بطریق اخیر لکھتے ہیں (یعنی عظمت الٰہی) تو ان کو پیغمبر صاحب سے کیا تعلق؟

جواب: خدا تعالیٰ اپنے نبی کی تصدیق کے لیے اس کو قدرت بخش کے معجزے ظاہر کراتا ہے اور اس معجزے سے اس نبی کی نبوت کی صداقت اور خدا کی عظمت بیک وقت دونوں ثابت ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کی نسبت حقیقت کے اعتبار سے خدا کی طرف ایسی ہی صحیح ہے جیسی ان کی نسبت ظاہر کے اعتبار سے اس نبی کی طرف صحیح ہے۔ پرانے عہد نامہ کے اکثر معجزات کی نسبت خدا تعالیٰ نے اپنی طرف کی ہے اور انبیاء علیہم السلام نے بھی ان کی نسبت خدا تعالیٰ کی طرف کی ہے۔ مثلاً خروج 20:3، 3:7-4، 2:10، 10:11، پھر انبیاء علیہم السلام کا اقرار یہ کہ یہ خدا کی قدرت ہے مثلاً خروج 8، 24:8، 6:9، 24، 29:12۔ ان آیات میں بیان شدہ معجزات کی نسبت کوئی پادری یہ نہیں کہتا کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات نہیں۔ اسی طرح قرآن میں اگر کسی معجزے کے بیان میں خدا کی طرف نسبت پائی جائے تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ نہیں۔

سوال نمبر 4: کوئی کتاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم کی تصانیف میں سے ایسی موجود ہے جس میں درباب معجزات کے کچھ لکھا ہو۔ اگر ہے تو نام اس کا اور مصنف کا اور یہ امر کہ فلاں جگہ وہ کتاب موجود ہے اور کتنے اشخاص نے اس بات میں تحریر کی ہے بتاؤ۔ (ص 564-565 جلد نمبر 1)

جواب: صحابہ رضی اللہ عنہم نے کتابیں اس لئے نہ لکھیں تاکہ

(i) احادیث کو قرآن کے ساتھ خلط نہ کر دیا جائے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اور حواریوں کا کلام اناجیل میں رَل مِل گیا ہے۔

(ii) دوسرے سوال کے جواب میں ہم نے لکھا کہ جب روایت زبانی کی شرائط متحقق ہوں تو وہ یقیناً معتبر ہے اور اس کے اعتبار میں شبہ کرنا ایک کچا وہم ہے۔

(iii) صحابہ رضی اللہ عنہم کے عہد میں مسائل میں ایسا اختلاف نہ تھا کہ احادیث جمع کرنے کا باعث ہوتا۔

(مزید تفصیل کے لیے دوسرے سوال کا جواب ملاحظہ ہو۔)

سوال نمبر 5: اگر دوسرے راویوں نے اصحاب رضی اللہ عنہم کے اقوال میں سے کچھ لکھا ہے تو یہ سن کر لکھا ہے یا ان کی کتابوں میں سے۔ اگر حقیقت میں ایسا ہی ہے تو ان کا لکھا کہاں ہے اور زمانہ راوی اور اقوال

مذکورہ میں کیا فرق ہے؟

جواب: راویوں نے حضرت ﷺ کے حالات اور احادیث کو صحابہ رضی اللہ عنہم سے سن کر لکھا ہے۔

(جمع احادیث والا باب ملاحظہ ہو۔)

سوال نمبر 6: حضور ﷺ کے معجزات کے کے گواہ کون ہیں اور راوی کس زمانہ کے ہیں؟

جواب: حضور ﷺ کے معجزات کے گواہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور راوی ان کے شاگرد ہیں۔

فانڈر کے بقول شرائط نبوت:

(1) پاکیزگی اور پرہیزگاری میں مشہور ہو۔

(کیا مسیح علیہ السلام بھی جن کو لوگ شرابی، کھاؤ پیؤ اور دیوانہ کہتے تھے، جنہوں نے اپنے نیک ہونے سے انکار کیا۔)

(2) ان کی نبوت میں نہ اپنی نہ کسی دوسرے کی طرف داری ہو۔

جواب: ان فقروں میں اپنی یا دوسرے کی طرف داری پائی جاتی ہے۔ مگر موسیٰ علیہ السلام کی مانند کوئی نبی نہ اٹھا۔ (استثنا 10:34)

پولوس نے لکھا کہ میں تو اپنے آپ کو ان افضل رسولوں سے کم نہیں سمجھتا۔ (2۔کرنتھیوں 5:11) یعنی اپنے منہ میاں مٹھو۔

خود مسیح علیہ السلام نے تو (بقول عیسائیوں کے) حد کر دی اور خود کو خدا ٹھہرایا اور یہی کام ان کے حواریوں نے کیا۔

سوال نمبر 7: قرآن میں لکھا ہے کہ پیغمبر ﷺ کو معجزات کے اظہار کے لیے نہیں بھیجا بلکہ محض وعظ کے لیے، اس صورت میں باوجود بے اختیاری کے ان سے معجزات ظاہر کیسے ہوئے؟

جواب: حضور ﷺ کے معجزات قرآن سے تفصیل و اجمال کی راہ سے ثابت ہیں اور قرآن کی کسی آیت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ حضور ﷺ سے کوئی معجزہ ظاہر نہیں ہوا یا نہیں ہوگا۔ بعض آیات میں ان خاص معجزات سے جن کو کافر لوگ محض عناد سے ضد کر کے طلب کرتے تھے، انکار مذکور ہے۔ انہی آیات کو پادری حضرات بے علم لوگوں کو مغالطہ دینے کے لیے پیش کیا کرتے ہیں۔ یہ تو ایسے ہی ہے کہ اناجیل کی بعض آیات سے کوئی آدمی دلیل پکڑے کہ مسیح علیہ السلام سے کوئی معجزہ بالکل صادر نہیں ہوا اور اسی طرح حواریوں سے کوئی کرامت ظہور میں نہیں آئی جس کی مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:

(1) مسیح علیہ السلام نے اپنے زمانہ کے لوگوں کو معجزہ دکھانے سے صاف انکار کیا۔ (مرقس 8:11-12)

(2) ہیرودیس آپ علیہ السلام کو دیکھنے کا مشتاق اور معجزہ دیکھنے کا امیدوار تھا مگر آپ علیہ السلام نے کچھ جواب نہ دیا۔ (لوقا 23:8-9)

ہوسکتا ہے کہ آپ علیہ السلام معجزہ دکھادیتے تو وہ آپ علیہ السلام کی بے ادبی سے باز رہتا جس کا ذکر 10 تا 12 آیات میں ہے۔

(3) ابلیس نے آپ علیہ السلام سے پتھر سے روٹی بن جانے، ہیکل کے کنگرے سے خود کو گرادینے کو کہا مگر آپ علیہ السلام نے پہلی فرمائش سے انکار فرمایا اور دوسری کے متعلق فرمادیا کہ بندے کے لائق نہیں کہ خدا کا امتحان کرے۔ (متی 4:3 تا 7)

(4) آپ علیہ السلام کی توہین کرنے والے کہا کہ اے مسیح ہمیں نبوت کی راہ سے بتا کہ تجھے کس نے مارا مگر آپ علیہ السلام نے نہ بتایا۔ (متی 26:67)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر منکرین استہزاء سے کوئی امر خارق للعادت طلب کریں تو انبیاء کرام علیہم السلام ان سے اعراض کرتے ہیں اور ان کی گستاخی وجہالت پر صبر فرماتے ہیں۔

(5) یہودی سردار کاہن، فقیہہ اور بزرگ آپ علیہ السلام کو کہتے رہے کہ اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو صلیب پر سے اتر آ، اگر تو صلیب پر سے اتر آئے تو ہم اس پر ایمان لائیں مگر آپ علیہ السلام نے ان کی فرمائش پوری نہ کی حالانکہ دشمنوں کے مومن بن جانے کا امکان بھی تھا۔ (متی 27:40 تا 42)

(6) فقیہ اور فریسی آپ علیہ السلام سے نشان دیکھنا چاہتے تھے مگر آپ نے اس زمانہ کے برے اور زناکار لوگ کہہ کر نشان دینے سے انکار فرمایا سوائے یوناہ نبی علیہ السلام کے نشان کے۔ (متی 12:38 تا 40)

آپ علیہ السلام نے بجائے معجزہ دکھانے کے ان کو گالیاں دیں اور پہلے دکھائے ہوئے کسی معجزہ کا حوالہ بھی نہ دیا اور ایک غلط وعدہ تین رات دن (انگریزی میں تین دن تین رات ہے) قبر میں رہنے کا کرلیا۔

اس سے ثابت ہوا کہ نبی لوگ منکروں کی خواہش کے مطابق معجزہ نہیں دکھاتے نہ کسی پہلے معجزے کا حوالہ دیتے ہیں۔

(7) یہودیوں نے کہا پھر تو کون سا نشان دکھاتا ہے تاکہ ہم دیکھ کر تیرا یقین کریں۔ تو کونسا کام کرتا ہے۔ ہمارے باپ دادا نے بیابان میں من کھایا۔ جواباً مسیح علیہ السلام نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام نے تو وہ روٹی آسمان سے تمہیں نہ دی لیکن میرا باپ تمہیں آسمان سے حقیقی روٹی دیتا ہے۔ (یوحنا 6:30 تا 32)

اس جگہ بھی مسیح علیہ السلام نے نہ تو کوئی معجزہ دکھایا اور نہ کسی پہلے معجزہ کا حوالہ دے کر بلکہ دوسری باتیں کر کے ٹال دیا اور یہ کہ یہودیوں کے قول سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے پہلے کوئی معجزہ نہ دیکھا تھا ورنہ وہ نشان کہہ کر مطالبہ نہ کرتے۔

(8) حواریوں نے بھی کوئی معجزہ/کرامت نہ دکھائی

پولوس لکھتا ہے: ''چنانچہ یہودی نشان چاہتے ہیں اور یونانی حکمت تلاش کرتے ہیں۔ مگر ہم اس مسیح مصلوب کی منادی کرتے ہیں جو یہودیوں کے نزدیک ٹھوکر اور غیر قوتوں کے نزدیک بے وقوفی ہے۔ (1۔کرنتھیوں 1:22-23)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جب بھی یہودی معجزہ طلب کرتے تو مسیح علیہ السلام بھی اور ان کے بعد ان کے رسول بھی جواب میں وعظ کرنے لگتے تھے۔ ان کے طلب کرنے پر نہ تو مسیح علیہ السلام نے کبھی معجزہ دکھایا نہ ان کے حواریوں نے۔ شاید یہودیوں کے ایمان نہ لانے کا باعث یہی ہو۔

(9) یوحنا اصطباغی نے کوئی معجزہ نہیں دکھایا

اور بہتیرے اس کے پاس آئے اور کہتے تھے کہ یوحنا نے کوئی معجزہ نہیں دکھایا (یوحنا 10:41)

تین ضروری باتیں

1۔ پیغمبر لوگ خدا کے سامنے جتنا بھی اظہار عبودیت کریں تو کچھ تعجب نہیں جیسا جناب مسیح علیہ السلام نے ابلیس کے سامنے کیا۔ ان سے بعض دفعہ معجزہ صادر ہوتا ہے اور بعض دفعہ نہیں ہوتا، اگرچہ منکرین مذاق اڑائیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ معجزہ جادو کی طرح اختیاری نہیں۔ بعض دفعہ انبیاء علیہم السلام کو لڑائی میں شکست ہو جاتی ہے اگرچہ بعد میں حق بھی غالب آ جاتا ہے۔

2۔ جو لوگ اپنے آپ کو دانش مند سمجھتے ہیں جیسے فلسفی اور دہریئے وہ معجزات، کرامات جن بھوت وغیرہ کے منکر ہوتے ہیں اور ان باتوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔

3۔ جب مخالف کو محض ضد اور دشمنی منظور ہو اور وہ باوجود ماضی کی باتوں سے واقف ہونے کے پھر مقابلے میں آئے اور حق کی تکذیب کرے، تو اس کے مقابلہ میں بعض وقت اعراض (نظر انداز کرنا) مناسب ہوتا ہے۔

فانڈر کے میزان الحق

باب نمبر 3 فصل نمبر 4 (ص:391 تا 419) میں دیئے گئے دلائل کا جواب

1۔ (الانعام6:57-58) ماعندی .... وبینکم

جواب: ان آیات میں اتنا ہی ہے کہ عذاب کے طالب کافروں کو کہہ دیں کہ یہ بات اللہ کے اختیار میں ہے میرے اختیار میں نہیں۔ ان آیات میں اور فامطر علینا حجارۃ میں صرف عذاب نازل کرنے سے انکار ہے۔ اس کو معجزہ کے متعلق عدم صدور کی دلیل سمجھنا صریح غفلت یا محض تعصب ہے۔ سورہ انفال میں ایسا عذاب جو ان کا استیصال کرے، نازل نہ کرنے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ وماکان ..... وانت فیھم

2۔ (الانعام6:110) واقسمو......... لا یومنون۔

اس آیت میں بھی صرف اسی معجزے سے انکار ہے جس کو کافر ضد کر کے مانگتے تھے اور ایمان لانا ان کو منظور نہ تھا۔ اور یہ آیت مسیح علیہ السلام کے اس قول کے موافق ہے جس میں آپ فرماتے ہیں کہ اس زمانہ کے لوگوں کو کوئی نشان نہ دکھایا جائے گا۔ (مرقس8:11-12)

3۔ (بنی اسرائیل17:90 تا 93) وقالو.....حتی تفجّرلنا.....بشراً رسولاً

کافروں کی فرمائشوں کی کثرت اور پھر آخر میں منہ مانگے معجزات دیکھ کر ماننے سے انکار اور ایک اور فرمائش کہ لکھی ہوئی کتاب لاؤ تب مانیں گے۔ یہ باتیں محض عناد اور سرکشی کی وجہ سے حجت بازی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواباً مسیح علیہ السلام کی طرح اظہار عبودیت کر دیا یعنی ھل کنت الا بشرا رسولا فرمایا جیسے مسیح علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ بندے کے لائق نہیں کہ خدا کا امتحان کرے۔

(متی4:3 تا 7)

(4) عنکبوت29:50 وقالو لولا.....نذیر مبین

اس آیت کا مقصد اتنا ہی ہے کہ میرا اصل کام نصیحت کرنا ہے اور معجزے حقیقۃً اللہ کی قدرت میں ہیں۔ جس کی اجازت ہو جاتی ہے ظاہر کرتا ہوں اور بغیر اجازت میری وہ طاقت نہیں ہے کہ جو تم دشمنی اور حجت بازی سے ضد کر کے طلب کرتے جاؤ، میں اسے اپنی طرف سے کرتا جاؤں۔

یہ صحیح ہے کہ جہاں اذن الٰہی نہ ہو وہاں انبیاء علیہم السلام معجزے نہیں دکھاتے جیسا کہ جناب مسیح علیہ السلام نے

ابلیس اور فریسیوں وغیرہ کو انکار فرمایا۔ (متی 3:4 تا 7، متی 38:12 تا 40)

(5) بنی اسرائیل 59:17 وماصنعنا......... کذب بھاالاولون۔

اس آیت میں لفظ الآیات معرف بالام سے وہی آیات مراد ہیں جن کو منکر لوگ ضد اور اصرار کر کے طلب کرتے تھے نہ کہ مطلق آیات (معجزات) منکرین کی ضد کے بارے میں خدا تعالیٰ نے انعام 25:6 میں فرمایا کہ اگر یہ لوگ ساری نشانیاں بھی دیکھ لیں تب بھی ایمان نہ لائیں۔ (کیونکہ عناد اور تقلید ان کے دل میں پرلے درجے کی جم گئی ہے۔)

سوال نمبر 8: یہ جو لکھا ہے کہ حضور ﷺ کی ولادت کے دن آتش کدہ (ایران) ٹھنڈا ہو گیا اور بت گر پڑے تو یہ مخالف یا موافق، کس کی تحریر میں آیا ہے۔

جواب: مخالف کے نہ لکھنے سے ایسے امور کی بے اعتباری ثابت نہیں ہوتی بلکہ اگر صحیح طور سے موافق کی تحریر سے ثابت ہو جائے تو مخالف کے انکار کرنے سے بھی کچھ نہیں بگڑتا چہ جائے کہ اس کے نہ لکھنے سے (سب تفصیل سوال نمبر 1 کے تحت گزر چکی)

ہمارے مذہب کے صحیح واقعات جو صحیح احادیث سے ثابت ہوں وہ کیوں نہ تسلیم کریں؟

سوال نمبر 9: شق القمر کس نے دیکھا اور جنہوں نے دیکھا آیا انہوں نے اپنی گواہی کو آپ قلمبند کیا یا وہ ناقل محض تھے اور دوسروں نے ان سے روایت کی۔

جواب: شق القمر بہت سے لوگوں نے دیکھا اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے بہت آدمیوں نے اسے روایت کیا مگر صحابہ رضی اللہ عنہم میں جو طریقہ کتابوں کی تصنیف اور تالیف کا، کئی امور کا لحاظ کر کے جاری تھا، تو کسی صحابی نے اس معجزے کو اپنی کتاب میں قلم بند نہیں کیا۔ مزید سوال نمبر 1 اور نمبر 6 کے تحت دیکھو۔

سوال نمبر 10: اس کا کیا سبب ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے خود نہ لکھا، کیا وہ بے علم تھے؟

جواب: ان کے نہ لکھنے کے کئی سبب تھے اور ان میں سے بعض کا بیان چوتھے سوال کے تحت گزرا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بہت بڑے بڑے عالم تھے۔ ہاں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم بے علم بھی تھے تو ان بعضوں کے حق میں بے علمی ایک سبب ہو سکتا ہے مگر یہ بات ان کی روایت اور شان میں ایسا فرق نہیں ڈالتی کہ ان پر اعتبار نہ رہے۔

دیکھو جناب مسیح علیہ السلام کے اکثر حواری اور معتقد، ان پڑھ، بے علم اور کمینی قوم سے تھے حتیٰ کہ حواری اعظم پطرس بھی بے علم اور ان پڑھ تھے۔ اسی کا طعنہ دیتے ہوئے یہودیوں نے کہا تھا کہ ”بھلا

سرداروں اور فریسیوں میں سے بھی کوئی اس پر ایمان لایا۔ مگر یہ عام لوگ جو شریعت سے واقف نہیں لعنتی ہیں۔'' (یوحنا 7:48-49)

یعنی عام لوگ چونکہ بے علم ہیں لہٰذا صرف وہی مسیح علیہ السلام پر ایمان لاتے ہیں۔

پطرس اور یوحنا دونوں کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ ان پڑھ اور ناواقف آدمی تھے۔ (اعمال 4:13)

پولوس نے ان لوگوں کے کمینے اور بے علم ہونے کے بارے میں لکھا ہے کہ ''بلکہ خدا نے دنیا کے بے وقوفوں کو چن لیا کہ حکیموں کو شرمندہ کرے اور خدا نے دنیا کے کمزوروں کو چن لیا کہ زور آوروں کو شرمندہ کرے اور خدا نے دنیا کے کمینوں اور حقیروں کو بلکہ بے وجودوں کو چن لیا کہ موجودوں کو نیست کرے تاکہ کوئی بشر خدا کے سامنے فخر نہ کرے۔ (1۔کرنتھیوں 1:27تا28)

خود مسیح علیہ السلام نے ان کو دانا نہیں بلکہ بچہ شمار کیا۔ (متی 11:25)

جیسے مسیح علیہ السلام کی صحبت کے فیض سے ان کے صحابہ کا دل صاف اور ذہن درست ہو گیا ویسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا دل صاف اور علوم کا منبع بن گیا تھا۔

سوال نمبر 11: ان حدیثوں کے راوی کس زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہوئے، ان کا دور تحقیق سے کر کے لکھ دو۔

جواب: یہ سب حالات اسماء الرجال کی کتابوں میں لکھے ہیں۔ شق القمر کے راوی صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ 32ھ، علی علیہ السلام 40ھ، حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ 35ھ، ابن عمر رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ دونوں 68ھ اور انس بن مالک نے 91ھ میں وفات پائی۔

سوال نمبر 12: شق القمر کے راویوں نے روایت کس طرح کی ہے کیا محض سنی ہوئی بات کو لکھا ہے؟

جواب: بعض نے اپنے مشاہدے کی بنیاد پر روایت کی ہے اور بعض نے ان سے جنہوں نے دیکھا تھا، سن کر روایت کی ہے۔

ازالۃ الشکوک۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ (جلد نمبر 2)

سوال نمبر 13: جامع قرآن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں یا ان سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی ہیں؟

جواب: (1) پہلے جامع حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جامع ثانی ہیں۔

(2) عیسائیوں میں سے دھریئے عالم یہ کہتے ہیں کہ انجیل الہام سے نہیں لکھی گئی تو کیا آپ ان کے کہنے کا

اعتبار کرتے ہیں جو آپ ہمیں مسلمانوں میں سے بعض کے اقوال تحریف قرآن کے بارے میں پیش کرتے ہیں۔

(3) پرانی باتوں کو چھوڑ دیں اب Protestant کہتے ہیں کہ سات کتابیں غیر ملہم ہیں جبکہ پرانے لوگ کاتھولک ان کو الہامی اور مستند مانتے ہیں۔

(4) جمع وترتیب بائبل کے حوالے سے تحقیق بائبل کے نام سے پوری بحث پہلے گذر چکی ہے۔

سوال نمبر 14: قرآن میں منسوخ آیات کیا وقت نزول منسوخ ہو گئیں یا خدا نے وعدہ کیا تھا کہ فلاں آیت منسوخ ہو جائے گی۔

جواب: یا تو آپ کو نسخ کی اسلامی اصطلاح کے معنیٰ معلوم نہیں یا آپ جان بوجھ کر مغالطہ دینا چاہتے ہیں۔ نسخ کے متعلق اہم باتیں مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) نسخ صرف احکام میں ہوتا ہے۔اخبار، عقائد امور حسیہ مثلاً دن کی روشنی رات کی تاریکی وغیرہ میں نسخ نہیں ہوتا۔

(2) نسخ سے مراد خدا تعالیٰ کا اپنے کسی پہلے حکم کی مدت بیان کر دینا ہے جو اس کے علم میں موجود تھی یعنی خدا تعالیٰ کے علم میں تھا کہ فلاں حکم فلاں وقت تک باقی رہے گا اس کے بعد اس میں مناسب تبدیلی کر دی جائے گی۔دنیاوی مثال یہ ہے کہ موسم گرما اور سرما میں دفتری اوقات میں تبدیلی ہوتی ہے تو حکومت کو حکم دیتے وقت پہلے ہی معلوم ہوتا ہے کہ فلاں تاریخ تک اس کی مدتِ عمل ہے۔جبکہ عیسائیت میں عقائد میں نسخ واقع ہوا ہے کہ پہلے عہد نامہ میں خدا ایک تھا اور عہد جدید میں خدا تین ہو گئے۔

(3) خدا تعالیٰ فاعل مختار اور حکیم مطلق ہے لہٰذا وہ اپنی حکمت کے مطابق تغیر و تبدل کرتا رہتا ہے۔مثلاً دن سے رات، سردی سے گرمی، امیر سے غریب بناتا ہے۔اسی طرح بعض احکام جنکی مدت اس کے علم میں ہوتی ہے۔دوسری آیت سے اس کا حکم تبدیل فرما دیتا ہے، جیسے دانا طبیب مریض کی حالت کے پیش نظر اس کی غذا اور دوا میں تبدیلی کرتا رہتا ہے، اس سے کذب، جہل یا فضول کام کرنا لازم نہیں آتا۔

(4) نسخ کی دو قسمیں ہیں۔

(i) پہلے نبی علیہ السلام کی شریعت میں آنا والا نبی تبدیلی کر دے۔

(ii) ایک ہی نبی علیہ السلام کے دور میں شریعت کا پہلا حکم منسوخ ہو کر نیا حکم جاری ہو جائے۔

پہلی قسم کی مثال پیدائش 30:1 مگر اس کو حضرت نوح علیہ السلام کے عہد میں منسوخ کر کے تبدیلی کر دی اور خون حرام کر دیا۔ (پیدائش 4:9)

دوسری قسم کی مثال پیدائش 2:22 میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اکلوتے کی قربانی کا حکم دیا پھر 12:22 میں حکم منسوخ کر دیا۔

(5) نزول قرآن کی مدت 23 برس میں کل پانچ آیات منسوخ ہیں جیسا کہ شاہ ولی اللہ نے فوز الکبیر میں لکھا۔ (باب 2 فصل 2)

وقت اور جگہ کے لحاظ سے احکام کی مصلحت بدل جاتی ہے۔ بعض وقت حکم اس کے عمل کرنے والوں کی قدرت سے خارج ہوتا ہے مثلاً یوحنا 12:16 میں فرمایا کہ بہت سی باتیں ایسی ہیں جن کی برداشت تم اب نہیں کر سکتے۔

ہو سکتا ہے کہ ان مصلحتوں کو ہماری عقل پوری طرح نہ سمجھ سکے جیسے خود مسیح نے بعض وقت معجزہ دکھا کر اسے تاکیداً چھپانے کا حکم دیا کہ کسی سے مت کہنا مثلاً متی 4:8، لوقا 56:8، متی 30:9

مگر جب مصلحت دیکھی تو اپنے معجزات کو عام بیان کرنے کا حکم فرمایا مثلاً لوقا 39:8

پولوس لکھتا ہے "غرض پہلا حکم (تورات) کمزور اور بے فائدہ ہونے کے سبب سے منسوخ ہو گیا (کیونکہ شریعت نے کسی چیز کو کامل نہیں کیا) (عبرانیوں 18:7)

حالانکہ خود مسیح علیہ السلام نے تورات کو ابدی طور پر ناقابل تنسیخ بتایا تھا ملاحظہ ہو لوقا 33:21 اور متی 18:5

سوال نمبر 15: اور اگر یہ وعدہ ہو کہ فلانی آیت منسوخ ہو جائے گی تو کون سی آیت میں پایا جا سکتا ہے؟

جواب: جس نسخ کے اہل اسلام قائل ہیں (یعنی نسخ احکام) کسی آیت میں ایسے وعدے کا صراحۃً پایا جانا ضروری نہیں۔ جیسے بائبل کے احکام منسوخ تو ضرور ہوتے رہے مگر کسی آیت میں نسخ کا وعدہ صراحۃً پایا نہیں جاتا۔

سوال نمبر 16: کلام قرآن پہلے کلام ربانی سے مخالف کیوں ہے؟

جواب: وہ کتابیں جن کو اہل کتاب اب آسمانی کتابیں شمار کرتے ہیں۔

(i) ایک تو وہ سب الہامی نہیں۔

(ii) دوسرے جو الہامی ہیں ان میں بھی سب کلام الٰہی نہیں۔

(iii) تیسرے جس قدر الہامی ہے وہ تواتر سے منقول نہیں بلکہ روایت احاد سے منقول ہے۔

(iv) چوتھے جو خبر واحد سے مروی ہے وہ بھی تحریف کے سبب مشکوک ہے۔

لہٰذا یہ کہنا کہ قرآن اگلے کلام ربانی کے مخالف ہے، بطور یقین کے ثبوت کو نہیں پہنچ سکتا کیونکہ اگر بالفرض قرآن کی مخالفت ان کتابوں سے ہے جو الہامی نہیں تو اس مخالفت سے کچھ اندیشہ نہیں اس لیے کہ وہ کتابیں ایسے ہی ہیں جیسے تاریخ کی عام کتابیں ہیں۔ لہٰذا ان کا جو مضمون قرآن کے مخالف ہوگا وہ غلط ہوگا۔

عیسائی لوگ جن باتوں کو مخالفت سمجھتے ہیں وہ تین ہیں۔

(i) اول ان احکام کے اعتبار سے جو اگلی شرائع میں تھے اور قرآن کی رو سے منسوخ ہوئے۔ یہ مخالفت نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ قرآن مجید سے زیادہ انجیل توریت کی مخالف ہے۔ کیونکہ انجیل نے توریت کے سب احکام عملی کو منسوخ کر دیا۔

(ii) دوم اس اعتبار سے کہ قرآن میں بعض ایسی باتیں مذکور ہیں جو پہلی کتابوں میں اب نہیں پائی جاتیں۔ یہ بھی مخالفت نہیں ہے۔ کیونکہ تحریف سے قطع نظر ایسی مخالفت ان کی اپنی کتابوں میں بھی پائی جاتی ہے جس کی چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔

(i) یہودا کے عام خط کی آیت نمبر 14 میں مذکور پیش گوئی کس کتاب میں ہے۔

(ii) اس خط کی آیت نمبر 9 میں مذکور قصہ کا عہد عتیق میں کہیں پتہ نہیں ہے۔ اگر (اوریجن Origin) کہے کہ معراج نامہ موسیٰ نامی کتاب میں تھا تو ہمارا جواب یہ ہے کہ وہ کتاب تو تمہارے نزدیک جھوٹی اور جعلی ہے۔ اوریجن کا قول لارڈنر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔ تعجب نہیں کہ اسی فقرے کو صحیح ثابت کرنے کے لئے کسی عیسائی نے معراج نامہ موسیٰ نامی کتاب گھڑ لی ہو۔

(iii) عبرانیوں 9:19 میں لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے بچھڑوں اور بکروں کا خون لے کر پانی اور لال اون اور زوفا کے ساتھ اس کتاب اور تمام امت پر چھڑک دیا جبکہ خروج 24:5 تا 8 میں صرف بیلوں کی قربانی کا ذکر ہے اور خون قربان گاہ اور لوگوں پر چھڑکا تھا۔ پال کا بیان کردہ عبارت عہد عتیق کی کسی کتاب میں نہیں ہے۔

(iv) عبرانیوں 12:21 میں مذکورہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ڈرنے اور کانپنے کا ذکر خروج کے باب نمبر 19 میں کہیں نہیں نہ خاص طور پر 19:12 میں۔

(v) کتاب اعمال 7:23 تا 29 میں مذکور قصہ موسیٰ علیہ السلام خروج 2:11 تا 14 سے کئی باتوں میں مختلف ہے۔

(vi) وہ ناصری کہلائے گا۔ (متی 23:2)
یہ عہد عتیق کی کسی کتاب میں نہیں ہے۔

(vii) متی 9:27 میں لکھا ہے ''تب وہ جو یرمیا نبی کی معرفت سے کہا گیا تھا پورا ہوا'' حالانکہ یرمیاہ نبی کی کتاب موجود ہے مگر اس بات کا کہیں نشان تک نہیں ہے۔

(مزید مثالیں ملاحظہ ہوں ازالہ اوہام مقدمہ فائدہ نمبر 2)

(iii) سوم اگر کوئی عبارت پہلی کتابوں اور قرآن میں مختلف طور پر مذکور ہو تو تاویل و تطبیق کی کوشش کریں گے اگر تاویل سے کوئی دلیل مانع نہیں تو۔

سوال نمبر 17: تم کس دلیل سے ثابت کر سکتے ہو کہ پہلے کلام الٰہی یعنی تورات و انجیل کو نصاریٰ اور یہودیوں نے از راہ دشمنی یا دیدہ دانستہ بدل دیا ہے۔

جواب: تفصیلی جواب اعجاز عیسوی کتاب میں ملاحظہ ہو۔ مزید مندرجہ ذیل دلائل ملاحظہ ہوں۔

توریت کی (پہلی پانچ کتابیں بائبل کے شروع میں) حضرت موسیٰ علیہ السلام سے نسبت درست نہیں جس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔ تورات کا وہ نسخہ جو استثناء باب 31:24 تا 28 کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے لکھ کر شہادت کے صندوق میں سارے بزرگوں کے سامنے رکھا تھا، وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد سے پہلے گم ہو گیا تھا اور جب ان کے عہد میں صندوق کھولا گیا تو سوائے پتھر کی ان دو لوحوں کے کچھ نہ تھا۔ (سلاطین نمبر 1، 9:8)

2۔ پوری تورات میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا ذکر غائب کے صیغے میں آیا ہے۔ اگر ان کی تصنیف ہوتی تو زبور، نحمیاہ، یرمیاہ اور حزقیل کی طرح کہیں صیغہ متکلم ضرور آتا۔

3۔ تورات میں بعض فقرے ایسے ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف نہیں ہو سکتے مثلاً (استثناء 5:34 تا 10) پیدائش 31:36 میں بادشاہوں کا ذکر ہے جبکہ بنی اسرائیل کا پہلا بادشاہ ساؤل ہے جو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے 356 برس بعد تخت نشین ہوا۔ پیدائش 14:22 میں مذکور نام خدا کا پہاڑ ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کا مصنف ہیکل تیار ہونے کے بعد وہاں سے گزرا ہے اور ہیکل موسیٰ علیہ السلام کی موت سے 450 سال بعد تیار ہوئی۔ آدم کلارک اپنی تفسیر میں عزرا کتاب کے دیباچہ میں اس فقرے کو الحاقی بتلا کر لکھتا ہے کہ جب تک اس پہاڑ پر ہیکل نہیں بنی تھی تب تک اس

کو خدا کا پہاڑ نہیں کہا جاتا ہے۔

4۔ کتاب یشوع 32:8 کے مطابق حضرت یشوع نے مذبح کے بے گھڑے پتھروں پر مکمل شریعت موسوی کی ایک نقل کندہ کی تھی۔ اگر تورات کی یہی پانچ کتابیں تھیں تو ممکن نہ تھا کہ مذبح کے پتھروں پر پوری لکھی جاسکتیں۔ پس معلوم ہوا کہ وہ تورات اور ہی تھی اور موجودہ تورات کی نسبت بہت چھوٹی تھی۔

5۔ عیسائی عالم نورٹن لکھتا ہے کہ عہد عتیق کی ان کتابوں کے محاورے میں جو بابل کی قید سے رہائی کے بعد اور فلسطین میں دوبارہ پہنچنے سے پہلے لکھی گئی ہیں اور تورات کے محاورے میں کوئی خاص فرق معلوم نہیں ہوتا حالانکہ 900 سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔

6۔ نورٹن لکھتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں لکھنے کی رسم نہ تھی تو یہ پانچ کتابیں موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف کس طرح ہوگئیں۔

7۔ یوشع علیہ السلام کی کتاب کے سوا بابل کے قید سے پہلے لکھی گئی کسی کتاب میں صراحۃً کسی ایسی کتاب کا ذکر نہیں ہے جو موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہو۔ مثلاً سموئیل کی کتاب اگر ان کے دور میں ایسی کوئی کتاب ہوتی تو اس کا ذکر ضرور اپنی کتابوں میں کرتے۔ اگر کتاب کی موسیٰ علیہ السلام کی طرف نسبت اور اس کی سند قوی ہوتی تو ایسا ہوتا۔

8۔ اس کے حکم برے برے ہیں مثلاً اگر کوئی اپنے لونڈی غلام کو لاٹھی سے مارے اور وہ مر جائے تو اس مالک کو ضرور سزا دی جائے لیکن اگر وہ ایک دو دن جیتا رہے تو آقا کو سزا نہ دی جائے اس لیے وہ غلام اس کا مال ہے۔ (خروج 20:21 تا 21)

9۔ تورات میں بار بار آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ باپ دادوں کے گناہوں کی سزا ان کی اولاد کو دیتا ہے۔ مثلاً خروج 5:20، 7:34، گنتی 18:14، 33، استثنا 9:5 مگر اس کے خلاف حزقیل 4:18، 20 میں لکھا ہے کہ جو گناہ کرے گا صرف وہی سزا پائے گا۔ اسی طرح یرمیاہ 30,31، سلاطین نمبر 2، 6:14 میں ہے۔

10۔ پروٹسٹنٹ لوگوں کے نزدیک موسیٰ علیہ السلام نعوذ باللہ چور اور ڈاکو تھے اور دلیل ان کی یوحنا 8:10 ہے کہ مجھ سے پہلے جتنے آئے وہ سب چور اور ڈاکو تھے۔

11۔ اہل کتاب کی مقدس کتابوں میں تحریف ہو جانا بہت آسان تھا، کیونکہ ان کے اپنے مورخین کی

تصریحات کے مطابق قلم ساتویں صدی عیسوی کی ایجاد ہے، کاغذ آٹھویں صدی میں ایجاد ہوا۔ کتابیں بہت کم ہوتی تھیں اور محرفوں کو تحریف کی گنجائش بہت ہوتی تھی۔

12۔ بخت نصر اور انتیوکس کے حملوں میں پہلی کتابیں ختم ہوگئیں اور بعد میں عزرا نے حافظہ سے تورات لکھوائی۔

13۔ شروع ہی سے دین عیسوی میں بدعتی فرقوں کی بہت کثرت ہوگئی اور ان کو تحریف کرنے کی بڑی گنجائش تھی۔

14۔ جعلی کتابیں بنانے کا رواج یہودیوں اور عیسائیوں میں بہت تھا۔

15۔ ان دونوں گروہوں میں اصلاح اور الحاق کا بڑا رواج تھا۔

16۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد 300 سال تک عیسائیوں پر مصیبتیں پڑیں کہ وہ مقدس کتابیں محفوظ نہ رکھ سکے کیونکہ جان بچانے کی فکر تھی۔

17۔ عہد عتیق و جدید کی بہت سی مقدس کتابیں دنیا سے ایسی گم ہوئیں کہ نام کے سوا کچھ نشان تک نہ رہا مثلاً جنگ نامہ۔ (گنتی 14:21)

آشر کی کتاب۔ (یوشع 13:10۔ سمویئل نمبر 2، 18:1)

حضرت سلیمان علیہ السلام کی تین ہزار امثال اور ایک ہزار پانچ گیت۔ (سلاطین نمبر 1، 32:4)

سیموئیل کی کتاب قوانینِ سلطنت۔ (سیموئیل نمبر 1، 25:10)

سیموئیل کی تاریخ۔ (تواریخ نمبر 1، 29:29)

سمعیاہ نبی کی تاریخ، عیدوغیب بین کی تاریخ۔ (تواریخ نمبر 2، 15:12)

ناتن نبی کی کتاب، سیلانی اخیاہ کی پیش گوئیاں، عیدوغیب بین کے رویاء۔ (تواریخ نمبر 2، 29:9)

یاھوبن حنانی کی تاریخ۔ (تواریخ نمبر 2۔ 34:20)

عزیاہ بادشاہ کی مکمل تاریخ از یسعیاہ نبی۔ (تواریخ نمبر 2، 22:26)

کتاب مشاہدات یسعیاہ۔ (تواریخ نمبر 2، 32:32)

یرمیاہ کا مرثیہ۔ (تواریخ نمبر 2، 25:35)

کتاب تواریخ۔ (نحمیاہ 23:12)

عیسائی عالم ممفرڈ کا تھولک اپنی کتاب سوالات کے سوال نمبر 2 کے تحت لکھتا ہے کہ جن کتابوں میں ''وہ ناصری کہلائے گا'' کا ذکر تھا وہ نیست و نابود ہوگئیں۔

عہد جدید میں متی کی انجیل کا عبرانی نسخہ اور پولوس کے دو خط گم ہیں جن کا ذکر لودیکیہ کے نام سے (کلسیوں 16:4) میں ہے۔

کرنتھیوں کے نام کا ایک خط اب گم ہے اور نمبر 1 خط سے پہلے کا ہے۔ (کرنتھیوں نمبر 1، 9:5)

18۔ سینکڑوں سال تک عیسائیوں میں جہالت کا راج رہا اور ان کے عالم جاہلوں سے بدتر تھے کیونکہ دینی عہدے (پوپ وغیرہ) بکا کرتے تھے اور ان عہدوں پر نالائق اور بدکردار لوگ فائز ہوا کرتے تھے لہٰذا ان کی کتابوں کی حفاظت نہ ہوسکی اور اسناد کا طریقہ بھی ان میں جاری نہ ہوسکا۔ ان کے عہد میں اس لحاظ سے جعل سازوں کو جعل سازی کی بڑی گنجائش رہی۔ مزید یہ کہ عوام کی جہالت کے سبب گپوں کو سچ سمجھ کر مان لیتے تھے۔

19۔ یہودیوں اور عیسائیوں میں اصلاح اور الحاق کا بڑا رواج تھا۔ سنی سنائی روایات حاشیے پر لکھ دینا اور پھر ان کو متن میں داخل کر دیتے تھے۔ آج بھی اردو ترجمہ میں الحاقی فقرے بریکٹ میں دیئے ہوتے ہیں۔

20۔ یہودیوں اور عیسائیوں میں صدہا آدمی الہام کا جھوٹا دعویٰ کرتے تھے چنانچہ عہد عتیق میں بھی ذکر ہے اور مسیح علیہ السلام کی پیش گوئی بھی ہے کہ میرے بعد جھوٹے نبی آئیں گے۔ وہی لوگ جھوٹی کتابیں، جھوٹے خطوط، جھوٹے وعظ بنا کے لوگوں میں چرچا کر دیتے اور یہ سب کچھ پیغمبروں اور اچھے لوگوں کے نام سے منسوب کر دیتے تھے۔ چند مثالیں پیش خدمت ہیں مثلاً یرمیاہ 11:23,13:6، 13، 14، 30، 31، 32، 36، 5:30-31، 21:29 تا 28۔

طیطس کے نام خط: 14,11,10:1

متی 12,6:16

لوقا 3,2:1 میں اناجیل کسی سے دریافت کر کے لکھنے کا اقرار ہے۔

گلتیوں 6:1، 7 میں ایک اور انجیل کی موجودگی کا اقرار ہے۔

کرنتھیوں نمبر 2، 13:11 میں مسیح کے جعلی حواریوں کا ذکر ہے۔

یوحنا کے خط نمبر 1، 1:4 میں جھوٹے نبیوں کی موجودگی کا اقرار ہے۔

پطرس کے خط نمبر 2، باب نمبر 1:2 میں عیسائیوں میں جھوٹے نبی ہونے کی پیش گوئی ہے جو ہلاک ہونے والی بدعتیں نکالیں گے۔ لہٰذا شروع میں ہی بہت سے بدعتی فرقے پیدا ہو گئے جن کا اقرار

کیتھولک/ پروٹسٹنٹ دونوں کو ہے۔

اب بھی جھوٹی اناجیل موجود ہیں جن کو عیسائی مستند تسلیم نہیں کرتے اور ان کی تعداد 83 ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جعلی خطوط اس کے علاوہ ہیں۔

21۔ افلاطون اور فیثا غوث کے پیروکاروں کا مقولہ تھا کہ سچائی اور خدا پرستی کی ترقی کے لیے جھوٹ بولنا اور فریب دینا صرف جائز ہی نہیں بلکہ قابل تحسین ہے، یہودیوں نے ان سے یہ بات سیکھی اور پھر یہودیوں سے عیسائیوں نے سیکھ لی۔اس کا ثبوت وہ کتابیں ہیں جو غلط طور پر بزرگوں سے منسوب کی گئیں۔(موشیم کی تاریخ جلد نمبر1 ص65)بحوالہ ازالہ جلد نمبر 2 ص231

ایسا ہی ولیم میور نے تاریخ کلیسیا اردو کے تیسرے باب کے دوسرے حصہ میں تیسری دفعہ میں لکھا ہے۔

اب آپ پولوس کے اس قول پر دوبارہ نظر ڈالیں جس میں اس نے کہا تھا کہ اگر میرے جھوٹ کے سبب خدا کا جلال زیادہ ہوتا ہے تو پھر مجھ پر گناہ گار کی طرح کیوں حکم کیا جاتا ہے۔(رومیوں 7:3)

22۔ شروع ہی سے دین عیسوی میں بدعتی فرقوں کی بہت کثرت ہوگئی اور ان کو تحریف کی بہت گنجائش ملی سو انہوں نے عیسائیت کے پردے میں بہت خاک اڑائی۔

(جعلی کتابوں،خطوط،اناجیل وغیرہ کے نام اور تفصیل ازالہ جلد نمبر 2 ص226 تا ص231)

23۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے عروج آسمانی کے تین سو سال بعد پوپوں کا دور شروع ہوئی جس کو پروٹسٹنٹ دجالی دور کہتے ہیں اور یہ 15 ویں صدی تک زور شور سے رہا۔ان پوپوں کی وجہ سے جو جو خرابیاں پیدا ہوئیں ان سے پروٹسٹنٹ فرقے کی کتابیں مالا مال ہیں۔

24۔ تحریف کی سب قسمیں ان کتابوں میں موجود ہیں۔آپ Revised Standard (RSV) Version اور Good News Bible کے حاشیے ہی ملاحظہ کرلیں تو آپ کو بائبل میں افسانوں وغیرہ کا ثبوت مل جائے گا۔

25۔ نبوکدنضر (بخت نصر) کے حملہ کے بعد عہد عتیق کی کتابوں کا حال بہت ابتر ہوگیا تھا اور اگر عزرا علیہ السلام نہ ہوتے تو تورات کا نام کے سوا نشان تک نہ ملتا۔

26۔ عزرا علیہ السلام سے جو غلطیاں رہ گئیں، ان کو کسی نے درست نہ کیا۔

27۔ سامری اور عبرانی نسخہ عہد عتیق میں ایسا اختلاف ہے کہ دونوں میں سے ایک ہی درست ہوسکتا ہے۔

28۔ فانڈر نے میزان الحق پہلے باب کی تیسری فصل، ص:39 میں لکھا ہے کہ یہودیوں نے ان آیات میں گڑبڑ کی جن میں مسیح علیہ السلام کی طرف اشارہ تھا۔ دوسرے باب کے مقدمہ میں لکھا کہ یہودیوں نے مسیح علیہ السلام کے متعلق پیش گوئیاں بگاڑ دیں۔

29۔ بائبل میں موجود تضادات بھی تحریف کا ثبوت ہیں۔

(i) معجزہ اور کرامت، نبوت تو الگ، ایمان کی بھی دلیل نہیں جیسا کہ (متی 7:22-23، 24:24۔ تھسلنیکیوں نمبر 2، 9:2، مکاشفہ 13:13-14) میں دجال اور جھوٹے نبیوں کے شعبدے لکھے ہیں۔

30۔ اگر عیسائی یہ دلیل دیں کہ مسیح علیہ السلام اور حواریوں نے عہد عتیق کی کتابوں کی صداقت کی گواہی دی ہے اور انجیل مروج کے بعض فقروں کا حوالہ دیتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ

(i) عہد عتیق کا محرف ہونا بالکل واضح ہے۔

(ii) لہٰذا عہد عتیق کی تصدیق کرنے والے فقرے ہی الحاقی ہیں۔

(iii) ان فقروں میں نہ ان کتابوں کے نام ہیں نہ تعداد نہ انبیاء علیہم السلام مصنفین کا نام ہے۔ مسیح علیہ السلام کی گواہی۔ یوحنا 46:5، لوقا 31:16,27:24

(iv) جناب مسیح علیہ السلام کی گواہی سے صرف یہ ثابت ہوگا کہ یہ کتابیں اس وقت میں مشہور اور یہودیوں کے نزدیک مسلّم تھیں خواہ حقیقت میں ان کی تصنیف ہو یا نہ ہو جنکی طرف وہ منسوب ہیں۔

(v) کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کی بائبل میں 6 کتابوں کا فرق ہے، مسیح علیہ السلام اور حواریوں کی گواہی کس بائبل کے متعلق سمجھی جائے گی۔

(vi) بالفرض مسیح علیہ السلام اور حواریوں کی گواہی ان کتابوں کے ہر ہر چیز کے بارے میں مان بھی لی جائے تو صرف اتنا ہی ثابت ہوگا کہ ان کے عہد تک تحریف نہ ہوئی تھی۔

31۔ اہل اسلام کے نزدیک انجیل سے مراد وہ کلام الٰہی ہے جو عیسیٰ علیہ السلام پر اترا جس میں ہدایت اور نور تھا اور توریت کے احکام کی تصدیق تھی اور پرہیزگاروں کے لیے نصیحت تھی۔ (المائدہ 46:5)

چونکہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل ہونے کے منکر ہیں لہٰذا موجودہ اناجیل وہ نہیں جو آسمان سے نازل ہوئی۔

(موجودہ اناجیل کے خلاف سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ ازالہ جلد نمبر 2 ص 432 میں ملاحظہ ہو۔)

32۔ متی نے ایک نسب نامہ میں اتنی غلطیاں کی ہیں تو ساری کتاب کو کیا سمجھا جائے؟

33۔ اگر عیسائی کہیں کہ کتابوں میں غلطی اور بات ہے اور تحریف اور بات ہے (مثلاً نسب نامہ متی ولوقا میں فرق) تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر انجیل الہامی ہے تو الہام میں غلطی ممکن نہیں تو اس صورت میں بعد میں تحریف واقع ہوئی ہے اور اگر انجیل الہامی نہیں تو بھی ہمارا مقصد پورا ہو گیا۔ فانڈر نے یوحنا نمبر 1، 5:7-8 میں اور دیگر سات جگہ تحریف کا اقرار کیا۔

34۔ جب کسی دستاویز میں ایک جگہ جعل سازی کا اقرار ہو جائے تو پھر باقی وثیقہ اعتماد کے قابل نہیں رہتا۔ جب دو مختلف عبارتیں ہوں تو ان دونوں میں سے ایک کو پورے اعتماد سے کلام خدا نہیں ٹھہرا سکتے

35۔ مسلمانوں کے نزدیک تحریف کے معنے تغیر (تبدیلی) ہیں خواہ بڑھانے سے ہو یا گھٹانے سے، خواہ الفاظ کی الفاظ کے ساتھ تبدیلی سے ہو، عام اس سے کہ وہ تغیر خباثت اور شرارت سے ہو، یا غلبہ وہم سے اصلاح کے طور پر ہو اور یہ ساری تبدیلیاں بائبل میں ہوئی ہیں۔

سوال نمبر 18: یہ تحریف حضور ﷺ سے پہلے ہوئی یا بعد میں؟

جواب: اکثر تحریف ظہور نبوی سے پہلے اور کچھ بعد میں 10 ویں صدی تک ہوئی، گو شخص اور وقت اور مخصوص تحریف متعین کرنا مشکل ہے۔

سوال نمبر 19: قرآن سے یہ بات ثابت ہے کہ اس وقت تک پہلی کتابوں میں کوئی تحریف نہیں ہوئی۔

جواب: قرآن کی کسی جگہ سے یہ بات ثابت نہیں کہ بلکہ تحریف ہو جانے کی تصریح ہے۔ مثلاً بقرہ 2:75

سوال نمبر 20: کیا کسی نے اپنی آنکھ سے جبریل علیہ السلام کو وحی لاتے دیکھا، اگر دیکھا تو اس کی گواہی کہاں ہے؟

جواب: کسی شخص کا حاملِ وحی فرشتے کو دیکھنا ضروری نہیں بلکہ سچے نبی کا فرما دینا ہی کافی ہے کہ فرشتہ میرے پاس وحی لایا۔ سچے نبی سے مراد وہ نبی ہے جس کی نبوت سچی دلیلوں سے ثابت ہو چکی ہو۔

عیسائیوں کے مسلمہ انبیاء علیہم السلام کے پاس بھی اگر وحی آئی تو کسی اور نے وحی لانے والے کو نہیں دیکھا مثلاً حزقی ایل کتاب کا پہلا باب، اسی کتاب کا باب نمبر 23:3۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے انبیاء علیہم السلام پر وحی لانے والے فرشتہ کو اور کس نے دیکھا؟ جیسے پہلے انبیاء علیہم السلام کا فرما دینا کافی تھا چاہے تقریر میں ہو یا تحریر میں (کہ میرے پاس فرشتہ آتا ہے) ایسا ہی ارشاد حضور ﷺ کا جبریل علیہ السلام کے وحی لانے میں کافی ہے اور قرآن میں کئی جگہ فرمایا گیا مثلاً بقرہ 2:97، نحل 16:102، شعراء 26:193، نجم 53:5، تکویر 81:19۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ بہت سے اصحاب رضی اللہ عنہم مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ، سعد بن ابی

وقاص، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت جبریل علیہ السلام کو آتے دیکھا اوران کی روایات صحیح اسناد کے ساتھ کتب صحاح میں درج ہیں۔حدیث جبریل علیہ السلام کے گواہ تو صحابہ رضی اللہ عنہم کی بڑی جماعت تھی۔

سوال نمبر 21: اگر کتب تاریخ چاہے بت پرستوں کی لکھی ہوں یا یہود ونصاریٰ کی لکھی ہوں، موجود ہوں اور اصلی ہونا ان کا بذریعہ تواتر کے اسی طرح ثابت ہوتا ہو جس طرح کہ قرآن کا اصل ہونا بلکہ اس سے بھی زیادہ استحکام کے ساتھ، توتم ان کی کتب کی اصلیت کوتسلیم کروگے یا نہیں؟

جواب: اگر سائل کی مراد اس طرح کے تواتر سے ہو جیسا قرآن مجید کو حاصل ہے تو ایسا تواتر کتب تاریخ کیا تورات وانجیل کو بھی حاصل نہیں کیونکہ قرآن مجید لفظاً لفظاً، حرفاً حرفاً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور سے آج تک لاکھوں کروڑوں حافظوں کی وساطت سے متواتر منقول ہے اور کروڑہا افراد کی وساطت سے ہر طبقے میں اس کی تحریر کے ذریعے حفاظت ہوئی ہے اور آج تک ہو رہی ہے۔اس کے الفاظ کا طرز ادا اور اعراب تک محفوظ چلے آ رہے ہیں اور یہ سب کچھ تحریر وحفظ دونوں کے ذریعہ ہوا ہے۔لہٰذا دور نبوی سے آج تک تحریف کا احتمال اس میں نہیں۔قرآن کے مضمون میں جھوٹ، خطا، بھول چوک کا احتمال قطعاً نہیں۔

تورات وانجیل کی عبارت تو الگ، اس کے مصنفین کا نام تک یقینی طور پر معلوم نہیں۔

سوال نمبر 22: کتب مذکورہ کی اصلیت میں شبہ کرنے سے کیا تم پر لازم نہ آئے گا کہ قرآن کے اصلی ہونے پر بھی شبہ کرو، اس لیے کہ دونوں کا اصلی ہونا ایک ہی طریق یعنی تواتر سے ہے۔

جواب: چونکہ تورات اور انجیل کو تواتر حاصل نہیں لہٰذا وہ قرآن کی برابری نہیں کر سکتیں۔لہٰذا ان کے اصلی ہونے کے انکار سے قرآن پر شبہ لازم نہیں آتا۔

سوال نمبر 23: مذکورہ تواریخ اسلام کی ابتداء سے سینکڑوں سال پہلے لکھی گئیں۔اگر ان میں اور قرآن میں بہت بڑا فرق ہو تو بتایئے آپ پرانی کتابوں کو غلط کہیں گے یا قرآن کو؟

جواب: ان پرانی کتابوں کو غلط کہیں گے اس لیے کہ قطعی دلائل سے ثابت ہے کہ قرآن کلام الٰہی ہے اور کلام الٰہی میں کذب، خطا اور بھول چوک کا احتمال نہیں ہو سکتا۔جبکہ خود ان مورخوں کے کلام میں یہ احتمال ہے، اگرچہ صدہا سال پہلے لکھا گیا ہو، مگر کسی نے کچھ بڑھا دیا ہو یا اس کے مصنف نے جان بوجھ کر غلط لکھا ہو۔

دیکھو چین اور ہندوستان والے اور مجوسی لوگ طوفان نوح کے قطعاً منکر ہیں اور اس کو محض بہتان سمجھتے ہیں۔وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ہماری تاریخوں میں نہیں لکھا۔مورخوں کا تعصب اور جانبداری مشہور چیز ہے لہٰذا ان کے بیان کو کلام الٰہی کے برابر نہیں سمجھا جا سکتا۔کسی کتاب کا محض پرانی ہونا اس کے معتبر ہونے کی

دلیل نہیں مثلاً ہندو پنڈت کہتے ہیں کہ ان کی کتاب مہا بھارت طوفان نوح سے (جیسا کہ یہودی، عیسائی بیان کرتے ہیں) 750 سال پہلے لکھی گئی۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر طوفان اسی طرح آیا ہوتا جیسا کہ کتاب پیدائش 21:7 تا 23 میں لکھا ہے تو یہ کتاب دنیا میں کیسے محفوظ رہ گئی۔

سوال نمبر 24: اوپر والے سوالات کے پیش نظر یا تو آنکھیں بند کر کے یہ کہیں کہ صرف قرآن ہی تواتر سے ثابت ہے یا اقرار کیجئے کہ قرآن کے مصنف کو حالات قدیمہ سے آگاہی نہ تھی۔

جواب نمبر 1 الزامی: چینیوں، ہندوؤں، مجوسیوں وغیرہ کی کتب قدیمہ اور بائبل دونوں بذریعہ اسناد متواترہ کے اصلی کتب ثابت ہوئی ہیں اور اپنے اپنے دور کے حالات ان میں درج ہیں۔ سو اس صورت میں دلیل تواتر کو ہاتھ سے گرا کر، شبہ میں گرفتار ہو کر یا آنکھیں بند کر کے فرمایئے گا کہ تواتر فقط بائبل کو حاصل ہے یا از روئے انصاف یہ اقرار کیجئے گا کہ بائبل کے مصنفوں کو حالات قدیمہ سے آگاہی نہ تھی اس لیے سینکڑوں باتوں کے لکھنے میں غلطی کی ہے مثلاً طوفان نوح علیہ السلام کو غلطی سے ایسا لکھا کہ کشتی والے آٹھ آدمیوں کے سوا دنیا میں کوئی جاندار نہیں بچا وغیرہ وغیرہ جن مذکورہ قوموں کو قدیم تواریخ رد کرتی ہیں۔

جواب نمبر 2 تحقیقی: پچھلے سوالوں کے جواب میں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ان کتابوں کا تواتر کس طرح کا ہے۔ اس کے مطابق یہ لازم نہیں آتا کہ جو حال ان کتابوں میں درج ہے، وہ سب سچا بھی ہو، لہٰذا سائل کا قول ہے کہ ان کتابوں میں لکھے ہوئے حالات سچ ہیں، مردود ہے، نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن اگر ان کتابوں کی مخالفت کرے تو نہ دلیل تواتر ہاتھ سے گرتی ہے، نہ دونوں کی نسبت شک وشبہ میں گرفتاری لازم ہے، نہ آنکھیں بند کر کے تواتر کا انکار کرنا پڑتا ہے کہ اس انکار سے خرابی ہو، نہ صاحب قرآن کی حالات قدیمہ سے عدم آگاہی ثابت ہوئی بلکہ کہنا پڑے گا کہ قرآن کا بیان سچ ہے اور ان کتابوں کا بیان غلط ہے اور ان کتابوں کا تواتر جو سائل کو مفید ہو، ہرگز ہرگز ثبوت کے درجہ کو نہ پہنچا اور نہ پہنچ سکتا ہے۔

سوال نمبر 25: اگر کوئی یہ کہے کہ میں قرآن کو کلام اللہ مانتا ہوں لیکن جو قرآن زمانہ حال میں پایا جاتا ہے وہ اصلی نہیں بلکہ جعلی اور محرف ہے کیونکہ اس میں نامعقول باتیں پائی جاتی ہیں گو اس کا اشارہ زمان سلف سے آج تک کسی نے نہیں کیا۔

جواب: پورے قرآن میں کوئی ایسی بات نہیں جو شان خدا، شان انبیاء علیہم السلام، منصب نبوت، برہان عقلی قطعی یا برہان نقلی قطعی کے خلاف ہو۔ جو شخص یہ کہہ رہا ہے اس سے وہ باتیں دریافت کی جائیں گی جن کو وہ نامعقول سمجھتا ہے اور تحریف کی دلیل بناتا ہے۔ پھر دلیل سے رد کیا جائے گا کہ وہ نامعقول باتیں نہیں۔ اس کے بعد

ثابت کیا جائے گا کہ یہ قرآن لفظاً لفظاً حضور ﷺ سے آج تک تواتر قطعی سے ثابت ہے اور اس کی مثل بھی کوئی نہ لا سکا باوجود چیلنج کے۔ لہٰذا یہ جتنا کلام ہے، خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے اور حسب وعدہ الٰہی محفوظ ہے۔ (الحجر 9:15)

اس کو بتایا جائے گا کہ قرآن کا حال بائبل جیسا نہیں جس میں تثلیث وغیرہ عقائد شان خدا کے خلاف ہیں، شان نبوت کے منافی قصے، سند متصل کا نہ ہونا، تواتر کا کما حقہ ثابت نہ ہونا، بعض کتابوں کو خود عیسائیوں کا جعلی تسلیم کرنا (مثلاً 6 کتابیں جو پروٹسٹنٹ بائبل میں نہیں) خود ان کا ان کتابوں میں تحریف ہو جانے کا اقرار کرنا اور ہر ہر عبارت کو الہامی نہ سمجھنا (مثلاً نسب نامہ) شامل ہیں۔

سوال نمبر 26: جو شخص دعویٰ نبوت کرے اور کتاب بنا لے یا کہے اور اس کو کلام اللہ قرار دے اور کتب سابقہ کو جو قرار واقعی سے ثابت ہوں محرف یا جعلی بتائے تو بتائیں کہ سینکڑوں سال بعد اس نبی کے ماننے والے کیسے فیصلہ کریں گے کہ ان کے نبی کے نام سے جو کتاب مشہور ہے وہ اصلی ہے یا جعلی۔

جواب: اگر دلائل سے پہلی کتابیں کما حقہ تواتر سے اصل ثابت ہوں، سند متصل ہو، ہر ہر لفظ الہامی ثابت ہو، تحریف کا نہ ہونا ثابت ہو، تو ممکن نہیں کہ سچا نبی ایسی کتابوں کو جعلی اور محرف قرار دے۔ لہٰذا ایسی صورت کا فرض کرنا ہی فضول ہے اور جواب کے قابل نہیں۔ اگر کسی کتاب کے حالات ان باتوں سے بالکل مختلف ہوں اور صرف کسی نبی سے منسوب ہوں تو ممکن ہے سچا نبی ان کو محرف یا جعلی قرار دے۔

اگر اس نبی علیہ السلام کی نبوت دلائل حقہ اور معجزات سے ثابت ہو تو پھر اس کا ان کتابوں کو جعلی قرار دینا یقینی اور واجب الاعتقاد ہو گا۔ رہی اس نبی کی کتاب تو اگر اس کتاب کا یہ حال ہو کہ اسی نبی کے عہد سے آج تک ہر ہر فقرا اور ہر ہر لفظ تواتر کی راہ سے منقول ہو اور اس کے علاوہ یہ بات بھی ثابت ہو کہ غیر کا کلام نہ اس میں ملا ہے نہ مل سکتا ہے، کیونکہ حفاظت کا وعدہ الٰہی موجود ہے تو سینکڑوں سال کیا ہزاروں سال بعد بھی نہایت آسانی سے اس کتاب کا کلام الٰہی ہونا اور سچی الہامی کتاب معلوم ہو جائے گا۔ اگر تواتر بائبل جیسا ہو تو پھر اس کا سچی کتاب ہونا ثابت نہ ہو سکے گا۔

سوال نمبر 27: اس نبی کی طرف سے پہلی کتابوں کو محرف قرار دینے سے سب معتبر تاریخوں کا اعتبار جاتا رہے گا یا قائم رہے گا اور یہ کہ اس کے اس قول سے دہریہ پن رواج پائے گا یا خدا پرستی کی ترویج ہو گی اور کتب مقدسہ پر ایمان مضبوط ہو گا۔

جواب: اگر وہ نبی سچا ہے تو بے شک ان تاریخوں کی اُس بات کا اعتبار نہ رہے گا جس کا اس نبی نے انکار

کیا ہے اور کہا جائے گا کہ بے شک مصنف تاریخ نے یہ بات جان بوجھ کر یا غلطی سے غلط لکھی ہے، یا یہ کہ اس نے یہ بات نہ لکھی تھی بعد میں کسی نے لکھ دی۔ سوال کے دوسرے حصہ کا جواب یہ ہے کہ جب وہ نبی سچا ہے تو اس کے فیصلہ کو ماننے سے خدا پرستی کی ترویج ہوگی۔ اس لیے کہ غلط بات کو غلط ماننا عین خدا پرستی ہے۔ شیطان پرستی اور دہریہ پن تو یہ ہے کہ غلط بات کو سچ کہتے جائیں۔

سوال نمبر 28: کیا یہ کلام الٰہی اور انبیاء کا انکار نہیں کہ تواتر سے ثابت پہلی کتابوں کو جعلی اور محرف قرار دے دیا جائے؟

جواب: پچھلے سوالوں میں ثابت ہو چکا کہ اہل کتاب کی مروجہ کتب نہ تو تواتر سے ثابت ہیں نہ ہی ان کے مصنفین کے نام یقینی طور پر معلوم ہیں۔ جب اہل کتاب کی کتابوں کا حال معلوم ہو چکا اور حضور ﷺ کی رسالت، قرآن کا کلام الٰہی ہونا، عقلی و نقلی قطعی دلائل سے ثابت ہو چکا تو اب کلام الٰہی اور انبیاء علیہ السلام کا انکار اس پر مبنی ہے کہ حضور ﷺ کی رسالت اور قرآن کو کلام الٰہی نہ مانا جائے۔

سوال نمبر 29: ایک شخص عجائبات و کرامات دکھاتا ہے اور ہزاروں سال سے مروج بات کو جعلی اور محرف بتاتا ہے تو کیا ایسے شخص کے قول کا انکار نہ کیا جائے گا اور یہ کہا جائے گا کہ اس کی کرامات قوت شیطانی سے ہیں؟

جواب: اگر صاحب کرامات نبوت کا مدعی ہے اور اس کی نبوت دلائل حقہ سے ثابت ہے تو وہ کبھی ایسی خلاف واقعہ بات نہ فرمائے گا لہٰذا ایسا فرض کرنا بھی محض باطل اور ناقابل توجہ ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ ایسی بات فرمائے جو درحقیقت حق ہو مگر عوام میں اس کے خلاف مشہور ہو اور اس غلط شہرت کو عوام کالانعام تواتر سمجھتے ہوں اور اپنے اوہام کو قطعی دلائل جانتے ہوں جیسے کہ کتاب پیدائش میں مذکور طوفان نوح کو اہل کتاب سچ جانتے ہیں اور اس کے خلاف تمام قوموں کی کتابوں کو جھوٹ تسلیم کرتے ہیں اگرچہ وہ مخالف قوموں میں کیسی ہی مشہور کیوں نہ ہوں۔

یاد رہے کہ ہر تاریخی بات صحیح نہیں ہوتی، مورخوں سے بھی بھول چوک ہو جاتی ہے۔ کبھی جان بوجھ کر تعصب کی وجہ سے غلط بھی کہہ دیتے ہیں لہٰذا ہر تاریخی بات ایسی نہیں کہ اس کو نبوت کے کلام کے مقابل کیا جائے۔

فانڈر کا اخلاق

ایک مسلمان عالم (صاحب استفسار) نے خط مورخہ 26 جولائی 1844ء میں پادری فانڈر سے گفتگو کی

پہلی شرط یہ رکھی کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر کے لیے جمع کے صیغے استعمال کرے گا مگر اس نے صاف جواب دیا اور کہا کہ میں صیغہ واحد میں ذکر کروں گا اور جہاں مقتضائے کلام ہوگا، جھوٹا نبی بھی کہوں گا (نعوذ باللہ) اس نے اپنے خبث باطن کی توجیہہ یہ بیان کی کہ ایسے الفاظ سے رنج دینا مقصد نہیں بلکہ جو بات ہمارے نزدیک حق ہے اس کو ظاہر کرنا ہم پر واجب ہے۔ اس نے ایسا ہی جواب مولانا رحمت اللہ کیرانوی کو بھی خط مورخہ 31 جولائی 1844ء میں دیا۔ (ازالہ جلد نمبر 2)

پھر اس نے مولانا رحمت اللہ کے خط کے جواب میں اپنے خط مورخہ 18 اپریل 1854ء میں لکھا کہ جب ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن کو سچا نہیں مانتے تو ہم کس طرح ان کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا قرآن شریف کہیں بلکہ اپنے موقع محل پر دونوں کو جھوٹا بھی کہیں گے۔ یہ سب رنج دینے کے لیے نہیں کہتے بلکہ عیسائیوں کے نزدیک حق یہی ہے اور اس کا ظاہر کرنا واجب ہے۔

❀❀❀

مسیحی حضرات سے چند سوالات

1- سچے نبی اور سچی کتاب کی پہچان کیا ہے۔ سچا دین کن خصوصیات کا حامل ہوتا ہے؟ آپ جو بھی معیار بیان کریں، اس کا ثبوت کیسے دیا جائے گا؟ مثلاً تواترامت سے، تاریخ سے یا کتاب سے؟

2- آپ جو بھی معیار مقرر کریں اس پر پہلے انبیاء علیہم السلام اور پہلی کتابوں کو سچا ثابت کریں۔

3- ''وہ نبی'' سے مراد کون ہے، جس کا ذکر (یوحنا 21:1، 14:6 اور 40:7) میں ہے۔

اس سے مراد سیدنا عیسیٰ علیہ السلام تو نہیں ہو سکتے، کیونکہ آپ ان کو نبی نہیں بلکہ خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔

4- جناب یسوع علیہ السلام نے کہا کہ مجھ سے پہلے جتنے آئے سب چور اور ڈاکو تھے۔ (یوحنا 8:10)

اس فقرہ کی تشریح کر دیں اور یہ بھی بتائیں کہ پھر ان کی عبارتیں یسوع کے حق میں پیش گوئی کے طور پر کیوں پیش کی جاتی ہیں؟

5- کیا موجودہ بائبل اور اناجیل حرف بحرف خدا کا کلام ہیں۔ کیا کیتھولک پروٹسٹنٹ اور دوسرے فرقوں کے پاس جو مختلف بائبل کے نسخے ہیں، وہ سب حرف بحرف خدا کا کلام ہیں؟

6- کیا دنیا میں تمام عیسائی فرقوں کی کوئی متفقہ بائبل ہے؟

7- آپ کے مذہب کے اصول کیا ہیں؟ کیا صرف ایمان سے نجات ہے، یا نیک اعمال بھی ضروری ہیں؟

8- کیتھولک حضرات پروٹسٹنٹ فرقہ کے لوگوں کو مرتد کہتے ہیں اور پروٹسٹنٹ ان کو گمراہ کہتے ہیں۔ اگر متی (20:28) کے مطابق یسوع ہمیشہ ان کے ساتھ رہے گا تو دونوں گمراہ کیسے ٹھہرے؟

9- کیا یسوع علیہ السلام کا مرتبہ زیادہ ہے یا پال کا۔ اگر یسوع کا مرتبہ زیادہ ہے تو پال نے شریعت کیسے منسوخ کر دی؟ جبکہ یسوع علیہ السلام تورات کو مکمل کرنے آئے تھے۔ (متی 17:5)

بلکہ تورات کے احکام ابدی تھے۔ (متی 18:5)

خود یسوع تورات کے ماتحت تھے اور انہوں نے تورات کی منسوخی کا کوئی دعویٰ نہیں کیا۔ بلکہ شریعت کی پابندی کا حکم دیا۔ (متی 23:2-3)

مبارک ہیں وہ جو شریعت پر عمل کرتے ہیں۔(زبور 119:1) جبکہ پال کہتا ہے میں شریعت کے تابع نہیں۔(ا۔کرنتھیوں 9:20)

یہ بھی فرمایا کہ زمین آسمان ٹل جائیں گے میری باتیں نہ ٹلیں گی۔

(متی 24:35،مرقس 13:31،لوقا 21:32)

یہ بھی لکھا ہے کہ خدا کی شریعت چراغ اور روشنی ہے۔(زبور 119:105)

تو پال نے شریعت کس اختیار کے تحت منسوخ کر دی؟ اگر وہ بیابان میں ہونے والے مکاشفہ کا بہانہ بنائے۔(اعمال 9:3 تا 9) تو یاد رہے کہ مکاشفہ شیطانی دھوکہ بھی ہو سکتا ہے، جیسا کہ خود پال نے لکھا کہ شیطان نورانی فرشتہ کی شکل بنا سکتا ہے۔(2۔ کرنیتھوں 11:14)

چونکہ بقول پال، مسیح کا مرتبہ فرشتوں سے بھی کم ہے۔(عبرانیوں 2:7)

لہٰذا شیطان کا ان کی شکل میں پال کے سامنے آنا ممکن ہے۔ دوسرے یہ کہ جھوٹ بولنے کو پال نیک کام خیال کرتا تھا۔(رومیوں 3:7)

تیسرے یہ کہ وہ جو کچھ کہتا تھا، وہ الہام سے نہیں، بلکہ اپنی رائے سے کہتا تھا۔

(2۔ کرنیتھوں 11:17RSV گلیتوں 3:15)

اور یہ کہ وہ بارہ رسولوں میں بھی شامل نہیں تھا۔(مرقس:3:14، اعمال 1:26)

10- یسوع علیہ السلام کہتے ہیں کہ میرا انکار جرم ہے۔(متی:10:33)

پطرس نے تین بار انکار کیا اور ان پر لعنت کی (متی:26:69 تا 75)

پھر وں کلیسا کا پتھر کیسے بن گیا؟(متی 16:18)

11- کیتھولک کلیسا اعراف کی قائل ہے۔ جس کی بنیاد کلیسیائی بزرگوں کے مکاشفہ پر ہے، مگر اس مکاشفہ کو پروٹسٹنٹ حضرات تسلیم نہیں کرتے تو پال کا مکاشفہ ان کو کیسے تسلیم ہے؟

12- یسوع کو دو آدمیوں پر بھی اختیار نہیں کہ کسی کو دائیں یا بائیں بٹھائیں، بلکہ یہ صرف خدا کا اختیار ہے۔ (متی 20:23) تو تمام جہان کی عدالت کا اختیار ان کے پاس کیسے آ گیا؟

13- کیا شریعت مکمل طور پر منسوخ ہے یا اس میں سے کچھ حصہ باقی ہے۔ اگر مکمل منسوخ ہے تو ماں بہن سے نکاح اب تک کیوں منع ہے؟ اگر جزوی طور پر منسوخ ہے تو اس کی کیا دلیل ہے؟ کیونکہ پال نے تو شریعت کو مطلقاً لعنت قرار دیا۔(گلیتوں 3:13)

14- پال کی تحریر کے مطابق یسوع علیہ السلام (نعوذ باللہ) لعنتی ہیں تو ایک لعنتی دوسروں کو کیسے نجات دے سکتا ہے؟ یا ان کی عدالت کیسے کر سکتا ہے۔ (گلتیوں 13:3)

خود یسوع تین دن دوزخ میں رہے۔ (1-پطرس 19:3)

پال خود ہی لکھتا ہے کہ جو کوئی خدا کی روح کی ہدایت سے بولتا ہے، وہ نہیں کہتا کہ یسوع ملعون ہے۔ (1-کرنتھیوں 3:12)

اس سے ثابت ہوا کہ پال خدا کی طرف سے نہیں بولتا تھا۔ لہٰذا اس کا شریعت منسوخ کرنے سمیت تمام عقائد دینا باطل ٹھہرا۔

15- پاک لوگوں کے لیے سب کچھ پاک ہے۔ (ططس 15:1)

اس کے باوجود آپ لوگ ہر شے کیوں نہیں کھاتے؟

16- چونکہ وحی کرنے والا ایک ہے تو تعلیم بھی ایک جیسی ہونا ضروری ہے۔ عیسائیت سے پہلے اور بعد یعنی پرانا عہد نامہ اور قرآن مجید توحید کی تعلیم دیتے ہیں، جس سے ثابت ہوتا کہ یہ تعلیم خدا کی طرف سے ہے، جبکہ عیسائیت تثلیث کی تعلیم دیتی ہے۔ لہٰذا یہ خدا کی تعلیم نہیں ہو سکتی، بلکہ سلسلہ دین میں عیسائیت ایک بدعت ہے۔ کیا یہ درست نہیں؟

17- انجیر کے درخت کا کیا قصور تھا کہ یسوع نے اس پر لعنت کی۔ (متی 19:21، مرقس 12:14 تا 21)

اس کام سے یسوع کا حسن اخلاق، الوہیت، علم اور رحم سے خالی ہونا معلوم ہوتا ہے۔ آپ کیا کہتے ہیں؟

18- یسوع کی دعا پطرس کو شدید ترین آزمائش میں گرنے سے نہ بچا سکی، جو کہ انتہائی قریبی شاگرد تھا تو باقی دنیا کو یسوع کیسے بچا سکتے ہیں؟ (متی 16:18-19، متی 74:26)

19- ایمان لانے میں خود یسوع رکاوٹ تھے۔ (مرقس 12:4، 30:8)

ان سے حق کے بارے میں گورنر نے پوچھا تو بھی انہوں نے کچھ نہ بتایا، حالانکہ وہ حق کی گواہی دینے آئے تھے۔ (یوحنا 38:18) آپ کا کیا جواب ہے؟

20- یسوع کا نسب نامہ متی نے سلیمان علیہ السلام سے۔ (متی 6:1) اور لوقا نے ناتن سے چلایا۔ (31:3)

کیا ایک آدمی بیک وقت دو بھائیوں کی اولاد ہو سکتا ہے؟ لگے ہاتھوں یہ بھی بتا دیں کہ کیا خدا کا بھی شجرہ نسب ہوتا ہے؟

21- یسوع کو ابن داؤد علیہ السلام لکھا گیا ہے مثلاً۔ (متی 27:9، لوقا 38:18 وغیرہ)

جبکہ یسوع فرماتے ہیں: پس جب داؤد اس کو خداوند کہتا ہے تو وہ اس کا بیٹا کیونکر ٹھہرا۔(متی 45:22)
نسب نامہ کی رو سے یسوع ابن داؤد نہیں، بلکہ ابن مریم ثابت ہوتے ہیں، لہٰذا وہ داؤد کے تخت کے وارث بھی نہ ٹھہرے۔ اگر آپ یوسف کے بیٹے تھے تو بن باپ نہ ٹھہرے اور یہ کہ خدائی اصول کے تحت داؤد کا کوئی تخت ہی نہیں، جس پر کوئی ابن داؤد بیٹھے۔وہ اس طرح کی فارص حرام زادہ تھا۔

(پیدائش 12:38 تا 30)

اور خدائی اصول کے تحت کوئی حرام زادہ دسویں پشت تک خدا کی جماعت میں شامل نہیں ہوسکتا۔

(استثنا 2:23)

اور داؤد فارص کی دسویں پشت میں آتے ہیں۔(متی 3:1 تا 6،لوقا 3:32-33)
لہٰذا جب داؤد ہی خدا کی جماعت میں شامل ہونے کے اہل نہ ٹھہرے تو ابن داؤد کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بائبل کے مطابق خود داؤد بھی ذاتی طور پر قتل اور زنا کی تہمت کے حامل ہیں۔

(2-سموئیل باب 11)

اور پھر ناتن کے ذریعہ ان کو یہ جرم بتائے بھی گئے۔(ایضاً باب 12)
اس کے علاوہ یسوع کے مبینہ نسب نامہ میں الیاقیم شامل ہے۔(متی 13:1،لوقا 30:3) جس کا پہلا نام یہویقیم تھا۔(قاموس الکتاب ص 1191) اور یہویقیم کے گناہ کے سبب اگر کوئی وعدہ تھا بھی، تو وہ بھی ختم ہو چکا۔(یرمیاہ 30:36) جس میں فرمایا گیا۔شاہ یہوداہ یہویقیم کی بابت خداوند یوں فرماتا ہے کہ اس کی نسل میں سے کوئی نہ رہے گا جو داؤد کے تخت پر بیٹھے اور میں اس کو اور اس کی نسل کو اور اس کے ملازموں کو ان کی بدکرداری کی سزا دوں گا۔ یہ لہٰذا یسوع کسی طور تخت داؤد کے وارث نہیں ہوسکتے۔

22- وہ ناصری کہلائے گا۔(متی 23:2)
یہ پیش گوئی کس کتاب میں ہے؟

23- یسوع کے بن باپ ہونے کا ثبوت آپ کی کتابوں سے درکار ہے۔

24- آپ کے پاس کیا دلیل ہے کہ یسوع کے مبینہ معجزات جادو اور شعبدہ بازی نہیں تھے، جیسا کہ یہودی قوم کا تواتر ہے اور آپ کا تیسری صدی کا بڑا عالم اوریجن (وفات 254ء) لکھتا ہے کہ یسوع نے مصر میں جادو میں مہارت حاصل کی تھی اور اسی بنا پر خدا کا لقب حاصل کیا۔ یہ اس نے اپنی کتاب

The Nativity By Geza Vermes) لکھا بحوالہ (28:1) میں Against Celsus
(P-126

اور یہ کہ جادوگر بھی انبیاء علیہ السلام جیسے معجزات دکھاتے رہے ہیں۔

(خروج 22:7، 7:8، اعمال 9:8، اسموئیل 7:28 تا 19)

پھر اس عورت کی پیش گوئی کے مطابق حالات پیش آئے (ایضاً باب 31)

غیب دان لونڈی بھی تھی۔ (اعمال 16:16)

دجال بھی شعبدے دکھائے گا۔ (2- تھسلنیکیوں 9:2 اور مکاشفہ 13:13-14)

ہم یہ پوچھتے ہیں کہ بالفرض وہ معجزات جو اناجیل میں درج ہیں، مان بھی لیں تو آپ کے پاس کونسی دلیل ہے کہ دجال تو جھوٹا ہو، مداری جھوٹے ہوں مگر یسوع سچے ہوں اور یہ کہ دجال کی الوہیت کا قائل کافر ہو اور یسوع کی الوہیت کا قائل مومن شمار کیا جائے؟ یسوع کے معجزات کے بارے میں یہودی قوم دو ہزار سال سے الزام لگا رہی ہے کہ وہ جادو کے کرشمے تھے۔ (متی 34:9)

اور خود یسوع نے بھی اپنے نیک ہونے سے انکار کیا۔ (مرقس 18:10، لوقا 19:18)

25- اگر یسوع کے معجزات سچ تھے تو ان کے بھائی کیوں نہ ایمان لائے۔ (یوحنا 5:7)

یہودی آپ میں بدروح کیوں مانتے تھے۔ (یوحنا 20:7)

صرف چندان پڑھ کیوں پیروکار بنے، سردار اور عالم کیوں ایمان نہ لائے۔ (یوحنا 48:7-49)

یسوع کے عزیزان کو پاگل کیوں سمجھتے تھے؟ (مرقس 21:3)

لوگ آپ کو شرابی کیوں کہتے تھے۔ (متی 19:11)

آپ صورت کیوں بدل لیتے تھے۔ (مرقس 2:9-3)

کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ کے بزرگوں نے اپنی عزت اور دولت میں اضافہ کرنے کیلئے اور یسوع کے معتقد بڑھانے کیلئے معجزے اور کرامتیں گھڑ کر کتابوں میں لکھ دیں۔

26- کیا صرف ایمان سے راست باز ٹھہرائے جانے کا عقیدہ گناہ کا لائسنس دینے کے مترادف نہیں؟

27- پروٹسٹنٹ اعتقاد ہے کہ خدا کی برکت، بخشش اور استحقاق بطور میراث نہیں ملتا تو موروثی گناہ میراث میں کیسے مل گیا؟ (ملاحظہ ہو کلیسائے روم کے چند ایک دعاوی، ص: 10)

28- غیر عورتیں یسوع کے ساتھ سفر میں کیوں ساتھ رہتی تھیں اور ان پر اپنا مال کیوں خرچ کرتی

تھیں؟ (لوقا 1:8 تا 3)

29- یسوع کی پیش گوئیاں پوری نہ ہوئیں، مثلاً (متی 23:10,28:16,34:24)
جبکہ پیش گوئی پورا ہونا سچا ہونے کی نشانی ہے۔ (یرمیاہ 9:28)

30- یسوع نے حرام کمانے کی ترغیب کیوں دی؟ (لوقا 9:16)
تضاد بیانی کی۔ (متی 9:5، لوقا 5:12)
ماں سے بدتمیزی کی۔ (یوحنا 4:2)
جھوٹ بولا۔ (یوحنا 8:7 تا 10)
اپنے نیک ہونے سے انکار کیا۔ (مرقس 18:10، لوقا 19:18)
وہ پیشوا کیسے ٹھہریں گے؟

31- جب یسوع نے خود کو خدائی سے خالی کر کے جسم اختیار کیا تو وہ خدا کیسے ٹھہرے؟ (فلپیوں 6:2-7)
جبکہ قاموس الکتاب میں اس کے الٹ لکھا ہوا ہے کہ دیکھئے لفظ تجسم المسیح ۔ (ص: 234-235)

32- اعمال حسنہ کو نجات میں دخل ہے کہ نہیں۔ اگر دخل ہے تو دخل مکمل ہے یا ناقص؟

33- کفارہ نجات کیلئے کافی ہے یا نہیں۔ کیا پوری دنیا کیلئے کافی ہے، یا کسی کی خصوصیت ہے۔ اگر خصوصیت ہے تو کس آیت سے یہ سمجھی جاتی ہے؟

34- کیا خدا اس بات پر قادر تھا یا نہیں کہ بغیر ذلت و خواری اٹھائے اور صلیب چڑھے بغیر اپنے بندوں کو نجات دے سکے؟

35- بغیر سزا اور بلا عوض معاف کرنا جائز ہے یا نہیں۔ اگر جائز ہے تو جواز عام ہے یا بندوں سے خاص ہے۔
یعنی خدا تو سزا دیئے بغیر معاف نہیں کر سکتا۔ البتہ بندے بلا معاوضہ بھی معاف کر سکتے ہیں۔

36- انجیل یوحنا 28:14 کے مطابق باپ بیٹے سے بڑا ہے تو تثلیث میں دونوں برابر کیسے ہو گئے۔ سرمیوم کی کونسل منعقدہ 357ء اور اری مینیم کی کونسل منعقدہ 359ء کے شرکاء نے فتویٰ دیا کہ صرف باپ ہی خدا ہے اور ہر پہلو سے بیٹے سے بڑا ہے۔ (ایمان کا قاعدہ یا قانون، ص: 17 مصنفہ پادری کینن پی ہیرس)
تو تثلیث میں دونوں کیسے برابر ہو گئے؟ پوپ لائی بسیر لیس نے بھی اس فتویٰ پر دستخط کئے تھے۔

37- عیسائی علماء کی کونسلوں نے کبھی کوئی عقیدہ اپنایا اور کبھی دوسرا عقیدہ بنا لیا۔ کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ عیسائی علماء کا اجماع بھی ناقابل اعتبار ہے؟ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ (ایمان کا قاعدہ یا

قانون،ص:18 مصنفہ کینن پی ہیرس) اور مختلف کونسلوں کی روداد۔

38- میلادیسوع 25 دسمبر کو منانے کا کیا ثبوت ہے۔ جبکہ قاموس الکتاب ص 147 پر لفظ بڑا دن کے تحت لکھا ہے کہ یسوع کی پیدائش کی درست تاریخ نامعلوم ہے۔

39- کیا رسولوں کا عقیدہ، نیقیہ کا عقیدہ، اتھانیس کا عقیدہ، یسوع علیہ السلام نے انہی الفاظ میں بتایا تھا، یا ان کے شاگردوں نے بتایا تھا؟ اگر انہوں نے نہیں بتایا تھا تو کیا عقائد گھڑنے کا اختیار بھی آپ کے پادریوں کو حاصل ہے؟

40- جو شریعت پر عمل نہ کرے اس پر لعنت ہے۔ (استثناء 26:27)

شریعت پر نہ چلنے والے کو سزا ملے گی۔ (زبور 89:30 تا 32)

شریعت کو ابدالآباد ماننے کا ذکر۔ (زبور 119:44)

میں ہے۔ توریت کا ایک نقطہ یا شوشہ بھی قیامت نہ ٹلے گا، جیسا کہ یسوع نے فرمایا۔ (متی 5:17 تا 20)

اور کتاب مقدس کا باطل ہونا ممکن نہیں۔ (یوحنا 10:35)

تو پال نے کس اختیار کے تحت شریعت منسوخ کر دی؟

41- روز قیامت صرف ایک خدا ہوا گا اور اس کا نام واحد ہو گا۔ (زکریا 14:9)

تو تثلیث ماننے سے آپ کو کیا فائدہ ملا؟

42- خدا نے کہا میں مر گیا تھا۔ (مکاشفہ 1:18)

کیا خدا کا مرنا ممکن ہے؟ اگر یہ ممکن ہو تو کائنات کو کون سنبھالے گا؟

43- ابلیس یسوع سے ہمیشہ کیلئے نہیں بلکہ کچھ عرصہ کیلئے جدا ہوا۔ (لوقا 4:13)

اسی لیے لقمہ دیتے وقت شیطان یہودا اسکریوتی میں سما گیا۔ (یوحنا 13:27)

جب یسوع کی کرامت سے شیطان یہوداہ میں سما گیا تو یہودا کا کیا قصور ہے؟ چاہیے تو یہ تھا کہ اپنی کرامت سے شیطان کو اس سے دور کر دیتے۔

44- اگر یسوع علیہ السلام پر کوئی انجیل نازل نہ ہوئی تھی تو شاگردوں کو کس انجیل کی منادی کرنے کا حکم دیا۔

(مرقس 16:15)

45- کیا پوری زندگی میں یسوع نے خود لوگوں کو باپ بیٹے اور روح القدس کے نام کا بپتسمہ دیا جس کی وصیت بعد میں شاگردوں کو کی۔ (متی 28:19)

خود انہوں نے پوری زندگی یہ کام کیوں نہ کیا؟

46- یسوع علیہ السلام نے عیسائیوں کو پابند کیا کہ تم کامل ہو جیسا تمہارا آسمانی باپ کامل ہے۔(متی 48:5)
کیا مخلوق خدا کی مانند کامل ہو سکتی ہے؟ کہ یہ تکلیف مالا یطاق نہیں ہے؟

47- آلۂ قتل صلیب وقت کے ساتھ ساتھ مقدس کیسے ہو گیا؟ (قاموس الکتاب،ص:595-596)

48- کوئی آسمانی کتاب سابقہ الہامی کتابوں کی مخالفت کرے تب قابل اعتراض ہے، یا موافقت کرے تب قابل اعتراض ہے؟

49- اگر یوحنا علیہ السلام یسوع علیہ السلام کے ایسے معتقد تھے کہ بپتسمہ دیتے وقت انہوں نے یسوع سے کہا کہ میں آپ تجھ سے بپتسمہ لینے کا محتاج ہوں۔(متی 14:3)

اور یہ خدا کا برہ ہے جو دنیا کا گناہ اٹھا لے جاتا ہے۔(یوحنا 29:1)

تو پھر قید خانے سے یسوع کو یہ پیغام کیوں بھجوایا کہ آنے والا تو ہی ہے یا ہم دوسرے کی راہ دیکھیں؟ (متی 3:11)

کیا اس سے یہ یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یسوع علیہ السلام کی مفروضہ فضیلتیں انجیل نویسیوں نے یوحنا علیہ السلام کے منہ میں ڈال دیں؟

50- ویٹی کن سٹی میں 1965ء میں منعقد ہونے والی دوسری کلیسائی کونسل نے انجیلی حقائق کے برعکس اسرائیل کو خوش کرنے کیلئے یہ اعلامیہ جاری کیا کہ یسوع علیہ السلام کے خون ناحق کے ذمہ دار یہودی نہیں، بلکہ رومی گورنر ہے۔ حالانکہ گورنر نے یسوع کے خون سے خود کو بری الذمہ ثابت کرنے کی علامت کے طور پر پانی منگوا کر سب کے سامنے ہاتھ دھوئے اور کہا کہ میں اس راستباز کے خون سے بری ہوں۔(متی 24:27)

ہمارا سوال یہ ہے کہ جو لوگ اتنی بڑی دھاندلی اور غلط بیانی علانیہ طور پر کر سکتے ہیں، ان سے کتاب میں تبدیلی کیا بعید ہے؟

51- یسوع کی پیش گوئی تھی کہ ابن آدم تین دن اور تین راتیں زمین کے اندر رہے گا۔(متی 40:12 ترجمہ انگریزی KJV اور RSV) کیونکہ اردو ترجموں میں تحریف کر کے تین دن رات لکھ دیا گیا ہے۔
بہر حال، آپ تین دن اور تین رات یسوع کا زمین کے اندر رہنا ثابت کر دیں۔ کیونکہ جمعہ کی شام سے اتوار کی صبح تک تین دن اور تین رات نہیں بنتے۔ کیا یہ پیش گوئی غلط ثابت نہ ہوئی؟

52- یسوع یا ان کے شاگردوں نے تکمیل شریعت سے تنسیخ شریعت مراد کبھی نہ لی تھی۔ یسوع کے بعد ان کے شاگرد ہیکل میں جمع ہو کر عبادت کرتے تھے اور انہوں نے اپنے شریعت پر عامل ہونے کا بیان کر کے پال پر موسیٰ علیہ السلام کی شریعت سے پھر جانے کا الزام لگایا۔ (اعمال 17:21 تا 24)
نہ ہی وہ یسوع کے جسم کو ہیکل کا قائم مقام سمجھتے تھے۔ کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ پال کا تنسیخ شریعت کا موقف بالکل غلط ہے؟

53- یسوع، مسیح تھے یا خدا تھے یا رسول تھے یا سردار کاہن تھے؟ عبرانیوں (1:3) کے پیش نظر جواب درکار ہے۔

54- متی اور لوقا میں مذکور نسب ناموں میں فرق کی وضاحت کر دیں۔

55- یسوع علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ (متی 24:15)
فلسطین کے جس علاقہ میں انہوں نے تبلیغ کی وہاں اسرائیل کے 12 میں سے صرف 2 قبیلے رہتے تھے۔ باقی دس گم شدہ تھے۔ یعنی وہ لوگ دوسرے علاقوں میں جا کر دوسری قوموں میں رچ بس گئے تھے، مگر یسوع علیہ السلام نے کبھی بھی ان کی طرف توجہ نہ کی۔ کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ انہوں نے اپنا فرض انجام نہیں دیا؟ اور اپنے مشن میں ناکام رہے۔

56- جب ایک شخص نے ان سے ہمیشہ کی زندگی حاصل کرنے کیلئے نیکی کے بارے میں پوچھا تو یسوع علیہ السلام نے اس کو احکام عشرہ یعنی موسوی شریعت کے احکام پر عمل کرنے کا کہا۔ اگر تثلیث برحق تھی تو یسوع علیہ السلام نے اس کا ذکر کیوں نہ کیا؟

57- یسوع نے پیش گوئی کہ جو لوگ یہاں کھڑے ہیں، وہ موت سے پہلے خدا کی بادشاہی کو قدرت کے ساتھ آتا ضرور دیکھیں گے۔ (مرقس 1:9)
اور یہ پیش گوئی کہ اس دور کی نسل کے ختم ہونے سے پہلے قیامت آجائے گی اور سورج چاند ستارے سب ختم ہو جائیں گے۔ (مرقس 24:13 تا 31)
مگر یہ دونوں پیش گوئیاں پوری نہ ہوئیں۔ آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

58- یسوع نے یہودی علماء کے ساتھ سخت کلامی کی اور انہوں نے الزام لگایا کہ یسوع انہیں گالیاں دیتے ہیں۔ (لوقا 45:11 عربی ترجمہ)

اور یہ بھی کہا کہ تم ابلیس کی اولاد ہو (یوحنا 44:8)

اور دوسری طرف لوگوں کو یہ نصیحت کی کہ جو اپنے بھائی کو بے وقوف کہے گا وہ آتش جہنم کا سزاوار ہوگا۔ (متی 22:5)

کیا یہ انداز تکلم جہان کے نجات دہندہ کی شان کے لائق ہے؟ مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ۔ (متی باب 23 پورا)

59- یسوع نے کہا کہ جو کچھ دعا میں ایمان کے ساتھ مانگو گے مطلب تم کو ملے گا۔ (متی 22:21)
تو پھر ان کی اپنی دعائیں کیوں قبول نہ ہوئیں، جو انہوں نے انتہائی گریہ زاری کے ساتھ منہ کے بل گر کر مانگیں؟ (متی 36:26 تا 39)

60- اگر یسوع کا مشن کفارہ ادا کرنے کے لیے جان دینا تھا تو جان بچانے کی درخواست کیوں کی؟ (متی 39:26)

61- متی کی انجیل کے مطابق یسوع کی صلیب کے وقت تمام ملک میں اندھیرا چھا گیا۔ (متی 45:27)
تو ان کے آخری کلمات کس نے سنے اور اندھیرے میں قبروں سے نکلے ہوئے مقدسین کس نے دیکھے؟ اور وہ کہاں گئے؟ (متی 52:27)

62- عقیدہ تثلیث کے مطابق تینوں خدا ایک ہیں۔ جب ایک کو صلیب پر موت آ گئی تو باقی دونوں کا کیا بنا؟ کیا تینوں ختم ہو گئے تھے؟ اور اگر ایسا ہوا تو ان کو زندہ کس نے کیا؟ کیا ان سے بڑا خدا کوئی اور بھی ہے؟

63- کیا وجہ ہے کہ یسوع کے شاگردوں میں سے کسی نے ان کے حالات زندگی اور تعلیمات نہیں لکھیں؟

64- رفع آسمانی کے بعد یسوع علیہ السلام خدا کے دائیں ہاتھ بیٹھ گئے۔ (مرقس 19:16)
مرقس کو یہ بات کس نے بتائی؟ کیا وہ خود آسمان پر جا کر دیکھ آیا؟

65- علم فلکیات کے خلاف ستارے کا سفر موجودہ دور کی یورپی سائنس سے مطابقت رکھتا ہے کہ نہیں، جس کا ذکر متی (1:2 تا 12) میں ہے۔ سورج کا واپس مڑ جانا۔ (2- سلاطین 11:20)
سورج کا ٹھہر جانا۔ (یشوع 10:13-14)
پال کا تیسرے آسمان پر جسم سمیت جانا اور واپس آنا۔ (2- کرنتھیوں 4:12) یورپی سائنس کی روشنی میں ان سب کی بھی لگے ہاتھوں وضاحت فرما دیں۔ کیا یہ سب خلاف عقل اور ناممکن نہیں ہیں؟

66- یوحنا لکھتا ہے کہ اگر یسوع کے تمام کام لکھے جاتے تو ان کتابوں کے رکھنے کی دنیا میں گنجائش نہ ہوتی۔(یوحنا25:21)

کیا یہ مبالغہ کی انتہا نہیں؟ کیونکہ یسوع کی زندگی کے صرف 50 دنوں کا ریکارڈ عیسائیوں کے پاس موجود ہے۔(Encyclopedia Britanica, 1958, Vol-13, P-160)

67- یسوع علیہ السلام نے خود توحید کی تعلیم دی۔(مرقس 29:12)

یہ بھی فرمایا کہ میں اپنے آپ سے کچھ نہیں کر سکتا۔(یوحنا30:5)

خود کو دوسروں کے برابر ٹھہرایا اور کہا کہ میرا اور تمہارا خدا ایک ہی ہے۔(یوحنا17:20)

تو پھر وہ خدا کیسے ہو گئے؟

68- یسوع علیہ السلام نے صلیب پر ایک بدکار سے وعدہ کیا کہ تو آج ہی میرے ساتھ فردوس میں ہوگا۔

(لوقا43:23)

مگر خود دوزخ میں تشریف لے گئے اور وہاں قیدی روحوں میں منادی کی۔(1-پطرس19:3)

کیا یہ کھلا تضاد نہیں ہے؟

69- اگر تثلیث ازل سے موجود ہے تو یہودیوں کے انبیاء علیہم السلام انہیں غلط تعلیم کیوں دیتے رہے کہ خدا ایک ہی ہے؟

70- اگر کفارہ سے نجات تھی تو یسوع علیہ السلام نے شاگردوں کو یہ کیوں کہا تھا کہ اگر تم آدمیوں کے قصور معاف نہ کرو گے تو تمہارا باپ بھی تمہارے قصور معاف نہ کرے گا۔(متی14:6)

71- اگر کفارہ سے سب گناہ معاف ہوتے ہیں تو روح القدس کے خلاف کفر کیوں معاف نہیں ہوتا؟

(متی31:12)

72- یسوع علیہ السلام فرماتے ہیں کہ احکام عشرہ ماننے میں نجات ہے۔

(متی16:19 تا19)(مرقس 17:10 تا19)(لوقا25:10 تا28)

جبکہ پال کہتا ہے شریعت کے اعمال سے نجات نہیں۔(رومیوں20:3)(گلتیوں16:2)

آپ کس کی مانیں گے؟

73- پال کی تحریر کے مطابق کفارہ سے صرف پہلے گناہ معاف ہوئے۔ اب اگر کوئی گناہ کرے گا تو گناہوں کی کوئی اور قربانی باقی نہیں رہی۔(عبرانیوں26:10)

تو بعد والے گناہ گاروں کی نجات کا کیا سامان ہے؟

74- یسوع علیہ السلام نے پال کے بارے میں اپنے شاگردوں کو خبر کیوں نہ دی؟

75- اگر کفارہ، مسیح کی موت اور قیامت سے نجات ہے تو یسوع علیہ السلام نے اپنے تفصیلی بیان یعنی پہاڑی کے وعظ (متی باب 5) میں اس کا ذکر کیوں نہیں کیا؟

76- بائبل کی کتابیں خصوصاً نیا عہد نامہ ترتیب تصنیف کے مطابق کیوں نہیں ہے؟ پال کے خطوط انجیل سے بہت پہلے لکھے گئے مگر آخر میں لگائے گئے۔ کیوں؟

77- پرانے اور نئے عہد نامہ میں جہنم کا ذکر ملتا ہے، جس میں مادی سزاؤں کا ذکر ہے۔ مثلاً آگ۔

ملاحظہ ہو۔ (متی 22:5) 5:29-30، ایوب 6:26، زبور 11:88، امثال 11:15۔

جنت اور جہنم دونوں اعمال کا نتیجہ ہیں۔ اگر جہنم میں سزا مادی ہے، یعنی آگ تو جنت میں مادی نعمتیں کیوں نہ ملیں گی؟ جب روح اور جسم دونوں اعمال میں شریک ہیں تو جزا و سزا میں شریک کیوں نہ ہوں گے؟

78- پال نے تورات کے قانون جنگ اور پہلے انبیاء کی جنگوں کا ذکر بڑے فخر سے کیا اور ان کی تعریف کی ہے۔ (عبرانیوں 11:32 تا 34) جب یسوع علیہ السلام دوبارہ تشریف لائیں گے تو قوی فرشتوں اور بھڑکتی ہوئی آگ کے ساتھ آئیں گے۔ (2- تھسلنیکیوں 1:7-8) اور دجال کو ہلاک کریں گے۔ (ایضاً 2:8)

یہ یاد رہے کہ تورات کے قانون جنگ میں تمام مرد و عورت، بچے، بوڑھے، مویشی حتیٰ کہ ہر سانس لینے والی چیز قتل کرنے اور عبادت گاہیں مسمار کرنے کا حکم ہے۔ ان سب کے پیش نظر آپ کو اسلامی جہاد پر کیوں اعتراض ہے؟

79- خنزیر کا گوشت کھانے والوں کو پلید قوم کہا گیا ہے۔ (یسعیاہ 65:4 تا 6)

ایسے کام کرنے والوں سے بدلہ لیا جائے گا۔ اب عیسائی یہ کام کیوں کرتے ہیں؟

80- یسوع علیہ السلام نے کہا یوحنا علیہ السلام ہی ایلیاء ہیں۔ (متی 11:14)

مگر یوحنا نے اپنے ایلیاء ہونے سے انکار کیا۔ (یوحنا 1:21)

دونوں میں سے کسی کا بیان سچ مانا جائے گا۔

پوپ صاحب لاجواب ہو گئے

مندرجہ ذیل تین سوال لارنس کلیمین نامی ایک عیسائی نے پوپ جان پال دوم سے 1995ء میں

پوچھے۔ پوپ صاحب کے دفتر سے بذریعہ خط مورخہ 1995-12-19 رسید بھیجی گئی، مگر پوپ صاحب نے سوالوں کا جواب نہ دیا۔

81- دوبارہ زندہ ہو کر یسوع علیہ السلام اپنے شاگردوں کو پہلی مرتبہ کہاں نظر آئے، گلیلی میں۔

(متی 28:10، 16۔ مرقس 16:7۔ یوحنا 21:1 تا 2)

یا یروشلم میں۔ (لوقا 24:13 تا 16۔ 36 تا 43۔ یوحنا 20:19، 20)

82- یسوع علیہ السلام کے نسب ناموں میں فرق الجھا دیتا ہے۔ متی کے مطابق یسوع کے دادا کا نام یعقوب تھا۔ (متی 1:16)

جبکہ لوقا کے مطابق اس کا نام عیلی تھا۔ متی کے مطابق یسوع اور داؤد بادشاہ کے درمیان 28 پشتیں گزریں جبکہ لوقا کے مطابق 42 پشتیں گزریں۔ (لوقا 3:23 تا 31)

83- داؤد علیہ السلام سے یسوع علیہ السلام کا رشتہ یوسف کے ذریعہ قائم ہوتا ہے۔ اگر یسوع علیہ السلام کنواری کے بیٹے تھے تو آپ داؤد علیہ السلام کی نسل سے کیسے ہوئے؟ آپ کس طرح داؤد علیہ السلام کی اولاد ہیں؟

84- یسعیاہ 53:10 اگر یسوع علیہ السلام کے بارے میں پیش گوئی ہے تو اس میں لکھا ہے کہ وہ اپنی نسل کو دیکھے گا اور اس کی عمر دراز ہوگی۔ جبکہ یسوع علیہ السلام کی نہ شادی ہوئی نہ عمر دراز ہوئی، بلکہ بقول آپ کے 33 سال کی عمر میں دنیا سے چلے گئے۔ اس کا کیا جواب ہے؟ خدا کی عمر دراز ہونا کیا معنی رکھتا ہے؟ ازلی، ابدی ہونے کا کیا معنیٰ ہے؟

85- جب ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کی قربانی سے بڑا درجہ پایا اور زکریا نے راست باز کا لقب پایا۔ (لوقا 1:6) تو پھر کفارہ کی کیا ضرورت ہے؟

86- یوحنا سے بپتسمہ لیتے وقت تین الگ الگ وجود ثابت ہوتے ہیں۔ 1-یسوع بپتسمہ لینے والے۔ 2-روح القدس جو آسمان سے نازل ہوا۔ 3-خدا جو آسمان پر سے آواز دے رہا تھا۔ (متی 3:16) اور روح القدس کبوتر کی شکل میں نازل ہوئی یعنی الگ جسم کی صورت میں۔ (لوقا 3:22) تو یہ تین ایک کیسے ہو گئے؟

87- یسوع علیہ السلام اور روح القدس دونوں جسم کثیف کی شکل میں نظر آئے۔ دو کثافتیں ایک جگہ جمع ہو کر ایک نہیں ہو سکتیں۔ کثرت حقیقی اور وحدت حقیقی ناممکن ہے تو تین ایک کیسے ہو سکتے ہیں؟

88- تمام مسلمان آپ کے بزرگوں مثلاً سیدہ مریم علیہا السلام اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا بطور عقیدہ ادب واحترام

کرتے ہیں۔ آپ لوگ ہمارے رسول ﷺ اور ہمارے بزرگوں کا ادب کیوں نہیں کرتے؟

-89 اس دنیا میں پیدا ہونے سے پہلے یسوع کی کیا کیفیت تھی۔ کیا وہ اس وقت بھی خدا تھے، خدا کا بیٹا تھے، خدا میں شامل تھے؟ جو بھی جواب ہو اس کا ثبوت درکار ہے۔

-90 شریعت صیون سے اور خداوند کا کلام یروشلیم سے صادر ہوگا۔ (میکاہ 2:4، یسعیاہ 2:3۔4) اگر یسوع کلمہ ہیں تو بتایئے صیون سے کونسی شریعت صادر ہوئی؟

-91 پہلی شریعت تب منسوخ ہوتی ہے جب نئی شریعت آ جائے، نئی شریعت لائے بغیر پال نے پرانی شریعت کیسے منسوخ کر دی؟

-92 بائبل کی پیش گوئی کے صور ویران ہوگا، آج تک پوری نہیں ہوئی۔ (حزقیل، باب 26۔29) یہ آج تک آباد ہے (حزقیل 17:29) نبوکدنضر اسے فتح نہ کر سکا پھر مصر دینے کی پیش گوئی کی وہ بھی پوری نہ ہوئی۔ (حزقیل 19:29)

-93 مسیح واپس نہیں آئے۔ (متی 23:10)

-94 یسوح نے جب بپتسمہ لیا تو آواز آئی یہ میرا پیارا بیٹا ہے۔ (متی 17:3) اس سے پہلے یہ آواز نہیں آئی، یوحنا توبہ کی منادی کرتے تھے۔ (متی 2:3) اس کا مطلب یہ ہوا کہ یسوع بپتسمہ لینے سے پہلے پاک نہیں تھے، بعد میں پاک ہوئے ورنہ یہ بتایا جائے کہ یسوع نے بپتسمہ کیوں لیا تھا۔

❀❀❀

پولوس یا پولس یا پال

تیرے سلیقہ ترتیب نو کا کیا کہنا!

مروجہ عیسائیت میں سب سے اہم شخصیت پال کی ہے۔موجودہ مذہب اسی کا ڈیزائن کیا ہوا ہے۔اس مذہب کو جناب یسوع سے سوائے نام کے اور کوئی تعلق نہیں ۔ پال کون تھا، کیا تھا، یسوع کی تحریک پر اس نے کیسے اپنا قبضہ جمایا، یہ بڑی دلچسپ داستان ہے۔اس نے ایک کشف کا بہانہ بنا کر جناب یسوع کی ساری محنت کو تہہ وبالا کر دیا۔اس نے اناجیل سے پہلے اپنے خطوط لکھے اور اناجیل اس کے خطوط کے زیر اثر لکھی گئیں۔(ہائم مکابی، افسانہ ساز پال، ص:205)

سب سے پہلے پال کا ذاتی تعارف پیش خدمت ہے۔

لفظ پولس (پال) کا معنی ہے چھوٹا۔ پولس کا عبرانی نام ساؤل تھا۔عبرانی میں شاؤل کا معنی ہے خدا سے مانگا ہوا۔پولس اس کا رومی نام تھا اور وہ دونوں نام استعمال کرتا تھا۔وہ پیدائشی رومی شہری تھا۔اس کی شخصیت میں یونانی ثقافت، رومی شہریت اور یہودی مذہب شامل تھے جو کہ اس دور کے تین اہم ترین عناصر تھے۔ پولس پہلیصدی عیسوی کے آغاز میں ترسس کے معروف تجارتی شہر میں پیدا ہوا۔رومی اور یونانی تہذیب وتمدن آپس میں ملتے تھے۔یہ شہر بحیرہ روم کے شمال مشرقی کونے میں جنوبی ایشائے کوچک کے کلکیہ کے علاقے میں واقع تھا۔یہ بکری کی اون سے کپڑا بنانے کے لیے مشہور تھا۔یہ کپڑا خیموں میں استعمال ہوتا تھا۔اس لیے وہاں خیمہ دوزی کا کام بھی عام ہوتا تھا جسے پولس نے بھی سیکھا۔(اعمال 18:3)

وہ خالص یہودی نسل کا تھا۔(فلپیوں 5:3) اس نے فریسی کی اولاد ہونے کے باعث کٹر یہودی تعلیم و تربیت پائی تھی۔(اعمال 6:23) وہ گملی ایل مشہور زمانہ یہودی عالم کا شاگرد بیان کیا جاتا ہے۔(اعمال 3:22، 5-4:26) وہ حضرت یسوع علیہ السلام کا سخت مخالف اور عیسائیوں کا سخت دشمن تھا۔وہ ان کو ایذا رسانی کرتا تھا۔(اعمال 11-10:26، اعمال 2:9، اعمال 4:22) اس کے خیال میں عیسائی بدعتی اور کافر تھے جن کو نیست ونابود کیا جانا ضروری تھا۔(اعمال 9:26) اس نے ایک کشف کا ذکر کیا ہے کہ دمشق کی راہ میں اس پر یسوع علیہ السلام

ظاہر ہوئے اور فرمایا کہ میں یسوع ہوں جسے تو ستاتا ہے۔(اعمال 5:9)

تو میرا اچنا ہوا وسیلہ ہے جس سے یسوع کا نام غیر قوموں میں ظاہر ہو۔(اعمال 15:9) لیکن اس کے دعوی کو تسلیم کرنے میں متامل رہے اور ڈرتے تھے۔(اعمال 26:9) وہ کہتا ہے میں نے رسولوں (مسیح کے شاگردوں) سے تعلیم نہیں پائی۔(گلتیوں 1:17) بلکہ ساری تعلیم مسیح سے بذریعہ کشف پائی۔(گلتیوں 12:1) اس نے خلاف شریعت تعلیم دی جس پر احتجاج ہوا۔(اعمال 21:21۔28)

وہ کہتا ہے کہ میں اس کشف کے بعد تین دن تک نابینا رہا اور میں توبہ کر کے عیسائی ہو گیا، کشف کا پورا واقعہ اعمال 1:9 تا 19 میں مذکور ہے۔اس کے علاوہ باب 6:22 تا 13 اور باب 13:26 تا 16 میں بھی مذکور اور بیان میں ہر جگہ فرق ہے۔(قاموس الکتاب ص 199 تا 201)

اس واقعہ کے کچھ دن بعد وہ عرب چلا گیا۔وہ وہاں لمبا عرصہ رہا اور واپس دمشق آ گیا۔

(گلتیوں 17:1)

تین سال کے بعد یروشلم آ گیا۔قاموس الکتاب کے مصنف لکھتے ہیں "یہ تبلیغی دورہ نہیں تھا۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ساؤل تخلیہ میں جا کر اس نئے مکاشفہ کی روشنی میں اپنے عقیدہ پر دوبارہ غور و خوض کرنا ضروری سمجھتا تھا۔یہ وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کتنے عرصے کے بعد عرب سے واپس آیا۔لیکن یہ بات عیاں ہے کہ اس کے عقیدے کے اہم مسائل صاف ہو کر حل ہو گئے۔(ص:201)

وہیں اس نے اپنا پورا منصوبہ بنایا کہ اب لوگوں کو کن عقائد کی دعوت دینی ہے۔اس نے تین تبلیغی سفر کیے۔عیسائی روایت کے مطابق 66 عیسوی کے آخر یا 67 عیسوی کے شروع میں اس کا سر قلم کر دیا گیا۔(قاموس الکتاب، ص:208)

پولس کا حلیہ

اسے آشوب چشم، مرگی یا ملیریا کا عارضہ تھا اور اس کی شکل بگڑ گئی تھی۔نظر بہت کمزور تھی۔

(قاموس الکتاب، ص:293)

دوسری صدی کی ایک غیر مستند کتاب پولس کی تصویر اس طرح کھینچتی ہے "چھوٹے قد، گنجے سر اور ٹیڑھی ٹانگوں والا اور ایک صحت مند شخص، جس کی بھنویں آپس میں ملتی ہیں۔ناک عقاب کی چونچ تھا۔"

(قاموس الکتاب، ص:203)

پولس خط دوسروں سے لکھواتا تھا لیکن دستخط اپنے ہاتھ سے کرتا تھا۔

(قاموس،ص:293بحوالہ 2۔ تھسلنیکیوں:17:3اور1۔کرنتھیوں:21:16)

وہ رسول ہونے کی شراط پر پورا نہیں اترتا تھا۔(قاموس،ص:436۔بحوالہ اعمال:21:1تا25)

اس پر حواری شک کرتے تھے۔(قاموس،ص:436)

پیشے کے لحاظ سے درزی تھا۔(قاموس،ص:73-205-219)

وہ دو دنیاؤں کا باشندہ تھا۔(قاموس،ص:737)

اگرچہ مشہور یہی ہے کہ وہ گملی ایل یہودی عالم کا شاگرد تھا(اعمال:3:22)

مگر یہودی تاریخ دان اس بات کا انکار کرتے ہیں۔ملاحظہ ہو ہائم مکابی کی کتاب دی میتھ میکرص:7-9 اس کے مطابق گملی ایل اعلیٰ تعلیم دیتا تھا وہ بچوں کا استاد نہیں تھا۔پال کبھی بھی گملی ایل کا شاگرد نہیں رہا۔(ایضاًص:9)

پال کا مبینہ مکاشفہ

پال کا مکاشفہ یوں بیان کیا جاتا ہے۔"اور ساؤل جو ابھی تک خداوند کے شاگردوں کے دھمکانے اور قتل کرنے کی دھن میں تھا سردار کاہن کے پاس گیا۔اور اس سے دمشق کے عبادت خانوں کے لیے اس مضمون کے خط مانگے کہ جن کو وہ اس طریق پر پائے خواہ مرد خواہ عورت ان کو باندھ کر یروشلم میں لائے۔ جب وہ سفر کرتے کرتے دمشق کے نزدیک پہنچا تو ایسا ہوا کہ یکا یک آسمان سے ایک نور اس کے گرد چمکا اور وہ زمین پر گر پڑا اور یہ آواز سنی کہ اے ساؤل!اے ساؤل تو مجھے کیوں ستاتا ہے؟اس نے پوچھا اے خداوند تو کون ہے؟اس نے کہا میں یسوع ہوں جسے تو ستاتا ہے۔مگر اٹھ شہر میں جا اور جو تجھے کرنا چاہیے وہ تجھے کہا جائے گا۔جو آدمی اس کے ہم راہ تھے وہ خاموش کھڑے رہ گئے اور ساؤل زمین پر سے اٹھا لیکن جب آنکھیں کھولیں تو اس کو کچھ دکھائی نہ دیا۔اور لوگ اس کا ہاتھ پکڑ کر دمشق لے گئے۔اور وہ تین دن تک نہ دیکھ سکا اور نہ اس نے کھایا پیا۔(اعمال1:9تا9)

یوں وہ عیسائیت میں ایک ایسے کشف کے سہارے داخل ہوا جسکی مثال نہ پہلے ملتی ہے نہ بعد میں۔ کشف کی حقیقت جانچنے کے لیے کوئی خارجی شہادت دستیاب نہیں۔اس ایک کشف نے پوری امت گمراہ کردی۔حالانکہ خود پال ہی لکھتا ہے"شیطان بھی اپنے کو نورانی فرشتہ کا ہم شکل بنالیتا ہے۔

(2۔کرنتھیوں14:11)

بدی ہمیشہ صریحاً بدی کی شکل میں سامنے نہیں آتی بلکہ نیکی کا جامہ اوڑھ کر بھی آجاتی ہے۔

(قاموس الکتاب، ص:585)

شیطان مسیح کے شاگردوں کے ذریعہ بھی اپنا شر انگیز کام کرتا رہا۔ (قاموس الکتاب، ص:585)

لہٰذا کسی کشف یا مکاشفہ کے ذریعہ سامنے آنے والی بات کو جانچنا پڑے گا اگر اس میں نیکی کی تعلیم ہے تو وہ خدا کی طرف سے ہوگا اور اگر اس میں شرک کی تعلیم ہے تو وہ مکاشفہ ہرگز خدا کی طرف سے نہیں ہوسکتا۔ چونکہ اس مکاشفہ کے بعد پال نے یسوع کے خدا ہونے کی تعلیم کا پرچار شروع کیا لہٰذا یہ مکاشفہ ہرگز خدا کی طرف سے نہیں ہوسکتا بلکہ پولوس شیطان کے جال میں پھنس گیا اور اس نے یسوع علیہ السلام کی خدا پرستی کی تعلیم کے قطعاً خلاف ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈال دی جس کو مشرک قوموں نے قبول کرلیا جبکہ مسیح کے اصل شاگرد احتجاج کرتے ہی رہ گئے۔

پال اور یسوع علیہ السلام کے اصل شاگردوں کے کشیدہ تعلقات

پال اپنے مبینہ مکاشفہ کے تین سال بعد عرب میں غوروفکر کرکے یروشلم پہنچا۔ اس نے یروشلم میں پہنچ کر شاگردوں میں مل جانے کی کوشش کی اور سب اس سے ڈرتے تھے کیونکہ ان کو یقین نہ آتا تھا کہ یہ شاگرد ہے۔'' (اعمال:26:9)

مگر برنباس کی سفارش سے اسے انہوں نے پال کو اپنے ساتھ شامل کرلیا۔ (اعمال:9:27-28)

برنباس کو بعد میں اس کا خمیازہ بھی بھگتنا پڑا۔ اس حوالہ سے یہ معلوم ہوا کہ شاگردوں کے ساتھ روح القدس نہ تھا۔ اگر ہوتا تو انہیں روح القدس بتادیتا کہ پال سچا ہے یا جھوٹا۔ دوسرے ساتھی کی گواہی کی ضرورت نہ پڑتی تھی۔ حضرت یسوع علیہ السلام کے شاگردوں میں سے پطرس سب سے اہم شاگرد تھا۔ اس کو یسوع علیہ السلام نے کہا تھا کہ ''تو پطرس ہے اور میں اس پتھر پر اپنی کلیسا بناؤں گا اور عالم ارواح کے دروازے اس پر غالب نہ آئیں گے۔ میں آسمان کی کنجیاں تجھے دوں گا اور جو کچھ تو زمین پر باندھے گا وہ آسمان پر بندھے گا اور جو کچھ تو زمین پر کھولے گا وہ آسمان پر کھلے گا۔ (متی:16:18-19)

اسی پطرس (کیفا) کے ساتھ پال نے بدتمیزی کی اور لکھا ''جب کیفا انطاکیہ میں آیا تو میں نے روبرو ہوکر اس کی مخالفت کی کیونکہ وہ ملامت کے لائق تھا...... یہاں تک کہ برنباس بھی ان کے ساتھ ریاکاری میں پڑ گیا۔ (گلتیوں 2:11 تا 14)

بعد میں پال نے برنباس سے بھی جھگڑا کیا اور اس سے علیحدگی اختیار کرلی۔ لکھا ہے ''پس ان میں

ایسی سخت تکرار ہوئی کہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔(اعمال:39:15)

پال رسولوں میں شامل ہونے کا اہل نہیں:

پطرس نے رسولوں میں شامل ہونے کا جو معیار بتایا اور جن کی بنیاد پر قرعہ اندازی کے بعد متیاہ کو یہوداا سکر یوتی کی جگہ چنا گیا وہ مندرجہ ذیل ہے۔یوحنا کے بپتسمہ سے لے کر خداوند کے ہمارے پاس سے اٹھائے جانے تک جو برابر ہمارے ساتھ رہے۔

(اعمال21:1)

پال مارکیٹنگ (سودا بیچنے) کا ماہر تھا۔جب کہ یسوع علیہ السلام کے اصل شاگرد سادہ لوح تھے۔وہ پال کی باتوں میں آ گئے اور پال نے ان کی تصدیق کا بہانہ بنا کر اتنا اثر رسوخ حاصل کر لیا کہ اصل شاگرد منہ دیکھتے رہ گئے اور پال نے میلہ لوٹ لیا۔اس نے ایسی تعلیمات کی بنا پر ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالی جو یسوع علیہ السلام کے خواب وخیال میں نہ گزریں تھیں۔اس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

مروجہ مسیحیت کا بانی پال ہے

اس بارے میں مسیحی الٰہیات کا ماہر ایک مسیحی پروفیسر آرنلڈ میئر لکھتا ہے "اگر ہم مسیحیت کا مطلب صحیح طور (اس طرح کا) ایمان سمجھتے ہیں کہ وہ خدا کا آسمانی بیٹا ہے جو زمینی انسانوں میں سے نہیں تھا بلکہ خدا کی صورت اور شان رکھتا تھا۔وہ آسمان سے زمین پر اتر آیا اور انسانی شکل اختیار کی تاکہ وہ صلیب پر اپنے خون کے وسیلے سے لوگوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کرے۔جو موت سے جگا کر اوپر اٹھایا گیا اور مومنین کے خداوند کے طور پر خدا کے دائیں ہاتھ بٹھایا گیا۔جو اب خود پر ایمان رکھنے والوں کی شفاعت کرتا ہے،ان کی دعائیں سنتا ہے،ان کی حفاظت اور رہنمائی کرتا ہے،خود پر ایمان رکھنے والوں میں سے ہر ایک کے اندر ذاتی طور پر رہتا اور کام کرتا ہے۔جو دنیا کا انصاف کرنے کے لیے آسمان کے بادلوں کے ساتھ دوبارہ آئے گا اور خدا کے سب دشمنوں کو ہلاک کرے گا مگر اپنے لوگوں کو اپنے ہمراہ نور والے گھر لے جائے گا تاکہ وہ اس کے معظم بدن کی مانند ہو جائیں۔اگر یہ مسیحیت ہے تو اس کی بنیاد مقدس پولوس نے رکھی تھی نہ کہ ہمارے خداوند نے۔" (Jesus or Paul, Dr. Arnold Meyer, P-122, Harper a Borthers London and N. York 1909

اس اقتباس سے یہ معلوم ہوا کہ مندرجہ ذیل 8 عقائد جن پر مروجہ مسیحیت کی بنیاد ہے،وہ یسوع علیہ السلام کے عطا کردہ نہیں بلکہ پال کے وضع کردہ ہیں۔

1۔ یسوع خدا کے بیٹے ہیں۔

2۔ خدا بشری لباس میں زمین پر آیا۔

3۔ انسانی گناہ کے کفارے کے لیے صلیب پر چڑھا۔

4۔ صلیب کے بعد مسیح کا مردوں میں سے جی اٹھنا۔

5۔ یسوع کا آسمان پر جا کر خدا کے دائیں ہاتھ بیٹھ جانا۔

6۔ لوگوں کی دعائیں سننا اور ان کی شفاعت کرنا۔

7۔ یسوع کا دوبارہ زمین پر آنا۔

8۔ خدا کے سب دشمنوں سے دوبارہ آ کر جنگ کرنا۔

پادری جیمس سٹاکر نے لکھا ''پولوس مسیحی دین کو ایک بڑا سوچنے والا ملا۔ اس وقت اس کی بڑی ضرورت تھی۔ مسیح اس جہان سے رخصت ہو گیا تھا اور جن کو اپنے پیچھے قائم مقام ہونے کے لیے چھوڑ گیا تھا وہ ناخواندہ مچھیرے تھے اور عموماً سب صاحب عقل نہ تھے۔ (حیات پولوس، ص:6)

یعنی دین مسیح کی ضرورت پولوس کی شمولیت سے پوری ہوئی۔ اور پال کا یہ دعویٰ بھی سامنے لایا گیا کہ ''میں زندہ ہوں تو بھی میں نہیں بلکہ مسیح مجھ میں زندہ ہے۔ (ایضاً ص:4)

شاید کسی کو گمان ہو کہ پال نے یسوع کے شاگردوں سے تعلیم پائی ہو کیونکہ اس کی اپنی ملاقات تو حضرت یسوع سے نہ ہوئی تھی مگر یہ ثابت ہے کہ پال نے شاگردوں سے کوئی تعلیم حاصل نہیں کی جیسا کہ اس نے خود لکھا۔ وہ اصلی شاگردان مسیح کے بارے میں لکھتا ہے ''اور جو صاحب اعتبار سمجھے جاتے تھے (وہ پہلے کیا تھے مجھے اس سے کچھ واسطہ نہیں۔ خدا آدمی کا ظاہر حال نہیں دیکھتا) جو صاحب اعتبار سمجھے جاتے تھے انہوں نے مجھے کچھ اور نہ بتایا۔'' (گلتیوں 6:2 کیتھولک ترجمہ)

اس کے برعکس اس کا دعویٰ ہے کہ میں نے براہ راست مسیح سے تعلیم پائی۔ (گلتیوں 11:1)

اس دعویٰ کا کوئی خارجی ثبوت دستیاب نہیں سوائے پال کے مبینہ مکاشفہ کے جس کا گواہ اور راوی وہ خود ہی ہے۔ یہ یاد رہے کہ جھوٹ پال کے نزدیک اصول مذہب ہے۔ اس نے لکھا ''اگر میرے جھوٹ کے سبب سے خدا کی سچائی اس کے جلال کے واسطے زیادہ ظاہر ہوئی تو پھر کیوں گناہ گار کی طرح مجھ پر حکم دیا جاتا ہے؟ (رومیوں 7:3)

لہٰذا ایسے شخص کا مکاشفہ قطعاً قابل اعتبار نہیں۔ اس نے مسیح کا پیغام (تعلیم) نہیں سنایا بلکہ مسیح کے

بارے میں پیغام سنایا۔ مروجہ مسیحیت میں جس قدر بھی عقائد ہیں ان کا انحصار یسوع علیہ السلام کی صلیبی موت پر ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ تعلیم یسوع علیہ السلام کی نہیں بلکہ ان کے نام پر دی ہوئی تعلیم ہے۔ پال نے مسیحی عقائد کی جو عمارت تعمیر کی ہے اس کی بابت وہ خود لکھتا ہے۔ ''میں نے اس توفیق کے موافق جو خدا نے مجھے بخشی دانا معمار کی طرح نیو رکھی اور دوسرا اس پر عمارت اٹھاتا ہے۔'' (1۔کرنتھیوں 10:3)

اس نے یہ بھی لکھا کہ ''میں نے یہی حوصلہ رکھا کہ جہاں مسیح کا نام نہیں لیا گیا وہاں خوشخبری سناؤں تا کہ دوسرے کی بنیاد پر عمارت نہ اٹھاؤں۔ (رومیوں 20:15)

وہ اپنی تبلیغ کو بڑی بے تکلفی سے میری انجیل لکھتا ہے۔ (رومیوں 25:16 اور 2۔تیمتھس 8:2)

اس نے مسیح کا نہیں بلکہ مسیح کی بابت نیا پیغام دیا۔ (رومیوں 8:5، 6:6، گلتیوں 1:5، افسیوں 8:3، کلسیوں 26:1، 9:2، 3:4۔4)

اس نے مصلوبیت مسیح، شریعت کی منسوخی اور کفارہ کا عقیدہ دیا۔ (ا۔کرنتھیوں 12:19، عبرانیوں 7:8، گلتیوں، باب 3)

اس نے باقی اناجیل کی مخالفت کا کہا۔ (2۔تیموتاؤس 8:2، گلتیوں 6:1۔8)

اس نے یسوع کی تعلیم کی مخالفت کی: مسیح نے برے کام کرنے والے کو دوزخ کی وعید سنائی مگر پال نے صلیبی موت سے بخشش کی امید دلائی۔ (رومیوں 1:8۔4)

اس نے ان لوگوں میں اپنے خیالات کا پرچار کیا جو اصل مسیحی تعلیمات سے ناواقف تھے اور ان کو جو چاہا سنا دیا، یہ بھی ذہن میں رہے کہ پال کے خطوط اناجیل سے پہلے لکھے گئے اور اناجیل ان خطوط کے زیر اثر لکھی گئیں مگر چالاکی یہ کی گئی کہ موجودہ ترتیب میں اناجیل کو پہلے لگا دیا گیا ہے تا کہ یہ معلوم نہ ہو سکے کہ وہ پال کے خیالات کے زیر اثر لکھی گئی ہیں۔ لہٰذا کلیسیا عہد جدید کی پیداوار نہیں بلکہ عہد جدید کلیسیا کی پیداوار ہے۔

ایک سوال:

کیا آمد ثانی کے وقت یسوع اپنی تعلیم دیں گے یا پال کی موجودہ تعلیم کے پابند ہوں گے؟

حضرت یسوع علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تک زمین آسمان نہ ٹل جائیں۔ شریعت کا ایک نقطہ یا شوشا ہرگز نہ ٹلے گا۔ (متی 17:5 تا 19)

مگر پال نے شریعت کو لعنت قرار دیا۔ (گلتیوں: 13:3)

اور شریعت پر عمل کرنے والوں کو لعنتی قرار دیا۔ (گلتیوں: 10:3)

دوسری جگہ شریعت پر عمل کی دعوت دینے والوں اور عمل کرنے والوں کو کتے قرار دیا اور ان سے خبردار رہنے کی تاکید کی۔ (فلپیوں 2:3)

یہودیوں نے پال کے خیالات کی سخت مخالفت کی جس کو کفر بکنا لکھا ہے، تو پال ان سے مایوس ہو کر غیر اقوام کی طرف چلا گیا۔ (اعمال 6:18)

یعنی جب وہاں اپنی دال گلتی نہ دیکھی تو ان لوگوں کو بے وقوف بنانے چلا گیا جو مسیح علیہ السلام اور ان کی تعلیمات سے ناواقف تھے۔ پال کی خوبی یہ تھی کہ جان بچانے کے لیے وہ خود توریت اور نبیوں کے صحیفوں پر ایمان رکھنے والا بتاتا تھا۔ جیسے اس نے حاکم فیلکس کی عدالت میں بیان دیتے ہوئے کہا۔ (اعمال 14:24)

پال لکھتا ہے کہ میں خدا کے کلام یعنی اس بھید کی منادی کرتا ہوں جو تمام زمانوں اور پشتوں سے پوشیدہ رہا۔ (کلیسوں 1:25-26)

یہ بھید بنی آدم کو اس طرح معلوم نہ ہوا بلکہ صرف مجھی پر ظاہر ہوا ہے۔ (افسیوں 4:3 تا 10)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو بات خود یسوع علیہ السلام کو بھی معلوم نہ تھی کہ وہ پال کو معلوم ہوگئی۔ لہٰذا پال یسوع علیہ السلام کا رسول نہیں بلکہ خود موجدِ مذہب ہے۔

مسیح نے خدا ہونے کا دعویٰ نہیں کیا مگر پال نے ان کو خدا بنایا۔ (فلپیوں 2:10، کلسیوں 2:9)

مسیح نے شریعت پر عمل کا حکم دیا مگر پال نے اس کو فضل سے محروم ہونے کا سبب بتایا۔ (گلتیوں 4:5)

پال کے بارے میں عیسائی علماء کی رائے یہ ہے کہ

(i) اس نے عقائد میں ایک نئی طرح ڈالی جس نے عیسائیت کے مستقبل کی راہیں متعین کیں۔

(F.H. Ross and T. Hills, Grrat Religions By Which Men Live P-137)

(ii) پال کے خطوط میں یونانی فلسفہ اور افلاطونیت کے واضح اثرات ہیں۔

(Hammerton: Universal History of The World, vol-4, -2330)

(iii) خود یسوع علیہ السلام نے کسی نئے مذہب کی بنیاد نہیں رکھی۔

(Adolf Deisman: Paul A Study in Social and Religious History, English Translation By W.E. Wilson) London, 1926, P-123)

(iv) پال کی رسالت کا لوگوں نے انکار کیا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اس کی رسالت دستور کے مطابق باقی رسولوں کی طرف سے نامزدگی پر مبنی نہیں تھی۔

(Enyclopedia of Religion and Ethics, Edinburgh, 1917, vol-9 P-690)

(v) (مکاشفہ کے ذریعہ) جو چیز بظاہر اچانک تبدیلی عقائد معلوم ہوتی ہے، وہ بلا شبہ ایک تمہیدی عمل کا آخری مرحلہ تھی (Encylopedia Britanica (1973) vol-17,P-470)

(vi) اس کے ہاتھوں عیسائیت ایک نیا مذہب بن گئی۔

(Encyclopedia britanica(1962) vol-5, P-676)

(vii) پال یسوع علیہ السلام کے بارے میں روایات سے متعلق عدم علم بلکہ عدم دلچسپی کا حیران کن حد تک مظاہرہ کرتا ہے۔(Jhon Ziesler: Pauline Christianity, P-19)

(viii) خواہ جان بوجھ کر یا اتفاقاً یسوع ناصری کی تعلیم اور افعال کو عملاً نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

(ایضاً ص:22)

(ix) پال نے کبھی آقا (یسوع علیہ السلام) کے اقوال واحکام کا حوالہ نہیں دیا۔

(Albert Sehweitzer: Paul and His Interpreters London, P-198)

(x) پال نے ہر چیز اپنے خداوند پر قربان کر دی اور سب سے پہلے اس نے خود مسیح کی قربانی دی...... مسیح علیہ السلام نے خدا کی ایسی بادشاہی کا اعلان کیا تھا جسے لوگ محض توبہ اور راست بازی سے حاصل کر سکتے تھے مگر پال نے سکھایا کہ نجات صرف مسیح کے ذریعہ مل سکتی ہے۔

(Herbert Muller: Uses of The Past New York, 1959,PP, 156-152

(xi) نطشے نے پال کو موجد عیسائیت کا لقب دیا۔

(A.S. Peak and R.G. Parson (Editors): Outline of Christianity vol-1, P-258)

(xii) جرمن مصنف ہینز زہرنٹ نے پال کو محرفِ انجیلِ یسوع قرار دیا۔

(J. Lehman: The Jesus Report, London, 1972, P-126)

(xiii) بہت سے مفکرین و مصنفین نے اسے کلیسیائی عیسائیت کا بانی قرار دیا جو عیسائیت سے مختلف ہے۔ (Encyclopedia Britanica(1962) vol-17, P-395)

(xiv) پال نے خاص طور پر ازلی گناہ کا نظریہ رائج کیا۔ انبیائے بنی اسرائیل نے کتاب پیدائش میں مذکور باغ عدن کے واقعہ سے کوئی خاص نتائج اخذ نہیں کئے تھے اور یسوع نے تو اس پر توجہ نہیں دی تھی۔ یسوع نے کبھی ہبوط آدم یا ازلی گناہ کی لعنت کا ذکر تک نہیں کیا تھا۔

(Herbert Muller, Uses of The Past, P-160)

پال کی کامیابی کے اسباب

1۔ وہ پڑھا لکھا اور چالاک آدمی تھا جبکہ اس کے مقابل یسوع علیہ السلام کے اصل شاگردان پڑھ اور سادہ لوح تھے۔

2۔ عجوبہ پسند عوام کو مبینہ مکاشفہ سنا کران کی توجہ اپنی طرف مبذول کرالی۔

3۔ اصل شاگرد شریعت پر عمل کی تبلیغ کرتے تھے جبکہ پال نے شریعت کو لعنت قرار دے کر اس کے منسوخ ہونے کا اعلان کیا۔

4۔ اصل شاگرد اعمال سے نجات کی تعلیم دیتے تھے مگر پال نے صرف ایمان کو نجات کا سبب بتایا۔

5۔ اصل شاگرد غیر یہودی قوموں کے عیسائیت قبول کرنے پر انہیں اعمال شریعت کا پابند بناتے تھے مگر پال نے ان سب کو کھلی چھٹی دے دی۔

6۔ اصل شاگردوں کو اب بھی عیسائی علماء کم حیثیت اور کم عقل کہتے ہیں۔

(H.G.Wells: The Outline of History London, 1956, P-536)

مگر پال ان کے مقابلے میں بہت تیز آدمی تھا اور جیسا دیس ویسا بھیس کے مصداق موقع کے مطابق اپنا موقف بدل لیتا تھا مثلاً اعمال 24:14 ۔ اس نے خود کو تورات پر ایمان رکھنے والا بتایا۔ وہ کہتا میں یہودیوں کے لیے یہودی بنا اور بے شرع لوگوں کے لیے بے شرع بنا۔ (1۔کرنتھیوں 9:20 تا 21)

پھر یہ کہہ کر تو اس نے کمال ہی کر دیا کہ میں سب لوگوں کے لیے سب کچھ بنا ہوا ہوں۔ (ایضاً 9:22)

خود حضرت یسوع علیہ السلام شریعت کے پابند رہے اور دوسروں کو بھی شریعت کی تعلیم پر عمل کرنے کا کہا اور اس کے آئین وقوانین کو ماننے کا فرمایا

(جی ٹی مینلی ہماری کتب مقدسہ، ص:20 بحوالہ متی:2:23-3، مرقس:1:44، لوقا:10:26)

پولسی مذہب کے مصادر

پال نے خود اقرار کیا کہ اس کی تعلیم خدا کی طرف سے نہیں بلکہ خود ساختہ ہے۔ اس نے لکھا "باقیوں سے میں کہتا ہوں۔ نہ خداوند۔" (1۔کرنتھیوں 7:12)

جو کچھ میں کہتا ہوں وہ خداوند کے طور پر نہیں بلکہ گویا بے وقوفی سے۔ (2۔کرنتھیوں 11:17)

عیسائی شریعت کے نامکمل ہونے کا اعتراف وہ یہ کہہ کر کرتا ہے کہ کنواریوں کے حق میں میرے پاس خداوند کا کوئی حکم نہیں۔(1۔کرنتھیوں 25:7)

پال نے یسوع کے بارے میں جو عقائد وضع کیے ان کا منبع ومصدر یونانی فلسفہ کے علاوہ اس زمانہ کے بعض توہم پرست مشرکانہ مذاہب بھی تھے۔عیسائی عالم لکھتے ہیں "پال کا نیا نظریہ ان خفیہ مذاہب سے ابھرا جو بحیرہ روم کے خطے میں کثرت سے موجود تھے۔ان مذاہب میں اسرار (بھید) کا اطلاق ایک ایسے دیوتا کے ساتھ صوفیانہ اور علامتی اتحاد پر ہوتا تھا جس نے انسانی شکل میں زندگی گزاردی ہو،مرا،مگر پھر زندہ ہوگیا۔خفیہ مذاہب کئی تھے اور ان کے الگ الگ دیوتا تھے مگر وہ سب مر کر زندہ ہونے والے ایک خداوند سے انتساب کے ذریعہ نجات کے حصول پر زور دیتے تھے۔یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ پال نے یسوع کے لیے خرسس (خداوند) کا جو لفظ استعمال کیا ہے اسے یونانی مرکر جی اٹھنے والے دیوتا کے لیے استعمال کرتے تھے۔(Ross and Hills: Great Religions By which Men Live, P-137)

ان مذاہب میں متھرا ازم کو اہمیت حاصل تھی ۔یہ مذہب ایران میں پیدا ہوا۔اس کے ماننے والے اپنے دیوتا متھر ایا متھر اس کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے تھے "متھر اس ایک نوجوان ہیرو اور دیوتا تھا جو عام لوگوں کی تکالیف میں ان کی مدد کرتا تھا جسے آسمان پر لے جایا گیا،جہاں وہ اپنے پیروکاروں کے مفادات کا خیال رکھتا تھا اور جہاں سے اتر کر اس کی آمد ثانی کی توقع کی جاتی تھی۔

(C.F. Potter: The Faiths Men Live By, Surrery, 1913, P-117)

متھرا بالخصوص قدیم عیسائیت سے کئی طرح مشابہ تھا،اس کے پیروکار خفیہ مجالس اور آپس میں خود کو عیسائیوں کی طرح بھائی کہہ کر پکارتے تھے۔وہ اپنا سبت کا دن اتوار کو مناتے تھے اور سالانہ تہوار 25 دسمبر کو......ان کے خدا متھرا نے ان کے نزدیک قربانی دی تھی جس نے نسل انسانی کو نجات عطا کی۔وہ خدائے اکبر اور انسان کے درمیان شفیع تھا۔

(Hurbert Muller, Uses of The Past, P-156, Footnote)

مسیحی رسم عشائے ربانی جسے رسم شکرانہ اور اتحاد مقدس وغیرہ مختلف نام دیئے گئے ہیں بھی متھرا کے پجاریوں سے ماخوذ ہے۔جو آج کل کے عیسائیوں کی طرح عبادت کے موقع پر روٹی اور پانی کا تبرک استعمال کرتے ہیں۔

(Edward Carpenter: Pagan and Christian Creeds London, PP-65f.)

پال کے افکار کے مصادر کے بارے میں ایچ جی ویلز لکھتا ہے ''وہ سکندریہ میں رائج علم الٰہیات سے خوب واقف تھا......وہ متھرا امت والوں کی طرح عجیب وغریب الفاظ واصلاحات استعمال کرتا ہے۔

(The Outline of History 536-537)

پال کی مخالفت

لوگوں نے اس کی رسالت کا انکار کیا اور یہ حقیقت ہے کہ اس کی رسالت دستور کے مطابق باقی رسولوں کی طرف سے نامزدگی پر مبنی نہیں تھی۔

چونکہ پال کو احساس تھا کہ اس کی نامزدگی مجاز اتھارٹی کی طرف سے نہیں اس لیے وہ خود کو ان اصل شاگردوں سے بھی زیادہ مرتبہ کا بیان کرتا ہے کہ ان کی تصدیق کی ضرورت بھی نہ رہے۔ اس نے لکھا ''میں ان افضل رسولوں سے کسی بات میں کم نہیں۔'' (2۔کرنتھیوں 11:12)

رسولوں کا عہدہ صرف عینی گواہوں تک محدود تھا۔ (قاموس الکتاب، ص:443)

جبکہ پال چشم دید گواہ نہیں تھا۔

(Encyclopedia of Religion and Ethics, vol-9, P-690(Ed1917)

پولسی عیسائیت کی قدیم کلیسا میں مخالفت ہوئی اور اس کے بعد بھی وقتاً فوقتاً اس کی مخالفت جاری رہی۔

(Jhon Zeisler: Paulian Christianity, P-140)

جن کلیساؤں کو اس کے خطوط ملے، ان کے پاس غالباً اس کے علاوہ کوئی اور عیسائی تحریر موجود نہ تھی۔ اور چونکہ یہ کلیسا فلسطین اور یسوع علیہ السلام کے حواریوں سے دور تھے اس لیے انہیں یسوع علیہ السلام کے اقوال وافعال کا کچھ علم نہ تھا۔ (ایضاً ص:2)

لہٰذا لوگوں نے اس کے پیغام کو حقیقی عیسائیت سمجھ کر قبول کر لیا۔

پولسی بدعت اور الحاد مسیحی راسخ العقیدگی کی بنیاد بن گیا اور اصلی کلیسا (مذہب) کو ملحد قرار دے کر اپنانے سے انکار کر دیا گیا۔ (J. Lehman, The Jesus Report, P-128)

ابیونی فرقہ نے پال کے خطوط کو یکسر مسترد کر کے انہیں دین کی بنیاد بنانے سے انکار کر دیا اور پال کی تعلیم برعکس موسوی شریعت کی پابندی پر زور دیا اور یسوع علیہ السلام کو خدا یا اس کا بیٹا کہنے کی بجائے ایک انسان اور عظیم رسول قرار دیا۔

((1) The Oxford Dictionery of the Chirstian Church, London 1950, P-433
(2) Edward Gibbon: Decline and Fall of The Roman Empire V-2, P-338
London 1879)

یسوع علیہ السلام کے فوراً بعد کے دور میں عیسائیوں کو نصرانی یا ناصری کہا جاتا تھا۔(اعمال 5:24)
اور ابیونی نظریات نصرانی نظریات کے مماثل تھے۔

(The Oxford Dictionery of the Church, P-941)

ایک اور فرقہ نے ابتدائی دور میں پولوسیت پر گہری ضرب لگائی۔اسے دوسیتی یا متخیلہ (Docetists) کہا جاتا ہے۔اس کے حامیوں نے من جملہ دیگر نظریات کے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب ہونے کا انکار کیا اور کہا کہ خدا نے معجزانہ طور پر انہیں صلیب سے بچالیا تھا اور ان کی بجائے غدار یہوداہ اسکریوتی یا یسوع علیہ السلام کا صلیب بردار شمعون کرینی مصلوب ہوا۔

(The Oxford Dictionery of the Church, P-409)

ان یہودی عیسائیوں کے لیے جو وفادار یہودی رہے پولس کی حیثیت ایک غدار کی سی تھی۔ان کی تحریروں میں اُس کو دشمن کہا جاتا ہے اور اس کو عیارانہ دوعملی کا الزام دیا جاتا ہے۔

(موریس بوکائیے: بائبل قرآن اور سائنس، ص:72)

عیسائیت میں پال کی شخصیت سب سے متنازعہ ہے۔حضرت مسیح کے خانوادے کے لوگ اور وہ حواری جو جیمس (یعقوب) کے حلقہ میں رہتے ہوئے یروشلم میں مقیم رہے اس کو یسوع مسیح کے خیالات سے غداری کرنے والا قرار دیتے ہیں۔(ایضاً ص:74)

اپیکوری اور ستوئیکی فیلسوف پولس رسول کو بکواسی پکارتے ہیں...... یہ اس نام نہاد عالم کے لیے استعمال ہوتا جو بے ربط معلومات کو اکٹھا کرتا اور انہیں اپنا ظاہر کر کے اوروں کو پیش کرتا...... ان کے نزدیک پولس رسول کا مسیحی فلسفہ حیات بے معنی تھا۔(قاموس الکتاب، ص:153)

پولس رسول ہر کلیسا کو اپنی ضرورت کے مطابق مخاطب کرتا ہے۔(قاموس، ص:760)

پال ہی مخالف مسیح ہے کیونکہ اس نے شریعت منسوخ کر دی جبکہ مسیح نے اپنے حکموں پر عمل کرنے کا حکم دیا تھا جس میں شریعت کی پابندی بھی شامل ہے۔(یوحنا 21:14)

پال کے بارے میں یہودی محقق کی رائے

چونکہ پال خودکو پیدائشی یہودی کہتا تھالہٰذا اس کے بارے میں یہودی علماء کی رائے درج کرنا زیادہ مناسب ہوگا، ہائم مکابی ایک مشہور یہودی محقق تھا۔جس نے عیسائیت کے بارے میں اور یسوع علیہ السلام کے دور کے یروشلم اور فلسطین کے بارے میں بہت سی کتابیں لکھیں۔ان میں سے ایک کتاب خاص طور پر پال کے بارے میں لکھی۔اس کتاب کا نام ہے۔

(The Mythmaker- Paul and Invention of Christianity, London)

اس کا اردو نام یہ ہے۔افسانہ ساز، پال اور ایجادِ مسیحیت، یہ کتاب لندن سے 1986ء میں شائع ہوئی۔اس کے خاص خاص نکات یہ ہیں۔

1۔ پال اور اصل شاگردوں میں اختلاف اس سے زیادہ تھا جتنا کہ اعمال کی کتاب میں بتایا گیا ہے۔ نیا عہدنامہ پال کے زیر اثر لکھا گیا۔اعمال کی کتاب میں پال چھایا ہوا ہے کیونکہ یہ اس کے مداح لوقا نے لکھی۔

اناجیل نویسوں کے سامنے پال کے نظریات تھے جن کے زیر اثر اناجیل لکھی گئیں۔پال کے خطوط 50ء تا 60ء کے دوران لکھے گئے جبکہ اناجیل 70ء تا 110ء لکھی گئیں۔پال کے خطوط نے اناجیل نویسوں کو متاثر کیا۔اس لحاظ سے پال نئے عہدنامہ کے پہلے لفظ سے اس میں شامل ہے۔(ص:4)

یسوع کے اصل شاگردوں کو بے وقوف کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔یسوع کا بھائی یعقوب ان کی زندگی میں ان پر ایمان نہ لایا اور ان کو پاگل سمجھتا تھا۔یہ کیسے ہوگیا کہ جو یسوع کو ان کی زندگی میں پاگل سمجھتا تھا وہ یسوع کے فوراً بعد چرچ کا قابل تعظیم لیڈر بن گیا۔اس کی کوئی وضاحت نہیں ملتی۔اگرچہ چرچ کے رہنماؤں نے کرامات گھڑ کر یعقوب کو ولی کے رتبہ تک پہنچا دیا مگر اس خلا کو پُر کرنے کے لیے اناجیل کی کہانیوں سے یعقوب کا نمایاں کردار ہی ختم کر دیا۔(ص:5)

2۔ پال کبھی بھی گملی ایل کا شاگرد نہیں رہا۔ (ص:9)

اس کے پاس عیسائیوں کو ایذا دینے یا قتل کر دینے کا کوئی اختیار نہیں تھا۔وہ خود کو فریسی لکھتا ہے جبکہ اس وقت سردار کاہن صدوقی تھا جو کہ فریسیوں کے سخت دشمن تھے۔ پال کو کس نے اختیار دیا کہ وہ عیسایئوں کی ایذا رسائی کرے؟ لہٰذا یہ بھی پال کا جھوٹ ہے۔(ص:8-7)

3۔ ابیونیوں کے مطابق پال کے والدین غیر یہود تھے۔ خود پال نے یہودی مذہب قبول کیا تھا۔
(ص:96)

پال پیدائشی رومی شہری نہیں تھا بلکہ اس نے رومی شہریت حاصل کی تھی۔ (ص:97-161)

اسے خود کو نمایاں کرنے کا شوق تھا وہ کبھی بھی فریسی استاد نہیں رہا۔ (ص:98)

وہ انتہائی چالاک آدمی تھا۔ (ص:160)

4۔ پال فریسی نہیں تھا بلکہ اپنی قدر بڑھانے کے لیے خود کو فریسی ظاہر کیا۔ (ص:6-60)

وہ موقع دیکھ کر دھوکہ دیتا تھا۔ (ص:6)

طرطوس میں فریسی نہیں تھے۔ (ص:6)

5۔ ابیونی پال کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ یہودی پادری کی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے یہودی مذہب قبول کیا اور ختنہ کرایا۔ مگر لڑکی سے شادی سے ناکامی پر وہ طیش میں آ گیا اور اس نے ختنہ سبت اور شریعت کے خلاف لکھا۔

(ص182 بحوالہ Epiphanius, Panarion, 30.16.6-9)

6۔ پال کا کردار ویسا نہیں تھا جبکہ عیسائی پاکیزہ صورت میں پیش کرتے ہیں۔ اس کی حقیقی زندگی ایک روایتی ولی کی بجائے ایک بدمعاش آوارہ شخص کی سی تھی۔ (ص:205)

7۔ موجودہ عیسائیت کی بنیاد حقائق پر نہیں بلکہ قصے کہانیوں پر ہے۔ (ص:207)

8۔ عشائے ربانی پال کی ایجاد ہے۔ (ص:113-118)

9۔ یسوع کے اولین پیروکار نصرانی کہلاتے تھے۔ (ص:16-175)

وہ عشائے ربانی کی رسم ادا نہیں کرتے تھے۔ (ص:117-118)

10۔ زبدی کے بیٹے یعقوب کو ہیرودا گرپا بادشاہ کے حکم سے قتل کر دیا گیا اور یسوع کے بھائی یعقوب کو سردار کاہن اینانس کے حکم سے 62ء میں قتل کر دیا گیا۔ جن کا جرم رومی قبضہ کے خلاف اور رومیوں کے پٹھو یہودیوں کے خلاف مزاحمت تھا۔ مگر جس طرح یسوع پر مظالم کو یہودیوں کے کھاتے میں ڈال دیا گیا اسی طرح اولین عیسائیوں یعنی نصرانیوں نے ان مظالم کو رومیوں کے کھاتے سے نکال یہودیوں کے ذمے لگا دیا۔ (ص:138)

یروشلم چرچ یسوع کے بھائی یعقوب کی سرکردگی میں باعمل یہودیوں پر مشتمل تھا جو تورات کے

وفادار تھے۔(172)

70ء میں رومیوں نے یروشلم پر حملہ کر کے یروشلم اور ہیکل کو تباہ کر دیا۔یروشلم میں رہنے والے یہودیوں مسیحیوں نے مزاحمت کی اور شکست کے نتیجہ میں یروشلم چرچ ختم ہوگیا۔اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ پال کی تحریک کامیاب ہوگئی کیونکہ اس کے مخالف یروشلم چرچ ختم ہو چکا تھا۔(ص:174)

یروشلم کے ختم ہونے کے بعد عیسائی تحریک کا کوئی تعلق یروشلم سے باقی نہ رہا اگرچہ دعوی یہی ہے۔ (ص:175)

11۔ یروشلم چرچ سے پال کی جدائی کا اصل سبب شریعت کو معطل کرنا تھا۔

(ص:140-146-147-151تا154-172)

12۔ پال کا روم میں قتل قابل اعتبار کہانی نہیں ہے۔(ص:171)

13۔ ابیونی عیسائی پال کو دشمن اعظم سمجھتے تھے اور اس پر تنقید کرتے تھے۔(ص:180-181)

14۔ پال نے لوگوں کو عیسائی نہیں، بلکہ رومی بنایا۔(ص:181)

15۔ غیر یہودی مصنفین نے پال کے زیر اثر کتابیں لکھیں۔(ص:176)

16۔ عیسائیت پال کی ایجاد ہے۔(ص:183)

17۔ پال دانشور نہیں کہانی ساز تھا۔(ص:184)

18۔ وقت کے ساتھ ساتھ عیسائی فرقہ فرقہ ہو گئے۔(ص:175)

19۔ جولیس ویل ہاسن کہتا ہے کہ یسوع مسیحی نہیں تھے۔(ص:206)

❀❀❀

کفارہ

(سورہ الانعام 6:70)

عیسائی مفکرین کے خیال میں خدا عادل ہے اور بغیر کسی فدیہ یا سزا کے گناہ معاف نہیں کر سکتا کیونکہ یہ اس کے تقدس اور عدل کے تقاضے کے خلاف ہوتا۔ اپنی صفت رحمت کے تقاضہ کے سبب وہ معاف بھی کرنا چاہتا تھا مگر اس کا انصاف سخت ہے۔ لہٰذا اس نے فیصلہ کیا معافی اور فضل سے اس طرح عطا کیا جائے کہ تقدس کا اصول متاثر نہ ہو۔(J. Hastings: Dictionary of The Bible, 1909, P-71)

اس غرض کے لیے یسوع کی صورت میں ایک شفیع (Mediator) مقرر ہوا۔ اس طرح سے عیسائیوں نے خدا کو مجبور فرض کر لیا اور دراصل اس کے قادر مطلق ہونے سے انکار کیا کہ وہ اپنے اختیار سے گناہ معاف نہیں کر سکتا۔ ایسا ہی خیال ہندو مذہب میں بھی پایا جاتا ہے جہاں نجات کی کوئی صورت سوائے اس کے نہیں ہے کہ آدمی ایک جنم کے گناہوں کی سزا دوسرے اور بعد والے جنموں میں بھگتے حتیٰ کہ پاک ہو کر اس کی روح روحِ اعظم میں مل جائے۔ چونکہ ہندو مذہب عیسائیت سے پرانا مذہب ہے لہٰذا ممکن ہے کہ عیسائی مفکرین ہندو نظریہ آواگون یا تناسخ سے واقف ہوں اور کرما (اعمال) کا پھل ملنا لازم تصور کر کے کفارہ کا نظریہ اختیار کرنے پر آمادہ ہوئے ہوں۔ یہ اس لیے کہ عہد نامہ قدیم میں یا دوسرے الفاظ میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کے مطابق تو نجات کا طریقہ کفارہ نہیں تھا۔

پرانے عہد نامہ میں نجات کا تصور

قاموس الکتاب کے مولف لکھتے ہیں ”عہد عتیق میں نجات حاصل کرنے کے لیے انسان پر جو شرائط عائد ہوتی ہیں ان میں سب سے اہم خدا پر مکمل بھروسا رکھنا تھا۔ دوسری جو پہلی کا فطری نتیجہ تھی وہ خدا کی اخلاقی شریعت جسے مختلف مجموعہ قوانین میں بیان کیا گیا ہے فرماں برداری کرنا تھا لیکن خدا صرف شریعت کے الفاظ کی ہی پابندی نہیں چاہتا۔ گناہوں کی معافی کے لیے توبہ ضروری تھی اور اکثر گناہوں کے لیے توبہ کے عمل کے طور پر قربانیاں چڑھانی پڑتی تھیں۔ (قاموس الکتاب، ص:1029)

گویا نجات کا طریقہ ایمان اور عمل تھا۔ مگر عمل میں کمی اور کوتاہی کی تلافی کے لیے توبہ کا طریقہ تھا جس کا ایک ذریعہ قربانی بھی تھا۔ عیسائی عالم لکھتا ہے۔ ''انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات میں توبہ اور ندامت پر زور دیا گیا تھا اور اسے ایسی بنیادی شرط قرار دیا گیا تھا جس کے بغیر صرف قربانیوں اور رسمی عبادات سے مغفرت کا حصول ممکن نہ تھا۔'' (Encyclopedia Amricana, 1958, vol-2, P-514)

وہ لکھتے ہیں ''عہد عتیق میں کفارے کی مکمل اور واضح تعلیم نہیں ملتی۔ (قاموس الکتاب ص 791)

شیطان کا بکرا

پرانے عہد ناموں میں خطاؤں کی معافی کے لیے خطا کی قربانی کا طریقہ بھی موجود تھا۔ اس کے بارے میں پرانے عہد نامہ کی تعلیم یہ ہے۔ ''اور بنی اسرائیل کی جماعت سے خطا کی قربانی کے لیے دو بکرے اور سوختنی قربانی کے لیے ایک مینڈھا لے۔ اور ہارون خطا کی قربانی کے بچھڑے کو جو اس کی طرف سے ہے گزران کر اپنے اور اپنے گھر کے لیے کفارہ دے پھر ان دونوں بکروں کو لے کر ان کو خیمۂ اجتماع کے دروازہ پر خداوند کے حضور کھڑا کر دے۔ اور ہارون ان دونوں بکروں پر چٹھیاں ڈالے۔ ایک چٹھی خداوند کے لیے اور دوسری عزازیل کے لیے ہو۔ اور جس بکرے پر خداوند کے نام کی چٹھی نکلے اسے ہارون لے کر خطا کی قربانی کے لیے چڑھائے۔ لیکن جس بکرے پر عزازیل کے نام کی چٹھی نکلے وہ خداوند کے حضور زندہ کھڑا کیا جائے تا کہ اس سے کفارہ دیا جائے اور وہ عزازیل کے لیے بیابان میں چھوڑ دے۔
(احبار 5:16 تا 10)

اور جب وہ پاک ترین مقام اور خیمۂ اجتماع اور مذبح کے لیے کفارہ دے چکے تو اس زندہ بکرے کو آگے لائے اور ہارون اپنے دونوں ہاتھ اس زندہ بکرے کے سر پر اس کے اوپر بنی اسرائیل کی سب بدکاریوں اور ان کے سب گناہوں اور خطاؤں کا اقرار کرے اور ان کو اس بکرے کے سر پر دھر کر اسے کسی شخص کے ہاتھ جو اس کام کے لئے تیار ہو بیابان میں بھجوا دے اور وہ بکرا ان سب کی بدکاریاں اپنے اوپر لادے ہوئے کسی ویرانہ میں لے جائے گا، سو وہ اس بکرے کو بیابان میں چھوڑ دے۔ (احبار 20:16 تا 22)

سو یہ تمہارے لیے ایک دائمی قانون ہو کہ تم بنی اسرائیل کے واسطے سال میں ایک دفعہ ان کے سب گناہوں کا کفارہ دو اور اس نے جیسا خداوند نے موسیٰ کو حکم دیا تھا ویسا ہی کیا۔ (احبار 34:16)

کیتھولک ترجمہ اور قاموس الکتاب کے مطابق لفظ عزازیل کے اصلی معنی معلوم نہیں، پھر اس کے

پانچ معانی لکھے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے: بعض علماء کی رائے ہے کہ یہ شیطان کا یا ایک باغی فرشتے کا نام ہے......اور اس بکرے پر لوگوں کی خطا کاریاں لاد کر اسے شیطان کے پاس بھیج دیا جاتا تھا جو بدی کا منبع ہے۔ (قاموس الکتاب، ص: 643)

پرانے عہد نامہ کے مقابلے میں عیسائی عقیدہ لوتھر سے سنیئے۔ اس کے کہنے کے مطابق مسیح لعنتی اور سب سے بڑا گناہ گار بنا...... وہ تمام گناہ جو میں نے، آپ نے اور ہم سب نے کیے یا آئندہ کریں گے وہ سب اس کے بن گئے گویا کہ اس نے خود کیے ہیں۔ (تفسیر الکفارہ، ص: 91)

اس سے پہلے لکھا ہے کہ یہ سچ ہے کہ وہ معصوم ہے کیونکہ وہ خدا کا بے عیب برہ ہے لیکن چونکہ اس نے تمام دنیا کے گناہ اٹھا لیے اس لیے اس کی معصومیت گناہ کے بوجھ تلے دبی ہے۔ (ایضاً ص: 91)

عہد جدید میں کفارہ کا مطلب

مسیح پر ایمان لانے والوں کے لیے اس کا مطلب یہ ہے کہ مسیح کی صلیب ہماری کفارہ گاہ ہے۔ یہاں پر کامل قربانی دی گئی۔ یہاں خون بہایا گیا۔ جو تمام بنی نوع انسان کے لیے موثر ہے۔ اس پر ایمان لانے سے میں بھروسا کر سکتا ہوں کہ میرے گناہ مکمل طور پر ہمیشہ کے لیے مٹا دیئے گئے، معاف ہوئے اور دور پھینک دیئے گئے کیونکہ مسیح یسوع نے کامل کفارہ دیا۔ (قاموس الکتاب، ص: 792)

لفظ فدیہ کے تحت لکھتے ہیں ''نئے عہد نامہ کے مطابق فدیہ سے مراد مخلصی کی وہ قیمت ہے جسے خداوند مسیح نے اپنے لوگوں کی نجات کے لیے صلیب پر ادا کیا ہے۔ (قاموس الکتاب، ص: 691)

پال نے اپنے خطوط میں اس عقیدہ کو بیان کیا ملاحظہ ہو رومیوں 19:5، 1۔ کرنتھیوں 15:3-4، 1۔ تیمتھیس 6:2، رومیوں 25:3، 13:5,15-14:4، عبرانیوں 12:9 تا 14، گلتیوں 21:2، افیسوں 15:2، عبرانیوں 12:7، 13:8۔ اس نے انہی خطوط میں شریعت منسوخ کرنے کا اعلان بھی کر دیا۔

شریر صادق کا فدیہ

کتاب امثال میں لکھا ہے ''شریر صادق کا فدیہ ہوگا اور دغاباز راست بازوں کے بدلہ میں دیا جائے گا۔ (امثال 18:21)

اس کی روشنی میں عقیدہ کفارہ وفدیہ، جناب یسوع کے انتہائی خلافِ شان ہے۔

نجات کے بارے میں یسوع کی تعلیم

حضرت یسوع علیہ السلام کی تعلیم کے مطابق ایمان اور توبہ، نجات اور معافی کے لیے کافی ہیں۔ آپ ایک تمثیل بیان کر کے فرماتے ہیں "میں تم سے کہتا ہوں کہ اسی طرح ننانوے راست بازوں کی نسبت جو توبہ کی حاجت نہیں رکھتے ایک توبہ کرنے والے گناہ گار کے باعث آسمان پر زیادہ خوشی ہوگی۔ (لوقا 7:15)

پھر دوسری تمثیل بیان کر کے فرماتے ہیں "میں تم سے کہتا ہوں کہ اسی طرح ایک توبہ کرنے والے گناہ گار کے باعث خدا کے فرشتوں کے سامنے خوشی ہوتی ہے۔ (لوقا 10:15)

آگے ایک تمثیل بیان کر کے توبہ کرنے والے کو مردہ زندہ ہونے سے تشبیہ دی۔ (لوقا 11:15 تا 32)

اس سے آگے نیک اعمال کی ضرورت پر زور دینے کے لیے ایک اور تمثیل لوقا 1:16 تا 13 بیان فرمائی اور شریعت کے تمام حکموں پر عمل کرنے کی ترغیب دے کر اپنے اعمال کو کم جاننے کی نصیحت کرتے ہوئے فرمایا "اِسی طرح تم بھی جب ان سب باتوں کی جن کا تمہیں حکم ہوا تعمیل کر چکو تو کہو کہ ہم نکمے نوکر ہیں، جو ہم پر کرنا فرض تھا وہی کیا ہے۔ (لوقا 10:17)

یسوع علیہ السلام فرماتے ہیں: "جس کے پاس میرے حکم ہیں اور وہ ان پر عمل کرتا ہے وہی مجھ سے محبت رکھتا ہے۔ (یوحنا 21:14)

ایک آدمی نے یسوع سے نجات کے اصول دریافت کیے تو اسے فرمایا "اگر تو زندگی میں داخل ہونا چاہتا ہے تو حکموں پر عمل کر۔ (متی 17:19)

اس نے پوچھا کون سے حکموں پر؟ تو آپ نے اس کو شریعت کے احکام بتائے۔ سیدنا مسیح علیہ السلام کے اسی فقرے کی شرح کرتے ہوئے جرمن مسیحی عالم لکھتا ہے "وہ (مسیح علیہ السلام) اپنی ذات کے متعلق کسی اور اعتقاد یا عقیدت کی خواہش نہیں رکھتے تھے۔ وہ صرف یہ چاہتے تھے کہ لوگ احکام پر عمل کریں۔

(Adolf Harnack: What is Christianity? P-129)

ابتدائی دور میں پال کا نقطہ نظر

قبول عیسائیت کے ابتدائی دور میں پال کا نظریہ بھی باقی یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح یہ تھا کہ نجات کے لیے توبہ اور عمل کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اس نے اگرپا بادشاہ کے روبرو اپنے بیان میں کہا: "میں...... سارے ملک یہودیہ کے باشندوں کو اور غیر قوموں کو سمجھاتا تھا کہ توبہ کریں اور خدا کی طرف

رجوع کریں اور خدا کی طرف رجوع لاکر توبہ کے موافق کام کریں۔(اعمال 26:19 تا 21)

ابتدائی کلیسا کا نکتہ نظر

ابتدائی کلیسا کے سربراہ اور حضرت یسوع علیہ السلام کے بھائی یعقوب (James) نے کہا ''جس نے ساری شریعت پر عمل کیا اور ایک ہی بات میں خطا کی، وہ سب باتوں میں قصوروار ٹھہرا۔(یعقوب کا عام خط 10:2)
اور یہ کہ ''اے نکمے آدمی! کیا تو یہ بھی نہیں جانتا کہ ایمان بغیر اعمال کے بے کار ہے؟ جب ہمارے باپ ابرہام نے اپنے بیٹے اضحاق کو قربان گاہ پر قربان کیا تو کیا وہ اعمال سے راست باز نہ ٹھہرا؟ پس تو نے دیکھ لیا کہ ایمان نے اس کے اعمال کے ساتھ مل کر اثر کیا اور اعمال سے ایمان کامل ہوا۔(ایضاً 2:20-21)

خود پال کو یعقوب اور دوسرے حواریوں نے تمام عیسائیوں کے بارے میں بتایا کہ وہ شریعت پر عمل کرنے میں سرگرم ہیں تو بھی عمل کر اور اس کے خلاف تبلیغ بند کرنے کا ثبوت ہیکل جا کر دے۔ پال نے یہ سب مانا۔(اعمال 21:17 تا 26)

کفارہ کا عقیدہ بعد میں بنایا گیا

عام یہودیوں کی طرح حضرت یسوع علیہ السلام کے حواریوں کا عقیدہ بھی یہی تھا کہ نجات شریعت پر عمل میں مضمر ہے اور عمل میں کمی کی تلافی توبہ سے ہوتی ہے۔ کفارہ کا عقیدہ بعد کی پیداوار ہے۔ عیسائی عالم لکھتا ہے
''ابتدائی دور کے آبائے کلیسیا مسیح کے مصائب کو غضب الٰہی کے ٹھنڈا کرنے کا ذریعہ نہیں سمجھتے تھے۔
(Encyclopedia Britanica(1962)vol-5, P-634)

کیتھولک عالم لکھتا ہے ''نئے عہد نامہ میں کفارہ کے عقیدہ کا کوئی بنیادی کردار نہیں۔
(The New Catholic Encyclopedia, vol-1, P-1025)

عقیدہ کفارہ کا بانی پال ہے

''اس (پال) نے خاص طور پر ازلی گناہ کا نظریہ رائج کیا۔ انبیائے بنی اسرائیل نے کتاب پیدائش میں مذکور باغ عدن کے واقعہ سے کوئی خاص نتائج اخذ نہیں کیے تھے اور یسوع علیہ السلام نے تو اس پر توجہ ہی نہ دی تھی۔ اس (یسوع علیہ السلام) نے کبھی ہبوط آدم (Fall of Adam) یا ازلی گناہ (Original Sin) کی لعنت کا ذکر تک نہیں کیا تھا۔ (Herbert Muller: Uses of The Past, P-160) اصلی گناہ سے مراد سیدنا آدم علیہ السلام کا حکم خدا کے برعکس منع کیے گئے درخت کے پاس جانا اور اس کا پھل کھانا ہے۔ عیسائیوں

کے عقیدہ کے مطابق وہ گناہ ان کے جنت سے نکلنے کا باعث بنا اور پوری نسل آدم میں سرایت کر گیا۔

عقیدہ کفارہ کیوں گھڑا؟

پال کو یہ نظریہ وضع کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ یہ مان لینے کے بعد کہ حضرت یسوع علیہ السلام کو ان کے مخالفین نے صلیب دی تھی، پال اور اس کے ہم خیال عیسائیوں کو ایک قدیم یہودی عقیدہ کے چیلنج کا سامنا تھا جسکے مطابق "جسے پھانسی ملتی ہے وہ خدا کی طرف سے ملعون ہے۔" (استثنا 23:21)

بجائے اس کے وہ ان واقعات پر غور کرتا جن کی روشنی میں یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ یسوع کو صلیب نہیں دی گئی تھی، اس نے یہ کہا کہ یسوع صلیب پر لٹکائے تو گئے مگر اس لیے کہ ہم قانون شریعت پر عمل نہ کر سکنے کی بنا پر کمائی ہوئی لعنت سے چھٹکارا پا سکیں۔ وہ لکھتا ہے "مسیح جو ہمارے لیے لعنتی بنا اس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا۔ کیونکہ لکھا ہے کہ جو کوئی لکڑی پر لٹکایا گیا وہ لعنتی ہے۔" (گلتیوں 13:3)

چونکہ عام لوگ بے عمل ہوتے ہیں اور بخشش کے لیے کسی شارٹ کٹ کی تلاش کرتے ہیں لہٰذا ان میں یہ نظریہ بہت مقبول ہوا۔

بپتسمہ اور عشائے ربانی

یہ دونوں وہ رسمیں ہیں جن پر کیتھولک اور پروٹسٹنٹ عیسائیوں کا اتفاق ہے۔ یہ دونوں رسمیں عقیدہ کفارہ پر مبنی ہیں۔ بپتسمہ پانی میں ڈبکی دے کر یا پانی چھڑک کر کسی کو عیسائیت میں باقاعدہ داخل کرنے کی رسم ہے جو عیسائی عقیدہ کے مطابق گناہ سے پاک کرتی ہے اور عشائے ربانی حضرت یسوع علیہ السلام اور شاگردوں کے آخری کھانے کی یاد میں منائی جاتی ہے جس میں اجتماعی عبادت و دعا کے بعد روٹی اور شراب پر مشتمل تبرک کھاتے ہوئے فرض کیا جاتا ہے کہ یہ تبرک دراصل یسوع کا بدن اور خون ہے اور اس کے کھانے سے ایمان دار مسیحی، یسوع کی مزعومہ قربانی کے فوائد میں شریک ہو جاتا ہے۔

کفارہ کس کا ادا کیا گیا

اس بات میں عیسائی علماء کے بیانات مختلف ہیں۔ ایک خیال یہ ہے کہ "مسیح کی قربانی جو ایک ہی بار ہوتی تمام جہان کے سارے گناہوں کا کامل فدیہ اور کفارہ اور معاوضہ ہے اور اس کے سوا گناہ کے لیے کوئی دوسرا معاوضہ نہیں ہے...... مسیح کے اپنے آپ کو صلیب پر قربان کر دینے کے ذریعے سے بنی نوع انسان کے

تمام گناہوں کے لیے قربانی گزارنی گئی ہے۔(پاک کاتھولک Protestant) اور رومی کلیسیا کی ماس (عشائے ربانی) کا مقابلہ ص4 مصنفہ پادری ڈبلیو پی ہیرس بی اے) ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ چاہے کوئی یسوع کی قربانی پر ایمان لائے یا نہ لائے، بنی نوع انسان کی نجات ہو چکی۔ جبکہ قاموس الکتاب کے مولف کے مطابق نجات اس کی ہوگی جو اس قربانی کو کفارہ سمجھ کر ایمان لائے۔(ص:792)

کفارہ کس کو ادا کیا گیا

عیسائیت کے پہلے ہزار سال میں یہ نظریہ غالب رہا کہ یہ فدیہ شیطان کو ادا کیا گیا۔

(تفسیر الکفارہ،ص:68 مصنفہ رابرٹ ایچ کلپپر ترجمہ وکلف اے سنگھ)

خدا نے شیطان کو جو کہ انسان کا مالک ہے وہ تمام قیمت ادا کی جو اس نے اپنی ملکیت کے لیے مانگی (ایضاً ص:71)(کفارہ دینے کے لیے) خدا انسان کی سطح پر آ گیا تا کہ انسان خدا کی سطح پر پہنچ سکے۔ خدا کمزور بن گیا تا کہ انسان خدا کی مانند بن جائے۔(ٹرٹولین (ایضاً ص:73)

آدم علیہ السلام کے گناہ میں گرنے سے شیطان کو نسل انسانی پر اختیار حاصل ہو گیا اور کفارہ شیطان کو ادا کیا گیا۔(ایضاً ص:77)

کفارہ کی اصل حقیقت کے بارے میں عیسائی علماء مختلف ہیں۔ کچھ کہتے ہیں کہ یسوع علیہ السلام کی صلیبی موت عوضانہ تھا، کچھ کے خیال میں یہ گناہ گار انسانوں کی نمائندگی تھی۔(ایضاً ص:61 تا 67)

اس پوری کتاب میں بیان کیا گیا ہے کہ کفارہ کس کو ادا کیا گیا، اس بارے میں عیسائی علماء متفق نہیں ہیں۔

کفارہ ادا کرتے ہوئے صلیب پر یسوع علیہ السلام کی حیثیت

ڈیل (DALE) کا بیان یہ ہے کہ مسیح نے صلیب پر نہ صرف محسوس کیا کہ خدا نے اسے چھوڑ دیا ہے بلکہ درحقیقت خدا نے اسے چھوڑ دیا تھا۔ خدا نے اسے ترک کر دیا تا کہ ہمیں ترک نہ کرنا پڑے۔ اس خیال کی ڈیل کے اس دعویٰ کے ساتھ مطابقت پیدا کرنا مشکل ہے کہ خدا کی ذات میں تفرقہ کا عنصر نہیں پایا جاتا۔

(ایضاً ص:110-111)

ڈیل سے مراد آر۔ ڈبلیو۔ ڈیل ہے جو کہ بڑا زبردست انگریز پادری اور مفسر تھا۔(ایضاً ص 109)

پطرس اپنے خط میں لکھتا ہے: ''پس جب کہ مسیح نے جسم کے اعتبار سے دُکھ اُٹھایا تو تم بھی ...... جس نے جسم کے اعتبار سے کچھ اُٹھایا اس نے گناہ سے فراغت پائی۔'' (1۔ پطرس 1:4) اس سے ثابت ہوا کہ

حواری مسیح کفارہ کے عقیدہ سے ناواقف تھے اگر مسیح کے دُکھ اُٹھانے سے سب کا کفارہ ادا ہو گیا تو خود دُکھ اُٹھانے کی کیا ضرورت ہے۔ دکھ اُٹھانے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

(i) مسیح کی طرح صلیب پر لٹکنا

(ii) عبادت میں مشقت اُٹھانا

راہب بن کر دُکھ اُٹھانا، مسیح نے نہیں بتایا بلکہ خود ساختہ طریقہ ہے۔

عقیدہ کفارہ پر تبصرہ

کفارہ بے ثبوت اور بے فائدہ ہے کیونکہ یعقوب کے بیان کے مطابق پوری شریعت پر عمل لازمی ہے۔(یعقوب کا عام خط:2:10)

اور یہ کہ خدا کسی کا طرف دار نہیں۔(اعمال:10:34-35)

خدا نے فیصلہ کیا تھا کہ گناہ کو صفحہ ہستی سے مٹا دے گا۔(رومیوں1:18)

مگر گناہ اب بھی پورے زور سے پوری دنیا میں جاری ہے۔اگر یسوع علیہ السلام پورے جہان کے تمام انسانوں کا کفارہ ادا کر چکے ہیں تو پھر عیسائی حضرات کی کیا خصوصیت باقی رہ گئی؟ موروثی گناہ سے مراد عیسائی لوگ، گناہ کرنے کی صلاحیت لیتے ہیں۔کیا کفارہ ادا ہونے کے بعد گناہ کرنے کی صلاحیت انسانوں میں ختم ہو گئی ہے؟ یا پہلے سے بھی مضبوط ہو گئی ہے جس کی وجہ سے لوتھر نے کہا کہ خوب دلیری سے گناہ کرو، چاہے ایک دن میں ہزار دفعہ حرام کاری یا قتل کرو، صرف ایمان رکھو تو تمہاری نجات ایسے ہی یقینی ہے۔ جیسے خود مسیح کی نجات یقینی ہے۔ (کیتھولک پادری میریا انجلو کی کتاب مراۃ الصدق 1851ء بحوالہ ازالۃ الشکوک، جلد نمبر 1 ص:148، 148، تفسیر حقانی جلد نمبر 1، ص156، جلد نمبر 7، ص:110 از مولانا عبدالحق حقانی دہلوی رحمہ اللہ)

کفارہ بالکل بے فائدہ ثابت ہوا کہ جو سزائیں اصل گناہ کے سبب جاری ہوئیں مثلاً انسان اور سانپ کی دشمنی، عورت کا دردِ حمل، آدمی کا منہ کے پسینے کی روٹی کھانا یعنی سخت مشقت سے کمائی کرنا۔ (پیدائش 3:13 تا 19)

وہ اب تک جاری ہیں اور کفارہ کا کچھ فائدہ نہ ہوا۔اس کفارہ پر ایمان رکھنے نے پادریوں کو اتنا دلیر کر دیا کہ وہ گناہوں اور جرائم میں ڈوب گئے اور صرف کیتھولک کلیسا نے 4300 پادری 9 سال کے عرصہ میں برطرف کیے جیسا کہ اقوام متحدہ کی کمیٹی کو ویٹی کن کے سفیر نے بتایا۔

(ملاحظہ ہو جنگ اخبار کی ویب سائٹ مورخہ 7-5-2014)

اس عقیدہ سے خدا تعالیٰ پر الزام آتا ہے کہ اس نے عرصہ دراز تک انبیاء کرام علیہم السلام بھیجے جن کے ذریعہ شریعت اور نیک اعمال کی پابندی کو ذریعہ نجات قرار دیا اور پھر اتنی مدت کے بعد سمجھ آئی کہ سوائے کفارہ کے انسان کی نجات نہیں۔ اگر کفارہ ہی بطور طریق نجات خدا کے ہاں مقرر تھا تو دنیا کے شروع میں سب سے پہلے نبی پر اس کو کیوں ظاہر نہ کیا گیا تا کہ رحم اور عدل برابر رہتا؟ کیونکہ خدا کا اصول ہے کہ وہ کچھ نہیں کرتا جب تک اپنا بھید اپنے خدمت گزار نبیوں پر پہلے آشکارا نہ کرے۔ (عاموس 7:3)

خدا نے اپنا بیٹا بھیجنے سے پہلے نبیوں اعلان کیوں نہ کیا؟ جو لوگ یسوع سے پہلے دنیا سے گزر گئے ان کا کیا بنے گا؟

اس عقیدہ کے بہانے سیدنا مسیح علیہ السلام کی توہین کی گئی کہ ان کو عیسائی نعوذ باللہ ملعون، شیطان کا بکرا اور سب سے بڑا گناہ گار کہنے لگے۔ اس کے علاوہ یہ سمجھ سے بالاتر ہے کہ دوسروں پر ظلم کرنے والوں کو بھی کفارہ پر ایمان رکھنے سے نجات حاصل ہوگئی تو مظلوموں کا کیا بنے گا؟ مثلاً ایک عیسائی دوسرے عیسائی کو قتل کر دیتا ہے تو چونکہ دونوں کفارہ پر ایمان رکھتے ہیں تو اگلے جہان میں قاتل تو سزا سے بچ جائے گا کیونکہ وہ یسوع کے کفارہ پر ایمان رکھتا ہے مگر یہی ایمان مقتول عیسائی بھی رکھتا تھا تو اس کو اس کفارہ سے کیا فائدہ ہوگا؟ ایک طرف ظالموں کو نجات کی یقین دہانی کرائی جاتی ہے تو دوسری طرف یہ عقیدہ رکھا جاتا ہے کہ آگسٹائن اور اس کے ہم خیال کہتے ہیں "وہ بچے جو بپتسمہ لیے بغیر مر گئے، ان کے لیے ابدی عذاب عین انصاف ہے۔" (Encyclopedia of Religions and Ethiecs, vol-5, P-644)

کیا خدا رحیم و کریم نہیں ہے؟

یہ عقیدہ خود بائبل کی تعلیم کے خلاف ہے جس میں کہا گیا کہ بیٹوں کے بدلے باپ مارے نہ جائیں اور نہ باپ کے بدلے بیٹے مارے جائیں۔ ہر ایک اپنے ہی گناہ پر مارا جائے۔ (استثناء 16:24)

اور "جو جان گناہ کرتی ہے وہی مرے گی۔ بیٹا باپ کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ۔ صادق کی صداقت اسی کے لیے ہوگی اور شریر کی شرارت شریر کے لیے۔ (حزقی ایل 20:18)

جب حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے نکال دیا گیا اور بقول پال موت کی سزا مل گئی تو اس گناہ کا وبال ان کی اولاد بلکہ خود ان پر باقی رہنے کا کیا جواز ہے؟ جیسا کہ پال نے رومیوں 17:5 میں لکھا ہے۔

خود بائبل نے گناہ گاروں کی نجات کا جو طریقہ بتایا وہ یہ ہے کہ "اگر شریر اپنے تمام گناہوں سے جو اس نے کیے ہیں باز آئے اور میرے سب آئین پر چل کر جو جائز اور روا ہے کرے، تو وہ یقیناً زندہ رہے

گا، وہ نہ مرے گا وہ سب گناہ جو اس نے کیے ہیں اس کے خلاف محسوب نہ ہوں گے۔ وہ اپنی راست بازی میں جو اس نے کی زندہ رہے گا۔ (حزقی ایل 18:21-22)

اولاد آدم اور ابن آدم ہونے کے سبب خود یسوع کس طرح ازلی گناہ سے بچ گئے؟ کیونکہ وہ باپ سے نہ سہی ماں کی طرف سے تو ابن آدم ہیں۔

اناجیل سے یہ بھی ثابت ہے کہ یسوع کی قربانی اختیاری نہیں تھی۔ بلکہ وہ تو منہ کے بل گر کر خدا سے دعا کرتے تھے "اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے۔" (متی 26:36 تا 40)

اگر وہ انسان کی گناہ سے نجات کے خدائی منصوبہ میں شریک تھے تو انہوں نے یہ پیالہ ٹالنے کی دعا کیوں کی؟ اور صلیب پر یہ کیوں کہا کہ اے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟ (متی 27:46)

اس سے پہلے وہ نہایت حیران و بے قرار (مرقس 14:33) اور سخت پریشانی میں مبتلا کیوں رہے؟ (لوقا 22:44)

اگر یہ سب کچھ خدا کے منصوبہ کے تحت ہو رہا تھا تو انہیں خدا کی شکایت کرنے کی بجائے موت کا استقبال خندہ پیشانی سے کرنا چاہیے تھا۔

یہ صلیب والا واقعہ بھی بے بنیاد ہے جیسا کہ لگ باب میں بیان کیا گیا ہے اور نہ ہی ان کا جی اٹھنا کسی آنکھ نے دیکھا۔ (Adolf Harnack: History of Dogma(1961) vol-1, P-85)

اور اسی مصنف کی دوسری کتاب میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ (What is Chirstianity, P-164)

عیسائی کہتے ہیں کہ احکام عشرہ والی شریعت باقی ہے مگر رسومات ختم ہو چکیں، مثلاً کفارہ کی قربانی وغیرہ۔ کسی جرم کے بارے میں تین مراحل آتے ہیں (1) قانون (2) اس کی سزا (3) اس کی سزا پر عمل درآمد۔ اگر کوئی جرم ہوا مثلاً چوری تو اس کی سزا شریعت میں ہے۔ اب اس پر عمل درآمد کفارہ کی وجہ سے نہ ہوگا تو قانون اور اس کی سزا بے معنی ٹھہریں گے۔ یسوع کے کفارہ دینے کے بعد بھی قانون اور اس کی سزا تو باقی ہے تو کفارہ سے فائدہ کیا ہوا؟ اصل صورتِ حال یہ ہے کہ جرائم کی سزا کا قانون اور اس پر عمل درآمد منسوخ نہیں ہوا کیونکہ خود پال لکھتا ہے:

(i) ہم تو سب خدا کے تخت عدالت کے آگے کھڑے ہوں گے۔ (رومیوں 14:10)

(ii) پس ہم میں سے ہر ایک خدا کو اپنا حساب دے گا۔ (رومیوں 14:12)

❀❀❀

موروثی گناہ

(الانعام 164:6)

اس کو ازلی گناہ بھی کہتے ہیں، موروثی گناہ کے بارے میں پادری ایف، ایس، خیر اللہ لکھتے ہیں کہ مسیحی عقیدہ کے مطابق انسان کی سرشت میں گناہ شروع سے موجود ہوتا ہے۔ یہ گناہ آدم وحوا کے باغ عدن میں گناہ کرنے کے باعث بنی نوع انسان میں داخل ہوا اور ایک پشت سے دوسری پشت تک ورثہ میں منتقل ہوتا رہتا ہے۔ (پیدائش 21:8، 1- سلاطین 46:8، زبور 5:51، ایوب 14:15، 4:25)

بدی انسان کے دل اور دماغ کے تصورات اور خیالات میں موجود رہتی ہے۔ (پیدائش 5:6، 21:8)

پولس رسول اس مسئلہ کو نجات کے انتظام سے منسلک کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ جس طرح آدم کی وجہ سے گناہ دنیا میں آیا، اُسی طرح خداوند یسوع مسیح کے طفیل گناہ سے نجات حاصل کرنے کا انتظام بھی کیا گیا۔

(رومیوں 5:12-21)

مقدس یعقوب گناہ کو انسان کی خواہشوں میں پنہاں دیکھتا ہے، کیونکہ اس کے مطابق خواہش حاملہ ہو کر گناہ کو جنتی ہے۔ (یعقوب 1:13-14 مقابلہ کریں، گلتیوں 5:16-24)

موروثی گناہ کا مسئلہ کلیسیا میں اکثر بحث ونزاع کا مضمون رہا ہے۔ یہ بحث خاص طور پر 354ء- 430ء کے درمیانی عرصہ میں جاری تھی۔ بزرگ اور گسطین اس مسئلے کا حامی تھا، لیکن بدعتی فلاغنیوس (تقریباً 383ء تا 410ء تک رومہ میں تھا) نے اس کے خلاف یہ موقف اختیار کیا کہ انسان جب پیدا ہوتا تو وہ نیکی اور بدی سے مبرّا ہوتا ہے اور یہ کہ اس کے اختیار میں ہے کہ کونسی راہ چُنے۔ وہ بدی کو انسانی سرشت میں ایک رجحان نہیں، بلکہ ایک عمل تصور کرتا تھا۔ تحریک اصلاح کے وقت لوتھر اور دوسرے مصلح دین نے پھر سے مقدس اور گسطین کے نظریہ کی تائید کی۔ اہل اسلام موروثی گناہ کے قائل نہیں ہیں۔ (قاموس الکتاب، ص: 971-972)

اب ہم مسیحی دلائل کا جائزہ لیتے ہیں۔

1- پیدائش (21:8) کے جن الفاظ سے دلیل لی ہے، وہ یہ ہیں: ''انسان کے دل کا خیال لڑکپن سے بُرا

ہے۔" پیدائش 5:6 میں لکھا ہے: "اور خداوند نے دیکھا کہ زمین پر انسان کی بدی بہت بڑھ گئی ہے اور اس کے دل کے تصور اور خیال سدا ہی برے ہوتے ہیں۔"

-2 1-سلاطین (46:8) کے متعلقہ الفاظ یہ ہیں: "کوئی ایسا آدمی نہیں، جو گناہ نہ کرتا ہو۔"

-3 ایوب (14:15) میں یہ الفاظ ہیں: "انسان ہے کیا کہ وہ پاک ہو؟ اور وہ جو عورت سے پیدا ہوا کیا ہے کہ وہ صادق ہو؟"

-4 ایوب (4:25) کے الفاظ یہ ہیں: "پھر انسان کیونکر خدا کے حضور راست ٹھہر سکتا ہے؟ یا وہ جو عورت سے پیدا ہوا ہے، کیونکر پاک ہوسکتا ہے؟"

-5 زبور (5:51) کے یہ الفاظ دلیل بنے: "دیکھ میں نے بدی میں صورت پکڑی اور میں گناہ کی حالت میں ماںؓ کے پیٹ میں پڑا۔"

-6 رومیوں (5:12-13-21) میں پال کا فتویٰ یہ ہے کہ "پس جس طرح ایک آدمی کے سبب سے گناہ دنیا میں آیا اور اس کے گناہ کے سبب سے موت آئی اور یوں موت سب آدمیوں میں پھیل گئی، اس لیے کہ سب نے گناہ کیا۔ کیونکہ شریعت کے دیئے جانے تک دنیا میں گناہ تو تھا مگر جہاں شریعت نہیں، وہاں گناہ محسوب نہیں ہوتا۔" آیت نمبر 21 میں ہے: "پس جن باتوں سے اب شرمندہ ہو اُن سے تم اُس وقت کیا پھل پاتے تھے کیونکہ ان کا انجام تو موت ہے۔"

-7 یعقوب (1:13-14) میں یوں لکھتے ہیں: "جب کوئی آزمایا جائے تو یہ نہ کہے کہ میری آزمائش خدا کی طرف سے ہوتی ہے، کیونکہ نہ تو خدا بدی سے آزمایا جاسکتا ہے اور نہ وہ کسی کو آزماتا ہے۔ ہاں! ہر شخص اپنی ہی خواہشوں میں کھینچ کر آزمایا جاتا ہے۔ پھر خواہش حاملہ ہو کر گناہ کو جنتی ہے اور گناہ بڑھ چکا تو موت پیدا کرتا ہے۔

آپ نے دیکھا کہ ان عبارتوں میں سے ایک میں بھی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے الفاظ نہیں ہیں، جن کے بارے میں مسیحی خیال کرتے ہیں کہ وہ موروثی گناہ کی معافی کا ذریعہ بنے۔ انہوں نے کبھی بھی نہ موروثی گناہ کا تذکرہ کیا، نہ باغ عدن والے واقعہ سے کوئی نتیجہ نکالا۔ اگر یہ مسئلہ اتنا واضح ہوتا تو اس پر بحث ساڑھے تین سو سال بعد کیوں شروع ہوتی اور 76 سال تک بحث جاری کیوں رہتی۔ یہ صرف پال کی اختراع تھی، جس کا اعتراف پادری ایف، ایس، خیراللہ کو بھی ہے۔ پادری صاحب نے لکھا: "پولوس رسول اس مسئلہ کو نجات کے انتظام سے منسلک کرتا ہے۔" اگر مسیح کے طفیل گناہ سے نجات کا انتظام کیا گیا تو آج

تک دنیا میں گناہ جاری کیوں ہے، بلکہ روز افزوں کیوں ہے؟ اگر کسی نے عقل کی بات کی تو اس کو بدعتی قرار دے دیا، جیسا کہ فلاغیوس کے بارے میں لکھا ہے۔

بڑے عیسائی علماء یہ تصدیق کرتے ہیں کہ موروثی گناہ کے نظریہ کا بانی پولوس ہی ہے۔ ہربرٹ ملر لکھتا ہے: ''اس (پولس) نے خاص طور پر ازلی گناہ کا نظریہ رائج کیا۔ انبیائے بنی اسرائیل نے کتاب پیدائش میں مذکور باغ عدن کے واقعہ سے کوئی خاص نتائج اخذ نہیں کیے تھے اور یسوع نے تو اس پر توجہ ہی نہ دی تھی۔ اس (یسوع) نے کبھی ہبوط آدم یا ازلی گناہ کی لعنت کا ذکر تک نہیں کیا۔ (Uses of the Past, P-160)

پال کو یہ نظریہ وضع کرنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ قدیم یہودی عقیدہ یہ تھا: ''جسے پھانسی ملتی ہے وہ خدا کی طرف سے ملعون ہے۔'' (استثنا 23:21)

بجائے اس کے کہ پولوس یہ ثابت کرتا کہ یسوع کو پھانسی نہیں دی گئی، جو کہ حق بات ہے، اس نے یہ نظریہ گھڑ لیا کہ وہ عیسائیوں کے لیے نعوذ باللہ لعنتی بن پر پھانسی چڑھ گئے تاکہ شریعت کی لعنت سے چھڑا سکیں۔ وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ ان کے پھانسی کے ذریعہ گناہ گاروں کے گناہ معاف ہو گئے۔ (افسیوں 7:1)

پولس کی پیروی میں آگسٹائن نے گناہ کی لعنت پوری نسل انسانی پر چھا جانے کا نظریہ پیش کر دیا۔

(The City of God, P-334-335)

اس نظریہ کا ذرہ بھر نام ونشان پرانے عہد نامہ میں نہیں ہے۔ چونکہ پال یونانی علوم سے بھی واقف تھا، لہٰذا اس نے اُس یونانی رسم کے بنیاد پر اپنا نظریہ تراش لیا، جس کے مطابق ''یہ ایک قدیم دستور تھا کہ کسی شہر، ملک کا حاکم کسی عظیم خطرہ وابتلاء کے موقع پر اپنے پیارے بیٹے کو ساری قوم کی طرف سے مرنے کے لیے پیش کرتا، تاکہ وہ سب کی طرف سے انتقام پسند شیاطین کے حضور فدیہ ہو۔

(بحوالہ عیسائیت ساجد میر ص 192-191) (J.G. FRAZER: The Golden Bough, Vol-3 (The Dying God) London, 1912, P-166)

یہ قدیم بت پرستوں کی رسم تھی، جس کا ذکر بائبل میں بھی ملتا ہے۔ شاہ موآب نے سخت محاصرہ کے وقت اپنی پہلوٹھا قربان کیا۔ (2-سلاطین 27:3)

موروثی گناہ کا تصور نہ صرف عقل سلیم بلکہ بائبل کی تعلیم کے بھی خلاف ہے، جس میں کہا گیا: ''بیٹوں کے بدلے باپ دادا نہ مارے جائیں اور نہ باپ دادا کے بدلے بیٹے مارے جائیں، بلکہ ہر آدمی اپنے ہی گناہ کے لیے سبب مارا جائے۔ (استثنا 16:24) اور یہ کہ جو جان گناہ کرتی ہے، وہی مرے گی۔ بیٹا

باپ کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ۔ (حزقی ایل 20:18)

اوپر دیئے گئے حوالوں میں سے کتاب ایوب (حوالہ نمبر 3 اور 4) اور زبور (حوالہ نمبر 5) یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جو عورت سے پیدا ہوا وہ نہ صادق ٹھہر سکتا ہے، نہ پاک ہوسکتا ہے۔ یہ بات مسلّمہ ہے کہ یسوع عورت سے پیدا ہوئے۔ لہٰذا وہ بھی ''بے عیب برّہ'' نہیں ٹھہر سکتے۔ پوپ انوسنٹ دوم کہتا ہے کہ کنواری گناہ میں حمل میں پڑی۔ پادری ہیرس لکھتا ہے کہ اگر کنواری مریم معصوم ہوتی تو وہ ذات جو یسوع نے اس سے حاصل کی انسانی ذات نہ ہوتی، بلکہ اپنی قسم کی نرالی ذات ہوتی۔ اس مسئلہ سے مسیح کا خاص طور پر معصوم ہونا ردّ ہوجاتا ہے۔ (مبارک کنواری مریم اور مسئلہ پرستشِ مریم ص:18 اور ص:21)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ

1- ازلی گناہ کا انبیائے بنی اسرائیل اور یسوع نے ذکر تک نہیں کیا، حالانکہ خدا وہ کام کبھی نہیں کرتا، جب تک نبیوں پر اپنا بھید ظاہر نہ کرلے۔ (عاموس:3:7)

2- یہ سارا بکھیڑا پال نے شروع کیا، تاکہ شریعت سے جان چھڑائی جائے اور یسوع کی مزعومہ پھانسی کا جواز پیش کیا جائے، ورنہ وہ لعنتی ٹھہرتے ہیں۔ (نعوذ باللہ)

3- یہ مسئلہ 354 سال تک سرد خانے میں رہا اور کسی نے اس پر توجہ نہ کی۔

4- اس سارے تصور کی بنیاد یونانی اور دوسرے بت پرستوں کی رسوم پر رکھی گئی، جیسا کہ فریزر کا حوالہ اوپر گزرا ہے۔

5- ازلی گناہ کا نظریہ پرانے عہد نامہ کی تعلیم کے بھی خلاف ہے۔

6- ازلی گناہ بخشوانے کے لیے کفارہ کا نظریہ بھی، ازلی گناہ کے بے بنیاد نظریہ ہونے کی بنا پر ختم ہوجاتا ہے۔

7- جو گناہ خدا کی نافرمانی سے شروع ہوا وہ خدا کو لٹکا دینے سے کیوں کر ختم ہوگیا۔

8- عقلی و نفسی (ذاتی) کیفیتیں (احوال۔ حقائق) ناقابل انتقال ہیں اور وراثت میں نہیں ملتے۔ یہی وہ نظریہ ہے جس سے موروثی گناہ کے عقیدہ کی تردید ہوتی ہے۔ تمام اخلاقیات کا مدار اس بات پر ہے کہ انسان فاعل مختار ہے، مجبور نہیں ہے۔ اگر عقلی و ذاتی خواہشات و خصوصیات انتقال پذیر ہوں یعنی دوسرے شخص میں منتقل ہوسکتی ہیں تو پھر جبر و اختیار کی بحث ختم ہوجاتی ہے اور اس شخص کی شخصیت و انفرادیت کے لیے کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

❀❀❀

نظریہ وحی والہام

مسلم نظریہ وحی

خارج سے وحی کا نزول

مسلمانوں اور اسلام کا نظریہ وحی یہ ہے کہ وحی آسمان سے یعنی خارج (باہر) سے آتی ہے۔ جس کی دلیل مندرجہ ذیل آیات میں موجود ہے۔

1۔ اور کسی بشر کی یہ شان نہیں ہے کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر وحی کے ذریعہ سے یا پردے کی اوٹ سے یا بھیجے کسی فرشتہ کو پس وہ وحی کر دے اس کے اذن سے جو وہ (اللہ) چاہے۔ وہ بڑا ہی عالی مقام بڑا ہی حکیم ہے۔ (شوریٰ 51:42)

2۔ یقیناً یہ (قرآن) ایک باعزت رسول کا لایا ہوا کلام ہے۔ وہ بڑا ہی قوت والا اور عرش والے کے نزدیک بڑا ہی بارسوخ ہے۔ اس کی بات مانی جاتی ہے اور وہ (جبرائیل علیہ السلام) نہایت امین بھی ہے۔ (تکویر 19:81 تا 21)

وحی میں آمیزش ناممکن ہے

وحی میں نہ کوئی آمیزش یا ملاوٹ ہو سکتی ہے نہ ہی کوئی غلطی ہو سکتی ہے۔ اس کی دلیل مندرجہ ذیل آیات میں ہے۔

1۔ رہے وہ جن کو وہ رسول کی حیثیت سے انتخاب فرماتا ہے تو وہ ان کے آگے اور پیچھے پہرہ لگا دیتا ہے کہ دیکھے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغام پہنچا دیئے؟ (سورہ جن 72:27-28)

یہ پہرہ اس وقت تک قائم رہتا ہے جب تک صاحب وحی علیہ السلام تمام وحی کو یاد کر لے اور لوگوں تک پہنچا دے۔ لہٰذا کسی نبی علیہ السلام کی وحی میں شیطانی القا یا ملاوٹ ناممکن ہے۔

مسلمانوں کے اس نظریہ وحی کے پیش نظر ایک غیر مسلم لکھتا ہے کہ جس طرح عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کو مجسم کلام خدا سمجھتے ہیں اسی طرح مسلمان قرآن مجید کو متن کی شکل میں مجسم سمجھتے ہیں یعنی کلام خدا نے متن کی شکل اختیار کر لی۔

اپنی کتاب وحی الٰہی میں مولانا سعید احمد اکبر آبادی وحی کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

وحی کے لغوی معنی

اشارہ کرنا، لکھنا، پیغام دینا، دل میں ڈالنا، چھپا کر بولنا اور جو کچھ تم کسی دوسرے کے خیال میں ڈالو۔ (ص:23)

قرآن مجید میں استعمال: شیطان کا وسوسہ پیدا کرنا۔ (انعام121:6)

دل میں کسی بات کا ڈال دینا: (القصص7:28، مائدہ111:5)

فطری حکم جس کو وحی نوعی بھی کہتے ہیں۔ (النحل68:16)

کام پر مقرر کرنا۔ (حم السجدہ/فصلت12:41)

بے جان چیزوں کو حکم۔ (زلزال5:99)

چپکے بات کرنا۔ (انعام112:6) (ص:24-25)

وحی کے اصطلاحی معنی شریعت اسلام میں

یہ اس ذریعہ غیبی کا نام ہے جس کے ذریعہ غور و فکر، کسب و نظر اور تجربہ و استدلال کے بغیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے، اس کے خاص فضل و کرم سے کسی نبی کو کوئی علم حاصل ہوتا ہے۔ (ص:25)

الہام اور وحی میں فرق

الہام ایسا وجدان ہے جو نفس کو حاصل ہوتا ہے، لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ علم کا مبداء کیا ہے جبکہ وحی میں علم کا مبداء پورے طور پر معلوم ہوتا ہے۔ الہام نبی و غیر نبی دونوں کو ہوتا ہے جبکہ وحی انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے۔ کسی غیر نبی کو علم کا یہ ذریعہ غیبی میسر نہیں ہو سکتا۔ (ص:26)

وحی کی حقیقت

فرشتہ خدا کا کلام لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوتا تھا۔ (ص:30)

وحی کی مختلف صورتیں

(1) سچے خواب۔ (بخاری کا پہلا باب، ص:32)

(2) نفث فی الروع: فرشتہ کا بغیر نظر آئے آنحضرت ﷺ کے دل پر کسی بات کا القاء کر دینا مثلاً آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ روح القدس نے میرے قلب میں یہ بات ڈال دی کہ کوئی جان اس وقت تک نہیں مرے گی جب تک وہ اپنے حصے کا رزق نہ کھالے۔ (ص:33)

(3) صلصلۃ الجرس: گھنٹہ کی آواز کی طرح وحی آتی تھی مثلاً حدیث صفوان بن یعلی بن امیہ (ص 35)

(4) تمثل: فرشتہ کا انسانی شکل میں آنا جیسا کہ حدیث جبرائیل میں بیان ہوا ہے۔ (ص:42)

(5) فرشتہ کا اپنی اصل شکل میں آنا جیسا کہ سورہ النجم اور سورہ تکویر میں بیان ہوا۔

(ص:43-44 بحوالہ النجم 14,10:53، التکویر 21:81)

(6) اللہ تعالیٰ بغیر کسی واسطہ کے براہ راست آنحضرت ﷺ کے قلب مبارک پر وحی نازل فرمائے جیسا کہ شب معراج پانچ نمازیں فرض کرنا۔ (ص:54)

(7) اللہ تعالیٰ کسی فرشتہ کے واسطہ کے بغیر اسی طرح کلام کرے جیسا کہ قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے ثابت ہے۔ (ص:54)

قرآن اور وحی

تمام آسمانی مذاہب میں سے یہ خصوصی امتیاز صرف قرآن مجید کو حاصل ہے کہ جس نے تکرار و تاکید سے اپنا منزل من اللہ ہونا بیان کیا ہے، کسی اور کتاب نے اپنی نسبت شدّ ومدّ اور تاکید و تکرار سے بیان نہیں کیا مثلاً نساء 166:4، القدر 1:97، دخان 3:44، طٰہٰ: 4:20، فرقان 6:25، بقرہ 23:2، یونس 38:10، ہود 13:11، الحجر 9:15، دھر 23:76۔ بنی اسرائیل 88:17، طور 34:52، یوسف 102:12، شوریٰ 52:42، نساء 82:4، بقرہ 147:2، سبا 6:34، احقاف 10:46، بنی اسرائیل 108:17، شعراء 197:26، النحل 102:16، شعراء 210:26، تکویر 25:81، الحاقہ 41:69۔

حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعہ نازل ہوا۔ بقرہ 97:2، النحل 102:16، شعراء 193:26، تکویر 19:81، النجم 5:53۔

حضور ﷺ نے قرآن میں ملاوٹ نہیں کی۔ النجم 3:53، الحاقہ 44:69، شوریٰ 24:42۔

آپ ﷺ کے دل پر نزول وحی ہوا۔ بقرہ 97:2، شعراء 194:26۔

قرآن مجید پہلے لوح محفوظ میں تھا۔ البروج 22:85۔

یہ کلام اللہ ہے۔توبہ 6:9۔

قرآن مجید مع عربی الفاظ کے وحی الٰہی ہے۔

یوسف 2:12، النحل 103:16، شعراء 195:26 طٰہٰ 113:20، زمر 28:39، حم السجدہ 3:41، شوریٰ 7:42، زخرف 3:43۔

قرآن معجزہ ہے

کیونکہ انسان اس کی نظیر لانے سے قاصر رہے۔

وجوہ اعجاز

1۔ نظم کلام اور اسلوب ادا ان تمام اسالیب سے الگ ہے جو عرب میں کلام نثر کیلئے مقرر تھے۔(معتزلہ)

2۔ فصاحت وبلاغت (اشاعرہ)

3۔ ایک نبی امی کی زبان سے ادا ہونا معجزہ ہے۔

4۔ واقعات گذشتہ کا بیان اور پیش گوئیاں۔

5۔ شروع سے آخر تک ایک ہی اسلوب میں بغیر نشیب وفراز کے ہونا۔

6۔ اس کے احکام وتعلیمات معجزہ میں کیونکہ وہ معتدل اور حکمت سے پر ہیں۔

7۔ قرآن دلوں کے بھید ظاہر کر دیتا ہے وہ جن تک کسی کی رسائی نہیں۔

8۔ عدم اختلاف وتناقض۔

ان سب کا نچوڑ عباراتنا شتی و حُسنك واحد

(ہمارے الفاظ مختلف ہیں اگرچہ تیرا حسن ایک ہی ہے۔)

اہل کتاب کا نظریہ الہام

اہل کتاب کا اپنا ایک مذہبی پس منظر ہے، جس کے تحت وہ قرآن کو بائبل سمجھ کر اس پر اعتراض کرتے تھے اور کرتے ہیں۔اہل کتاب کے نظریہ وحی کے مطابق متعلقہ ملہم کو وحی باہر سے نہیں آتی بلکہ ذہن کے اندر سے خیالات پھوٹتے ہیں۔جن کو ملہم اپنے الفاظ میں بیان کر دیتا ہے۔اس داخلی تحریک کو ملہم کے الفاظ میں بیان کرنے کو ہم مسلمانوں کی اصطلاح میں روایت بالمعنیٰ اور خبر دینے کا اسلوب کہہ سکتے ہیں۔اس بنا پر اہل کتاب اپنی کتب مقدسہ میں انسانی اور الٰہی دونوں عناصر کا پایا جانا تسلیم کرتے ہیں۔داخلی تحریک کو وہ الہام یا

انسپائریشن (Inspiration) کہتے ہیں۔الہام کے بارے میں عیسائی علماء کی رائے یہ ہے۔

1۔ الہام کیا ہے؟ اگر تم مجھ سے نہ پوچھو تو میں جانتا ہوں ......کوئی ایسی چیز جس کے اندر خدا پھونکتا ہے اور یہ لفظ ہر درجہ کی الٰہی تاثیر پر عائد ہوتا ہے۔قدیم زمانہ کے مقدس لوگ روح القدس کی تحریک سے بولتے تھے۔(2۔پطرس 21:11،بحوالہ بائبل کا الہام ص 99-100-101 ڈاکٹر پیٹرسن سمائتھ)

2۔ پاک نوشتوں کے مصنف یہ یقین رکھتے تھے کہ ان کو ایک خاص قسم کا الہام ہوتا ہے اور خدا کی طرف سے ایک معجزانہ قوت بخشی گئی ہے۔(ایضاً ص 112)

3۔ مکاشفہ اور الہام کے عنوان کے تحت مذکورہ عالم لکھتے ہیں ''مکاشفہ بطور ایک دوربین کے ہے، جس سے ہم ایسی چیزیں دیکھ سکتے ہیں جو آنکھ سے نظر نہ آسکتیں......یقیناً سارا بائبل الٰہی مکاشفہ نہیں ہے۔(ایضاً ص:102-103)

4۔ خدا کے طریق و تعلیم وحی کے بارے میں مذکورہ عالم کہتے ہیں ''تواریخ، مکالمات اور اشعار اور ناٹکوں (ڈراموں) کے ذریعے خدا اپنا مکاشفہ عطا کرتا ہے۔(ایضاً ص:145)

5۔ مذکورہ عالم لکھتے ہیں کہ بائبل ہمیں کسی مقام پر بھی یہ نہیں بتاتی کہ الہام کی تعریف کیا ہے۔

(ایضاً ص:61)

جب کہ قرآن مجید نے ہمیں بتایا کہ وحی کلام خدا ہے جو ان ذرائع سے نبی علیہ السلام پر نازل ہوتا ہے جن کا ذکر اوپر گزرا۔

6۔ مذکورہ عالم یہ بھی لکھتا ہے ''انسانی عنصر بائبل میں لوگوں کے خیال کی نسبت کہیں زیادہ پایا جاتا ہے اور اس کے مصنفوں کو اپنے قواء کے استعمال میں بہت زیادہ آزادی رہی ہے۔'' (ص:129)

ہم الٰہی اور انسانی عنصر کے درمیان ایک خط فاصل نہیں کھینچ سکتے۔ہم اس کے کسی حصہ کی نسبت نہیں کہہ سکتے کہ یہ انسانی ہے، وہ الٰہی ہے۔'' (ایضاً ص:130)

جبکہ قرآن کی نسبت مسلمانوں کا دعویٰ ہے (حقیقت بھی یہی ہے) کہ وہ تمام کا تمام کلام خدا ہے اور اس میں انسانی عنصر صفر ہے۔

7۔ پادری فانڈر اپنی کتاب میزان الحق میں لکھتا ہے ''کتب مقدسہ میں انسانی و الٰہی دونوں اجزاء پائے جاتے ہیں۔(دوسرا حصہ باب نمبر 1 کا آخر ص:164)

بائبل میں چند تعلیمات ایسی بھی موجود ہیں جو ہماری محدود عقل میں نہیں آسکتیں لہٰذا بعض لوگ

اس وہم میں پڑ جاتے ہیں کہ یہ خلاف عقل ہیں۔ (ایضاً ص:164-165)

8۔ مقدس نوشتوں کے مصنفوں کو لاغلط (معصوم) ماننا غلط فہمی ہے۔

(ڈاکٹر ڈاڈز، تحقیق بائبل ص:100، ترجمہ پادری طالب الدین)

الہام اور شے ہے اور لاغلط (غلطی سے پاک) ہونا شے دیگر ہے۔ (ایضاً ص:101)

اہل کتاب خصوصاً عیسائی الہام کو داخلی تحریک کا بتاتے ہیں جبکہ ایسے الہام کے بارے میں بائبل کا فیصلہ یہ ہے کہ سچے اور جھوٹے نبی کے کلام میں فرق یہی ہے کہ جھوٹا نبی اپنے دل کا الہام بیان کرتا ہے اور سچا نبی خداوند کے منہ کی باتوں کا۔ (قاموس الکتاب، ص:797 بحوالہ یرمیاہ:23:16 تا 28)

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو قاموس الکتاب ص 77-78 زیر لفظ الہام۔

مندرجہ بالا اصول کے پیش نظر اگر بائبل کو مسلمانوں کے معیار پر پرکھا جائے تو یہ زیادہ سے زیادہ ضعیف بلکہ موضوع روایات کے ہم پلہ ٹھہرتی ہے۔

یہ ہے وہ پس منظر جس کے زیر اثر اہل کتاب قرآن مجید پر اعتراض کرتے ہیں۔ وہ جس طرح بائبل میں انسانی خیالات کی آمیزش کا عقیدہ رکھتے ہیں ویسا ہی قرآن مجید کو خیال کر کے اس پر جھوٹے الزام لگاتے ہیں۔ اگرچہ عیسائی حضرات الہام کو داخلی تحریک کہتے ہیں مگر عیسائیت کا اصل بانی پال یہ نظریہ رکھتا تھا کہ وحی فرشتوں کی معرفت آتی ہے اور تورات وغیرہ فرشتوں کی معرفت نازل ہوئیں۔

ملاحظہ ہو اعمال 53:7، عبرانیوں 2:2 اور گلتیوں 19:3۔

پال یہ بھی اقرار کرتا ہے کہ وحی لفظی ہوتی ہے۔ وہ لکھتا ہے: ''تا کہ ان باتوں کو جانیں جو خدا نے ہمیں عنایت کی ہیں اور ہم ان باتوں کو ان الفاظ میں نہیں بیان کرتے، جو انسانی حکمت نے ہم کو سکھائے ہوں، بلکہ ان الفاظ میں جو روح نے سکھائے ہیں۔'' (1۔ کرنتھیوں 13:2)

کیتھولک ترجمہ میں تو صاف طور پر لفظ وحی استعمال ہوا یعنی سموئیل پر وحی نازل کر کے کہا۔ (1۔ سموئیل 15:9)

چونکہ قرآن مجید بھی اسی طرح نازل ہوا لہٰذا مسلم نظریہ وحی پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔

❁❁❁

کاتھولک کلیسا کی بحثی تعلیم

(پہلا حصہ)

(الحشر 14:59)

کاتھولک کلیسا کی بحثی تعلیم کی دوحصوں پر مشتمل کتاب آرفن پریس لاہور سے شائع ہوئی۔ میرے پاس بشپ آف لاہور کی دستخط شدہ کاپی ہے، جس پر 16 جولائی 1912ء کی تاریخ لکھی ہے۔ اس میں پروٹسٹنٹ فرقہ کے مقابلہ میں کاتھولک دلائل اور دوسرے بہت سے مسائل کا جائزہ لیا گیا ہے۔ آج کل کے مسیحی حضرات لفظ عیسائی کو ناپسند کرتے ہیں، مگر 1912ء تک یہ لفظ بہت اعلیٰ خطاب سمجھا جاتا تھا۔ اس کتاب سے حاصل مطالعہ پیش خدمت ہے:

1۔ لفظ عیسائی بہت اعلیٰ خطاب ہے (ص:5)۔ پوری کتاب میں مصنف نے یہی لفظ واحد اور جمع کی شکل میں استعمال کیا ہے۔

2۔ عیسائی مذہب میں زاید از عقل بھیدوں پر ایمان لایا جاتا ہے۔ (ص:5)

3۔ پہلی صدی میں قرنتس اور نکولس وغیرہ مسیح کی الوہیت کے منکر تھے۔ (ص:15)

4۔ آریوس اور اس کے پیروکار تین صدیوں تک (4ء سے 7ء) مسیح کو محض ایک انسان مانتے اور آپ کی الوہیت کے منکر تھے۔ چوتھی صدی میں قسطنطیہ کے پیٹرآرچ نے روح القدس کی الوہیت کا انکار کیا۔ (ص:17)

پانچویں صدی میں پیلاگیوس اور اس کے پیروکاروں نے موروثی گناہ اور فضل کی ضرورت سے انکار کیا۔ اسی صدی میں قسطنطیہ کے پیٹرآرچ (بڑے پادری) نیستوریوس نے یسوع میں الٰہی اور انسانی ذاتوں کے میل کا انکار کیا۔ (ص:17) اور مریم کے خدا کی ماں ہونے کا انکار کیا۔ (ص:17)

5۔ آٹھویں صدی میں اکونوکلستون نے مسیح اور سانتوں (Saints) کی تصویروں کی تعظیم کو بت پرستی قرار دیا۔ بارھویں صدی میں بیرنگریوس نے مسیح کی حقیقی موجودگی اور روٹی و مے کے تبدیل سے انکار کیا۔ (ص:18) اب بھی پروٹسٹنٹ پادری بہت سے ملکوں مسیح کی الوہیت کا علانیہ انکار کرتے

ہیں۔(ص:67)

6۔ جھوٹے نبی، گمراہ کرنے والی روحوں، بیگانی تعلیم دینے والوں سے مراد عیسائی فرقے خصوصاً پروٹسٹنٹ مراد ہیں جن کے بارے میں متی 11:24 ،طمطاؤس نمبر1 ،1:4 ،قرنثیوں نمبر1 ، 8:13-9 ،پطرس نمبر2 ، 1:2 تا3 ،یوحنا نمبر1 ، 18:2-19 ، یوحنا نمبر2 ،7:1 ،لوقا 1:17 ،ٹھوکر کھلانے والی چیزوں اور جھوٹ موٹ علم سے مراد ان فرقوں کا علم ہے۔(ص 20 تا23)

تبصرہ از مولف

خداوند کی مانند کوئی نہیں۔(خروج 10:8)

خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔(استثنا 4:6)

لہٰذا تثلیث وغیرہ عقائدہ کفریہ ہیں کیونکہ عہد نامہ قدیم اور قرآن دونوں نے ان عقائد کا ذکر تک نہیں کیا۔(ص 24)

چونکہ خداوند کی سچائی تا ابد قائم رہتی ہے۔(زبور:2:177)

یہ استدلال میرا ہے۔

8۔ پروٹسٹنٹوں کا مذہب ہر ملک میں الگ الگ اور مختلف ہے۔(ص:24-25)

یہ مذہب نہیں فرقوں کا مجمع ہے۔

9۔ لوتھر مرتد کاہن تھا۔(ص:28) لہٰذا وہ دینی سربراہ نہیں بن سکتا تھا کیونکہ یہ منصب صرف خدا دیتا ہے۔(عبرانیوں 1:5 تا5)

وہ خود کہتا ہے کہ میرا مذہب نیا ہے۔(ص:28)

وہ خود لکھتا ہے کہ میرا ضمیر مجھ کو ملامت کرتا ہے کہ کیا تو ہی سب لوگوں سے زیادہ عقل مند ہے اور تمام عیسائی اتنے برسوں (ڈیڑھ ہزار سال) سے گمراہی میں ہیں؟(ص:29)

پروٹسٹنٹوں نے لوگوں کو اپنا پیروکار بنانے کے لیے بدکاری اور زبردستی سے کام لیا۔(ص:29)

اس کے رسول لوتھر اور زونگلی کی مانند مرتد کاہن اور نفس پرست زاہد تھے۔(30)

لوگ عیش وعشرت کے لیے پروٹسٹنٹ بنے ہیں۔(کالون کا قول،ص:31)

وہ لکھتا ہے کہ تمام پروٹسٹنٹ جھوٹ بولنے والے بدکار، دغاباز اور دھوکے باز ہیں اور یہی حال اس

کے دینی رہنماؤں کا ہے۔(ص:31)

10۔ لوتھر نے غریبی، پاک دامنی اور اطاعت کی منت مانی تھی جس کو ماننا اس پر فرض تھا جیسا کہ گنتی (2-1:30) میں لکھا ہے۔اس نے ان منتوں کو توڑ ڈالا اور ایمان ترک کر دیا۔(ص:33)

11۔ لوتھر نے کیتھولک کلیسیا اس وجہ سے چھوڑا کہ پوپ نے معافی نامے بیچنے کا ٹھیکہ ڈامینیقس کے مذہبی فرقہ کو دے دیا اور اس فرقہ کو نہیں دیا جس میں لوتھر شامل تھا۔(ص:34)

12۔ جب لوتھر کی تعلیم سے تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا تو اس نے بہانہ کیا کہ میں صرف پاک نوشتوں اور سانت مورخوں کے موافق تعلیم دیتا ہوں اور یہ لکھ کر دیا، اس تنازعہ میں پوپ کے فیصلہ کو ایسا مانوں گا گویا کہ خود یسوع مسیح کے منہ سے وہ فیصلہ ہوا ہے مگر اس فیصلہ کی پابندی سے انکار کیا۔(ص:36)

حالانکہ کلیسا کی نافرمانی بت پرستی کے برابر ہے۔(متی 17:18) لوتھر پر آپ کیا حکم لگائیں گے؟

13۔ لوتھر خود لکھتا ہے کہ جب سے میں اصلاح کرنے والا بنا تب سے میں شرمناک خواہشوں میں پڑ گیا۔(ص:38)

وہ اپنی نسبت لکھتا ہے کہ مجھے شیطان نے الہام کیا۔(ص:40)

لوتھر اپنی نجات سے مایوس تھا اور اس کی بیوی نے جب اس کو دوبارہ کاتھولک مذہب اختیار کرنے کا مشورہ دیا تو لوتھر نے کہا اب زیادہ دیر ہوگئی ہے اور شاید ممکن نہیں اور وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور چلا گیا یہ اس کی موت سے چند ماہ پہلے کی بات ہے۔(ص:40-41 لائف آف لوتھر کا حوالہ)

دوسرے پروٹسٹنٹ اس کے بارے میں کہتے تھے کہ وہ مغرور اور متکبر ہے، شیطان نے اس کو بہکایا ہے، اس پر شہوت نے قابو پا رکھا ہے، اس کی تمام تصانیف شیطانی تحریک سے لکھی گئی ہیں۔کالون کہتا تھا کہ لوتھر کی کلیسیا سؤر خانہ ہے۔(ص:41-42)

14۔ کالون بہت بدکار اور خلاف وضع فطری گناہوں میں مجرم تھا۔اس کو زندہ جلائے جانے کا فتویٰ تھا مگر بشپ کی التجا سے اس کی پشت پر داغا گیا۔(ص:43)

اس نے جنیوا میں مردہ زندہ کرنے کا ڈرامہ کرنے کی منصوبہ بندی کی مگر ناکام ہو کر بھاگ گیا۔

(دوسرا حصہ ص:38)

15۔ کالون تقدیر پر یہ تعلیم دیتا تھا کہ خدا نے بعض کی قسمت میں نجات اور بعض کی قسمت میں جہنم لکھ دی ہے۔آدمی چاہے نیکی کرے یا گناہ کرے اس کی قسمت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔(ص:44)

اس نے مائیکل سرویٹس کو جلایا اور وہ اپنے مخالفوں کو زندہ جلانے کا فتویٰ دیتا تھا۔ (ص:46)

وہ لوتھر کو آدھا پاپسٹ کہتا تھا اور نئی کلیسا ایجاد کرنے کا قائل تھا۔ (ص:46-47)

وہ شرمناک اور مکروہ بیماری میں مبتلا ہوا جس سے خدا باغی اور ملعونوں کو سزا دیا کرتا ہے۔ جرمنی میں تو پیروکار کہتے ہیں کہ خدا نے اپنا انصاف کالون پر ظاہر کیا جس نے اس کو موت سے پہلے خوفناک سزا دی۔ وہ نجات پانے سے مایوس ہو کر شیطان کا نام لیتا ہوا، قسم کھاتا، کفر بکتا ہوا، اس دنیا سے کوچ کر گیا۔ (ص:49)

16۔ کنٹربری کا پہلا بشپ قرانمر (کریمر) تمام ناجائز کاموں اور قتلوں میں ہنری ہشتم کا بڑا اصلاح کار تھا۔ اس نے جھوٹا حلف اٹھایا اور وہ شریر کاہن تھا۔ اس نے متواتر طلاق نامے ہنری ہشتم کے حق میں دیئے۔ وہ ظالم تھا اس نے بہت سے لوگوں کو مذہب تبدیل نہ کرنے کے جرم میں جلوایا۔ خود اس کو ملکہ میری سے بغاوت کے جرم میں زندہ جلا دیا گیا۔ (ص:53-54)

17۔ خدا نے ہمیشہ موسیٰ علیہ السلام اور دیگر نبیوں اور رسولوں کی مانند پاک شخصوں کو اپنے الہام کا خادم الدین ہونے کے لیے منتخب کیا ہے۔ مگر لوتھر اور دوسرے بانیان اصلاح مرد خدا نہ تھے۔ (ص:55-56)

لوتھر جائز طور پر مقرر شدہ شخص کا جانشین نہ تھا۔ وہ اپنے نئے مذہب کا پہلا تعلیم دینے والا تھا اور اس لئے کوئی رسولی اختیار نہ رکھتا تھا۔ (ص:57)

18۔ سچے ہونے کی نشانی معجزہ ہے۔ لوتھر بھی اس معیار کو مانتا ہے۔ (ص:58)

مگر اس نے کوئی معجزہ نہیں دکھایا۔ (دوسرا حصہ ص 47)

معجزے پاکیزگی کے ثبوت اور شہادت ہیں۔ (ص:39 دوسرا حصہ)

مسیح نے کہا کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ کابٹ سمیت تمام مورخ متفق ہیں کہ اس فرقہ سے پہلے گناہ اور بدیاں اس قدر بے شمار نہ تھے۔ (ص:60-61)

اصلاح شروع کرنے کے آٹھ سال بعد لوتھر نے لکھا کہ ہر شخص جو اس اصلاح میں شریک ہوا وہ پہلے کی نسبت زیادہ خراب ہو گیا ہے اور دوسرے شخصوں کا مال لوٹنے، جھوٹ بولنے، دھوکہ دینے، شراب خوری اور ہر قسم کی بدی کرنے لگا ہے۔ اب تک اس نئے مذہب نے دنیا میں بدچلنی اور بدی زیادہ کرنے کے سوا اور کچھ نہیں کیا۔ (ص:62)

یہ لوگ اپنے عقیدے لگاتار تبدیل کرتے رہتے ہیں۔ (ص:67)

عام دعا کی کتاب جنوری 1549ء روح القدس کی مدد کے دعویٰ کے ساتھ شائع کی گئی۔ دو سال بعد منسوخ کر دی گئی۔ (ص:69)

اس کلیسیا کا باقی رہنا پارلیمنٹ کے قانون کے تابع ہے جو منسوخ بھی ہو سکتا ہے۔ (ص:71)

19۔ جو کاتھولک پروٹسٹنٹ ہو جائے وہ مرتد کہلاتا ہے۔ (ص:73) پھر اس کے دلائل بھی دیئے۔

20۔ جو کوئی بائبل سوسائٹی کو چندہ دینا شروع کر دے وہ نیک آدمی کہلاتا ہے۔ (ص:75-76)

اس میں اور معافی نامہ میں کیا فرق ہے؟ لوگ کاتھولک مذہب کو چھوڑ کر پروٹسٹنٹ صرف غرور ،حکومت کی خواہش ،شہرت ، جہالت ،فائدہ ،ترقی کی خواہش ،معاش کے لیے بنتے ہیں۔ (ص:77)

(دوسرا حصہ)

1۔ خدا کا الہام انسانی سمجھ سے باہر ہو سکتا ہے۔ (ص:1)

ایمان کا صادق قاعدہ کلام خدا ہے خواہ وہ تحریری ہو یا غیر تحریری (ص:2)

انسان کی عقل محدود ہے اس لیے وہ خدا تعالیٰ کی لا انتہاء عقل اور قدرت کو نہیں سمجھ سکتی۔ (ص:4)

2۔ جبکہ ہارون کاہن اور یشوع کو سپہ سالار مقرر کیا گیا تھا اس وقت تک پاک نوشتوں کا ایک لفظ بھی نہیں لکھا گیا تھا۔ پرانے عہد نامہ کی دوسری کتابیں جیسے کہ ہر شخص جانتا ہے بہت صدیوں بعد داؤد، سلیمان وغیرہ اور نبیوں سے لکھی گئیں اور رہا نیا عہد نامہ، اس کی بابت یہ ہے کہ یسوع مسیح نے زبانی تعلیم دی۔ کلیسیا نے دوبارہ مجلسیں قائم کیں۔ اس وقت تک انجیل کا ایک لفظ بھی نہیں لکھا گیا تھا۔ سانت یوحنا کی انجیل پہلی صدی کے آخر میں لکھی گئی اور پال کے رومیوں کے نام خط کے چالیس سال بعد۔

ابتدائی کلیسا کے عیسائیوں کے لیے پاک نوشتہ تحریر نہیں کیا گیا تھا۔ (ص:5-6)

پرانا عہد نامہ یسوع کے زمانہ تک سریانی زبان میں ترجمہ نہیں کیا گیا تھا اگرچہ عبرانی کا استعمال ان لوگوں کے درمیان نہیں رہا۔ (ص:7)

مصر اور یہودیہ میں پرانا عہد نامہ عام لوگوں کو نہیں دیا گیا تھا بلکہ معلم لوگ سمجھایا کرتے تھے۔ اس حقیقت کی شہادت خود یسوع نے یہ کہہ کر دی کہ فقیہہ اور فریسی موسیٰ کی گدی پر بیٹھے ہیں، اس

لئے جو وہ تم سے کہیں مانو اور عمل میں لاؤ۔ (متی 23:2-3)(ص:8)

پاک نوشتہ نہ تو کبھی ہی صرف قاعدہ ایمان ہوا ہے نہ ہے۔ (ص:9)

تمام کتابیں یسوع کے بعد لکھی گئیں۔ (ص:59)

لوتھر اقرار کرتا ہے کہ بائبل رومی کلیسیا سے ملی ہے۔ (ص:61)

3۔ کتاب مقدس خود ثابت نہیں کر سکتی کہ جو کچھ اس میں درج ہے خدا کا کلام ہے۔

(ص:10، 64-65-66)

پروٹسٹنٹ لوگ پاک نوشتہ میں سے مفید مطلب، آیتیں ادھر ادھر سے چن کر پیوندوں کا ایک تھان بنا کر اس کو مسیح کا مذہب کہتے ہیں۔ (ص:14)

پاک نوشتوں میں کئی ایک باتیں ہیں جن کا سمجھنا مشکل ہے اور وہ جو جاہل اور بے قیام ہیں ان کے معنے کو اپنی ہلاکت کے لیے پھیرتے ہیں۔ (پطرس نمبر 2، 16:3 (ص:14)

شخصی بیان کے موافق سمجھا ہوا پاک نوشتہ قاعدہ ایمان نہیں ہو سکتا۔ (ص:15)

لوتھر، کالون، برطانیہ اور جرمنی کے پروٹسٹنٹ فرقوں کے اختلافات ص:66-67 پر لکھے ہیں۔

4۔ یسوع مسیح علیہ السلام نے نہ تو کتاب مقدس کا ایک حرف لکھا نہ رسولوں کو کتاب مقدس لکھنے کا حکم دیا بلکہ یہ فرمایا کہ عام دنیا میں جا کے ہر مخلوق کو انجیل کی منادی کرو۔ (مرقس 15:16، ص:16)

رسولوں نے نہ مدرسے قائم کئے نہ پاک نوشتوں کا ترجمہ عوامی زبان میں کیا۔ پولوس نے اپنے خط صرف یونانی زبان میں روم والوں کو لکھے جب کو صرف پڑھے لکھے لوگ ہی سمجھ سکتے تھے۔

(ص:16-17)

ابراہیم واسحاق سے موسیٰ کے زمانہ تک 2500 برس تک کوئی تحریری الہام نہیں تھا۔ (ص:17)

بابل کی اسیری کے بعد پاک نوشتہ عبرانی زبان سے رائج الوقت زبان میں ترجمہ نہیں کیا گیا اگرچہ یہودی لوگ عبرانی زبان بالکل بھول گئے تھے۔ (ص:17)

عیسائی مذہب کے پہلے چار سو برس کے درمیان بت پرستوں کے ظلم کے باعث پاک نوشتہ کی جلدیں کم تھیں، کچھ کتابیں ایک گرجا میں رکھی ہوتی تھیں کچھ دوسرے میں۔ چھاپہ خانہ کی ایجاد تک بہت کم لوگوں کے پاس کتاب مقدس تھی کیونکہ اس کی قیمت بہت زیادہ ہوتی تھی۔ (ص:17-18، ص:81-82)

5۔ بہت سی سچائیاں جو نجات کے لیے ضروری ہیں، کتاب مقدس میں صریحاً درج نہیں ہیں مثلاً

کتاب مقدس میں کس جگہ لکھا ہے کہ موسیٰ کی شریعت کی مذہبی رسومات منسوخ کی گئی ہیں اور آئندہ ان کو نہیں ماننا چاہیے۔ ہم کتاب مقدس میں کسی جگہ پڑھتے ہیں کہ بجائے سینچر کے اتوار کا دن پاک ماننا چاہیے۔ کتاب مقدس میں کس جگہ درج ہے کہ خون اور گلا گھونٹے ہوئے حیوانوں سے پرہیز کا حکم منسوخ ہو گیا ہے۔ ہم کتاب مقدس میں کہاں پڑھتے ہیں کہ بچوں کو بپتسمہ دینا چاہیے اگرچہ وہ ایمان نہیں لا سکے۔ مسیح نے کہا ''جو ایمان لاتا ہے اور بپتسمہ پاتا ہے نجات پاوے گا۔ (مرقس:16:16)

کس نے ان کو بتایا کہ یروشلم کی اس مجلس کا یہ صریح قانون کہ تم لہو اور گلا گھونٹی ہوئی چیزوں سے پرہیز کرو۔ (اعمال 29:15) آج کل نہیں ماننا چاہیے، کس نے ان کو بتایا کہ پاک نوشتوں کی مختلف کتابیں کلام خدا ہیں۔ کس نے ان کو بتایا کہ برخلاف مسیح کے ان الفاظ کے (اگر تم ابن آدم کا گوشت نہ کھاؤ اور اس کا لہو نہ پیؤ تو تم میں زندگی نہیں)۔ (یوحنا 54:6) بچوں کو یوکرائسٹ (عشائے ربانی) نہیں دینا چاہیے۔ (ص:97)

6۔ پروٹسٹنٹوں کے ہاں پادری ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ ہر آدمی کتاب مقدس کو پڑھ کے سمجھ نہیں سکتا۔ (ص:20)

اگر ہر آدمی کو کتاب کی شرح کا اختیار ہے تو آپ دوسرے فرقوں پر تنقید کیوں کرتے ہیں؟ (21)

اگر کتاب ہی قاعدہ ایمان ہے تو چرچ آف انگلینڈ 39 قوانین پر دستخط کیوں کراتا ہے اور مسائل کی گمراہیوں کی بنا پر لوگوں کو اپنی شراکت سے خارج کیوں کرتا ہے۔ (ص:20-21)

لوتھر کے ماننے والے اوکس برگ کا اقرار کیوں مانتے ہیں اور ہر گروہ اپنے بانی کو کیوں مانتا ہے؟ (ص21)

7۔ نئے عہد نامہ کے مطابق یسوع نے بارہ رسولوں کو اپنی کلیسیا قائم کرنے کے لیے اور اس پر سرداری کے لیے چنا۔ (یوحنا 7:6، مرقس 14:3، اعمال 26:1) پولس کیسے ان چنے ہوؤں میں شامل ہو گیا جبکہ اعمال 26:1 کے مطابق تعداد صرف 12 تک محدود رہنا تھی۔ (ص 30)

8۔ آپ لوگ کہتے ہیں کہ ہر الہامی سچائی کا ماننا ضروری نہیں۔ اس لیے آپ کے بھی بہت سے فرقے ہیں۔ کیا کسی الہامی سچائی کو رد کرنا خدا کو جھوٹا بنانا نہیں؟ (ص 33)

کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ کون کون سے بنیادی اصول ماننے کے لیے ضروری ہیں۔ (33)

9۔ لوتھر کہتا ہے جتنا ہم زیادہ گناہ کرتے ہیں اتنا ہی زیادہ ہم خدا کا فضل حاصل کرتے ہیں۔(36)
نجات کے لیے نیک اعمال ضروری نہیں۔(ص36)

تبصرہ از مولف: لوتھر کے اقوال میں یہ بھی ہے کہ ایک دن میں ہزار دفعہ حرام کاری اور خون کر مگر ایمان رکھو تمہارے لئے ایسی نجات یقینی ہے کہ جس طرح مسیح کے لیے مرات الصدق ص 33 مطبوعہ 1851ء مسٹر وارڈ اپنی کتاب اغلاط نامہ مطبوعہ 1841ءمیں لکھتے ہیں کہ لوتھر کہتا تھا: ''حرام وحلال کی قید سے آزاد ہو جاؤ، حرام کاری کرو، خون کرو، جس قسم کی چاہے بدکاری کرو اور خوب دلیری سے کرو اور دن میں سو بار کرو، مگر صرف مسیح میں ایمان رکھو، تمہاری نجات ویسی ہی یقینی ہے، جیسا کہ مسیح کی۔ (اغلاط نامہ بحوالہ تفسیر حقانی جلد نمبر1، ص:156، جلد نمبر7، ص:110)

10۔ Protestants کس بنا پر نئے اور پرانے عہد نامہ کی کتابوں کو کلام خدا کہتے ہیں، کیونکہ 11 کتابوں کا نئے عہد نامہ میں ذکر تک نہیں۔ اس کے علاوہ اپوکرفہ کے حوالے نئے عہد نامہ میں کئی جگہ ملتے ہیں۔ (دیکھو کیتھولک بائبل کے حاشیئے) تو اپوکرفہ کس بنا پر غیر مستند ٹھہرایا۔ لوتھر نے عبرانیوں، یعقوب، یہوداہ، پطرس کے دوسرے خط، یوحنا کے دوسرے خط، یوحنا کے دوسرے اور تیسرے خط کو، مکاشفہ کو اوران کے علاوہ پرانے عہد نامہ کی چھ کتابوں کو الہامی کتب کی فہرست سے خارج کر دیا، مگر کالون نے نئے عہد نامہ کی مسترد شدہ کتابیں قبول کر لیں۔ انہوں نے یہ کس اختیار سے کیا۔ سڑاس برگ میں 1598ء میں Protestants نے نئے عہد نامہ کی پانچ کتابیں خارج کر دیں، مگر 74 برس بعد 1672ء میں پھر ان کو شامل کر لیا۔ اس کی کیا دلیل ہے۔

(ص:70 تا 72)

11۔ ہر Protestant پر لازم ہے کہ وہ عبرانی، یونانی، لاطینی زبانوں سے کامل واقف ہو، کیونکہ ان کے مذہب کا بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ ''کلام خدا اور انسانوں کے درمیان کوئی درمیانی اختیار یا مداخلت نہیں ہونی چاہیے۔'' مگر عام لوگ کیا ان کے پادری بھی ترجمے ہی پڑھتے ہیں، جبکہ ترجمہ ایک خطا پذیر انسان کی مداخلت ہے۔ اس طرح ان کا ایمان ایک مشکوک شہادت یعنی مترجم کی شہادت پر مبنی ہوتا ہے۔ (ص:73)

ایک فقرے کا دوسو طرح سے ترجمہ کیا اور شرح کی۔ (ص:77)

13۔ اقرار تحریف

یہودیوں نے پرانے عہد نامہ کی اصلی عبارت کو اس غرض سے بگاڑ دیا ہے کہ مسیح کی بابت نبیوں کی پیش گوئی کمزور ہو مثلاً زبور 17:21، نئے عہد نامہ اور لوتھر کی تحریف، زونگلیس کی تحریف وغیرہ کا اقرار (74تا76)Protestant ترجمے نامکمل اور غلط ہیں۔ (ص:85)

14۔ متشابہات

لوتھر کہتا ہے کہ پاک نوشتے کے معنوں کو بخوبی سمجھنا بالکل ناممکن ہے۔ ہم ضروری معنوں کو جان سکتے ہیں مگر اصل گہراؤ کو پہچاننا انسانی عقل سے باہر ہے۔ (ص:78)

15۔ روح القدس نے متضاد تعلیم دی؟ (ص:79)

16۔ خدا کی شریعت ہمارے قدموں کیلئے چراغ اور ہماری راہ کیلئے روشنی ہونی چاہیے۔ (زبور 105:119)(ص84)
جبکہ پولوس کہتا ہے کہ یسوع نے ہمیں شریعت کی لعنت سے چھڑایا۔ (گلتیوں 13:3)

17۔ Protestant مذہب کے پیدا ہونے سے پہلے دیسی زبانوں میں 20 کیتھولک ترجمے شائع ہو چکے تھے۔ (85)

18۔ محض پاک نوشتوں کے دینے سے ہندوستانی عیسائی نہیں ہوتے، بلکہ ان پر ہنستے ہیں۔ (87)
ان بائبل دینے والوں کی بابت یسوع اپنے رسولوں کو حسب ذیل نصیحت کرتا ہے کہ پاک چیز کتوں کو مت دو اور اپنے موتی سوروں کے آگے مت پھینکو کہ وہ انہیں پامال کریں۔ (متی 6:7،ص 87)

19۔ روایت سے مراد وہ کلام خدا جو کتاب مقدس میں یا تو درج نہیں یا صاف طور سے نہیں لکھا۔ وہ متواتر روایت سے ملا ہے اور اس کو پاک نوشتہ کی ماننا لابد ہے۔ (ص:88-89)
روایت پر عمل فرض ہے۔ طمطاؤس نمبر 2، 14:3 اگر روایت جھوٹی مانی جائے تو پاک نوشتہ بھی جھوٹا ہے۔ (ص:93)

20۔ یسوع نے تین سال تبلیغ کی۔ (ص:89)

21۔ غیر قوموں کو تبلیغ یسوع نہیں پطرس کی تعلیم ہے۔ (ص:106)

22۔ خدا کسی کا طرف دار نہیں۔ (اعمال 34:10-35)

23۔ نیا عہد نامہ روم کو مجازی طور پر بابل کہتا ہے۔ (ص:112-113)

24۔ پوپ ایمان واخلاق میں بے خطا ہے۔(ص:122)
مگر پوپ تو بڑے بڑے بدکار بھی ہوئے ہیں۔(ص:126-127)
25۔ پوپ نیا عقیدہ یا اصول نہیں نکال سکتا۔(ص:123-122)
تو رسولوں کا عقیدہ صدیوں بعد کیسے ایجاد کرلیا؟(ص:123)
26۔ عقیدے 325ء میں، 431ء میں، 681ء میں بدلے گئے۔
27۔ Protestants پوپ کو دجال (125-127) انٹی کرائسٹ یا مخالف مسیح کہتے ہیں۔ جبکہ کیتھولک ان کو دجال اور مخالف مسیح کہتے ہیں۔(ص:131)
28۔ اگر پوپ دجال ہے تو یسوع کے وہ تمام وعدے جھوٹے ثابت ہوئے جو پطرس سے کئے تھے۔(ص:126)
29۔ دجال ابھی تک یعنی 1912ء تک نہیں آیا۔(ص:128)
دجال قیامت سے پہلے ساڑھے تین سال تک بااختیار ہوگا۔(ص:129)
دجال یہودی ہوگا۔(ص:130)

لوتھر کی تعلیم (ازالۃ الشکوک،ص:148-149،ج:1)

کتاب مراۃ الصدق مصنفہ پادری مریا آنجلو (انگریزی) ترجمہ پادری طامس انگلس (ص:33، 1851) لوتھر کہتا ہے کہ فقط ایمان رکھ اور بغیر روزہ کے، سخت کشی اور پرہیز کے بوجھ کے، بغیر اعتراف کی تکلیف کے اور نیک کاموں کی سختی کے یقین جانو تم بچائے جاؤ گے تمہارے واسطے نجات ایسی ہی یقینی اور بے شک ہے جیسے خود مسیح علیہ السلام کے واسطے۔ ہاں گناہ کرو اور خوب دلیری سے گناہ کرو۔ فقط ایمان رکھو اور تمہارا ایمان اگرچہ تم ایک دن میں ہزار دفعہ حرام کاری کرو یا خون کرو، صرف ایمان رکھو اور میں کہتا ہوں کہ تمہارا ایمان تم کو بچاوے گا۔

کاتھولک ہیرلڈ جلد نمبر 9 ص:277 پر لوتھر کے اقوال لکھے ہیں جن میں سے یہ ہے انسان مجبور ہے، بپتسمہ پانے والا ضرور نجات پائے گا چاہے کیسے ہی سخت گناہ کرے۔ اس کو کوئی گناہ بدیقینی کے سوا ملعون نہیں کرتا۔ پوپ کے پیرو جو یہ سکھاتے ہیں کہ ایمان کے ساتھ خدا کے احکام کی حفاظت بھی ضروری ہے تو یہ صریح حضرت مسیح علیہ السلام کا انکار اور ایمان کا مٹانا ہے۔ لوتھر کہتا تھا کہ جب مقدس کتابوں میں حکم پڑھو کہ فلاں نیک کام کرو تو سمجھ لو کہ کتابیں ان نیک کاموں کے نہ کرنے کا حکم کرتی ہیں اس لئے کہ تو ایسا نہیں کرسکتا۔

پروٹسٹنٹ کلیسا کی بحثی تعلیم

کلیسیائے روم کے چند ایک دعاوی

پروٹسٹنٹ پادری کینن ڈبلیو پی ہیرس بی اے نے قیام پاکستان سے پہلے کھرڑ ضلع انبالہ (انڈیا) سے کچھ پمفلٹ چھپوا کر گوجرہ ضلع لائل پور (موجودہ فیصل آباد) اور پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی لاہور سے شائع کرائے۔ اصل مسودہ انگریزی میں تھا جس کا ترجمہ مذکورہ سوسائٹی کے سیکرٹری ایف ڈی وارث کی بیگم صاحبہ نے کیا تھا۔ ان میں پروٹسٹنٹ عالم نے اصولی مسائل پر اپنا موقف بیان کیا اور کیتھولک کلیسیا، جس کو وہ رومی کلیسیا کے نام سے یاد کرتے ہیں، پر تنقید کی اور اپنا اختلاف بیان کیا۔ ان پمفلٹس کے کچھ چیدہ چیدہ نکات پیش خدمت ہیں۔ شروع میں پمفلٹ کا نام اور نمبر ہے۔ وہ تمام ایک کتاب کی شکل میں مجلد ہیں۔ لہٰذا کتاب کا لگاتار صفحہ نمبر بھی دے دیا گیا ہے۔

1۔ کلیسا روم کا تمام دیگر کلیسیاؤں کی ماں ہونے کا دعویٰ سراسر غلط ہے کیونکہ حواریوں کو منادی یروشلم سے شروع کرنے کا حکم تھا۔ (لوقا 24:47، ص:2)
تمام بشپوں نے کونسل منعقدہ 382ء میں یروشلم کو تمام کلیسیاؤں کی ماں کہا۔ (ص:2)
آدھی عیسائی دنیا کیتھولک دعویٰ کو رد کرتی ہے۔

2۔ پطرس کی طرف سے کلیسیا روم مقرر ہونے کا دعویٰ بے ثبوت ہے۔ (ص:3-4)

3۔ پطرس کا 25 سال تک روما کا بشپ رہنے کا دعویٰ بے بنیاد ہے۔ (ص:4-5)

4۔ پطرس وہ پتھر نہیں جس پر کلیسیا تعمیر ہوئی۔ (ص:6-7)

5۔ پطرس کمزور، متلون مزاج، صاحب استقلال نہ تھا۔ (ص:7)
مسیح علیہ السلام کی دعا اسے شدید ترین آزمائش میں گرنے سے نہ بچا سکی۔ (ص:7)
اس کو مخاطب کر کے تمام رسولوں کو حکم دیا تھا۔ (ص:7)

یسوع کے انکار کے بعد اسے صرف رسول کے مرتبہ دوبارہ بحال کیا گیا۔ (ص:8)

6۔ پال نے پطرس کو ڈانٹا۔ (گلتیوں نمبر 2، 14:11 ص:8-9)

7۔ پوپ پطرس کے جانشین نہیں۔ ان کا دعویٰ غلط ہے۔ (ص:9)

پطرس نے وصیت میں کسی ایک شخص کے سپرد کلیسیا نہ کی۔ (ص:9)

8۔ پہلا پوپ سری میئس (384ء تا 398ء) جس نے پطرس کی جانشینی کا مبہم دعویٰ کیا۔ (ص:10)

9۔ ابتدائی پوپوں کے ناموں کی چار لسٹیں ہیں۔ وہ ناموں اور ان کی ترتیب پر متفق نہیں ہیں۔ (ص:10)

10۔ خدا کی برکت، بخشش اور استحقاق بطور میراث حاصل نہیں کیے جا سکتے۔ (ص:10)

سوال: موروثی گناہ کیسے ثابت ہو گا؟

11۔ پوپ کو نہ تو خدا نے مقرر کیا نہ وہ مسیح کے قائم مقام ہیں۔ (ص:11)

پوپ زمین پر گویا خدا کی مانند ہے۔ (ص:11)

12۔ پوپ کا دعویٰ جعلی تحریرات پر قائم ہے۔ یہ فیصلے جعلی اور باطل تھے۔ (ص:12)

سوال: کیا باقی فیصلوں کا اعتبار باقی رہے گا جن میں عقائد طے کیے گئے؟

13۔ مسیح زمین پر شریعت کے ماتحت تھے، انہوں نے شریعت منسوخ کرنے کا کوئی دعویٰ نہیں کیا۔

(ص:12-13)

14۔ اگر پوپ کو اختیار مطلق حاصل تھا تو مختلف کونسلوں نے مختلف پوپوں کو برطرف کیوں کیا۔ (ص13-14)

15۔ پوپ کے معصوم ہونے کا دعویٰ بے بنیاد ہے۔ انہوں نے متناقض تعلیم دی۔ اکثر عیاش تھے۔ (ص:14-15)

پوپ کے بے خطا (معصوم) ہونے کا فیصلہ 13 جولائی 1870ء میں کیا گیا۔

16۔ کیتھولک لوگوں نے عقائد میں بعد میں اضافے کیے۔ (ص:16-17)

17۔ کنواری مریم بے عیب نہیں۔ (ص:17)

یہ عقیدہ بعد میں یعنی 1854ء میں اپنایا گیا۔ وہ نہ تو آسمان پر زندہ ہیں نہ بطور ملکہ وہاں حکومت کرتی ہیں نہ گناہ گاروں کی شفاعت کرتی ہیں۔ یہ تصوراتی داستان پانچویں صدی میں گھڑی گئی۔ (ص:17)

18۔ رومی کلیسا کے دوسرے عیسائیوں پر ظلم اور جنگ کا حال بھی بیان کیا گیا۔ (ص:18)

پوپ نے اپنے مذہب کے علاوہ کسی دوسرے مذہب کو اختیار کرنے اور اس کے مطابق عبادت کرنے سے روکنے کا سرکلر 1888ء میں حکومتوں کو جاری کیا۔ (ص:19)

سوال: اب کس منہ سے عیسائی آزادی تبلیغ کا حق مانگتے ہیں؟

19۔ حکومت کی تابعداری لازم ہے۔ (ص:19)

20۔ کیتھولک کا Protestant سے نکاح اگر کیتھولک پادری نہ پڑھائے تو نکاح ناجائز، گناہ کبیرہ اولاد ناجائز ہوگی۔ (ص:20)

21۔ اگر کیتھولک کسی غیر کیتھولک عیسائی کو قتل کردے تو وہ ہرگز قاتل نہ کہلائے گا۔ (ص:21)

22۔ اعراف میں روحوں کے سزا پانے کا ثبوت کتب مقدسہ میں نہیں۔ (ص:22) لہٰذا تمام غیر کیتھولک عیسائی رومی اعراف کے منکر ہیں۔ (ص:22)

23۔ کیتھولک عقیدہ: بعض مقدسین نے زائد الفرض نیکیاں کرکے خدا کو قرض دار بنالیا اور زائد الفرض اعمال کے ثواب کو اعراف کی (یعنی عذاب میں مبتلا) روحوں کے فائدہ کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ جبکہ مسیح کی تعلیم نکمے نوکر کہنے کی ہے۔ (ص:23 بحوالہ لوقا 10:17)

ایصال ثواب کا خزانہ 13 ویں صدی کی ایجاد ہے۔ (ص:23)

مردوں پر اختیار صرف خدا کو ہے۔ رسولوں کو بھی اختیار نہیں۔ (ص:23-24)

پطرس رسول کی فضیلت اور اختیارات

پمفلٹ نمبر 2 (کتاب کا ص:13)

1۔ پطرس کو بڑے عیسائی علماء کلیسا کا پتھر نہیں مانتے۔ (ص:2)

پطرس کو رسولوں کا نمائندہ ہونے کی وجہ سے کلیسیا کا پتھر کہا گیا اور بہت تھوڑی مدت بعد یہ بات رسولوں سے کہی گئی۔ (متی 18:18، ص:4)

2۔ مکاشفہ پطرس کی وفات کے مدت بعد لکھا گیا۔ (ص:4)

3۔ کھولنے اور باندھنے سے مراد شریعت کا امر و نہی ہے۔ (ص:5)

یہ یہودی نشان ہے۔ وہ یہودی فقیہہ کو استاد بناتے وقت کنجی دیا کرتے تھے۔ (ص:5)

4۔ مسیح کی دعا بھی پطرس کو زبردست افتادگی سے بچا نہ سکی۔ (ص:7)

5۔ مسیح کی موجودگی میں رسولوں نے آخری عشاء کے وقت جھگڑا کرنا شروع کردیا کہ ہم میں سے بڑا کون ہے۔ (لوقا 24:22، ص:9، ص:12-13)

جب یعقوب اور یوحنا نے دائیں بائیں بیٹھنے کے لیے منت کی تو یسوع نے کہا کہ یہ میرا کام نہیں بلکہ صرف باپ کا اختیار ہے۔ (ص:9-10)

سوال: اگر دو خاص آدمیوں کو شاگردوں کے حق میں یسوع کے پاس کوئی اختیار نہیں تو ساری دنیا کی عدالت کا اختیار ان کے پاس کیسے ہے؟

6۔ رسولوں میں سے صرف پطرس نے کلیسیا کے احکام عمل اور قوانین کے بارے میں غلطی کی جس کی وجہ سے پولوس نے انطاکیہ میں سب کے سامنے ان کو ملامت کی۔ (گلتیوں 2:11-14، ص:11)

7۔ مسیح نے اپنا قائم مقام پطرس کو نہیں بلکہ روح القدس کو بنایا تھا۔ (ص:12)

کیا پطرس رسول 25 سال روم کے بشپ رہے؟

پمفلٹ نمبر 3 (کتاب کا ص:21)

1۔ کتاب اعمال میں پطرس کے ان کاموں کا ذکر ہے جو یروشلم میں کیئے مگر ان کا ذکر کیوں نہیں جو روم میں کیئے؟ (ص:2) نئے عہد نامہ میں ان کے روم جانے کا ذکر موجود نہیں۔ (ص:2)

پال سے پہلے (62ء) کسی رسول کے روم جانے کا کوئی ذکر نہیں۔ (بحوالہ اعمال 16:28، ص:3-4)

بشپ کی کرسی کسی کو بشپ نہیں بناتی بلکہ اس کی شخصیت کرسی کی قدر و منزلت بناتی ہے۔ (ص:7)

2۔ اس کے 25 سال تک روم کا بشپ رہنے کا دعویٰ ہم رد کرتے ہیں۔ (ص:6)

3۔ رومی کلیسا نہیں انطاکیہ کی کلیسیا پطرس کے بشپ ہونے کی وجہ سے فضیلت کا دعویٰ کر سکتی ہے۔

(ص:6)

کنجیوں کا اختیار

پمفلٹ نمبر 4 (کتاب کا ص:25)

1۔ کنجیوں کے اختیار سے صرف سپین سے پوپ کو دو لاکھ پونڈ سالانہ کی آمدنی تھی۔ دس آنے میں بیس روحیں عذاب سے چھوٹ جاتی تھیں۔ (ص:7)

ایمان کا قاعدہ یا قانون

(کتاب کا،ص:29)

1۔ رومی کلیسا کے علاوہ اس دنیا کی ساری کلیسیائیں جھوٹی ہیں۔کیتھولک دعویٰ(ص:2)

2۔کیتھولک دعویٰ: پروٹسٹنٹ، ہندو، مسلمان، بت پرست، اور بدعتیوں کے ساتھ شامل ہیں اور دوزخ میں شیاطین اور دنیا میں پروٹسٹنٹ ایک برابر ہیں۔(ص:2)

ان کے ساتھ دعا میں شامل ہونا گناہ ہے کیونکہ پروٹسٹنٹ بدکار لوگ ہیں۔(ص:3)

ان کا ترجمہ پڑھنا کیتھولک لوگوں کے لیے منع ہے کیونکہ انہوں نے کتاب مقدس کو اپنے مطلب کی غرض سے بدل ڈالا۔(ص:3)

انہوں نے خدا کے کلام کو بدل ڈالا۔(ص:3)

رومی کلیسا کے بغیر نجات نہیں حاصل ہوگی۔(ص:4)

3۔ ایمان کا صرف ایک معیار ہے وہ کلام الٰہی ہے۔(ص:5)

کلام الٰہی سے مراد نیا پرانا عہد نامہ ہے۔(ص:5)

نجات کے لیے ضروری سب باتیں کتاب مقدس میں مندرج ہیں۔(ص:5)

4۔ جسٹن شہید کا قول 140ء: مسیح نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم آدمیوں کے مقرر کردہ مسائل کے موافق نہیں بلکہ ان مبارک نبیوں کی تعلیم کے مطابق چلیں جن کی مسیح نے خود تعلیم دی ہے۔(ص:5)

5۔ رسولی روایت جو کلام پر مبنی نہ ہو اس کو ہم رد کرتے ہیں جیروم (340-420ء)(ص:6)

سوال: پال کی بے بنیاد کہانی کے متعلق کیا خیال ہے؟

6۔ جو بات کتاب مقدس میں درج نہ ہو اس کی پیروی نہ کرو۔(ص:6-7)

سوال: اتوار کو پاک ماننا، بچوں کا بپتسمہ وغیرہ یہ کیسے نکال لیے؟ ملاحظہ ہو کیتھولک کلیسا کی بحثی تعلیم۔

(دوسرا حصہ،ص:19)

7۔ کیتھولک ایمان کی بنیاد درومن ڈھکونسلے ہیں۔(ص:8)

8۔ اپاکرفہ پرانے عہد نامہ کے بعد اور نئے عہد نامہ سے پہلے لکھی گئیں۔(ص:8)

9۔ یسوع نے اپاکرفہ سے ایک بھی حوالہ کبھی پیش نہ کیا۔(ص:9)

تبصرہ: ایسے حوالوں کے لیے ملاحظہ ہو کیتھولک بحثی تعلیم۔

10۔ ان کتابوں کو کبھی کونسلوں نے تسلیم کیا اور کبھی نکال دیا۔ (ص:9)

11۔ یسوع اور شاگردوں کے سب کام اور تعلیم ہم کو کتاب مقدس میں نہیں ملتی لیکن نجات کے لیے ضروری تعلیم کتاب مقدس میں درج ہے۔ (ص:11) بحوالہ یوحنا 20:30-31)

12۔ کل الہامی کتابیں روح القدس کی ہدایت سے لکھی گئیں اور ان کے سمجھنے کے لیے بھی روح حق کی ہدایت کا وعدہ ہے۔ (ص:12)

سوال: تو پھر پروٹسٹنٹ لوگوں کے اتنے فرقے کیسے بنے؟

13۔ عقل اور نقل کے خلاف روایات قابل قبول نہیں۔ (ص:12)

سوال: تو پھر تثلیث جو کہ خلاف عقل ہے وہ کیوں تسلیم کی؟

14۔ شمعون جادوگر سے پطرس کا مقابلہ کرنا، جیت جانا، یہ بے ہودہ قصہ ہے۔ (ص:13)

15۔ انسانی روایات قبول نہ کرو۔ پال کا قول۔ (کلسیوں:8:2، ص:14)

سوال: تو پھر پال کی روایت کیوں قبول کی اور جو ڈرامہ اس نے بیان کیا۔

16۔ کیتھولک علماء کا اجماع نا قابل قبول ہے۔ (ص:14)

پرانے بزرگ رائے میں متفق نہ تھے۔ 325ء تا 680ء تک منعقد ہونے والی 6 کونسلوں کے فیصلے قبول ہیں، باقی کونسلوں کے فیصلے قبول نہیں۔ (ص:14-15-16)

357ء اور 359ء میں کونسل کا فیصلہ۔ صرف خدا ہی بڑا ہے۔ (ص:17)

17۔ چرچ آف انگلینڈ کا مسئلہ نمبر 19 نہ صرف یروشلم، سکندریہ، انطاکیہ کی کلیسیائیں غلطی پر ہیں بلکہ رومی کلیسا بھی ایمان کے مقدمات میں غلطی میں پڑی ہوئی ہے۔

سوال: ایک طرف تو آپ یروشلم کو کلیساؤں کی ماں تسلیم کرتے ہیں دوسری طرف اس کو غلطی پر تسلیم کرتے ہیں۔ یہ تضاد کیوں؟

مسئلہ نمبر 21: مجلس عامہ (کونسل) کو شاہان وقت کی رضا اور حکم کے بغیر جمع کرنا جائز نہیں کیونکہ اس سے الٰہیات میں غلطی ہو سکتی ہے۔ (ص:16)

سوال: آپ لوگوں کو ڈیڑھ ہزار سال بعد کیسے پتہ چلا کہ پہلے سب عیسائی غلط ہیں اور صرف آپ ہی صحیح ہیں نیز یہ کہ جو دین بادشاہوں کی رضا کے تابع ہو وہ صحیح کیسے ہو سکتا ہے؟

18۔ کونسلوں میں بشپوں کے جوتم پیزار ہونے اور ایک دوسرے پر الزامات کی تفصیل۔(ص 17)
انہوں نے ایسے مسائل منظور کیے جو خدا کی تعلیم کے بالکل خلاف تھے۔(ص 17)

19۔ سرمیوم (Sirmium) کی کونسل 357ء اور اریمینیم (Ariminium) 359ء کی کونسل کے ممبروں نے یہ فتویٰ دیا کہ **صرف باپ ہی خدا ہے اور ہر پہلو سے بیٹے سے بڑا ہے** اور پوپ لائبریس (Liberius) نے اس بدعتی فتوے پر دستخط کیے۔(ص:17)

سوال: جب آپ (ص:15) پر 325ء تا 680ء کی کونسلوں کے تمام فیصلے قبول کرنے کا اعلان کر چکے تو پھر ان کونسلوں کے فیصلہ سے کیسے انکار کر سکتے ہیں؟

20۔ بعد کی کونسلوں کے فیصلے آپس میں متضاد تھے۔ پوپ کو قسطنطینیہ کی کونسل 681ء نے معزول کر دیا اور اس پر لعنت بھیجی لہٰذا وہ لاغلط یا معصوم کیسے ہو سکتا ہے؟(ص:18)

21۔ Protestant عقیدہ اور اصول دین: صرف خدا کا کلام ہی عقیدے کا معیار ہے۔(ص:19)
خدا کی تعلیم کے خلاف ہر بات ردّ ہے۔

22۔ اگر پوپ لاغلط ہے تو پھر اس کے احکام کے لیے خدا کے کلام کی تائید کی ضرورت نہیں رہتی۔(ص 19)

رومی کلیسا اور خدا کا کلام (کتاب کا ص:39)

1۔ رومی کلیسا کے ان عقائد کا ذکر بائبل میں نہیں: ماس کی قربانی، اعتراف، اعراف، مغفرت نامے، مرحوم مقدسین سے دعا مانگنا، تبدیلی ماہیت۔(ص:2)

2۔ بے شمار حوالے ہمارے پاس ہیں کہ گذشتہ زمانہ میں رومی بشپوں نے اپنے لوگوں کو پاک کلام پڑھنے اور مطالعہ کرنے سے منع کر دیا تھا۔(ص:3)

3۔ کیتھولک الزام: Protestant نے بائبل کو بدل دیا ہے۔(ص:13,4)

4۔ کیتھولک ترجمہ میں تین ہزار جگہ فرق خود انہوں نے نکالا۔(ص:5)

5۔ ایک پوپ کی دوسرے پر لعنت۔(ص:5)

6۔ کیتھولک عدالت میں Protestant بائبل پر حلف اٹھانا منع ہے۔(ص:5)

7۔ ہر ایک ایماندار بائبل کا صحیح مفسر ہے، پروٹسٹنٹ عقیدہ۔(ص:6)

8۔ کیتھولک لوگوں نے اپوکرفہ اپنی مطلب براری کے لیے بائبل میں شامل کیا۔(ص:8)

مگر کیتھولک کہتے ہیں کہ پروٹسٹنٹ فرقہ نے بائبل کو کانٹ چھانٹ دیا۔(ص:8)

جبکہ جیروم کہتا ہے کہ ہم اپوکرفہ پڑھتے ہیں۔(ص:9)

سوال: اگر تمہارے بڑے اپنی مطلب براری کے لیے غیر مستند کتابوں کو الہامی کہتے رہے تو تمہاری مسلمہ کتابوں کے الہامی ہونے کی کیا دلیل ہے؟

9۔ تبدیلی جوہر یعنی عشائے ربانی میں روٹی اور مے کے جوہر کا تبدل کا مسئلہ 9 ویں صدی کی ایجاد ہے اور مقدس نوشتوں سے ثابت نہیں بلکہ ان کی ضد ہے۔(ص:10-11)

10۔ کیتھولک کہتے ہیں کہ بائبل میں خدا کا مکمل مکاشفہ درج نہیں ہے۔(ص:11)

11۔ سیرل، جیروم، یوسی بیس، باسل ہمیں یقین دلاتے ہوئے تلقین کرتے ہیں کہ جو باتیں کتاب مقدس میں لکھی ہوئی ہیں ان کا یقین کرو اور وہ باتیں جو درج نہیں ان کی پیروی نہ کرو۔(ص:11)

12۔ بت پرستی منع ہے۔(خروج 20:3 تا 6) یہ حکم ہر زمانے کیلئے ہے، دس احکام ہر زمانے کے لیے ہیں۔

سوال: تو پھر ان میں تو صرف ایک خدا کی پوجا کا حکم ہے۔ یہ تثلیث کہاں سے آ گئی؟

13۔ کیتھولک لوگوں نے دس احکام میں یہ بت پرستی کے خلاف حکم نکال دیا ہے۔(13-14)

ان کی جگہ ایک اور فقرہ لکھ دیا ہے کہ تو بیگانی عورت کی آرزو نہ کرنا۔(13-14)

14۔ دس احکام میں سے پہلا حکم خدائے واحد کو ماننا ہے۔(ص:14)

عشائے ربانی کی روٹی اور شراب کے جوہر ذات کے تبدیل ہو جانے کا مسئلہ

(کتاب کا ص:47) پمفلٹ نمبر 14

عشائے ربانی کی رسم پاک ماس

1۔ ماس (کیتھولک مذہبی رسم) کے دوران روٹی اور شراب کا ہر ذرہ اور قطرہ مسیح بن جاتا ہے اگرچہ عوارضات یعنی روٹی اور شراب کی ظاہری صورتیں۔ رنگ، ذائقہ اور بُو تبدیل نہیں ہوتے تاہم ان کے عناصر کے قدرتی جوہروں میں مادی تبدیلی ہو چکی ہے۔ اس مسئلہ کا نام تبدیل جوہر ذات ہے۔(ص:1-2)

ٹرینٹ کونسل کے فیصلہ کے مطابق جو اس کو نہ مانے وہ ملعون ہے۔(ص:2)

2۔ اس فیصلہ کے مطابق ٹرٹولین، جسٹن شہید، آگسٹین، کرسٹم، جیروم وغیرہ بڑے عیسائی بزرگ

مردود ٹھہرتے ہیں۔(ص:2-3)

3۔ کیتھولک عقیدہ میں یہ کام پاک اور عجیب ہے۔(ص:3)
نئے عہد نامہ اور ابتدائی تصنیفات میں یہ مسئلہ نہیں پایا جاتا۔(ص:4)

4۔ عشائے ربانی میں روٹی اور شراب مسیح کا گوشت اور خون نہیں بنتے بلکہ روٹی اور شراب ہی رہتے ہیں۔(ص:5)

5۔ Protestant لوگ ''یہ میرا بدن ہے'' سے ''اس سے میرا بدن مراد ہے'' لیتے ہیں۔(ص:8)
یعنی تاویل کی ضرورت پیش آئی۔

6۔ کیتھولک مذہبی رہنماؤں نے اپنے اختیارات بڑھانے کیلئے عقیدہ میں تبدیلی کی۔(ص:12)

7۔ چرچ آف انگلینڈ نے 16 ویں صدی میں یہ مسئلہ رد کیا۔(ص:13)

سوال: کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے 15 صدیوں تک لوگ گمراہ رہے؟

8۔ Protestant دلائل کی لسٹ جن کی بنا پر وہ اس مسئلہ کو رد کرتے ہیں۔(ص:15-16)

پاک کاتھولک اور رسولی کلیسا (Protestants)

اور رومی کلیسا کی عشائے ربانی کا مقابلہ (کتاب کا ص:55)

1۔ عہد جدید کے چار مقامات جہاں عشائے ربانی کا ذکر ہے۔(ص:2)
اس سے زندہ مسیح کی شراکت اور کفارہ کے سارے فائدے حاصل کرتے ہیں۔(ص:2)
ہم روحانی وضع سے مسیح کا گوشت کھاتے اور اس کا خون پیتے ہیں۔(ص:2)
ہم مسیح میں بستے ہیں اور مسیح ہم میں بستا ہے۔ہم مسیح کے ساتھ ایک ہوتے ہیں اور مسیح ہمارے ساتھ ایک ہوتا ہے۔

2۔ مسیح نے کل جہان کے گناہوں کے لیے نذر اور معاوضہ دیا۔(ص:3,4)

سوال: اب آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ عیسائیوں کے علاوہ باقی لوگ نہیں بخشے گئے؟ مسیح کے ذریعے بنی نوع انسان کے تمام گناہوں کے لیے قربانی گزاری گئی۔(ص:4)

3۔ یسوع مسیح کے خون نے ہم کو تمام گناہ سے پاک کر دیا۔خدا کے ساتھ ہمارا میل ملاپ ہو گیا۔

(ص:13-14)

کیتھولک لوگ عشائے ربانی کی روٹی اور شراب کو سجدہ کرتے ہیں۔(ص:15)
روٹی اور شراب کی پرستش واقعی بت پرستی ہے۔(ص:15)
جبکہ Protestant بھی اس رسم کی روٹی اور شراب گھٹنے ٹیک کر لیتے ہیں۔(ص:16)

4۔ کیتھولک پاک ماس (عشائے ربانی) کی نماز تمام روئے زمین پر لاطینی زبان میں پڑھی جاتی ہے خواہ وہ جماعت کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔(ص:22)
یہ نہایت بے ہودہ ہے۔(ص:22)
جبکہ رسولوں نے یونانی زبان میں منادی کی۔(ص:23)
رومی کلیسا عالم گیر نہیں بلکہ مشرقی کلیسیا کی ایک شاخ ہے۔(ص:23)

اعراف (کتاب کا ص:67)

1۔ اعراف عذاب اور سزا کا ایک فرضی مقام ہے جو رومن کیتھولک کلیسیا نے اپنے معتقدوں پر اپنے پادریوں کا اقتدار اور اختیار بڑھانے کے لیے ایجاد کیا۔(ص:1)
یہ ان کی آمدنی بڑھانے کا ایک ذریعہ بھی ہے۔(ص:1)

2۔ خدا کا عدل خوفناک ہے اور وہ معمولی گناہوں کے عوض بھی خوفناک سزا دیتا ہے۔(ص:1-2)
یہ سزا ہزار ہا سال تک چل سکتی ہے۔(ص:2)
بعض روحیں روز عدالت تک اعراف میں قید رہیں گی۔(ص:2)
یہ سب کیتھولک اعتقاد ہے۔

3۔ ایمان سننے سے پیدا ہوتا ہے اور سننا مسیح کے کلام سے۔(رومیوں:10:17)

4۔ روز قیامت آگ لوگوں کے اعمال کا فیصلہ کرے گی۔(کرنتھی 13:3 تا 15)

5۔ برزخ کا ذکر۔(پطرس 3:19-20، ص:4-5)

6۔ اعراف کا خیال صرف اوریجن نے پیش کیا اور یہ خیال اس نے بت پرستوں سے لیا۔(ص:5)

سوال: جب آپ کے بڑے یہ کام کرتے رہے ہیں تو تثلیث کا خیال بھی بت پرستوں سے لیا ہوگا جو کہ سب بت پرستوں کا مشترکہ عقیدہ ہے۔

7۔ کلیسا نے 7ویں صدی کے آغاز میں اعراف کا مسئلہ تسلیم کیا۔(ص:6)

8۔ ایصال ثواب کیتھولک کلیسیا کا مسئلہ ہے۔(ص:6-7)

سپین کے بادشاہ نے دس لاکھ پونڈ اپنے ایصال ثواب کے لیے وصیت کیئے۔(ص:7)

9۔ مسئلہ اعراف کی بنیاد کلیسیا کے بزرگوں کے فرضی مکاشفہ پر ہے۔(ص:8)

سوال: تو پال کا مکاشفہ کیسے قابل اعتماد ٹھہرا؟

10۔ غیر بپتسمہ یافتہ بچوں کی مخلصی کی کوئی امید نہیں۔(ص:8)

11۔ یسوع صلیبی موت کے بعد اپنے زندہ ہونے سے پہلے اعراف میں رہا۔(ص:8)

جناب مریم علیہا السلام بھی اعراف میں جاتی ہیں۔(ص:9)

12۔ 6 پوپ بھی اعراف میں عذاب بھگت رہے ہیں۔(ص:9 بحوالہ ایپے لووے کی کتاب اعراف)

13۔ مردے بخشوانے کا کیتھولک طریقہ: دعا، خیرات، روزے، ریاضت، مغفرت نامہ خریدنا اور پاک ماس کی قربانی ہے۔(ص:10)

14۔ نجات اور مغفرت اور ابدی زندگی خدا کے مفت انعام ہیں اور یہ انعام یسوع بخشتا ہے۔(ص:11)

مرحوم مقدسین سے دعا مانگنے کے بارے میں

(کتاب کا ص:75)

1۔ کیتھولک عقیدہ: چونکہ مرحوم مقدسین آسمان پر مسیح کے ساتھ سلطنت کرتے ہیں اس لیے ہمیں ان کی عزت کرنی لازمی ہے بلکہ ان سے دعا کی بھی درخواست کرنی چاہیے۔اور ان کی متبرک ہڈیاں قابل تعظیم ہیں۔(ص:1)

پھر یہ کہتے ہیں کہ ہم مقدسین سے دراصل یہ نہیں مانگتے کہ وہ ہمیں فضل بخشیں پر یہ کہ ہمارے لیے اور ہمارے ساتھ دعا کر کے یسوع مسیح کے نام میں خدا سے فضل دلائیں۔(ص:1)

2۔ کیتھولک حضرت یسوع، حضرت مریم اور ان کے خاوند یوسف سے بھی دعا کرتے ہیں۔اس کے علاوہ بہت سے بزرگوں سے جن کے ناموں کی لسٹ 4 صفحوں میں ہے۔(ص:2)

3۔ کیتھولک لوگ مرحوم مقدسوں کو تنگ کرتے ہیں۔(ص:3)

یہ بھی ثبوت نہیں کہ یوسف بہشت میں ہے بھی یا نہیں۔(ص:4)

4۔ مرحوم مقدسین فردوس میں آرام پا رہے ہیں۔(ص:3)

بہشت بھی ہے۔(ص:4)

5۔ خدا کا وعدہ ہے کہ مجھ سے مانگو تو میں سنوں گا۔(ص:3)

6۔ Protestants مرحوم مقدسوں سے دعا نہیں کرتے۔(ص:5)

7۔ حواریوں نے، فرشتوں نے اپنی پرستش اور تعظیم سے سختی سے منع کیا۔(ص:5)

8۔ لودیکیہ کی کونسل کا فیصلہ: فرشتوں سے دعا مانگنا سخت ممنوع اور ایسا کرنے والا ملعون ہے۔ یہ یسوع کی چھوڑ کر دوسرے معبودوں کی پرستش ہے۔(ص:7)

9۔ بزرگ پرستی سے یسوع کی بے قدری ہوئی ہے۔(ص:7)

مسئلہ پرستشِ مریم (کتاب کا ص:79)

1۔ چرچ آف انگلینڈ نے پانچ دن حضرت مریم علیہا السلام کی تعظیم کے لیے مقرر کیے ہیں جن میں سے 2 فروری مریم علیہا السلام کی طہارت کا دن ہے۔(ص:1)

اور 8 دسمبر حاملہ ہونے کا دن ہے۔

2۔ اگر یسوع پہلوٹھا تھا تو اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس کے بعد اور بھی بچے پیدا ہوئے جیسا کہ متی 13:55-56 سے ظاہر ہے۔(ص:2)

3۔ مریم نے یسوع کو تین مرتبہ اپنے کام سے روکا اور یسوع نے ہر بار نرمی سے ملامت کی۔

(متی 12:46,50 مرقس 2:31,35 لوقا 8:19-21)

بحیثیت ماں کے اسے اپنے بیٹے پر اختیار یا ضبط کا کوئی حق حاصل نہیں تھا۔ لوقا 11:27-28 (ص:3)

جی اٹھنے کے بعد بھی وہ پہلے اپنی ماں پر نہیں بلکہ مگدلینی اور دوسری عورتوں پر ظاہر ہوئے۔(ص:3)

5۔ اگنیتس (Ignatius) نے اپنے خطوط میں 6 دفعہ مریم کا ذکر کیا مگر اسے کوئی عزت کا لقب نہیں دیا۔ (ص:4)

مریم کو کلیسا نے غیر ضروری عزت اور محبت دی۔(ص:4)

6۔ مریم پوجا سب سے پہلے 373ء میں شروع ہوئی۔ ان کے معجزات کی کہانیاں اپوکرفہ پر مبنی اور ناقابل اعتبار ہیں۔(ص:5)

7۔ معراج مریم بے وقوفانہ شیطانی دھوکہ پر مبنی کہانی ہے۔ مریم کی پرستش کسی طور جائز نہیں۔(ص:5-6)

8۔ اے خوبصورت نرگس! یہ حضرت مریم کا لقب ہے۔(ص:7)

9۔ ہائپرڈولیا حضرت مریم کی عبادت کی نماز ہے۔(ص:19)

10۔ حضرت مریم سے کی جانے والی دعائیں (ص:10-11-12-13) پر لکھی ہیں۔

مریم سے دعا کرنا کفر سے کم نہیں۔(ص:14)

11۔ بہت تھوڑے مسلمان کیتھولک بنتے ہیں۔(ص:15)

12۔ مریم منظور نظر تھی مگر ان سے گناہ سرزد ہوئے۔(ص:16)

ان سے بے ایمانی، بے وقوفانہ مغروری کا گناہ ہوا اور ان میں ایمان اور فعل کی کمی تھی۔(ص:16)

وہ معصوم پیدا نہیں ہوئیں تھیں۔قدیمی حکماء کا کثیر گروہ اس بات پر متفق ہے کہ آپ ذاتی طور پر بھی موروثی گناہ میں پیدا ہوئیں۔اگر مان بھی لیں کہ ان کے والدین موروثی گناہ سے صاف کیے گئے تھے تو بھی ماننا پڑے گا کہ ان میں گناہ موجود تھا۔مریم گناہ میں پیدا ہوئی۔(ص:17)

13۔ پوپ گریگوری اور انوسنٹ دونوں کہتے ہیں کہ مریم گناہ میں حمل میں پڑی۔کیتھولک پادری کا یہ کہنا کہ مبارک مریم اصلی گناہ اور ہر ایک اختیاری گناہ سے ہمیشہ آزاد رہی، مجبوری سے تھا ورنہ وہ کلیسا سے خارج کیا جاتا۔(ص:18)

چودہویں صدی کے کئی راہبان نے کہا مریم گناہ میں حمل میں پڑی تھی۔(ص:19)

مریم کو خدا بے گناہ پیدا کرنے پر قادر تھا۔مگر ایسا کیا نہیں۔(ص:20)

سب نے گناہ کیا، مریم اس سے مستثنیٰ نہیں۔سب گناہ گار ہیں اور ان میں مریم بھی شامل ہے۔اس مسئلہ سے مسیح علیہ السلام کا خاص طور پر معصوم ہونا رد ہو جاتا ہے۔(ص:21)

ماں کی ناجائز قدر بڑھانے سے اس کے الٰہی بیٹے کے رتبے میں کمی ہوتی ہے۔(ص:22-23)

رومی کلیسا اور اس کا بشپ صاحب ناقابل خطا ہادی

(کتاب کا ص:91)

1۔ پوپ کے خطا سے بری ہونے کا دعویٰ 1870ء میں تسلیم کیا گیا۔(ص:2)

2۔ کونسلیں 325ء سے شروع ہوئیں تو عیسائی 325 سال تک کیسے تعلیم حاصل کرتے رہے۔(ص:3)

کونسلوں کی کارروائیوں کا مطالعہ نہایت رنج دہ ہے۔(ص:4)

3۔ ایریس (آریوس۔Arius) کے مباحثہ میں سرمیم (Sirmium) کی کونسل نے 357ء میں یہ حکم جاری کیا کہ صرف باپ ہی خدا ہے اور وہ ہر امر میں بیٹے سے بڑا ہے۔(ص:5)

4۔ کونسلوں کے متضاد فیصلوں کی تفصیل (ص:5 تا 8) پر دی گئی ہے۔

5۔ بعض پوپ بدعتی، بعض زنا کار اور گدی پر قبضہ کرنے کیلئے لڑتے رہے۔(ص:9) تا (ص:17)

6۔ آریوس کے پیروکاروں سے پوپ نے تحریری معافی مانگی۔(ص:10)

7۔ پوپ لائبریس نے مسیح کی الوہیت کا انکار کیا۔(ص11)

8۔ کاذب سرجیس (Sergius) سے مراد بحیرہ راہب ہے۔(ص:11) بحوالہ انٹرنیٹ Sergius the Lier

9۔ پوپوں نے حیوانیت اور نفس پروری کی زندگی گزاری۔ گدی کو رشوت، دھوکے بازی اور طاقت سے حاصل کیا۔(ص:15)

10۔ آبائے کلیسا کسی ایک فیصلہ پر بھی متفق نہیں ہوئے۔(ص:17)

11۔ عیسائیت کے بڑے ستون یہ کہتے ہیں کہ مریم اپنے پیدائشی گناہ میں حاملہ ہوئی۔(ص:18)

12۔ اگر ہم کہیں کہ ہم میں گناہ نہیں ہے تو ہم اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں۔(1۔یوحنا 8:1،ص:21)

13۔ پہلے پوپ کو ممکن الخطاء مانتے تھے بعد میں سوال و جواب کی کتاب میں تحریف کر کے اسے معصوم قرار دے دیا۔(ص:22)

14۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ کسی بات کا 1800 سال بعد پتہ چلے۔(ص:24)

سوال: Protestents کو 1500 سال بعد کیسے پتہ چلا یہ فلاں فلاں عیسائی مسائل غلط ہیں؟

پاک کاتھولک ورسولی کلیسیاء روم

(کتاب کا ص:103)

1۔ یہ ایک مضبوط اعتقاد ہے کہ یسوع مسیح نے اپنی کلیسیا قائم کی۔ جسے ایک پاک کاتھولک اور رسولی کلیسیا ہونا چاہیے۔ ہمارے خداوند نے اس کے انتظام، قواعد و قوانین اور طرز رسومات قائم کرنے کے متعلق کوئی حکم نہیں دیا بلکہ اپنی تعلیم میں صرف اصول ہی بتائے اور انہیں عملی جامہ پہنانے کا کام اپنے پیروکاروں پر چھوڑ دیا۔(ص:1)

یہ تمام باتیں خود اپنے وقت پر شروع ہونے کو تھیں۔(ص:1)

نہ نماز کا طریقہ مقرر ہوا نہ نماز کی کتابیں لکھی گئیں۔(ص:1)

2۔ یروشلم سب کلیسیاؤں کی ماں ہے۔(ص:2)

صرف دو مذہبی رسمیں تھیں بزرگوں کو بپتسمہ اور عشائے ربانی۔(ص:2)

3۔ اسپنی طریقۂ چندہ۔(ص:2) بحوالہ اعمال 27:11 تا کرنتھی 9:8، اعمال 1:5 تا 6) بیان کیا گیا ہے۔

4۔ پانچ کلیسیائیں بڑی تھیں اور ان کے اسقف پیٹری آرک کہلاتے تھے۔(ص:3)

صوبے ڈایوسس کہلاتے تھے۔(ص:3)

5۔ ہر مقامی کلیسیا کا اپنا جدا عقیدہ تھا اور پاک شراکت کی ترتیب میں بھی بعض وقت مطابقت نہیں پائی جاتی تھی۔تس پر بھی ان میں سچی رفاقت قائم تھی۔کیونکہ انہوں نے ایک ہی سچائی کو مانا ہوا تھا۔(ص:4)

6۔ کیتھولک عقیدہ: جو ان کے عقیدہ کا نا ہو مثلاً Protestent تو اس کا شمار بت پرستوں، مسلمانوں اور جہنمی شیاطین کے زمرہ میں ہے۔(ص:6)

کیتھولک لوگ Protestents کے عیسائی ہونے کا بڑے زور سے قطعی انکار کرتے ہیں۔(ص:7)

ان کے دوزخ سے بچائے جانے کی کوئی امید نہیں۔(ص:7)

مسیح کے سب وعدے صرف رومی کلیسیا سے ہیں۔(ص:9)

7۔ کیتھولک عقائد کی لسٹ جو بدعت ہیں ان عقائد نے تعلیم کو بگاڑ دیا اور یہ بعد میں مختلف اوقات میں اپنائے گئے (ص:10) پر دی گئی ہے۔ان میں آخری مالش بھی شامل ہے۔

8۔ کیتھولک Protestent پر لعنت کرتے ہیں اور دوزخ جانے والوں کی فہرست میں شمار کرتے ہیں۔

9۔ کیتھولک بشپوں (پوپوں) نے پانچویں صدی سے پہلے زبردستی کے ساتھ تمام کلیسیا سے بڑے ہونے کا دعویٰ نہ کیا تھا۔(ص:14)

10۔ حضرت عیسیٰ نے خود کو خدا کا بھیجا ہوا بتایا۔(یوحنا 36:5، ص:15)

11۔ ہم رومی بھائیوں کو کیتھولک کلیسیا سے خارج نہیں کرتے۔(ص:16)

کلیسیائے روم شامل ہونے کے خلاف پچاس دلائل

(کتاب کا ص:111)

1۔ کیتھولک بدعات میں پرستش مریم، Cenfession، تبدیلیٔ جوہر، بت پرستی، مقدسوں سے دعا شامل ہیں۔ (ص:2)

2۔ یروشلم سے کلیسا کی ابتداء ہوئی۔ (لوقا24:46,53، اعمال8:1)
یروشلم ہی تمام کلیساؤں کی ماں ہے۔ (ص:2)

3۔ اس دنیا میں مسیح کا قائم مقام پوپ نہیں روح القدس ہے۔ (یوحنا14:16 تا17,26,16:7-15) (ص3)

4۔ شخصی انعام میں ملی ہوئی برکت کسی دوسرے کے پاس منتقل نہیں ہوسکتی۔ (ص:3)
کیونکہ روحانی برکتیں دنیاوی وراثت کی طرح نہ لی جاسکتی ہیں نہ دی جاسکتی ہیں۔ (ص:4)

5۔ 30 پوپ ایک دوسرے کے مخالف گزرے ہیں۔ (ص:4)

6۔ اگر یورپ کو دوبارہ اقتدار ملا تو وہ دوبارہ محکمہ احتساب (Inquirition) رائج کرے گا اور ایذا رسانی کے ذریعہ سب عیسائیوں کو رومی کیتھولک بنائے گا۔ (ص:4-5)

7۔ رومی کلیسیا کا فتوٰی ہے کہ تمام Protestent قتل کردیئے جائیں۔ یہ قانون کبھی منسوخ نہیں کیا گیا۔ (ص:5)

سوال: اگر ان کے یہاں مرتد کی سزا قتل ہے تو اسلام پر اعتراض کیسا؟

8۔ رومی کلیسا اپنے لوگوں کو بائبل پڑھنے یا سمجھنے کی اجازت نہیں دیتی، اپنے پوپ کی تعلیم اول درجہ اور بائبل کی تعلیم دوسرے درجہ پر رکھی ہے۔ اپا کرفہ کی سند بائبل کی کتابوں کے برابر مانتی ہے، روایات کو کلام مقدس سے زیادہ اہمیت دیتی ہے (ص:5-6)

9۔ حضرت مریم کے آسمان پر جانے کا قصہ فضول، عجیب اور شیطان کا بنایا ہوا ہے، مریم کے القاب مسیح کی بے عزتی ہیں، مریم کی شفاعت کو رومی طاقتور مانتے ہیں۔ مریم سے دعا کرتے ہیں جو کہ منع ہے۔ حکم ہے کہ انسان صرف خدا سے دعا کرے۔ (استثناء10:20، 2۔سلاطین17:36، ص:7-8)
یہ کہنا کہ کوئی بی بی مریم کے بغیر نجات نہیں پاسکتا تو یہ خدا کے کلام کے خلاف ہے۔

(اعمال4:10 تا12، 10:43,16:30-31 رومیوں10:9) (ص:7)

10۔ فرشتوں اور مقدسین سے دعا منع ہے دیکھو کلسیوں 18:2، اعمال 10:25-26، اعمال 13:14 تا 15 ،مکاشفہ 10:19۔(ص:8)

11۔ خدا نے صرف 2 ساکرامنٹ (مذہبی رسم) مقرر کیے تھے۔ بپتسمہ اور عشائے ربانی۔(ص:8)

12۔ یہ بھی قابل اعتراض ہے کہ رومی عشائے ربانی میں شراب کا پیالہ عام لوگوں کو نہیں دیتے۔(ص:9)

13۔ مسیح کل جہان کے گناہوں کے لیے قربان ہوا۔(ص:10)

14۔ کیتھولک عقیدہ: مقدسین نے ضرورت سے زیادہ نیکیاں کر کے خدا کو قرض دار بنالیا۔(ص:10)

ان کی فالتو نیکیاں ایک خزانہ میں جمع کی جاتی ہیں جن کی چابی پوپ کے پاس ہے اور پوپ ان جمع شدہ نیکیوں کو گناہ گاروں کے بخشوانے کے لیے استعمال کر سکتا ہے۔(ص:11)

15۔ Protestent عقیدہ: مسیح ہمیں یقین دلاتا ہے کہ مجھ پر ایمان لانے والا بخشا گیا۔

بحوالہ (یوحنا 5:24، ص:12)

نجات صرف ایمان کے سبب، نہ کہ اعمال کے سبب سے ہے۔(ص:14)

16۔ کیتھولک لوگوں نے احکام عشرہ میں تبدیلی کر دی۔(ص:12)

17۔ کیتھولک لوگوں کو Protestent کے ساتھ شادی اور عبادت سے منع کرتے ہیں۔(ص:12)

18۔ مقدسوں کے تبرکات کی تعظیم کی رسم ایک وہم، جھوٹ اور دھوکہ ہے۔(ص:13)

بت پرستی احکام عشرہ کے دوسرے حکم کے خلاف ہے۔(ص:13-14)

19۔ کیتھولک روپیہ کمانے کے لیے لوگوں کو نجات دینے اور اعراف سے رہائی کے لیے رقم وصول کرتے ہیں۔(ص:14)

ٹرینٹ کا مجمع Council of Trent

(کتاب کا ص:119)

1۔ Protestent کی بغاوت کی تفصیل (ص:2 تا 4) پر دی گئی ہے۔

2۔ ٹرینٹ کی کونسل کا سبب اور جگہ ووقت (ص:4) پر بتایا گیا ہے۔

3۔ ٹرینٹ کی کونسل (1545ء تا 1563ء) میں موروثی گناہ اور نجات کس پر (صرف ایمان پر یا ایمان اور اعمال پر) کے معاملہ پر بحث ہوتی رہی۔(ص:6)

سوال: تو اب یقین سے کیسے کہہ سکتے ہیں کہ نجات کیتھولک میں ہے یا پروٹسٹنٹ مذہب میں ہے؟

4۔ عشائے ربانی میں شراب کا پیالہ حاضرین کو دیا جائے یا نہیں، اسی پر 7 ماہ بحث ہوئی۔ (ص:9)

بشپوں اور راہبوں کے اس ٹرینٹ کی مجلس میں بہت جھگڑے ہوئے۔ (ص:9)

جس امر پر اتفاق نہ ہوا اس کو ویسے ہی چھوڑ دیا۔ (ص:9)

5۔ یہ مجمع نہیں گھریلو مجمع ہے۔ (ص:10)

6۔ ٹرینٹ کی کونسل کے ہر فیصلے کے ساتھ لعنت کا حکم ملحق کیا ہوا ہے۔ (ص:12)

اور لعنتوں کا شمار 30 تھا۔ (ص:12)

7۔ Protestent دعویٰ: ہمارے چرچ آف انگلینڈ کے 39 مسائلِ دین کیتھولک تعلیم سے بہتر ہیں۔ (ص:12)

❁❁❁

پروٹسٹنٹ مذہب کے اصول

1۔ صرف کلام خدا یا صرف کتاب: By Scripture Alone

اس اصول کے مطابق صرف بائبل ہی مستند کلام خدا ہے اور مسیحی عقائد کا واحد ذریعہ ہے۔ اس تک ہر ایک کی رسائی ہے اور یہ کہ بائبل بالکل واضح اور اپنی وضاحت آپ کرنے والی کتاب ہے۔ بائبل کو اپنی تشریح کے لیے کسی خارجی وضاحت کی ضرورت نہیں جیسا کہ رومن کلیسا وغیرہ اور کلیساؤں کا خیال ہے کہ بائبل صرف حواریوں یا مقدس لوگوں کی روایات سے ہی سمجھ آ سکتی ہے۔ کیتھولک چرچ میں بائبل کی تشریح کا اختیار صرف پوپ سے مل کر تمام بشپ حضرات کو ہے۔ بائبل خدا سے الگ کوئی شے نہیں بلکہ یہ خدا کا وہ ہتھیار ہے جس کے ذریعہ اس نے خود کو ظاہر کیا تاکہ مسیح پر ایمان نجات کا سبب بنے۔

2۔ صرف عقیدہ کے ذریعہ (صالحیت) (Justification By Faith Alone)

اس اصول کے مطابق صرف ایمان کے ذریعہ آدمی خدا کے دربار میں صالح (ٹھیک ٹھیک۔Just) قرار پاسکتا ہے اور صالح قرار پانے کے لیے ایمان کے ساتھ نیک اعمال ضروری نہیں۔ نیک اعمال سے ایمان کا اظہار ہوتا، ایمان متعین نہیں ہوتا۔ کچھ پروٹسٹنٹوں کا خیال ہے کہ ایمان سے صالحیت ہے۔ لوتھر نے ''ایک ہی وقت میں صالح گناہ گار'' کی اصطلاح استعمال کی جبکہ کیتھولک ''انسانوں میں مسیح کی زندگی کا نمونہ پیدا کر کے گناہوں سے پاک ہونے والے کو خدا کا فرزند ہونے'' کا اصول بیان کرتے ہیں۔

3۔ صرف برکت کے ذریعہ By Grace Alone

اس اصول کے مطابق نجات خدا کی دی ہوئی برکت سے ملتی ہے یا دوسرے لفظوں میں بغیر استحقاق مہربانی کے ذریعہ جس کا گناہگار حق دار نہیں ہوتا۔ اس کا مطلب ہے کہ نجات ''مسیح کی خاطر مفت ملا ہوا تحفہ ہے۔'' جبکہ کیتھولک لوگ برکت کو نیک اعمال کے نتیجہ میں حق خیال کرتے ہیں۔

4۔ صرف مسیح یا صرف مسیح کے ذریعہ Chirst Alone or Through Chirst Alone

اس اصول کے مطابق صرف مسیح ہی خدا اور بندے کے درمیان اکلوتا شفیع ہے۔ کسی اور کے ذریعہ نجات نہیں مل سکتی۔ اس اصول کے ذریعہ لوتھر کے ماننے والے حضرت مریم علیہا السلام اور دوسرے اولیاء کو شفیع ماننے سے انکار کرتے ہیں۔ اگرچہ ان کی تعظیم بھی کرتے ہیں۔ یہ اصول کیتھولک لوگوں کے اس نظریہ کو ردّ کرتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ پوپ کی سرکردگی میں پادریوں کی خدمات کے بغیر خیر و برکت حاصل نہیں ہوسکتی۔ لوتھرازم سب عیسائیوں کے پادری ہونے کا نظریہ رکھتا ہے اور پادری کا لقب استعمال کرنے سے انکار کرتا ہے۔

5۔ تعریف صرف خدا کی Glory to GOD Alone

اس اصول کے مطابق تعریف صرف خدا کا حق ہے جس کی مرضی کے بغیر نجات مکمل نہیں ہوسکتی۔ پروٹسٹنٹوں کا خیال ہے کہ پوپ، تسلیم شدہ ولی، چرچ کے علماء اس مدح و ثناء کے مستحق نہیں ہیں جو کہ کیتھولک ان کی کرتے ہیں۔ ان کے نیک اعمال کی تعریف تو ہونی چاہیے مگر حمد و ثنا صرف خدا کی ہونی چاہیے جو ان نیک آدمیوں کے اعمال کا خالق اور ان کو مقدس بنانے والا ہے۔

یہ پانچ فقرے پروٹسٹنٹوں کے بنیادی عقائد ہیں جو رومن کیتھولک لوگوں سے متضاد ہیں اور لوتھرازم کے پانچ ارکان ہیں۔

❀❀❀

سیدہ ہاجرہ اور سیدنا اسماعیل علیہم السلام

(ابراہیم 37:14)

مسلم اور مسیحی دنیا میں بڑے اختلافات میں سے ایک یہ ہے کہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام اپنے عظیم الشان باپ سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے کیے گئے خدائی وعدوں میں شامل تھے یا نہیں۔ مسلم موقف یہ ہے کہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام بھی برکات الٰہی کے ان وعدوں میں شامل تھے اور وہی اکلوتے تھے، جن کو قربانی کرنے کے لیے سیدنا ابراہیم علیہ السلام لے گئے تھے اور خدا تعالیٰ نے ان کے بدلے فدیہ دے کر ان کی جان بچالی اور ان پر راضی ہوا۔ مسیحی موقف یہ ہے کہ سیدہ ہاجرہ وسیدنا اسماعیل علیہم السلام برکات الٰہی کے ان وعدوں میں شامل نہ تھے اور قربانی کے لیے سیدنا اسحاق علیہ السلام کو لے جایا گیا تھا۔ مسلم موقف کے ثبوت میں مندرجہ ذیل دلائل بائبل سے پیش کیے جاتے ہیں۔

سیدنا اسماعیل علیہ السلام وسیدہ ہاجرہ علیہا السلام کا بلند مقام

سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے کسی بھی اولاد کی پیدائش سے پہلے خدا تعالیٰ نے بڑی قوم بنانے، برکت دینے، نام سرفراز کرنے کا وعدہ فرمایا۔ (پیدائش 2:12-3)

آپ علیہ السلام نے پہلے سیدہ سارہ علیہا السلام سے شادی کی، مگر ان کے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ (پیدائش 1:16)

پھر سیدہ سارہ علیہا السلام نے اپنی کنیز سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بیوی بنانے کیلئے دی۔ جن سے سیدنا اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے اور یہ خوش خبری آپ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے دی گئی۔ (پیدائش 11:16)

خدا سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ تھا۔ (پیدائش 20:21)

جب سیدنا اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی عمر مبارک 86 برس تھی۔ (پیدائش 16:16)

پہلوٹھے ہونے کی وجہ سے سیدنا اسماعیل علیہ السلام عبرانی روایات کے مطابق دوہری عزت کے مالک تھے اور وراثت میں ان کا حصہ دوگنا تھا۔ (استثنا 15:21-17)

آئندہ چودہ برس تک اسماعیل علیہ السلام اکلوتے تھے۔ پھر جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام سو سال کے ہوئے تو

سیدنا اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔ (پیدائش 21:1 تا 5)

برکات الٰہی کی دعا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے حق میں بھی سنی گئی۔ (پیدائش 17:20)

سیدہ سارہ علیہا السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ وہ سیدہ ہاجرہ علیہا السلام اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو گھر سے نکال دیں۔ خود خدا تعالیٰ نے بھی خود ابراہیم علیہ السلام کو یہی حکم دیا تو وہ ان دونوں کو صحرا میں چھوڑ آئے۔

(پیدائش 21:9 تا 14)

وہاں پانی ختم ہونے پر سیدہ ہاجرہ پانی تلاش کر رہی تھیں تو ایک فرشتہ نے انہیں پانی ملنے کی خوش خبری دی اور لڑکے کو بڑی قوم بنانے کا خدائی وعدہ بھی پہنچایا۔ (پیدائش 21:18)

اسماعیل علیہ السلام فاران کے صحرا میں رہنے لگے۔ (پیدائش 21:21)

ڈاکٹر سٹرونگ KJV کے انڈکس کے ساتھ منسلک عبرانی ڈکشنری میں لکھتے ہیں کہ فاران سے مراد عرب کا ایک صحرا ہے۔ (دیکھو لفظ PARAN ص: 112 پر نمبر شمار 6290)

پانی کا وہی چشمہ بعد میں آب زم زم کے نام سے جانا گیا۔ یہ سارا واقعہ پیدائش (21:14 تا 21) میں درج ہے۔

ذبیح کون؟

اکلوتے کی قربانی کا حکم ہوا۔ (پیدائش 22:2)

اور بعد از قربانی یہ فرمایا کہ تو نے اپنے اکلوتے کو مجھ سے دریغ نہ کیا۔ (پیدائش 22:12)

سیدنا اسحاق علیہ السلام کی پیدائش سیدنا اسماعیل علیہ السلام سے 14 برس بعد ہوئی۔ لہٰذا اکلوتے صرف سیدنا اسماعیل علیہ السلام ہے۔ لونڈی کا بیٹا ہونا کسی شخص کے شجرہ نسب سے اس کو خارج نہیں کر دیتا تھا اور وہ اپنے باپ کا بیٹا ہی گنا جاتا تھا۔ جیسا کہ سیدنا یعقوب علیہ السلام نے اپنی بیوی راحیل کی لونڈی بلہہ اور لیاہ کی لونڈی زلفہ سے شادی کی اور ان کے 12 بیٹوں میں سے 4 لونڈی زادے تھے جن کے نام جاد، دان، نفتالی اور آشر تھے۔ (پیدائش 4:30,9 اور 23:35 تا 26)

اور بنی آشر کو رئیسانہ حیثیت حاصل تھی۔ (1- تواریخ 7:40)

سیدہ ہاجرہ علیہا السلام شہزادی تھیں

1- بادشاہ (فرعون مصر) نے حضرت سارہ علیہا السلام کے احترام کی نشانی کے طور پر اپنی تمام جائیداد ان کے نام کر دی اور گوشن کا علاقہ موروثی طور پر قبضہ میں دے دیا۔ اس کے علاوہ ان کو اپنی بیٹی بھی لونڈی

کے طور پر دے دی۔(Jewish Encyclopedia, Vol-11, P-55)

2- ہاجرہ علیہا السلام ابراہیم علیہ السلام کے وقتوں میں پائے جانے والے تقویٰ کی بلند درجہ کی مثال ہیں۔ وہ خدا کے فرشتہ کو دیکھ کر ذرا خوف زدہ نہ ہوئیں۔ ہاجرہ علیہا السلام نام کا ایک معنیٰ سائشتہ یا آراستہ کی گئی ہے۔ کیونکہ وہ نیک اعمال سے آراستہ کی گئی تھیں۔ حضرت سارہ علیہا السلام کی وفات کے بعد حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے پاس گئے، تا کہ ان کو اپنے باپ کے گھر واپس لائیں۔

(ایضاج:6،ص:138)

❀❀❀

حضرت یسوع ابن مریم علیہم السلام
(البقرہ2:87)

آپ علیہ السلام (فلسطین میں) صوبہ یہودیہ کے قصبہ بیت لحم میں پیدا ہوئے۔ ان دنوں وہاں قیصر آگسٹس حکمران تھا۔ عیسوی سن کے تعین میں غلطی لگی لہٰذا اب یہ کہا جاتا ہے کہ یسوع مسیح 6 قبل مسیح میں پیدا ہوئے۔

(ملاحظہ ہو بائبل کا مطالعاتی ایڈیشن، ص:1713 اور گڈ نیوز بائبل کے ص:362 کا حاشیہ نیا عہد نامہ)

اناجیل یسوع علیہ السلام کو کس رنگ میں پیش کرتی ہیں:

مرقس نے یسوع علیہ السلام کو خدا کے خادم، متی نے بطور بادشاہ، لوقا نے بطور انسان اور یوحنا نے بطور خدا کا بیٹا پیش کیا ہے۔ (قاموس الکتاب، ص:901)

آپ علیہ السلام نبی اور رسول تھے:

پادری فانڈر نے اپنی کتاب میزان الحق کے ص 192 پر آپ کو ''وہ نبی'' کا مصداق لکھا ہے۔ پھر ص 205 پر آپ کو رسول لکھا ہے۔ اور ص 269 پر آپ کو خدا کا بھیجا ہوا لکھا۔ اس نے یوحنا (14:6) کے حوالہ سے لکھا کہ لوگ انہیں وہ نبی سمجھے جس کا انتظار دنیا کو تھا۔ اناجیل کے مطالعہ سے بھی یہ بات سامنے آتی ہے کہ لوگ آپ علیہ السلام کو نبی ہی سمجھتے تھے۔ یروشلم آمد پر لوگوں نے کہا یہ گلیل کے ناصرۃ کا نبی یسوع ہے۔ (متی21:11)

یہودی آپ علیہ السلام کو پکڑنے سے ڈرتے تھے کیونکہ لوگ آپ علیہ السلام کو نبی جانتے تھے۔ (متی21:46)

خود آپ نے اپنے آپ کو نبی قرار دیتے ہوئے فرمایا ''نبی اپنے وطن اور اپنے رشتہ داروں اور اپنے گھر کے سوا اور کہیں بے عزت نہیں ہوتا۔'' (مرقس6:4)

آپ نے شاگردوں سے پوچھا کہ لوگ میرے بارے میں کیا کہتے ہیں تو انہوں نے جواب دیا ''یوحنا بپتسمہ دینے والا اور بعض ایلیا اور بعض نبیوں میں سے کوئی۔ (مرقس8:28)

لوگ آپ کو آخری وقت تک قدرت والا نبی کہتے تھے۔ (لوقا24:19)

عورت نے آپ سے کہا ''معلوم ہوتا ہے کہ تو نبی ہے تو آپ نے اس کی تردید نہیں کی۔ (یوحنا4:19)

جس اندھے کو بینائی ملی تو اس نے فریسیوں کو کہا "وہ نبی ہے" (یوحنا 17:9)

خود آپ نے بھی اپنا تعارف نبی کے طور پر کرایا۔

(متی 24:15، لوقا 43:4، یوحنا 42:11، 49:12، یوحنا 14,3:17، 23,21)

مجھ سے پہلے جتنے آئے سب چور اور ڈاکو ہیں۔ (یوحنا 8:10)

یہ کہہ کر خود کو نبی مانا۔ یسوع علیہ السلام کے شاگرد بھی انہیں انسان ہی سمجھتے تھے جیسا کہ ان کے ان بیانات سے ثابت ہوتا ہے۔ پطرس نے ان کو انسان اور نبی کے طور پر متعارف کرایا۔ مثلاً اے اسرائیلیو! یہ باتیں سنو کہ یسوع ناصری ایک شخص تھا جس کا خدا کی طرف سے ہونا تم پر ان معجزوں اور عجیب کاموں اور نشانوں سے ثابت ہوا جو خدا نے اس کی معرفت تم میں دکھائے۔ (اعمال 22:2)

ابرہام اور اضحاق اور یعقوب کے خدا یعنی ہمارے باپ دادا کے خدا نے اپنے خادم یسوع کو جلال دیا جسے تم نے پکڑوا دیا۔ (اعمال 12:3)

پطرس نے یہ کہہ کر کہ "خدا اس کے ساتھ تھا۔ (اعمال 38:10)

یسوع کو نبی تسلیم کیا نہ کہ ان کے خدا ہونے کا اعلان کیا۔

پال نے بھی آپ کو انسان تسلیم کیا ہے اور یہ کہ خدا ایک ہے۔ وہ لکھتا ہے خدا ایک ہے اور خدا اور انسان کے بیچ درمیانی بھی ایک ہے یعنی مسیح یسوع جو انسان ہے" (1۔ تیمتھیس 5:2)

آپ علیہ السلام کو سب کچھ خدا نے عطا کیا

آپ علیہ السلام فرماتے ہیں "تاکہ میرے اس جلال کو دیکھیں جو تو نے مجھے دیا ہے۔" (یوحنا 24:17)

اپنے اس نام کے وسیلے سے جو تو نے مجھے بخشا ہے۔ (یوحنا 11:17)

آپ خود کو نبی کہتے تھے

فرماتے ہیں "زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ کو خدائے واحد اور برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں جو کام تو نے مجھے کرنے کو دیا تھا اس کو تمام کر کے میں نے زمین پر تیرا جلال ظاہر کیا۔ (یوحنا 17:3-4)

وہ ایمان لائے کہ تو نے ہی مجھے بھیجا ہے۔ (یوحنا 8:17)

میں نے تیرا کلام انہیں پہنچا دیا۔ (یوحنا 14:17)

حق کی گواہی دینے آئے تھے

پیلاطس کے سوال کے جواب میں فرمایا ”میں اس لئے پیدا ہوا اور اس واسطے دنیا میں آیا ہوں کہ حق پر گواہی دوں، جو کوئی حقانی ہے میری آواز سنتا ہے۔ پیلاطس نے اس سے کہا حق کیا ہے؟“ (یوحنا 18:37-38)

انجیل نویس نے آپ کا جواب نقل نہیں کیا کہ حق کیا ہے؟ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ آپ نے حق کو چھپایا ہو لہٰذا یہی کہہ سکتے ہیں کہ یوحنا نے آپ کا جواب جان بوجھ کر نقل نہیں کیا جو کہ یوحنا کے مفید مطلب نہ تھا۔ وہ آپ کو خدا کا بیٹا بنانا چاہتا تھا لہٰذا یسوع علیہ السلام کا جواب گول کر گیا۔

تخلیق کائنات میں کوئی خدا کا شریک نہیں

خدا تعالیٰ فرماتا ہے ”میں خداوند سب کا خالق ہوں۔ میں اکیلا ہی آسمان کو تاننے اور زمین کو بچھانے والا ہوں۔ کون میرا شریک ہے۔ (یسعیاہ 44:24)

یہ بھی فرمایا ”میں ہی خداوند ہوں، میرے سوا کوئی دوسرا نہیں۔ (یسعیاہ 45:6)

میرے سوا کوئی خدا نہیں۔ (یسعیاہ 45:21)

حضرت داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام بھی یہی عرض کرتے ہیں کہ ”کوئی تیری مانند نہیں، تیرے سوا کوئی خدا نہیں۔ (2۔ سموئیل 22:7، 1۔ سلاطین 22:8)

خود یسوع علیہ السلام سے پوچھا گیا تو فرمایا ” اے اسرائیل سن، خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔ (مرقس 12:28-29)

شیطان کو بھی آپ نے یہی جواب دیا کہ ”لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر۔ (متی 4:10)

آپ نے خود کو کبھی خدا نہیں سمجھا

عیسائی عالم لکھتا ہے ”یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ یسوع نے کبھی اپنے آپ کو خدا کا مظہر سمجھے جانے کا خواب بھی نہ دیکھا تھا۔ (Ernest Renan: Life of Jesus, P- 181)

اناجیل اور پال کے خطوط میں آپ کی پیدائش بچپن، تمام بچوں جیسی نشوونما، انسانی حاجات کا مکمل بیان ملتا ہے۔ اسی لیے بہت سے عیسائی فضلاء نے آپ کے خدا ہونے کا انکار کیا مگر کلیسا کے کارپردازوں نے انہیں مرتد اور بدعتی قرار دے کر عیسائیت سے خارج کر دیا مثلاً نسطوریس نے ان کے حق میں

خدا ہونے کا دعویٰ سامنے رکھ کر کہا ''خدا ایک دو یا تین ماہ کا بچہ نہیں ہوسکتا'' تو اس سے بڑا ہنگامہ پیدا ہوا اور نسطوریس کو عیسائی کلیسیا سے خارج کر دیا گیا (H.Chadwick: The Early Church ,P-18)

آپ کا خدا سے باتیں کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ خدا نہیں تھے۔

آپ علیہ السلام کے بارے میں عیسائی عقائد

1۔ آپ کی عبادت اور آپ سے دعا کی جاتی ہے۔(ERE, Vol-1, P-104)

2۔ آپ کو خدا کا منہ بولا بیٹا کہنے والے بھی ہیں۔(کیتھولک ڈکشنری ص 13)

3۔ آپ خدا کے ہاں انسانوں کے شفیع ہیں۔(ایضاً ص 617)

4۔ پہلی تین اناجیل میں کوئی ایسی چیز نہیں جو اس بات کا اشارہ کرتی ہو کہ ان کے مصنفین یسوع علیہ السلام کو مافوق البشر جانتے تھے یا ایسا انسانی وجود جانتے تھے جس کو خدا کی طاقت عطا کی گئی ہو یا خدا سے نہ ختم ہونے والا تعلق رکھتا ہو جو آپ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہنے کا جواز فراہم کرے۔(انسائیکلوپیڈیا ببلیکا، ج:8،ص:24)

5۔ یسوع علیہ السلام کا خدا ہونا بہت سے ابتدائی عیسائیوں کو تسلیم نہ تھا جب کہ آریوس نے کہا کہ ابن خدا مخلوق ہے۔ایک وقت تھا جب وہ نہیں تھے۔(برٹانیکا جلد نمبر 2 ص 598)

6۔ پال آف سموسٹہ کہتا ہے کہ یسوع مسیح محض ایک بشر تھے جو کہ کنواری سے پیدا ہوئے مگر ایسے انسان جن کو روح القدس نے مسح کیا تھا اسی بنا پر ان کو کرائسٹ یعنی مسیح کہا گیا۔اگرچہ مسیح کلمہ تھے مگر اس نے ان میں خدائی نہیں بھر دی تھی۔(برٹانیکا جلد نمبر 9 ص 171)

7۔ عیسائیوں کے بعض فرقے بھی یہی عقیدہ رکھتے تھے کہ یسوع علیہ السلام قتل نہیں ہوئے مثلاً باسلدینی کہتے ہیں کہ آپ کی جگہ شمعون کرینی مصلوب ہوا۔(برٹانیکا جلد نمبر 3 ص 176)

باسلدینی کہتے ہیں کہ آپ کی جگہ شمعون کرینی مصلوب ہوا۔اس نے آپ کی شکل اختیار کر لی تھی اور آپ اس کے پاس کھڑے ہنس رہے تھے۔ (ERE,vol-4,P-833)

8۔ یروشلم میں حواریوں کی تعلیم اور اصل عیسائیت کی تعلیمات کے مطابق یسوع مسیح مامور من اللہ تھے، نہ کوئی فرشتہ جو کنواری مریم سے پیدا ہوا اور نہ ہی آسمانی وجود جو روح القدس سے متحد ہو۔فرشتہ مسیح، دوہری شخصیت والے مسیح جیسے تصورات کا اقرار نہ عبرانی بائبل کو تھا نہ مسیح کو نہ بارہ حواریوں کو نہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو۔(De Bensen op cit, P-14)

9۔ ابن خدا کے الفاظ اگر یسوع نے استعمال کیے بھی ہیں تو ان کا مطلب اس سے زیادہ نہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کے ارادہ اور عمل میں فرماں بردار ہیں جس طرح ایک انسانی بیٹا ایک انسانی باپ کا تابعدار ہوتا ہے۔(Sehmiedel: Jesus in Modern Criticism, P-40)

10۔ ایک مصری یا افریقی ضرب المثل ہے کہ عیسائی سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے کسی بات پر آپس میں متفق نہیں۔ (Derminghan,op.cit, P-117)

11۔ عیسائی ایک خدا کا ذکر زبان سے تو کرتے ہیں مگر وہ جو تین اقانیم پر مشتمل ہے جن میں سے ہر ایک خدا ہے۔(Swedenborg,op.cit,P-817)

12۔ ابتدائی عیسائی آپ علیہ السلام کو خدا کی اعلیٰ ترین مخلوق مانتے تھے۔(ERE,V-5,P-634)

13۔ ابیونی فرقہ آپ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رجعت (واپسی) مانتا تھا۔(ERE, Vol-5, P-139)

14۔ عیسائی مذہب اور عیسیٰ علیہ السلام کے مذہب میں بہت فرق ہے۔ یہودی سرزمین پر یونانی فلسفہ سے بنے اصولوں کے ڈھانچہ اور مسیح علیہ السلام کے اپنے مذہب میں بہت زیادہ فرق ہے۔ مسیح علیہ السلام کا مذہب ایک سادہ عقیدہ ہے جس کو عام آدمی سمجھ سکتا ہے اور اپنا سکتا ہے۔

(Baily Saunders In Introductory Note To The Christianity and History, P-15)

15۔ تمام لوگوں کی عدالت کرنا عیسائی عقیدہ کا حصہ ہے۔ مسیح عدالت کریں گے۔

(کیتھولک ڈکشنری ص 523)

16۔ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا مانتے ہیں۔ کیتھولک چرچ کا عقیدہ ہے کہ کلیسیا کا بانی اور کلیسیا کو بے خطا بنانے والا یسوع مسیح خدا ہے۔(ایضاً ص 265)

17۔ ایک فرقے کا عقیدہ ہے کہ یسوع کو خدا نے منہ بولا بیٹا بنالیا تھا۔ (EMK,vol-4 P-1998)

18۔ پہلی اور دوسری صدی عیسوی کے لوگوں کے لیے یسوع علیہ السلام کا خدائی درجہ کوئی ناقابل یقین نظریہ نہیں تھا۔ اس وقت دنیا دیوتاؤں، بدروحوں، اوتاروں، بروزوں، نور من اللہ نور اللہ قسم کے خیالوں سے بھری پڑی تھی۔(EMK, vol-4, P-1997)

19۔ وہ (یسوع) ان دیکھے خدا کی صورت اور تمام مخلوقات سے پہلے مولود ہے...... سب چیزیں اسی کے وسیلے سے اور اسی کے واسطے پیدا ہوئی ہیں۔ (کلیسوں 1:15-16)(یوحنا 1:3)

جناب یسوع علیہ السلام کی شخصیت

آپ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کے رسول تھے۔

(متی 5:10-6,15:24-26,19:28،لوقا 1:33،یوحنا 1:49,12:13)

یہی قرآن مجید کا بیان ہے کہ رسولًا الیٰ بنی اسرائیل۔(آل عمران 3:49)

آپ خدا سے ہدایت کی دعا مانگتے تھے۔قاموس الکتاب کے مولف پادری صاحب لکھتے ہیں:

''مسیح کے دعا کرنے کے دستور کے متعلق ہم جانتے ہیں کہ وہ...... ہدایت کی دعا مانگتے تھے۔

(قاموس الکتاب،ص 404)

پادری صاحب نے یہاں لوقا 6:12 ومابعد کے حوالے سے یہ بات لکھی ہے تو لوقا میں آیت نمبر 12 میں یہ لکھا ہے کہ خدا سے دعا کرنے میں ساری رات گزاری۔(لوقا 6:12)

یعنی ساری رات خدا سے ہدایت مانگتے رہے اور پھر دن چڑھے 12 مبلغ چُنے۔لفظ دستور سے معلوم ہوا کہ ایسا کرنا آپ کا معمول تھا۔

آپ علیہ السلام کو بھوک لگتی تھی۔(متی 4:2،21:18،مرقس 11:12)

پیاس لگتی تھی۔(یوحنا 19:28)

نیند آتی تھی۔(متی 8:24 لوقا 8:23)

تھکاوٹ محسوس کرتے تھے۔(یوحنا 4:6)

رنجیدہ ہوتے تھے۔(یوحنا 11:33,38)

روتے تھے۔(یوحنا 11:35)

غمگین ہوتے تھے۔(متی 26:37-38)

بے قرار ہوتے تھے۔(متی 26:37،مرقس 14:33)

تقویت کی ضرورت تھی۔(لوقا 22:43)

سخت پریشان ہوتے تھے۔(لوقا44:22)

ڈرتے تھے۔(یوحنا1:7، 11,10، 54-53)

چھپ کر نکل جانا۔(یوحنا59:8)

بھیس بدلنا۔(یوحنا59:8)

گرفتار ہونا۔(یوحنا12:18)

باندھا جانا۔(یوحنا12:18-13)

ذلیل کیا جانا۔(لوقا22:63-64، متی67:26)

بے بس ہونا۔(اعمال32:8)

سزائے موت سنایا جانا۔(متی66:26، مرقس64:14)

فوت ہو جانا۔(مرقس37:15، یوحنا33:19)

لاش۔(متی58:27)

کفن۔(متی59:27)

تعزیت۔(لوقا47:23)

فریاد کرنا۔(متی46:27، مرقس34:15)

دعا کرنا۔(متی23:14، 39:26، مرقس46:6، لوقا28:9، 41:22، 16:5 اور قاموس الکتاب ص404 کا نمبر4)

آزمائش سے بچنے کی خاطر منہ کے بل گر کر خدا سے دعا کرنا۔(متی39:26)

آزمائش میں پڑنا۔(متی42:26)

آپ علیہ السلام کا مشن تلوار چلوانا تھا۔(متی34:10)

شاگردوں کو پوشاک بیچ کر تلوار خریدنے کا کہا۔(لوقا36:22)

غریب الوطن۔(متی20:8، لوقا58:9)

غریبوں کے بارے میں غیر سنجیدہ رویہ۔(متی7:26 تا11)

دوسری قوم کے سائل کو کتا کہنا۔(متی26:15، مرقس27:7)

اہل خاندان آپ علیہ السلام کو دیوانہ سمجھتے تھے۔(مرقس21:3)

گھر والے ان پر ایمان نہ لائے۔(یوحنا5:7، 1:11)

امّی تھے۔(یوحنا14:7-15)

ہدایت کی راہ میں رکاوٹ بنے۔(مرقس10:4 تا 12)

علم غیب نہیں تھا۔(مرقس32:13)

اپنے آپ کام کرنے کی طاقت نہ تھی۔(یوحنا30:5)

کھاتے پیتے تھے۔(لوقا34:7،متی19:11)

شرابی ہونے کا الزام تھا۔(متی19:11،لوقا34:7)

عام انسانوں کی طرح ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔(متی25:1،لوقا6:2)

ختنہ ہوا۔(لوقا21:2)

عام انسانوں کی طرح نشوونما ہوئی۔(لوقا40:2)

آپ علیہ السلام کی والدہ کے شوہر یوسف تھے۔(متی19:1)

آپ علیہ السلام کے بہن بھائی تھے۔(متی55:13-56)

یوسف کا خاندان بڑھئی تھا۔(متی55:13)

فجر کی نماز پڑھتے تھے۔(مرقس35:1)

یوحنا سے بپتسمہ لیا۔(متی16:3)

جب تک یسوع نے بپتسمہ نہیں لیا خدا نے یہ نہیں کہا کہ تو میرا پیارا بیٹا ہے۔اس کا مطلب ہے کہ بپتسمہ سے پہلے ناپاک تھے، پاک ہوئے تو یہ کہا۔اگر ایسا نہیں تو بپتسمہ کس بات کا لیا تھا؟ کیونکہ یوحنا توبہ کا بپتسمہ دیتے تھے۔

انجیر کے درخت پر بلاوجہ لعنت کی۔(مرقس12:11 تا 14، 20 تا 21)

کھاتے بہت زیادہ تھے۔(متی19:11،لوقا34:7)

صلیب لے کر جاتے ہوئے تین دفعہ گرے مگر یہ واقعہ موجودہ انجیلوں میں کیوں غائب ہے؟ جبکہ یروشلم میں سفرِ مصائب سے موسوم راستے پر تین زیارت گاہیں اب بھی بنی ہوئی ہیں۔انٹرنیٹ پر Three falls of Jesus لکھ کر سرچ کریں۔

غیر عورتیں ساتھ پھرتی تھیں اور اپنا مال خرچ کرتی تھیں۔(لوقا1:8 تا 4)

یسوع مسیح مرتھا، مریم اور لعزر کے قریبی دوست تھے......مرتھا بڑی خدمت گزار عورت تھی اور یسوع

سے بڑی بے تکلف تھی۔ (قاموس الکتاب ص 898)

غیروں کی عورتیں یسوع کی خدمت کرتی تھیں۔ (قاموس ص 906)

جناب یسوع علیہ السلام نے کل چھ وعظ کیے۔ (قاموس الکتاب ص 208-209)

آپ بڑھئی تھے۔ (ایضاً ص 216)

آمد کا مقصد ابلیس کے کاموں کو مٹانا تھا۔ (ص 584)

مسیح علیہ السلام نے شیطان کی طاقت کو توڑ دیا ہے مگر وہ پھر بھی قیامت تک لوگوں کو ستاتا رہے گا۔ (656)

انہوں نے شیطان کو باندھ دیا یا تباہ کر دیا۔ (ص 660)

(اس عیسائی دعویٰ کا ثبوت آپ کو دنیا کے حالات دیکھ کر مل جائے گا کہ شیطان تباہ ہو چکا ہے یا مزید طاقتور ہو چکا ہے۔ از مولف)

دوبارہ آمد پر 1000 سال بادشاہی کریں گے مگر پاک کلام کی اصطلاحات اس کی تصدیق نہیں کرتیں۔ (ص 661)

آنے والا زمانہ مسیح علیہ السلام کی حکومت کا زمانہ نہیں ہوگا۔ (قاموس الکتاب 661)

مسیح میں زندہ رہنے سے مراد ان پر ایمان لانا ہے۔ (ص 800)

ہمارے لیے لعنتی بنے۔ (860)

مسیح مخلوق تھے اور تمام مخلوقات میں پہلوٹھے تھے۔ (ص 894-895)

ارامی زبان بولا کرتے تھے۔ (ص 729)

خدا نے انہیں دکھوں کے ذریعہ کامل کیا۔ (ص 767)

یسوع علیہ السلام نے شیطان کا مقابلہ کلام مقدس کی موزوں آیات سے کیا۔ (797-1141)

قیامت آنے کا وقت نہیں جانتے تھے۔ (ص 1065)

آپ علیہ السلام کی پیدائش 4 قبل مسیح میں ہوئی۔ (ص 912)

بہت سے فرقے خدا کے بدن اختیار کرنے کے منکر تھے۔ (ص 911-912)

یسوع علیہ السلام کو عام انسان سمجھنے والے بھی موجود تھے۔ (ص 981)

عام بچوں کی طرح پلے بڑھے۔ (ص 1140)

یوسیفس سمیت کسی یہودی مورخ نے یسوع علیہ السلام کے بارے میں کوئی حوالہ نہیں دیا۔ (ص 1138)

صورت تبدیل کر لیتے تھے۔ (ص 294-453-603 بحوالہ لوقا 4:29-30)

بہت دعا کرتے تھے۔ (ص 404-406)

بوقت صلیب ایلی ایلی پکارنا یسوع کی ناامیدی کی تصویر ہے۔ (قاموس الکتاب، ص:563)

معصومیت کا جائزہ

عیسائی حضرات کا دعویٰ ہے کہ کائنات میں صرف ایک ہی معصوم ہے اور وہ یسوع علیہ السلام ہیں، ان کے سوا کوئی معصوم نہیں۔ حالانکہ سیدنا یحیٰ علیہ السلام (یوحنا) کے والدین سیدنا زکریا علیہ السلام اور ان کی بیوی کے متعلق لکھا ہے کہ وہ دونوں خدا کے حضور راست باز اور خداوند کے سب احکام وقوانین پر بے عیب چلنے والے تھے۔ (لوقا 1:5-6)

مگر جب مسیحی حضرات کے دعویٰ کا جائزہ لیتے ہیں تو بائبل کے مطابق یسوع گناہوں سے پاک یا معصوم ثابت نہیں ہوتے کیونکہ:

(1) وہ ایک عورت سے پیدا ہوئے اور عورت سے پیدا ہونے والا پاک نہیں ہوسکتا۔ (ایوب 4:25)

(2) وہ اپنی والدہ سے برا سلوک کرتے ہیں۔ (متی 12:46 تا 50)

(3) والدہ کی توہین کرتے ہیں۔ (یوحنا 4:2)

(4) بدچلن، فاحشہ عورت کی نازیبا حرکات کی تعریف کرتے ہیں۔ (لوقا 7:37 تا 46)

(5) یہود کے سوا تمام انسانوں کو کتا کہتے ہیں۔ (مرقس 27:7)

(6) لوگوں کو نامناسب اور طعن آمیز القابات سے خطابات کرتے ہیں۔ (متی 33:23،7:17،4:16)

(7) مقام رسالت کی توہین کرتے ہوئے تمام گذشتہ انبیاء کرام علیہم السلام کو چور اور ڈاکو کہتے ہیں۔ (یوحنا 8:10)

(8) عیسائی عقیدہ کے مطابق (معاذ اللہ) ملعون ہیں۔ (استثناء 23:21، گلتیوں 13:3)

(9) جھوٹ بھی بولتے تھے۔ (یوحنا 8:7 تا 10)

(10) لوگوں کو شراب پیش کرتے ہیں۔ (یوحنا 7:2 تا 10)

خود ان پر شرابی ہونے کا الزام تھا۔ (متی 19:11، لوقا 34:7)

حالانکہ کتاب مقدس کے مطابق مے نوشی سے بصیرت جاتی رہتی ہے۔ (ہوسیع 11:4)

(11) یہودی علماء کو گالیاں دیتے تھے۔ ملاحظہ ہو عربی بائبل ص 114۔ (لوقا 45:11)

(12) خود پر ایمان لانے والے یہودیوں کو ابلیس کی اولاد کہا۔ (یوحنا 8:31-44، عربی بائبل، ص:156)

یسوع کی درشت کلامی

موجودہ اناجیل میں حضرت یسوع کی درشت کلامی بھی ملتی ہے۔ ان کی درشت کلامی کا نشانہ بننے والوں میں ان کی والدہ محترمہ، ان کے شاگرد، یہود علماء، غیر یہودی اقوام حتیٰ کہ درخت تک شامل ہیں۔

اردو ترجمہ میں تبدیلی کردی گئی ہے، مگر پھر بھی عربی ترجمہ میں آثار باقی ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ کریں:۔

1- انہوں نے اپنی والدہ سے بار بار سخت کلامی کی۔ (متی 12:46 تا 50، یوحنا 4:2)

2- انجیر کے درخت پر بلاوجہ لعنت کی۔ (مرقس 11:12 تا 14، 20 تا 21)

3- دوسری قوم کے مسائل کے سامنے غیر یہودی اقوام کو کتے کہا۔ (متی 15:26، مرقس 7:27)

4- اپنے شاگردوں کے سردار پطرس کو شیطان کہا۔ (متی 16:23، مرقس 8:33)

6- اسی وجہ سے یہودی علماء نے ان سے گلہ کیا کہ آپ ہمیں گالیاں دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو لوقا 11:45 کا عربی ترجمہ۔ جبکہ اردو ترجمہ میں لکھا ہے کہ شرع کے عالموں میں سے ایک نے کہا: ''اے استاد! ان باتوں کے کہنے سے تو ہمیں بھی بے عزت کرتا ہے۔''

نسب نامہ کی تحقیق از مطالعاتی اشاعتِ بائبل وقاموس الکتاب

حضور ﷺ پر اعتراض کرنے والے پہلے اپنے ''خدا'' کے نسب نامہ میں مذکورہ شخصیات کے حالات پر ایک نظر ڈال لیں۔

متی لکھتا ہے ''یسوع مسیح ابن داؤد ابن ابرہام کا نسب نامہ''۔ حالانکہ ان میں ہزاروں سال کا فرق ہے تو پھر مریم علیہا السلام کو اخت ہارون کہنا کیسے قابل اعتراض ہوسکتا ہے؟

1۔ ابراہام علیہ السلام:

شدید دباؤ کے زیر اثر اس نے سچائی کو منع کیا (مطالعاتی اشاعت بائبل، ص: 2403)

جھوٹ بولا (پیدائش 12:11 تا 14، 20:1 تا 5) نبی تھے۔ (پیدائش 20:7)

2۔ اضحاق علیہ السلام:

دباؤ کا سامنا نہ کرسکا اور جھوٹ بولنے پر آمادہ ہوا (مطالعاتی اشاعت 2405) پیدائش (26:6 تا 8)

3۔ یعقوب علیہ السلام

تنازعات کا سامنا کرتے ہوئے خدا سے مدد کا طالب ہونے کی بجائے اپنے وسائل اور زور بازو پر بھروسا کرتا تھا۔ دولت اکٹھی کرنے پر مائل رہتا تھا (مطالعاتی اشاعت 2408) (پیدائش 29:25 تا 34) دھوکہ سے برکت حاصل کرنے کا معاملہ گول کردیا جس کا ذکر پیدائش 27 میں ہے۔ تین بار جھوٹ بولا (پیدائش باب نمبر 27 پورا) بت پرستی کا الزام (35:2 تا 4) شرمناک نکاح (باب 29:15 تا 30)

4۔ یہوداہ

اپنے بھائی یوسف کو بیچنے کی صلاح دی۔ بہو سے وعدہ خلافی کی (مطالعاتی اشاعت 2411) (پیدائش 13:38 تا 30) کے مطابق اپنی بہو تمر سے زنا بھی کیا۔

5۔ فارص

یہ شخص پیدائش (29:38) کے مطابق حرام زادہ تھا اور یہوداہ کے اپنی بہو تمر سے زنا سے پیدا ہوا (پیدائش 13:38 تا 30) قاموس الکتاب ص:261۔

6۔ مصرون

7۔ رام

8۔ عمّیذاب

9۔ نحسون

داؤد بادشاہ اس کے خاندان سے تھا (قاموس، ص:1030)

10۔ سلمون

روت کے خاوند بوعز کا باپ، یسیؔ کا دادا جس کا بیٹا داؤد علیہ السلام تھا (روت 20:4) قاموس (ص:529)

11۔ بوعز

سلمون سے بوعز راحب سے پیدا ہوا (متی 5:1) راحب کے بارے میں مطالعاتی اشاعت ص: 2419-2418 پر لکھا ہے کہ وہ جسم فروش عورت تھی۔ اس کا پیشہ فاحشہ لکھا ہے (ص: 2419) یشوع 1:2 کے مطابق کسبی تھی۔

12۔ عوبید

بوعز سے عوبید روت سے پیدا ہوا (متی 5:1) روت موآبی عورت تھی۔ شادی سے پہلے ہی مرد کے قدموں میں رات لیٹی رہی (روت 9:3)

13۔ یسیؔ

14۔ داؤد علیہ السلام بادشاہ

نعوذ باللہ غدار، جھوٹا، زانی، قاتل (مطالعاتی اشاعت ص 2427) یسوع کے اسلاف میں سے ایک (ایضاً) آپ علیہ السلام کو نبی بھی لکھا ہے اور بطور نبی آپ علیہ السلام کی پیش گوئی کا ذکر بھی کیا ہے

(اعمال 29:2 تا 31) انکی بہت سی بیویاں تھیں۔ان خصوصیات کا حامل بھی عیسائیوں کے نزدیک نبی ہوسکتا ہے۔شاید اسی لیے یسوع علیہ السلام نے کہا کہ مجھ سے پہلے جتنے آئے چور اور ڈاکو تھے۔(یوحنا 8:10)

15۔ سلیمان علیہ السلام

عوام پر ظلم کیا(مطالعاتی اشاعت،ص:2435) بت پرستی کی(1۔سلاطین 1:11 تا 11) یعنی مرتد ہو گئے(نعوذ باللہ) مگر خدا نے ہیکل بھی انہی سے تعمیر کرایا(قاموس،ص:532) انہوں نے خدا سے حکمت مانگی جو مل گئی(ص:532) انکی 700 بیویاں اور 300 لونڈیاں تھیں(ص:533) آخری عمر میں بت پرستی کی۔(ص:533)

16۔ بت سبع

داؤد کی اس کے ساتھ(نعوذ باللہ) زنا کاری کرنے نے ایک ایسے گھرانے کو تقریباً ختم ہی کر دیا تھا جس سے خدا نے بذاتِ خود جسمانی طور پر اس دنیا میں آنے کا منصوبہ بنایا تھا،پھر بھی گناہ کی اس راہ میں سے خدا نے بھلائی پیدا کی۔بالا آخر یسوع مسیح انسانیت کا منجی، داؤد اور بت سبع کی نسل سے پیدا ہوا(مطالعاتی اشاعت،ص:2434) ملاحظہ ہو کہ خدا کو جسمانی طور پر اس دنیا میں آنے کے لیے کیسے گھرانے کا انتخاب کرنا پڑا۔

17۔ رجعام

اس نے اپنے لیے ہر اونچے ٹیلے پر، ہر درخت کے نیچے،اونچے مقام اور ستون یسیرتیں (بت خانے) بنائیں۔(1۔سلاطین 23:14) یعنی یسیرت دیوی کے بت بنائے(قاموس،ص:434اور 1143) اس کی 18 بیویاں اور 60 لونڈیاں تھیں۔(قاموس الکتاب:ص:434)

18۔ ابیاہ

اس نے 14 بیویاں کیں(قاموس ص:16) اور اپنے باپ کے برے نقش قدم پر چلا۔

19۔ آسا

اس نے لوطیوں کو ملک سے نکال دیا اور اپنے باپ دادا کے تمام بتوں کو دور کیا(1۔سلاطین 12:15) جب اس کے گناہ سے اسے آگاہ کیا گیا تو قہر سے بھپر گیا(مطالعاتی اشاعت ص 2443) اور غیر اسرائیل اقوام سے معاہدے کیے۔

20۔ یہوسفط

اپنی سرزمین سے بت پرستی مکمل طور پر ختم نہیں کی۔بت پرست اخی اب کی بدکار بیٹی سے بیٹے کی شادی

کی اور اخی اب سے معاہدے کیے (مطالعاتی اشاعت، ص:2444) ﷺ قاموس، ص:1189۔

21۔ یورام

22۔ عزیاہ

اپنی کامیابی پر مغرور ہو گیا۔ خدا کی بلاواسطہ نافرمانی کرتے ہوئے کہانت کے فرائض انجام دینے کی کوشش کی۔ (مطالعاتی اشاعت، ص:2445)

23۔ یوتام

24۔ آخز

وہ مرتد ہو گیا، بت پرستی کی، ہیکل کے برتنوں کو توڑ دیا، اس کے دروازے بند کر دیے، اپنے ملک کے ہر شہر میں مندر بنائے۔ اس کی شرارت کی وجہ سے اسے اسرائیل کے بادشاہوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا گیا۔ (قاموس، ص:1-2، ص:322 حزقیاہ کے تحت)

25۔ حزقیاہ

26۔ منسّی

کٹر بت پرست، بعل دیوتا، سورج، چاند، ستاروں کی پوجا کی، ہیکل میں بتوں کا مذبح خانہ بنایا، یسعیاہ نبی علیہ السلام کو آرے سے چروایا۔ (قاموس، ص:964)

27۔ امون:

28۔ یوسیاہ:

نیک آدمی تھا۔ اسی کے عہد میں ہیکل کی طہارت اور بحالی کے کام ہوئے (622 قبل مسیح) تورات کی گم شدہ کتاب ملی (قاموس، ص:964)

29۔ یکونیاہ:

30۔ سیالتی ایل:

31۔ زرُبابل:

بابل سے واپسی پر شاہ فارس خورس (ذوالقرنین علیہ السلام) نے اس کو یہوداہ کا ناظم مقرر کیا تھا۔ اسی نے ہیکل کی دوبارہ تعمیر کی بنیاد ڈالی۔

32۔ ابی ہود:

33۔ الیاقیم:

یہویقیم کا پہلا نام (2۔سلاطین 34:23، بحوالہ قاموس، ص: 79) لیکن فرعون نکوہ نے اسے بدل کر یہویقیم رکھا۔ وہ ظالم اور بدکار بادشاہ تھا (قاموس، ص: 1191) اس کے بارے میں یرمیاہ علیہ السلام نبی کی پیش گوئی کی تھی کہ "شاہ یہوداہ یہویقیم کی بابت خداوند یوں فرماتا ہے کہ اس کی نسل میں سے کوئی نہ رہے گا جو داود کے تخت پر بیٹھے۔" یہ نام متی باب نمبر 1 اور لوقا باب نمبر 4 دونوں نسب ناموں میں موجود ہے یعنی الیاقیم کے نام سے، جبکہ لوقا 32:1 کے مطابق خداوند خدا اس کے باپ داود علیہ السلام کا تخت اسے دے گا۔

34۔ عازور:

35۔ صدوق:

36۔ اخیم:

37۔ اِل یہود:

38۔ الیعزر:

39۔ متان:

40۔ یعقوب:

41۔ یوسف:

یسوع مسیح کی والدہ مریم کا شوہر۔ وہ پیشے کے لحاظ سے نجار (بڑھئی، ترکھان) تھا۔ وہ یعقوب یا عیلی کا بیٹا تھا۔ کیونکہ متی کے مطابق وہ یعقوب کا بیٹا تھا (متی 16:1) اور لوقا کے مطابق وہ عیلی کا بیٹا تھا (لوقا 23:3) وہ یسوع کا دنیاوی باپ سمجھا جاتا تھا۔ یوسف نے یسوع مسیح علیہ السلام کو بڑھئی کا کام سکھایا (بحوالہ مرقس، 3:6) (قاموس، ص: 1175) یسوع کا زمینی اور قانونی باپ (مطالعاتی، ص: 2457)

عیلی کے بارے میں قاموس الکتاب، ص: 678 پر لکھا ہے کہ عیلی مریم کے خاوند یوسف کا باپ تھا۔ (لوقا، 23:3)۔ کئی مفسروں کے نزدیک وہ مسیح کی ماں مریم کا باپ تھا۔ (قاموس، ص: 678) قاموس کے، ص: 1150 پر یعقوب کو یوسف کا باپ لکھا ہے۔

نوٹ (i) جن لوگوں کو یسوع کے باپ یوسف کے والد (یعنی یسوع کے دادا) اور مریم کے والد کا نام معلوم نہیں ان کو مریم کے بھائیوں کے نام کہاں معلوم ہوں گے جو قرآن مجید کی آیت یا اخت ھارون (مریم

28:19) پر اعتراض کرتے ہیں کہ ہارون ان کے بھائی کا نام نہیں تھا اور قرآن کا بیان غلط ہے۔

(ii) متی 6:1 میں شجرہ نسب سلیمان علیہ السلام ابن داؤد علیہ السلام سے لکھا ہے جبکہ لوقا 31:3 میں ناتن بن داؤد علیہ السلام سے لکھا ہے۔ ایک شخص بیک وقت دو بھائیوں کی اولاد کیسے ہوسکتا ہے۔ اور روح القدس کی تائید حاصل ہونے کا دعویٰ کرنے والے دو آدمی متضاد شجرہ نسب کیسے لکھ رہے ہیں؟

(iii) چونکہ یسوع علیہ السلام کسی مرد کی اولاد نہ تھے لہٰذا داؤد کے تخت کی جانشینی کا حق ان کو نہیں مل سکتا کیونکہ وہ ان کے بیٹے ہی نہ تھے۔ عیسائی پادری وکلف اے سنگھ اپنی کتاب یسوع المسیح کا نسب نامہ ص 16 پر لکھتا ہے کہ ''اگر چہ خداوند یسوع جسمانی لحاظ سے صدیقہ مریم کے بیٹے تھے تاہم قانونی وارث ہوتے ہوئے وہ داؤد علیہ السلام کے تخت کے حقدار تھے کیونکہ یہودی متبنّیٰ کو وہی حق دیتے تھے جو ایک صلبی بیٹے کو حاصل تھا۔ اول تو یہ بات ہی ثبوت طلب ہے کہ یہودی متبنّیٰ بیٹے کو صلبی بیٹے کے برابر حق دار ٹھہراتے تھے۔ بالفرض محال ایسا ہو بھی تو متنبیٰ کا نام ہرگز جسمانی لحاظ سے شجرہ نسب میں درج نہیں ہوسکتا۔

(iv) یہویقیم کی اولاد یرمیاہ علیہ السلام نبی کی پیش گوئی کے مطابق داؤد علیہ السلام کے تخت پر نہیں بیٹھ سکتی۔

(iiv) کوئی حرام زادہ خداوند کی جماعت میں داخل نہ ہو۔ دسویں پشت تک اس کی نسل میں سے کوئی خداوند کی جماعت میں آنے نہ پائے۔ (استثنا 2:23) چونکہ فارص حرام زادہ تھا (پیدائش 29:38) اور داؤد اس کی 9ویں پشت میں آتے ہیں لہٰذا داؤد تو خود خداوند کی جماعت میں شامل نہیں ہوسکتے تو ان کی اولاد کو یہ حق کہاں سے حاصل ہوگا؟ کیونکہ آدمی کے پاس جو کچھ ہے وہ اس سے زیادہ کسی کو منتقل نہیں کرسکتا۔

❀❀❀

کیا یسوع ہی مسیح ہیں؟

(آل عمران 45:3)

قاموس الکتاب کے مولف پادری صاحب لکھتے ہیں کہ

مرقس کی انجیل میں کم از کم پطرس کے اقرار سے پیشتر (30:8) یسوع کے المسیح ہونے کو بیان نہیں کیا گیا۔ اس کی بلاشبہ وجہ یہ تھی کہ وہ یہودیوں کے المسیح کے بارے میں اس مقبول عام نظریہ کی مخالفت سے بچنا چاہتا تھا کہ المسیح ان کا زمینی بادشاہ ہوگا جو انہیں دشمنوں کے ہاتھوں سے رہائی دلائے گا۔ مسیح کی اصطلاح اس انجیل میں سات مرتبہ استعمال ہوئی ہے اور کسی ایک مقام پر بھی یسوع نے اسے خود استعمال نہیں کیا (ص: 901) مرقس نے یسوع کو یہوواہ کے خادم (یسعیاہ 12:53,13:52) کے طور پر پیش کیا (ص: 901) اس تصور کی روشنی میں دیکھنا چاہیے کہ مسیح خدا کے خادم ہیں (قاموس الکتاب، ص: 901) تاہم جیسا کہ مرقس نے بھی پہلی آیت میں کہا ہے کہ یہ پست خادم بلاشبہ خدا کا بیٹا بھی ہے (قاموس، ص: 901)

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ جب پطرس نے آپ علیہ السلام کو مسیح کہا (المسیح نہیں کہا) تو آپ علیہ السلام نے اس کو تاکید کی کہ میری بابت کسی سے یہ نہ کہنا (مرقس 30:8) اور یہ کہ جب یحییٰ علیہ السلام (یوحنا) نے بھی آپ علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا تو بھی مسیح ہے تو بھی آپ علیہ السلام نے اقرار نہ کیا۔ (متی 3:11، لوقا 19:7)

یہودی کس قسم کے مسیح کے منتظر تھے؟

یہودی کتابیں اور لٹریچر جو کہ یسوع کے دور میں تھا ان تحریروں سے جو توقع انتہائی مضبوط نظر آتی ہے وہ یہ تھی کہ یہودی جان لڑا دینے کی حد تک یہ امید لگائے ہوئے تھے کہ اسرائیل بحال ہوگا۔ خدا اپنے لوگوں کا انتقام لینے کے لیے مداخلت کرے گا، ان کو غیر ملکی تسلط سے آزادی دلائے گا جس نے ان کو دبا رکھا تھا۔ ان کا بطور اپنے نجات یافتہ لوگوں کے صحیح مقام بحال کرائے گا۔ یہودی اپنی اس وقت کی حالت کو بیان کرنے کے لیے جلاوطنی والی زبان استعمال کرتے تھے اگرچہ وہ بابل کی جلاوطنی سے چھٹی صدی قبل مسیح میں واپس آچکے تھے۔ ان میں سے بہت سے خیال کرتے تھے کہ جب تک وہ اپنی سرزمین پر غیر ملکی تسلط

کے زیر اثر ہیں، تب تک وہ بدستور جلاوطنی کی حالت میں ہیں۔ روم کو وہ نیا بابل گردانتے تھے اور مزاحمتی تحریکوں میں روم کو بابل کے کوڈ نام سے پکارا جاتا تھا۔ لہٰذا انبیاء علیہم السلام کی ان پیش گوئیوں کو جن میں اپنے وطن واپسی کا ذکر تھا، وہ اپنے دشمنوں سے دوبارہ اپنی حتمی آزادی کی امید پر چسپاں کرتے تھے۔ ان کا پورا ہونا کبھی وہ خدا کے براہ راست اقدام سے اور کبھی مسیح کی آمد سے منسلک کرتے تھے۔ مگر مسیح کی شخصیت ان میں صراحت سے بیان نہیں کی گئی تھی کہ اس کی خصوصیات کیا ہوں گی؟ کبھی اپنی امید کو وہ نئے یروشلم سے تعبیر کرتے یا نئے ہیکل سے۔ تفصیلات جو کچھ بھی ہوں، امید کا مرکزی نقطہ یہ تھا کہ اسرائیل بحال ہوگا۔ اس مرکزی امید کے ساتھ ساتھ یہ عقیدہ بھی تھا کہ اسرائیل کی بحالی کے بعد قومیں بنی اسرائیل کا حصہ بن جائیں گی۔ البتہ ان قوموں کے انجام کے بارے میں ان کے خیالات مختلف تھے۔ یہودی امید کے ان دونوں پہلوؤں...... اسرائیل کی بحالی اور قوموں کا اجتماع...... کی جڑیں پرانے عہد نامہ میں بڑی گہری تھیں۔ جلاوطنی کے بعد ان کی امید اور مضبوط اور واضح ہوگئی تھی (ص:137-138)

(Knowing Jesus Through the Old Testament, Rediscovening the Roots of Own Faith)

(مصنفہ، کرسٹوفر جے ایچ رائٹ، لندن)

یہ جڑیں یرمیاہ کے باب 30 تا 33، حزقی ایل باب 40 تا 48، یسعیاہ باب 40 تا 55 میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ بادشاہ کا یروشلم کو آنے کا مفہوم امن اور تمام قوموں پر عالمی حکمرانی ہے (زکریا 9:9، زبور 13:102 تا 22، یسعیاہ 5:49، 1:56 تا 8، 10:60 تا 14، 8:66 تا 24) کے تقابل سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اسرائیل کا مقدر اور قوموں کے مقدر آپس میں گندھے ہوئے تھے۔ جیسا کہ ان آیات میں موجود انبیاء علیہم السلام کی پیش گوئیوں سے ظاہر ہے (ص:139 ایضاً) پس یسوع کے دور میں یہودیوں کی امیدوں کا مرکز اسرائیل کی بحالی اور قوموں پر اس کے اثرات تھا۔ اسرائیل کی بحالی اور قوموں کے اجتماع کو وہ قیامت کی اصطلاحات کے پردے میں، خدا کے آخری بڑے اقدام کے طور پر بیان کرتے تھے اور اسی کو وہ خدا کا دن کہا کرتے تھے۔ یہ دونوں باتیں...... یہود کی بحالی اور دوسری قوموں کا انجام...... اس آخری واقعہ کا حصہ ہوں گی جو کہ نئے عہد میں رونما ہوگا۔ (ایضاً، ص:140)

نتیجہ

اس ساری بات کا نتیجہ یہ ہے کہ یہود جس مسیح کا انتظار کررہے تھے، اس کے سارے کاموں کا پھل

اس سرزمین پر ظاہر ہونا تھا، جوان کو غیر ملکی تسلط سے نجات دلائے، اسی کو وہ قیامت کہتے تھے اور یوم حساب، قیامت، نجات (جو غیر ملکی تسلط سے ہونا تھی) وغیرہ سب اس سرزمین پر سب لوگوں کے سامنے ہونا تھی۔ وہ اگلے جہان میں ہونیوالی قیامت، نجات وغیرہ کی نہیں بلکہ اسی دنیا میں فتح کی بات کرتے تھے۔ مسیح ان کا سیاسی رہنما تھا جیسا کہ کورش ممسوح (یسعیاہ 1:45) سیدنا یحییٰ علیہ السلام (یوحنا) خدا کے پیغمبر تھے (ص: 140 ایضاً) ان کا مشن یہ تھا کہ لوگوں کو توبہ کے ذریعے آنے والی اسرائیل کی بحالی اور قوموں کے گند صاف کرنے والے حالات کے لیے تیار کیا جائے۔ مسیح موعود کے متعلق یہود کا عقیدہ یہ تھا کہ جب مسیح آئے گا تو کوئی نہ جانے گا کہ وہ کہاں کا ہے (یوحنا 27:7) عیسائی علماء (قاموس اور کرس رائٹ) کی تحریرات کے مطابق ہمارے سوال عیسائیوں سے مندرجہ ذیل ہیں:

سوال نمبر 1۔ یہودی توقعات کہاں تک درست تھیں؟ کیا یسوع علیہ السلام اس معیار کے مطابق آئے۔ اگر اس معیار کے مطابق آئے تو یہود نے قبول کیوں نہ کیا۔ اگر انہوں نے آپ علیہ السلام کو قبول نہ کیا تو کیا یہود اپنے رویہ میں حق بجانب نہیں تھے؟

سوال نمبر 2۔ کیا یسوع علیہ السلام نے ان کی غلط توقعات (اگر وہ غلط تھیں تو) کی نشاندہی کر کے انکی تصیح کی؟ آپ علیہ السلام نے اپنا مسیح ہونا دوسروں کو بتانے سے کیوں انکار کیا (متی 20:16,16:12، مرقس 30:8)

سوال نمبر 3۔ کیا یہودی ایک ایسے مسیح کے منتظر تھے جو خدا کی ذات ہوتا؟ اگر جواب ہاں میں ہو تو ثبوت درکار ہے؟

سوال نمبر 4۔ اگر جواب ناں میں ہو تو بتایا جائے کہ مسیحیت میں یہ نظریہ کہاں سے اور کیسے آیا؟

سوال نمبر 5۔ کیا یہ یسوع علیہ السلام کی تعلیم ہے یا بعد کے لوگوں نے رفتہ رفتہ کونسلوں کے ذریعہ یہ عقیدہ بنا کر مسیحیت میں داخل کیا۔ وہ کون لوگ تھے اور یسوع علیہ السلام سے فیض یاب ہونے میں ان کا کیا حصہ تھا؟ انہوں نے یسوع علیہ السلام کی کن تعلیمات کو اپنے عقیدہ کا محور بنایا؟

سوال نمبر 6۔ جب یہودیوں نے یسوع کو گرفتار کر کے سوالات کیے تو یسوع علیہ السلام نے بے ربط جواب دیئے اور جب پیلاطس پوچھا کہ حق کیا ہے؟ تو یسوع نے جواب کیوں نہ دیا؟ (یوحنا 38:18)

سوال نمبر 7۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ یسوع علیہ السلام کے جواب تو برمحل تھے مگر انجیل نویسوں کے پولوسی اثرات کے تحت وجود میں آنے والے عقیدہ کے مطابق نہ تھے اس لیے درست جواب نقل نہ کیے اور مبہم عبارات

داخل کر دیں؟

سوال نمبر 8۔ یسوع کے موجود جوابات میں یہود کی تسلی کا کون سا سامان تھا؟ اگر وہ حق کی گواہی دینے آئے تھے تو پیلاطس کے سامنے کون سا حق آشکار کیا؟

سوال نمبر 9۔ کیا یہودیوں کو صدیوں کے انتظار کے بعد یسوع علیہ السلام کے چند وقتی معجزات درکار تھے یا غیر ملکی تسلط سے آزادی درکار تھی۔ یسوع علیہ السلام ان کے لیے کس طرح نافع ثابت ہوئے؟

مسیح ہونے کا دعویٰ دراصل یہودیوں کا بادشاہ ہونے کا دعویٰ تھا اور رومی حکومت سے بغاوت کا دعویٰ تھا۔ اگر یہ دعویٰ سچ ثابت ہو جاتا تو رومی گورنر انہیں سزائے موت دیتا۔ مگر یہ دعویٰ ثابت نہ ہو سکا۔ گورنر کے پوچھنے پر بھی آپ نے اقرار نہ کیا۔ (متی 11:27) لہٰذا اس نے راست باز کہہ کر آپ کو بری کر دیا۔ (متی 25:27)۔ ایسا ہی مرقس 15:2-9-10، لوقا 23:3-14-15 میں لکھا ہے۔ جب کہ یوحنا 18:33 تا 39 کے مطابق آپ نے اس دنیا کا بادشاہ ہونے سے انکار فرمایا۔ لہٰذا پیلاطوس نے آپ کو بے گناہ قرار دے دیا۔ (یوحنا 18:38)

عیسائی کہتے ہیں کہ گورنر نے ان میں کوئی گناہ نہ دیکھا۔ شرعی گناہ کی سزا تو گورنر کا کام ہی نہ تھا۔ سیاسی جرم یعنی بغاوت کی سزا دینا اس کا کام تھا۔ لہٰذا اس نے بغاوت کے جرم کے مقدمہ ہی کی سماعت کی۔ کیونکہ یہودیوں نے آپ پر بادشاہ یعنی مسیح ہونے کا دعویٰ کا الزام لگایا تھا۔ لہٰذا عیسائی حضرات کا دعویٰ کہ آپ ہی مسیح ہیں، ثابت نہیں ہوتا کیونکہ مسیح ہونا دراصل یہودی بادشاہ ہونا تھا۔ جس کا خود یسوع نے اقرار نہ کیا۔ سو اناجیل سے وہ مسیح موعود ثابت نہیں ہوتے۔

لوقا 23:2 کے مطابق یہودی الزام یہ تھا کہ ہم نے اسے اپنے آپ کو مسیح بادشاہ کہتے پایا۔ اس لیے پیلاطوس نے پوچھا کہ کیا تو یہودیوں کا بادشاہ ہے؟ (لوقا 23:3) یوحنا کے مطابق گورنر نے پوچھا کہ کیا تو یہودیوں کا بادشاہ ہے۔ (یوحنا 18:33) پھر پوچھا کیا تو بادشاہ ہے۔ (18:37) پھر اس نے پوچھا حق کیا ہے؟ تینوں دفعہ یسوع نے مناسب جواب نہ دیا۔

❀❀❀

مسیحیت اور اسلام میں مقامِ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام

مسلمانوں کے نزدیک سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ہی یسوع ہیں مگر عیسائی حضرات کو لفظ عیسیٰ قبول نہیں جیسا کہ قاموس الکتاب ص: 677 میں لفظ عیسیٰ کے تحت لکھا ہے۔ اسی لیے نیچے دونوں نام لکھ کر موازنہ کیا گیا ہے۔

1۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام بلاشک وشبہ کنواری کے بیٹے ہیں مگر یسوع شادی شدہ عورت کے بیٹے ہیں۔

2۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ماں کے انتہائی باادب (بربوالدتی) مگر یسوع ماں کے گستاخ تھے۔

3۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام عبداللہ (اللہ کے بندے) ہوتے نہیں شرماتے (نساء 182:4) خدا کے بندوں پر آزمائش آتی ہے۔ مگر یسوع کا خدا ہونا باور کرایا جاتا ہے۔ خدا پر آزمائش نہیں آتی۔ مگر یسوع آزمائش میں پورے نہ اترے اور ایلی ایلی پکار اٹھے اور صلیب لے جاتے ہوئے تین دفعہ گرے۔

4۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام وجیھاً فی الدنیا والآخرۃ ہیں مگر یسوع کے منہ پر لوگوں نے تھوکا (متی 30:27,67:26) سیدنا عیسیٰ علیہ السلام خدا پر ایمان میں کامل مگر یسوع کو آخری وقت شک ہو گیا کہ خدا نے ان کو چھوڑ دیا ہے اور ایلی ایلی کہنے لگے۔

5۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نیک ہیں (انعام 85:6) مگر یسوع نے نیک ہونے سے انکار کیا۔
(لوقا: 19:18، مرقس 18:10)

6۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے تمام حواری مومن کامل تھے اور خدا کے دین کے مددگار تھے (آل عمران 52:3 مائدہ 111:5، صف 14:61) مگر یسوع کے سارے حواری بھاگ گئے (متی 56:26) لہٰذا مکاشفہ (10:2) کے فیصلہ کے مطابق نجات یافتہ نہیں تھے کیونکہ نجات کے لیے وفاداری ضروری تھی۔

7۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام وجعلنی مبارکاً کے مصداق مگر عیسائی عقیدہ کے مطابق یسوع ملعون اور لعنتی ہیں (گلتیوں: 13:3) نعوذ باللہ۔

❁❁❁

بائبل میں حضرت یسوع علیہ السلام کے بارے میں مبینہ پیش گوئیاں

1۔ عمانوایل

"دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی اور اس کا نام عمانوایل رکھیں گے (متی 22:1) متی نے یسعیاہ 14:7 میں مذکور پیش گوئی کو جناب یسوع علیہ السلام پر فٹ کر دیا جبکہ یسعیاہ 1:8 تا 4 کے مطابق وہ لڑکا اسی وقت پیدا ہوا۔ جس کا نام مہیر شالال حاش بز رکھا گیا (یسعیاہ 3:8) قاموس الکتاب میں لکھا ہے کہ حضرت یسعیاہ علیہ السلام 740 قبل مسیح میں نبی بنے (ص:1122) ایک لڑکا جو حضرت یسوع علیہ السلام سے 740 سال پہلے پیدا ہو چکا تھا، اس کے بارے پیش گوئی کو اتنی مدت بعد حضرت یسوع علیہ السلام پر فٹ کر دیا۔ ولیم میکڈونلڈ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ ایسا کوئی ریکارڈ موجود نہیں کہ زمینی زندگی میں مسیح کو کبھی عمانوایل کے نام سے پکارا گیا ہو۔ اس کو ہمیشہ یسوع کے نام سے یاد کیا گیا ہے (جلد نمبر 1 ص 32) میتھیو ہنری نے اپنی تفسیر میں اس بچہ کی پیدائش کا ذکر گول کر دیا اور لکھا کہ "اس کتاب (نبوت) کے عنوان کو نبی کے بچہ کا نام بنا دیا گیا (جلد نمبر 2 ص 576) یعنی بچہ سے مراد پیش گوئی ہے۔ اسمائے معرفہ کی تاویل اہل باطل کا پرانا شیوہ ہے۔ لفظ کنواری بھی محلِ نظر ہے۔ اصل عبرانی لفظ علمہ ہے جس کا ترجمہ یہاں کنواری نہیں بلکہ جوان عورت چاہیے۔ گڈ نیوز بائبل میں یسعیاہ 14:7 میں کنواری (Virgin) کی بجائے ایک جوان عورت (A young woman) لکھا گیا ہے۔ پھر حاشیہ x کے تحت ص 673 پر لکھا ہے "جس عبرانی لفظ کا ترجمہ یہاں جوان عورت کیا گیا ہے وہ کنواری کے لیے مخصوص نہیں ہے بلکہ شادی کے قابل عمر کی کوئی بھی جوان عورت مراد ہے۔ متی میں 23:1 میں کنواری ترجمہ کیا گیا ہے وہ پرانے عہد نامہ کے یونانی ترجمہ سے لیا گیا ہے جو یسعیاہ لکھے جانے کے 500 سال بعد کیا گیا (گڈ نیوز بائبل ص 673 زیر آیت یسعیاہ 14:7)-RSV میں بھی ترجمہ young woman کیا گیا ہے۔ اناجیل سے حضرت مریم علیہا السلام کا کنواری ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ متی 19:1 میں یوسف کو

مریم کا شوہر اور 18:1 میں منگنی کا لکھا ہے۔لوقا نے لکھا کہ یوسف اپنی منگیتر مریم کے ساتھ جو حاملہ تھی، نام لکھوانے گیا (لوقا 5:2) لوقا نے یہ بھی لکھا کہ لوگ یسوع کو یوسف کا بیٹا سمجھتے تھے (23:3) خود یسوع علیہ السلام نے اناجیل کے مطابق، پوری زندگی اپنی بن باپ پیدائش کو بطور دلیل پیش کیا نہ کبھی اس کا ذکر کیا۔لہٰذا نہ کنواری سے پیدا ہونا ثابت ہوتا ہے نہ عمانوایل کا لقب ثابت ہوتا ہے۔

2۔ امتِ اسرائیل کا گلہ بان سردار

کیونکہ نبی کی معرفت یوں لکھا گیا ہے کہ اے بیت لحم یہوداہ کے علاقے تو یہوداہ کے حاکموں میں ہرگز سب سے چھوٹا نہیں کیونکہ تجھ میں سے ایک سردار نکلے گا جو امتِ اسرائیل کی گلہ بانی کرے گا۔(متی 6-5:2) متی نے یہ میکاہ 2:5 کے حوالے سے لکھا ہے۔لیکن اصل کتابِ میکاہ میں لفظ سردار نہیں حاکم ہے یعنی اسرائیل کا حاکم لکھا ہے۔یہوداہ کے حاکموں کی بجائے وہاں یہوداہ کے ہزاروں لکھا ہے۔لہٰذا متی نے عبارت میں تصرف کیا۔چونکہ یہ عیسائی حضرات کو بھی مسلم ہے کہ جنابِ یسوع کو نہ یہودیوں کی حکومت مل سکی، نہ وہ حاکم بنے، نہ یہود نے ان کو اپنا سردار تسلیم کیا۔لہٰذا یہ پیش گوئی بھی ان پر صادق نہیں آتی، کیونکہ یہود نے اناجیل کے مطابق انہیں گرفتار کر کے صلیب دیکر قتل کرا دیا۔

3۔ بیٹے کو مصر سے بلایا

مریم علیہا السلام کے شوہر یوسف حضرت مریم علیہا السلام و یسوع علیہ السلام کو اپنے خواب کی بنا پر مصر لے گئے اور ہیرودیس بادشاہ کے مرنے تک وہیں رہے۔اس بارے میں متی لکھتا ہے "تا کہ جو خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا پورا ہو کہ مصر میں سے میں نے اپنے بیٹے کو بلایا (متی 15:2) متی نے یہ ہوسیع کی کتاب کے حوالہ سے لکھا ہے۔وہاں یہ عبارت اس طرح ہے "جب اسرائیل ابھی بچہ ہی تھا میں نے اس سے محبت رکھی اور اپنے بیٹے کو مصر سے بلایا اسی قدر وہ دور ہوتے گئے۔انہوں نے بعلیم کے لیے قربانیاں گزاریں اور تراشی ہوئی مورتوں کے لیے بخور جلایا (ہوسیع 1:11 تا 2) یہاں پر کسی ایک شخص کی نہیں قومِ بنی اسرائیل کی بات ہے اسی لیے اگلے فقرہ میں مجھے کا صیغہ استعمال ہوا۔دوسری بات یہ کہ بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دینے کا بیان ہے اور پھر انکی نافرمانی اور بت پرستی کا ذکر ہے۔اگر یہ عبارت حضرت یسوع علیہ السلام کے متعلق مانی جائے تو ان پر بت پرستی کا الزام آتا ہے لہٰذا یہ ان کے بارے میں تسلیم نہیں کی جا سکتی۔

4۔ بچوں کا قتل عام

جب ہیرودیس نے دیکھا کہ مجوسیوں نے میرے ساتھ ہنسی کی تو نہایت غصے ہوا اور آدمی بھیج کر بیت لحم اور اس کی سرحدوں کے اندر ان سب لڑکوں کو قتل کروا دیا جو دو برس کے یا اس سے چھوٹے تھے...... اس وقت وہ بات پوری ہوئی جو یرمیاہ نبی کی معرفت کہی گئی تھی کہ رامہ میں آواز سنائی دی ۔رونا اور بڑا ماتم ہے۔راخل اپنے بچوں کو رو رہی ہے اور تسلی قبول نہیں کرتی اس لیے کہ وہ نہیں ہیں (متی 16:2 تا 18) کتاب یرمیاہ کو پڑھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یرمیاہ علیہ السلام کی پیش گوئی دراصل یہ قوم اسرائیل اور یہوداہ کی اسیری ختم ہونے کی پیش گوئی ہے (یرمیاہ 3:30) زیر بحث عبارت باب 31 میں ہے۔جس میں اگلے فقرے یوں ہیں ”خداوند یوں فرماتا ہے کہ اپنی زاری کی آواز کو روک اور اپنی آنکھوں کو آنسوؤں سے باز رکھ کیونکہ تیری محنت کے لیے اجر ہے خداوند فرماتا ہے اور وہ دشمن کے ملک سے واپس آئیں گے۔اور خداوند فرماتا ہے تیری عاقبت کی بابت امید ہے کیونکہ تیرے بچے پھر اپنی حدود میں داخل ہوں گے (یرمیاہ 15:31 تا 17) اگر ہیرودیس کے قتل عام کی پیش گوئی ہوتی تو بچوں کا واپس آنا اور اپنی حدود میں داخل ہونا کیا معنی رکھتا ہے؟ ثابت ہوا کہ یہ پیش گوئی بھی حضرت یسوع علیہ السلام کی بابت نہیں ہے۔

5۔ ناصری کہلائے گا

اور ناصرہ نام ایک شہر میں جا بسا تاکہ جو نبیوں کی معرفت کہا گیا تھا وہ پورا ہو کہ وہ ناصری کہلائے گا (متی 23:2) یہ عبارت پرانے عہد نامہ کی کسی کتاب میں نہیں بلکہ ناصرہ سے کسی نبی کا آنا کبھی بھی اہلِ کتاب کے وہم و گمان میں نہیں تھا۔اسی وجہ سے لوگ کہتے تھے کیا ناصرہ سے کوئی اچھی چیز نکل سکتی ہے؟ (یوحنا 46:1) تفسیر الکتاب میں میتھیو ہنری نے اس پیش گوئی کے ثبوت میں کچھ نہیں لکھا (جلد سوم ص 15) ولیم میکڈونلڈ لکھتا ہے ”پرانے عہد نامے کی کسی آیت میں یہ بات براہ راست نہیں کہی گئی ۔ بہت سے علماء کا خیال ہے کہ یہاں متی نے یسعیاہ 1:11 کی طرف اشارہ کیا ہے جہاں مرقوم ہے کہ یسّی کے تنے سے ایک کونپل نکلے گی اور اسکی جڑوں سے ایک بار آور شاخ پیدا ہو گی۔جس عبرانی لفظ کا ترجمہ کونپل کیا گیا ہے وہ نصر ہے۔لیکن یہ تعلق دور کی کوڑی لانے کے مترادف ہے۔“ (جلد نمبر 1 ص 38)

6۔ چنا ہوا خادم

تا کہ جو یسعیاہ نبی کی معرفت کہا گیا تھا وہ پورا ہوا کہ دیکھو یہ میرا خادم ہے جسے میں نے چنا۔ میرا پیارا جس سے میرا دل خوش ہے میں اپنا روح اس میں ڈالوں گا۔ اور یہ غیر قوموں کو انصاف کی خبر دے گا۔ یہ نہ جھگڑا کرے گا نہ شور اور نہ بازاروں میں کوئی اس کی آواز نہ سنے گا۔ یہ کچلے ہوئے سرکنڈے کو نہ توڑے گا اور دھواں اٹھتے ہوئے سن کو نہ بجھائے گا جب تک کہ انصاف کی فتح نہ کرائے اور اس کے نام سے غیر قومیں امید رکھیں گی (متی 17:12 تا 21) متی نے یہ عبارت یسعیاہ 1:42 تا 4 کے حوالہ سے لکھی اور آخری فقرہ اپنی طرف سے بڑھا دیا'' اور اس کے نام سے غیر قومیں امید رکھیں گی'' یہ پیش گوئی حضرت یسوع علیہ السلام پر اس لیے صادق نہیں آتی کہ بقول عیسائی حضرات وہ خود خدا ہیں اور کسی لحاظ سے خدا سے کم نہیں لہٰذا وہ خدا کے چنے ہوئے خادم نہیں کہلا سکتے۔ آپ علیہ السلام نے نہ غیر قوموں کو انصاف دیا نہ انصاف کی فتح آپ علیہ السلام سے ہوئی الٹا آپ علیہ السلام پر جھوٹا مقدمہ قائم کر دیا گیا۔ یہ پوری پیش گوئی 1:42 تا 5 صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صادق آتی ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں بائبل کی پیشگوئیوں کے تحت گزرا۔ آیت نمبر 5 میں ہے کہ جزیرے اس کی شریعت کا انتظار کریں گے۔ یسوع علیہ السلام کے ذریعہ بقول عیسائی حضرات، تو شریعت ویسے ہی منسوخ ہوگئی تو اب جزیرے کس کا انتظار کریں گے؟ یہ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جن کی شریعت پوری دنیا میں پھیلی۔

7۔ تمثیلوں میں منہ کھولنا

تا کہ جو نبی کی معرفت کہا گیا تھا وہ پورا ہو کہ میں تمثیلوں میں منہ کھولوں گا۔ میں ان باتوں کو ظاہر کروں گا جو بنائے عالم سے پوشیدہ رہی ہیں (متی 35:13) متی نے یہ زبور 2:78 کے حوالہ سے لکھا۔ اس زبور کے شروع میں لکھا ہے آسف کا شکیل یعنی آسف کی تعلیم (میتھیو ہنری جلد نمبر 2 ص 188) بظاہر یہ آسف کا زبور دکھائی دیتا ہے۔ قاموس الکتاب کے مطابق بارہ زبور (78،50 تا 83) آسف سے منسوب کیے جاتے ہیں۔ یہ جیرسون کا ایک لاوی تھا جس کو داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام بادشاہ نے خدا کی خدمت کرنے پر مامور کر رکھا تھا، (1۔ تواریخ 5:16، 2۔ تواریخ 12:5) وہ حمد گانے میں رہنمائی کرتا تھا اور خدا کے صندوق کے سامنے جھانجھ بجاتا تھا۔ غالباً اس نے موسیقی کی درس گاہ قائم کر رکھی تھی نحمیاہ 44:7 (قاموس الکتاب، ص: 5) اس تعارف سے یہ تو واضح ہوگیا کہ یہ کسی نبی کا نہیں بلکہ کسی گویے کا کلام ہے۔ دوسری بات یہ کہ پورا زبور نمبر 78 پڑھ لیں تو معلوم ہوگا کہ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور سے حضرت داؤد علیہ السلام کے دور تک کی

تاریخ بیان کی گئی ہے جس میں بنی اسرائیل کی بداعمالیوں کی مذمت اور مصر میں ان پر فرعون کے ظلم، فرعون پر آنے والے عذاب اور بنی اسرائیل کی نجات اور خدا کے احسان گنواتے ہیں۔ پھر ان کی بداعمالیوں کی بنا پر خدا کے غضب کا بیان ہے۔ آخر میں سیدنا داؤد علیہ السلام کا ذکرِ خیر ہے کہ انہوں نے خلوص دل سے بنی اسرائیل کی پاسبانی و رہنمائی کی۔ من جملہ دیگر گناہوں کے، بنی اسرائیل کا یہ گناہ بھی بیان کیا گیا کہ انہوں نے خدا کی شریعت پر چلنے سے انکار کیا (آیت نمبر 10) بجائے اس کے کہ اس عبارت سے حضرت یسوع کے بارہ میں پیش گوئی نکلے، یہ تو خود عیسائیوں کے خلاف فردِ جرم بن گئی کیونکہ وہ بھی شریعت پر چلنے سے انکار تو بعد کی بات ہے، سرے سے شریعت ہی کو منسوخ کیے بیٹھے ہیں۔ اس عبارت میں آسف کا کلام بصیغہ متکلم بیان ہوا ہے جس میں وہ کہتا ہے کہ میں تمثیل میں کلام کروں گا۔ لہٰذا وہ کسی آنے والے کی پیش گوئی نہیں کر رہا بلکہ اپنی بات کر رہا ہے جس کو 460 سال بعد متی نے فٹ کر دیا۔

8۔ صیّون کا بادشاہ

جب حضرت یسوع علیہ السلام نے اپنے دو شاگردوں کو گدھی اور اس کا بچہ لانے کو کہا پھر اس پر سوار ہو کر یروشلم لے گئے تو اس بارے میں متی نے لکھا ''یہ اس لیے ہوا کہ جو نبی کی معرفت کہا گیا تھا وہ پورا ہوا کہ صیّون کی بیٹی سے کہو کہ دیکھ تیرا بادشاہ تیرے پاس آتا ہے۔ وہ حلیم ہے اور گدھے پر سوار ہے بلکہ لادو کے بچے پر (متی 21:4-5) متی نے یہ عبارت یسعیاہ 62:11 اور زکریا 9:9 کے حوالہ سے لکھی ہے۔ یہ عبارت حضرت یسوع علیہ السلام کے متعلق پیش گوئی نہیں بن سکتی کیونکہ یسعیاہ 62:1 تا 12 یروشلم شہر کو مستقبل میں ہر آفت سے محفوظ قرار دیا گیا ہے۔ زکریا 9:8-9 میں بھی ایسا ہی وعدہ ہے۔ اس کے علاوہ یسعیاہ 52:1 کے مطابق یروشلم سے وعدہ ہے کہ نامختون یا ناپاک تجھ میں کبھی داخل نہ ہوگا۔ یسعیاہ علیہ السلام کی کتاب 732 قبل مسیح میں لکھی گئی اور زکریا کا سن تصنیف 518 قبل مسیح ہے۔ مگر واقعات کا ثبوت اس کے خلاف ہے۔ زکریا کی تصنیف کے دور کے بارے میں لکھا ہے کہ جب یروشلم دوبارہ تعمیر ہو چکا تھا اس دور کی بات ہے۔ مگر 70ء میں طیطس رومی کے حملہ نے یروشلم اور بیت المقدس کو بالکل تباہ کر دیا۔ ساڑھے تیرہ لاکھ سے زیادہ یہودی قتل ہوئے اور نامختونوں کا قبضہ ہو گیا۔ اگر بالفرض اس عبارت کو حضرت یسوع علیہ السلام کے بارے میں پیش گوئی مانا جائے تب بھی اس میں مذکور بشارتوں میں سے کوئی حضرت یسوع علیہ السلام پر صادق نہیں آتی۔ کیونکہ بجائے اس کے کہ وہ صیون کی بیٹی کے بادشاہ بنتے، کچھ ہی عرصہ بعد خود گرفتار ہو گئے اور بقول عیسائی

حضرات، صلیب پر چڑھا کر قتل کر دیئے گئے۔ دوسری بات یہ کہ جب آپ گدھے پر سوار ہو کر یروشلم آئے تو وہاں آپ نے یروشلم کی بربادی کی پیش گوئی سنائی (لوقا 19:23 تا 44) لہٰذا صیون کی بیٹی کی خوشی تو دھری رہ گئی اگر اس کا بادشاہ گدھے پر سوار آ بھی گیا تو اسے کیا فائدہ ہوا؟ حضرت یسوع علیہ السلام تو یروشلم کی بربادی کی اطلاع دے رہے ہیں اور متی اس کو خوشخبری بتا رہا ہے یعنی من چہ می سرائیم وطنبور من چہ می سرائید!

9۔ جس کی قیمت ٹھہرائی گئی

اس وقت وہ پورا ہوا جو یرمیاہ نبی کی معرفت کہا گیا تھا کہ جس کی قیمت ٹھہرائی گئی تھی (متی 9:27) یرمیاہ نبی علیہ السلام کی کتاب میں اس عبارت کا نام ونشان تک نہیں میتھیو ہنری لکھتا ہے "یہ بات یرمیاہ نبی علیہ السلام کی معرفت کیسے کہی گئی؟ یہ ایک مشکل سوال ہے۔ سریانی نسخہ جو بہت قدیم ہے میں صرف یوں لکھا ہے کہ نبی کی معرفت کہا گیا تھا۔ وہاں کسی نبی کا نام نہیں" (جلد نمبر 3 ص 322) ولیم میکڈونلڈ لکھتا ہے "متی اس نبوت کو یرمیاہ علیہ السلام سے منسوب کرتا ہے جبکہ صاف ظاہر ہے کہ یہ زکریاہ کی کتاب سے آئی ہے (جلد نمبر 1 ص 259) اگر کاتب کی غلطی کہیں تو سوال یہ ہے کہ تمام نسخوں میں تمام کاتبوں سے ایک ہی غلطی کیسے ہوگئی؟ اگر کہیں کہ پہلے زمانے میں صحیفہ یرمیاہ پہلا صحیفہ تھا تو جواب یہ ہے کہ یسعیاہ 732 قبل مسیح کی تصنیف ہے لہٰذا یہ جواب بھی خود فریبی ہے۔ اس ترتیب کو کس نے تبدیل کیا؟

یہ عبارت دراصل زکریا 12:11 میں ہے۔ پورے باب 11 میں حضرت زکریا علیہ السلام کا کلام ہے۔ وہ فرماتے ہیں "اور میں نے ان سے کہا اگر تمہاری نظر میں ٹھیک ہو تو میری مزدوری مجھے دو، نہیں تو مت دو اور انہوں نے میری مزدوری کے لیے تیس روپے تول کر دیے۔ اور خداوند نے مجھے حکم دیا کہ اسے کمہار کے سامنے پھینک دے۔ تب میں نے دوسری لاٹھی یعنی اتحاد نامی کو کاٹ ڈالا تاکہ اس برادری کو جو یہوداہ اور اسرائیل میں ہے موقوف کر دوں (زکریا 12:11 تا 14) متی اور زکریاہ کی عبارتوں کا الگ الگ سیاق وسباق ہے جس پر زکریاہ کی عبارت بطور پیش گوئی صادق نہیں آتی۔ حضرت زکریاہ تیس روپوں کو اپنی مزدوری قرار دے رہے ہیں اور اسے بڑی قیمت قرار دے رہے ہیں۔

10۔ کپڑے بانٹنا اور کرتے پر قرعہ ڈالنا

یہ اس لیے ہوا کہ وہ نوشتہ پورا ہوا جو کہتا ہے کہ انہوں نے میرے کپڑے بانٹ لیے اور میری پوشاک پر قرعہ ڈالا (یوحنا 24:19) متی کیتھولک ترجمہ میں بین القوسین یہ عبارت درج ہے "تاکہ جو نبی کی معرفت کہا

گیا تھا وہ پورا ہو کہ انہوں نے میرے کپڑے آپس میں بانٹ لیے اور میرے کرتے پر قرعہ ڈالا۔''
(متی 35:27) جبکہ اردو پروٹسٹنٹ ترجمہ میں یہ عبارت موجود نہیں۔ انگریزی ترجمہ KJV میں یہ عبارت متی
35:27 پر بلا قوسین درج ہے۔

یہاں نوشتہ سے مراد کتاب زبور 18:22 کی طرف اشارہ ہے۔ زبور کا باب 22 پورا پڑھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام حضرت داؤد علیہ السلام کی دعا ہے نہ کہ کوئی پیش گوئی۔ وہ خدا کے حضور دعا کر رہے ہیں۔ پورے باب میں حضرت یسوع علیہ السلام کے متعلق کوئی اشارہ تک نہیں۔

11۔ حضرت موسیٰ کی پیش گوئی

فلپّس نے نتن ایل سے مل کر اس سے کہا کہ جس کا ذکر موسیٰ علیہ السلام نے توریت میں اور نبیوں نے کیا ہے وہ ہم کو مل گیا۔ وہ یوسف کا بیٹا یسوع ناصری ہے (یوحنا 45:1) اگر تم موسیٰ کا یقین کرتے تو میرا بھی یقین کرتے اس لیے کہ اس نے میرے حق میں لکھا ہے۔ (یوحنا 46:5) ان دونوں جگہوں پر کوئی صراحت نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پانچوں کتابوں میں کہاں لکھا ہے۔ لہٰذا یہ بات بلا حوالہ اور بلا ثبوت ہے۔

12۔ سب نوشتوں کی باتیں

پھر موسیٰ علیہ السلام سے اور سب نبیوں سے شروع کر کے سب نوشتوں میں جتنی باتیں اس کے حق میں لکھی ہوئی ہیں وہ ان کو سمجھا دیں...... پھر اس نے ان سے کہا یہ میری وہ باتیں ہیں جو میں نے تم سے اس وقت کہی تھیں جب تمہارے ساتھ تھا کہ ضرور ہے کہ جتنی باتیں موسیٰ کی توریت اور نبیوں کے صحیفوں اور زبور میں میری بابت لکھی ہیں پوری ہوں (لوقا 27:24 اور 44) عیسائی حضرات پیدائش 4:26,18:22,15:3، گنتی 8:21-9 کا حوالہ دیتے ہیں مگر ان تمام جگہوں پر بشارت مسیح علیہ السلام کا کوئی اشارہ نہیں۔

13۔ ملائکہ پر فضیلت

پال نے عبرانیوں کے نام خط میں حضرت یسوع علیہ السلام کی ملائکہ پر فضیلت پر کلام کرتے ہوئے لکھا۔ (عبرانیوں 8,6,4:1 تا 12) اس عبارت میں عیسائی علماء کے مطابق مندرجہ ذیل کتابوں کی پانچ پیش گوئی کا ذکر ہے۔ ان کا جائزہ پیشِ خدمت ہے۔

(i) تو میرا بیٹا ہے۔ یہ زبور 7:2 کی طرف اشارہ ہے۔ جبکہ وہاں حضرت داؤد علیہ السلام اپنے متعلق فرما

رہے ہیں کہ خداوند نے مجھ سے کہا تو میرا بیٹا ہے لہٰذا یہ پیش گوئی یسوع علیہ السلام کے متعلق نہ ہوئی۔

(ii) میں اس کا باپ ہوں گا اور وہ میرا بیٹا ہوگا (سموئیل نمبر 2-14:7) یہ ناتن نبی علیہ السلام نے حضرت داؤد علیہ السلام کو خدا کا فرمان حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں سنایا جیسا کہ آیت نمبر 13 میں واضح ہے کہ وہی میرے نام کا ایک گھر بنائے گا یعنی بیت المقدس۔ اس میں یسوع علیہ السلام کا کوئی ذکر نہیں۔

(iii) خدا کے سب فرشتے اسے سجدہ کریں (زبور 7:97) مگر زبور کا اصل فقرہ یہ ہے کہ اے معبودو! سب اسے سجدہ کرو۔ یہ خدا تعالیٰ کے بارے میں ہے جس کی وضاحت آیت نمبر 9 میں یہ کہہ کر کر دی گئی" کیونکہ اے خداوند! تو تمام زمین پر بلند و بالا ہے۔ تو سب معبودوں سے نہایت اعلیٰ ہے (زبور 9:97) اس عبارت میں ایک تو پال نے تحریف کی اور معبودو کی بجائے سب فرشتے لکھ دیا۔ دوسرا یہ کہ اس میں یسوع علیہ السلام کے بارے میں کوئی اشارہ تک نہیں۔

(iv) اے خدا تیرا تخت ابدالآباد رہے گا اور تیری بادشاہی کا عصا راستی کا عصا ہے (زبور 45:6-7) زبور میں پہلا فقرہ یوں ہے اے خدا تیرا تخت ابدالآباد ہے جس کو پال نے "رہے گا" بنا دیا۔ نہ بنی قورح کا مزمور ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام کی شان میں ہے۔ اس میں یسوع علیہ السلام کی طرف کوئی اشارہ نہیں۔ قاموس الکتاب کے مطابق قورح ایک لاوی تھا جس سے بنی قورح کی نسل چلی جو خیمۂ اجتماع اور ہیکل میں گانے کی خدمت پر مقرر رہوئے۔ خروج 24:6، 1۔ تواریخ 22:6 (ص:757)

(v) اے خداوند! تو نے ابتدا میں زمین کی نیو ڈالی اور آسمان تیرے ہاتھ کی کاریگری ہیں (زبور 102:25-26) اس میں اے خداوند کے الفاظ اضافہ کیے گئے ہیں جو اصل زبور میں نہیں۔ بہر حال اس زبور کے شروع میں لکھا ہے "مصیبت زدہ کی دعا جب وہ افسردہ دل ہو کر خداوند کے حضور اپنا رونا روتا ہے۔" اس کو دیکھ کر بتائیں کہ یہ دعا ہے یا یسوع علیہ السلام کی پیش گوئی ہے؟ آپ نے دیکھا کہ ان تمام عبارتوں میں متی سے لے کر پال تک سب نے دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے۔ جس بات کا ذرا سا بھی تعلق حضرت یسوع علیہ السلام سے نہ تھا، اس کو بطور پیش گوئی نبیوں کا نام لے کر درج کر دیا کیونکہ عام آدمی کہاں اصل حوالہ سے تصدیق کرتا ہے۔ متی مبالغہ کرنے میں سب سے آگے ہے مگر دھوکہ دہی پر سب متفق ہیں۔

متی کا تحریف کرنا

متی نے 6:2 میں بیت لحم کو یہوداہ کا علاقہ لکھا۔ اس کو نبی کی معرفت یعنی پیش گوئی لکھا ہے۔ ریفرنس

بائبل کے مطابق یہ میکاہ 2:5 میں لکھا ہے۔ وہاں پر یہ بیت لحم افراتا (ایک خاندان) کے بارے میں ہے۔

گھرانے کا ثبوت:......1۔ تواریخ 18:2 تا 54 میں ہے۔ کالب نے افرات سے بیاہ کیا۔ افرات کو آیت 24 میں افراتہ لکھا ہے۔

سوال: 1۔ اگر یہ پیش گوئی مسیح کے بارے میں نہیں تھی تو متی نے تحریف کی۔

2۔ اگر یہ واقعی مسیح کے بارے میں تھی تو گھرانے کے علاقہ میں بدل دیا۔

3۔ اب متی کی ذمہ داری ہے کہ وہ یسوع کو کالب بن حصرون کی نسل سے ثابت کرے کیونکہ متی اور لوقا کے نسب ناموں کے مطابق تو یسوع اس کی نسل سے نہیں۔

بائبل کی پیش گوئی پورا نہ ہونا:

حزقیل باب 7:26 صور کی تباہی کی پیش گوئی، پھر باب 27 میں ''کیا صور نوحہ شروع کردے۔'' یہ دوسری پیش گوئی۔ پھر باب 28 میں ''صور کے رئیس سے کہہ دے'' یہ تیسری دفعہ پیش گوئی کی۔ باب 17:29 کے مطابق صور فتح نہ ہوسکا۔ اب باب 26 اور 29 میں 16 برس کے عرصہ کی کوشش کے باوجود صور فتح نہ ہوسکا۔ لہٰذا بائبل کلام خدا نہیں۔

❀❀❀

صلیب

صلیب زمانہ قدیم سے لوگوں کے زیر استعمال رہی ہے۔ اس کو نہ صرف بطور زیور پہنا جاتا تھا بلکہ اس کی مذہبی اہمیت بھی تھی۔ یہ آگ جلانے کے آلہ کے طور پر استعمال ہوتی تھی۔ اسی سے یہ مقدس آگ اور سورج (کی حرارت) کا نشان بن گئی۔ قدیم مصر میں بھی یہ استعمال ہوتی تھی اور مصری دیوی سیخت کے ہاتھ میں صلیب پکڑی ہوئی دکھائی جاتی تھی جو کہ زندگی اور جینے کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ کرنل جے گارنیر لکھتا ہے کہ مصری پجاری ہاتھ میں صلیب پکڑے ہوئے ہوتے تھے۔

عیسائیت کی ابتدائی دو صدیوں میں صلیب کہیں نظر نہیں آتی۔ چونکہ اس کو دردناک سزا کی علامت سمجھا جاتا تھا لہٰذا عیسائی اسے اپنانے سے پرہیز کرتے تھے۔ اس کو عیسائی مذہبی علامت کے طور پر چوتھی صدی عیسوی میں اپنایا گیا۔

لفظ صلیب کے تحت قاموس الکتاب کے مولف لکھتے ہیں کہ نئے عہد نامہ میں یہ لفظ تقریباً 56 بار استعمال ہوا ہے۔ پرانے عہد نامہ میں لفظ صلیب نہیں بلکہ سولی اور درخت وغیرہ استعمال ہوا ہے۔ پرانے عہد نامہ میں مجرموں کو زندہ صلیب پر نہیں لٹکاتے تھے۔ بلکہ مارنے کے بعد درخت پر لٹکا دیتے تھے۔

(استثنا 21:22-23، یشوع 10:26)

اس قسم کی سزا کا سزاوار لعنتی قرار دیا جاتا تھا۔ (گلتیوں 3:13)

اور اسے رات سے پہلے درخت سے اتار کر دفن کرنا ہوتا تھا۔ (استثنا 21:23، یوحنا 19:31)

اس لئے نئے عہد نامے میں اکثر مسیح کی صلیب کو درخت یا لکڑی کہا گیا ہے۔

(گلتیوں 3:13 لکڑی اعمال 5:30، کیتھولک ترجمہ میں کاٹھ)

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ صلیب جو پہلے منحوس اور لعنتی تصور کی جاتی تھی ایک پاک علامت بن گئی اور اس نے مسیحی علم الٰہی میں ایک خاص مقام حاصل کر لیا...... یہ تاریخ کی ستم ظریفی ہے کہ صلیب جو یہودی اور رومی دونوں کے نزدیک لعنت کا نشان تھی۔ (گلتیوں 3:13)

مسیحیوں کے لیے ایک مقدس نشان بلکہ ان کا امتیازی نشان بن گئی۔(قاموس الکتاب،ص:595-596)

ڈیوڈ وی بیریٹ لکھتا ہے ''صلیب کو عموماً سیدھی سادی صلیب خیال کرلیا جاتا ہے حالانکہ یادرکھنا چاہیے کہ صلیب بطور مذہبی علامت عیسائیت نے دریافت نہیں کی تھی۔درحقیقت صلیب عیسائیت سے ایک ہزار سال پہلے کی ہے۔یہ طویل عرصہ سے آسمان اور زمین،خدا اور انسان کے اتصال کی علامت تھی......دائرے میں بند صلیب سورج دیوتا کے لیے قدیم علامت تھی۔(خفیہ مذہبی تحریکیں،ص:92)

نویں صدی میں فرانس کے پیٹر ڈی بروئس (Peter De Bruyse) نے تعلیم دی کہ عیسائیوں کو صلیب کا احترام کرنے کی بجائے اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے۔یہ چیز بعد میں عائد ہونے والے اس الزام کا ماخذ ہوگئی کہ نائٹس ٹمپلرز صلیب پر تھوکتے تھے۔(ایضاً ص:44)

بارہویں صدی کے کیتھاری (پاکیزہ یا کامل) فرقہ کے نزدیک صلیب کی کوئی وقعت نہیں اور نہ ہی اسے تعظیم دینی چاہیے تھی۔(ایضاً ص:48-49)

نائٹس ٹمپلرز کی بنیاد 1119ء کے قریب رکھی گئی۔ان کے بارے میں کہا گیا کہ وہ ساکرامنٹس کی بے حرمتی کرتے،صلیب پر تھوکتے اور پیشاب کرتے۔(ایضاً،ص:54-57)

صلیب کی عظمت کیوں؟

صلیب کی لکڑی کی تعظیم یا تو اس لیے ہے کہ اس جیسی لکڑی یسوع علیہ السلام کے جسم سے مس ہوئی تھی اوران کے خیال میں یسوع علیہ السلام اس پر لٹکائے گئے تھے یا پھر اس لیے کہ لکڑی ان کے کفارہ کا ذریعہ ہوئی یا اس لیے کہ یسوع علیہ السلام کا خون اس لکڑی پر بہا تھا۔اگر جسم سے مس ہونا وجہ ہے تو عیسائی نظریہ کے مطابق گدھوں کی ساری قوم صلیب سے زیادہ معبود ہونے کے لائق اور افضل ہے،کیونکہ یسوع علیہ السلام گدھے پر سوار ہوتے تھے۔گدھے کو بھی آپ علیہ السلام کے جسم مبارک سے مس ہونے کا شرف حاصل ہے بلکہ گدھے نے تو یسوع علیہ السلام کو آرام پہنچایا تھا اور بیت المقدس تک لے جانے کی خدمت انجام دی تھی۔اور گدھا جاندار ہونے کی وجہ سے جنس قریب بھی ہے جبکہ لکڑی بے جان ہے۔اگر کفارہ بننے کا ذریعہ ہونا وجہ ہے تو پھر یہوداہ اسکریوتی تعظیم کا زیادہ مستحق ہے کیونکہ یسوع علیہ السلام کے قربان ہونے کا سب سے پہلا واسطہ اور ذریعہ ہے۔اگر وہ یسوع علیہ السلام کو یہود کے ہاتھ گرفتار نہ کراتا تو کفارہ کا موقع نہ آتا۔دوسرے وہ وصفِ انسانیت میں یسوع علیہ السلام کے برابر ہے اور انسانی شکل وصورت میں بھی جو خدا کی صورت ہے۔

(پیدائش 27:1)

حیرت ہے کہ پہلا واسطہ جو زبردست واسطہ ہے وہ تو عیسائیوں کے نزدیک ملعون ہے اور چھوٹا واسطہ (صلیب) تعظیم کے لائق ہے۔ اگر خون بہنے کی وجہ سے صلیب مقدس ہے کہ اس پر یسوع علیہ السلام کا خون بہا تو اس لحاظ سے کانٹے بھی اس اعلیٰ منصب پر فائز ہیں یعنی ان پر بھی یسوع علیہ السلام کا خون بہا تھا جب آپ کو کانٹوں کا تاج پہنایا گیا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ان کی تعظیم اور عبادت نہیں کی جاتی۔ ان کو آگ میں جلایا جاتا ہے اور لکڑی کی تعظیم کی جاتی ہے۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ تثلیث کے نہ سمجھ آنے والے بھید کی طرح یہ بھی ایک بھید ہے۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب نہیں دی گئی

عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب نہیں دی گئی بلکہ آپ بچا لیے گئے۔ انجیل میں اس کی شہادتیں اب بھی موجود ہیں:

1۔ پہلی بات یاد رکھنے کے قابل یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یروشلم کے لوگوں سے بہت کم ملتے جلتے تھے۔ نتیجہ یہ تھا کہ عوام تو عوام، خواص بھی آپ علیہ السلام کو پوری طرح پہچانتے نہ تھے۔ چنانچہ جب آپ کی گرفتاری کا وقت ہوا تو اس کے لیے اکابر یہود اور متعدد سپاہیوں کا ایک پورا گروہ مل کر بھی اس ضرورت کے لیے کافی نہ ہوا۔ بلکہ آپ کی شناخت کے لیے آپ ہی کی مختصر پارٹی کے ایک منافق وغدار کو ساتھ لینا پڑا۔ متی اور مرقس دونوں انجیلوں میں ہے کہ گرفتار کرنے والی پارٹی میں سردار کاہن اور قوم کے بزرگوں کی طرف سے ایک بڑی بھیڑ تلواریں اور لاٹھیاں لئے ہوئے سپاہیوں میں شامل تھی۔ اس پر بھی انہیں گرفتاری اور شناخت کے لیے یہودا منافق کا سہارا ڈھونڈنا پڑا اور انجیل یوحنا میں ہے کہ جب یہ پلٹن اور پیادے وہاں پہنچے تو یسوع نے ان سے پھر پوچھا کہ تم کسے ڈھونڈتے ہو؟ وہ بولے یسوع ناصری کو۔ یسوع نے جواب دیا میں تم سے کہہ تو چکا ہوں کہ میں ہی ہوں۔ (یوحنا 18:3 تا 8)

2۔ دوسری بات اس سلسلہ میں یہ خیال رکھنے کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یا بہ الفاظ یہود یسوع ناصری کو صورت تبدیل کرنے پر خاص قدرت تھی، انجیلوں میں اس بات کو بطور معجزہ بیان کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ (متی 17:1، 2۔ لوقا 9:29، مرقس 9:2)

3۔ یہ تاریخی حقیقت ذہن میں رہنی چاہیے کہ ملک (شام وفلسطین) کی تمام آبادی اس وقت اسرائیلوں (یہود) ہی کی تھی اور اسی برادری کے ایک فرد حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ لیکن پورے ملک پر حکومت

رومیوں کی تھی اور اعلیٰ عہدے دار اور پولیس اور فوج رومیوں پر مشتمل تھی۔ رومی نہ صرف مشرک یعنی دین وعقیدہ میں اسرائیلیوں سے مختلف تھے بلکہ صورت، شکل وضع ولباس، نسل وزبان، معیشت ومعاشرت وغیرہ میں بھی ان سے ایسے ہی الگ تھے جیسے ہندوستان کے انگریز حاکم ہندوستانیوں سے نمایاں طور پر مختلف وممتاز تھے۔ جس طرح ہندوستانیوں کو سب گورے ایک جیسے اور گوروں کو سب کالے ایک سے معلوم ہوتے تھے اسی طرح حکمران رومیوں کی نظر میں سارے یہود یا اسرائیلی بھی ایک جیسے ہی تھے۔

4۔ جس جگہ رومی عدالت تھی وہاں سے سرکاری پھانسی گھر فاصلہ پر تھا اور صلیب جس کی شکل انگریزی حرف T کے مشابہ ہوتی تھی، وہ مجرم کو عدالت سے اپنے اوپر لاد کر پھانسی گھر تک لانی پڑتی تھی۔

5۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب سزائے موت کا حکم سنایا گیا تو وہ جمعہ کا دن تھا۔ یہود کو جلدی تھی کہ ہر طرح سے فراغت پاکر شاموں شام گھر واپس آ جائیں کیونکہ جمعہ کی شام سے ہی ان کا سبت شروع ہو جاتا تھا۔ ان کی شریعت میں سبت کے روز مجرم کو سزا دینا منع تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہود کا اہم تہوار یعنی عید فسح (PASSAOVER) بھی شروع ہو رہا تھا۔ غرض یہود کو اس بات کی بہت جلدی تھی کہ کسی طرح ان کا یہ مجرم جلد از جلد سولی پاکر شام سے پہلے ہی دفن ہو جائے۔

6۔ جسمانی طور پر کمزور مجرم (یعنی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام) کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ اتنی وزنی لکڑی خود پر لاد کر یہود کی خاطر اتنا فاصلہ تیزی سے طے کر سکیں خصوصاً جبکہ یہودی بچے اور شریر قسم کے یہود خود ہی قدم قدم پر انہیں چھیڑتے جاتے تھے۔

7۔ اب اس ساری صورت حال میں رومی سپاہی تو اپنے اوپر صلیب لادنے سے رہے۔ انہوں نے وہی کیا جو حاکم قوم کے افراد محکوم قوم کے افراد کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ انہوں نے ایک اور اسرائیلی جو کہ طاقت ور آدمی تھا، کو بیگار میں پکڑ لیا، متی اور مرقس اور لوقا کی انجیل میں اس کی تصریح ہے۔ ملاحظہ ہو۔ (متی 32:27، مرقس 21:15، لوقا 26:23)

8۔ جب یہ مجمع، جو یقیناً کوئی باقاعدہ ومنظم مجمع نہیں تھا بلکہ عوام کی ایک بھیڑ تھا، اس افراتفری کے ساتھ ایک دوسرے کو ریلتا پیلتا، مجرم کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرتا، اس سے تمسخر کرتا ہوا، سولی گھر کے پھاٹک پر پہنچا تو رومی پولیس کی جو گارد ساتھ تھی، اس کی ڈیوٹی ختم ہوگئی۔ اب یہاں سے جیل کے سنتریوں کا عمل ودخل شروع ہوتا ہے۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ یسوع ناصری کون ہے۔ وہ حسب

دستور مجرم اسی کو سمجھے جس کے اوپر صلیب لادی ہوئی تھی۔جیل کے رومی سپاہیوں کے لیے سب یہودی اجنبی تھے۔اس لیے انہیں یسوع ناصری اسرائیلی اور دوسرے اسرائیلی (شمعون کرینی) کے درمیان اشتباہ نہایت آسان تھا۔حضرت مسیح علیہ السلام اس ہڑبونگ میں دشمنوں کے ہاتھ سے رہا ہوگئے اور دشمن دھوکے میں پڑے ٹامک ٹوئیاں مارتے رہے۔

9۔ یہ عقیدہ نوایجاد نہیں بلکہ عیسائیوں کا قدیم ترین خرقہ باسلیدیہ (BASILIDIES) جس کے بانی کا سن وفات 140ء ہے، وہ اسی عقیدہ کا قائل تھا اور کھلم کھلا کہتا تھا کہ مصلوب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں بلکہ بلکہ شمعون کرینی ہوا ہے۔

10۔ یہودیوں نے اپنی خفت مٹانے کے لیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو ان کے ہاتھ سے نکل گئے، یہ مشہور کردیا کہ یسوع ناصری کو صلیب دے دی گئی ہے۔ان کا یہ پروپیگنڈا اس بات پر مبنی ہوسکتا ہے کہ متی 17:27 میں جس ڈاکو کا ذکر آتا ہے اس کا پورا نام برابا یسوع تھا جس کو اردو اور انگریزی ترجموں میں صرف برابا لکھا گیا ہے جبکہ انگریزی ترجمہ گڈ نیوز بائبل اور عربی ترجمہ میں مذکورہ آیت میں اس کا نام اب بھی برابا یسوع لکھا ہوا ہے۔صلیب برابا یسوع کو دی گئی اور مشہور یسوع ناصری کردیا گیا۔

11۔ یسوع ناصری نے موت سے بچنے کی دعا کی تھی جو قبول ہوگئی۔مرقس کی انجیل میں لکھا ہے" اور وہ تھوڑا آگے بڑھا اور زمین پر گر کر دعا کرنے لگا کہ اگر ہوسکے تو یہ گھڑی مجھ پر سے ٹل جائے (35:14) پال اپنے خط میں لکھتا ہے" اس نے اپنی بشریت کے دنوں میں زور زور سے پکار پکار کر اور آنسو بہا بہا کر اسی سے دعائیں اور التجائیں کیں جو اس کو موت سے بچا سکتا تھا اور خدا ترسی کے سبب سے اس کی سنی گئی۔ (عبرانیوں 7:5)

12۔ صلیب کا شمعون کیرینی کے کندھے سے مسیح علیہ السلام کے کندھے پر دوبارہ رکھا جانا پہلی تینوں اناجیل سے ثابت نہیں اور یوحنا میں شمعون کرینی کا ذکر نہیں۔لہٰذا یسوع علیہ السلام ناصری کو صلیب نہیں دی گئی اور گورپیا کوئی ہور!

13۔ صلیب دیئے جانے کے وقت موقع کا چشم دید گواہ کوئی نہیں ہے۔وہاں نہ کوئی عیسائی تھا نہ یہودی تھا۔شاگرد سب کے سب آپ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔یہ یوحنا کی سینہ زوری ہے کہ ایک محبوب شاگرد کو بوقت صلیب ان کے پاس کھڑا کردیا۔(26-25:19)

اگر عوام کی رسائی پھانسی گھاٹ تک ہوتو وہ مجرم کو چھڑا کر لے جائیں گے لہٰذا وہاں عام لوگ نہیں ہوتے صرف متعلقہ سرکاری عملہ ہوتا ہے۔

14۔ یسوع کا مرنا اور جی اٹھنا آپس میں مربوط ہیں۔ ''ان کے قبر سے جی اٹھنے کا واقعہ کسی نے آنکھ سے نہیں دیکھا۔

(Adolf Harnack: History of Dogma, vol-1, P-85, london 1961

Adolf Harnack: What is Christianity, P-164)

آدمی کوئی تمہارا دم تعزیر بھی تھا؟

ایک سوال:

اگر یسوع خدا تھے یا خدا کے بیٹے تھے اور صلیب پا کر تین دن تین رات قبر میں مردہ پڑے رہے تو کیا تین دن تین رات سارا جہاں خدا کے بغیر ہی رہا؟ کیونکہ تثلیث کے مطابق تینوں اقانیم ایک ہی ہیں۔ اس عرصہ میں کائنات کا انتظام کون کرتا تھا؟ کیا شیطان پوری کائنات پر مسلط رہا یا یسوع علیہ السلام کا کوئی شاگرد زمین و آسمان کا مہتمم تھا؟ پھر یسوع علیہ السلام کو زندہ کس نے کیا؟ اگر کہو کہ کسی دوسرے نے ان کو زندہ کیا اور اسی نے موت دی تھی تو لازم آئے گا کہ یسوع علیہ السلام مخلوق اور بندہ ہوں اور ان کو مارنے اور زندہ کرنے والا کوئی اور خدا ہو اور یہی عقیدہ عیسائیوں کے علاوہ باقی سب آسمانی مذاہب کا ہے اور یہی درست ہے۔

❀❀❀

کیا یسوع علیہ السلام بن باپ پیدا ہوئے؟

(آل عمران 47:3)

نئے عہد نامہ سے یسوع علیہ السلام کے بن باپ پیدا ہونے کا ثبوت نہیں ملتا بلکہ وہاں سے حضرت مریم علیہا السلام کے شادی شدہ ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ لوقا کے مطابق سیدہ مریم علیہا السلام کی شادی جناب یوسف سے ہو چکی تھی۔ چنانچہ لکھا ہے۔ ''داؤد کے گھرانے کی ایک کنواری کے پاس جو یوسف نامی ایک مرد سے بیاہی ہوئی تھی۔ اور اس کنواری کا نام مریم تھا۔ (لوقا 27:1 کیتھولک ترجمہ بنام کلام مقدس)

کنگ جیمز ورژن میں بھی لفظ ESPOUSED استعمال ہوا ہے جس کا ترجمہ شادی ہونا، بیاہنا ہے۔ پروٹسٹنٹ ترجمہ بنام کتاب مقدس میں لفظ منگنی استعمال ہوا ہے۔ مگر یہ غلط ترجمہ ہے کیونکہ اسی ترجمہ میں آگے جا کر یہ لکھا ہے ''پس یوسف بھی گلیل کے شہر ناصرہ سے داؤد کے شہر بیت الحم کو گیا جو یہودیہ میں ہے۔ اس لیے کہ وہ داؤد کے گھرانے اور اولاد سے تھا۔ تا کہ اپنی منگیتر مریم کے ساتھ جو حاملہ تھی نام لکھوائے۔ جب وہ وہاں تھے تو ایسا ہوا کہ اس کے وضع حمل کا وقت آ پہنچا۔'' (لوقا 2:4-5)

کیتھولک ترجمہ میں لفظ منگیتر کی جگہ منکوحہ لکھا ہے۔

دوسری بات یہ کہ اگر دونوں کی شادی تسلیم نہ کریں تو منگیتر کا حاملہ ہونا اور بچہ جن دینا انتہائی قابل اعتراض اور یہودی موقف کی تائید ہوگا۔ منگیتر کے ساتھ اسم نویسی کے لیے جانا کیا معنی؟ کیا مریم علیہا السلام کے خاندان میں کوئی فرد نہیں تھا جو ان کے ساتھ جا سکے۔ کیا اسم نویسی صرف اس جوڑے کی ضرورت تھی یا حضرت مریم علیہا السلام کے خاندان کی بھی ضرورت تھی؟

متی اور لوقا نے یسوع علیہ السلام کی بن باپ پیدائش پر بہت زور دیا مگر سب سے پہلی انجیل مرقس اور یوحنا نے اس کا اشارہ تک نہ کیا۔ حالانکہ یوحنا نے آپ کو خدا بنا کے چھوڑا۔

لوقا نے لکھا ہے کہ روح القدس حضرت مریم پر نازل ہوگا (لوقا 35:1) مگر ان کے حاملہ ہونے اور الیشع کے پاس جانے تک روح القدس کب نازل ہوا؟ کچھ پتہ نہیں چلتا۔ (لوقا 35:1 تا 5:2)

پھر یہ کہ مبینہ بن باپ پیدائش سے کوئی فائدہ بھی حاصل نہ ہوا کیونکہ یوسف کے سوا کسی کو معلوم نہ ہوا۔ اگر قوم کے لیے اس وقت یا آنے والے دنوں میں کوئی نشان ٹھہرانا مقصود نہ تھا تو یہ مقصد بھی پورا نہ ہوا۔ خود یسوع علیہ السلام نے ساری زندگی اس کا ذکر تک نہ کیا کہ میں بن باپ پیدا ہوا اور نہ ہی اس بات کو بطور دلیل پیش کیا۔ قوم میں سے کسی کو معلوم نہ تھا کہ آپ کنواری کے بیٹے ہیں۔ وہ تو آپ کے بہن بھائیوں کا حوالہ دے کر آپ کی دانائی پر حیران ہوتے تھے۔ (متی 55:13-56)

لہٰذا آپ اکلوتے بھی نہ ٹھہرے۔ اسی لیے لوقا نے آپ کو پہلوٹھا لکھا ہے۔ (لوقا 7:2)

اور حضرت مریم علیہا السلام و یوسف کو آپ کا ماں باپ لکھا ہے۔ (لوقا 48:2)

اور یوحنا نے تو صاف صاف یوسف کا بیٹا یسوع ناصری لکھا ہے۔ (45:1)

متی نے بھی یوسف کو مریم کا شوہر لکھا ہے۔ (متی 19,16:1)

اور مریم کو یوسف کی بیوی لکھا ہے۔ (متی 20:1)

اس دور کے یہود آپ کو یوسف کا بیٹا کہتے تھے جیسا کہ متی 55:13، یوحنا 45:1 اور 42:6 میں صراحت ہے اور آج تک یہی کہتے ہیں۔

یسعیاہ 14:7 میں مذکورہ پیش گوئی کو یسوع پر فٹ کرنے کے لئے آپ کو کنواری کا بیٹا مشہور کیا گیا۔ حالانکہ جس لڑکے کی پیدائش کی وہاں پیش گوئی کی گئی ہے اس کی پیدائش کا ذکر وہیں اگلے باب کے شروع میں ہے۔ پیش گوئی اور اس لڑکے کی پیدائش کے بارے میں عبارت ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت یسعیاہ کو مخاطب کر کے خدا تعالیٰ نے فرمایا ''لیکن خداوند تم کو ایک نشان بخشے گا۔ دیکھو کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا پیدا ہوگا اور وہ اس کا نام عمانوایل رکھے گی۔'' (یسعیاہ 14:7)

آگے حضرت یسعیاہ فرماتے ہیں ''پھر خداوند نے مجھے فرمایا ایک بڑی تختی لے اور اس پر صاف صاف لکھ مہیر شالال حاش بز کے لیے اور دو دیانتدار گواہوں کو یعنی اوریاہ کاہن کو اور زکریا بن یبر کیاہ کو شاہد بنا اور میں نبیہ کے پاس گیا۔ سو وہ حاملہ ہوئی اور بیٹا پیدا ہوا۔ تب خداوند نے مجھے فرمایا کہ اس کا نام مہیر شالال حاش بز رکھ، کیونکہ اس سے پیشتر کہ یہ لڑکا ابا اور اماں کہنے لگے۔ دمشق کا مال اور سامریہ کی لوٹ کو اٹھوا کر شاہ اسور کے پاس لے جائیں گے۔ (یسعیاہ 1:8 تا 4)

اس عبارت سے ایک اور مسئلہ حل ہوا ہے کہ وہ لڑکا بھی شادی اور مرد کے عورت سے ملاپ کی وجہ سے پیدا ہوا کیونکہ لکھا ہے ''اور میں نبیہ کے پاس گیا۔ سو وہ حاملہ ہوئی اور بیٹا پیدا ہوا'' شادی اس لیے ماننا پڑے

گی کہ یسعیاہ نبی ہوتے ہوئے زنا نہیں کر سکتے بلکہ گناہوں سے پاک تھے۔لہٰذا اس پیش گوئی کو یسوع پر بھی فٹ کرنے کا کوئی فائدہ نہ ہوا۔

یہ لڑکا یسوع سے 740 سال پہلے پیدا ہو چکا تھا، کیونکہ یسعیاہ یسوع سے 740 سال پہلے گزر چکے تھے۔(قاموس الکتاب،ص:2-112)

اس عبارت میں لفظ علمہ یا علماہ استعمال ہوا ہے۔اس کا اصل ترجمہ بالغ یا جوان عورت ہے۔گڈ نیوز اور RSV میں بھی اس کا ترجمہ Young Woman کیا گیا ہے۔قاموس الکتاب کے مولف لکھتے ہیں:''لفظ علمہ کے مادہ کا مطلب وہ عورت ہے جو جنسی طور پر بالغ ہو۔یہ ان عورتوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جو شادی کی عمر میں ہوں لیکن جن کا بچہ نہ ہو، خواہ ان کی شادی کیوں نہ ہوئی ہو۔''(قاموس الکتاب،ص:812)
مسیحی علماء بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ مریم علیہا السلام کی شادی یوحنا سے ہو چکی تھی۔مشہور عیسائی مفسر میتھو ہنری لکھتا ہے''مریم علیہا السلام کی نیک نامی کو بچایا گیا ورنہ اس پر بہت انگلیاں اٹھتیں۔مناسب تھا کہ شادی کے وسیلہ سے حمل کو تحفظ دیا جائے تا کہ دنیا کی نگاہ میں جائز ٹھہرے۔(تفسیر الکتاب،ج:3،ص:4)
یہ بھی یاد رہے کہ ماں باپ وغیرہ کسی نے یسوع کا نام عمانوایل نہیں رکھا اور نہ کبھی انہوں نے خود کو عمانوایل کے نام سے ظاہر کیا۔عیسائی مفسر لکھتا ہے''ایسا کوئی ریکارڈ موجود نہیں کہ زمینی زندگی میں مسیح کو کبھی عمانوایل کے نام سے پکارا گیا ہو۔اس کو ہمیشہ یسوع کے نام سے یاد کیا گیا۔

(تفسیر الکتاب۔ولیم میکڈونلڈ ج:1،ص:32)

قرآن کا احسان

عیسائیوں کو قرآن کا احسان ماننا چاہیے کہ یہود کے الزامات کو رد کرتے ہوئے سیدہ مریم علیہا السلام کو پاک دامن اور صدیقہ قرار دیا۔سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کو خدا کی قدرت سے بن باپ قرار دیا۔

(سورہ مریم:19:16تا35)

اور یہ بتایا کہ سیدہ مریم علیہا السلام کی نہ شادی ہوئی تھی نہ منگنی اور نہ ہی کوئی ان کا شوہر یا منگیتر تھا۔

(ایضاً آیت نمبر20)

اگر قرآن مجید یہ نہ بتاتا تو بائبل بالخصوص نئے عہد نامہ سے کبھی بھی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بن باپ ثابت نہ ہو سکتی۔

شاگردانِ یسوع

حضرت یسوع علیہ السلام کے بارہ شاگرد تھے جن کے بارے میں لکھا ہے "اس نے بارہ کو مقرر کیا تا کہ اس کے ساتھ رہیں اور وہ ان کو بھیجے کہ منادی کریں۔ اور بدروحوں کو نکالنے کا اختیار رکھیں۔ وہ یہ ہیں:۔
شمعون جس کا نام پطرس رکھا۔ اور زبدی کا بیٹا یعقوب اور یعقوب کا بھائی یوحنا جن کا نام بُوانرگس یعنی گرج کے بیٹے رکھا اور اندریاس اور فلپس اور برتلمائی اور متی اور توما اور حلفئی کا بیٹا یعقوب اور تدی اور شمعون قنانی اور یہوداہ اسکریوتی جس نے اُسے پکڑوا بھی دیا۔ (مرقس 16:3)

لوقا 12:6 تا 16 اور اعمال 13:1 میں تدی اور شمعون قنانی کی جگہ یہوداہ ابن یعقوب اور شمعون زیلوتس کا ذکر ہے۔

انہی بارہ کو رسول بھی کہتے ہیں۔ (متی 2:10)

انہی کو کہا گیا کہ تم اسرائیل کے بارہ قبیلوں کا انصاف کرو گے۔ (متی 28:19)

یہوداہ اسکریوتی کے بارے میں پطرس نے کہا "اے بھائیو! اس نوشتہ کا پورا ہونا ضروری تھا جو روح القدس نے داؤد کی زبانی اس یہوداہ کے حق میں پہلے سے کہا تھا جو یسوع کے پکڑنے والوں کا رہنما ہوا۔ کیونکہ وہ ہم میں شمار کیا گیا اور اس نے خدمت میں حصہ چاہا۔ (اعمال 1:16-17)

یہوداہ اسکریوتی واحد شخص تھا جو گلیلی نہیں تھا۔ (قاموس الکتاب، ص:1186) باقی 11 شاگرد گلیل کے رہنے والے تھے۔

اسے یسوع علیہ السلام نے خزانچی مقرر کیا تھا اور وہ چور تھا۔ چونکہ اس کے پاس تھیلی رہتی تھی اس میں جو کچھ پڑتا وہ نکال لیتا تھا۔ (یوحنا 6:12 اور یوحنا 29:13)

اسی نے سردار کاہنوں سے 30 روپے لے کر یسوع علیہ السلام کو پکڑوا دیا۔ (متی 16:26)

اس فعل پر وہ بعد میں شرمندہ ہوا اور خود کو پھانسی دے دی۔ (متی 27:3 تا 5)

جبکہ دوسری جگہ لکھا ہے کہ اس نے بدکاری کی کمائی سے ایک کھیت حاصل کیا اور سر کے بل گرا اور اس

کا پیٹ پھٹ گیا اور اس کی سب انتڑیاں نکل پڑیں۔(اعمال 18:1)

اس کی جگہ پر کرنے کے لیے پطرس نے تجویز پیش کی۔ دو آدمی اس کے لیے پیش کیے گئے۔ ایک یوسف جو برسبا کہلاتا ہے اور جس کا لقب یوستس ہے اور دوسرا متیاہ۔ پھر ان میں قرعہ اندازی کی گئی اور قرعہ متیاہ کے نام نکلا۔(اعمال 21:1 تا 26)

اس طرح بارہ حواری پورے کیے گئے۔

شاگردوں کا کردار اور خلوص

یہوداہ اسکریوتی کے بارے میں عیسائی عالم لکھتے ہیں "اس نے کس ارادے سے مسیح خداوند کی پیروی کرنے کی ٹھانی؟ یہ کہنا کچھ مشکل ہے۔ اس نے یہ کام خلوص دلی سے شروع کیا ہوگا۔ اس میں حساب رکھنے کی خاص صلاحیت تھی۔ اس وجہ سے اسے رسولوں کا خزانچی مقرر کیا گیا۔(یوحنا 12:4-6، 13:29)

غالباً اسے امید تھی کہ مسیح خداوند ایک زمینی بادشاہی قائم کریں گے اور یہوداہ کو اس میں ایک اہم عہدہ ملے گا۔ اس نے خداوند مسیح کو تیس روپے لے کر سردار کاہنوں کے حوالے کر دیا۔(قاموس الکتاب ص 1186)

شاگرد ایک دوسرے سے حسد کرتے تھے۔ ان میں بڑا ہونے کے بارے میں مباحثہ ہوتا رہتا تھا۔
(قاموس الکتاب ص 191 بحوالہ متی 20:20 تا 28، مرقس 9:33-34، لوقا 22:24 تا 27)

حضرت یسوع علیہ السلام کو بارہ شاگردوں پر کتنا اعتماد تھا؟ اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ گرفتاری کی رات آپ نے فرمایا "تم سب اسی رات میری بابت ٹھوکر کھاؤ گے۔(متی 26:31)

پطرس کے بارے میں فرمایا تھا "اور میں بھی تجھ سے کہتا ہوں کہ تو پطرس ہے اور میں اس پتھر پر اپنی کلیسیا بناؤں گا۔"(متی 16:18)

یاد رہے کہ پطرس یا کیفا یونانی زبان میں چھوٹے پتھر کو کہتے ہیں۔(قاموس الکتاب ص 175)

اب اس پتھر کا حال دیکھیے کہ جس پر کلیسا تعمیر ہونا تھی۔ اسی پطرس نے پہلے تو یسوع کو ملامت کی۔
(متی 16:22)

جس پر یسوع نے اسے شیطان کا خطاب دیا۔(متی 16:23)

کیونکہ وہ خدائی باتوں کا نہیں آدمیوں کی باتوں کا خیال کرتا تھا(ایضاً) جب یسوع نے سب شاگردوں کو کہا کہ تم سب میری بابت ٹھوکر کھاؤ گے تو پطرس نے کہا "گو سب تیری بابت ٹھوکر کھائیں گے

لیکن میں کبھی ٹھوکر نہ کھاؤں گا۔ یسوع نے اس سے کہا میں تجھ سے سچ کہتا ہوں کہ اسی رات مرغ کے بانگ دینے سے پہلے تو تین بار میرا انکار کرے گا۔ پطرس نے اس سے کہا: اگر تیرے ساتھ مجھے مرنا بھی پڑے تو بھی تیرا انکار ہرگز نہ کروں گا اور سب شاگردوں نے بھی اسی طرح کہا۔ (متی 26:33 تا 35)

مگر پطرس نے بلند بانگ دعوے کے باوجود یسوع کا ساتھی ہونے سے اسی رات تین بار انکار کیا۔ (متی 26:69 تا 75)

بلکہ یسوع پر لعنت کر کے اور قسم کھا کر انکار کیا۔ (متی 26:74)

اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عیسائیت میں موقع کی مناسبت سے قسم کھائی جا سکتی ہے، اسی پطرس کے بارے میں یسوع نے کہا تھا کہ میں نے تیرے لیے دعا کی کہ تیرا ایمان جاتا نہ رہے۔ (لوقا 22:32)

مگر یہ دعا قبول نہ ہوئی، ان سب کے باوجود عیسائی اسے رسول کہتے ہیں۔ یہ ہے ان کا معیار رسالت!

یسوع نے سب شاگردوں کو کم اعتقاد قرار دیا۔ (متی 16:8)

ان سب میں ایمان کی کمی کی نشاندہی کی حتی کہ فرمایا اگر تم میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا تو اس پہاڑ سے کہہ سکو گے کہ یہاں سے سرک کے وہاں چلا جا اور وہ چلا جائے گا اور کوئی بات تمہارے لیے ناممکن نہ ہوگی۔ (متی 17:17 تا 20)

اس سے ثابت ہوا کہ ان سب میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہ تھا اسی لیے بدروح نہ نکال سکے۔ (متی 17:16)

بے ایمانی کی یہ حالت یسوع کے جی اٹھنے کے بعد بھی قائم رہی اور جب گیارہ شاگردوں کو بعد میں دکھائی دیئے تو یسوع نے ان سب کو ان کی بے اعتقادی اور سخت دلی پر ملامت کی، کیونکہ جنہوں نے اس کے جی اٹھنے کے بعد اسے دیکھا تھا انہوں نے ان کا یقین نہ کیا تھا۔ (مرقس 16:14)

مگر قربان جائیں یسوع کے کہ انہی کی ڈیوٹی لگائی کہ ساری خلق کے سامنے انجیل کی منادی کرو۔ (مرقس 16:15)

ایسے بے اعتقادوں نے انجیل کی جیسی منادی کی ہوگی اس کا اندازہ ہر کوئی کر سکتا ہے۔

یسوع کی گرفتاری کے وقت سارے شاگرد انہیں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ (متی 26:56)(مرقس 14:50)

نجات کے لیے وفاداری ضروری تھی۔ چنانچہ لکھا ہے ”جان دینے تک بھی وفادار رہ تو میں تجھے زندگی کا تاج دوں گا۔ (مکاشفہ 2:10)

چونکہ سارے شاگرد چھوڑ کر بھاگ گئے تھے لہٰذا شاگرد بھی نجات یافتہ ثابت نہ ہوئے۔ اوروں کو نجات کی کیا امید ہو سکتی تھی۔ شاگردوں کے اس رویہ کی یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ پہلے ان کو اسی دنیا میں اپنی بادشاہی کا سبز باغ دکھایا گیا تھا۔ (لوقا22:29-30)

مگر جب حالات خراب ہوئے تو کہہ دیا کہ میری بادشاہی اس دنیا کی نہیں۔ (یوحنا18:36)

تب سارے شاگرد چھوڑ کر چلے گئے۔

شاگردوں کے اس رویہ کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جب انہوں نے خود یسوع میں استقامت نہ دیکھی تو چھوڑ کر چلے گئے۔ کیونکہ یسوع نے منہ کے بل گر کر یہ دعا کی ''اے میرے باپ اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے۔ (متی26:39)

اور صلیب پر یوں گلہ کیا'' اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ (متی27:46)

پال نے بھی یسوع کو لعنتی لکھا ہے۔ (گلتیوں3:13)

یسوع نے دوسرے مواقع پر بھی شاگردوں کو کم اعتقاد قرار دیا۔ (متی8:26)

پطرس کو کم اعتقاد اور شک کرنے والا قرار دیا۔ (متی14:31)

ان کو بے سمجھ قرار دیا (متی15:16)

ان سے کہا کہ تمہارا ایمان کہاں گیا۔ (لوقا8:25)

ان کو بے اعتقاد اور کجرو قرار دیا۔ (لوقا9:41)

درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ (متی12:33، لوقا6:44)

تو اس کلیہ کے مطابق جس درخت کا پھل اس طرح کا ہو اس کے بارے میں کیا کہہ سکتے ہیں!

پال ایک طرف یسوع کو خدا قرار دیتا ہے اور دوسری طرف آپ کو لعنتی کہتا ہے۔ (گلتیوں3:13)

حالانکہ وہ خود گنگا گئے تو گنگا رام اور جمنا گئے تو جمنا داس کا مصداق تھا۔ (1۔کرنتھیوں9:20 تا22)

یاد رہے کہ خدا پر لعنت کرنے والے کی سزا سنگسار کرنا ہے۔ (احبار24:11 تا16)

ان شاگردوں کے مقابلہ میں حضور ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا طرز عمل دیکھیں تو پتہ چلے گا کہ درخت کیسا مبارک تھا اور کیسا مبارک پھل لایا۔ انہوں نے اپنے جان و مال حضور ﷺ پر قربان کر دیئے۔ صرف حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ غسیل الملائکہ کی جان نثاری جنگ احد میں دیکھ لیں کہ دشمنوں کے تمام تیر اپنے بدن پر سہے اور حضور ﷺ کو کوئی تیر نہ لگنے دیا۔

قرآن کا احسان

نئے عہد نامہ کے مطابق یسوع علیہ السلام کے شاگردوں کا حال آپ نے پڑھا کہ کیسا برا طرز عمل رکھتے تھے۔ جب کہ حقیقت میں وہ انتہائی ایمان دار اور دین پر جان قربان کرنے والے تھے۔ یہ قرآن کا احسان ہے کہ اس نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور کے حواریوں کا اصل تابناک چہرہ دنیا کے سامنے پیش کیا ورنہ عیسائیوں نے تو اپنے بزرگوں کو بدنام کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

قرآن ان کی تعریف یوں کرتا ہے۔

(1) پس جب عیسیٰ علیہ السلام نے ان (یہود) کی طرف سے کفر کو بھانپ لیا تو اس نے دعوت دی کہ کون میرا مددگار بنتا ہے اللہ کی راہ میں؟ حواریوں نے جواب دیا ہم ہیں اللہ کے مددگار! ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ رہیے کہ ہم مسلم ہیں۔

اے ہمارے رب ہم ایمان لائے اس چیز پر جو تو نے اتاری اور ہم نے رسول کی پیروی کی، سو تو ہمیں گواہی دینے والوں میں لکھ۔ (آل عمران 3:52-53)

(2) اور یاد کرو جب کہ میں نے حواریوں کی طرف وحی بھیجی کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ تو وہ بولے کہ ہم ایمان لائے اور تو گواہ رہ کہ ہم مسلم ہیں۔ (المائدہ 5:111)

(3) اے ایمان والو! تم اللہ کے انصار بنو جیسا کہ عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں کو دعوت دی: کون میرا مددگار بنتا ہے اللہ کی راہ میں؟ حواریوں نے جواب دیا کہ ہم اللہ کے انصار بنتے ہیں۔ (صف 16:14)

قرآن مجید کی رو سے عیسیٰ علیہ السلام خدا کے سچے رسول اور آپ علیہ السلام کے شاگرد سچے مومن ثابت ہوتے ہیں اور یہی حقیقت ہے۔ جبکہ بائبل کی رو سے نہ یسوع میں استقامت رہی نہ شاگردوں میں ایمان تھا۔

❁❁❁

عیسائیت میں مقام مریم علیہا السلام

(آل عمران 42:3)

کیتھولک عیسائی حضرت مریم علیہا السلام کا بہت ادب اور ان کی پوجا کرتے ہیں مگر پروٹسٹنٹ عیسائی ان کے بارے میں جو کچھ خیالات رکھتے ہیں ان کا مختصر احوال جو ان کی کتابوں سے معلوم ہوا وہ درج ذیل ہے

مندرجہ ذیل تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ کروڑوں پروٹسٹنٹ عیسائیوں کے نزدیک حضرت مریم علیہا السلام نہ معصوم تھیں بلکہ موروثی گناہ اور دوسرے گناہوں کی حامل بھی تھیں لہٰذا ان کا بیٹا معصوم اور موروثی گناہ سے پاک نہیں ہوسکتا اور ان کی معصومیت کا مسئلہ ردّ ہو جاتا ہے۔

ایک پروٹسٹنٹ پادری کینن ڈبلیو پی ہیرس بی۔اے ہندوستان میں تھا۔اس نے کچھ رسالے یا پمفلٹ کیتھولک لوگوں کے رد میں لکھے۔ان کا ترجمہ ایف۔ڈی وارث بی۔اے نے کیا اور وہ رسالے کھرڑ ضلع انبالہ سے چھپ کر گوجرہ ضلع ٹوبہ سے شائع ہوئے۔ان میں سے پمفلٹ نمبر 6 کا عنوان ہے ''مبارک کنواری مریم اور مسئلہ پرستش مریم'' اس میں پادری صاحب لکھتے ہیں کہ مریم علیہا السلام کا کلیسیا میں بحیثیت یسوع علیہ السلام کی ماں ہونے کے کوئی خاص کام اور عہدہ مقرر نہیں۔(ص 2)

آپ کو یسوع پر کوئی اختیار یا ضبط کا کوئی حق حاصل نہیں تھا بلکہ بیٹے نے ہر بار ان کو ملامت کی۔(ص 3)

کیونکہ انہوں نے بیٹے کو اپنے کام سے روکنا چاہا تھا جیسا کہ (متی 12:46-50، مرقس 3:31-35، لوقا 8:19-21، لوقا 2:41 تا 52، یوحنا 2:1 تا 11) میں لکھا ہے۔

جب یسوع مردوں میں سے جی کر ظاہر ہوئے تو بھی پہلے اپنی ماں پر ظاہر نہیں ہوئے بلکہ مریم مگدلینی اور ان عورتوں پر جو اسے باغ میں تلاش کرتی تھیں۔(ص 3)

اگنیشس کے خطوط میں ان کا چھ دفعہ ذکر آیا لیکن وہاں انہیں کوئی عزت کا لقب نہیں دیا گیا۔صرف مریم ہی کے نام سے ان کا ذکر ہے۔(ص 4)

جبکہ باقی علماء کے خطوط میں ان کا کوئی ذکر نہیں۔اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ مریم کے لیے وہ غیر ضروری عزت اور محبت کلیسیا میں کہاں سے آئی۔(ص 4)

مریم پوجا سب سے پہلے 373ء میں شروع ہوئی۔۔ان کے معجزات کی کہانیاں اپوکرفہ پر مبنی اور ناقابل اعتبار ہیں۔(ص5)

مریم کے معراج کی کہانی (کہ فرشتے ان کے جنازہ کا شان وشوکت کے آسمان پر لے گئے اور مسیح علیہ السلام کے پہلو میں آسمان کی ملکہ بنا کرانہیں بٹھادیا) بے وقوفانہ ہے اور شیطان کے دھوکہ سے بنائی گئی۔(ص5-6)

کیتھولک آپ کو ''اے خوبصورت نرگس'' کہتے ہیں۔(ص7)

وہ آپ علیہا السلام کو خدا کی ماں کہتے ہیں۔(ص8)

کیتھولک حضرات مریم کی عبادت کرتے ہیں جس کو ہائپر ڈولیا کہتے ہیں۔(ص10)

مصنف نے ص11 تا ص12 حضرت مریم علیہا السلام سے کی جانے والی کیتھولک دعائیں لکھی ہیں۔پھر ص14 پر ایک ایسی دعا لکھی ہے جس کو پادری صاحب کفریہ دعا کہتے ہیں۔وہ یہ ہے کہ اگر یسوع مجھے رد کردے تو میں مریم کے پاؤں پڑ کر معافی حاصل کرلوں گا۔(ص14)

پھر پادری نے حضرت مریم علیہا السلام کو پہلی چار صدیوں کے عقیدہ کے مطابق گناہ گار ثابت کیا ہے اور لکھا کہ طرطولین،اوریجن اور باسل نے کہا کہ مریم سے بے ایمانی کا گناہ سرزد ہوا۔کرسوس سٹوم نے پانچویں صدی میں لکھا کہ مریم علیہا السلام سے بے وقوفانہ مغروری کا قصور سرزد ہوا۔سیرل نے لکھا کہ ان میں ایمان اور فعل کی کمی تھی۔کارڈینل کاجی تان نے لکھا کہ غالباً درست ہے کہ مبارک کنواری معصوم پیدا نہیں ہوئی تھی۔(ص16)

اوراس نے اپنی تائید میں بزرگوں یعنی آگسٹائن،ایمبر یوز،کرسوس سٹام،ایمسلم وغیرہ کی کتابوں کے حوالے دیئے ہیں۔ان مقدس بزرگان کے علاوہ قدیمی حکماء کا گروہ کثیر اس بات پر متفق ہے کہ مبارک کنواری ذاتی طور پر بھی موروثی گناہ میں پیدا ہوئی۔ٹامس ایکوی ناس جو رومی کلیسیا کا مشہور معلم گزرا ہے لکھتا ہے ''اگر ہم مان بھی لیں کہ مبارک کنواری کے والدین موروثی گناہ سے معاف کیے گئے تھے تو بھی ماننا پڑے گا کہ کنواری میں گناہ موجود تھا۔پوپ انوسنٹ سوم نے کہا کہ مریم گناہ میں پیدا ہوئی۔(ص17)

پوپ سکسٹس چہارم (1471ء تا 14847ء) نے حکم دیا کہ مریم کی معصوم پیدائش کا مسئلہ قرارداد (طے شدہ) نہیں ہے اور وہ اس کی تائید میں کوئی فیصلہ دینے کو تیار نہیں۔(17-18)

پوپ گریگوری اور پوپ انوسنٹ دونوں کہتے ہیں کہ کنواری گناہ میں حمل میں پڑی۔(ص18)

چودھویں صدی میں ڈومینکن راہبان نے اپنے استاد ٹامس ایکوی ناس کی پیروی کرتے ہوئے قرار

دیا کہ مریم بطور دیگر انسانوں کے گناہ میں حمل میں پڑی تھی اور حمل کے تہوار پر اس کے متعلق بدنام کن شور وشر کیا جاتا رہا۔ (ص19)

کوئی پختہ دلیل اور صحیح علم الٰہی موجود نہیں، جس سے ثابت ہو کہ بیٹے کی ماں اصل گناہ سے مبرا تھی۔ (ص20)

چونکہ نوشتوں میں لکھا ہے کہ سب نے گناہ کیا۔ یہ لفظ ''سب'' کنواری مریم کو بھی مستثنیٰ قرار نہیں دیتا...... اسی لیے لکھا گیا ہے: کیونکہ سب کے سب گناہ گار ہیں اور ان میں مریم بھی شامل ہے...... اگر کنواری مریم معصوم ہوتی تو وہ ذات جو یسوع نے اس سے حاصل کی انسانی ذات نہ ہوتی، بلکہ اپنی قسم کی ایک نرالی ذات ہوتی۔ اس مسئلہ سے مسیح کا خاص طور پر معصوم ہونا رد ہو جاتا ہے۔ (ص21)

آخر میں فیصلہ دیتے ہوئے پادری نے لکھا کہ ماں کی ناجائز قدر بڑھانے سے اس کے الٰہی بیٹے کے رتبہ میں کمی ہوتی ہے۔ (ص22-23)

یہ بات حیران کن ہے کہ یسوع کے بعد حضرت مریم یوحنا حواری کی کفالت میں رہیں، حالانکہ ان کے اور بیٹے بھی تھے اور خاوند یوسف بھی۔ ملاحظہ ہو (قاموس الکتاب ص 1140 بحوالہ یوحنا19:26-27)

❀❀❀

یسوع علیہ السلام خدا نہیں

(متکبر امریکہ اور یورپ ایشیائی لوگوں کو حقیر جانتے ہیں مگر ایک ایشیائی شخص کو خدا مان کر اس کی عبادت کرتے ہیں۔)

حضرت یسوع علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کی توحید کا درس دیا اور اپنے آپ کو کبھی نہ خدا کہا نہ کہلوایا۔ بعد میں 350 سال بعد نقایہ کی کونسل نے آپ کو خدا کا بیٹا قرار دے دیا۔ پرانے اور نئے عہد نامہ میں بے شمار جگہ توحید کی تعلیم پائی جاتی ہے۔ کتاب استثناء میں لکھا ہے "سن اے اسرائیل! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خدا ہے۔" (4:6)

عربی ترجمہ میں ہے۔ "اسمعو یابنی اسرائیل !الرب الھنا ربٌ واحد۔" اسی کتاب میں دوسری جگہ فرمایا "یہ سب کچھ تجھ کو دکھایا گیا تا کہ تو جانے کہ خداوند ہی خدا ہے اور اس کے سوا کوئی ہے ہی نہیں۔" (35:4)

عربی ترجمہ میں ہے "انّه هو الاله ولا اله سواه۔"

اسی مفہوم کو قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا گیا: مالکم من الله غيره۔ (اعراف 85,73,65,59:7)

اور دوسری جگہ بیان فرمایا گیا "انما الهكم اله واحد۔ (کہف 110:18)

یہ صرف دو مثالیں ہیں ورنہ قرآن مجید اور پرانا عہد نامہ توحید کے معاملہ متفق ہیں۔ اناجیل نویس اور خطوط نویس ان دونوں ادوار کے درمیان میں بدعت بن کر ظاہر ہوئے اور خلاف توحید فقرے لکھ دیئے۔ مگر پھر بھی لفظ تثلیث وہ نئے عہد نامہ میں نہ لکھ سکے۔ بلکہ جگہ جگہ سے حوالے ملتے ہیں کہ حضرت یسوع علیہ السلام خدا کے بندے اور رسول تھے۔ اب ہم ان نصوص کا ذکر کرتے ہیں جن سے آپ علیہ السلام کے خدا ہونے کا وہم ہوتا ہے۔ مگر اس سلسلہ میں اہل علم کے دو متفقہ اصول پیش نظر رہیں:

1۔ جب کوئی نص عقل کے مطابق ہو تو اس کا ظاہری معنیٰ مراد ہوتا ہے اور اگر کوئی نص بظاہر خلافِ عقل ہے تو اس کی تاویل واجب ہے اور اس کے مجازی معنی مراد لیے جاتے ہیں۔

2۔ جب دلائل متعارض (آپس میں مخالف) ہوں یعنی بعض ثبوت حکم پر دلالت کریں اور بعض نفی حکم پر دلالت کریں تو ان دلائل کے تعارض کا خاتمہ ضروری ہوتا ہے۔

پہلی نص

میں اور باپ ایک ہیں۔(یوحنا10:30)

حضور یسوع علیہ السلام نے واضح کر دیا کہ اس نص کے مجازی معنیٰ مراد ہیں۔ جب یہودیوں نے کہا کہ ہم تجھے کفر کے سبب سے سنگسار کرتے ہیں اور اس لیے کہ تو آدمی ہو کر اپنے آپ کو خدا بناتا ہے۔(یوحنا10:33)

تو یسوع علیہ السلام نے جواب دیا کہ ”کیا تمہاری شریعت میں یہ نہیں لکھا ہے کہ میں نے کہا تم خدا ہو؟ جبکہ اس نے انہیں خدا کہا جن کے پاس خدا کا کلام آیا۔“(یوحنا10:34-35)

آپ نے تصریح فرمادی کہ اس وصف میں تم بھی میرے شریک ہو کہ میری طرف بھی خدا کا کلام آیا مگر انبیاء علیہم السلام کی غیر انبیاء پر فضیلت ظاہر کرنے کے لیے آپ نے فرمایا کہ میں اور باپ ایک ہیں یعنی جو خدا کی مرضی ہے وہی میری مرضی ہے۔ اور یہ کہ جس سبب کی بنا پر ان الفاظ کا استعمال میرے لیے صحیح ہے (کہ خدا کا کلام آیا) اس سبب میں تو تم میرے شریک ہو مگر نبوت ورسالت کی وجہ سے تم سے افضل ہوں۔

اگر کوئی یہ کہے کہ یہودیوں کے شر سے بچنے کے لیے آپ نے اپنے خدا ہونے کا انکار فرمایا تو اس کا جواب یہ ہے کہ خدا کا خوف زدہ ہو جانا ناممکن ہے۔

دوسری نص

اے قدوس باپ! اپنے اس نام کے وسیلہ سے جو تو نے مجھے بخشا ہے ان کی حفاظت کرتا کہ وہ ہماری طرح ایک ہوں۔(یوحنا17:11)

ایک ہونے سے مراد خدا ہونا نہیں بلکہ یہ کلام مجاز ہے جیسا کہ پال نے لکھا۔ ”جو خداوند کی صحبت میں رہتا ہے وہ اس کے ساتھ ایک روح ہوتا ہے۔(1۔کرنتھیوں6:17)

یسوع شاگردوں کے لیے الوہیت کی دعا نہیں کر رہے تھے بلکہ ایک ہونے سے مراد مکمل تابعداری ہے یعنی اپنی مرضی اور خواہشات چھوڑ کر خدا تعالیٰ کی مرضی پر چلنا۔

تیسری نص

”جس طرح اے باپ تو مجھ میں ہے اور میں تجھ میں ہوں۔“(یوحنا17:21)

یہ کلام بھی مجاز ہے کیونکہ آگے آپ شاگردوں کے لیے دعا فرماتے ہیں کہ ”وہ بھی ہم میں ہوں۔“(یوحنا17:21)

یعنی جس طرح میری اور خدا کی مرضی ایک ہے اور میں خدا کا مکمل فرماں بردار ہوں اسی طرح میرے شاگرد بھی خدا کے مکمل فرماں بردار ہوں۔

یہ یاد رہے کہ الوہیت ایسی چیز نہیں جو کسی کو عطا کی جا سکے۔

چوتھی نص

ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام خدا تھا۔ (یوحنا 1:1-2)

یہ یاد رہے کہ یہ فقرہ یسوع کا نہیں بلکہ یوحنا انجیل نویس کا ہے۔ اگر صفتِ کلام خدا ہو سکتی ہے تو پھر خدا کی باقی صفات جو کہ لامحدود ہیں خدا کیوں نہیں قرار پا سکتیں؟ یوحنا آگے لکھتا ہے۔ ''اور کلام مجسم ہوا۔'' (یوحنا 1:14)

اگر کلام مجسم ہو کر یسوع علیہ السلام کی شکل میں دنیا میں آیا تو پھر باقی صفات کیوں مجسم نہیں ہو سکتیں؟

اور اگر باقی صفات بھی مجسم ہو سکتی ہیں تو پھر یسوع علیہ السلام کی کیا خصوصیت باقی رہ جاتی ہے کہ صرف انہی کو خدا یا خدا کا بیٹا تسلیم کیا جائے؟ اگر سب صفات مجسم ہو سکتی ہیں تو پھر بے شمار خدا ماننا پڑیں گے اور یہ سب خدا کے واجب الوجود ہونے کے خلاف ہے۔ وہ صرف اور صرف ایک ہے۔ کوئی اور خدا نہیں۔

یوحنا ہی نے لکھا ہے کہ یسوع علیہ السلام نے فرمایا: ''میں اپنے باپ اور تمہارے باپ اور اپنے خدا اور تمہارے خدا کے پاس اوپر جاتا ہوں۔ (یوحنا 20:17)

اگر آپ خود خدا تھے تو پھر خدا کے پاس جانے سے کیا مطلب؟ کیا کوئی شخص جس کا نام زید ہے، وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ میں زید کے پاس جاتا ہوں؟

جب آپ صلیب پر ایلی ایلی کہہ رہے تھے تو کیا آپ یہ کہہ رہے تھے کہ ''میں میں! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟'' (ملاحظہ ہو متی 27:46)

آپ کے انسان اور نبی ہونے کے دلائل اور خدا نہ ہونے کے ثبوت

1۔ دعا کرنا:

اس کے بہت سے حوالے نئے عہد نامہ میں پائے جاتے ہیں مثلاً متی 14:23,26:39 لوقا 22:41، مرقس 14:35

2۔ خود کو نبی کہنا: (مرقس 9:37 یوحنا 8:42)

ابن آدم کہنا۔ متی 12:32,12:40,17:12 وغیرہ۔ آپ نے خود کو 58 مرتبہ ابن آدم یعنی انسان قرار دیا۔

3۔ آپ علیہ السلام کے شاگرد بھی آپ کو انسان سمجھتے تھے۔(اعمال 22:2)

4۔ پال بھی آپ علیہ السلام کو انسان قرار دیتا ہے۔اس نے لکھا:''مسیح یسوع جو انسان ہے۔''(1۔ تیمتھیس 5:2)

5۔ قائم بالذات نہ ہونا۔آپ فرماتے ہیں''میں باپ کے سبب سے زندہ ہوں۔(یوحنا 57:6)

اور یہ بات پال بھی تسلیم کرتا ہے۔وہ لکھتا ہے۔''ہاں وہ کمزوری کے سبب سے مصلوب کیا گیا لیکن خدا کی قدرت کے سبب سے زندہ ہے۔(2۔کرنتھیوں 4:13)

6۔ میرا باپ جس نے مجھے وہ دی ہیں سب سے بڑا ہے۔(یوحنا 10 29:10)،باپ مجھ سے بڑا ہے۔ (یوحنا 28:14)

7۔ قادر مطلق نہیں ۔آپ علیہ السلام فرماتے ہیں''میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ بیٹا آپ سے کچھ نہیں کر سکتا۔(یوحنا 19:5)

8۔ ہمہ دان (یعنی عالم ما کان و ما یکون) نہیں ۔قیامت کب آئے گی ،اس بارے میں فرماتے ہیں۔ ''لیکن اس وقت یا اس گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا۔''(مرقس 32:13)

9۔ یسوع کے علاوہ بھی خدا کے بہت سے بیٹے تھے۔(پیدائش 2:6)

10۔ خدا کا پہلوٹھا قوم بنی اسرائیل ہے ۔لکھا ہے۔''اور تو فرعون سے کہنا کہ خداوند یوں فرماتا ہے کہ اسرائیل میرا بیٹا بلکہ میرا پہلوٹھا ہے۔(خروج 22:4)

یہ بات سب کو مسلم ہے کہ پہلوٹھا ایک ہی ہوتا ہے، بہت سے نہیں۔

11۔ لمبی عمر ہونا خدا ہونے کی دلیل نہیں ۔کیونکہ بائبل کے مطابق ملک صدق سالیم کی بھی یہی خصوصیت تھی۔خود پال نے لکھا''اور یہ ملک صدق سالم کا بادشاہ...... یہ بے باپ بے ماں نسب نامہ ہے۔نہ اس کی عمر کا شروع نہ زندگی کا آخر۔(عبرانیوں 1:7 تا 3)

یسوع علیہ السلام کا نسب نامہ تو موجود ہے مگر ملک صدق بے نسب نامہ ہے۔

12۔ بن باپ پیدا ہونا بھی خدا ہونے کی دلیل نہیں۔یسوع تو صرف بن باپ پیدا ہوئے ،مگر صدق سالیم اور حضرت آدم علیہ السلام بن ماں باپ پیدا ہوئے۔اگر یسوع اس بنا پر خدا ہونے کے حق دار ہیں تو یہ دونوں ان سے بڑھ کر اس لقب کے حق دار ہیں مگران دونوں کو سب عیسائی خدا کے بندے تسلیم کرتے ہیں۔

13۔ مردے زندہ کرنا بھی خدائی کی دلیل نہیں ۔یسوع علیہ السلام نے تو صرف ایک دو مردے زندہ کیے جبکہ

حضرت حزقی ایل نے مردوں کا پورا لشکر زندہ کیا۔(حزقی ایل 10:37)لعزر کو زندہ کرنے کے بعد یسوع نے دعا قبول ہونے پر خدا کا شکرادا کیا۔(یوحنا41:11)

14۔ معجزات دکھانا بھی خدائی کی دلیل نہیں ۔ پرانے عہدنامہ میں بہت سے انبیاء علیہم السلام کے معجزات درج ہیں۔ اور نئے عہد نامہ میں یسوع علیہ السلام کے شاگردوں کے معجزات درج ہیں مگر ان کو کوئی خدانہیں کہتا۔دیکھو(اعمال 43:2، 6:3-7، 4:16، 5:1 تا 5، 5:12 تا 16 وغیرہ)

15۔آپ کے آنسو بہنا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ خدانہیں تھے۔(یوحنا35:11) کیونکہ خدا روتا نہیں ہے۔

16۔ آپ کو بھوک لگنا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ خدا نہیں تھے۔(مرقس13:11، متی19:21)

17۔ انجیر کے درخت کے پاس پھل توڑنے جانا، پھل کا موسم نہ ہونا، آپ کو اس بات کا علم نہ ہونا کہ انجیر کا موسم نہیں، اس درخت پر طیش میں آکر لعنت کرنا، یہ سارا واقعہ آپ کے خدا نہ ہونے کی دلیل ہے۔ (مرقس13:11، متی19:21)

18۔ نیا عہدنامہ واضح طور پر یسوع کو ایک صحیح معنوں میں انسان کے طور پر پیش کرتا ہے۔

(J. Hatsing: Dictionary of The Bible. P- 415)

19۔ اس وقت وہ ساری حکومت اور سارا اختیار اور قدرت نیست کر کے بادشاہی کو خدا یعنی باپ کے حوالہ کردے گا......اور جب سب کچھ اس کے تابع ہو جائے گا تو بیٹا خود اس کے تابع ہو جائے گا جس نے سب چیزیں اس کے تابع کر دیں تا کہ سب میں خدا ہی سب کچھ ہو۔"(1۔کرنتھیوں 15:24-28)

جب یسوع خدائی چھوڑ دیں گے اور خدا کے تابع ہو جائیں گے تو اس وقت ان کی حیثیت کیا ہوگی؟

فیصلہ کن بات

رینان لکھتا ہے:"یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ یسوع نے کبھی اپنے آپ کو خدا کا مظہر سمجھا جانے کا خواب بھی نہ دیکھا تھا۔(Earnest Renan: Life of Jesus, P-181)

❁❁❁

یسوع کی موت کے واقعات کہاں سے اخذ کیے

اناجیل میں پیدائش مسیح کے ساتھ ساتھ صلیب یا وفات مسیح علیہ السلام کے واقعات بھی پولوس اور عیسائیوں نے بابل (موجودہ عراق) کے بت پرستوں کے عقائد سے اخذ کیے۔ یہ یاد رہے کہ پولوس عرب میں لمبی مدت تک رہا۔ (گلتیوں، 17:1)

یہ سب واقعات بعل دیوتا کی موت سے اخذ کیے گئے۔

عیسائی رسالہ کوسٹ نے 1923ء میں ان واقعات کا تقابل پیش کیا تھا، جو کہ مندرجہ ذیل ہے:۔

بحوالہ

(Review of Piligions ستمبر 1923ء مندرجہ اسلام اور عیسائیت، ص:55 تا 57)

	بعل دیوتا	مسیح علیہ السلام
1-	بعل کو قید کیا گیا۔	آپ علیہ السلام کو بھی قید کیا گیا۔ (متی 2/27)
2-	بعل پر House on The Mount کی عدالت میں مقدمہ چلایا گیا۔	مسیح علیہ السلام پر House of High Priest کی عدالت ئیں مقدمہ چلایا گیا۔ (متی 57:26 تا 68)
3-	بعل پر تھوکا گیا اور اسے زخمی کیا گیا۔	مسیح علیہ السلام پر بھی تھوکا گیا۔ اس پر لعنت کی گئی۔ (متی 30:27)
4-	بعل کے ساتھ ایک مجرم کو بھی لے جایا گیا اور اسے سزائے موت دی گئی اور ایک مجرم کو چھوڑ دیا گیا۔	مسیح علیہ السلام کے ساتھ دو مجرموں کو لے جایا گیا اور ایک مجرم برابا کو چھوڑ دیا گیا۔ (متی 26:27)

5-	بعل کو پہاڑ پر لے جانے کے بعد شہر میں طوفان مچ گیا اور قتل و غارت ہونے لگی۔	یسوع کے مرنے کے بعد معبد کا پردہ پھٹ گیا، زمین لرزی، چٹانیں لڑھکیں، قبریں کھل گئیں، مردے شہر میں پھیل گئے۔ (متی 27:50-51۔ مرقس 15:38)
6-	بعل کے کپڑے اتارے گئے	مسیح علیہ السلام کے کپڑے اتارے گئے اور تقسیم کئے گئے۔ (متی 27:35۔ یوحنا 19:23)
7-	بعل کے دل پر برچھا مارا گیا۔ ایک عورت نے خون کو صاف کیا۔	مسیح علیہ السلام کے پہلو میں برچھا مارا گیا۔ (یوحنا 19:34)
8-	بعل ایک پہاڑ کے اندر چلا گیا جہاں سورج اور روشنی نہیں جاتی۔	مسیح علیہ السلام ایک چٹانی قبر میں مردوں کے عالم میں چلا گیا۔ (متی 27:60)
9-	بعل کی قبر پر محافظ پہرہ دیتے ہیں۔	مسیح علیہ السلام کی قبر پر محافظ پہرہ دیتے ہیں۔ (متی 27:66)
10-	ایک دیوی بعل کی قبر کے ساتھ آ کر بیٹھتی اور نگہبانی کرتی ہے۔	مریم نام کی دو عورتیں مسیح علیہ السلام کی قبر کے سامنے بیٹھ جاتی ہیں۔ (متی 27:61۔ مرقس 15:46)
11-	ایک عورت روتی ہوئی بہت سے لوگوں کے ساتھ بعل کو ڈھونڈتی ہوئی اے میرے بھائی اے میرے بھائی کی آوازیں دیتی ہے۔ بعل پھر زندہ ہو جاتا ہے اور پہاڑ سے باہر آتا ہے۔	مریم مگدلینی قبر کے باہر کھڑی روتی ہے۔ یسوع زندہ ہو کر قبر سے باہر آ جاتا ہے۔ (یوحنا 20:11 تا 14)
12-	بعل کے جی اٹھنے کی تقریب بابل کے بت پرست موسم بہار میں مناتے تھے۔	مسیح علیہ السلام کے جی اٹھنے کی تقریب بھی موسم بہار میں منائی جاتی ہے۔ (قاموس الکتاب، ص 108)

قسطنطین مشرک نے عیسائی مذہب اختیار کر کے بت پرستی کے رسوم داخل کئے۔ یہودی شریعت میں ہفتہ عبادت کا دن تھا۔ سورج دیوتا کی پوجا اتوار کو ہوتی تھی۔ لہٰذا اس نے اتوار مقرر کر دیا۔ گرجوں کا رخ مشرق کی طرف رکھا کیونکہ سورج مشرق سے نکلتا ہے۔ قربان گاہ کا رخ بھی مشرق کی طرف ہوتا ہے۔

یہودی اور عیسائی مذہب میں عورت کا مقام اور حقوق

(آل عمران 195:3)

قاموس الکتاب کا تبصرہ

شوہر کو عوت کا مالک اور خداوند کہا جاتا تھا، جس سے میاں بیوی کے عملی اور قانونی تعلق پر روشنی پڑتی ہے۔ شادی سے پہلے عورت اپنے باپ کے تابع ہوتی تھی اور شادی کے بعد وہ اپنے شوہر کے حکم پر چلتی تھی اور باپ اور شوہر دونوں کے لیے ایک اثاثہ تھی۔ آدمی عورت کو طلاق دے سکتا تھا، لیکن غالباً عورت ایسا نہیں کر سکتی تھی۔ عورت شوہر کی جائیداد کی وارث نہیں بن سکتی تھی۔ بیوی کا اولین فرض بچوں کی پیدائش اور پرورش تھا۔ دیگر گھر کے کام مثلاً کھانا پکانا وغیرہ اور ضرورت کے وقت کھیت کے کام میں ہاتھ بٹانا بھی ضروری تھا۔ بانجھ پن عورت کیلئے باعث شرمندگی تھا۔ بیٹی کا میراث میں کوئی حصہ نہ ہوتا تھا۔ اگر باپ کے بیٹے نہ ہوں، صرف اس صورت میں وہ میراث میں شریک ہو سکتی تھی۔ (قاموس الکتاب، ص:356-357)

(i) عورتیں کلیسیا کی مجلس میں نہ بولیں بلکہ تابع رہیں جیسا توریت میں بھی لکھا ہے (1۔کرنتھیوں 34:14) اگر توریت منسوخ ہے تو اس کا حکم کیوں باقی رکھا؟

(ii) عورتیں سر نہ گوندھیں، سنگار نہ کریں، اچھے اور قیمتی کپڑے نہ پہنیں۔ (1۔پطرس 1،3:3۔ تیمتھیس 8:2 تا 10)

(iii) بال نہ کٹوائیں، لمبے بال رکھیں، سر پر دوپٹہ لیں۔ (1۔کرنتھیوں 11:6-14-16)

(iv) مرد عورت کے لیے نہیں بلکہ عورت مرد کے لیے پیدا ہوئی ہے۔ (1۔کرنتھیوں 9:11)

(v) عورت اپنے خاوند ہی سے پڑھے۔ (1۔کرنتھیوں 35:14)

(vi) عورت استانی نہ بنے (1۔ تیمتھیس:11:2-13) نہ مرد پر حکم چلائے، گناہ کا سبب عورت ہی ہے، مرد نہیں۔ (14:2)

(vii) مرد کے لیے اچھا ہے کہ وہ عورت کو نہ چھوئے، (1۔کرنتھیوں:1:7) کنوارے اور بیوائیں نکاح نہ

کریں۔(ایضاً۔8:7)

(viii) شادی کرنے سے نہ کرنا بہتر ہے۔(1۔کرنتھیوں 8:7،28،29،32 تا40)

عبرانی محاورے میں بیوی کو لباس کہا گیا ہے۔(ص:855)

پال نے عورتوں کو سر ڈھانکنے کا حکم دیا، کیونکہ ننگے سر صرف طوائف پھرتی تھی۔(قاموس ص:511)

پال نے عورت کو بال کٹانے اور مردوں کو لمبے بال رکھنے سے منع کیا۔(ص:566)

پال لکھتا ہے کہ ننگے سر والی عورتیں انسانوں کیلئے اور فرشتوں کیلئے آزمائش کا باعث ہیں۔

(ص:693)

جنسی تسکین ایک پاک خواہش ہے، کیونکہ خدا کی بخشش اور تسکین ہے۔اس کی تسکین کا واحد ذریعہ الٰہی شریعت کے مطابق شادی ہے۔(ص:577)

(سوال یہ ہے کہ الٰہی شریعت تو آپ منسوخ کر چکے، اب شادی کی کیا ضرورت ہے؟ ازمولف)

عورت کو نافرمانی کے گناہ میں پہل کرنے کے باعث مرد کے تابع ہونے کی سزا دی گئی ہے۔

(ص:558 بحوالہ پیدائش:16:3)

عورت کو طلاق صرف زناکاری کے باعث دی جاسکتی ہے۔(ص:558)

شادی پر حق مہر دیا جاتا تھا۔(ص:559-560)

جو کہ 50 مثقال (500 گرام) چاندی ہوتا تھا۔(استثنا:29:22)

اور لڑکی کے والدین کو مالی تلافی کے طور پر دیا جاتا تھا۔(قاموس، ص:560)

شادی کے وقت عورت کا پاک دامن ہونا ضروری تھا۔(ص:561)

موسوی شریعت کے مطابق ماں کی عزت کرنا، اس سے ڈرنا، اس کی فرماں برداری کرنا لازم تھا۔

(ص:669)

مگر یسوع علیہ السلام نے اپنی والدہ محترمہ کو اے عورت کہہ کر پکارا۔(ص:670 بحوالہ یوحنا 4:2، 26:19)

دیگر عیسائی علماء کا بیان

1- بزرگانِ کلیسا اور مبلغ عورت کو بدنام کرنے، اسے گالی دینے، اسے گھٹیا مخلوق کہنے جو کہ تقریباً شیطانِ مونث ہے۔کہنے سے کبھی باز نہ آئے۔

(LETOURNEAU: EVOLUTION OF MARIAGE. P-205)

2- ابتدائی چند صدیوں میں تبت کے پہاڑوں سے آنے والا نظریہ عیسائی دنیا میں انتہائی مشہور رہا۔ جس میں مقدس کتابوں کی رو سے عورتوں کو بتایا گیا تھا کہ ان کو عورت ہونے پر شرمندہ ہونا چاہیے اور ان کو چاہیے کہ وہ خود کو ہمیشہ ملامت کرتی رہیں، کیونکہ ان کی جنس کی بنا پر ان پر لعنت ہے......اور یہ کہ عورت جہنم کا دروازہ ہے، مجسم گناہ ہے اور یہ کہ اس کے جسم کا مادہ شیطانی ہے۔

(Unieversal History Of World. V-I, P-379)

3- یہودی قانون شہادت کے مطابق عورت کی گواہی قبول نہیں، جیسا کہ تالمود میں لکھا ہے کہ گواہ صرف مرد ہوں، نہ عورتیں، نہ نابالغ (Everyman's Talmud P-326)

4- اس کی جنس کی بے ثباتی اور ہلکے پن کی وجہ سے عورت کی گواہی قبول نہ کرو۔

(جوزیفس، آثار یہود، جلد نمبر 4 باب 15:8)

5- گواہ صرف مرد ہوں نہ کہ عورت (Jewish Encyclopaedea, Vol-5, P-277)

6- سولہویں صدی میں کونسل آف ٹرینٹ کو اس بارے میں بہت شبہ تھا کہ عورت میں انسانی روح بھی ہے یا نہیں۔ (Love, Marriage and Jealousy, P-371)

7- عیسائیت میں عورت کو دوزخ کا دروازہ اور سب انسانی برائیوں کی ماں سمجھا جاتا تھا...... چھٹی صدی عیسوی میں ایک صوبائی کونسل نے عورتوں کو ننگے ہاتھ سے عشائے ربانی لینے سے منع کر دیا تھا، کیونکہ کونسل کے خیال میں وہ ایک ناپاک مخلوق ہیں۔ ان کی لازمی ماتحت پوزیشن کو برقرار رکھا گیا۔ (Lecky: History of European Morals, Vol-2, PP-358-359)

ان تعلیمات کے مقابلہ میں اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ عورت اور مرد، دونوں میں سے جو بھی نیکی کرے گا، اس کو اجر ملے گا۔ (آل عمران 3:36-195۔ نحل 16:97، غافر 40:40)

اسلام عورت کی چاروں حیثیتوں میں اس کا الگ الگ مرتبہ بتاتا ہے یعنی:

1- ماں کے قدموں تلے جنت ہے۔

2- قیامت والے دن سب سے اچھا وہ ٹھہرایا جائے گا، جو اپنی بیوی کے اچھا سلوک کرے۔

3- تین یا دو بیٹیاں باپ کے لیے دوزخ سے آڑ بن جائیں گی۔

4- بہنیں بھی بیٹیوں میں داخل ہیں۔

ملکی قانون اور مسیحی حضرات

1۔ ہر شخص اعلیٰ حکومتوں کا تابعدار ہے، کیونکہ کوئی حکومت ایسی نہیں جو خدا کی طرف سے نہ ہو اور جو حکومتیں موجود ہیں وہ خدا کی طرف سے مقرر ہیں۔ پس جو کوئی حکومت کا سامنا کرتا ہے وہ خدا کے انتظام کا مخالف ہے اور جو مخالف ہیں وہ سزا پائیں گے (رومیوں 13:1-2)

2۔ ان کو یاد دلایا کہ حاکموں اور اختیار والوں کے تابع رہیں اور ان کا حکم مانیں (طیطس 3:1)

3۔ خداوند کی خاطر انسان کے ہر ایک انتظام کے تابع رہو۔ بادشاہ کے اس لیے کہ وہ سب سے بزرگ ہے اور حاکموں کے اس لئے کہ وہ بدکاروں کی سزا اور نیکوکاروں کی تعریف کیلئے اس کے بھیجے ہوئے ہیں۔ کیونکہ خدا کی مرضی ہے کہ تم نیکی کر کے نادان آدمیوں کی جہالت کی باتوں کو بند کر دو اور اپنے آپ کو آزاد جانو مگر اس آزادی کو بدی کا پردہ نہ بناؤ بلکہ اپنے آپ کو خدا کے بندے جانو۔ سب کی عزت کرو۔ برادری سے محبت رکھو۔ خدا سے ڈرو۔ بادشاہ کی عزت کرو۔ (1۔پطرس، 13:2 تا 17)

لہٰذا شراب پر پابندی اور اور توہین رسالت کے ملکی قانون کی پابندی لازم ہے۔

❀❀❀

شراب

(المائدہ 90:5)

مے یعنی شراب کے خلاف اور حق میں، دونوں طرح کی تعلیم بائبل میں موجود ہے اور فریقین اپنے اپنے مطلب کے فقروں سے کام چلاتے ہیں۔ چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

1۔ مے مسخرہ اور شراب ہنگامہ کرنے والی ہے اور جو کوئی ان سے فریب کھاتا ہے، دانا نہیں۔ (امثال 1:20)

2۔ جو کوئی مے اور تیل کا مشتاق ہے، مالدار نہ ہوگا۔ (ایضاً 17:21)

3۔ کون افسوس کرتا ہے؟ کون غمزدہ ہے؟ کون جھگڑالو ہے؟ کون شاکی ہے؟ کون بے سبب گھائل ہے؟ اور کس کی آنکھوں میں سرخی ہے؟ وہی جو دیر تک مے نوشی کرتے ہیں۔ (ایضاً 23:29-30)

4۔ ان پر افسوس جو مے پینے میں زور آور اور شراب ملانے میں پہلوان ہیں۔ (یسعیاہ 22:5)

5۔ کاہن اور نبی بھی نشہ میں چور اور مے میں غرق ہیں۔ وہ نشہ میں جھومتے ہیں، وہ رویا میں خطا کرتے ہیں اور عدالت میں لغزش کھاتے ہیں۔ (یسعیاہ 7:28)

شراب کی ممانعت

1۔ اور خداوند نے ہارون سے کہا تو یا تیرے بیٹے مے یا شراب پی کر کبھی خیمۂ اجتماع کے اندر داخل نہ ہونا تاکہ تم مر جاؤ۔ یہ تمھارے لیئے نسل در نسل ہمیشہ تک ایک قانون رہے گا (احبار 8:10 تا 10 اور حزقی ایل 21:44)

2۔ اور وہ اس کے شہر کے بزرگوں سے عرض کریں کہ یہ ہمارا بیٹا ضدی اور گردن کش ہے۔ یہ ہماری بات نہیں مانتا اور اڑاؤ اور شرابی ہے۔ تب اس کے شہر کے سب لوگ اسے سنگسار کریں کہ وہ مر جائے۔ یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دور کرنا (استثنا 21:20-21)

3۔ تو شرابیوں میں شامل نہ ہو اور نہ حریص کبابیوں میں، کیونکہ شرابی اور کھاؤ کنگال ہو جائیں گے۔ (امثال 23:20-21)

4۔ اگر کوئی بھائی کہلا کر حرام کار یا لالچی یا بت پرست یا گالی دینے والا ہو یا شرابی یا ظالم ہو تو اس سے محبت نہ

رکھو بلکہ اس کے ساتھ کھانا تک نہ کھانا...... پس اس شریر آدمی کو اپنے درمیان سے نکال دو۔

(1۔ کرنتھیوں 11:5 تا 13)

5۔ کیا تم نہیں جانتے کہ بدکار خدا کی بادشاہی کے وارث نہ ہوں گے؟ فریب نہ کھاؤ۔ نہ حرام کار خدا کی بادشاہی کے وارث ہوں گے نہ بت پرست، نہ زناکار، نہ عیاش، نہ لونڈے باز، نہ چور، نہ لالچی، نہ شرابی ، نہ گالیاں بکنے والے، نہ ظالم (1۔ کرنتھیوں 9:6-10)

6۔ مے (شراب) کا غلط استعمال بہت سی برائیوں کی جڑ ہے مثلاً بے حیائی (پیدائش 20:9 تا 27) محرمات سے زنا (پیدائش 32:19 تا 35) انبیاء علیہم السلام شرابیوں کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں مثلاً

(یسعیاہ 22,11:5، 7:28، 11:56، ہوسیع 11:4، 5:7، حبقوق 5:2، امثال 1:20، 17:21، 31:23)

7۔ یہی اچھا ہے کہ تو نہ گوشت کھائے نہ مے پیئے نہ ہی کچھ ایسا کرے جس کے سبب سے تیرا بھائی ٹھوکر کھائے۔ (رومیوں 21:14) مے خواری اور نشہ بازی غیر قوموں کا طرز زندگی ہے (1۔ پطرس 3:4) پس خبردار رہو۔ ایسا نہ ہو کہ تمھارے دل خمار اور نشہ بازی اور اس زندگی کی فکروں میں سست ہو جائیں اور وہ دن تم پر پھندے کی طرح ناگہاں آ پڑے (لوقا 34:21) مے پینے کی کھلی چھٹی نہیں ہے۔

نگہبان اور خادم کو نشے میں غل مچانیوالا اور شرابی نہیں ہونا چاہیے (1۔ تیمتھیس 3:3، 8)

بزرگ عورتوں کو بھی زیادہ شراب سے پرہیز کی تلقین ہے۔ (طیطس 3:2)

شراب کے متوالے نہ بنو کیونکہ اس سے بدچلنی واقع ہوتی ہے۔ (افیسوں 18:5)

شراب کی تعریف اور اجازت اور استعمال

1۔ انسان کے دل کو خوش کرتی ہے (زبور 15:10، قضاۃ 13:9، واعظ 19:10)

2۔ بت پرستوں کی عبادت میں استعمال ہوتی تھی۔ (استثنا 37:32، یسعیاہ 6:57، 11:65، یرمیاہ 18:7، 13:19)

3۔ یہوداہ کو قربانی کے ساتھ تپاون میں پیش کی جاتی تھی۔

(خروج 40:29، احبار 13:23، گنتی 7:15، 14:28۔ گنتی 7:15-10)

4۔ مے بذاتِ خود بری چیز نہیں۔ مسیح نے قانائے گلیل میں پانی کو مے بنانے کے معجزہ میں اس بات کی تائید کی۔ (یوحنا 7:2 تا 11)

5۔ لوگوں نے یسوع کو کھاؤ اور شرابی کہا (متی 19:11، لوقا 34:7)

6- یسوع کا پہلا معجزہ ہی شراب بنانے کا تھا۔(یوحنا 2:9-10)

7- پال لکھتا ہے: یہی اچھا ہے کہ تو نہ گوشت کھائے نہ مے پئے۔(رومیوں 15:21)

8- وہی پال دوسرے خط میں لکھتا ہے: ذرا سی مے بھی کام میں لایا کر۔(1۔تیمتھیس 5:23)

9- وہ ایک اور خط میں بوڑھی عورتوں کو زیادہ شراب پینے میں منع کرتا ہے۔(ططس 2:3)

10- شراب یہودیوں کے مذہبی تہواروں کا لازمی جز ہے۔

(Friendlier: The Jewish Religion, P-341)

یہ پادریوں اور چرچ میں ہمیشہ موجود رہی۔(DCA, Vol-1, P-585)

11- بائبل شراب کی ممانعت نہیں کرتی صرف ناپسند کرتی ہے، بلکہ یہاں تک کہتی ہے کہ شراب خدا اور انسان کو خوش کرتی ہے۔(قضاۃ 90:13)

12۔ یسوع نے صلیب پر سرکہ چوس کر پیاس بجھائی۔ یہ گھٹیا قسم کی شراب تھی (قاموس الکتاب،ص:983)

❀❀❀

مسیحیت میں عقیدہ تقدیر

(الفرقان 2:25)

کیتھولک بائبل کے آخر میں عقیدہ تقدیر کے بارے میں مندرجہ ذیل حوالے لکھے ہوئے ہیں۔

(1) افسیوں 1:4-5,11۔ اس نے ہمیں بنائے عالم سے پیشتر اس میں چنا کہ ہم اس کی نگاہ میں محبت میں پاک اور بے عیب ہوں۔ اس نے اپنی مرضی اور نیک ارادے کے موافق یسوع مسیح میں متبنیٰ ہونے کے لیے ہمیں پیش تر سے مقرر کیا ہے...... پیش تر سے مقرر ہو کر میراث بنے۔

(2) کرنتیوں نمبر 1,2:7۔ بلکہ ہم خدا کی وہ پرسرار اور پوشیدہ حکمت بیان کرتے ہیں جب خدا نے زمانوں سے پیشتر ہمارے جلال کے لیے مقرر کیا تھا۔

(3) متی 25:34۔ تب بادشاہ ان سے جو اس کے دائیں ہوں گے کہے گا، آؤ میرے باپ کے مبارک لوگو، جو بادشاہی بنائے عالم سے تمھارے لیے تیار کی گئی ہے اُسے میراث میں لو۔

(4) رومیوں 8:28-30۔ اور ہم جانتے ہیں کہ سب چیزیں مل کر ان کے لیے جو خدا کو پیار کرتے ہیں بھلائی پیدا کرتی ہیں۔ یعنی ان کے لیے جو اسکی تقدیر کے موافق بلائے گئے ہیں۔ کیونکہ جنہیں اس نے پہلے سے پہچانا ہے انہیں پہلے سے مقرر بھی کیا ہے کہ اس کے بیٹے کی صورت کے ہم شکل ہوں تا کہ وہ بہت سے بھائیوں میں پہلوٹھا ٹھہرے۔ اور جنہیں اس نے مقرر کیا ہے انہیں اس نے بلایا بھی ہے اور جنہیں اس نے بلایا ہے انہیں صادق بھی ٹھہرایا ہے اور جنہیں صادق ٹھہرایا ہے انہیں جلال بھی بخشا ہے۔

(5) رومیوں 11:7 بس نتیجہ کیا ہوا؟ یہ کہ اسرائیل میں جس چیز کی تلاش کرتا ہے وہ اس کو نہ ملی مگر برگزیدوں کو ملی اور باقی سخت کیے گئے۔

(6) متی 20:16۔ اسی طرح آخر اول ہو جائیں گے اور اول آخر (کیونکہ بہت سے بلائے گئے مگر برگزیدہ کم ہیں)

(7) مکاشفہ 17:8 اور زمین کے رہنے والے جن کے نام بنائے عالم کے وقت سے کتاب حیات میں

لکھے نہیں گئے اس حیوان کا یہ حال دیکھ کر کہ پہلے تھا اور اب نہیں، اور پھر موجود ہو جائے گا تعجب کریں گے۔ (یعنی جن کو نیک بخت تقدیر میں نہیں لکھا گیا۔ کتاب حیات سے مراد نیک بخت لوگوں کا لوح محفوظ میں ریکارڈ ہے۔)

(8) پطرس 20:1 اس کا علم تو بنائے عالم سے پیش تر سے تھا مگر ظہور اخیر زمانہ میں تمھاری خاطر ہوا۔

(9) اعمال 28:4 تا کہ جو کچھ پہلے سے تیری قدرت اور مصلحت سے ٹھہر گیا تھا وہی عمل میں لائیں

(یہاں پر حضرت عیسیٰ کے خلاف منصوبہ بنانے والوں کا ذکر آیت نمبر 27 میں کیا کہ ان کا منصوبہ تقدیر الٰہی تھا)

(10) صفن یاہ (2-1:2) اے بے حیا قوم جمع! جمع ہو! اس سے پہلے کہ تقدیر الٰہی ظاہر ہو......اور خداوند کا قہرِ شدید تم پر نازل ہو۔

ان حوالوں میں نیک اعمال کا لحاظ مذکور ہے۔

(1) متی 36-35,34:25۔ کیونکہ میں بھوکا تھا اور تم نے مجھے کھانے کو دیا۔ میں پیاسا تھا اور تم نے مجھے پینے کو دیا میں پردیسی تھا اور تم نے میری خاطر داری کی۔ ننگا تھا اور تم نے مجھے پہنایا، بیمار تھا اور تم نے میری عیادت کی، قید میں تھا اور تم میرے پاس آئے۔

(2) 1۔ قرنتیوں 9:2۔ بلکہ جیسا لکھا ہے جو کچھ نہ آنکھ نے دیکھا ہے اور نہ کان نے سنا ہے اور نہ آدمی کے باطن میں سوجھا ہے اسے خدا نے پیار کرنے والوں کے لیے تیار کیا ہے۔

(3) کلیسیوں 24,23:3۔ جو کچھ کرو وہ دل سے ایسے کرو گویا خداوند کے لیے کرتے ہو نہ کہ آدمیوں کے لیے۔ کیونکہ تم جانتے ہو کہ تم خداوند سے بدلے میں میراث پاؤ گے۔

(4) رومیوں 17:8۔ اور جب فرزند ہیں تو وارث بھی ہیں یعنی خدا کے وارث اور مسیح کے ہم میراث۔ بشرطیکہ ہم اس کے ساتھ دکھ اٹھائیں تا کہ اس کے ساتھ جلال بھی پائیں۔

(5) تیموطاؤس 8:4۔ اب سے صداقت کا تاج میرے لیے رکھا ہوا ہے جسے خداوند جو عادل منصف ہے اس دن مجھے دے گا اور فقط مجھے نہیں بلکہ ان سب کو بھی جو اس کی آمد کے آرزومند ہیں۔

لفظ تقدیر اور عقیدہ تقدیر پر قاموس الکتاب میں تبصرہ

تقدیر سے خدا کا فرمان بھی مراد ہے (ص:249) لفظ تقدیر پروٹسٹنٹ ترجمہ میں صرف ایک بار استعمال ہوا وہ بھی خدا کے فرمان کے معنوں میں (صفن یاہ 2:2) یہ عبرانی لفظ خوق کا ترجمہ ہے جسے دیگر جگہ قانون (ایوب: 26:28) (زبور 6:148)، فرمان (زبور: 7:2) حکم (امثال 29:4) (یرمیاہ 22:5) سے ادا

کیا گیا(ص:249) یہ عقیدہ انسان کے فاعل مختار ہونے کے عقیدہ سےٹکراتا ہے......مسئلہ تقدیر مشکل معمہ پیش کرتا ہے۔لیکن انسان انسان ہی ہے خدا کی باتیں اسکی عقل سے باہر ہیں......ہماری محدود عقل بہت سے معاملوں میں تضاد دیکھتی ہے جہاں خدا کی نظر میں کوئی تضاد نہیں......اس کا معقول ترجمہ تو تقدیر ہی ہوگا لیکن چونکہ لفظ تقدیر میں غیر مسیحی رنگ بھی موجود ہے اس لیے حتی الوسع کوشش کی گئی ہے کہ اسے استعمال نہ کیا جائے......خدا کسی شخص کے لیے کوئی موقع یا کسی صورت حال کے لیے کسی شخص کو پہلے سے مقرر کر دیتا ہے(ص:250) نئے عہد نامہ میں پرانے عہد نامہ کے عقیدہ کو تسلیم کیا گیا ہے کہ خدا واقعات کا خداوند ہے اور تاریخ کو اپنا مقصد پورا کرنے کے لیے پورے طور پر استعمال کرتا ہے(ص:252) ان کا چنا جانا صرف فضل کی بدولت تھا یہ ان کے اعمال کا معاوضہ نہ تھا۔ برگزیدگی فضل کے وسیلے سے ہے (ص:253) بعض لوگوں کو اپنے نجات بخش فضل سے محروم رکھتا ہے اس لیے اب اکثر خدا کے مقرر کردہ منصوبہ (تقدیر) کی تعریف یوں کی جاتی ہے کہ یہ خدا کی برگزیدگی اور نا مقبولیت دونوں کا مشترکہ نام ہے......رومیوں 22:9 کے پیش نظر اس حقیقت سے انکار کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے کہ بعض ہلاکت کے لیے تیار ہوئے جبکہ وہ 19 تا 21 میں یہ تسلیم کرتا ہے کہ خدا کو اختیار ہے کہ بعض کو ہلاکت کے لیے اور بعض کو نجات کے لیے بنائے۔ وہ جس پر چاہتا ہے رحم کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے سخت کر دیتا ہے(آیت:18)......ان آیات کے پورے معنی سمجھنا اور ان کی وسعت اور مقصد کو جاننا آسان نہیں ہے......ہماری تقدیر ایک شفیق باپ کے ہاتھ میں ہے۔(ص:254)

لفظ پروردگار کے تحت لکھتے ہیں کہ خدا حاکم مطلق ہے یعنی صرف وہی کچھ ہوتا ہے جس کا حکم خدا دیتا ہے پھر بھی ان کو مکمل آزادی حاصل ہے کیونکہ فیصلے ان کے اپنے ہوتے ہیں اور وہ اخلاقی طور پر ان کا ذمہ دار ہوتا ہے(استثنا 15:30، مابعد) تاہم یہاں ایک فرق ذہن میں رکھنا بہت ضروری ہے۔ خدا کا کسی شخص کو گناہ کرنے دینا یا اسے اس کے پسندیدہ گناہوں میں چھوڑ دینا (اعمال 16:14، رومیوں 24:1 تا 28) اور لوگوں کو نیک کام کے لیے ابھارنا (فلپیوں:13:2) میں فرق ہے۔ گناہوں کی تمام تر ذمہ داری گناہ گار پر عائد ہوتی ہے (لوقا 22:22، اعمال 23:2، 13:3-19) اور نیک کام کرنے کے سہرے اور تعریف کا حق دار صرف خدا ہی ہے (1۔کرنتھیوں 10:15) یاد رہے کہ ہم چونکہ انسان ہیں اس لیے خدا کی بہت سی باتیں ہماری سمجھ سے باہر ہیں۔ انسان زمان و مکان کے پنجرے میں مقید ہے۔ خدا اِن قیود سے آزاد ہے۔ وہ ایک ہی وقت میں یہاں اور وہاں حاضر ہوتا ہے۔ وہ بیک وقت ماضی، حال اور مستقبل میں موجود ہے۔ یہ باتیں انسانی عقل کو

متناقض معلوم ہوتی ہیں اور ہم انہیں تصور نہیں کر سکتے۔ انسان کی مکمل آزادی اور خدا کی کلی حاکمیت بھی اسی قسم کا ایک مسئلہ ہے۔ لیکن ہمیں اسے پاک کلام کی تعلیم کی روشنی میں تسلیم کر لینا چاہیے (ص:189) خدا کا علم سابق اور تقدیر ایک ہی ہے (ص:253)

لفظ تقدیر کے حوالے

قانون کے معنوں میں: ایوب 26:28، زبور 6:148،

فرمان کے معنوں میں: زبور 7:2، اعمال 28:4،

حکم کے معنوں میں: امثال 29:4، یرمیاہ 22:5،

علمِ سابق کے معنوں میں: رومیوں 29:8، 11:2، اعمال 26:5، 1۔ پطرس 20:1، 2۔ پطرس 17:3،

دوراندیشی کے معنوں میں: اعمال 2:24،

تدبیر کے معنوں میں: رومیوں 14:13،

تقدیر۔ پہلے سے مقرر کرنا ٹھہرانا کے معنوں میں: رومیوں 28:8-29، 1۔ کرنتھیوں 7:2، افیسوں 5:1، 11، صفن یاہ 2:2

مصلحت، مرضی، پسند، چاہنا، ارادہ کے معنوں میں اعمال 23:2، 11:1، افسیوں 11:1، عبرانیوں 17:6، رومیوں 19:9، 22، عبرانیوں 4:2، یعقوب 18:1، متی 26:11۔ 1، یوحنا 8:4، افیسوں 5:1، اعمال 28:4، زبور 16:139۔

تقدیر لوح محفوظ میں لکھی تھی جب ایک بھی وجود میں نہ آیا تھا: کے معنوں میں یسعیاہ 24:14 تا 17:19,27، 10:46 مابعد، یرمیاہ 20:49، دانی ایل 24:4 مابعد، یسعیاہ 11:22، 26:37، 6:44، 8 تا 10:46 مابعد

خدا تعالیٰ صاحب قدرت، باوقار شخصیت، لامحدود طاقت کا مالک لہٰذا اس کے تمام ارادے یقینی طور پر پورے ہوتے ہیں (واللہ غالب علی امرہ) زبور 10:33، مابعد، یسعیاہ 27:14، 13:43، ایوب 12:9، 13:23، دانی ایل 35:4۔

وہ ہر حال اور ہر موقعہ کا خداوند ہے۔ اور ہر چیز کو جس مقصد کے لیے پیدا کیا ہے اسے اپنی ہدایت اور

نظام کے ذریعے پایہ تکمیل تک پہنچاتا ہے (یعنی رب ہے۔ یہ مفہوم عربی کے لفظ رب میں پایا جاتا ہے)

امثال 4:16

خدا کے حکم کے بغیر پتہ بھی نہیں ہلتا۔ ہر واقعہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، شاہی خیالات سے لے کر (امثال 1:21) انسان کے دل کی تدبیروں اور اس کے عملی منصوبوں (امثال 9,1:16) اور قرعہ کے اتفاقیہ گرنے تک (امثال 33:16) اُس کے انتظام کے مطابق عمل پذیر ہوتا ہے۔

جس بات کا خدا ارادہ کرے وہ اس کے لیے مشکل نہیں (پیدائش 14:18، یرمیاہ 17:32)

خدا اپنے خلاف صف آرائی کرنے والے بادشاہوں کا مذاق اڑاتا ہے۔ (زبور 4:2)

صرف خدا ہی ہے کوئی دوسرا نہیں جو سب واقعات کو ترتیب دیتا ہو (له الخلق و الامر) یسعیاہ 7:44

جن واقعات کی خدا پیش گوئی کرتا ہے وہ ہو کر رہتے ہیں (والله غالب علی امرہ) یسعیاہ 24:14، تا 27، 25:25,24:44، 1۔ سلاطین: 22:17-38، زبور 10:33 مابعد، امثال 21:19، 30:21،

بت پرست صحیح پیش گوئی نہیں کر سکتے (یسعیاہ 44:6-8، 21:45، 12:48-14)

عیسائی عقیدہ کے مطابق خدا لاتبدیل نہیں

بعض واقعات کے ہونے پر خدا تعجب کرتا ہے کیونکہ بظاہر اسے پہلے سے علم نہ تھا (پیدائش 5:6 کیتھولک پچھتایا) (یرمیاہ 18:8-10 پچھتاؤں گا، کیتھولک) یرمیاہ 3:26، یوایل 13:2، یوناہ 2:4

خدا اپنے فضل سے بعض بندوں کو چن لیتا ہے اور یہ چناؤ بلا استحقاق ہوتا ہے (استثنا 6:7 مابعد، حزقی ایل 1:16 مابعد) چونکہ خدا حاکم کل ہے اس لیے اس کا پہلے سے چن لینا نجات کی ضمانت ہے (قاموس، ص 253) ماضی کے صیغے کے استعمال سے مراد اس حقیقت کا یقینی ہونا مراد ہے۔

(ص: 253) (بحوالہ 2۔ تھسلنیکیوں 14:2)

بنی اسرائیل کو چننے میں خدا نے فی الحال دیگر قوموں کو نظر انداز کیا

(استثنا: 6:7، زبور 19:147 مابعد، عاموس 2:3، رومیوں 4:9، افسیوں 12:2 مابعد)

دیگر قوموں کو ایک ہزار سال سے زیادہ عرصہ کے لیے اپنے عہدے سے محروم رکھا اور وہ غضب کا نشانہ بنے رہے (عاموس 3:1، 11:2) مگر اب ہر قوم کو نوازا جا سکتا ہے۔ (زبور 4:65)

❀❀❀

مشنری طریقہ تبلیغ

مسیحی حضرات تبلیغ کو تبشیر کہتے ہیں۔ان کے تجربہ کے مطابق:۔

1۔ تعلیم اور علاج معالجہ بہت مفید ثابت ہوئے ہیں چنانچہ ہر سطح کی تعلیم، طبی خدمات، گونگے بہرے بچوں کے مدرسے۔

2۔ یتیم خانے قائم کرنا۔

3۔ گھر بیٹھے عیسائیت کی معلومات حاصل کرنے والوں کے لیے خط و کتابت کورس۔

4۔ رفاحی ادارے۔

5۔ ثقافتی مراکز۔

6۔ تعلیم نسواں کے ادارے۔

7۔ حکام سے تعلقات۔

8۔ عیسائی اداروں سے تعلیم یافتہ با اختیار لوگوں سے رابطہ۔

9۔ عرسوں اور میلوں میں لوگوں میں لٹریچر تقسیم کرنا۔

10۔ کمانڈو کمپین یعنی کسی خاص علاقہ میں 2 یا 6 ہفتے تبلیغ کرنا۔

11۔ کم تعلیم یافتہ مذہبی یا ان پڑھ مذہبی لوگ جلد قائل ہوتے ہیں۔

12۔ اثر پذیر لوگ جلد قائل ہوتے ہیں۔

13۔ مسلمان خاکروبوں کو قائل کرنا۔

14۔ مطالعہ کے شوقین ان کا لٹریچر پڑھ کر مرتد ہو جاتے ہیں۔

15۔ فطری اور خود ساختہ لیڈر یعنی حب جاہ کے شکار لوگ۔

16۔ تھوڑے علم کے ساتھ مناظرہ کرنے والے مسلمان۔

17۔ بے استادے محقق۔

18۔ تعلیم نسواں کے اداروں کی طالبات۔

19۔ سکالرشپ لینے والے۔

20۔ شادی کا لالچ دینا۔

21۔ زمیندرانہ نظام کے مزارع۔

22۔ ترقی یافتہ ملکوں کا ویزہ دلوانا۔

مشنری اداروں کے ذرائع آمدنی

1۔ تعلیمی ادارے یعنی انگلش میڈیم سکول۔

2۔ ہسپتال۔

3۔ تعلیمی اداروں میں بوقت داخلہ عطیات۔

4۔ طلبہ کو جرمانے۔

5۔ زرعی مشنری فارمز۔

6۔ مشنری کواپریٹو سوسائٹی۔

7۔ سماجی خدمات کے لیے مختلف کاروبار۔

8۔ بیرون ملک سے رقوم کی آمد۔

❀❀❀

معافی نامے

(Indulgence)

(البقرہ254:2)

معافی نامے پوپ صاحبان اوران کے مقرر کردہ مذہبی ٹھیکیداروں کے پاس حصول دولت کا ایسا ذریعہ ہے جسکی وجہ سے ان کے خزانے بھر جاتے تھے۔ یہ مذہبی عہدیدار نذرانے اور عطیے وصول کرتے اور ان کے عوض نہ صرف زندوں بلکہ مردوں کی بھی بخشش اور مغفرت کے پروانے جاری کرتے جن سے ارواح جہنم کے عذاب سے نکل کر آرام کی جگہ پہنچ جاتیں۔ Kidd کے حوالہ سے CPS کلارک اپنی تاریخ کلیسا میں اس رسم کی تفصیل بتاتے ہوئے بیان کرتا ہے۔ ''اگر لوگ اس غرض کے لیے پیسے دینے کو تیار ہوتے تو جیسے ہی پادری کے صندوق میں سکوں کے گرنے کی آواز آتی تو مردے کی روح فوراً سیدھی جنت میں پہنچ جاتی۔'' (ص:Short History of Church270)

پادری خورشید عالم کے اپنے الفاظ میں ''مغفرت ناموں کی تجارت عام تھی جس کے باعث انسان بشپ کو گناہ کا بدل روپیہ دے کر سزا سے بری قرار دیا جاتا تھا۔ پوپ اربن دوم نے پہلی صلیبی مہم کے لیے مغفرت نامے تقسیم کر کے عبادت و ریاضت کی مطلوبہ حد کو اڑا دیا۔ تب عوام نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، دھڑا دھڑ مغفرت نامے خریدنے شروع کر دیئے تا کہ ان کے عزیزوں کی روحیں جو اعراف میں محبوس ہیں، رہائی پائیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ پوری خزانہ معمور ہو گیا۔ بشپوں کو روپیہ کمانے کا حربہ آ گیا اور کلیسا بد اخلاق بن گئی۔'' (تواریخ کلیسیائے رومتہ الکبریٰ ص141-142، پادری خورشید عالم)

معافی نامے اس زور شور سے فروخت کئے جانے لگے کہ تاجروں نے ان کی فروخت کے لیے باقاعدہ ایجنسیاں قائم کر لی تھیں اور ہر ایجنسی والا آواز لگا لگا کر لوگوں کو معافی نامے خریدنے کی ترغیب دیتا۔ عام طور پر پسماندگان کی توجہ مبذول کرانے کے لیے اس قسم کے الفاظ سے مخاطب کیا جاتا۔ ''آؤ بڑھو۔ جنت کے دروازے کھل رہے ہیں۔ اگر اب بھی تم داخل نہ ہو گے تو کب داخل ہو گے۔ تم بارہ پنس کے عوض

اپنے باپ کی روح کو جہنم سے نکلوا سکتے ہو۔ کیا تم ایسے ناخلف ہو کہ اپنے باپ کے لیے اتنی سستی نجات نہیں خرید سکتے۔ اگر تمہارے پاس اور کچھ نہیں تو فقط ایک کوٹ ہے تو وہی اتار دو تا کہ یہ گراں بہا متاع خرید سکو۔''

(نادر صدیقی، ص:157 بحوالہ بک کی دینیاتی لغت)

ہر قسم کے گناہ کی معافی کے لیے نرخ مقرر تھے، گناہ خواہ کیسا ہی کیوں نہ ہو، صرف مقرر شدہ رقم پادریوں کو دی جائے اور فوراً بخشش کرالی جائے۔ مختلف گناہوں کے نرخ مختلف تھے مثلاً اسقاط حمل کی معافی کے لیے 3-1/2 شلنگ، عدالت میں چھوٹی قسم کے 9 شلنگ، چوری کے 12 شلنگ، کسی پاک دامن عورت کی عصمت دری کے 9 شلنگ، زنا کی دوسری صورتوں کے 7-1/2 شلنگ، لونڈی رکھنے کے لیے 10-1/2 شلنگ (Buck's Theological Dictionary) معافی نامے تحریری بھی ہوتے تھے۔ (اظہار الحق، جلد نمبر 2، ص:445-446 مولانا رحمت اللہ کیرانوی)

پھر نوبت یہاں تک پہنچی کہ 1517ء میں ایک پادری جان ٹیٹزل (John Tetzel) نے اعلان کر دیا کہ اگر کسی عیسائی نے اپنی ماں کے ساتھ بدکاری کی ہو اور وہ کچھ پوپ کے مغفرت کے صندوق میں ڈال دے تو پوپ کو دنیا اور آخرت دونوں میں اختیار ہے کہ وہ اس کے گناہ معاف کر دے۔ اگر پوپ نے گناہ معاف کر دیا تو خدا کو ایسا ہی کرنا پڑے گا۔

Short History of The Church by CPS Clark P-270 (اظہار الحق، ص:445-446)

ایک بات قابل غور ہے کہ جب عیسائی عقائد کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی جنت دوزخ تقسیم کرنے والے ہیں اور ان پر ایمان لانا نجات کا باعث ہے تو پھر نذرانے دے کر دوزخ سے نکلنے کا کیا مطلب ہے؟ ایسے لوگوں کو دوزخ میں جانا ہی نہیں چاہیے تھا۔

❀❀❀

تاریخ مسیحیت کے متنازعہ پوپ

1۔ کلیمنٹ ہفتم:۔ فرانس، سپین اور جرمنی کے ساتھ اس کی سیاست نے روم کو تباہ کر دیا۔

2۔ جان پندرہ:۔ اس نے چرچ کا مال اپنے رشتہ داروں میں بانٹ دیا۔

3۔ اربن ششم:۔ جب اس کے کارڈینلز پر تشدد کیا جاتا تو وہ کہتا کہ مجھے ان کی چیخیں سنائی نہیں دیتیں یعنی وہ اپنے نائبین پر ظلم کرتا تھا۔

4۔ انوسنٹ چہارم:۔ اس نے مذہبی عدالتیں لگا کر تشدد کا سلسلہ شروع کر دیا۔

5۔ الیگزینڈر ششم:۔ اقربا پروری، رقص و سرود کی محفلوں کے لیے بدنام اور بورجیا خاندان کو پروان چڑھایا۔

6۔ لیو دھم:۔ اس نے معافی نامے فروخت کیے اور کارڈی نلز کو قتل کرایا۔

7۔ جان بارہ:۔ یہ خاتون زائرین کی عزت لوٹتا اور مشرکین کے دیوتاؤں کی پوجا شروع کرائی۔

8۔ بینی ڈکٹ نہم:۔ اس نے پوپ کا عہدہ فروخت کر دیا۔

9۔ سٹیفن ششم:۔ اس نے اپنے پیش رو پوپ کی قبر کھود کر اس کی لاش پر مقدمہ چلایا۔ اس کو مجرم قرار دے کر اس کے دائیں ہاتھ کی تین انگلیاں کاٹ دیں جن سے پوپ برکت دیتے ہیں، پھر اس کی لاش کو معمولی کپڑے پہنا کر دریا میں پھینک دیا۔

Anti Pope انٹی پوپ:۔ ایسا شخص جو درست طور پر منتخب پوپ کی جگہ زبردستی یا چالاکی سے پوپ بن بیٹھے۔ ایسا پوپ سب سے پہلے تیسری صدی میں بنا۔ پھر 200 سال تک ایسے ہی پوپ ہوتے رہے۔ ایسے لوگوں میں کلیمنٹ سوم، نکولس پنجم، کلیمنٹ ہفتم، بینی ڈکٹ ہشتم، جان 23، فیلکس پنجم شامل ہیں۔ یہ فیلکس آخری انٹی پوپ تھا۔

❀❀❀

مستشرقین

(آل عمران 3:118)

استشراق کی تعریف

مغربی اہل کتاب، مسیحی مغرب کی اسلامی مشرق پر نسلی اور ثقافتی برتری کے زعم کی بنیاد پر مسلمانوں پر اہل مغرب کا تسلط قائم کرنے کے لیے، مسلمانوں کو اسلام کے بارے میں گمراہی اور شک میں مبتلا کرنے اور اسلام کو مسخ شدہ صورت میں پیش کرنے کی غرض سے، مسلمانوں کے عقیدہ، ثقافت، شریعت، تاریخ، نظام، وسائل اور امکانات کا جو مطالعہ غیر جانبدارانہ تحقیق کے دعویٰ کے ساتھ کرتے ہیں، اسے استشراق کہا جاتا ہے۔ (ڈاکٹر احمد عبدالحمید غراب کی کتاب رویہ اسلامیہ لاستشراق، ص:9 بحوالہ ضیاء النبی، جلد نمبر 6، ص:122)

مستشرقین کے عرف میں لفظ مشرق کا جغرافیائی مفہوم مراد نہیں، بلکہ ان کے ہاں مشرق سے مراد زمین کے وہ خطے ہیں، جن پر اسلام کو فروغ حاصل ہوا۔

(ڈاکٹر محمد ابراہیم الفیومی رسالہ الاستعمار ص 144 بحوالہ ضیاء النبی، جلد نمبر 6 ص 123)

ایسے ہی لوگوں کے بارے میں کیا گیا ہے اہل کتاب کا ایک گروہ تمہیں گمراہ کرنا چاہتا ہے۔ (آل عمران 3:69)

اسلام کی تردید کی ابتداء یوحنا، دمشقی (676ء تا 749) نے دو کتابیں لکھ کر کی۔ وہ ہشام بن عبدالملک کے دور میں بیت المال میں ملازم تھا۔ اس نے ملازمت چھوڑ کر محاورہ مع المسلم اور ارشادات النصاریٰ فی جدل المسلمین نامی دو کتابیں لکھیں۔ (ایضاً، ص:126)

استشراق اور تبشیر (عیسائیت کی تبلیغ) ایک ہی تحریک کے دو روپ ہیں جو استعماری طاقتوں کی راہ ہموار کرتے ہیں۔ دراصل استشراق کی تحریک اس وقت شروع ہو گئی تھی، جب آفتاب اسلام طلوع ہوا تھا۔

تاریخ انسانی میں کسی کو بدنام کرنے کی اتنی کوشش نہیں کی گئی جتنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ہوئی۔

(منٹگمری واٹ۔ محمد پرافٹ اینڈ سٹیٹمین، ص:231)

ایسے ہی تاثرات کا اظہار فلپ کے حتی نے اپنی کتاب اسلام۔ اے وے آف لائف میں

ص 22-23 پر کیا ہے۔

مستشرقین کے مقاصد

1- دینی مقاصد:۔ اسلام کو پھیلنے سے روکنا، مسلمانوں کو عیسائی بنانا، اصل عیسائی عقائد معلوم کرنے کے لیے بائبل کے عبرانی نسخوں کا مطالعہ، بائبل کو سچا ثابت کرنے کیلئے آثار قدیمہ کی کھدائی اور ان علاقوں پر تحقیق جن کا ذکر بائبل میں آیا ہے۔

2- علمی مقاصد:۔ مخطوطے خریدنا، مختلف کتابوں کی تحقیق، کتابیں خریدنا اور شائع کرنا۔ یورپ کی علمی ترقی میں مستشرقین کا بڑا ہاتھ ہے۔

3-اقتصادی مقاصد:۔ اہل مشرق کے ساتھ تجارتی معاملات اچھے طریقہ پر طے کرنے کے لیے عربی وغیرہ زبانیں سیکھتے ہیں۔ پھر ان کی حکومتیں چوروں کی طرح متعلقہ ممالک میں داخل ہوتی ہیں اور ان کی دولت لوٹنے کیلئے تمام حربے اختیار کرتی ہیں۔ مثلاً افغانستان پر 2001ء میں قبضہ روسی ریاستوں کے تیل اور افغانستان کی معدنیات کے لالچ میں کیا۔

4-سیاسی مقاصد:۔ سارے عالم اسلامی پر سیاسی غلبہ، اسرائیل کا قیام، انہوں نے مسلمانوں کا تفصیلی مطالعہ کرنے کے بعد ان کے باہمی اتحاد کو توڑا اور اپنے مقاصد حاصل کئے۔ فرقہ واریت کو فروغ دینے کیلئے کتابیں لکھیں اور سازشیں کیں۔

مستشرقین کے علمی رعب کے اسباب

1- اہل یورپ کی نسلی برتری کا نظریہ۔

2- مشرق ممالک پر اہل مغرب کا قبضہ۔

3- اہل مشرق کو نکما اور اہل یورپ کو اعلیٰ عقل کا مالک ثابت کرنا۔

4- بڑا علمی ذخیرہ جس کا رعب ذہنوں پر پڑا، جو کہ مستشرقین کی ان تھک کوششوں کا نتیجہ ہے۔

5- مغربی نظام تعلیم۔

6- یورپ کی مادی ترقی اور منظم زندگی۔

7- نادر علمی کتابیں اپنی تحقیق، حواشی اور فہرستوں سمیت شائع کیں۔ مثلاً جرمن مستشرق کارل بروکلمان نے تاریخ ادب عربی 50 سال کی تحقیق کے بعد لکھی۔ ونسک نے احادیث کے الفاظ کا انڈکس

11 جلدوں میں تیار کیا۔

8- انصاف پسندی کا لبادہ۔

9- مسلمانوں کی کم علمی اور ذہنی غلامی۔

اسلام پر مستشرقین کے حملوں کی جہتیں

ان کی اسلام دشمن کارروائیاں پانچ حصوں میں تقسیم کی جاسکتی ہیں۔

1- قرآن مجید پر اعتراضات۔

2- سیرت نبوی پر اعتراضات۔

3- حدیث پر اعتراضات۔

4- شریعت اسلامی پر اعتراضات۔

5- تاریخ اسلام پر اعتراضات۔

ان کاموں کے لیے انہوں نے اپنی زندگیاں وقف کر دیں اور کتابوں کے ڈھیر لگا دیئے۔

طریقہ واردات

ان کا طریقہ واردات یہ ہے کہ وہ قرآن مجید، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، احادیث، اسلام وغیرہ کی تعریف بھی کرتے جائیں گے اور بیچ میں زہر بھی گھولتے جائیں گے۔ عام قاری خصوصاً مسلمان ان کی تعریفی جملے پڑھ کر ان کے انصاف پسند ہونے کا یقین کر لیتا ہے اور ان کے پراپیگنڈہ کا شکار ہو جاتا ہے۔ خاص طور پر وہ پڑھا لکھا نوجوان جو اسلامی تعلیمات سے واقف نہیں ہوتا۔ ان کا اصل مقصد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سچے نبی کی بجائے ایک کامیاب سیاسی لیڈر ثابت کرنا ہوتا ہے، جس نے موقع پا کر حکومت سنبھال لی۔

❀❀❀

لقب ''عیسائی'' کا استعمال

آج کل کے عیسائی حضرات اپنے آپ کو مسیحی کہلانے پر زور دیتے ہیں اور لفظ عیسائی بولنے سے ناراض ہوتے ہیں، مگر یہ سوچ بعد میں پیدا ہوئی ہے، جبکہ آج سے تقریباً 100 سال پہلے سوچ اور تھی اور اس لفظ کو معزز خطاب کی حیثیت حاصل تھی۔ کیتھولک کلیسا کی بحثی تعلیم میں لکھا ہے: عیسائی کا بڑا خطاب صرف ان شخصوں سے متعلق ہے، جو لوگ یسوع مسیح کے تمام مسائل کو مانتے ہیں اور اس کے تمام حکموں پر چلتے ہیں۔ (ص:5 پہلا حصہ)

اسی طرح پادری عماد الدین نے اپنی کتاب واقعات عمادیہ میں اپنے آپ کو کئی دفعہ عیسائی لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ ص:9، ص:19 وغیرہ۔

پادری سلطان پال نے بھی اپنی تفسیر قرآن سلطان التفاسیر ص 76 پر عیسائی کا لفظ اپنے ہم مذہبوں کے لیے استعمال کیا ہے۔ (بحوالہ برہان التفاسیر ص 223، از مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ)

❁❁❁

عیسائی بزرگوں کی روایات کی حیثیت

روایات سے مراد چرچ کے قدیم رسم ورواج ہیں۔ کیتھولک حضرات نے پروٹسٹنٹ حضرات سے چند سوال کیے ہیں، کیونکہ پروٹسٹنٹ روایات کے منکر ہیں۔ کیتھولک پوچھتے ہیں کہ:

1- بہت سی سچائیاں جونجات کے لئے ضروری ہیں، کتاب مقدس میں صریحا درج نہیں ہیں، مثلاً

(i) کتاب مقدس میں کہاں لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی مذہبی رسومات منسوخ کی گئی ہیں اور آئندہ ان کو نہیں ماننا چاہیے؟

(ii) ہم کتاب مقدس میں کسی جگہ پڑھتے ہیں کہ بجائے سنیچر (ہفتہ) کے اتوار کا دن پاک ماننا چاہیے؟

(iii) کتاب مقدس میں یہ کس جگہ درج ہے کہ خون اور گلا گھونٹے ہوئے حیوانوں سے پرہیز کا حکم منسوخ ہوگیا ہے؟

(iv) ہم کتاب مقدس میں کہاں پڑھتے ہیں کہ بچوں کو بپتسمہ دینا چاہیے۔

2- علاوہ اس کے کتاب مقدس خود اپنے تئیں کلام خدا ثابت نہیں کرسکتی کہ جو کچھ مجھ میں درج ہے اس کو خدا نے الہام کیا ہے۔

یہ تمام سوالات بخشی تعلیم کے دوسرے حصہ کے ص: 19 پر درج ہیں۔

❀❀❀

نجات کہاں ہے؟

اس کے بارے میں دو بیان ملتے ہیں:

1- یسوع فرماتے ہیں کہ نجات یہودیوں میں ہے۔(یوحنا4:22)

2- دوسری جگہ لکھا ہے کہ نجات عیسائیت میں ہے۔ مثلاً یسوع ہی فرماتے ہیں: دروازہ میں ہوں اگر کوئی مجھ سے داخل ہو تو نجات پائے گا۔(یوحنا10:9)

پطرس کہتے ہیں کہ اور کسی دوسرے کے وسیلے سے نجات نہیں۔(اعمال4:12)

❀❀❀

نہانا منع ہے

عیسائی درویش جیروم عبادت گزار اور عابد زاہد لوگوں کو خبردار کرتا ہے کہ گرم پانی سے نہانا اخلاقی طور پر کمزور کرتا ہے۔ وہ اپنی خاتون مریدوں میں سے ایک کے نام خط میں عورت کے لیے ہر قسم کے غسل کو منع کرتا ہے، جب کہ دوسرا درویش آگسٹائن مہینے میں ایک دفعہ نہانے کی اجازت دیتا ہے۔

(DCA-Vol-2, P-939)

عیسائیت میں بدن کی صفائی روح کی آلودگی سمجھی جاتی تھی۔ جن اولیاء کی بہت زیادہ تعریف کی جاتی تھی وہ گندگی کے ڈھیر میں تبدیل ہو چکے تھے۔ سینٹ اتھانیس اور انتھنی وغیرہ لمبی عمر کے باوجود پوری زندگی پاؤں دھونے کے گناہ کے مرتکب نہ ہوئے۔ ایک خانقاہ میں 130 راہبائیں دیکھی گئیں جنھوں نے کبھی پاؤں نہ دھوئے۔ وہ نہانے کے نام سے کانپتی تھیں۔

(Lecky: History of European Morals vol-2, P-47)

ایک متقی عورت نے جو کہ چوتھی صدی میں تھی، یہ شیخی ماری کہ اس نے 18 سال تک منہ نہیں دھویا کہ کہیں بپتسمہ والا متبرک تیل ڈھل نہ جائے۔ (برٹانیکا، جلد 1، ص:49)

عیسائیوں میں 373ء سے بعد تک گندگی اور بیماری درویشی بن گئی۔ قابل نفرت اور مکروہ فقیر اپنی گندگی اور پھوڑوں کو لوگوں کی تعظیم کے لیے پیش کرتے تھے۔

(UHW, Vol-4, P-2333)

❀❀❀

طلاق

تورات میں طلاق کی اجازت ہے۔(استثناء24:1-2)

اور مطلقہ عورت کو دوسری شادی کی بھی اجازت ہے، مگر عیسائیت میں نہ طلاق کی اجازت اور نہ مطلقہ عورت سے شادی کی اجازت ہے، بلکہ مطلقہ عورت سے شادی کرنے کو زنا کہا گیا ہے۔(مرقس10:9-10)

پال بھی عورت کو منع کرتا ہے کہ وہ خاوند سے جدا ہو۔(1- کرنتھیوں7:10)

کیتھولک مذہب میں صرف موت ہی میاں بیوی کو جدا کر سکتی ہے۔(کیتھولک ڈکشنری، ص:477)

کیتھولک چرچ میں زنجیر نکاح بہت بھاری اور لوہے کی طرح ناگوار ہے، جس کو تمام عمر نبھانا پڑے گا۔(Baur: Woman and Love, Vol-2, P-291)

عیسائی قانون کے مطابق طلاق کے بعد فریقین میں سے کسی کو دوبارہ تازندگی شادی کرنے کا کوئی حق باقی نہیں رہتا۔(برٹانیکا، جلد16، ص:952)

❀❀❀

کثیر الازدواجی

قدیم یہود میں بائبل کے دور میں ایک سے زیادہ شادیوں کا رواج تھا اور موسیٰ علیہ السلام کی شریعت نے اس کی اجازت دی، بلکہ بعض حالات میں اس کا حکم دیا۔ بائبل میں کہیں اس کی ممانعت نہیں ہے۔ سوائے بشپوں کے، جس کا ذکر نئے عہد نامہ میں ملتا ہے۔ (برٹانیکا جلد 22، ص:24)

اس کا ثبوت انبیاء کرام علیہم السلام کی شادیاں ہیں، جن میں سے چند مثالیں درج ذیل ہیں:۔

1- سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی تین بیویاں تھیں: سارہ، ہاجرہ، قطورہ۔ (پیدائش 29:11، 3:16، 1:25)

2- سیدنا یعقوب علیہ السلام کی 4 بیویاں تھیں: لیاہ، راحل، بلہاہ اور زلفہ۔ (پیدائش 16:29 تا 30)

3- سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی دو بیویاں تھیں: صفورا اور کوشی (حبشی) عورت۔ (خروج 21:2، گنتی 1:12)

4- حضرت داؤد علیہ السلام کی 6 بیویوں کا ذکر (1- سموئیل 27:13، 43,42:25۔ 2- سموئیل 3:3، 5,4) میں ہے اور (2- سموئیل 13:5) کے مطابق یروشلم میں اور بیویاں اور حرمیں بھی رکھیں جن سے اولاد ہوئی اور یاحتی کی بیوی اور شونمیت ابی شاگ ان کے علاوہ تھیں۔ (2- سموئیل باب 11 اور 1- سلاطین 1:1 تا 4)

5- حضرت سلیمان علیہ السلام کی 700 بیویاں اور 300 لونڈیاں تھیں۔ (1- سلاطین 3:11)

تالمود کے مطابق کوئی آدمی جتنی چاہے بیویاں رکھ سکتا ہے اور ایک اتھارٹی نے 4 بیویوں کی پابندی لگائی ہے۔ (ایوری مین تالمود ص 166 مولفہ کوہن)

کثیر الازدواجی کا رواج عبرانی، سلاوی، جرمن، آئرش اور ہندو لوگوں میں زیادہ رہا ہے۔ ہندو مذہب کے کسی قانون ساز نے کبھی بھی بیویوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد پر کوئی پابندی نہیں لگائی۔

(برٹانیکا، جلد 18، ص:186)

کثیر الازدواجی قدیم وقتوں سے چلا آنے والا پکا رواج ہے جو کہ آج تک جاری ہے۔ قانون شریعت نے دراصل اس کو باقاعدہ بنایا اور حدود مقرر کیں۔ (جیوش انسائیکلوپیڈیا، ج:10، ص:120)

❀❀❀

جنت کی مادی نعمتیں

(محمد 15:47، یٰس 36:55 تا 58)

فانڈر نے قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں مذکور جنت کی جسمانی نعمتوں کا انکار کیا اور محض روحانی شادمانی حاصل ہونے کا ذکر کیا۔ (ص 373)

مسلمانوں کا ایمان ہے کہ نیک لوگوں کو اگلے جہان میں جنت ملے گی اور وہاں وہ تمام نعمتیں بھی ملیں گی چاہے جسمانی ہوں یا روحانی، جن کا بیان قرآن مجید نے کیا ہے۔ وہاں وہ سب نعمتیں ملیں گی جو دل مانگے گا اور جو دماغ مانگے گا۔ اس کا بیان قرآن پاک نے یوں فرمایا: ''وہاں جس نعمت کو تمہارا جی چاہے گا تم کو ملے گی اور جو چیز تم طلب کرو گے تمھارے لیے موجود ہوگی۔''

(حم السجدہ 31:41)

اب فانڈر کے دعویٰ کا جائزہ لیتے ہیں کہ انجیل کی تعلیمات کے مطابق اگلے جہان ملنے والی روحانی شادمانی پر مشتمل ہوں گی۔ پرانے عہد نامہ میں فردوس کے لفظ کا کوئی حوالہ نہیں ملتا۔ جبکہ نئے عہد نامہ میں فردوس کا لفظ تین جگہ آیا ہے۔ یاد رہے کہ قرآن میں فردوس کا لفظ دو دفعہ آیا ہے کہف 107:18 اور دوسرا مومنون 11:23 میں

نئے عہد نامہ کے مطابق

(i) یسوع نے صلیب پر لٹکے ہوئے بدکار کو کہا کہ ''میں تجھ سے سچ کہتا ہوں کہ آج ہی تو میرے ساتھ فردوس میں ہوگا۔'' (لوقا 43:23)

(ii) پولوس اپنے متعلق لکھتا ہے کہ ''فردوس میں پہنچ کر ایسی باتیں سنیں جو کہنے کی نہیں اور جن کا کہنا آدمی کو روا نہیں۔ (2۔ کرنتھیوں 4:12)

(iii) جو غالب آئے میں اسے اس زندگی کے درخت میں سے جو خدا کے فردوس میں ہے پھل کھانے کو دوں گا۔ (مکاشفہ 7:2)

اب لفظ فردوس کی تحقیق کرتے ہیں۔

(i) وہ باغ جو کئی قسم کی نباتات اگاتا ہے اور وہ باغ جس میں وہ تمام اشیاء ہوں جو باغوں میں ہوسکتی ہیں۔(اقرب الموارد)

(ii) فردوس اس باغ کو کہتے ہیں جس کے درخت پھیلتے جائیں۔انگور کی ٹٹیوں کو بھی کہتے ہیں۔

(iii) فردوس پانی کی وہ چھوٹی نہر جس میں ہر طرح کا سبزہ اگا ہوا ہو۔

(iv) وہ باغ جس کے اندر انگور اور ہر طرح کے پھل اور پھول ہوں۔

(v) اس کے ہم مادہ دوسرے لفظ فُر دُوس، مہمان کے سامنے رکھے جانے والے کھانے کو کہتے ہیں۔

ان چاروں معانی کے لیے ملاحظہ ہو۔لغات القرآن (جلد نمبر 5 ص 42-43 زیر لفظ الفِر دَوس) تالیف مولانا عبدالرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ)

(vi) باغ، گلزار، گلشن، بہشت، جنت۔(فیروز للغات اردو ص 928)

(vii) وہ باغ جس میں تمام باغوں کے میوے موجود ہوں۔(فیروز للغات فارسی اردو ص 187)

پال نے اپنے خط میں یہ بھی لکھا کہ ابراہیم واسحاق و یعقوب کے لیے آسمانی ملک میں خدا نے ایک شہر تیار کیا ہے۔(عبرانیوں 16:11)

پال اپنے خط میں لکھتا ہے''وہ چیزیں نہ آنکھوں نے دیکھیں نہ کانوں نے سنیں نہ آدمی کے دل میں آئیں وہ سب خدا نے اپنے محبت کرنے والوں کے لیے تیار کر دیں۔(1۔کرنتھیوں 9:2)

چونکہ فردوس انگور کی ٹٹیوں کو بھی کہتے ہیں لہٰذا مسیح علیہ السلام بھی جنت کی جسمانی نعمتوں کا اقرار کرتے ہوئے فرماتے ہیں''میں تم سے کہتا ہوں کہ انگور کا شیرہ پھر کبھی نہ پیئوں گا اس دن تک کہ تمہارے ساتھ اپنے رب کی بادشاہی میں نیا نہ پیئوں۔''(متی 29:26، مرقس 15:14، لوقا 18:22)

اگلے جہان میں کھانا بھی ہوگا۔فسح کھانے کے بارے میں یسوع نے فرمایا''اسے کبھی نہ کھاؤں گا جب تک کہ وہ خدا کی بادشاہی میں پورا نہ ہو۔''(لوقا 16:22)

وہاں پر خدا تعالیٰ کے گھر میں بہت سے محل ہیں۔(یوحنا 2:14)

انگریزی ترجمہ میں MANSION لکھا ہے جس کا معنیٰ محل ہے۔(KJV ص 524)

اور اردو میں مکان لکھا ہے۔

''اور جس کسی نے گھروں یا بھائیوں یا بہنوں یا باپ یا ماں یا بچوں یا کھیتوں کو میرے نام کی خاطر

چھوڑ دیا ہے۔اس کو سو گنا ملے گا اور ہمیشہ کی زندگی کا وارث ہوگا۔(متی 29:19)

کھیت اور گھر اور دوسری تمام مذکورہ نعمتیں مادی ہیں۔مسلمانوں کی جنت کے بارے میں عیسائی عالم نے یہ کہا ''مسلمانوں کی جنت کی خوشیاں صرف نفس پروری تک محدود نہیں ہوں گی اور جیسا کہ نبی ﷺ نے واضح طور پر بیان فرمایا کہ شہداء اور اولیاء کمتر درجہ کی خوشیاں چھوڑ کر اعلیٰ ترین سعادت یعنی دیدار خداوندی میں مشغول ہوں گے۔(GRE,V-5, P-351)

اوپر دیئے گئے مکاشفہ 7:2 کے حوالہ میں بھی وہ پھل کھانے کا ذکر ہے۔جو خدا کے فردوس (جنت) میں ہیں۔اگرچہ لفظ فردوس ہی قرآن مجید میں بیان کردہ جنت کی نعمتوں کا احاطہ کرتا ہے مگر پھر بھی عیسائی حضرات کی تسلی کے لیے باقی حوالے بھی درج کر دیئے ہیں تاکہ ان کو معلوم ہو کہ ان کی کتابوں میں بھی جنت کی جسمانی نعمتوں کا ذکر ہے اور یہ کہ فانڈر کا انکار بے بنیاد ہے۔

❀❀❀

رہبانیت

(الحدید:27:57)

مسیحی کلیسا میں ابتداء ہی سے رہبانیت کی طرف جھکاؤ تھا۔ معاشرے کے تمام مستقل شعبوں (مثلاً خاندان وغیرہ) کو ابتدائی پرجوش مسیحی براجانتے تھے۔ (برٹانیکا، ج:2، ص:270)

رہبانیت نے ابتدا ہی سے مسیحی کلیسا میں جگہ بنالی تھی۔ (ERE, Vol-1, P-74)

عیسائیت کی ابتداء ہی سے نفئی ذات کرنے والوں کو مقدس اور ممتاز مسیحی سمجھا گیا۔

(DCA, Vol-2, P-1219)

رہبانیت کا فروغ جوش وجذبہ سے بھرپور اس آرزو سے ہوا کہ دنیا سے بھاگا جائے۔

(DCA, Vol-1, P-770)

عیسائیوں کے پاس دین کی سرحدیں متعین کرنے کے لیے کوئی مفصل شریعت اور کوئی واضح سنت موجود نہ تھی۔ شریعت موسوی کو وہ چھوڑ چکے تھے اور تنہا انجیل کے اندر کوئی مکمل ہدایت نامہ نہ پایا جاتا تھا۔ اس لیے مسیحی علماء نے کچھ باہر کے فلسفوں اور طور طریقوں سے متاثر ہو کر اور کچھ اپنے رجحانات کی بنا پر طرح طرح کی بدعتیں دین میں داخل کر دیں۔ یہ رہبانیت بھی انہی بدعتوں میں سے ایک تھی۔

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ رہبانیت کا آغاز مصر سے ہوا۔ اس کا بانی سینٹ انتھنی تھا، جو 250ء میں پیدا ہوا اور 350ء میں دنیا سے رخصت ہوا۔ اسے پہلا مسیحی راہب قرار دیا جاتا ہے۔ عیسائیوں میں رہبانیت کے بنیادی قواعد اسی کی تحریروں اور ہدایات سے ماخوذ ہیں۔ اس کے بعد یہ سلسلہ مصر میں سیلاب کی طرح پھیل گیا۔ اس نظام کی چند خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

1- سخت ریاضتوں اور نت نئے طریقوں سے اپنے جسم کو اذیتیں دینا۔

2- ہر وقت گندے رہنا اور صفائی سے سخت پرہیز کرنا۔

3- ازدواجی زندگی کو حرام سمجھنا۔

4- ماں باپ بھائی بہنوں اور اولاد تک سے رشتہ ختم کر دینا۔

5- اپنے رشتہ داروں کے معاملہ میں سنگ دلی کی مشق کو دوسرے فرقوں کے خلاف استعمال کرنا۔ مثلاً آگسٹائن نے اپنے دور تک عیسائیوں کے 88 فرقے گنائے ہیں جو ایک دوسرے کے خلاف سخت نفرت رکھتے تھے۔ اس نفرت کی آگ کو بھڑکانے والے راہب ہی تھے۔

6- فقر و درویشی کے پردہ میں دولت دنیا سمیٹنے میں کمی نہ کی گئی اور بڑے بڑے طالب دنیا ان درویشوں سے مات کھا گئے۔

7- عفت کے معاملہ میں فطرت سے لڑ کر رہبانیت نے بارہا شکست کھائی۔ جس کا اعتراف عیسائی مصنف یوں کرتے ہیں:

خانقاہوں میں موجود راہبات نے ''مقدس لوگوں'' کی جنسی خواہشات کو داشتاؤں سے بڑھ کر پورا کیا۔ (Scott, History of Prostitution, P-112)

❀❀❀

توہین رسالت کا قانون

(توبہ 61:9)

توہین رسالت کا قانون (دفعہ 295-c) اکثر زیر بحث رہتا ہے اور عیسائی حضرات اس کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔ جب کہ پال کی تعلیم یہ ہے کہ ''ہر شخص اعلیٰ حکومتوں کا تابعدار رہے، کیونکہ کوئی حکومت ایسی نہیں جو خدا کی طرف سے نہ ہو اور جو حکومتیں موجود ہیں وہ خدا کی طرف سے مقرر ہیں، پس جو کوئی حکومت کا سامنا کرتا ہے وہ خدا کے انتظام کا مخالف ہے اور جو مخالف ہیں وہ سزا پائیں گے، کیونکہ نیکوکار کو حاکموں سے خوف نہیں، بلکہ بدکار کو ہے۔ پس تو اگر حاکم سے نڈر رہنا چاہتا ہے تو نیکی کر۔ اس طرف سے تیری تعریف ہوگی کیونکہ وہ تیری بہتری کے لیے خدا کا خادم ہے۔ لیکن اگر تو بدی کرے تو ڈر کیونکہ وہ تلوار بے فائدہ لیے ہوئے نہیں اور خدا کا خادم ہے کہ اس کے غضب کے موافق بدکار کو سزا دیتا ہے۔ (رومیوں 13:1 تا 4)

لفظ کفر کے تحت قاموس الکتاب میں لکھا ہے ''چونکہ موسیٰ علیہ السلام، پولس اور خداوند مسیح خدا کے نمائندے تھے اس لیے ان کے خلاف توہین آمیز الفاظ خدا کے خلاف کفر کے مترادف تھے اور ان کے اور ان کی تعلیم کے خلاف آواز اٹھانا گویا خدا کی بے عزتی کرنے کے برابر تھا۔ (ص:795 بحوالہ متی 10:40 اور لوقا 16:10)

توہین رسالت کی سزا بائبل میں بھی قتل ہے۔ (1۔سلاطین: 2:8-9)

لہٰذا عیسائی حضرات کو چاہیے کہ ملکی قانون کی پابندی کریں جو کہ ان پر بقول پال خدا کا حق ہے۔

دوسری بات یہ کہ اکثریت کو قانون بنانے کا حق حاصل ہے جیسا کہ برطانیہ میں ساس سے داماد کی شادی کا قانون اور امریکہ و یورپ میں مرد کی مرد سے شادی کا قانون بنایا گیا جس کے تحت 2012ء میں امریکی کانگریس کے ایک ممبر نے ایک مرد سے شادی کی جس میں ارکان کانگریس کے علاوہ کانگریس کی سپیکر نینسی پلوسی بھی شریک ہوئی۔

اگر قانون موجود ہو تو فساد نہیں ہوتا۔ کیا تمام قوانین اس بنا پر ختم کر دیے جائیں کہ کہیں ان کا اطلاق کسی پر نہ ہو جائے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ جیب تراشوں کے بارے میں قانون کے خلاف شور مچانے والے کا پروگرام جیب تراشی کا بن چکا ہے؟

❀❀❀

مرتد کی سزا قتل ہے

(البقرہ:2:217)

تورات میں بھی مرتد کی سزا قتل ہے۔ وہاں فرمایا گیا کہ اگر تیرا بھائی یا تیری ماں کا بیٹا یا تیرا بیٹا یا بیٹی یا تیری ہم آغوش بیوی یا تیرا دوست جس کو تو اپنی جان کے برابر عزیز رکھتا ہے تجھ کو چپکے چپکے پھسلا کر کہے کہ چلو ہم اور دیوتاؤں کی پوجا کریں، جن سے تو اور تیرے باپ دادا واقف بھی نہیں یعنی ان لوگوں کے دیوتا جو تمہارے گرداگرد تیرے نزدیک رہتے ہیں یا تجھ سے دور زمین کے اس سرے سے اس سرے تک بسے ہوئے ہیں تو تو اس کے ساتھ رضا مند نہ ہونا اور نہ اس کی بات سننا۔ تو اس پر ترس بھی نہ کھانا اور نہ اس کی رعایت کرنا اور نہ اُسے چھپانا۔ بلکہ تو اس کو ضرور قتل کرنا اور اس کو قتل کرتے وقت پہلے تیرا ہاتھ اس پر پڑے۔ اس کے بعد قوم کا ہاتھ اور تو اسے سنگسار کرنا تاکہ وہ مر جائے، کیونکہ اس نے تجھ کو خداوند تیرے خدا سے جو تجھ کو ملک مصر یعنی غلامی کے گھر سے نکال لایا برگشتہ کرنا چاہا، تب سب اسرائیل سن کر ڈریں گے اور تیرے درمیان پھر ایسی شرارت نہیں کریں گے۔ (استثنا 13:6 تا 11)

عیسائیت میں جان بوجھ کر مرتد ہونا ایک ناقابل معافی جرم تھا جو قتل اور زنا کے برابر تھا۔

(ERE, Vol-1, P-623)

پروٹسٹنٹ پادری پیرس اپنے رسالے ''کلیسیائے روم میں شامل ہونے کے خلاف پچاس دلائل'' میں لکھتے ہیں کہ رومی کلیسا (کیتھولک) کا اب تک یہ قانون رہا ہے کہ تمام بدعتی یعنی پروٹسٹنٹ جو رومی کلیسا کی تعلیم کو نہیں مانتے، جان سے مارے جائیں۔ یہ قانون کبھی منسوخ نہیں کیا گیا۔ (ص:5)

❀❀❀
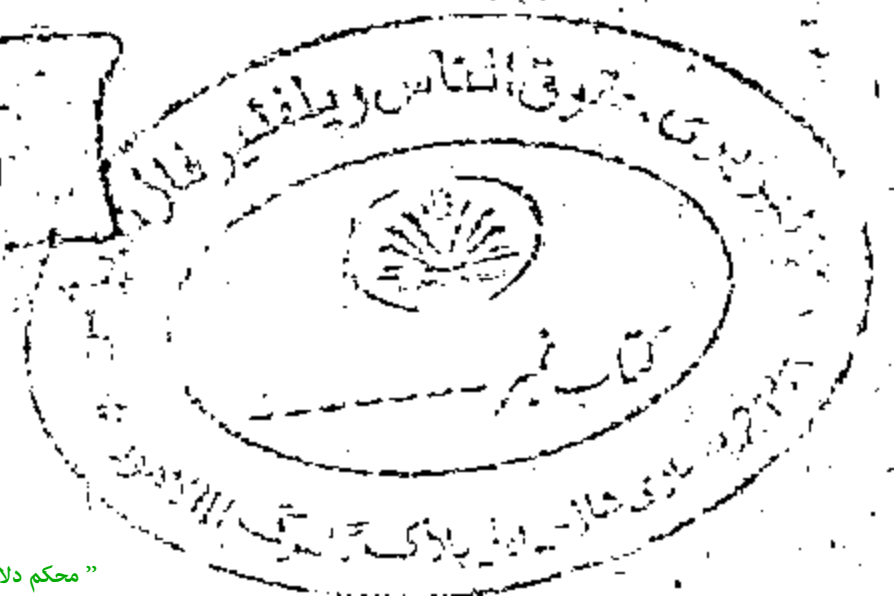
سلسلۂ انبیاء کی ایک نہایت اہم کڑی، جلیل القدر پیغمبر جناب عیسیٰ علیہ السلام ہیں، جن کے لائے ہوئے پیغام کو ان کے نام کی طرف منسوب کرتے ہوئے "عیسائیت" کہا جاتا ہے۔ یہ بھی دیگر انبیاء کی طرح اپنی اُمت کا مرکز ومحور تھے لیکن ان کی زندگی عجائبات اور معجزوں سے مرکب ہے۔ انھیں اپنی اُمت میں تبلیغ کرنے کے لیے تین سال ملے، تو جب انھیں زندہ آسمان کی طرف اُٹھالیا گیا تو تھوڑے عرصے بعد ہی پولوس (ایک کٹر یہودی) نے عیسائیت کا لبادہ اوڑھ کر ان کے لائے ہوئے پیغام میں آمیزش شروع کر دی، اور جب پولوس کے نظریات کو حکومتی سرپرستی حاصل ہوئی تو اس کی تعلیمات عوام میں جڑ پکڑ گئیں اور حقیقی تعلیم پس منظر میں چلی گئی۔ دورِ حاضر کی عیسائیت دراصل پولوس کے مرہونِ منت ہے لہٰذا اسے عیسائیت کی بجائے "پولوسیت" کہنا زیادہ درست ہے۔

مسلم اہلِ علم کی جانب سے ہر دور میں ان کی اغلاط واضح کی گئیں، اور بہت زیادہ لٹریچر منظرِ عام پر آیا لیکن یہ کتاب جو آپ کے ہاتھ میں ہے، نہایت قیمتی اور انتہائی علمی ہے۔ اس میں عیسائیت کے تمام بنیادی عقائد اور تعلیمات کو انھی کے سیکڑوں مستند و قابلِ اعتماد ماخذ و مراجع کی مدد سے زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ نیز اسلام کی حقانیت بھی انہی کے اُصول و قواعد کی روشنی میں ثابت کرتے ہوئے قرآن و حدیث اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر اُٹھائے جانے والے اعتراضات کا بھی کافی وشافی جواب دیا گیا ہے۔ اس کتاب میں جس قدر معلومات جمع کر دی گئی ہیں، اس سے قبل کسی کتاب میں مجھے نظر نہیں آئیں۔

یہ کتاب "البرہان کیا ہے؟" دلائل و براہین کا خزینہ، معلوماتی فوائد ونکات کا گنجینہ، عیسائیت کی حقیقت تک پہنچنے کا سفینہ، اسلام کی سچائی کا نگینہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعاگو ہوں کہ بنائے اس کتاب کو کامیابی کا زینہ زرینہ۔ آمین

خاور رشید بٹ

انچارج: شعبہ تقابل ادیان و سیرت سیکشن

ادارہ حقوق الناس ویلفیئر فاؤنڈیشن، لاہور

حقوق الناس ویلفیئر فاؤنڈیشن

Email: info@huqooq.org

www.huqooq.org Ph: 03214115721